تبیان القرآن
مترجم و مفسر
علامہ غلام رسول سعیدی
فرید بک سٹال

بسم الله الرحمن الرحیم
هو الله
الذی لا اله
الا هو
الرحمن
الرحیم
الملک
القدوس
السلام
المؤمن
المهیمن
العزیز
الجبار
المتکبر
الخالق
الباری
المصور
الغفار
القهار
الوهاب
الرزاق
الفتاح
العلیم
القابض
الباسط
الخافض
الرافع
المعز
الحکم
البصیر
السمیع
المذل
العدل
اللطیف
الخبیر
الحلیم
العظیم
الغفور
الشکور
العلی
الکبیر
الحفیظ
المقیت
الحسیب
الجلیل
الکریم
الرقیب
المجیب
الواسع
الحکیم
الودود
المجید
الباعث
الشهید
الحق
الوکیل
القوی

المتین
الولی
الحمید
المحیی
الممیت
الحیی
القیوم
الواجد
الماجد
الواحد
الاحد
الصمد
القادر
المقتدر
المقدم
المؤخر
الاول
الآخر
الظاهر
الباطن
الوالی
المتعالی
البر
التواب
الله
جل جلالہ
المنتقم
العفو
الرؤف
مالک الملک
ذوالجلال والاکرام
المقسط
الجامع
الغنی
المغنی
المانع
الضار
النافع
النور
الهادی
البدیع
الباقی
الوارث
الرشید
الصبور
رب العالمین
مالک یوم الدین
القدیر
الوحید
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد یازدہم

الاحقاف تا التغابن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔۳۸

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
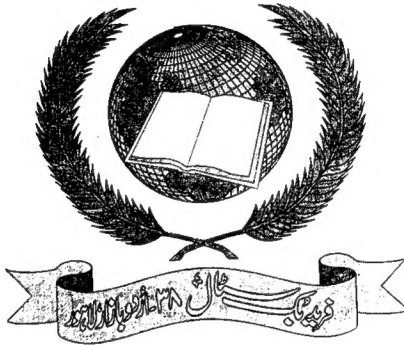
تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد، شاہد محمود، عبدالقیوم

مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور

الطبع الاوّل : ربیع اوّل 1427ھ / مارچ 2006ء

الطبع السابع : جمادی الاوّل 1434ھ / مارچ 2013ء

فرید بک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۳۷۳۱۲۱۷۳۔۳۷۱۲۳۴۳۵

فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۳۷۲۲۴۸۹۹

ای۔میل : info@faridbookstall.com

ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

Farid Book Stall

Phone No:092-42-37312173-37123435

Fax No.092-42-37224899

Email:info@faridbookstall.com

Visit us at:www.faridbookstall.com

فہرست مضامین

سورۃ الحجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شئ عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللھم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القرآن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت آمین یارب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے' جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا' اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں' قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے' اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

انڈیکس تبیان القرآن (جلد یازدہم)

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الاحقاف

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الاحقاف ہے کیونکہ قرآن مجید کی اس سورت کی ایک آیت میں الاحقاف کا ذکر ہے وہ آیت یہ ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (الاحقاف:۲۱) اور عاد کے بھائی (ثمود) کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا۔

احادیث میں بھی اس سورت کو الاحقاف سے تعبیر فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آل حٰمٓ سے ایک سورت پڑھائی اور وہ ثلاثین میں سے الاحقاف ہے (جس سورت کی تیس سے زیادہ آیتیں ہوں اس کو ثلاثین کہتے ہیں)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا' وہاں ایک شخص اس سورت کو کسی اور طریقہ سے پڑھ رہا تھا' میں نے اس سے پوچھا: تم کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' میں نے ایک اور شخص سے کہا: تم اس سورت کو پڑھو' اس نے ہم دونوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اس سورت کو پڑھا' میں ان دونوں کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا' اور میں نے کہا: یارسول اللہ! یہ دونوں اس سورت کی قرأت میں میری مخالفت کر رہے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا' آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوگئیں تھیں کہ وہ اپنی کتاب میں اختلاف کرتی تھیں۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے' انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ہر شخص اس طرح پڑھے جس طرح اس کو پڑھایا گیا ہے۔ الحدیث

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۹۸۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابتداء میں قرآن مجید کو آسانی کے لیے سات لغات پر پڑھنے کی اجازت تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو اس کی لغت اور قرأت کے مطابق پڑھاتے تھے' بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تمام مصاحف کو صرف ایک لغت قریش پر جمع کر دیا کیونکہ جب اسلام بہت علاقوں میں پھیل گیا اور لوگ مختلف قرأت کے ساتھ قرآن پڑھنے لگے تو ہر ایک اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط کہنے لگا اس لیے حضرت عثمان نے محسوس کیا کہ سب کو ایک قرأت پر جمع کر دیا جائے تاکہ امت میں فتنہ نہ ہو۔

الاحقاف کا معنی

علامہ ابوالفضل محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الاحقاف کا واحد ''الحقف'' ہے' ''الحقف'' طویل اور بلند ٹیلہ کو کہتے ہیں جو قدرے ٹیڑھا ہو' الاحقاف :۲۱ میں جو الاحقاف کا ذکر ہے اس سے مراد بلند اور طویل ٹیلے ہیں۔ جوہری نے کہا: اس سے مراد قوم عاد کے گھر ہیں' یہ ٹیلے یمن میں ہیں جہاں قوم عاد رہتی تھی۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۱۷۵' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

الاحقاف کا محلِ وقوع

قوم عاد کا مرکزی مقام سرزمین احقاف ہے' یہ حضرموت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع خالی ہے جسے صحرائے اعظم الدہنا بھی کہا جاتا ہے' ہر چند کہ ربع خالی آبادی کے لائق نہیں ہے تاہم اس کے اطراف میں کچھ حصہ آبادی کے لائق ہے' خصوصاً وہ حصہ جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے' اگرچہ وہ بھی اس وقت مکمل آباد نہیں ہے اور اس میں ریت کے ٹیلوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ تاہم قدیم زمانہ میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا۔ شیخ عبدالوہاب نجار نے ''قصص الانبیاء'' میں تصریح کی ہے کہ مجھ سے حضرموت کے باشندے احمد بن عمیر یحییٰ نے بیان کیا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ ان ہلاک شدہ قوموں کے قدیم مساکن کے کھوج میں حضرموت کے شمالی میدان میں قیام پذیر رہے' بسیار کوشش کے بعد ٹیلوں کی کھدائی سے سنگ مرمر کے کچھ برتن ملے جن پر کسی نامعلوم زبان میں کوئی تحریر کندہ تھی۔

(لغات القرآن ج ۱ ص ۳۸۔۳۷ ملخصاً' دار الاشاعت' کراچی)

سورۃ الاحقاف کا زمانہ نزول

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' البتہ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ اس کی دو آیتیں مدنی ہیں: ''اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ''. (الاحقاف:۱۰) اور علامہ سیوطی نے ''الاتقان'' میں ان دو کے علاوہ ایک اور آیت کا بھی استثناء کیا ہے وہ ہے: ''وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسٰنَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا''. (الاحقاف:۱۵) البتہ صحیح یہ ہے کہ صرف پہلی دو آیتیں مدنی ہیں۔

سورتوں کے نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۵ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۶ ہے اور اس سورت کی پینتیس آیتیں ہیں' یہ سورت الذاریات سے پہلے اور الجاثیۃ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سورت کا وہی زمانہ نزول ہے جو الجاثیۃ کا زمانہ نزول ہے۔

سورۃ الاحقاف کے اغراض اور مقاصد

☆ سورۃ الاحقاف کا افتتاح بھی ان ہی آیات سے کیا گیا ہے جن سے سورۃ الجاثیۃ کا افتتاح کیا گیا ہے اور ان آیات میں قرآن مجید کے معجز ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس پر دلیل ہے کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہے اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

☆ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے اس پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔

☆ اور اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قیامت کے بعد جزاء اور سزا کا نظام قائم کیا جائے گا۔

☆ شرک کو باطل فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کفار جن کی پرستش کرتے ہیں وہ الوہیت کی صفات سے خالی اور عاری ہیں۔

☆ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت فرمایا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی شہادت پیش کی ہے اور بنی اسرائیل کے ایک شخص کی شہادت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆ اس میں قرآن مجید پر ایمان لانے والوں کی تعریف اور تحسین کی ہے اور ان کے بعض عمدہ اوصاف بیان کیے ہیں اور اس کے مقابلہ میں کفار کے اوصاف مذمومہ بیان کیے ہیں اور ان کے حسد کرنے کو بیان کیا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے۔

☆ اس میں قرآن مجید کا یہ معجزہ ذکر کیا ہے کہ جنات قرآن مجید کی آیات سن کر قرآن مجید پر ایمان لے آئے۔

☆ اس میں والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے اور یہی صالحین کا وصف ہے۔

☆ اور اس میں بتایا ہے کہ جو کفار اپنے زمانہ میں بہت قوی تھے اور وہ مسلسل گمراہی پر اصرار کرتے رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت فرمائی اور ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

☆ اس میں حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا ہے جو اپنی قوت اور طاقت پر بہت گھمنڈ کرتی تھی اور بتوں کی عبادت پر اصرار کرتی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک زبردست آندھی بھیج کر ہلاک کر دیا جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر رہی تھی' اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر کفارِ قریش کو ڈرانے اور ان کو عبرت دلانے کے لیے فرمایا۔

☆ اور اس مضمون پر اس سورت کو ختم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اور یہ بتایا کہ کفار کو دوزخ کا عذاب ضرور دیا جائے گا اور ان کو قیامت کے دہشت ناک امور سے ڈرایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ عذاب صرف ان ہی لوگوں پر آئے گا جو اللہ کی حدود کو توڑتے ہیں اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے کہ ان کی اذیت ناک باتوں پر صبر کریں جیسا کہ دیگر اولی العزم رسول ان کی گستاخیوں پر صبر کرتے رہے تھے۔

سورت الاحقاف کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے رب العزت! مجھے اس سورت کی تفسیر میں راہِ حق دکھانا اور اسی پر مجھے گامزن رکھنا اور اس کی تفسیر میں باطل امور سے مجھے واقف کرنا اور مجھے اس تفسیر میں ان سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی نبینا سید محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین وازواجہ امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸

۳ صفر ۱۴۲۵ھ/ ۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سُورَةُ الْأَحْقَافِ — اٰیاتہا ۳۵ — رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الاحقاف مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲

حا میم ۝ اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ۝

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ

ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا

مُّسَمًّى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ أُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳ قُلْ أَرَءَيْتُمْ

کیا ہے اور ایک معین مدت تک کے لیے، اور کفار اس عذاب سے روگردانی کرنے والے ہیں جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے ۝

مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْأَرْضِ

آپ کہیے تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو کیا تم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے، ذرا مجھے بھی دکھاؤ انہوں نے زمین

أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۖ اِئْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ أَوْ

کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے، میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب لاؤ یا (پہلے) علم

أَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ

کا کچھ بقیہ حصہ اگر تم سچے ہو ۝ اور اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہو گا جو ان کو پکارے

يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

جو قیامت تک ان کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان (کافروں) کی

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ

پکار سے بے خبر ہیں ۝ اور جب لوگوں کو (میدانِ حشر) میں جمع کیا جائے گا تو (ان کے خود ساختہ معبود) ان کے دشمن

أَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا

ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے ۝ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت

بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞ ؕ

کی جاتی ہے تو کفار اس حق کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے پاس آ چکا ہے یہ کھلا ہوا جادو ہے O

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ

یا کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اس کو گھڑ لیا ہے آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہوتا تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے

اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ

بالکل بچا نہیں سکتے تھے تم اس (قرآن) کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے میرے اور تمہارے درمیان وہی کافی گواہ

بَیْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۞ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ

ہے اور وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ میں ازخود جانتا ہوں کہ میرے

مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَ مَاۤ

ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں ازخود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری

اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۞ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ

طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں O آپ کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا کفر

بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ

کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہوگا!) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۞ ع

ع ١ / ١٠ / ١

اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہاری عاقبت کیسی ہوگی!) بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ایک معین مدت کے لیے اور کفار اس عذاب سے روگردانی کرنے والے ہیں جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے O (الاحقاف: ٣۔١)

''حٰمٓ'' اور ''تنزیل الکتاب'' کے اشارات اور اسرار و رموز

حامیم: اس کے اسرار اور نکات کو ہم الجاثیہ کے شروع میں لکھ چکے ہیں، تاہم بعض مزید فوائد کا یہاں پر بھی ذکر کر رہے ہیں:

بعض عارفین نے کہا ہے کہ ''حا'' سے اہل توحید کی حمایت کی طرف اشارہ ہے اور ''میم'' سے مزید راضی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور جن سے اللہ تعالیٰ مزید راضی ہوگا ان کو جنت میں اپنا دیدار عطا فرمائے گا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''حا'' سے زندہ دلوں کی حیات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ علوم اور معارف دلوں اور روحوں کی حیات کا سبب ہیں اور اس سے اللہ عزوجل کی ان سات صفات کی طرف بھی اشارہ ہے جن پر اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور وہ سات صفات یہ ہیں: حیات' علم' قدرت' ارادہ' سمع' بصر اور کلام' پس ''حا'' سے حیات کی طرف اشارہ ہے اور ''میم'' سے کلام کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا اول اور آخر صفات کی طرف صراحۃً اشارہ ہے اور باقی صفات کی طرف ضمناً اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اس لیے نازل فرمایا کہ اس کے اسماء اور صفات کی معرفت حاصل کی جائے۔

الاحقاف: ۲ میں فرمایا: اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت کی تفسیر بھی الجاثیہ: ۲ میں ہم بیان کر چکے ہیں' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن جو اس سورت پر اور باقی سورتوں پر مشتمل ہے وہ سب حق اور صدق ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ صادق ہے اس نے فرمایا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا O (النساء: ۱۲۲) — اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے O

اور فرمایا ہے: اللہ بہت غالب ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اپنے الفاظ اور معانی کے اعتبار سے تمام کتابوں پر غالب ہے اور وہ بے حد حکمت والا ہے' یعنی اس کتاب میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں وہ بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہیں' اس کے علاوہ جو عقائد ہیں ان میں بھی بہت حکمتیں ہیں اور جو واقعات اور امثال مذکور ہیں ان میں بھی بے اندازہ حکمتیں ہیں' غرض یہ کتاب چونکہ بہت غالب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس لیے اس کتاب کی عبارت اور اس کی فصاحت اور بلاغت تمام کتابوں کی فصاحت اور بلاغت پر غالب ہے اور چونکہ یہ کتاب بے حد حکمت والے نے نازل کی ہے اس لیے اس کی ہر ہر آیت میں بے حد وحساب حکمتیں ہیں۔

حق کا معنی اور مراد

الاحقاف: ۳ میں فرمایا: ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے O

آسمانوں اور زمینوں کے درمیان کی سب چیزوں سے مراد ہیں: عناصر اربع (آگ' مٹی' پانی اور ہوا) بادل' بارش' جمادات' نباتات' حیوانات' انسان' ملائکہ اور جنات وغیرہ ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' یعنی غرض صحیح اور حکمت بالغہ کے ساتھ اور اس زمین کو مکلفین کے لیے دارقرار بنا دیا تا کہ قیامت کے دن ان کو جزا دے جنہوں نے نیک عمل کیے اور ان کو سزا دے جنہوں نے برے عمل کیے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو عبث اور بے فائدہ نہیں بنایا' ہر چیز کو کسی حکمت سے بنایا ہے اور ہر چیز کو صرف حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور ہر چیز کی ایک حقیقت ہے جس کے لیے اس کو پیدا فرمایا ہے اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اے حارث! تم نے کس حال میں صبح کی؟ انہوں نے کہا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں برحق مومن تھا' آپ نے فرمایا: غور کرو تم کیا کہہ رہے ہو؟ پس بے شک ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے پس تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

میں جنت کہا: میں نے اپنے نفس کو دنیا سے بے رغبت کرلیا اور اس کے لیے میں نے شب بیداری کی اور دن میں مطمئن رہا اور گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو صاف صاف دیکھ رہا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ اس میں بھوک کی شدت سے چلا رہے ہوں گے' تب آپ نے تین بار فرمایا: اے حارث! تم نے (اللہ تعالیٰ کی) معرفت حاصل کرلی۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۶۷۔۲۶۶' رقم الحدیث: ۳۳۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲' کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۶۹۸۸)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت حارث نے کہا کہ میں صبح کو برحق مومن تھا' پھر انہوں نے حق کی تفسیر کی جس کا خلاصہ اللہ عزوجل کی معرفت ہے' اور زیر تفسیر آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں۔

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ قیامت کا واقع ہونا اور مرنے کے بعد اٹھنا برحق ہے کیونکہ اگر قیامت قائم نہ ہو اور مردوں کو زندہ نہ کیا جائے تو جن مظلوموں کا دنیا میں ظالم سے بدلہ نہیں لیا گیا وہ بغیر جزاء کے رہ جائیں گے اور ظالم بغیر سزا کے رہ جائیں گے' اسی طرح کفار بغیر عذاب کے اور مومنین بغیر ثواب کے رہ جائیں گے اور یہ اس حقیقت کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ایک معین مدت تک کے لیے۔

آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ یہ ابدالآباد تک باقی رہے بلکہ اس جہان کو مکلفین کے لیے دارالعمل بنایا ہے کہ وہ اس دنیا میں نیک عمل کریں اور آخرت میں اس کی اچھی جزا پائیں' پھر ایک وقت مقرر پر اللہ تعالیٰ اس جہان کو فنا کر دے گا اور اس آیت میں معین مدت سے وہی وقت مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور کفار اس عذاب سے روگردانی کرنے والے ہیں جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے O

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات اور اپنی توحید پر دلائل نصب فرمائے تاکہ لوگ اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور ان نشانیوں سے صاحبِ نشان تک پہنچ سکیں ان کی آسانی کے لیے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا' ان کی ہدایت کے لیے کتابیں اور صحائف نازل کیے اور رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ ان کو آخرت کے اجر و ثواب کی طرف رغبت دی اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور یہ کفار ان دلائل میں غور و فکر کرنے سے مسلسل اجتناب اور اعراض کرتے رہے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دلیل سے اعراض کرنا دین اور دنیا میں مذموم ہے۔

اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا انکار' استخفاف اور استحقار کفر ہے

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس جرم اور گناہ کے عذاب سے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہو' اس سے اعراض کرنا یا اس کا انکار کرنا یا اس کا استخفاف کرنا (اس کو معمولی اور ہلکا جاننا) کفر ہے۔

ہمارے فقہاء کرام نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے انکار اور استخفاف (یعنی ان کو ہلکا اور معمولی جاننے) کو کفر قرار دیا ہے۔ اسی طرح فرائض اور سنن کے انکار اور استخفاف کو بھی کفر قرار دیا ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت بیان کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم کا مذاق اڑائے یا اس کے احکام میں سے کسی حکم کا مذاق اڑائے یا اس کے وعد اور وعید کا انکار کرے یا اس کا شریک مانے یا اس کا

بیٹا مانے یا اس کی بیوی مانے یا اس کی طرف جہل' عجز یا نقص کی نسبت کرے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور جب وہ کہے کہ اللہ کے فعل میں کوئی حکمت نہیں ہے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کفر سے راضی ہوتا ہے تب بھی اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۰' مطبوعہ مصر' عالم گیری ج ۲ ص ۲۵۸' مطبوعہ مصر)

جس نے کسی نبی کی نبوت کا اقرار نہیں کیا یا جو کسی رسول کی کسی سنت سے راضی نہیں ہوا وہ کافر ہو گیا۔

(عالم گیری ج ۲ ص ۲۶۴' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ محمد بن محمد ابن البزار الکردری المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فی الحال ایمان لانا واجب ہے اور جو شخص یہ ایمان لایا کہ آپ رسول ہیں اور اس پر ایمان نہیں لایا کہ آپ خاتم الرسل ہیں اور آپ کا دین قیامت تک منسوخ نہیں ہو گا وہ کافر ہو گیا' ایک شخص نے کہا: جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے تھے تو انگلیاں چاٹتے تھے' پھر کہا: یہ بے ادبی ہے تو وہ کافر ہو گیا۔ کہا گیا کہ ناخن کاٹنا سنت ہے' اس نے کہا: میں نہیں کاٹوں گا خواہ سنت ہو تو وہ کافر ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا استخفاف کیا یا آپ کی احادیث میں سے کسی حدیث کا استخفاف کیا تو وہ کافر ہو گیا۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ھامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۲۸ ملتقطا' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں مذکور ہے کہ جس شخص نے کسی حدیث کو رد کیا' تو بعض مشائخ نے یہ کہا کہ وہ کافر ہو جائے گا اور متاخرین نے کہا: اگر وہ حدیث متواتر ہو تو پھر وہ کافر ہو جائے گا' میں کہتا ہوں کہ یہی قول صحیح ہے' ہاں اگر اس نے کسی خبر واحد کو بہ طریقہ استخفاف واستحقار اور انکار رد کیا تو پھر وہ کافر ہو جائے گا۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۶۶' مطبوعہ مصر)

قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

تمام وہ لوگ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی یا آپ کو عیب لگایا یا آپ کی ذات میں کوئی نقص ملایا' یا آپ کے نسب میں یا آپ کے دین میں یا آپ کے کسی وصف اور کسی خصلت میں نقص ملایا یا نقص کی تعریض کی یا کسی بری چیز کے ساتھ آپ کو تشبیہ دی یا آپ کی توہین کی یا آپ کو چھوٹا اور کم تر کہا یا آپ کو پست کیا اور جھکایا یا آپ کی مذمت کی تو وہ آپ کو سب وشتم کرنے والا ہے اور آپ کو گالی دینے والا ہے اور اس کا وہی حکم ہے جو آپ کو گالی دینے والے کا حکم ہے' اس کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ ہم اس کو بیان کریں گے اور اس میں کسی چیز کا استثناء نہیں ہے خواہ ان چیزوں کی وہ آپ کی طرف صراحۃً نسبت کرے یا کنایۃً کرے۔ اسی طرح جو شخص آپ کو لعنت کرے یا آپ کو بد دعا دے یا آپ کے نقصان کی تمنا کرے یا بہ طور مذمت آپ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کرے جو آپ کی شان کے لائق نہیں ہے یا آپ کا استہزاء کرے یا آپ کے متعلق ناشائستہ کلام کرے یا آپ کے عوارض بشریہ کی وجہ سے آپ پر طعن کرے تو (ایسا شخص کافر ہے اور) اس کو قتل کرنے پر عہد صحابہ سے لے کر آج تک کے علماء اور ائمہ فتویٰ کا اجماع ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۸۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز قاضی عیاض لکھتے ہیں:

جس شخص نے قرآن مجید کا یا مصحف میں سے کسی چیز کا استخفاف کیا یا اس کو گالی دی یا اس کا انکار کیا یا اس کے کسی حرف کا انکار کیا یا کسی آیت کا انکار کیا یا اس کی کسی چیز کی تکذیب کی یا قرآن مجید میں مذکور کسی حکم یا کسی خبر کی تکذیب کی یا قرآن نے جس چیز کی نفی کی ہے اس کو ثابت کیا یا قرآن کریم نے جس چیز کو ثابت کیا ہے اس کی نفی کی یا اس کی کسی چیز میں شک کیا تو اہل

علم کا اس پر اجماع ہے کہ وہ شخص کافر ہو گیا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۲۵۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بعض معاصی ایسے ہیں جن کو شارع علیہ السلام نے تکذیب کی علامت قرار دیا ہے اور ان کا اس طرح ہونا دلائل شرعیہ سے معلوم ہے جیسے بت کو سجدہ کرنا اور مصحف (قرآن مجید) کو گندگی میں پھینک دینا اور کلماتِ کفریہ بولنا جن کا دلائل سے کفر ہونا ثابت ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۸۳' مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو' کیا تم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے' ذرا مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے' میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب لاؤ یا پہلے علم کا کچھ بقیہ حصہ اگر تم سچے ہو○ اور اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہو گا جو ان کو پکارے جو قیامت تک ان کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان (کافروں) کی پکار سے بے خبر ہیں○ اور جب لوگوں کو (میدانِ حشر) میں جمع کیا جائے گا تو (ان کے خود ساختہ معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے○ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار اس حق کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے پاس آ چکا ہے یہ کھلا ہوا جادو ہے○ یا کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اس کو گھڑ لیا ہے' آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہوتا تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے بالکل بچا نہیں سکتے تھے' تم اس (قرآن) کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے' میرے اور تمہارے درمیان وہی کافی گواہ ہے اور وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے○ (الاحقاف: ۸۔۴)

''اثارۃ'' کا معنی

الاحقاف: ۴ میں ''اثارۃ'' کا لفظ ہے جس کا ایک معنی خط اور لکیریں ہے' اس کا دوسرا معنی کسی چیز کا بقیہ حصہ ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: مخصوص علم۔ مجاہد نے کہا کہ اس کا معنی ہے: تمہارے پاس کوئی ایسی روایت ہے جو تم سے پہلے لوگوں سے منقول ہو۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: کیا انبیاء سابقین سے اس سلسلہ میں کوئی روایت ہے؟ حسن نے کہا: کیا تم نے کسی چیز سے اس کو مستنبط کیا ہے کہ زمین اور آسمان کے بنانے میں کسی اور کا بھی حصہ ہے؟ زجاج نے کہا: ''اثارۃ''' ''شجاعۃ'' اور ''سماحۃ'' کی طرح مصدر ہے اور اس کا معنی علامت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۷۱' جامع البیان جز ۲۶ ص ۵۔۴)

الاحقاف: ۴ کا خلاصہ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''اواثارۃ من علم'' کی تفسیر میں فرمایا: عرب میں ایک طریقہ تھا کہ وہ زمین پر لکیریں ڈال کر کسی چیز کو معلوم کرتے تھے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا بھی حصہ ہے تو تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ کیا تمہارے پاس انبیاء سابقین کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے یا تم نے زمین پر لکیریں ڈال کر رمل کے طریقہ سے اس کو معلوم کر لیا ہے یا تم نے اس کو کاہنوں سے معلوم کیا ہے یا تم نے اس کو کسی اور چیز سے مستنبط کیا ہے' آخر تمہارا ذریعہ علم کیا ہے؟ (جامع البیان جز ۲۶ ص ۵۔۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زمین پر لکیریں ڈال کر غیب کی باتیں معلوم کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نیا نیا زمانہ جاہلیت سے نکلا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں داخل کیا ہے' بے شک

ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں' آپ نے فرمایا: تم ان کے پاس نہ جایا کرو' اور انہوں نے کہا: اور ہم میں سے بعض لوگ برا شگون نکالتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جو صرف ان کے سینوں میں ہے' پس وہ اس کے درپے نہ ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم میں سے بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچتے ہیں' آپ نے فرمایا: انبیاء سابقین میں سے ایک نبی لکیریں کھینچتے تھے' سو جس کی لکیریں ان کے موافق ہو جائیں وہ ٹھیک ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

کاہن' عراف' بدشگونی اور رمال کی تعریفات اور ان کا شرعی حکم

اس حدیث میں کاہن کا ذکر ہے' کاہن وہ شخص ہے جو مستقبل کی باتیں بتاتا ہے اور معرفت اسرار کا دعویٰ کرتا ہے اور عراف وہ شخص ہے جو چرائی ہوئی چیز اور گم شدہ چیز کا پتا بتاتا ہے۔ عرب میں کاہن ہوتے تھے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انہیں بہت سی چیزوں کی معرفت ہے اور بعض یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کا جنات سے رابطہ ہے اور وہ آکر ان کو غیب کی خبریں بتاتے ہیں اور بعض نجومی کو کاہن کہتے ہیں۔ اور حدیث میں کاہن کے پاس جانے کی ممانعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی وہ اس چیز سے بری ہو گیا جس کو اللہ عزوجل نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔

اور اس حدیث میں بدشگونی کا ذکر ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو لوگ از خود اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہیں اس کی پیروی نہیں کرنی چاہیے اور تم جو کام کرنے جا رہے ہو کسی بدشگونی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کرو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدشگونی پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور اس حدیث میں لکیریں کھینچنے کا ذکر ہے اور فرمایا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی لکیریں کھینچتے تھے پس جس کی لکیریں اس کے موافق ہوئیں' اس کا فعل درست ہے۔ اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس کی لکیر اس نبی کی لکیر کے موافق ہوئی وہ مباح ہے اور ہمارے پاس اس موافقت کو جاننے کا کوئی علم یقینی نہیں ہے لہٰذا لکیریں کھینچ کر غیب کی باتیں معلوم کرنا جائز نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: جس کی لکیر اس نبی کی لکیر کے موافق ہوئی وہ درست ہے اور موافقت پر معلق کیے بغیر یہ نہیں فرمایا کہ وہ حرام ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اس ممانعت میں اس نبی کا فعل بھی داخل ہے جو لکیریں کھینچتے تھے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبی کے احترام میں صرف ہمارے فعل کا حکم بیان فرمایا' سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس نبی علیہ السلام کا فعل ممنوع نہیں ہے اسی طرح تمہارا فعل بھی ممنوع نہیں ہوگا بہ شرطیکہ تمہیں اس کی موافقت کا علم ہو جائے لیکن تمہارے پاس اس کے علم کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں۔

علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث میں لکیریں کھینچ کر علم حاصل کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس نبی کے فعل کی کوئی علامت نہیں ہے تو ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: مختار یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو ہمارے لیے مباح نہیں کیا۔ (شرح مسلم للنووی ج ۳ ص ۱۸۰۷۔۱۸۰۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ذاتی اور عطائی علم غیب کی تحقیق

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے غیب پر دلالت کرنے والے کوئی اسباب باقی نہیں رکھے جن سے غیب پر استدلال کیا جائے' ماسوا سچے خوابوں کے' کیونکہ ان سے غیب پر استدلال کرنے کی اجازت دی گئی ہے' اور یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے' اس سلسلے میں یہ حدیث ہے اس کی عبارت امام ترمذی کی ہے اور متعدد ائمہ حدیث نے اس کو روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے لہٰذا میرے بعد کوئی رسول ہوگا نہ نبی ہوگا' لوگوں پر یہ بات شاق گزری تو آپ نے فرمایا: لیکن مبشرات باقی ہیں' مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مسلمان کا خواب ہے جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۸' صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۵۸۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

اور اسی طرح فال کی بھی حدیث میں اجازت دی گئی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ان میں بہترین چیز فال ہے۔ مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اچھی اور نیک بات جس کو تم میں سے کوئی شخص سنتا ہے (جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب سہیل بن عمرو آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملہ کو سہل کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کا نام سن کر اس لفظ سے سہل کی فال نکالی)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۶۰۷' عالم الکتب' بیروت)

اور رہی بدشگونی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے' جیسا کہ اس حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے اور فال اس کو کہتے ہیں کہ انسان کوئی کام کرنا چاہتا ہو اس موقع پر کوئی کلام سن کر اس سے اس کام کے نیک اور اچھے ہونے پر استدلال کرے اور اگر اس موقع پر کوئی بات سن کر اس سے اس کام کے برے ہونے پر استدلال کرے یا اس کام میں ناکام ہونے پر استدلال کرے تو یہ بدشگونی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ فال سے خوش ہونا چاہیے اور خوشی خوشی اپنی پیش آمدہ مہم کی طرف روانہ ہونا چاہیے اور جب اپنی مہم پر روانہ ہوتے وقت کوئی ایسا کلام سنے جس سے اس مہم میں ناکامی پر استدلال کیا جائے تو اس بدشگونی سے اعراض کرے اور اس کی وجہ سے اپنی مہم کو ترک نہ کرے۔ (احکام القرآن لابن العربی ج ۴ ص ۱۲۵)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۶۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ غیب کا علم صرف مومن کے سچے خواب کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے یا فال کے ذریعہ اور اولیاء اللہ کے الہامات سے بھی غیب کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن یہ تمام غیوب ظنی ہیں' قطعی علم غیب صرف وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہ علم غیب عطائی ہے جس کو علماء کی اصطلاح میں ماعلیہ دلیل یا علم غیب بالواسطہ کہا جاتا ہے' رہا وہ غیب جو بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے ہو اور جس کے حصول کی کوئی دلیل اور سبیل نہ ہو وہ غیب ذاتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

بتوں کے نہ سننے کی قیامت تک کی تخصیص کی وجہ

الاحقاف: ۵ میں فرمایا: اور اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہوگا' جو ان کو پکارے جو قیامت تک ان کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان (کافروں) کی پکار سے بے خبر ہیں O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ سب سے گم راہ اور جاہل ہیں جو اپنے مصائب میں بتوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک

ان کی پکار اور فریاد کو سن نہیں سکتے' وہ ان کی پکار کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ قیامت تک ان کی پکار کو نہیں سنتے' حالانکہ وہ بت ان کی پکار کو دنیا میں بھی کبھی نہیں سنتے' پھر قیامت کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے مصائب کی بہ نسبت قیامت کے دن کی مصیبت ان کے لیے بہت سخت ہوگی اس دن وہ بت ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جن کی وہ دنیا میں عبادت کرتے رہے تھے' یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا:

اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ○ (ص: ۷۸) بے شک قیامت کے دن تک میری تجھ پر لعنت ہے ○

ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی ابلیس پر ابدی لعنت ہے لیکن اس کا قیامت کے دن اظہار بہت سخت ہوگا۔

اور اس آیت میں فرمایا: وہ بت ان کی فریاد اور چیخ و پکار سے غافل ہیں' کیونکہ وہ بت جمادات ہیں وہ کس طرح ان کی فریاد کا جواب دے سکتے ہیں؟ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مشرکین تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے اور وہ زندہ ہیں اور ان کی فریاد کو سنتے ہیں ان کو مشرکین کی فریاد سننے سے غافل کہنا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مسخر ہیں وہ مختار نہیں ہیں' ان کو جس کام پر لگا دیا ہے وہ اسی کام کو کر رہے ہیں وہ از خود کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جب تک اس چیز کی طرف اللہ سبحانہٗ ان کو متوجہ نہ فرمائے اس لیے وہ بھی مشرکین کی فریاد سننے سے غافل ہیں۔

بتوں کا مشرکین کی عبادت سے قیامت کے دن بے زاری کا اظہار کرنا

الاحقاف: ۶ میں فرمایا: اور جب لوگوں کو (میدانِ حشر) میں جمع کیا جائے گا' تو (ان کے خود ساختہ معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے ○

اس آیت میں ''حُشِر'' کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ''حشر'' کا معنی ہے: کسی جماعت کو اس کے ٹھکانے سے نکال کر کسی میدان میں جمع کرنا اور اس کا اطلاق صرف جماعت پر ہوتا ہے اور قیامت کے دن کو یوم نشر اور یوم البعث بھی کہا جاتا ہے جس طرح اس کو یوم حشر کہا جاتا ہے' اس دن یہ بت جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے ان مشرکوں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور وہ بت یہ کہیں گے کہ انہوں نے ہماری عبادت نہیں کی' انہوں نے درحقیقت اپنی خواہشوں کی پرستش کی ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○ (یونس: ۲۸) (وہ شرکاء یہ کہیں گے کہ) تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○

کفار قرآن مجید کو جادو کیوں کہتے تھے؟

الاحقاف: ۷ میں فرمایا: اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار اس حق کے متعلق کہتے ہیں جو ان کے پاس آچکا ہے یہ کھلا ہوا جادو ہے ○

اور جب کفار کے سامنے ہماری ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے جن میں الوہیت کی نشانیاں ہیں اور توحید پر دلائل ہیں اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہے' قرآن مجید کے معجز اور اللہ سبحانہٗ کے کلام ہونے کا بیان ہے اور حلال اور حرام کے واضح احکام ہیں' قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حشر و نشر اور جزاء اور سزا کے براہین ہیں تو کفار ان آیات کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اور ان کو جادو کہنے سے ان کا منشاء یہ تھا کہ جس طرح جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اس طرح ان آیات کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

الاحقاف: ۸ میں فرمایا: یا کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے' آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہوتا تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے بالکل بچا نہیں سکتے تھے' تم اس (قرآن) کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے' میرے اور تمہارے درمیان وہی کافی گواہ ہے اور وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افتراء کی تہمت کا ابطال

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو لوگ حق کو دیکھنے سے اندھے ہو گئے اور حق کو سننے سے بہرے بن گئے اور انہوں نے رسولوں کے وارثوں پر جادو کی تہمت لگائی اور ان کے کلام پر افتراء کی تہمت لگائی اور اس کا مذاق اڑایا تو اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں رسوا کر دے گا اور ان کو عذاب شدید میں مبتلا کرے گا' اس لیے ضروری ہے کہ ظاہر اور باطن کو بدعقیدگی اور برے اعمال کی نجاست سے پاک اور صاف کیا جائے' اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اور کامل اتباع کی جائے اور جادو اور کرامت میں اسی سے امتیاز ہوتا ہے کیونکہ جادو کا اظہار کافروں' زندیقوں اور فاسقوں سے ہوتا ہے جو احکام شرعیہ اور متابعت سنت نبویہ کا التزام اور اہتمام نہیں کرتے۔ کفار یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود قرآن کو گھڑ لیا ہے اور خود ایک کلام بنا کر اس کی اضافت اللہ سبحانہٗ کی طرف کر دی ہے (العیاذ باللہ)' ان کا یہ قول باطل ہے اور سخت تعجب خیز ہے کیونکہ قرآن مجید کلام معجز ہے اور ایسا کلام بنانا انسان کی قدرت سے خارج ہے' آپ کہیے کہ اگر بہ فرض محال میں نے یہ کلام ازخود بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہوتا تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے چھڑانے پر قادر نہ تھے' کیونکہ ایسی صورت میں یقیناً اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیتا اور میں اس عذاب میں مبتلا ہو جاتا جس سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر بالفرض میں دل سے بناتا اور اس کو اللہ کا کلام بتاتا تو وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہوتا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے افتراء کرنے والے کو جلد عقوبت میں گرفتار کرتا ہے۔ تمہیں تو یہ قدرت نہیں کہ تم مجھے اس کی عقوبت سے بچا سکو یا اس کے عذاب کو دفع کر سکو تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ میں ازخود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ میں ازخود یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں O آپ کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا کفر کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہوگا!) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو' اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہاری عاقبت کیسی ہوگی!) بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (الاحقاف: ۱۰۔۹)

الاحقاف: ۹ میں جس لفظ کا معنی ہم نے انوکھا کیا ہے' اس آیت میں اس کے لیے "بدیع" کا لفظ ہے اس کا مادہ "بدع" ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابداع" کا معنی ہے: کسی چیز کو ابتداءً بنانا' بغیر اس کے کہ اس سے پہلے کسی اور نے اس چیز کو بنایا ہو' جو کنواں نیا نیا کھودا گیا ہو عرب اس کو "رکیتہ بدیع" کہتے ہیں اور جب اس لفظ کو اللہ سبحانہٗ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا معنی ہے: کسی چیز کو آلہ' مادہ اور زمان و مکان کے بغیر پیدا کرنا اور یہ کام تو صرف اللہ عزوجل ہی کر سکتا ہے اور بدیع ابداع کرنے والے کو کہتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے: "بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (البقرہ: ۱۱۷' الانعام: ۱۰۱) اور قرآن مجید میں ہے: "قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا

مِّنَ الرُّسُلِ ''(الاحقاف:۹)اس آیت میں ''بدعا'' کا معنی ہے: ''مبدعا'' یعنی یہ بات نہیں ہے کہ میں سب سے پہلا رسول ہوں اور مجھ سے پہلے کوئی رسول نہ آیا ہو اور اس وجہ سے تم میری رسالت کو رد کر دو اور ایک قول یہ ہے کہ میں تم سے کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا۔

مذہب میں بدعت کا معنی یہ ہے کہ کوئی ایسا قول پیش کرنا جس کی بنیاد شریعت پر نہ ہو اور شریعت میں اس سے پہلے ایسی مثال نہ ہو۔ حدیث میں ہے: دین میں ہر نیا کام نکالنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث:۱۵۷۸)(المفردات ج ا ص ۴۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ'۱۴۱۸ھ)

''سنن نسائی'' کی حدیث میں جس بدعت کا ذکر ہے اس سے مراد بدعت سیئہ ہے کیونکہ مطلقاً بدعت مذموم نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس (مسلمان) نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ ایجاد کیا اس کو اس ایجاد کا اجر ملے گا اور ان کا اجر بھی ملے گا جنہوں نے اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا اور ان کے اجور میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس ایجاد کا گناہ ہوگا اور ان کا گناہ بھی ہوگا جنہوں نے اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی وجہ سے اس حدیث میں تخصیص کی جائے گی جس میں مذکور ہے کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور اس سے مراد وہ نئے کام ہیں جو باطل ہوں اور وہ بدعات مراد ہیں جو مذموم ہوں' اس کی تفصیل ''کتاب الجمعۃ'' میں گزر چکی ہے اور وہاں ہم نے لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں: بدعت واجبہ' مستحبہ' محرمہ' مکروہہ اور مباحہ۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۸۰۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ'۱۴۱۷ھ)

علامہ نووی نے ''کتاب الجمعۃ'' میں بدعت کی حسب ذیل شرح کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ عام مخصوص البعض ہے اور اس سے مراد غالب بدعات ہیں۔

علماء نے کہا ہے کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں: (۱) واجبہ (۲) مستحبہ (۳) محرمہ (۴) مکروہہ (۵) مباحہ۔

واجبہ: بے دینوں' بدمذہبوں اور اصحاب بدعات سیئہ کے رد پر دلائل قائم کرنا۔

مستحبہ: علوم دینیہ کی کتابوں کو تصنیف کرنا' مدارس اور سرائے وغیرہ کو تعمیر کرنا (اسی طرح ہسپتال اور دار الامان بنانا)۔

مباحہ: نئے نئے قسم کے عمدہ کھانے کھانا اور نئے نئے خوب صورت لباس پہننا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۴۶۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ)

علامہ نووی نے بدعت مکروہہ اور بدعت محرمہ کی تعریفات کا ذکر نہیں کیا اور یہ کہا ہے کہ ان کی تعریفیں ظاہر ہیں لیکن ہم اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ سے ان کی تعریفیں ذکر کر رہے ہیں:

بدعت مکروہہ: جیسے مساجد کو مزین کرنا (یا نماز کے بعد مصافحہ کرنے کو لازم سمجھنا یا عمامہ باندھنے کو لازم سمجھنا)۔

بدعت محرمہ: وہ اعتقاد یا وہ عمل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اعتقاد یا عمل کے خلاف ہو اور اس کی بنیاد کسی قسم کا شبہ

یا استحسان ہو اور اس کو دین قویم اور صراطِ مستقیم بنالیا ہو جیسے شیعہ کا پیروں کو دھونے کے بجائے ان پر مسح کرنا یا معتزلہ کا موزوں پر مسح کرنے کا انکار کرنا (یا جیسے علماء دیوبند کا سوئم' چہلم اور عرس کی فاتحہ اور ایصالِ ثواب کو ناجائز اور حرام کہنا)۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار مکہ کے اعتراضات کا جواب

کفار نے قرآن مجید کے متعلق یہ کہا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ازخود گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان تراش کر یہ کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' پھر انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اور طرح طرح کے شبہات پیش کیے' ایک شبہ یہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے عجیب و غریب اور حیرت انگیز معجزات طلب کرتے تھے' مثلاً یہ کہ آپ ان کے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ خود اپنے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ بنالیں جس کے درمیان بہت سی نہریں جاری کر کے دکھائیں یا آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرائیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دیں یا آپ کے لیے اپنا سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں یا آپ کوئی کتاب نازل کر کے دکھائیں جس کو ہم خود پڑھ سکیں۔ (دیکھئے بنی اسرائیل: ۹۳۔۹۰) اور وہ آپ سے یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ آپ ان کو غیب کی خبریں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہات کا یہ جواب دیا کہ آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں' یعنی میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں کہ تم مجھ سے اس طرح کے معجزات طلب کر رہے ہو اس لیے تمہیں میرے دعویٰ رسالت کو رد کرنا نہیں چاہیے اور نہ میرے اس پیغام کو مسترد کرنا چاہیے کہ اللہ سبحانہٗ ہی واحد مستحق عبادت ہے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہیں کرنا چاہیے اور مجھ سے پہلے تمام رسول اسی پیغام کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے تھے اور میں اپنی رسالت پر معجزہ پیش کر چکا ہوں جو اللہ کا کلام ہے جس کی نظیر تم سب مل کر بھی لانے سے عاجز ہو۔

اور تم نے مجھ سے جو حیرت انگیز معجزات اور غیب کی خبروں کا مطالبہ کیا ہے تو سنو! اللہ سبحانہٗ کے اذن اور اس کی اجازت کے بغیر میں کوئی معجزہ پیش کر سکتا ہوں نہ کوئی غیب کی خبر دے سکتا ہوں' ازخود میں کسی چیز پر قادر نہیں ہوں اور نہ مجھ سے پہلے کوئی رسول ازخود معجزہ پیش کرتا تھا' نہ ازخود غیب کی خبر دیتا تھا اور میں بھی ان رسولوں کی جنس میں سے ایک رسول ہوں تو جن چیزوں پر دوسرے رسول قادر نہیں تھے ان پر میں کیسے قادر ہو سکتا ہوں؟

نیز کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ طعن کرتے تھے کہ آپ کھانا کھاتے ہیں' بازاروں میں چلتے ہیں اور آپ کے اکثر متبعین فقراء ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں' تمام گزشتہ رسولوں کی یہی صفات تھیں جو میری صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے کے بغیر وہ کسی چیز پر قادر تھے نہ میں قادر ہوں اور اس کے علم دیئے بغیر نہ وہ غیب کی خبر دینے پر قادر تھے نہ میں قادر ہوں اور رہا کھانا کھانا' بازاروں میں چلنا اور متبعین کا نادار ہونا تو یہ اوصاف پہلے نبیوں میں بھی تھے اور مجھ میں بھی ہیں تو جس طرح یہ اوصاف گزشتہ انبیاء کی نبوت میں موجب طعن نہیں تھے اسی طرح میری نبوت میں بھی موجب طعن نہیں ہیں۔

الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں مفسرین کی آراء

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور آپ کہیے) اور نہ میں ازخود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں ازخود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں: (۱) بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں ازخود یہ

نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (۲) اور اکثر اور جمہور مفسرین کا مختار قول یہ ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں ازخود یہ نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (۳) اور بعض کا قول یہ ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں ازخود نہیں جانتا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

ہم ان تینوں اقوال کی تفسیر باحوالہ بیان کریں گے اور جمہور کے قول پر دلائل پیش کریں گے اور اس تفسیر پر جو اعتراضات ہیں ان کے مسکت جوابات پیش کریں گے۔ سب سے پہلے ہم ان بعض مفسرین کی تفسیر کو پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس آیت کو دنیا کے احوال نہ جاننے پر محمول کیا ہے۔ فنقول وباللہ التوفیق

الاحقاف: ۹ کو دنیا کے احوال نہ جاننے پر محمول کرنے والے مفسرین

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس چیز کا حکم دیا جائے گا اور کس چیز سے منع کیا جائے گا اور حسن بصری نے کہا: ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ آپ کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا' بے شک آپ کو معلوم تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے' لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے ازخود نہیں معلوم کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' آیا مجھے اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا' جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء کو نکال دیا گیا تھا یا مجھے قتل کر دیا جائے گا جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء کو قتل کر دیا گیا تھا اور میں ازخود یہ نہیں جانتا کہ آیا تم کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا یا تم پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے اور اسی قول پر امام ابن جریر نے اعتماد کیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور قول جائز نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق یہی قول ہے' کیونکہ آخرت کے اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پختہ یقین تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے اور اسی طرح آپ کے پیروکار بھی' اور رہا دنیا کا حال تو آپ کو علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا' اسی طرح مشرکین قریش کے متعلق بھی آپ کو علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ دنیا میں کیا ہوگا آیا وہ ایمان لے آئیں گے یا اپنے کفر پر برقرار رہیں گے' پھر ان کو عذاب دیا جائے یا ان کے کفر کی وجہ سے ان کو بالکل جڑ سے اکھاڑ کر نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ رہی وہ حدیث جس کو امام بخاری اور امام احمد نے روایت کیا ہے وہ بھی اس آیت کے مناسب ہے:

خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام العلاء انصار کی ایک خاتون تھیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی' وہ بیان کرتی ہیں کہ جب مہاجرین کو تقسیم کیا گیا تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قرعہ فال ہمارے نام نکلا' ہم نے ان کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا' پھر وہ اس درد میں مبتلا ہو گئے جس درد میں ان کی وفات ہوئی تھی' وفات کے بعد ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا: اے ابو سائب! (حضرت عثمان بن مظعون کی کنیت) میں تمہارے لیے گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت دی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں ازخود کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دی ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! پھر اللہ کس کو عزت دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہا وہ تو اللہ کی قسم! اس کے پاس یقین آ چکا ہے اور اللہ کی قسم! میں اس کے لیے اچھے انجام ہی کی امید رکھتا ہوں' اور اللہ کی قسم! میں ازخود نہیں جانتا' حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا' حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! میں اب کبھی بھی کسی کی

(ایسی) تعریف و تحسین نہیں کروں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۰۳۔ ۱۲۴۳' مسند احمد ج ۶ ص ۴۳۶)

اس حدیث میں اور اس طرح کی دیگر احادیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی شخص معین کے لیے یقین اور قطعیت کے ساتھ جنت کی خبر دینی جائز نہیں ہے' ماسوا اس صورت کے کہ شارع علیہ السلام نے معین طور پر اس کے جنتی ہونے کی خبر دی ہو جیسے عشرہ مبشرہ (وہ دس اصحاب جن کے جنتی ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے) اور حضرت عبد اللہ بن سلام اور حضرت عمیصاء اور حضرت بلال اور حضرت سراقہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حزام' حضرت جابر کے والد اور وہ ستر (۷۰) قاری جن کو بیر معونہ کے پاس بلا کر دھوکے سے شہید کیا گیا اور حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور جوان کی مثل ہیں رضی اللہ عنہم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حسبِ ذیل مفسرین نے بھی ان کی موافقت کی ہے:

(۱) بحر العلوم نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ۔ (تفسیر سمرقندی ج ۳ ص ۲۳۰' دار الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ)

(۲) علامہ علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ۔ (الوسیط ج ۴ ص ۱۰۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۳) علامہ منصور بن احمد ابو المظفر السمعانی متوفی ۴۸۹ھ۔ (تفسیر القرآن ج ۵ ص ۱۵۰' دار الوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

(۴) علامہ حسن بن محمود قمی نیشا پوری متوفی ۷۲۸ھ۔ (غرائب القرآن ورغائب الفرقان جز ۲۶ ص ۱۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

(۵) علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۴۳۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

(۶) علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی التوفی ۸۸۵ھ۔ (نظم الدرر ج ۷ ص ۱۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۷) علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ۔ (روح البیان ج ۸ ص ۶۲۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علم کی نفی کی ہے وہ دنیا کے احوال پر محمول ہے یعنی آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کافروں کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ آخرت کے متعلق تو آپ کو قطعی طور پر علم تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے اور آپ کے وہ اصحاب بھی جنت میں ہوں گے جن کے جنتی ہونے کی آپ نے بشارت دی ہے۔ البتہ دنیا کے متعلق آپ کو علم نہیں تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کافروں کے ساتھ کیا کیا جائے گا' اس لیے اس آیت میں علم کی نفی سے مراد دنیا کے علم کی نفی ہے نہ کہ آخرت کے علم کی نفی ہے۔

درایت کا معنی

میں کہتا ہوں: اس آیت میں علم کی نفی نہیں ہے' درایت کی نفی ہے اور درایت کا معنی ہے: کسی چیز کو انکل پچو سے' حیلہ سے یا قیاس سے جاننا' اسی لیے ہم نے اس کا معنی کیا ہے' میں از خود نہیں جانتا۔ اور کتب لغت سے اس پر حسب ذیل شواہد ہیں:

درٰی: حیلہ سے جاننا۔ (المنجد اردو ص ۳۲۱)

درٰی: وہ معرفت جو کسی قسم کے حیلہ سے حاصل کی گئی ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲۴)

درٰی: کسی قسم کے حیلہ سے جاننا۔ (القاموس ص ۱۲۸۲)

کسی چیز کو قیاس سے اور حیلہ سے جاننا درایت ہے اور کسی چیز کو مطلقاً جاننا علم ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لقمان: ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علم کے بجائے درایت کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ درایت میں کسی چیز کو حیلہ سے جاننے کا معنی ہے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶۵ ' دار الفکر بیروت ' ۱۴۱۷ ھ)

حافظ ابن کثیر اور ان کے موافقین کا جواب مصنف کی طرف سے

اب ہمارے جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر از خود نہیں جانتے تھے کہ آپ کے ساتھ اور آپ کے متبعین کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا' اس لیے اس آیت میں آپ سے درایت کی نفی کرائی ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا اور اس آیت میں آپ سے علم کی نفی نہیں کرائی کیونکہ اللہ کی وحی سے آپ کو علم تھا کہ آپ آخرت میں مقام محمود پر فائز ہوں گے' آپ کو شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی' سب سے پہلے آپ جنت میں داخل ہوں گے اور آپ کی شفاعت سے ہم جیسے لاتعداد گناہ گار جنت میں داخل ہوں گے اور کفار میدانِ حشر میں اللہ سبحانہٗ کے دیدار سے محروم ہوں گے' ان کے چہرے سیاہ اور ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا اور بالآخر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ حافظ ابن کثیر اور دیگر وہ مفسرین جنہوں نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ آپ کہیے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' ان کی یہی دلیل ہے کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ کیا کیا جائے گا اس کا تو آپ کو قطعی طور پر علم تھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب قطعی طور پر جنت میں ہوں گے اور مشرکین اور کفار دوزخ میں ہوں گے' سو آیت میں اس علم کی نفی کیسے مراد ہو سکتی ہے؟ لہٰذا لازماً اس سے یہی مراد ہے کہ آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ کیا ہوگا اور کافروں کے ساتھ کیا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں علم کی نفی نہیں ہے حتیٰ کہ اس آیت کی یہ تاویل کی جائے بلکہ اس آیت میں درایت کی نفی ہے یعنی آپ اپنا اور کفار کا آخرت میں انجام از خود نہیں جانتے تھے اگرچہ اللہ کی وحی سے آپ قطعی طور پر جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے متبعین جنتی ہیں اور کفار دوزخی ہیں اور آپ کا جو بھی علم تھا وہ اللہ کی وحی سے تھا از خود نہیں تھا۔ اور یہی جواب حضرت ام العلاء کی حدیث کا بھی ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا: اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اس حدیث میں بھی آپ نے "مادری" فرمایا ہے "ما اعلم" نہیں فرمایا اور آپ نے درایت کی نفی کی ہے علم کی نفی نہیں کی۔

اور اگر بالفرض اس آیت میں اور اس حدیث میں درایت سے مراد علم ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ آپ نے آخرت کے علم تفصیلی کی نفی کی ہے علم اجمالی کی نفی نہیں کی' یعنی آپ کو اجمالی طور پر تو معلوم تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور کفار کے ساتھ کیا کیا جائے گا لیکن تفصیلی طور پر معلوم نہیں تھا کہ آخرت میں جنت میں آپ کے اور آپ کے اصحاب کے کیا مقامات ہوں گے اور کتنے درجات ہوں گے اور کفار آخرت میں دوزخ کے کون کون سے طبقات میں ہوں گے اور بعد میں آپ کو ان چیزوں کا تفصیلی علم دے دیا گیا' جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث شاہد ہیں۔

درایت تفصیلی کی نفی پر کتب لغت' مفسرین اور شارحین حدیث کی عبارات سے استشہاد

کتب لغت' کتب تفسیر اور شروح حدیث میں بھی یہ جواب مذکور ہے کہ اگر درایت سے مراد علم ہو تو حضرت ام العلاء کی حدیث میں اور اس آیت میں درایت کی نفی سے علم تفصیلی کی نفی مراد ہے نہ کہ علم اجمالی۔

علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی متوفی ۹۸۶ ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وما ادری وانا رسول الله." اس میں درایت تفصیلیہ کی نفی ہے ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت ہو چکی ہے اور آپ کے وہ مقامات ہیں جو کسی اور کے نہیں

ہیں (الی قولہ) یا یہ حدیث "لیغفرلک اللہ" سے منسوخ ہے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۷۵۔ ۱۷۴ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل نہیں تھی اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ آپ کو اس وقت تفصیلی درایت حاصل تھی' تو آپ نے اس وقت اس درایت کی نفی کی تھی جو آپ کو ازخود اپنی عقل سے حاصل ہو اور آپ نے اس درایت کی نفی نہیں کی تھی جو آپ کو وحی سے حاصل ہوئی ہو۔ (غرائب القرآن ورغائب الفرقان جز ۲۶ ص ۱۱۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "ما ادری" میں درایت مفصلہ کی نفی کی گئی ہو۔

(الکشاف ج ۴ ص ۳۰۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کو میں اختیار کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس آیت سے اس درایت کی نفی کرنا مراد ہے جو بغیر وحی کے ہو (یعنی میں ازخود نہیں جانتا)۔ عام ازیں کہ وہ درایت تفصیلی ہو یا اجمالی ہو اور خواہ اس کا تعلق دنیاوی امور سے ہو یا اخروی امور سے ہو اور میرا اعتقاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے منتقل نہیں ہوئے حتیٰ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور تمام شانوں کا علم دے دیا گیا اور جن چیزوں کے علم کو کمال قرار دیا جاتا ہے ان تمام چیزوں کا علم آپ کو دے دیا گیا اور آپ کو اتنا علم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں میں کسی کو اتنا علم نہیں دیا گیا اور میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ دنیا کے بعض جزوی حوادث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے علم کا کمال نہیں رہے گا' مثلاً یہ کہ زید آج اپنے گھر میں کیا کر رہا ہے اور کل کیا کرے گا اور میں کسی قائل کے اس قول کو اچھا نہیں جانتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو جانتے ہیں اس کو اس کے بجائے یہ کہنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا ہے یا اللہ سبحانہٗ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرما دیا ہے یا اس طرح کی کوئی اور بات کہنی چاہیے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۷۔ ۱۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت ام العلاء کی حدیث کا علامہ آلوسی نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "ما ادری ما یفعل بی" فرمانا اس آیت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے یعنی " لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ " (الفتح: ۲)

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۹ دار الفکر)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آپ کا "ما ادری" فرمانا الاحقاف: ۹ کے موافق ہے کیونکہ اس میں بھی "ما ادری ما یفعل بی" ہے اور یہ واقعہ " لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ " (الفتح: ۲) سے پہلے کا ہے کیونکہ سورۃ الاحقاف مکی ہے اور سورۃ الفتح بالاتفاق مدنی ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا' اس کے علاوہ اور صریح احادیث ہیں' جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اخروی احوال اور مقامات کا علم تھا سو جن احادیث میں آپ کے اخروی علم کا ثبوت ہے وہ آپ کے علم اجمالی پر محمول ہیں اور جن آیات اور احادیث میں آپ کے علم اخروی کی نفی ہے وہ علم محیط اور علم تفصیلی پر محمول ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۴۵۲ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عثمان بن مظعون غزوۂ بدر کے بعد فوت ہوئے اور انہوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی مغفرت فرما دی' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اس

حدیث میں جو "ما ادری" فرمایا ہے وہ پہلے کا واقعہ ہے اور اہل بدر کے جنتی ہونے کی خبر آپ کو بعد میں دی گئی' دوسرا اعتراض یہ ہے کہ غزوۂ احد میں آپ نے حضرت جابر کے والد رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا: فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ کر رہے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کے والد کا حال آپ کو صرف وحی سے معلوم ہوا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخروی احوال کی جو خبر دی ہے' اس کا علم آپ کو وحی سے ہوا اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بغیر وحی کے از خود تو آپ کو بھی اپنے اخروی حال کا علم نہیں ہے تو حضرت ام العلاء قطعیت کے ساتھ حضرت عثمان بن مظعون کے نیک انجام کی بشارت کیسے دے سکتی ہیں؟ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۴۔ ۲۳ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ام العلاء کی حدیث میں جو آپ نے "ما ادری" فرمایا ہے وہ " لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ " (الفتح: ۲) کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ الاحقاف مکی ہے اور الفتح مدنی ہے اور آپ کو پہلے اپنی مغفرت کلی کا علم نہیں تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم نہیں دیا تھا' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم عطا فرمایا تو آپ نے اس کو جان لیا۔ (الیٰ ان قال)

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ دنیا اور آخرت کا پہلے آپ کو تفصیلی علم نہ تھا۔ علامہ برماوی نے کہا ہے کہ بعض تفاصیل آپ سے مخفی تھیں۔ (ارشاد الساری ج ۳ ص ۳۴۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ جن علماء نے الاحقاف: ۹ میں درایت کی نفی کو دنیا کے احوال پر محمول کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ آپ آخرت میں جنت میں ہوں گے اور کفار دوزخ میں ہوں گے اس لیے آیت کا یہی معنی ہے کہ میں یہ نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور آخرت میں کیا کیا جائے گا اور یہ معنی نہیں ہے کہ میں یہ نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا کیونکہ آپ کو اپنے اخروی انجام کے اچھے ہونے اور کفار کے اخروی انجام کے برے ہونے کا قطعی طور پر علم تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ جو یہ قطعی علم تھا وہ وحی سے تھا اور اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے خبر دینے کے بغیر از خود آپ کو اس کا علم نہیں تھا اور یہی معنی اس آیت میں مراد ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے آپ کو اپنی آخرت کا اور کفار کی آخرت کا اجمالی علم تھا اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا تفصیلی علم عطا فرمادیا اور الاحقاف: ۹ میں درایت تفصیلی کی نفی ہے' یعنی آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا مجھے اس کا تفصیلی علم نہیں ہے۔

اور اس آیت کو دنیا کے علم کی نفی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ کفار کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا اور ان کو آخرت کے اجر و ثواب کی ترغیب دی جاتی تھی دنیا کے عذاب کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ اور یہ اللہ کی شان نہیں ہے کہ وہ ان کو اس حال میں عذاب دے جب آپ ان میں موجود ہوں۔ (الانفال: ۳۳)

اور جنگوں میں کبھی مسلمانوں کو فتح ہوتی تھی اور کبھی کفار کو اور اب تک یہی ہو رہا ہے' سو آسمانی عذاب تو کفار پر آنے کا نہیں اور دنیاوی مصائب اور جنگوں میں شکست یہ کافروں اور مسلمانوں میں سے کسی ایک کی بھی خصوصیت نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بشیر و نذیر تھے وہ آخرت کے اعتبار سے ہی تھے' لہٰذا اس آیت کو دنیاوی احوال کے علم کی نفی پر محمول کرنا صحیح نہیں

اور آیت کا صحیح محمل صرف یہی ہے کہ: (اور آپ کہیے کہ:) اور نہ میں از خود جانتا ہوں کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ میں از خود یہ جانتا ہوں کہ آخرت میں تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

الاحقاف: ۹ کے منسوخ ہونے پر مستند علماء اور مفسرین کی تصریحات

(۱) امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق' معمر سے اور وہ قتادہ سے الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ آپ کے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلافِ اولیٰ سب کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ (تفسیر القرآن العزیز ج ۲ ص ۱۷۵' دارالمعرفت' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ الاحقاف: ۹' الفتح: ۲ سے منسوخ ہوگئی ہے کیونکہ الاحقاف: ۹ میں یہ فرمایا تھا کہ آپ کہیے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (الخ) (یعنی آپ کو اپنی مغفرت از خود معلوم نہیں تھی) اور الفتح: ۲ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمادیا کہ آپ کی مغفرت کر دی گئی۔ سو اس سے معلوم ہوگیا کہ الفتح: ۲ سے الاحقاف: ۹ منسوخ ہوگئی ہے۔

(۲) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ اور حسن بصری الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: اس آیت کو سورۃ الفتح کی اس آیت نے منسوخ کر دیا: ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ ... '' الایۃ (الفتح ۱۔۲) جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور مسلمانوں کو یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے (ظاہری) ذنب کی مغفرت فرمادی ہے تو بعض مؤمنوں نے آپ سے کہا: آپ کو مبارک ہو یا نبی اللہ! ہم کو معلوم ہوگیا کہ اللہ سبحانہٗ آپ کے ساتھ کیا کرے گا پس ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تب اللہ عزوجل نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت نازل فرمائی:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۷)

اور آپ مؤمنین کو یہ بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۝

اور یہ آیت نازل فرمائی:

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح: ۵)

تا کہ اللہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دے اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۝

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۶۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہر چند کہ امام ابن جریر نے اسی طرح لکھا لیکن ان کا مختار یہ ہے کہ الاحقاف: ۹ منسوخ نہیں ہے۔

(۳) امام عبدالرحمٰن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ'' (الاحقاف: ۹) کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: '' لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ '' (الفتح: ۵۔۲) اور اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ اللہ آپ کے ساتھ اور مؤمنوں کے ساتھ کیا کرے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۵۶۵' ج ۱۰ ص ۳۲۹۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مدینہ منورہ)

(۴) امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو الفتح: ٢ سے بتا دیا کہ آپ کے ساتھ کیا کرے گا اور الاحقاف: ٩ منسوخ ہو گئی۔
(الکشف والبیان ج ٩ ص ٧ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢٢ھ)

(٥) علامہ علی بن محمد الماوردی التوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں:
اس آیت میں چار تاویلیں ہیں' دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ آیت الفتح: ٢ سے منسوخ ہو گئی ہے۔
(النکت والعیون ج ٥ ص ٢٧٢ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(٦) علامہ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری متوفی ٤٦٥ھ لکھتے ہیں:
الاحقاف: ٩ 'الفتح: ٢ سے منسوخ ہے۔ (تفسیر القشیری ج ٣ ص ١٩٥ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(٧) امام ابو الحسن الواحدی التوفی ٤٦٨ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (اسباب النزول ص ٣٩٨)

(٨) امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ٥١٦ھ نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے' بعض علماء نے یہ کہا: جب الاحقاف: ٩ نازل ہوئی تو مشرکین خوش ہوئے اور انہوں نے کہا: لات اور عزیٰ کی قسم! ہمارا اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ ایک جیسا ہے اور ان کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے' پھر جب الفتح: ٢ نازل ہوئی تو اس نے اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ (معالم التنزیل ج ٤ ص ١٩١ ملخصاً)

(٩) علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ٥٣٨ھ نے لکھا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاحقاف: ٩ 'الفتح: ٢ سے منسوخ ہے۔ (الکشاف ج ٤ ص ٣٠٢)

(١٠) قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ٥٤٦ھ لکھتے ہیں:
الاحقاف: ٩ کی تفسیر میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس' حضرت انس بن مالک' الحسن' قتادہ اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام) کی مغفرت فرما دی ہے اور مؤمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ہے اور وہ جنت ہے اور کافروں کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔ (المحرر الوجیز ج ١٥ ص ١٣ 'المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ)

(١١) علامہ عبد الرحمن ابن الجوزی التوفی ٥٩٧ھ نے لکھا ہے کہ جب الاحقاف: ٩ نازل ہوئی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک جیسا معاملہ ہے اگر یہ واقعی رسول ہوتے تو یہ اس بات کی خبر دیتے کہ ان کے ساتھ آخرت میں کیا کیا جائے گا' تب اللہ تعالیٰ نے الفتح: ٢ نازل فرمائی' یہ تفسیر حضرت انس' عکرمہ اور قتادہ سے مروی ہے (علامہ ابن عطیہ اور علامہ ابن جوزی نے دنیا کے علم کی نفی کا قول بھی ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت ابو صالح از ابن عباس کی طرف کی ہے)۔ (زاد المسیر ج ٧ ص ٣٧٣)

(١٢) امام فخر الدین رازی متوفی ٦٠٦ھ نے حضرت ابن عباس کی دو روایتیں ذکر کی ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ اس آیت میں دنیا کے علم کی نفی کی ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں آخرت کے علم کی نفی ہے اور الفتح: ٢ نے اس آیت کو منسوخ کر دیا اور اس روایت پر (امام رازی نے) اعتراضات کیے ہیں جن کے جوابات ہم مفسرین کے حوالہ جات کے بعد ذکر کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٩)

(١٣) علامہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ٦٦٨ھ نے دو قول ذکر کیے ہیں' پہلے یہ قول ذکر کیا ہے کہ الاحقاف: ٩ میں آخرت کے علم کی

نفی ہے اور الفتح: ۲ سے منسوخ ہے پھر حسن بصری اور سدی کے حوالوں سے دوسرا قول ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں دنیا کے علم کی نفی ہے اور اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۷۶۔ ۱۷۳ ملخصاً)

(۱۴) علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دنیا اور آخرت کے تفصیلی علم کی نفی ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۴۶۴)

(۱۵) علامہ علی بن محمد الخازن التوفی ۷۲۵ ھ نے پہلے تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ الاحقاف: ۹ 'الفتح: ۲ سے منسوخ ہے اور اخیر میں اختصار سے دنیا کے علم کی نفی کا قول ذکر کیا ہے۔ (لباب التاویل ج ۴ ص ۱۲۸)

(۱۶) علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف الثعالبی التوفی ۸۷۵ ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے' لیکن راجح یہ ہے کہ یہ الفتح: ۲ سے منسوخ ہے' اور یہ حضرت ابن عباس اور ایک جماعت کا قول ہے۔ (تفسیر الثعالبی ج ۵ ص ۲۱۴)

(۱۷) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے امام ابوداؤد کی ''ناسخ'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے اور اس کی تائید میں کئی احادیث ذکر کی ہیں اور اخیر میں حسن بصری کا قول ذکر کیا ہے کہ اس میں دنیا کے علم کی نفی ہے۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۴۷۸۔ ۴۷۷)

(۱۸) علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ ھ نے لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۶ ص ۶۹)

(۱۹) علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ ھ نے لکھا ہے: یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۴۶۴)

(۲۰) علامہ سلیمان الجمل التوفی ۱۲۰۴ ھ نے لکھا ہے: یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (تفسیر الجمل ج ۴ ص ۱۲۵)

(۲۱) علامہ احمد بن محمد صاوی متوفی ۱۲۲۳ ھ لکھتے ہیں: اس آیت کو الفتح: ۲ نے منسوخ کر دیا۔

(حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۵ ص ۱۹۳۳)

(۲۲) شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ ھ لکھتے ہیں: امام ابوداؤد نے اپنی ''ناسخ'' میں لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۲۱)

(۲۳) علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے پہلے یہ قول نقل کیا کہ اس آیت میں دنیا کے علم کی نفی ہے پھر یہ لکھا اور امام ابوداؤد نے اپنی کتاب ''ناسخ'' میں عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس آیت کو ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ'' (الفتح: ۲) نے منسوخ کر دیا۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۵ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

(۲۴) مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ ھ نے بھی امام ابوداؤد کی ''ناسخ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح: ۲ سے منسوخ ہے۔ (فتح البیان ج ۶ ص ۲۹۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

(۲۵) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ ھ نے بھی الاحقاف: ۹ کو الفتح: ۲ سے منسوخ قرار دیا ہے' چنانچہ وہ رشید احمد گنگوہی کے رد میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہی مولوی رشید احمد صاحب پھر لکھتے ہیں:

''خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں: ''واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم'' الحدیث۔ اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں''۔

قطع نظر اس کے کہ حدیث اول خود احاد ہے' سلیم الحواس کو سند لانی تھی تو وہ مضمون خود آیت میں تھا اور قطع نظر اس سے کہ اس آیت وحدیث کے کیا معنی ہیں اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں اور قطع نظر اس سے کہ خود قرآن

عظیم واحادیثِ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کا ناسخ موجود ہے کہ جب آیتِ کریمہ:
"لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" تا کہ بخش دے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ۔(نازل ہوئی)۔
صحابہ نے عرض کی:
"هنيا لك يا رسول الله لقد بين الله لك ماذا يفعل بك فما ذا يفعل بنا" یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف بیان فرمادیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا۔اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔
اس پر یہ آیت اتری:
"ليدخل المؤمنين (الٰى قوله تعالٰى) فوزًا عظيما" تا کہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' ہمیشہ رہیں گے ان میں اور مٹادے ان سے ان کے گناہ اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔
یہ آیت اور ان کے امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل وشہیر' ایسوں کو کیوں سجھائی دیتیں۔

(انباء المصطفیٰ ص ۹۔۸' نوری کتب خانہ' لاہور)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز نے "انباء الحی" ص ۳۸۸ (مرکز اہل سنت برکاتِ رضا) میں بھی متعدد احادیث کے حوالوں سے اسی طرح لکھا ہے۔

(۲۶) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے بھی الاحقاف:۹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح:۲ سے منسوخ ہے۔

(۲۷) نیز صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھتے ہیں: "ملا عبدالرحمٰن بن محمد دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالۂ ناسخ ومنسوخ میں لکھتے ہیں: قوله تعالٰى ما ادرى ما يفعل بى ولا بكم الاية نسخ بقوله تعالٰى انا فتحنا لك فتحنا مبينا ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر الاية. اور اسی صفحہ میں اس سے کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں: سورة الفتح وفيها ناسخ وليس فيها منسوخ فالناسخ قوله تعالٰى ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر والمنسوخ قوله تعالٰى وما ادرى ما يفعل بى ولا بكم. ان دونوں عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ آیہ کریمہ "ما ادرى ما يفعل بى ولا بكم" منسوخ اور اس کا ناسخ "انا فتحنا لك فتحا مبينا الاية" ہے۔جس میں دنیا میں فتح مبین کا اور آخرت میں غفران کا مژدہ دیا گیا اور یہ بتایا گیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا رب جل وعلا دنیا وآخرت میں کیا کرے گا"۔

(الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' ص ۷۔۱۴' مکتبہ فریدیہ' ڈرگ کالونی' کراچی' ۱۹۷۷ء)

(۲۸) مشہور دیوبندی مفسر شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ الاحقاف:۹' الفتح:۲ سے منسوخ ہے۔

(۲۹) مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۹۱ھ نے بھی الاحقاف:۹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت الفتح:۲ سے منسوخ ہے۔

(۳۰) مفتی اویسی صاحب اپنی کتاب "ناسخ ومنسوخ" میں لکھتے ہیں: "بعض ناسخ ایسے تھے کہ منسوخ پر عمل سے پہلے ہی نازل

ہو جاتے تھے' جیسے آیت نجویٰ اور بعض ایسے بھی تھے کہ جن کے لیے کئی سال گزر جاتے' مثلاً آیت '' قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف۹) کا نزول ابتدائے اسلام میں ہوا لیکن اس کا نسخ سورۃ الفتح '' لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ '' (الفتح:۲)۔ تیرہ سال بعد سالِ حدیبیہ میں ہوا''۔ (ناسخ ومنسوخ ص ۲۹۔ ۲۸' فیض رضا پبلی کیشنز' کراچی)

ہم نے امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ کی تفاسیر سے لے کر مفتی اویسی صاحب کی ''الناسخ والمنسوخ'' تک تیس کتابوں کی عبارات سے واضح کر دیا ہے کہ الاحقاف:۹' الفتح:۲ سے منسوخ ہو چکی ہے۔

اور ہمارے بعض مخالفین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ''نہ سورۂ فتح کی آیت:۲ کے پہلے جملہ نے سورۂ احقاف کی آیت:۹ کے دوسرے جملہ کو منسوخ کیا''۔ شاید یہ بات بعد میں لوگوں نے اپنی عقل سے تجویز کی ہے اور وہ دراز ہوتے ہوتے ہمارے دور تک آ گئی۔ قارئین کرام پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ الاحقاف:۹ کے منسوخ ہونے کی بنیاد صحیح حدیث اور مفسرینِ کرام کی ٹھوس روایات پر ہے۔

الاحقاف:۹ سے دنیا کے احوال کے علم کی نفی مراد لینے کا بطلان

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ الاحقاف:۹ کی تفسیر میں بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں دنیا کے علم کی نفی مراد ہے' یعنی اے رسولِ مکرم! آپ یہ کہہ دیجئے کہ میں ازخود یہ نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اصل اور اہم چیز آخرت کے احوال ہیں اور کفار کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین جنت میں ہوں گے اور کفار اور مشرکین دوزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے اور یہی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مابہ الامتیاز ہے ورنہ جس طرح کفار اور مشرکین دنیا میں جنگوں میں شکست اور مصائب و آلام میں مبتلا رہتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی جنگوں میں شکست اور مصائب و آلام میں مبتلا رہتے ہیں اور اب تک ہیں' بلکہ کفار اور مشرکین سے زیادہ زبوں حال ہیں۔ اس لیے ان مفسرین کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے اور یہ محض عقلی توجیہ ہے اور اس کی بنیاد کسی حدیث پر نہیں ہے' اس لیے صحیح یہی ہے کہ الاحقاف:۹ کا معنی یہ ہے کہ آپ کہیے: میں ازخود نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' پھر قرآن مجید کی دیگر آیات میں وحی جلی سے اور آپ کو وحی خفی سے یہ بتا دیا گیا کہ آخرت میں آپ اور آپ کے متبعین جنت کے بلند مقامات اور دائمی نعمتوں میں ہوں گے اور کفار اور مشرکین دوزخ کے دائمی عذاب میں ہوں گے۔

الاحقاف:۹ سے امورِ آخرت کے علم کی نفی مراد لینے پر امام رازی کے اعتراضات کے جوابات

ہم نے پہلے کہا تھا کہ ہماری مختار تفسیر پر امام رازی کے جو اعتراضات ہیں ہم ان کا آخر میں جواب دیں گے۔ امام رازی نے اس آیت کو آخرت کے احوال کے علم کی نفی پر محمول کرنے پر تین اعتراضات کیے ہیں' ہم ان اعتراضات کا ذکر کر کے ان کا جواب ذکر کر رہے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو یہ علم ہو کہ آپ نبی ہیں اور جب آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم ہو گا تو آپ کو یہ علم ہو گا کہ آپ سے گناہ کبیرہ کا صدور نہیں ہو گا اور آپ کو علم ہو گا کہ آپ مغفور ہیں اور پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کو اس میں شک ہو کہ آپ کی مغفرت ہو گی یا نہیں۔

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ اولیاء کرام سے بلند ہے اور اولیاء کرام کے متعلق یہ فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (الاحقاف:۱۳)

جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝

تو پھر یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو رئیس الاتقیاء ہیں اور انبیاء کے پیشوا ہیں ان کو اس بات میں شک ہو کہ ان کی مغفرت ہو گی یا نہیں؟

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ (الانعام: ۱۲۴) اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا انتہائی قرب حاصل ہے اور جس کی یہ شان ہو اس کے یہ کب مناسب ہے کہ وہ اس چیز میں متردد رہے کہ وہ مغفورین میں سے ہے یا معذبین میں سے ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۰۔۹ 'دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قطعی علم تھا کہ آپ مغفور ہیں اور آپ کو اپنے مغفور ہونے میں کوئی تردد اور شک نہیں تھا لیکن آپ کو یہ قطعی علم وحی سے حاصل ہوا تھا اور بغیر وحی کے آپ کو محض اپنی عقل یا قیاس سے یہ قطعی علم حاصل نہیں تھا اور اس آیت میں علم کی نفی نہیں ہے' درایت کی نفی ہے اور درایت کا معنی ہے: از خود جاننا' لہٰذا اس آیت کا معنی ہے: آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کو وحی کے بغیر پہلے اپنے مغفور ہونے کا اجمالی علم حاصل تھا اور وحی نازل ہونے کے بعد آپ کو اس کا تفصیلی علم حاصل ہوا اور اس صورت میں اس آیت کا معنی ہے: آپ کہیے: میں تفصیل سے نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ علامہ قرطبی' حافظ ابن کثیر اور دوسرے جن مفسرین نے اس آیت کو احوالِ دنیا کے علم کی نفی پر محمول کیا ہے اور احوالِ آخرت کے علم کی نفی پر محمول کرنے کا رد کیا ہے ان کے بھی آخرت کے علم کی نفی مراد لینے پر یہی اعتراضات ہیں اور دنیا کے احوال کے علم کی نفی مراد لینے پر ان کے یہی دلائل ہیں اور ہم نے امام رازی کے اعتراضات کے جو جوابات ذکر کیے ہیں ان میں ان تمام مفسرین کے اعتراضات کے جوابات آ گئے ہیں۔ وللہ الحمد علی ذالک

مخالفین اعلیٰ حضرت کا اس صحیح حدیث پر اعتراض جس کی بنیاد پر الاحقاف: ۹ کو منسوخ قرار دیا گیا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جس حدیث سے استدلال کر کے اس حدیث کو الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیا ہے' بعض مخالفین نے اس حدیث کو مدرج قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ شعبہ نے اس حدیث کا بعض حصہ از قتادہ از انس سنا اور بعض حصہ عکرمہ سے سنا اور دونوں کو ملا کر ایک حدیث بنا دیا سو یہ حدیث مدرج ہے اور اس بناء پر یہ حدیث ضعیف ہے' لہٰذا یہ حدیث استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی چہ جائیکہ اس حدیث کی بنیاد پر یہ ثابت کیا جائے کہ الفتح: ۲ کی آیت الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ ہے؟ اور اس کے ثبوت میں وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں:

از شعبہ از قتادہ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۔ (الفتح: ۱) حضرت انس نے کہا: اس فتح سے مراد حدیبیہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا: آپ کو یہ (مژدہ مغفرت) مبارک ہو' پھر ہمارے لیے کیا (بشارت) ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ"۔ (الفتح: ۵) تاکہ اللہ مومنوں اور مومنات کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ شعبہ نے کہا: جب میں کوفہ گیا تو میں نے یہ پوری حدیث قتادہ سے روایت کر دی' پھر جب میں واپس آیا تو میں نے اس کا قتادہ سے ذکر کیا' انہوں نے کہا کہ اس حدیث کا یہ حصہ جس میں "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" (الفتح: ۱) ہے یہ حضرت انس سے مروی ہے اور حدیث کا یہ حصہ جس میں "ھنیا مرئیا" ہے یہ عکرمہ سے مروی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۴۔۴۱۷۲)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر گفتگو ان شاء اللہ سورۃ الفتح کی تفسیر میں آئے گی' امام بخاری نے یہاں پر یہ فائدہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا بعض حصہ شعبہ نے از قتادہ از انس روایت کیا ہے اور بعض حصہ عکرمہ سے روایت کیا ہے اور اسماعیلی نے اس حدیث کو اس سند سے روایت کیا ہے: از حجاج بن محمد از شعبہ اور حدیث میں حضرت انس اور عکرمہ کی روایت کو جمع کر دیا ہے اور حدیث کے دونوں حصوں کو ملا کر حدیث واحد کے طور پر روایت کیا ہے اور میں نے اس کی وضاحت ''کتاب المدرج'' میں کی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۲۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

اور سورۃ الفتح کی تفسیر میں حافظ ابن حجر نے صرف اتنا اضافہ کیا ہے:

شعبہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا جو حصہ حضرت انس سے مروی ہے وہ سند متصل کے ساتھ ہے اور اس کا جو حصہ عکرمہ سے مروی ہے وہ سند مرسل کے ساتھ مروی ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۵۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

واضح رہے کہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً مقبول ہوتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۲۹۷' طبع جدید)

اسی طرح علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ ھ نے بھی اس کی شرح میں صرف اتنا ہی لکھا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۹ ص ۲۳۴' طبع جدید)

یہاں تک ہم نے مخالفین اعلیٰ حضرت کے اس اعتراض کی تقریر کی ہے جو انہوں نے اس حدیث پر کیا ہے' جس سے اعلیٰ حضرت نے استدلال کیا ہے اور اس کو صحیح حدیث قرار دیا حتیٰ کہ اس حدیث کی بنیاد پر الاحقاف: ۹ کو الفتح: ۲ سے منسوخ قرار دیا ہے۔

اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے اس اعتراض کا جواب بیان کرتے ہیں اور قوی دلائل سے یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مصنف کی طرف سے متعدد حوالوں کے ساتھ حدیث مذکور کے صحیح ہونے پر دلائل

قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۸ ھ کے متعدد شاگردوں نے ان سے اس حدیث کو سنا ہے اور ان سے اس کو روایت کیا ہے۔ جب کہ قتادہ کے دوسرے شاگرد جو ثقہ اور ثبت ہیں' وہ قتادہ سے اس حدیث کو مکمل روایت کرتے ہیں اور کوئی استثناء نہیں کرتے اور مستند محدثین ان کی روایت کو اپنی صحیح اور معتبر کتب میں درج کرتے ہیں تو ان کی یہ روایت کیوں صحیح نہیں ہوگی اور کیوں غیر مقبول ہوگی؟ جب کہ محققین نے ان روایات کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کر دی ہے۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد ہیں معمر بن راشد ازدی متوفی ۱۵۴ ھ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں چودہ سال کی عمر سے قتادہ کی مجلس میں بیٹھ رہا ہوں اور میں نے ان سے جو حدیث بھی سنی وہ میرے سینے میں نقش ہے۔ ابو حاتم' احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' العجلی' یعقوب بن شیبہ' نسائی وغیرہم نے ان کو اثبت' اصدق' ثقہ اور صالح لکھا ہے اور ائمہ ستہ ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۱۸ ص ۲۶۷۔ ۲۶۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ ھ)

اور معمر بن راشد نے اس مکمل حدیث کو قتادہ سے روایت کیا ہے۔

از معمر از قتادہ از انس یہ حدیث ان کتابوں میں ہے: سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۳' اور امام ترمذی نے لکھا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ابن حبان نے بھی اپنی ''صحیح'' میں از معمر از قتادہ اس حدیث کو روایت کیا ہے' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰' امام احمد نے بھی از معمر از قتادہ اس کو روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث:

۱۲۹۶۹' مطبوعہ قاہرہ اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام ابویعلیٰ تمیمی نے بھی از معمر از قتادہ اس حدیث کو روایت کیا ہے' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۰۴۵' اس کے مخرج اور محقق حسین سلیم اسد نے بھی لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اسی سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۳۴۵' امام ابن عبدالبر نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (التمہید ج ۲ ص ۱۶۵)

''مسند احمد'' ج ۲۰ ص ۳۳۵' رقم الحدیث: ۱۳۰۳۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور اس کے محقق شیخ شعیب الارنؤط اور ان کے ساتھ دیگر محققین نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:

اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور یہ حدیث ''تفسیر عبد الرزاق'' ج ۳ ص ۲۲۵ میں بھی مذکور ہے' (ہمارے پاس ''تفسیر عبد الرزاق'' کا جو نسخہ ہے اس کی جلد ۲ ص ۱۸۳ پر یہ حدیث اس سند کے ساتھ مذکور ہے' عبد الرزاق از معمر از قتادہ) اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث ''ترمذی'' رقم الحدیث: ۳۲۶۳ اور ''مسند ابویعلیٰ'' رقم الحدیث: ۳۰۴۵ میں مذکور ہے اور اسی سند کے ساتھ اس کو طبری نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند یہ ہے: امام احمد از امام عبد الرزاق از معمر از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ

اور اس حدیث کا متن یہ ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ'' (الفتح: ۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی' مسلمانوں نے کہا: آپ کو مبارک ہو یا رسول اللہ! بے شک اللہ عزوجل نے بیان فرمادیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ''۔ (الفتح: ۵)

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں ہمام بن یحییٰ بن دینار العوذی المتوفی ۱۶۳ھ امام احمد بن حنبل' ابن مہدی' یحییٰ بن معین' عثمان بن سعید دارمی' محمد بن سعد وغیرہم نے ہمام کو اثبت' احفظ اور ثقہ لکھا ہے۔ ائمہ ستہ ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۱۹ ص ۳۰۵۔ ۳۰۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام احمد نے اس حدیث کو از ہمام از قتادہ از انس روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۲۔ ۱۲۲ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۵۷۵۔ ۱۲۱۶۶' طبع قاہرہ) اس کے حاشیہ پر حمزہ احمد زین نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ امام واحدی نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (اسباب النزول ص ۳۹۸) امام بیہقی نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۵۸) امام بغوی نے بھی اس حدیث کو ہمام از قتادہ روایت کیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۰)

''مسند احمد'' ج ۱۹ ص ۲۵۷' رقم الحدیث: ۱۲۲۲۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ اس کے محقق اور مخرج شیخ شعیب الارنؤط دیگر محققین کے ساتھ اس حدیث کی تحقیق اور تخریج میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اس حدیث کو اس سند کے ساتھ امام واحدی نے ''اسباب النزول'' ص ۲۵۶ میں روایت کیا ہے (ہمارے پاس ''اسباب النزول'' کا جو نسخہ ہے اس کے ص ۳۹۸ پر یہ روایت ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ امام مسلم نے رقم الحدیث: ۱۷۸۶ میں اس کو روایت کیا ہے' امام طبری نے اس کو امام ابوداؤد طیالسی اور امام ابوعوانہ سے روایت کیا ہے ان کی سند یہ ہے: عمرو بن عاصم از ہمام۔ امام

عبد بن حمید نے اس کو رقم الحدیث: ١١٨٨ میں اس کو روایت کیا ہے اور امام ابوعوانہ نے "مسند ابوعوانہ" ج ٤ ص ٢٤٨ ـ ٢٤٧ میں اور امام ابن حبان نے رقم الحدیث: ٣٧١ میں از حسن بصری از انس' اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ احمد عبد الرحمٰن البنا نے بھی اس سند کے ساتھ اس حدیث کو "الفتح الربانی" ج ١٨ ص ٢٧٦ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند یہ ہے: امام احمد از یزید بن ہارون از ہمام از قتادہ از انس اور اس کا متن یہ ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: "اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا" الآیۃ (الفتح:١) تو مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو جو اللہ نے آپ کو عطا کیا پس ہمارے لیے کیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: "لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ" الآیۃ۔ (الفتح:٥)

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں سعید بن ابی عروبہ العدوی المتوفی ١٥٧ھ۔ امام احمد' یحییٰ بن معین' ابوزرعہ' نسائی' ابوداؤد طیالسی وغیرہم نے ان کو ثقہ اور احفظ کہا ہے۔ ائمہ ستہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ٧ ص ٢٦٥ ـ ٢٦٢' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٤ھ)

امام احمد نے از سعید از قتادہ از انس اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ٣ ص ٢١٥ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ١٣١٧٩' طبع قاہرہ) اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٣٢٠٤ ـ ٢٩٣٢ میں بھی ہے۔ اس کے محقق نے بھی لکھا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔

(اسباب النزول للواحدی ص ٣٩٩' جامع البیان رقم الحدیث: ٢٤٣٤٤' سنن کبریٰ للبیہقی ج ٩ ص ٢٢٢)

یہ حدیث مسند احمد ج ٢٠ ص ٤٥٢' رقم الحدیث: ١٣٢٤٦ میں بھی موجود ہے۔ اس کے محقق اور مخرج شیخ شعیب الارنؤط لکھتے ہیں:

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے رقم الحدیث: ٣٢٠٤ ـ ٣٢٠٢ ـ ٢٩٣٢ میں روایت کیا ہے' امام طبری نے اپنی تفسیر میں اور امام ابن حبان نے رقم الحدیث: ٣٧٠ میں اور امام بیہقی نے ج ٩ ص ٢٢٢ میں۔

اس حدیث کی سند یہ ہے کہ امام احمد از محمد بن بکر' از سعید و عبد الوہاب از سعید از قتادہ از انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور اس حدیث کا متن یہ ہے: جب یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی: "اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا" الآیۃ (الفتح:١) تو آپ نے فرمایا: مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے' مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا پس ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: "لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ" الآیۃ۔ (الفتح:٥)

قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد ہیں شیبان بن عبد الرحمٰن تمیمی متوفی ١٦٤ھ۔ مشہور ائمہ حدیث نے ان کو ثقہ اور صدوق لکھا ہے اور ائمہ ستہ ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ٨ ص ٤١٧ ـ ٤١٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٤ھ)

امام بیہقی نے اس حدیث کو از شیبان از قتادہ از انس روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ٥ ص ٢١٧)

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں حکم بن عبد الملک القرشی۔ امام بخاری نے "الادب المفرد" میں' امام نسائی نے "خصائص نسائی" میں' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی "سنن" میں ان سے احادیث کو روایت کیا ہے' یہ اگرچہ ضعیف راوی

ہیں لیکن ان کی جن روایات کی متابعت کی گئی ہے' ان سے استدلال کرنا جائز ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۵ ص ۹۳۔ ۹۲ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام بیہقی نے از حکم بن عبد الملک از قتادہ از انس اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۱۷)

خلاصہ یہ ہے کہ قتادہ بن دعامہ کے شاگردوں میں سے معمر' ہمام' سعید' شیبان اور حکم بن عبد الملک نے اس پوری حدیث کو قتادہ سے سنا ہے اور اس پوری حدیث کو روایت کیا ہے اور صحاح اور سنن کے مصنفین نے ان کی روایات کو اپنی تصانیف میں درج کیا ہے اور ان کی اسانید کے متعلق محققین نے تصریح کی ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ ماسوا حکم کی روایت کے لیکن ہم نے اس کو بطور تائید درج کیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث قتادہ بن دعامہ کے علاوہ از ربیع بن انس بھی مروی ہے۔ لہٰذا اب اعتراض کی بنیاد ہی منہدم ہوگئی۔ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ از ربیع از انس روایت کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: "وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ" (الاحقاف: ۹) تو اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: "لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ" (الفتح: ۲) تو صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے جان لیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: "وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا" (الاحزاب: ۴۷) آپ نے فرمایا: فضل کبیر جنت ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۵۹ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

نیز امام ابن جریر نے اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ عکرمہ اور الحسن البصری سے روایت کیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۶۵ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت کے جواب کی تقریر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے "انباء المصطفیٰ" میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور اس کو الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔ بعض مخالفین نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے کیونکہ شعبہ نے اس حدیث کا صرف ایک جملہ قتادہ سے سنا تھا اور باقی حصہ عکرمہ سے اور انہوں نے دونوں کو ملا کر قتادہ کی طرف منسوخ کر دیا۔ لیکن اس وجہ سے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ معمر' ہمام' سعید اور شیبان بھی قتادہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ان سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے قتادہ سے یہ پوری حدیث نہیں سنی اور ان کی اس حدیث کو صحاح اور سنن کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور محققین نے ان کی ان روایات کو صحیح قرار دیا ہے' لہٰذا امام احمد رضا کا اس حدیث کو صحیح لکھنا برحق ہے۔ حدیث کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے مجھ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حدیث کی صحت پر جو اعتراض کیا جائے اس کو دور کر دوں۔ لہٰذا میں نے یہاں پر اس اعتراض کا جواب لکھ دیا ہے اور اعلیٰ حضرت سے قلت فہم حدیث کی تہمت دور کر دی ہے۔

الاحقاف: ۹ کو منسوخ ماننے پر مخالفین اعلیٰ حضرت کے ایک عقلی اعتراض کا جواب

یہاں تک جو ہم نے گفتگو کی اس میں یہ مباحث پوری تفصیل سے باحوالہ دلائل کے ساتھ آ گئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے الاحقاف: ۹ کے منسوخ ہونے پر "لیغفر لک اللہ" سے استدلال کیا اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس آیت میں مغفرت کا تعلق آپ کے ساتھ ہے "ترمذی" کی صحیح حدیث سے استدلال کیا۔ اس پر مخالفین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس کے ہم نے شافی جوابات ذکر کر دیئے۔ پھر اعلیٰ حضرت کے مخالفین نے اس استدلال پر عقلی طور سے یہ اعتراض

کیا کہ الاحقاف:٩ مکی ہے اور سورۂ الفتح مدنی ہے' اس سے لازم آئے گا کہ ایک طویل عرصہ تک تقریباً تیرہ سال تک آپ کو اپنی مغفرت کا علم نہیں ہوا۔ اس کا اوّلاً جواب یہ ہے کہ یہ صرف اعلیٰ حضرت نے نہیں کہا بلکہ بہت سے مفسرین اور محدثین نے کہا ہے' جن میں سے اکثر کے حوالے اس بحث کے شروع میں آچکے ہیں۔ ثانیاً: کسی چیز کا علم اور چیز ہے اور اس کا بیان دوسری چیز ہے۔ دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ میں بھی نماز پڑھتے تھے اور وضو کر کے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وضو کی آیت سورۂ المائدہ میں مدینہ کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ آپ کو وضو کا علم بہت پہلے تھا لیکن اس کا بیان بہت بعد میں ہوا ہے۔ اسی طرح آپ کو اپنی کلی مغفرت کا علم بہت پہلے تھا لیکن اُس کا بیان بعد میں کیا گیا۔

ثالثاً: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ''ما ادری'' میں درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں ہے یعنی آپ کو از خود اپنی مغفرت کا علم نہیں تھا یہ علم آپ کو اللہ سبحانہٗ کی وحی سے حاصل ہوا تھا۔ رابعاً: اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ درایت کا معنی علم ہے تو اس آیت سے علم تفصیلی کی نفی ہے یعنی اس وقت آپ کو اپنی مغفرت اور دیگر مسلمانوں کی مغفرت اور کفار کے عذاب کا تفصیلی علم نہیں تھا بلکہ ان تمام چیزوں کا اجمالی علم حاصل تھا' پھر بعد میں بہ تدریج ان چیزوں کا تفصیلی علم حاصل ہوا۔

مخالفین اعلیٰ حضرت کے ایک نحوی اعتراض کا جواب

بعض مخالفین لکھتے ہیں: اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ ''لیغفرلك الله'' کے جملہ سے ''وما ادری ما یفعل بی ولا بکم'' کا جملہ منسوخ ہوا تو اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ جملہ ثانی جملہ اول (جملہ ثانیہ' جملہ اولیٰ لکھنا چاہیے تھے۔ سعیدی غفرلہٗ) ''قل ما کنت بدعا من الرسل'' سے ملا ہوا ہے تو کیا عربی قواعد کی رو سے صرف معطوف کو منسوخ کرنا جائز ہو سکتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ضابطہ کے لحاظ سے معطوف' معطوف علیہ دونوں ایک ہی حکم میں آتے ہیں ''جاء نی زید و عمرو'' میں مجیئت کا اطلاق دونوں پر ہے' (الیٰ قولہ) اسی طرح منسوخ کا حکم بھی دونوں جملوں پر تو ہونا ہی چاہیے' جب کہ اس طرح ہو نہیں سکتا' جملہ اوّل کے نسخ کا کوئی بھی قائل نہیں اور وہ خبر ہے ایسا ہو بھی نہیں سکتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ معترض نے مفرد کے مفرد پر عطف سے معارضہ کیا ہے اور ہماری بحث جملہ کے جملہ پر عطف میں ہے' اور جب جملہ کا جملہ پر عطف ہو تو اصولیین نے یہ تصریح کی ہے کہ ان کی خبر میں مشارکت واجب نہیں ہے۔

علامہ عبد العزیز بن احمد البخاری المتوفی ٧٣٠ھ ''اصول البزدوی'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد تدخل الواو علی جملة کاملة بخبرها فلا تجب به المشارکة فی الخبر مثل قول الرجل هذه طالق ثلاثا وهذه طالق ان الثانیة تطلق واحدة.

کبھی واؤ اس جملہ پر داخل ہوتی ہے جو اپنی خبر کے ساتھ مکمل ہوتا ہے' پس اس صورت میں خبر میں مشارکت واجب نہیں ہے' مثلاً کوئی شخص کہے: اس عورت کو تین طلاقیں ہیں اور اس عورت کو طلاق ہے تو دوسری عورت کو صرف ایک طلاق پڑے گی۔

(کشف الاسرار ج ٢ ص ٢٢٥۔ ٢٢٤' دار الکتاب العربی' ١٤١١ھ)

حسب ذیل علماء اصول نے بھی اس قاعدہ کی تصریح کی ہے۔

علامہ تفتازانی متوفی ٧٩١ھ (تلویح ص ١٨٨)' ملاجیون متوفی ١١٣٠ھ (نور الانوار ص ١٢٢) اور علامہ ابن عابدین شامی متوفی ١٢٥٢ھ (شرح شرح المنار ص ١١٩)۔

اور جب ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف ہو اور معطوف اور معطوف علیہ کی خبر میں اختلاف جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ معطوف یعنی جملہ ثانیہ منسوخ ہو اور جملہ اولیٰ یعنی معطوف علیہ منسوخ نہ ہو۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جب مفرد کا مفرد پر عطف ہو تب بھی ان میں مشارکت واجب نہیں' یہ ہو سکتا ہے کہ معطوف میں مجاز مراد ہو اور معطوف علیہ میں حقیقت مراد ہو اور اس کی قرآن مجید میں دو واضح مثالیں ہیں:

(١) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ (النساء: ٤٣)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں موضع نماز (مسجد) کے قریب جاؤ مگر راستہ عبور کرنے کے لیے حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔

اس آیت میں معطوف میں ''صلٰوۃ'' سے مراد موضع صلٰوۃ (مسجد) مراد ہے' جو مجاز ہے اور معطوف علیہ میں ''صلٰوۃ'' سے مراد ارکانِ مخصوصہ ہیں جو حقیقت ہے۔

امام ابن جریر متوفی ٣١٠ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں' حضرت ابن عباس نے اس آیت میں ''جنبا'' کی تفسیر میں فرمایا: ''لا تقرب المسجد'' جب تو جنبی ہو تو مسجد کے قریب نہ جا مگر راستہ سے گزرنے کے لیے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ٧٥٧٤)

علامہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ نے لکھا ہے: اصحاب رائے یعنی فقہاء احناف نے کہا ہے: جو مسافر جنبی ہو وہ مسجد سے گزر سکتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٥ ص ١٨٠)

امام رازی متوفی ٦٠٦ھ اور علامہ خازن متوفی ٧٢٥ھ نے بھی کہا ہے: اس آیت میں معطوف میں ''صلٰوۃ'' سے مراد موضع صلٰوۃ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٤ ص ٧٦' تفسیر خازن ج ١ ص ٣٧٨)

(٢) وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ ؕ (المائدہ: ٦) اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو دھوؤ۔

علامہ آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

مسح کا حقیقی معنی ہے: گیلا ہاتھ پھیرنا اور مجازی معنی ہے: دھونا' عرب کہتے ہیں: ''مسح الارض المطر'' بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔ سو اس آیت میں ''ارجلکم'' سے پہلے ''وامسحوا'' مقدر ہے اور معطوف میں مسح سے مجاز مراد ہے یعنی دھونا اور معطوف علیہ میں مسح سے حقیقت مراد ہے یعنی گیلا ہاتھ پھیرنا اور یہ جائز ہے کہ معطوف میں مجاز مراد ہو اور معطوف علیہ میں حقیقت مراد ہو جیسے اس آیت میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ (النساء: ٤٣)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں موضع نماز (مسجد) کے قریب جاؤ مگر راستہ عبور کرنے کے لیے' حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔

اس آیت میں ''صلٰوۃ'' سے معطوف میں مراد ہے محل صلٰوۃ اور معطوف علیہ میں ''صلٰوۃ'' سے مراد ارکانِ مخصوصہ ہیں اسی طرح آیت وضو میں مسح سے معطوف میں مجازاً دھونا مراد ہے اور معطوف علیہ میں مسح سے حقیقتاً گیلا ہاتھ پھیرنا مراد ہے۔

(روح المعانی جز ٦ ص ١١١۔١١٠ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ الاحقاف: ٩ میں معطوف ''ما ادری ما یفعل بی ولا بکم'' منسوخ ہو اور معطوف علیہ ''ما کنت بدعا من الرسل'' منسوخ نہ ہو۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ معترض نے لکھا ہے کہ ضابطہ کے لحاظ سے معطوف' معطوف علیہ دونوں ایک ہی حکم میں آتے ہیں" جاء نی زید و عمرو" میں مجیئت کا اطلاق دونوں پر ہے (الی قولہ) اسی طرح منسوخ کا حکم بھی دونوں جملوں پر تو ہونا ہی چاہیے۔

معترض نے اپنی سادہ لوحی سے نحوی حکم اور اصولی حکم دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے جب کہ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے منسوخ ہونا یا نہ ہونا اصولی حکم ہے اس کا تعلق اصول تفسیر اور اصول فقہ سے ہے اور" جاء نی زید و عمرو" میں دونوں پر آنے کا حکم لگایا ہے یہ نحوی حکم ہے اور نحوی حکم کا منشاء یہ ہے کہ معطوف علیہ میں جو عامل مذکور ہے وہی عامل معطوف میں بھی مقدر مانا جائے جیسے" جاء نی زید و عمرو" میں زید سے پہلے عامل" جاء" مذکور ہے تو وہی عامل عمرو سے پہلے بھی مقدر مانا جائے تبھی دونوں پر آنے کا حکم لگے گا اور جب معترض نے الاحقاف:۹ میں دونوں جملوں کو معطوف اور معطوف علیہ قرار دے دیا تو معطوف علیہ سے پہلے جو عامل" قل" مذکور ہے وہی عامل" قل" معطوف سے پہلے بھی مقدر ماننا ہوگا اور دونوں جملوں پر ایک حکم لگے گا یعنی آپ کہیے اور پوری آیت کا معنی ہوگا: آپ کہیے کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں اور آپ کہیے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور دوسرا جملہ منسوخ کر دیا گیا اور یہ نسخ" قل" پر وارد ہے یعنی اب آپ کو بھی یہ کہنے سے منع کر دیا گیا کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا کیونکہ اب آپ کو اپنا اور آپ کے متبعین کا تفصیلی علم دے دیا گیا ہے اور دوسرے جملہ کا منسوخ ہونا اور پہلے جملہ کا منسوخ نہ ہونا یہ اصولی حکم ہے اس کا نحوی حکم سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ معترض نے اپنی سادہ لوحی سے سمجھ لیا ہے۔

معترض نے بڑے طمطراق سے لکھا ہے کہ علم تفسیر ہو یا علم حدیث' عربی زبان کے قواعد کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' بہرصورت نسخ کا حکم دونوں جملوں پر ہونا چاہیے۔ (مغفرت ذنب ص ۲۶۴)

اور ہم نے واضح کر دیا کہ عربی زبان کے قواعد اور نحو کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ دونوں جملے منسوخ ہوں' عربی زبان کا قاعدہ اور نحو کا تقاضا یہ ہے کہ معطوف علیہ سے پہلے جو عامل مذکور ہے معطوف سے پہلے بھی اس عامل کو مقدر مانا جائے' علامہ محمود صافی اور علامہ محی الدین درویش نے قرآن مجید کی صرفی نحوی تفسیر لکھی ہے اور اس میں ان دونوں نے تصریح کی ہے کہ" وما ادری ما یفعل بی ولا بکم" کا عطف" وما کنت بدعا من الرسل" پر ہے۔

محمود صافی نے لکھا ہے کہ" ما کنت بدعا" الایۃ محل نصب میں ہے اور قول (قل) کا مقولہ ہے اور" ما ادری" الایہ محل نصب میں ہے اور اس کا عطف پہلے جملہ پر ہے جو قول کا مقولہ ہے۔

(اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ جز ۲۶ ص ۱۷۳' انتشارات مدین' اعراب القرآن الکریم وبیانہ ج ۹ ص ۱۷۰' ایران)

اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ" وما ادری" بھی قول کا مقولہ ہے کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف کا حکم واحد ہوتا ہے اس لیے اس جملہ سے پہلے بھی" قل" مقدر ہے اور اب اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ خبر کا نسخ نہیں ہوتا' امر یا نہی کا نسخ ہوتا ہے کیونکہ" قل" امر کا صیغہ ہے اور نسخ اسی پر وارد ہے اور نسخ کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جس کو امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے اور جمہور مفسرین نے اس آیت کے دوسرے جملہ کے منسوخ ہونے کی تصریح کی ہے اور پہلے جملہ کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے محکم ہونے پر دلائل ہیں تو وہ جملہ کیوں منسوخ ہوگا؟

علامہ خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ نسخ" قل" پر وارد ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۴۶۴' روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۵)

اور نسخ لغوی (تغییر حکم) اور نسخ اصطلاحی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ہم نے ٹھوس نحوی دلائل سے یہ واضح کر دیا ہے کہ ان دونوں جملوں کے ایک حکم کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دونوں جملے "قل" کے مقولے ہیں اور صرف دوسرے جملہ کے منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحیح حدیث اسی جملہ کے متعلق ہے۔ وللہ الحمد علی ذالک

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور آپ کہیے:) میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

قیاس کے ثبوت پر دلائل

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں جو بات بھی کہتا ہوں اور جو کام بھی کرتا ہوں وہ صرف وحی کے تقاضے سے اور اسی کی پیروی میں کہتا ہوں یا کرتا ہوں' جو علماء قیاس کی نفی کرتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ کی وحی اور اس کی نص پر عمل کرتے ہیں' یعنی ازخود قیاس نہیں کرتے سو ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم بھی قیاس نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۵۸) اور تم سب نبی امی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ ۝

اور آپ کے حکم کے خلاف کرنے سے ہم کو منع فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ. (النور: ۶۳) پس ان لوگوں کو (عذاب سے) ڈرنا چاہیے جو آپ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔

منکرین قیاس کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کرنے اور قیاس سے حکم معلوم کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے اس لیے آپ کا قیاس کرنا بھی اتباع وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (الحشر: ۲) سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ۝

یعنی اس میں غور و فکر کرو کہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے اس پر کس طرح عذاب نازل ہوتا ہے سو تم اس پر قیاس کرو کہ اگر تم نے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو تم پر بھی اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام کو قیاس سے بھی معلوم کیا ہے' جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی' حضرت فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل کا چہرہ دوسری طرف کر دیا' وہ عورت کہنے لگی: یارسول اللہ! بے شک حج بندوں پر اللہ کا فریضہ ہے' میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا' آیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کی والدہ نے نذر مانی تھی اور وہ نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں' آپ نے ان کو یہ جواب دیا کہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے نذر پوری کر دیں۔ پھر بعد میں یہ طریقہ مشروع ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: میری بہن نے

حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو تم اس کے قرض کو ادا کرتے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر اللہ کا قرض ادا کرو وہ قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۸۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: میری بہن فوت ہوگئی اور اس پر دو ماہ کے مسلسل روزے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۹_۲۶۸۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۸)

ان احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حق کو بندوں کے حق پر قیاس کر کے مسئلہ بتایا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے علم غیب کی تحقیق

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ سبحانہٗ کے پیغام کو پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے اور آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ لوگوں کو ہدایت یافتہ بنا دیں' لوگوں کو ہدایت یافتہ بنانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہ کہ غیب کا علم بالذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو غیب کی خبریں دیں ہیں وہ وحی کے واسطے سے دی ہیں اور اولیاء کرام نے جو غیب کی خبریں دی ہیں وہ الہام کے واسطے سے دی ہیں اور اللہ سبحانہٗ کے علم عطا کرنے سے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قیامت کی علامتیں بتائیں کہ آخر زمانہ میں بدعات کا غلبہ ہوگا' یہ بھی وحی سے بتائی ہیں' اسی طرح آپ نے فرمایا: جو شخص سب سے پہلے اس دروازہ سے داخل ہوگا وہ جنتی ہوگا' پھر حضرت عبداللہ بن سلام داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کے پاس گئے اور ان کو اس بشارت کی خبر دی اور ان سے پوچھا: آپ بتائیں کہ آپ کا وہ کون سا عمل ہے جس پر آپ کو بہت اعتماد ہے؟ انہوں نے کہا: میں بہت کمزور شخص ہوں اور مجھ کو جس عمل پر زیادہ اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ میرا سینہ صاف ہے (میں کسی کے خلاف کینہ نہیں رکھتا) اور میں بے مقصد کاموں میں نہیں پڑتا۔

اور سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ نے کہا: مجھ سے میرے ماموں السری السقطی نے کہا: لوگوں کو وعظ اور نصیحت کیا کرو اور میں اپنے آپ کو وعظ اور نصیحت کے لائق نہیں سمجھتا تھا' پھر مجھے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور وہ جمعہ کی شب تھی' آپ نے فرمایا: لوگوں کو وعظ کیا کرو' میں بیدار ہوا اور اپنے ماموں کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: تم نے اس وقت تک میری بات کی تصدیق نہیں کی جب تک کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حکم نہیں دیا گیا دوسرے دن میں لوگوں کو نصیحت کرنے بیٹھ گیا' میرے سامنے ایک نصرانی لڑکا آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اے شیخ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے بچو' کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ○ (الحجر: ۷۵)

بے شک گہری نظر سے دیکھنے والوں کے لیے اس (قوم لوط کے عذاب) میں ضرور بہت نشانیاں ہیں ○

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۷' تاریخ کبیر للبخاری رقم الحدیث: ۱۵۲۹' الضعفاء العقیلی ج ۴ ص ۱۲۹' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۸۲_۲۸۱'

تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۹۱۔ ج ۷ ص ۲۴۲)

جنید بغدادی نے پہلے اپنا سر جھکایا پھر سر اوپر اٹھا کر کہا: تم اب اسلام قبول کر لو تمہارے اسلام قبول کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنید کو اس مقام کی معرفت کرا دی تھی۔

(روح البیان جز ۸ ص ۱۳۱-۶۳۱' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو علم غیب وحی سے عطا فرماتا ہے اور اولیاء کرام کو غیب الہام سے عطا فرماتا ہے' انہوں نے اس سلسلہ میں ایک مثال حدیث سے دی ہے اور ایک مثال جنید کے واقعہ سے دی ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

الاحقاف: ۹ میں ان لوگوں کا رد ہے جو بعض اولیاء کے لیے ہر چیز کا علم' کلیات اور جزئیات سے ثابت کرتے ہیں اور مجھ سے ایک شخص نے کہا: حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کو ہر چیز کا علم ہے' حتیٰ کہ ان کو میرے بالوں کے اگنے کی جگہ کا بھی علم ہے' حالانکہ اس قسم کا دعویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی نہیں کرنا چاہیے' چہ جائیکہ آپ کے غیر کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے۔ پس بندہ کو اپنے مولیٰ سے ڈرنا چاہیے اور حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق جو حدیث گزر چکی ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت عثمان بن مظعون سے کم درجہ کے لوگوں کے لیے جنت اور کرامت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے متعلق جن کے حق میں مخبر صادق علیہ السلام نے بشارت نہیں دی' ہاں! مسلمان زندہ ہوں یا مردہ ان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور ہر ایک کے لیے خیر کی امید رکھنی چاہیے۔ پس اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۷' دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا کفر کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہوگا!) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہاری عاقبت کیسی ہوگی!) بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (الاحقاف: ۱۰۔۹)

''شهد شاهد من بنی اسرائيل'' کے مصداق کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک شخص سے مراد حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں تو انہوں نے کہا: میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق سوال کروں گا جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا' (۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ (۲) اہل جنت کا پہلا طعام کون سا ہوگا؟ (۳) بچہ اپنے باپ یا ماں کے کیسے مشابہ ہوتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک جمع کرے گی اور اہل جنت کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کا ٹکڑا ہوگا اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو وہ بچہ کی شبیہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو وہ بچہ کی شبیہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام نے کہا: ''اشهد ان لا اله الا الله واشهد انك رسول الله'' یارسول اللہ! بے شک یہود بہت بہتان تراش قوم ہے اگر ان کو میرے اسلام کا اس سے پہلے علم ہو گیا کہ آپ ان سے میرے متعلق سوال کریں تو وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے' پھر یہود آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ تم میں عبد اللہ کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں'

ان کے والد بھی ہم میں سب سے بہتر ہیں' وہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر عبد اللہ بن سلام مسلمان ہو جائیں؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے' پھر حضرت عبد اللہ باہر نکلے اور کہا: ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ'' تو یہود نے کہا: وہ ہم میں سب سے برے ہیں' سب سے برے شخص کے بیٹے ہیں اور ان کی برائیاں کیں۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اسی چیز کا خدشہ تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے:

شعبی' مسروق اور ایک جماعت نے اس تفسیر کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت میں بنی اسرائیل کے جس شاہد کا ذکر کیا ہے وہ حضرت عبد اللہ بن سلام نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے اسلام لائے تھے اور یہ سورت مکی ہے پس مکی آیت کو اس واقعہ پر محمول کرنا کس طرح درست ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے پیش آیا تھا؟ پھر لکھا ہے کہ کلبی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر چند کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اس کی آیت: ١٠ اس عموم سے مستثنیٰ ہے (جیسا کہ مصنف نے بھی اس سورت کے تعارف میں ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ الاحقاف: ١٠ اور الاحقاف: ١۵ مدنی آیتیں ہیں)۔ (تفسیر کبیر ج ١٠ ص ١١' دار احیاء التراث العربی بیروت' ١۴١۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے اسلام لائے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام اس وقت اسلام لائے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے' وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے تھے اور قیس بن الربیع از عاصم از شعبی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے اسلام لائے تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور قیس ضعیف ہے۔ (الاصابہ ج ۴ ص ١٠٣' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١۴١۵ ھ)

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴٦٣ ھ' حافظ ابن الاثیر متوفی ٦٣٠ ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''شھد شاھد من بنی اسرائیل'' حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(الاستیعاب ج ٣ ص ۵۴' اسد الغابہ ج ٣ ص ٢٦۵' الاصابہ ج ۴ ص ١٠۴)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی سوانح اور ان کے فضائل

علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی متوفی ٧۴۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام بن الحارث کو جنت کی بشارت دی گئی تھی' یہ بہت بڑے اسرائیلی عالم تھے' انصار کے حلیف تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اصحاب میں سے تھے' امام محمد بن سعد نے کہا ہے کہ ان کا نام پہلے الحصین تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عبد اللہ رکھ دیا۔ (المستدرک ج ٣ ص ۴١۴' تہذیب الکمال ج ١۵ ص ٧۴) شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے اسلام لائے تھے۔ یہ قول شاذ اور مردود ہے اور صحیح یہ ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے حضرت عبد اللہ بن سلام اسی وقت اسلام لے آئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٩٣۸)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور میں بھی ان لوگوں میں تھا جب میں نے آپ کے چہرے کو دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ

نہیں ہے اور میں نے آپ سے جو پہلی بات سنی وہ یہ تھی: اے لوگو! بہ کثرت سلام کیا کرو اور کھانا کھلایا کرو اور رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھا کرو اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز پڑھا کرو اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٤٨٧)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صرف حضرت عبد اللہ بن سلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ جنتی ہیں اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: "وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ."
(الاحقاف: ١٠)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس راستہ پر چلنے والا شخص اہل جنت میں سے ہے' تو اسی وقت حضرت ابن سلام آ گئے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ١٤٥٨' دار الفکر' المستدرک ج ٣ ص ٤١٦)

متعدد سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک باغ میں ہوں اور باغ کے درمیان میں ایک ستون ہے اور ستون کی بلندی پر ایک دستہ ہے' مجھ سے کہا گیا: اس ستون پر چڑھو' میں نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا' پھر ایک لڑکا آیا' اس نے میرے کپڑے اوپر کیے پھر میں اس پر چڑھا اور میں نے اس دستہ کو پکڑ لیا' پھر میں بیدار ہو گیا' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب بیان کیا' آپ نے فرمایا: اس باغ سے مراد سلام ہے اور ستون سے مراد اسلام کا ستون ہے اور اس دستہ سے مراد "العروۃ الوثقی" (مضبوط دستہ) ہے اور تم تاحیات اسلام کے ساتھ وابستہ رہو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧٠١٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٨٤' مسند احمد رقم الحدیث: ٢٣٨٤٨)

یزید بن عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر موت کا وقت آیا تو یزید ان کے سر کے پاس بیٹھ کر رو رہے تھے' انہوں نے پوچھا: تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ یزید نے کہا: مجھ سے جو علم جاتا رہا میں اس پر رو رہا ہوں' حضرت معاذ نے کہا: علم جس طرح تھا اسی طرح ہے وہ کہیں نہیں گیا۔ تم چار آدمیوں کے پاس علم کو تلاش کرو' پھر ان چاروں کے نام لیے اور ان میں حضرت عبد اللہ بن سلام بھی تھے جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: وہ دس جنتیوں میں سے دسویں ہیں۔ (سنن الترمذی: ٣٨٠٤' المستدرک ج ٣ ص ٤١٦' تاریخ کبیر للبخاری ج ١ ص ٧٣' الاصابۃ ج ٦ ص ١٠٩)

عبد اللہ بن حنظلۃ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا: حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بازار میں لکڑیوں کا ایک گٹھڑا اٹھا کر جا رہے ہیں' ان سے کہا گیا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن میں تکبر کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ١٢ ص ٢٥٢' المستدرک ج ٣ ص ٤١٦)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ یہود کے معبد میں گئے' آپ نے فرمایا: اے یہود! مجھے بارہ ایسے آدمی دکھاؤ جو یہ گواہی دیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تو تم سے اللہ کا غضب دور ہو جائے گا' وہ خاموش رہے' آپ نے دوبارہ فرمایا' پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا' آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں حشر برپا کرنے والا ہوں' میں سب نبیوں کے بعد آنے والا ہوں اور میں مصطفیٰ ہوں' خواہ تم ایمان لاؤ' خواہ تکذیب کرو' جب آپ واپس جانے لگے تو ایک شخص نے کہا: آپ ٹھہریں یا محمد! پھر اس شخص نے یہود سے پوچھا: تمہارے نزدیک میں کیسا شخص ہوں؟ سب نے کہا: ہم میں تم سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے' اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے نبی ہیں جن کا ذکر تم "تورات" میں پڑھتے ہو' پھر انہوں نے کہا: تم نے جھوٹ بولا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے جھوٹ بولا' ہم تینوں باہر نکل آئے اور یہ آیت نازل ہوئی: "اَرَءَیْتُمْ

اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ..." (الاحقاف:۱۰)۔ (المستدرک ج ۴ ص ۴۱۵)

حضرت عبداللہ بن سلام تینتالیس (۴۳ ھ) ہجری میں فوت ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۷۳۔۶۵ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ

اور کافروں نے مومنوں کے متعلق کہا اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم پر سبقت

اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ

نہ کرتے' اور جب انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہ کی تو عنقریب یہ کہیں گے: یہ قدیم جھوٹ ہے O حالانکہ اس

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا

سے پہلے موسیٰ کی (آسمانی) کتاب پیشوا اور رحمت بن کر آچکی ہے' اور یہ کتاب عربی زبان میں (اس کی) تصدیق

عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ

کرنے والی ہے تاکہ ظالموں کو (عذاب سے) ڈرائے اور نیکو کاروں کو بشارت دے O بے شک

الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اسی پر جمے رہے' سو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً ۢ

وہ غمگین ہوں گے O یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے (یہ) ان کے (نیک)

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ

کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے O اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا'

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ

اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف جھیل کر اس کو جنا' اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا

شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ

تیس ماہ میں تھا' حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو کہا اے میرے رب!

أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ

مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ

وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ إِنِّيْ تُبْتُ

کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو اور تو میری اولاد میں بھی نیکی رکھ دے، بے شک میں نے

إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ

تیری طرف رجوع کیا اور بے شک میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم

أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ

قبول فرماتے ہیں اور جن کی لغزشوں سے ہم درگزر کرتے ہیں (یہ) جنتی لوگوں میں سے ہیں

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْ قَالَ

(یہ اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا○ اور جس نے اپنے ماں باپ

لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيْٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ

سے کہا: تم پر اُف ہے، تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا'

الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ إِنَّ

حالانکہ مجھ سے پہلے بہت صدیاں گزر چکی ہیں' اور وہ دونوں (ماں باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں تیرے لیے ہلاکت ہو! ایمان لے آ'

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾

بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے تو وہ کہتا ہے: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں○

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے' (یہ) جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں سے ہیں

قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۭ إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ

جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں یہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے○ اور ہر فریق کے لیے ان کے اعمال

دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ

کے مطابق درجات ہیں اور ان کو ان کے اعمال کا پورا صلہ دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O اور جس دن

يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا

اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو' پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا

كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

ع ۲ / ۱۰ / ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے مؤمنوں کے متعلق کہا: اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم پر سبقت نہ کرتے اور جب انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہ کی تو عنقریب یہ کہیں گے: یہ قدیم جھوٹ ہے O حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی (آسمانی) کتاب پیشوا اور رحمت بن کر آ چکی ہے اور یہ کتاب عربی زبان میں (اس کی) تصدیق کرنے والی ہے تاکہ ظالموں کو (عذاب سے) ڈرائے اور نیکوکاروں کو بشارت دے O بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اسی پر جمے رہے' سو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے (یہ) ان کے نیک کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے O (الاحقاف: ۱۴-۱۱)

قرآن مجید پر کفار مکہ کے اعتراض کا جواب

الاحقاف: ۱۱ کے تین محمل ہیں:

(۱) کافروں نے مؤمنوں کو مخاطب کر کے کہا' پھر خطاب کو ترک کر کے ان کے متعلق یہ کہا: اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس پر ایمان لانے میں ہم پر سبقت نہ کرتے۔

(۲) کفار نے ایمان لانے والوں کے ایمان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: اگر یہ قرآن بہتر ہوتا تو یہ ہم سے پہلے ایمان نہ لاتے۔

(۳) کفار نے جب یہ سنا کہ ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی ہے تو انہوں نے ان مسلمانوں سے کہا: جو ان کے سامنے حاضر تھے اگر یہ دین بہتر ہوتا تو جو لوگ اس پر ایمان لا چکے ہیں وہ ہم پر سبقت نہ کرتے۔

پھر جب یہ کفار قرآن مجید کے معجز ہونے کو نہ پہچان سکے تو پھر یہ اپنے کفر پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب انہوں نے اس قرآن سے ہدایت حاصل نہ کی تو عنقریب یہ کہیں گے کہ یہ قرآن تو بہت پرانا جھوٹ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی (آسمانی) کتاب پیشوا اور رحمت بن کر آ چکی ہے۔

اس کتاب سے مراد ''تورات'' ہے' امام کا معنی ہے: مقتدیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی شریعت میں ''تورات'' کے احکام کی پیروی کی جائے گی' جس طرح نماز میں امام کی پیروی کی جاتی ہے اور اس کتاب کو رحمت فرمایا یعنی جو شخص اس پر ایمان

لائے گا اور ''تورات'' میں مذکور احکام پر عمل کرے گا تو وہ اس کے لیے رحمت ہے۔
اس آیت کا پہلی آیت سے ربط اس طرح ہے کہ اس سے پہلی آیت میں کفارِ مکہ کے اس طعن کا ذکر کیا تھا کہ اگر اس قرآن میں کوئی خیر ہوتی تو یہ فقراء اس قرآن پر ایمان لانے میں ہم پر سبقت نہ کرتے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ قرآن مجید کے برحق ہونے پر دلیل یہ ہے کہ تم کو بھی یہ تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ''تورات'' نازل کی تھی اور ''تورات'' کو امام اور مقتداء بنایا تھا اور ''تورات'' میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہو کر مبعوث ہونے کی بشارت ہے' پس جب تم نے ''تورات'' کو امام اور مقتداء مان لیا تو ''تورات'' کے اس حکم کو بھی مانو کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول اللہ ہونا برحق ہے۔
اس کے بعد فرمایا: اور یہ کتاب عربی زبان میں (اس کی) تصدیق کرنے والی ہے تاکہ ظالموں کو (عذاب سے) ڈرائے اور نیکو کاروں کو بشارت دےO
یعنی یہ قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی اس چیز میں تصدیق کرتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جو کفار قرآن مجید سے اعراض کرتے ہیں ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جائے اور مؤمنین جو قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں ان کو ان کے نیک اعمال پر آخرت کے اجر و ثواب کی بشارت دی جائے۔
الاحقاف: ١٤۔ ١٣ میں فرمایا: بے شک جن لوگوں نے کہا: میرا رب اللہ ہے' پھر وہ اسی پر جمے رہے' سو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گےO یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے (یہ) ان کے نیک کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھےO

اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال کا خوف

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت کے دلائل کی تقریر فرمائی اور منکرین کے شبہات کے جوابات دیئے' اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ توحید اور رسالت کے ماننے والوں کا حال بیان فرما رہا ہے اور ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے' حشر کے بعد نہ اس کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوگا اور قیامت کے دن کی ہول ناکیوں سے وہ محفوظ رہے گا اور تحقیق یہ ہے کہ عذاب کا خوف تو ان کو نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی ہیبت کا خوف کسی بندہ سے زائل نہیں ہوگا' کیونکہ فرشتے معصوم ہیں' ان کے درجات بلند ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے بہت مقرب ہیں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (النحل: ٥٠)

فرشتے اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہےO

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے (یہ) ان کے نیک کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھےO

فساق مؤمنین کی مغفرت پر دلائل

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں حصر ہے کہ جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے تو وہی لوگ جنتی ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد گناہ کبیرہ کر لیے اور ان پر توبہ نہیں کی وہ جنتی نہیں

ہوں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کسی کا کوئی نیک عمل ضائع نہیں فرمائے گا' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷)

پس جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی نیکی کی تو وہ اس کا صلہ پائے گا اور جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی برائی کی تو وہ اس کی سزا بھگتے گا○

تو اگر ایمان لانے کے بعد کسی نے کبیرہ گناہ کیے اور ان پر توبہ کیے بغیر مر گیا تو وہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر بہر حال اپنے ایمان لانے کی جزا پانے کے لیے جنت میں جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کی توبہ نہ کرنے کے باوجود محض اپنے فضل سے معاف فرما دے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہو گا' اس کو وہ جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اس کی مغفرت ہو جائے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شفاعتی لاھل الکبائر من امتی'' میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والے کے لیے ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شفاعت سے بھی اس کی مغفرت متوقع ہے۔

مغفرت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ ان کے نیک کاموں کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا سبب اس کے نیک اعمال ہیں اور یہ کہنا غلط ہے کہ اس کو اجر و ثواب اللہ کے فضل کی وجہ سے ملتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ظاہری سبب اس کے نیک اعمال ہیں اور یہاں ظاہری سبب کا ذکر ہے' اس سے حقیقی سبب کی نفی نہیں ہوتی' حقیقی سبب کا ذکر ان آیات میں ہے:

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (الدخان: ۵۷۔۵۶)

وہ جنت میں کوئی موت نہیں چکھیں گے سوا (دنیا کی) پہلی موت کے اور اللہ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا○ یہ صرف آپ کے رب کا فضل ہے' یہی بڑی کامیابی ہے○

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور رہے نیک اعمال تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی نصیب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا' اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف جھیل کر اس کو جنا' اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا' حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو اور تو میری اولاد میں بھی نیکی رکھ دے' بے شک میں نے تیری طرف رجوع کیا اور بے شک میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں○ یہ وہ

لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول فرماتے ہیں اور جن کی لغزشوں سے ہم درگزر کرتے ہیں (یہ) جنتی لوگوں میں سے ہیں' یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا○ (الاحقاف:١٦-١٥)

اولاد پر ماں باپ کے حقوق خصوصاً ماں کے حقوق کے متعلق احادیث

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا تھا: ''وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا'' (بنی اسرائیل:٢٣) احسان کا معنی ہے: کسی کے ساتھ نیک سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا' اس کی مفصل تفسیر وہاں گزر چکی ہے اور العنکبوت:٨ میں فرمایا: ''وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا'' اور حسن کا معنی اچھائی اور نیکی ہے اس سے بھی یہی مراد ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اچھائی اور نیکی کی جائے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں کے ساتھ زیادہ نیکی کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ اٹھایا اور مشقت کے ساتھ اس کو جنا۔

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں' اس نے مجھ سے سوال کیا اور میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی' میں نے اس کو وہی ایک کھجور دے دی' اس نے اس کھجور کو اپنی دو بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور اس میں سے خود کچھ نہیں کھایا' پھر وہ چلی گئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان بیٹیوں کی پرورش میں مبتلا ہوا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب ہو جائیں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٩٩٥' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٦٢٩' سنن ترمذی رقم الحدیث:١٩١٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٣٦٦٨' مسند احمد ج٦ ص ٨٧' ج٦ ص ٩٢)

اس آیت میں ماں کا ذکر تین بار ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ماں کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی ہے اور چوتھی بار باپ کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر سوال کیا: یا رسول اللہ! میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٩٧١' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٥٤٨' مسند الحمیدی رقم الحدیث:١١١٨' مسند احمد ج٢ ص ٣٢٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٢٧٠٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کس کی؟ فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کے بڑھاپے کو پایا اور جنت میں داخل نہیں ہوا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٥٥١' سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٥٤٥' مسند احمد ج٢ ص ٢٥٤)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی' آپ نے پوچھا: تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ان کی خدمت میں جہاد کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٩٧٢' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٥٤٩' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢٥٢٩' سنن ترمذی رقم الحدیث:١٦٧١' سنن نسائی رقم الحدیث:٣١٠٣' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:٩٢٨٤' مصنف ابن ابی شیبہ ج١٢ ص ٤٧٣' مسند احمد ج٢ ص ١٦٥' مسند الحمیدی رقم الحدیث:٥٨٥' الادب المفرد رقم الحدیث:٢٠)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا: یا رسول

اللہ! میرا جہاد کرنے کا ارادہ ہے اور میں آپ کے پاس مشورہ کرنے کے لیے آیا ہوں' آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم اس کے پاس لازم رہو کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اس کو ناپسند کرتے تھے' انہوں نے مجھ سے فرمایا: اس کو طلاق دے دو' میں نے انکار کیا۔ پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اس کو طلاق دے دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۶۰)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ مشرکہ تھیں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے پاس میری ماں آئیں اور وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہیں کیا میں ان سے حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی ماں سے حسن سلوک کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۱۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کر لیا ہے' کیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں' آپ نے پوچھا: کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ نیکی کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۳)

حضرت مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس بنو سلمہ کا ایک شخص آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! کوئی ایسی نیکی ہے جو میں اپنے والدین کے فوت ہونے کے بعد ان کے ساتھ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ان کی نمازِ جنازہ پڑھو' ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو' ان کے کیے ہوئے عہد کو ان کے بعد پورا کرو اور ان کی وجہ سے ان کے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو اور ان کے دوستوں کی عزت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۷)

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں گوشت تقسیم کر رہے تھے اور میں اس وقت نوجوان تھا اور اونٹ کی ہڈیاں اٹھا رہا تھا' ایک عورت آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئی' آپ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی جس پر وہ بیٹھ گئی' میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ آپ کی وہ ماں ہے جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۴' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۲۹۵)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کی طرف سے حج کیا تو یہ اس کو کفایت کرے گا اور ان کی روح کو آسمان میں بشارت دی جائے گی اور اللہ کے نزدیک اس شخص کو نیک لکھا جائے گا خواہ وہ ان کا عاق شدہ ہو' ایک روایت میں ہے کہ جس نے اپنے ماں باپ میں سے کسی کے لیے حج کیا تو ان کے لیے ایک حج لکھا جائے گا اور اس کے لیے سات حج لکھے جائیں گے۔

(جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۱۰' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۲)

میں نے اس آیت کی تفسیر میں تلاش کر کے ماں کے اولاد پر عظیم حقوق کی احادیث درج کی ہیں' میری والدہ ماجدہ بہت عابدہ زاہدہ تھیں سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے محبت کرتی تھیں۔ ۷ اگست ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو وہ وفات پاگئیں' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری والدۂ محترمہ کو پہنچا دیں' میں بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔

دودھ پلانے کی انتہائی مدت میں فقہاء احناف کا مذہب

اس کے بعد فرمایا: اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

دودھ پلانے کی مدت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیس ماہ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دو سال ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کی دلیل یہ آیت ہے اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔ (الاحقاف: ۱۵)

اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لیے دو سال بچے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو سال کے بعد دودھ پلانا (شرعاً معتبر) نہیں ہے۔

(سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۲' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۱۰۳)

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا (یعنی حمل کا اور دودھ چھڑانے کا) اور دونوں کی مدت تیس ماہ بیان کی' پس ان میں سے ہر ایک (حمل اور دودھ چھڑانے) کی مدت مکمل تیس ماہ ہے' جیسے دو قرضوں کی مدت بیان کی جائے' لیکن ان میں سے ایک (یعنی حمل) کی مدت اڑھائی سال سے چھ ماہ کم ہونے پر دلیل قائم ہے (اور وہ حضرت عائشہ کی حدیث ہے) تو دوسرے (یعنی دودھ چھڑانے) کی کل مدت اپنے ظاہر پر تیس ماہ رہے گی اور اس لیے بھی کہ غذا کا متغیر ہونا ضروری ہے' تاکہ بچہ کے جسم کی نشو ونما جو دودھ سے ہو رہی تھی وہ غذا کی طرف منتقل ہو سکے اور اتنی مدت گزر جائے کہ بچہ کا جسم دوسری غذا کا عادی ہو سکے اس لیے اس کی مدت کا اندازہ دو سال کے بعد کم از کم مدت حمل سے کیا گیا' اس لیے کہ وہ مدت تغیر کرنے والی ہے' کیونکہ پیٹ کے بچہ کی غذا دودھ پیتے بچے کی غذا کے مغائر ہے' جس طرح دودھ پیتے بچے کی غذا روٹی کھانے والے بچے کی غذا کے مغائر ہے اور حدیث میں جو ارشاد ہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے' اس کا مطلب ہے دو سال کے بعد دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔ سو یہ مدت استحقاق ہے مدت جواز نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو ہے: "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ" (البقرہ: ۲۳۳) اور مائیں مکمل دو سال دودھ پلائیں' یہ دو سال کی مدت بھی بچہ کے استحقاق کی مدت ہے' دودھ پلانے کے جواز کی مدت نہیں ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا:

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ. (البقرہ: ۲۳۳)

پھر اگر ماں باپ اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں' اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔

(ہدایہ اولین ص ۳۵۰' موضحاً' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

علامہ محمد بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک دودھ پلانے کی انتہائی مدت اڑھائی سال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ مدت

فقط دو سال ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (علامہ شامی نے علامہ طحطاوی کے حوالے سے لکھا ہے: ان دونوں قولوں میں سے ہر ایک پر فتویٰ دیا گیا ہے)۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ آیت ہے: ''حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ'' (الاحقاف: ۱۵) یعنی حمل اور دودھ چھڑانے' ان میں سے ہر ایک کی مدت تیس ماہ ہے۔ البتہ حضرت عائشہ کی حدیث کی بناء پر حمل کی مدت سے چھ ماہ کم کیے گئے ہیں' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حمل کی مدت دو سال سے صرف اتنی زیادہ ہے جتنی مدت میں چرخے کا سایہ پھرتا ہے یعنی بہت کم۔

ایک روایت میں ہے جتنی دیر چرخے کی لکڑی کا سایہ پھرتا ہے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۱۴۔ ۳۸۱۳' سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۳)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر اس مدت کو نہیں بیان کر سکتیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ اس آیت میں حمل کی کم از کم مدت کا بیان ہے اور وہ چھ ماہ ہے اور دودھ چھڑانے کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بیان ہے اور وہ دو سال ہے اور آیت میں دونوں کی مجموعی مدت کا بیان ہے اور وہ تیس ماہ ہے' اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر عمل کرے خواہ اس کی دلیل ظاہر نہ ہو خواہ مفتی امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دے' خواہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ۴ ص ۲۹۴۔ ۲۹۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

بچہ کو دو برس تک دودھ پلایا جائے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں' دودھ پینے والا لڑکا ہو یا لڑکی اور یہ جو بعض عوام میں مشہور ہے کہ لڑکی کو دو برس تک اور لڑکے کو ڈھائی برس تک دودھ پلا سکتے ہیں یہ صحیح نہیں' یہ حکم دودھ پلانے کا ہے اور نکاح حرام ہونے کے لیے اڑھائی برس کا زمانہ ہے یعنی دو برس کے بعد اگرچہ دودھ پلانا حرام ہے' مگر اڑھائی برس کے اندر اگر دودھ پلا دے گی حرمتِ نکاح ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد اگر پیا تو حرمتِ نکاح نہیں اگرچہ پلانا جائز نہیں۔

(بہار شریعت حصہ ۷ ص ۱۹' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

دودھ پلانے کی انتہائی مدت میں ائمہ ثلاثہ کے مذاہب

قاضی ضیاء الدین ابو عمرو مارانی شافعی المتوفی ۶۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' امام ابو یوسف' امام محمد اور ایک روایت میں امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کی انتہائی مدت دو سال ہے اور صحابہ میں سے حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت عائشہ کے علاوہ دیگر امہات المؤمنین کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی مدت پچیس ماہ ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی مدت تیس ماہ ہے اور امام زفر کے نزدیک اس کی مدت تین سال یعنی چھتیس ماہ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ (البقرہ: ۲۳۳)

اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال تک دودھ پلائیں' یہ (مدت) ان کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو مکمل کرنے کا ارادہ کریں۔

اور امام بیہقی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت صرف دو سال ہے۔
(سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۲)

اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ. (لقمان: ۱۴) دودھ چھڑانا دو سال میں ہے۔

اور قرآن مجید میں ہے:

حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا. (الاحقاف: ۱۵) اور حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

اور بعض صحابہ کا یہ مذہب ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے تو پھر واجب ہے کہ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہو اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس آیت سے یہ استنباط کرنا کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے بہت قوی استنباط ہے۔

امام محمد بن اسحٰق نے بعجہ بن عبد اللہ الجہنی سے روایت کیا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص نے جہینہ کی عورت سے نکاح کیا' نکاح کے پورے چھ ماہ بعد اس نے بچہ کو جنم دیا' اس کے شوہر نے حضرت عثمان کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا' حضرت عثمان نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا' جب حضرت علی کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت عثمان سے فرمایا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت عثمان نے کہا: اس نے نکاح کے پورے چھ ماہ بعد بچہ کو جنم دیا ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے! کہا: کیوں نہیں! حضرت علی نے فرمایا: قرآن میں ہے: "حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا." (الاحقاف: ۱۵) حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے اور دوسری آیت میں فرمایا: "وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ." (لقمان: ۱۴) دودھ چھڑانا دو سال میں ہے' اور جب تیس ماہ میں سے دودھ چھڑانے کے دو سال نکال لیے تو حمل کی مدت کے لیے چھ ماہ بچے تب حضرت عثمان نے فرمایا: میں اس نکتہ کو پہلے نہیں سمجھا تھا۔

(حافظ سیوطی نے اس واقعہ کو امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۳۸۲) اور امام عبد الرزاق نے اس واقعہ کو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے روایت کیا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۵۱۷۔ ۱۳۵۱۶' طبع جدید' ۱۴۲۱ھ)) اور امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ کو جنم دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح الاحقاف: ۱۵ اور لقمان: ۱۴ سے استدلال کر کے ثابت کیا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکم سے رجوع کر لیا اور اس عورت پر حد جاری نہیں کی۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۵۱۴۔ ۱۳۵۱۳۔ ج ۷ ص ۲۸۰۔ ۲۷۹' طبع جدید)

اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ الاحقاف: ۱۵ میں حمل سے مراد بچے کو پیٹ میں اٹھانا نہیں ہے' کیونکہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۱۳' سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۳) بلکہ حمل سے مراد بچہ کو ہاتھ میں یا گود میں اٹھانا ہے یعنی بچہ کو ہاتھ میں اٹھانے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حمل کی یہ تفسیر خلاف ظاہر ہے اور اس کے معارض حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں جنہوں نے تصریح کی ہے کہ حمل سے مراد بچہ کو پیٹ میں اٹھانا ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں ہے۔

(تکملۃ المجموع من شرح المہذب ج ۲۲ ص ۱۵۰۔ ۱۴۸' ملخصاً وموضحاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جس دودھ پلانے سے تحریم ثابت ہوتی ہے اس کی مدت دو سال ہے' یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ حضرت عمر' حضرت علی'

حضرت ابن عمر‘ حضرت ابن مسعود‘ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی امہات المؤمنین کا بھی یہی مذہب ہے‘ ائمہ میں سے شعبی‘ ابن شبرمہ‘ اوزاعی‘ شافعی‘ اسحاق‘ ابو یوسف‘ محمد اور ابو یوسف کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (المغنی ج ۸ ص ۱۴۲‘ دارالفکر‘ بیروت‘ ۱۴۰۵ھ)

چالیس سال کی عمر میں انسان کا اپنی قوت کے کمال کو پہنچ جانا

اس کے بعد فرمایا: حتیٰ کہ جب وہ پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اشد (پوری قوت کو پہنچا) کی تفسیر میں اختلاف ہے‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اٹھارہ سال ہے اور اکثر مفسرین نے کہا: اس سے مراد تینتیس (۳۳) سال ہے۔ فرّاء نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ اٹھارہ کی بہ نسبت تینتیس سال چالیس سال کے زیادہ قریب ہے۔ زجاج نے کہا: تینتیس سال اس لیے راجح ہے کہ اس عمر میں انسان کے بدن کی قوت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انسان کی عمر کے تین درجات ہیں: (۱) عمر کا وہ حصہ جس میں انسان کی رطوبت غریزۃ حرارت غریزۃ سے زیادہ ہوتی ہے اس وقت وہ اپنی ذات میں طول‘ عرض اور عمق میں زیادتی کے قابل ہوتا ہے اور یہ اس کی نشو و نما کی عمر ہوتی ہے۔ (۲) یہ متوسط مرتبہ ہے اس عمر میں رطوبت غریزہ‘ حرارت غریزہ کی حفاظت کے لیے کافی ہوتی ہے اور یہ سن شباب ہے۔ (۳) یہ سن انحطاط ہے اس عمر میں رطوبت غریزہ‘ حرارت غریزہ کی حفاظت کے لیے نا کافی ہوتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ چاند کا دوران چار ہفتوں میں مکمل ہوتا ہے‘ ان چار ہفتوں کو انسان کی عمر پر تقسیم کیا تو عمر کے پہلے ہفتہ یعنی پہلے سات سال مکمل ہونے پر اس کا لڑکپن ہوتا ہے اور عمر کے دوسرے ہفتہ یعنی چودہ سال مکمل ہونے پر وہ بالغ ہوتا ہے اور اس وقت وہ احکامِ شرعیہ کا مکلف کیا جاتا ہے‘ اس عمر میں اس کی حرارت غریزہ قوی ہو جاتی ہے اور رطوبات کم ہو جاتی ہیں اور علاماتِ بلوغ ظاہر ہونے لگتی ہیں اور عمر کے تیسرے ہفتہ میں جب وہ اکیس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی قوت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور اس کی ڈاڑھی آ جاتی ہے اور عمر کے چوتھے ہفتہ میں اس کی قویٰ اور بڑھ جاتی ہیں اور اپنے کمال کو پہنچتی ہیں اور جب اس کی عمر کا پانچواں ہفتہ مکمل ہوتا ہے اور وہ پینتیس (۳۵) سال ہو جاتا ہے تو اس کا شباب اپنے تمام و کمال کو پہنچ چکا ہوتا ہے اس کی نشو و نما رک جاتی ہے اور اس کی قوتوں میں مزید اضافہ نہیں ہوتا اور بعض مزاجوں کے اختلاف سے کبھی اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور کبھی کمی ہوتی ہے اس لیے قوت میں اضافہ کی غایت چالیس سال مقرر کر دی گئی اور یہی عمر کا وہ حصہ ہے جس میں انسان شرعی اور طبعی طور سے اپنے تمام اور کمال کو پہنچ جاتا ہے اور یہ اس کے شباب کی آخری حد ہے اور چالیس سال کی عمر کے بعد انسان کا جسم گھٹنے لگتا ہے اور اس کی قوتوں کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور ہم نے جو یہ تقریر کی ہے اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے‘ کیونکہ اس میں فرمایا ہے: ”حتیٰ کہ جب وہ پوری قوت کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو معمر شخص اسلام میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنون‘ جذام اور برص سے محفوظ کر دیتا ہے اور جب وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے حساب آسان کر دیتا ہے‘ اور جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور جب اس کی عمر ستر سال کی ہو جائے تو اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور جب اس کی عمر اسّی سال کی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو برقرار رکھتا ہے اور اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور جب اس کی عمر نوے

سال کی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اس کو اس کے گھر والوں کے حق میں شفاعت کرنے والا بنا دیتا ہے اور آسمان میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ زمین میں اللہ کا قیدی ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۱ ص ۱۲۔ رقم الحدیث: ۱۳۲۷۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے' حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی متعدد اسانید ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۷۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند احمد ج ۲ ص ۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۲۶۶۲' القول المسدد ص ۸۔۷)

چالیس سال کی عمر پوری ہونے کے بعد نبی کا مبعوث ہونا

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا حتیٰ کہ وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۷۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو آپ کو نبی بنایا گیا۔ (الوسیط ج ۴ ص ۱۰۷)

امام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کو پہنچ گئے تو آپ کو نبی بنایا گیا۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ جس نبی کو بھی مبعوث کیا گیا ہے تو اس کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا گیا ہے' میں کہتا ہوں کہ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی عمر کے اول میں ہی نبی بنا دیا تھا' مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اغلب یہ ہے کہ ان پر وحی آنے کا سلسلہ چالیس سال کے بعد شروع ہوا ہو اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی معاملہ اسی طرح ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا تو آپ کی عمر چالیس سال تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۸۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ جس کو بھی نبی بنایا گیا ہے چالیس سال کے بعد نبی بنایا گیا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۴۰۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت کا اکرام کیا اور آپ کو رسالت کے ساتھ خاص کر لیا۔ (تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۲۵' مطبوعہ دار الکتب العربیہ' پشاور)

علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں:

اسی وجہ سے چالیس سال کی عمر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا وقت ہے۔ (نظم الدررج ۷ ص ۱۴۸ ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ ھ لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوتا ہے کہ ان کو بچپن کی ابتداء ہی میں نبی بنا دیا گیا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ اغلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر وحی چالیس سال کے بعد کی جاتی ہے' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی اسی طرح ہوا تھا۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۷ ص ۵۹۹ ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

قاضی ابوالسعود محمد بن محمد الحنفی المتوفی ۹۸۲ ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ کسی نبی کو چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۶ ص ۷۳ ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ کسی نبی کو چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں کیا گیا اس پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ سے اعتراض ہوتا ہے کیونکہ ان کو چالیس سال سے پہلے مبعوث کیا گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غالب اور اکثری قاعدہ ہے' کلیہ نہیں ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۶۳۹ ' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ تصریح کی ہے کہ اعم اور اغلب یہ ہے کہ نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واقع ہوا۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۳۰ ' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ ھ لکھتے ہیں:

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت کے ساتھ سرفراز فرمایا۔ (خزائن العرفان علی ہامش کنز الایمان ص ۸۰۱ ' تاج کمپنی لمیٹڈ)

بعثت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور رسالت کا علم تھا اس پر دلائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹)

حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

اللہ سبحانہٗ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کئی وجوہ سے نبوت کو واجب فرمایا: (۱) آپ کی نبوت اس لیے واجب ہے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ آپ نبی ہیں جیسا کہ ہر چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کے علم سے واجب ہے اور آپ کی نبوت اس وقت واجب ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ' تو اس نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو لکھا' سو اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کی صفاتِ کریمہ اور آپ کے حلیہ شریفہ کے ساتھ ذکر تھا اور آپ کے لیے نبوت اس وقت واجب ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر زمین پر رکھا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت آپ کی نبوت کے وجوب کے ذکر میں یہ حکمت ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے آپ کی نبوت قول میں تھی' فعل میں نہیں تھی اور جب حضرت آدم کی تخلیق ہوئی تو آپ کی نبوت بالفعل ہوگئی کیونکہ اصل کی تخلیق فرع کی تخلیق ہے' خصوصاً جب حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو ان کی پشت سے نکالا گیا تو وہ سب زندہ موجود تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی ربوبیت پر شاہد بنایا

(اوران میں آپ بھی اپنے وصف نبوت کے ساتھ موجود تھے)۔(عارضۃ الاحوذی ج ۷ جز ۱۳ ص ۸۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت بھی اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹۳' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰)

عالم ارواح میں آپ کی نبوت کا معنی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو تخلیق آدم سے پہلے تھی اس سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ اللہ سبحانہٗ کے علم میں اس وقت نبی تھے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اس وقت تمام انبیاء علیہم السلام نبی تھے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس وقت بالفعل نبی تھے تو آپ کا بالفعل نبی ہونا تو دنیا میں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے وجود عنصری سے پہلے آپ کی نبوت کا فرشتوں اور روحوں میں اظہار ہے' جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ آپ کا اسم شریف عرش پر' آسمان پر' جنت کے محلات اور بالا خانوں پر' حورانِ بہشت کے سینوں پر' درختوں کے پتوں پر' جنت کے درختوں پر اور فرشتوں کی بھوؤں اور آنکھوں پر لکھا ہوا تھا اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ اس وقت آپ کی روح شریف نبی تھی اور عالمِ ارواح میں روحوں کی تربیت کر رہی تھی جیسا کہ اس عالم عنصری میں آپ کا جسم شریف اجسام کی تربیت کر رہا ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۷۵۔ ۴۷۴' مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

بعثت سے پہلے آپ کو اپنی نبوت کا علم ہونے کی تحقیق

اب ایک یہ بحث رہتی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو مبعوث کیا گیا یعنی اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا تو اس سے پہلے بھی آپ نبی تھے یا نہیں اور آپ کو اپنی نبوت کا علم تھا یا نہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اس سے پہلے بھی نبی تھے اور آپ کو اپنی نبوت کا علم تھا۔ امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت (اعلانِ نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳)

اس صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے اپنے نبی بنائے جانے کا علم تھا اور آپ نے بعثت سے پہلے ابو طالب کے ساتھ شام کا جو سفر کیا تھا' اس میں بھی یہ تصریح ہے کہ راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العلمین ہیں' یہ رسول رب العلمین ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ رحمۃ للعلمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۰) عنقریب ہم اس حدیث کو متعدد حوالوں کے ساتھ نقل کریں گے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ میں ایک پتھر تھا جو ان راتوں میں مجھ پر سلام پیش کیا کرتا تھا جن میں مجھ کو مبعوث کیا گیا میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۱۹۰۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۶۴' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۵۔ ۸۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۹۰۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث:

٢٠٣٣، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ١٦٧، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ٣٠٠، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٢ ص ١٥٣، شرح السنۃ رقم الحدیث: ٣٧٠٩)

اور جب آپ کی بعثت سے پہلے پتھروں کو آپ کی نبوت کا علم تھا تو آپ کو بعثت سے پہلے اپنی نبوت کا علم کیوں نہیں ہو گا؟

اس پر سید مودودی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر آپ کو پہلے سے یہ علم تھا کہ آپ نبی ہیں تو غارِ حراء میں جب حضرت جبریل آپ کے پاس پہلی وحی لے کر آئے تو آپ پر اس قدر خوف اور گھبراہٹ کیوں طاری ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آپ پر اب نبوت کی ذمہ داری بالفعل ڈال دی گئی تھی' اس وجہ سے فطری طور پر آپ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں فرائض نبوت کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی تقصیر نہ ہو جائے۔ جیسے جب کسی انسان کو ابتداءً کوئی اہم اور بڑی ذمہ داری سپرد کر دی جائے تو اس کو خوف ہوتا ہے اور وہ گھبراتا ہے' سو ایسا ہی خوف اور گھبراہٹ آپ پر طاری تھی۔

الاحقاف: ١٥ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی منفرد فضیلت اور خصوصیت

اس آیت میں فرمایا ہے: اور جب وہ (انسان) اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو اور تو میری اولاد میں بھی نیکی رکھ دے' بے شک میں نے تیری طرف رجوع کیا اور بے شک میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں O

بہ کثرت مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں انسان کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور اس آیت میں ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے کیونکہ اس آیت میں اس انسان کی فضیلت بیان فرمائی ہے جس نے چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اڑتیس سال کی عمر میں اسلام لائے تھے جو چالیس سال کے قریب ہیں اور اس آیت میں جس انسان کا ذکر فرمایا ہے اس کے ماں باپ دونوں مسلمان تھے اور عہد رسالت میں صرف ابوبکر واحد انسان تھے جن کے ماں باپ دونوں مسلمان تھے اور اس آیت میں جس انسان کا ذکر ہے اس نے اپنی اولاد کے لیے نیکی کی دعا کی ہے اور تمام اصحاب میں صرف حضرت ابوبکر ایسے تھے کہ عہدِ رسالت میں ان کا بیٹا بھی مسلمان تھا اور ان کا پوتا بھی مسلمان تھا' اس لیے یہ اوصاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی میں متحقق نہیں ہیں' حضرت علی بچپن میں اسلام لائے تھے' ان کے والد یعنی ابوطالب اسلام نہیں لائے اور ان کے بیٹے تو صحابی تھے' ان کے پوتے صحابی نہیں تھے' سو یہ آیت صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے اور ان کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ٤٦٨ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا حمل اور ان کا دودھ چھوٹنا اسی مدت میں تھا اور یہ پوری آیت ان ہی کے متعلق ہے اور اس سے بعینہٖ حضرت ابوبکر صدیق مراد ہیں۔ عطاء نے کہا: اس آیت میں ہے: "حتی اذا بلغ اشدہ" حتیٰ کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچ گیا اس سے مراد ان کی عمر کے اٹھارہ سال ہیں اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی جب آپ تجارت کے لیے شام کے علاقے میں گئے اور حضرت ابوبکر سفر اور حضر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ پس جب حضرت ابوبکر کی عمر چالیس سال کی ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کر دی گئی تو حضرت ابوبکر نے اپنے رب سے دعا کی: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہے' یعنی تو نے مجھے ہدایت دی اور ایمان لانے کی

توفیق دی حتیٰ کہ میں تیرا شرک نہ کروں اور میرے باپ ابوقحافہ عثمان بن عمرو اور میری ماں ام الخیر بنت صخر بن عمر پر بھی یہ انعام کیا کہ وہ بھی ایمان اور اسلام کی دولت سے سرفراز ہو گئے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں' ان کے ماں باپ دونوں نے اسلام قبول کیا اور صحابہ میں سے کسی کے ماں باپ دونوں مسلمان نہیں ہوئے اور انہوں نے دعا کی: اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ابوبکر نے ان متعدد غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جو مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام لانے کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جا رہا تھا۔

(حافظ علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ ھ لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سات غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا' جن کو اسلام لانے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا' حضرت بلال' حضرت عامر بن فہیرہ' زنیرہ' ام عبس' ہندیہ اور ان کی بیٹی اور بنی عمرو بن مومل کی باندی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۲ ص ۴۶' بیروت))

نیز امام واحدی لکھتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی اولاد کے متعلق ان کی دعا قبول فرمائی' انہوں نے دعا کی تھی: اور میری اولاد میں بھی نیکی رکھ دے' پس ان کی اولاد' ان کی والدہ اور ان کے والد سب ایمان لے آئے۔ امام واحدی اپنی سند کے ساتھ موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت ابوبکر خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایمان لائے' ان کے والد حضرت بوقحافہ بھی آپ کے عہد میں ایمان لائے' ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر بھی آپ کے عہد میں مسلمان ہوئے اور ان کے پوتے ابوعتیق بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر بھی آپ کے عہد میں اسلام لائے۔ امام بخاری نے کہا: ابوعتیق نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور وہ عبدالرحمان بن ابی بکر کے بیٹے ہیں۔

علامہ علی بن محمد الجزری ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ ھ لکھتے ہیں: صحابہ میں صرف چار شخص نسل بعد نسل مسلمان ہوئے اور انہوں نے شرف صحابیت پایا: حضرت ابوقحافہ' ان کے بیٹے حضرت ابوبکر اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور ان کے بیٹے محمد بن عبدالرحمن ابوعتیق۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۶۲۴۔ رقم الحدیث: ۳۳۴۴) لہٰذا تمام صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ خود بھی صحابی ہیں' ان کے والد بھی صحابی ہیں' ان کے بیٹے بھی صحابی ہیں اور ان کے پوتے بھی صحابی ہیں اور ان کی چار نسلوں میں صحابیت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس انسان (یعنی حضرت ابوبکر) نے کہا: بے شک میں نے تیری طرف رجوع کیا اور بے شک میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: میں نے ہر اس کام کی طرف رجوع کیا جس کو تو پسند فرماتا ہے اور میں نے اپنے دل اور زبان سے تیری اطاعت کی۔ (الوسیط ج ۴ ص ۱۰۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

دیگر مستند مفسرین نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں نازل ہوئی ہے:

(۱) علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' ان کے والد ابوقحافہ' ان کی والدہ ام الخیر اور ان کی اولاد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کی دعا کے مقبول ہونے کے بیان میں ہے اور مہاجرین اور انصار میں کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جو خود بھی اسلام لایا ہو' اس کے والدین بھی اسلام لائے ہوں اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں بھی اسلام لائے ہوں' ماسوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۳۰۷۔۳۰۶، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۲) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا صحابہ میں سے کسی کے لیے بھی یہ اتفاق نہیں ہوا کہ اس کے والدین بھی اسلام لائے ہوں اور اس کی تمام اولاد بھی اسلام لائی ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۰، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۳) علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ شام کے سفر میں حضرت ابوبکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور وہاں راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا: یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں اور اللہ کی قسم! یہ نبی ہیں۔ اس وقت سے حضرت ابوبکر کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق تھی، حتیٰ کہ اس واقعہ کے بیس سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا دیا گیا۔ (الیٰ قولہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کے ماں باپ دونوں اسلام لائے اور حضرت ابوبکر کے سوا مہاجرین میں سے کسی کے ماں باپ دونوں اسلام نہیں لائے، اس آیت میں ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر نے دعا کی: اور میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو، ان کی یہ دعا قبول ہوئی، انہوں نے نو غلام آزاد کیے جن میں حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ بھی تھے اور ہر نیک کام میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی، صحیح حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم میں سے آج کون شخص روزہ دار ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں ہوں، آپ نے پوچھا: آج تم میں سے کون شخص جنازہ کے ساتھ گیا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں، آپ نے پوچھا: آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے، آپ نے پوچھا: آج تم میں سے کس شخص نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں بھی یہ اوصاف جمع ہوں گے وہ جنتی ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو خود بھی ایمان لایا ہو، اس کے ماں باپ بھی ایمان لائے ہوں اور اس کے تمام بیٹے اور بیٹیاں بھی ایمان لائی ہوں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۸۲۔۱۸۱ ملخصاً، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۴) قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کے سوا مہاجرین اور انصار میں سے کوئی بھی ایسا صحابی نہیں ہے جو خود بھی اسلام لایا ہو اور اس کے ماں باپ بھی اسلام لائے ہوں۔

(تفسیر البیضاوی مع الکازرونی ج ۵ ص ۱۸۰، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اسی طرح لکھا ہے:

(۵) امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۲، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۲ھ)

(۶) امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۵، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۷) امام عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۳۷۶۔۳۷۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

(۸) علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ۔(مدارک علی ھامش الخازن ج ۴ ص ۱۲۶ دارالکتب العربیہ پشاور)

(۹) علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ۔(لباب التاویل ج ۴ ص ۱۳۱۔۱۳۰ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱۰) علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ۔(غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۶ ص ۱۲۱ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

(۱۱) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ۔(جلالین ص ۵۰۴ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱۲) شیخ سلیمان بن عمر الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ۔(الفتوحات الالٰہیہ ج ۴ ص ۱۲۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۱۳) علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ۔(تفسیر صاوی ج ۵ ص ۱۹۳۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

(۱۴) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ مہاجرین اور انصار میں سے حضرت ابوبکر کے سوا کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جو خود بھی اسلام لایا ہو اور اس کے والدین بھی اسلام لائے ہوں۔ امام واحدی نے بیان کیا ہے کہ ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی جب وہ تجارت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شام گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھے۔ راہب نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس درخت کے سائے میں آپ کے سوا کوئی نہیں بیٹھا تب حضرت ابوبکر کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بیٹھ گئی اور وہ کبھی سفر اور حضر میں آپ سے جدا نہیں ہوئے اور جب حضرت ابوبکر کی عمر ۳۸ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۴۰ سال تھی تو آپ کو نبی بنا دیا گیا۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۳۰ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

شام کے سفر کے متعلق حدیث ترمذی

مفسرین کی عبارات میں شام کے تجارتی سفر کا ذکر آیا ہے اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوطالب شام کی طرف گئے ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے شیوخ تھے جب وہ ایک راہب کے پاس پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنا سامانِ سفر کھول دیا ان کے پاس وہ راہب آیا اس سے پہلے وہ وہاں سے گزرتے تھے تو وہ راہب ان کے پاس نہیں آتا تھا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ ابھی وہ اپنا سامان کھول رہے تھے کہ وہ راہب ان کے درمیان آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العٰلمین ہے یہ رسول رب العٰلمین ہے ان کو اللہ رحمۃ للعٰلمین بنا کر مبعوث فرمائے گا قریش کے شیوخ نے راہب سے کہا: تمہیں اس بات کا کیسے علم ہوا؟ راہب نے کہا: جب تم گھاٹی سے اترے تھے تو ہر پتھر اور درخت سجدہ میں گر گیا تھا اور وہ نبی کے علاوہ اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے کندھے کے پٹھے کے نیچے سیب کی طرح ابھری ہوئی ہے پھر وہ لوٹ گیا اور ان سب کے لیے کھانا بنا کر لایا پھر جب وہ ان کے پاس پہنچا تو وہ اونٹوں کو چرا رہے تھے اس نے کہا: ان کو بلاؤ آپ آئے اور اس وقت بادل آپ کو سایہ کر رہا تھا جب آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو سب لوگ درخت کے سائے میں پہلے ہی بیٹھ چکے تھے جب آپ بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف مڑ گیا جب راہب لوگوں کے پاس کھڑا تھا تو وہ ان سے کہنے لگا: ان کو روم کی طرف نہ لے جانا کیونکہ اگر رومیوں نے ان کو دیکھ لیا تو ان کی صفت سے ان کو پہچان کر قتل کر دیں گے پھر اس نے دیکھا تو سات رومی ان کے سامنے آ گئے اس نے کہا: تم کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم کو معلوم ہوا کہ وہ نبی اس مہینہ آنے والا ہے اور ہم نے ہر راستہ میں اس کی تلاش میں لوگوں کو مامور کر دیا ہے اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ

اس راستہ میں آنے والا ہے' راہب نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہو' کیا اس کو کوئی شخص رد کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں' پھر انہوں نے آپ کی بیعت کی اور وہاں پر ٹھہر گئے۔ پھر انہوں نے کہا: میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں بتاؤ ان کا ولی کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوطالب ہیں' پھر وہ راہب ان سے باتیں کرتا رہا' حتیٰ کہ ابوطالب نے اس کو واپس بھیج دیا اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت بلال کو بھی بھیج دیا اور روٹی اور زیتون بہ طور زادِ راہ دی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۴)

حدیث ترمذی پر علامہ ذہبی کی تنقید

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث سخت منکر ہے اور اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد خریدا تھا اور اس وقت تو حضرت بلال پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور جب بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ درخت کا سایہ آپ کی طرف مڑ گیا ہو کیونکہ بادل کے سایے کی وجہ سے درخت کا سایہ معدوم ہو جاتا ہے جو اس کے نیچے تھا اور ہم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ابوطالب کو راہب کے قول کا حوالہ دیا ہو اور نہ کبھی قریش نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا اور نہ کبھی قریش کے شیوخ نے اس کا ذکر کیا' حالانکہ راہب کے قول کو نقل کرنے کے لیے ان کے پاس بہت ذرائع تھے' اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ ان کے درمیان مشہور ہو جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نبوت کا احساس ہو جاتا اور پھر جب آپ کے پاس غارِ حرا میں پہلی وحی آئی تھی تو وہ آپ کو اس قدر عجیب و غریب نہ معلوم ہوتی اور آپ حضرت خدیجہ کے پاس اس قدر گھبرائے ہوئے نہ آتے اور وحی نہ آنے پر اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا ارادہ نہ کرتے' نیز اگر ابوطالب کو شام کے رومیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خطرہ ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حضرت خدیجہ کے تجارتی سفر کے لیے آپ کو شام کی طرف لے جاتے؟ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۸-۴۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

بحیریٰ راہب کا واقعہ کتب سیرت میں

اس کے بعد علامہ ذہبی نے متعدد کتاب سیرت کے حوالوں سے اس واقعہ کا بیان کیا ہے اور اس واقعہ پر علامہ ذہبی کے مذکور الصدر اعتراضات وارد نہیں ہوتے' علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے ''السیرۃ النبویہ'' میں کہا ہے کہ ابوطالب شام کی طرف تجارتی سفر میں گئے اور ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے اور اس وقت آپ کم عمر تھے' جب وہ لوگ مقام بصریٰ پر ٹھہرے تو بحیرا راہب اپنے گرجے میں گیا اور وہ نصرانیت کا بڑا عالم تھا' بحیرا نے ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کیا' ان لوگوں پر بادل سایہ کر رہا تھا' ابوطالب ایک درخت کے سائے میں ٹھہر گئے' بحیرا نے ان لوگوں کو کھانے کی دعوت دی اور کہا: آپ لوگ ہمارے مہمان ہیں' کھانے کے وقت قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کم عمر ہونے کی وجہ سے ساتھ نہیں لے گئے' بحیرا نے آپ کو بلوایا' بحیرا آپ کو غور سے دیکھتا رہا' اور تنہائی میں اس نے آپ سے کہا: میں تم کو لات اور عزیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میں تم سے جو بھی سوال کروں تم اس کا جواب دینا' آپ نے اس سے فرمایا: تم مجھے لات اور عزیٰ کی قسم نہ دو' میں سب سے زیادہ ان سے بغض رکھتا ہوں' پھر اس نے آپ سے آپ کے احوال کے متعلق متعدد اشیاء پوچھیں اور اس کو آپ کی صفات کے متعلق جو علم تھا وہ اس کے موافق تھیں' پھر اس نے آپ کی مہر نبوت دیکھی' پھر اس نے ابوطالب سے پوچھا: ان کا تم سے کیا رشتہ ہے؟ ابوطالب نے کہا: وہ میرے بیٹے ہیں' اس نے کہا: ان کے باپ تو زندہ نہیں ہونے چاہئیں' تب ابوطالب نے کہا: وہ میرے بھتیجے ہیں' اس نے کہا: اب تم واپس چلے جاؤ اور یہودیوں سے

ان کی حفاظت کرنا۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۱ ص ۹۷۔۹۶ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ ص ۲۱۸۔ ۲۱۷، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۴۴۔ ۲۴۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ) (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۵۱۔ ۴۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

احسن اعمال پر ایک اشکال کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول فرماتے ہیں، اور جن کی لغزشوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، (یہ) جنتی لوگوں میں سے ہیں، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھاO

اس آیت میں فرمایا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کے احسن کاموں کو ہم قبول فرماتے ہیں اور احسن اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: زیادہ اچھے اور زیادہ نیک کام۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زیادہ اچھے اور زیادہ نیک کام مقبول ہوتے ہیں اور جو کام فی نفسہ اچھے اور نیک ہوں وہ قبول نہیں ہوتے، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات احسن، حسن کے معنی میں ہوتا ہے یعنی ان کے اچھے اور نیک کام مقبول ہوتے ہیں، جیسا کہ مذکور ذیل آیت میں بھی احسن، حسن کے معنی میں ہے:

وَاتَّبِعُوٓا اَحۡسَنَ مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ . (الزمر: ۵۵)

اور اس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

اس آیت میں بھی احسن کا لفظ ہے اور اس کا ظاہر معنی یہ ہے: جو سب سے اچھے احکام تمہاری طرف نازل کیے گئے ہیں، حالانکہ اللہ کی طرف سے جو بھی احکام نازل کیے گئے ہیں وہ سب اچھے ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں احسن کا معنی صحیح ہے۔ امام رازی نے فرمایا: اس آیت میں اسم تفضیل زیادتی کے معنی سے مجرد ہے جیسے ضرب المثل ہے: "الناقص" (ٹنڈا یا لنگڑا) اور "اشج" (جس کے سر پر چوٹ لگی ہو اس سے مراد عمر بن عبد العزیز ہیں) بنو مروان میں اعدل ہیں، یعنی بنو مروان میں سب سے زیادہ عدل کرنے والے ہیں، حالانکہ بنو مروان میں عادل لوگ نہیں تھے سب ظالم تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل میں زیادتی کا معنی نہیں ہے اور اعدل کا لفظ عادل کے معنی میں ہے۔

الاحقاف: ۱۵ میں حضرت ابوبکر کی فضیلت پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت پر ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول فرماتے ہیں اور اس سے اشارہ پہلی آیت میں مذکور "ووصینا الانسان" کی طرف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں انسان سے مراد عام مسلمان ہیں جو چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر یہ دعا کریں کہ اے اللہ! مجھے اپنی ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی توفیق دے جو تو نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور میری اولاد کو بھی نیکی عطا فرما اور یہ آیت خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم قوی دلائل کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیت صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی اور کسی شخص پر یہ آیت صادق نہیں آتی اور اس کے بعد والی زیر تفسیر آیت میں جو جمع کے صیغے ہیں وہ اس کے منافی نہیں ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ بھی حضرت ابوبکر کی سیرت پر عمل کرتے یا کریں گے ہم ان کے نیک کاموں کو قبول فرمائیں گے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائیں گے۔

الٰہ العالمین! میرے بھی نیک کاموں کو قبول فرما اور میری لغزشوں سے درگزر فرما۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم پر اُف ہے، تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو کہ میں قبر سے نکالا

جاؤں گا' حالانکہ مجھ سے پہلے بہت صدیاں گزر چکی ہیں اور وہ دونوں (ماں باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں تیرے لیے ہلاکت ہو ایمان لے آ' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے تو وہ کہتا ہے: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے' یہ جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں یہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O اور ہر فریق کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں اور ان کو ان کے اعمال کا پورا صلہ دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو' پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O (الاحقاف: ۲۰۔۱۷)

الاحقاف: ۱۷ کے شانِ نزول میں مختلف روایات

اس سے پہلے الاحقاف: ۱۵ میں اس شخص کا ذکر فرمایا تھا جو اپنے ماں باپ کا فرماں بردار اور اطاعت گزار تھا اور اس آیت: ۱۷ میں اس شخص کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے ماں باپ کا نافرمان اور سرکش تھا اور یہ آیت کس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر ہیں' جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم ایمان لے آؤ! تو انہوں نے کہا: کیا آپ مجھے اس بات سے ڈراتے ہیں کہ میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا اور مجھے میدانِ حشر میں لایا جائے گا؟ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۹۱)

(۲) حسن بصری نے کہا: یہ آیت ایک کافر اور فاجر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور میدانِ محشر میں جمع کیے جانے کا منکر تھا' وہ اپنے مسلمان ماں باپ سے کہتا تھا کہ تم مجھے حشر سے ڈراتے ہو' حالانکہ مجھ سے پہلے کتنی صدیاں گزر چکی ہیں اور کتنے لوگ مر چکے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں اٹھایا گیا اور اگر مجھ کو بھی موت کے بعد اٹھایا جائے گا' جیسا کہ تم کہتے ہو تو مجھ سے پہلے جو لوگ مر چکے ہیں ان کو بھی اٹھایا جائے گا اور اس کے ماں باپ اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرے لیے ہلاکت اور بربادی ہو تو ایمان لے آ' تو اللہ کی وعید کی تصدیق کر اور یہ مان لے کہ تو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ان کی قبروں سے نکالے گا' ان کو میدانِ محشر میں جمع کرے گا تاکہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دی جائے۔ پھر وہ اللہ کا دشمن اپنے ماں باپ کی نصیحت کو رد کرتے ہوئے کہے گا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ مجھے مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا' یہ محض پہلے لوگوں کی کہی ہوئی جھوٹی اور من گھڑت باتیں ہیں' انہوں نے ان باتوں کو لکھ لیا تھا اور تم تک یہ لکھی ہوئی باتیں پہنچ گئیں اور تم نے ان کی تصدیق کر دی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۹۲۔ جز ۲۶ ص ۲۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے فرمایا کہ یہ قول صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر سچے مسلمان تھے اور یہ آیت کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس کی دلیل بعد والی آیت میں ہے:

الاحقاف: ۱۸ میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے' یہ جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' یہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O

اس قول کی ترجیح کہ یہ آیت کافر کے متعلق نازل ہوئی

اللہ تعالیٰ نے الاحقاف: ۱۵ میں اس بیٹے کا ذکر فرمایا تھا جو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا تھا اور اس

آیت میں اس بیٹے کا ذکر فرمایا ہے جو انتہائی سرکش اور ماں باپ کا اس قدر نافرمان تھا کہ جب اس کے ماں باپ نے اس کو دین حق کی دعوت دی اور قیامت اور حشر و نشر کو تسلیم کرنے کے لیے کہا تو اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور انتہائی رکیک شبہات کو قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے انکار پر پیش کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا: یہ جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' یہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ایمان لائے اور انہوں نے اسلام میں بہت نیک کام کیے' لہٰذا یہ آیت جو ایک کافر اور منکر حشر کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کو ان پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر کی سوانح

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ حضرت عبد الرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھتے ہیں:

زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبد الکعبۃ تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عبد الرحمان رکھ دیا' انہوں نے اسلام لانے کو مؤخر کیا اور صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور اسلام میں بہت نیک کام کیے۔ ابوالفرج نے ''اغانی'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی کیونکہ یہ اس وقت کم عمر تھے اور فتح مکہ سے پہلے قریش کے چند جوانوں کے ساتھ ہجرت کی ان میں حضرت معاویہ بھی تھے اور ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ جنگ بدر میں یہ کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑے تھے' یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔

امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ بہت بہادر تھے اور بہت ماہر تیر انداز تھے' جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور سات بڑے کافروں کو قتل کیا' جنگ جمل میں یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے اور ان کے بھائی محمد بن ابی بکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہ نے یزید کی بیعت لینے کے متعلق ان سے مشورہ کیا اور کہا: یہ حضرت ابوبکر اور عمر کی سنت ہے' حضرت عبد الرحمان نے کہا: نہیں یہ ہرقل اور قیصر کی سنت ہے۔ جب ایک قیصر مر جاتا تو دوسرا قیصر اس کی جگہ تخت نشین ہوتا' اللہ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے۔

مروان نے ان کے متعلق کہا تھا: یہ وہی ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ''وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ'' (الاحقاف: ۱۷) تو حضرت عائشہ نے پردے کی اوٹ سے اس کا سخت انکار کیا اور کہا: اگر میں چاہوں میں نام لے کر بتا سکتی ہوں کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی طرف ایک لاکھ (دینار یا درہم) بھیجے مگر حضرت عبد الرحمٰن نے ان کو واپس کر دیا اور کہا: میں اپنے دین کو دنیا کے بدلے میں فروخت نہیں کروں گا۔

پھر حضرت عبد الرحمان مکہ چلے گئے اور یزید کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی' مکہ سے دس میل دور ایک مقام پر ان کی وفات ہوئی' یہ سوئے ہوئے تھے اور نیند میں ہی ان کو موت آ گئی' پھر ان کو مکہ لایا گیا اور وہاں ان کو دفن کیا گیا' جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی تو جب وہ حج کرنے کے لیے گئیں تو ان کی قبر پر کھڑے ہو کر روئیں' پھر کہا: اگر میں تمہاری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو میں تم کو وہیں دفن کر دیتی جہاں تم کو موت آئی تھی اور تم پر نہ روتی۔ امام ابن سعد اور متعدد محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت عبد الرحمان ۵۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔ یحییٰ بن بکیر نے کہا: ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ اور بھی کئی اقوال ہیں' ابوزرعہ دمشقی نے کہا: جس سال حضرت معاویہ یزید کی بیعت لینے کے لیے مدینہ میں آئے تھے اس سال فوت

ہوئے تھے اور حضرت عائشہ اس کے ایک سال بعد ۵۹ ھ میں فوت ہوئیں تھیں۔ امام ابن حبان نے کہا: حضرت عبد الرحمان ۵۸ ھ میں فوت ہوئے۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۶' رقم الحدیث: ۵۱۶۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۶۲' رقم الحدیث: ۳۳۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

نیکوکار اور بدکار کی پوری پوری جزاء

الاحقاف: ۱۹ میں فرمایا: اور ہر فریق کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں اور ان کو ان کے اعمال کا پورا صلہ دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا ذکر کیا جو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا ہے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کے مختلف درجات ہیں' سو جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ جس مرتبہ اور جس درجہ کی نیکی کرے گا اس کو اسی مرتبہ اور اسی درجہ کا آخرت میں اجر و ثواب حاصل ہوگا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے پہلے دو آیتوں میں دو شخصوں کا ذکر فرمایا ہے ایک مومن ہے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے اور ایک کافر ہے جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہے اور دونوں کو آخرت میں اپنے اپنے اعمال کی جزاء ملے گی۔ بعض آثار میں وارد ہے کہ جنت میں درجات ہیں اور دوزخ میں درکات ہیں۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اہل دوزخ کے درجات نیچے کی جانب ہیں اور اہل جنت کے درجات اوپر کی جانب ہیں' اللہ تعالیٰ ہر فریق کو اس کے دنیا میں کیے ہوئے کاموں کا پورا پورا صلہ دے گا' نیک کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق عزت اور کرامت عطا فرمائے گا اور برے کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی وعید کے مطابق سزا دے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا' برے کام کرنے والے کو اسی کی برائی کے مطابق ہی سزا دے گا اور جو کام اس نے نہیں کیے اس کو ان کی سزا نہیں ملے گی اور نہ دوسروں کے گناہ اس پر لادے جائیں گے اور نہ نیکی کرنے والے کی نیکیوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۹۵)

الاحقاف: ۲۰ میں فرمایا: اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اُٹھا چکے ہو' پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے ○

پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کے حصول کی اجازت

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جس دن کفار دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جس دن کفار کو دوزخ دکھائی جائے گی تاکہ وہ دوزخ کے ہولناک عذاب کو دیکھیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہاری پسندیدہ اور لذیذ چیزیں جو مقدر کی گئی تھیں تم ان کو دنیا میں لے چکے ہو اور جب تم دنیا میں اپنا حصہ پورا پورا لے چکے ہو تو آخرت میں تمہارے لیے کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

امام رازی نے کہا ہے کہ نیک لوگ دنیا میں تقشف اور زہد کو اختیار کرتے ہیں تاکہ ان کا آخرت میں ثواب زیادہ کامل ہو' لیکن اس آیت میں مؤمنوں کے لیے دنیا کی لذتوں سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت نہیں ہے' کیونکہ یہ آیت کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات پر کافروں کی مذمت کی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے

اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے تھے اور نہ اس کی طاعت اور عبادت کر کے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے' رہا مؤمن تو وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے لہٰذا وہ اس زجر و توبیخ اور مذمت میں داخل نہیں ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ (الاعراف: ۳۲)

آپ کہیے کہ جس زینت کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے اور پاکیزہ رزق کو اس کو کس نے حرام کیا ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زیب و زینت کی چیزوں اور پاکیزہ رزق اور لذیذ چیزوں کو استعمال کرنے اور انہیں کھانے اور پینے کی ترغیب دی ہے' البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آرام اور آسائش اور مرغوبات نفس سے احتراز کرنا افضل اور اولیٰ ہے کیونکہ انسان جب عیش و عشرت کا عادی ہو جاتا ہے تو اس پر ان چیزوں کا چھوڑنا دشوار ہو جاتا ہے اور اگر اس پر سختی اور تنگ دستی کے ایام آ جائیں تو وہ ناشکری کے کلمات کہنے کے خطرہ میں ہوتا ہے اور عیش و عشرت میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ اس خطرہ میں بھی ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جائے۔

آخرت کے ثواب میں اضافہ کی خاطر پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کا ترک کرنا اور زہد کو اختیار کرنا

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں لذات اور عیش و عشرت کے حصول کی مذمت کی ہے اور اس بات پر کافروں کو ملامت کی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ اور دیگر صالحین امت دنیا کے عیش و عشرت اور لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے اور تقشف اور زہد کو اختیار کرتے تھے تاکہ آخرت میں ان کا ثواب زیادہ کامل ہو۔

(الوسیط ج ۴ ص ۱۱۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا زہد

حسب ذیل احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی دنیا کے عیش اور لذتوں سے اجتناب کی دلیل ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے: اس کے رہنے کے لیے گھر ہو' اتنا کپڑا جو اس کی شرم گاہ چھپانے کے لیے کافی ہو' روٹی اور پانی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۶۲)

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" (التکاثر: ۱) زیادہ کی طلب نے تمہیں غافل کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے: میرا مال' میرا مال اور تمہارا مال صرف وہی ہے جس کو تم نے صدقہ کر کے روانہ کر دیا' یا جس کو تم نے کھا کر فنا کر دیا یا جس کو تم نے پہن کر پرانا کر دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۲' صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۳۴۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۴)

حضرت محصن خطمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اس حال میں صبح کو اٹھے کہ اس کی جگہ پر امن ہو اور اس کا جسم عافیت سے ہو اور اس کو اس دن کی روزی میسر ہو تو گویا اس کے لیے تمام دنیا اکٹھی کر دی گئی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۱)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادی سونے کی بنا دے' میں نے کہا: نہیں' اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا

رہوں گا' پھر جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو میں تیرا شکر کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے میرے لیے کھانا منگایا اور فرمایا: میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی پھر میں رونا چاہتی ہوں تو روتی ہوں' میں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حال یاد کرتی ہوں جس حال میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے تھے' اللہ کی قسم! آپ نے کبھی لگاتار دو دن روٹی اور گوشت سیر ہو کر نہیں کھایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۶' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل نے کبھی مسلسل تین دن گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۸' صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۳۸۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۴)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں خون بہایا اور میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہم صرف درخت کے پتے اور اس کی چھال کھاتے تھے اور ہم میں سے ہر شخص بکری کی طرح مینگنیاں کرتا تھا۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۲۸' صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۳۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کی شدت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان گر پڑتا تھا۔ (الحدیث) یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے تو بھوک کی شدت کی وجہ سے وہ نماز میں گر جاتے تھے' حتیٰ کہ اعرابی لوگ ان کو مجنون کہتے تھے' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیتے تو ان کی طرف مڑ کر فرماتے: اگر تم کو یہ پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارا کتنا اجر ہے تو تم یہ ضرور چاہو گے کہ تمہارے فقر اور فاقہ میں اور زیادتی کی جائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو زمین کے ساتھ لگائے ہوئے تھا اور میں بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھے ہوئے تھا۔ (الحدیث) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۷۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر آپ کو پیٹ پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر باندھے ہوئے دو پتھر دکھائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا دیا تو آپ نے فرمایا: یہ پہلا طعام ہے جس کو تمہارے باپ نے تین دن کے بعد کھایا ہے (اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات چھلنی نہیں دیکھی نہ کبھی چھنے ہوئے

آٹے کی روٹی کھائی (اس کی سند میں سلیمان بن رومان غیر معروف ہے' باقی تمام راوی ثقہ ہیں)۔ (مسند احمد ج ٦ ص ٧١)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے بھگوئے ہوئے) کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ کے پاس ڈکار لی تو آپ نے فرمایا: اے ابو جحیفہ! قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے تھے (اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ٣٦٧٠-٣٦٦٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ میں دودھ اور شہد آیا' آپ نے فرمایا: تم ایک گھونٹ پی کر ایک پیالہ میں رکھ دو' مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے' میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے دنیا کی زائد چیز کے متعلق سوال کرے' میں اللہ کے لیے تواضع کرتا ہوں اور جو اللہ کے لیے تواضع کرے اللہ اس کو سربلند کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ عزوجل اس کو سرنگوں کرتا ہے اور جو میانہ روی کرے اللہ اس کو مستغنی کر دیتا ہے اور جو موت کو زیادہ یاد کرے اللہ اس سے محبت کرتا ہے (اس حدیث کی سند میں ایک راوی نعیم بن مورع عنبری ہے اس کی توثیق میں اختلاف ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں)۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٢٩٤)

صحابہ کرام کا زہد اختیار کرنا اور ترک زہد کی مذمت کرنا

امام عبدالرزاق' ابن عیینہ سے اور وہ مدینہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک شخص کو دیکھا وہ کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھا' حضرت عمر نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ گوشت ہے جس کو میں نے ایک درہم کا خریدا ہے' حضرت عمر نے کہا: تم میں سے ایک شخص گوشت کھانے کے شوق میں ایک درہم خرچ کر کے گوشت خریدتا ہے کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد نہیں سنا:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو۔ (الاحقاف: ٢٠)

(تفسیر عبدالرزاق ج ٢ ص ١٧٦' دار المعرفۃ' بیروت' ١٤١١ھ)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے ان کے پاس کھانا لایا گیا' انہوں نے کہا: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے' وہ مجھ سے بہتر تھے ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا' اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے' پھر ہمارے لیے دنیا میں وسعت کی گئی جو وسعت کی گئی اور ہم کو دنیا سے وہ کچھ دیا گیا جو دیا گیا اور ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں جلدی سے دنیا میں ہی دے دیا گیا ہے' پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رونے لگے اور کھانے کو چھوڑ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٢٧٥' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٧٠١٨' دلائل النبوۃ ج ٣ ص ٢٩٩' شرح السنۃ رقم الحدیث: ٣٩٧٩)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو سب سے لذیذ کھانا کھاؤں اور سب سے خوب صورت لباس پہنوں' لیکن میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو آخرت کے لیے باقی رکھتا ہوں اور جب حضرت عمر ملک شام میں گئے تو ان کے لیے ایسا لذیذ کھانا تیار کیا گیا کہ اس سے پہلے اتنا لذیذ کھانا دیکھا نہیں گیا تھا' حضرت عمر نے کہا: یہ کھانا ہمارے لیے ہے تو ان فقراء مسلمین کے لیے کیا تھا جو اس حال میں فوت ہو گئے کہ انہوں نے کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں

کھائی؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے لیے جنت ہے' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' حضرت عمر کہنے لگے: کاش! ہمارے لیے دنیا کا حصہ چند لکڑیاں ہوتیں' وہ فقراء مسلمین اپنے حصے میں جنت لے گئے اور ہم میں اور ان میں بہت فرق ہے' اور ''صحیح مسلم'' وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' آپ اس وقت اپنے مچان میں تھے' جب آپ اپنی ازواج سے الگ تھے' حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے ایک کچی کھال نظر آئی جس کی بو متغیر ہو چکی تھی' میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور سب سے بہتر ہیں اور یہ قیصر اور کسریٰ ہیں جو ریشم کا لباس پہنتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم کو (اپنے دین میں) شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی پسند کی چیزیں ان کی دنیا کی زندگی میں دے دی گئیں' میں نے کہا: میرے لیے استغفار کیجئے' آپ نے فرمایا: اے اللہ! اس کو معاف کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۹)

حفص بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صبح کو کھانا کھا رہا تھا جس کھانے میں روٹی اور زیتون کا تیل تھا اور روٹی اور سرکہ تھا اور روٹی اور دودھ تھا اور روٹی اور سکھایا ہوا گوشت تھا اور تھوڑا سا تازہ گوشت تھا اور حضرت عمر فرما رہے تھے: آٹے کو چھانا نہ کرو کیونکہ وہ پورے کا پورا طعام ہے' پھر ان کے پاس اَن چھانے آٹے کی سخت موٹی روٹی لائی گئی' حضرت عمر اس کو کھا رہے تھے اور فرما رہے تھے: کھاؤ' اور ہم نہیں کھا رہے تھے' فرمایا: تم کیوں نہیں کھاتے؟ ہم نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! ہم یہاں سے واپس جا کر آپ کے کھانے سے زیادہ نرم روٹیاں کھائیں گے' آپ نے فرمایا: اے ابو العاص کے بیٹے! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر میں چاہوں تو ایک فربہ بکرے کو بھنواؤں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر میں چاہوں تو چار کلو یا آٹھ کلو منقیٰ منگواؤں اور ان کو ایک مشک پانی میں ڈال کر نبیذ بنواؤں؟ میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ قیامت کے دن میری نیکیاں کم ہو جائیں گی تو میں خوش گوار زندگی میں تمہارا شریک ہو جاتا لیکن میں نے کچھ لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو۔ (الاحقاف: ۲۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گھر والوں کو گوشت کی خواہش ہوئی تو میں نے ان کے لیے گوشت خریدا' پھر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا' آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اے جابر! تو میں نے ان کو خبر دی' آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے جب بھی کسی کو خواہش ہو تو وہ گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتا ہے' کیا تم کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ تم اس آیت کا مصداق بن جاؤ: ''اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ'' (الاحقاف: ۲۰)۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا: یہ حضرت عمر کا حضرت جابر پر عتاب تھا کہ انہوں نے گوشت خریدنے کی وسعت کو اختیار کیا اور روٹی اور پانی کی سادہ غذا سے خروج کیا' کیونکہ جب انسان رزق حلال سے لذیذ اور پسندیدہ غذاؤں کو کھانے کی عادت بنالے اور پھر کبھی اس کو حلال رزق کی بجائے مشتبہ رزق ملے گا تو وہ اس سے بھی اپنی خواہش پوری کرے گا اور اگر پھر اس کو مشتبہ رزق کے بجائے حرام رزق ملے گا تو وہ اس سے بھی اپنی خواہش پوری کرے گا کیونکہ اس پر عادت اور نفس امارہ کا غلبہ ہوگا' اس لیے حضرت عمر نے ابتداء سے ہی اپنے آپ کو لذیذ اور پسندیدہ چیزوں سے دور رکھا۔

اس باب میں ضابطہ یہ ہے کہ انسان کو جو چیز ملے وہ اس کو کھالے خواہ وہ لذیذ ہو یا نہ ہو اور لذیذ چیزوں کے حصول میں

تکلف نہ کرے اور ان کو عادت نہ بنائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی چیز مل جاتی تو اس کو سیر ہو کر کھا لیتے اور جب نہیں ملتی تو صبر کرتے اور جب آپ کو قدرت ہوتی تو میٹھی چیز کھاتے اور جب اتفاق سے شہد ملتا تو اس کو پی لیتے اور جب گوشت میسر ہوتا تو اس کو کھا لیتے اور ان کو کھانے کی عادت نہ بناتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت معلوم ہے اور صحابہ کا طریقہ منقول ہے اور آج لوگوں پر حرام خوری کا غلبہ ہے اور اس سے چھٹکارا مشکل ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات عطا فرمائے۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی لذیذ اور پسندیدہ حلال چیزوں کو حاصل کرنا مذموم نہیں ہے' مذموم یہ ہے کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا جائے اور یہ قول بہت عمدہ ہے' کیونکہ حلال اور طیب چیز کے حصول اور اس سے نفع اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے لیکن بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور ان کا شکر ادا نہ کرے تو اس کی مذمت فرمائی ہے یا حلال چیزوں کے بجائے حرام چیزوں سے فائدہ اٹھائے تو اس کی سخت مذمت فرمائی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۸۸۔۱۸۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ

اور (اے رسول مکرم!) عاد کے ہم قبیلہ (ہود) کو یاد کیجئے' جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف (ریگستانی بستی) میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور ان

بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ

سے پہلے بھی کئی ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے تھے اور ان کے بعد بھی آنے والے تھے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک مجھے تم پر

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ

بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O انہوں نے کہا: کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیں' سو

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ

آپ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں O ہود نے کہا: اس کا علم تو صرف اللہ

عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾

کے پاس ہے' میں تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے لیکن میں تمہارے متعلق گمان کرتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو O

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ

پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے'

مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٤﴾ ۙ

(نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا' یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے O

تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ

یہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو برباد کر دے گی' پھر وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا'

كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ

ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیںO اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر اقتدار عطا کیا تھا

فِیْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖؗ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ

جن چیزوں پر تمہیں قدرت دی ہے اور ہم نے ان کے کان' آنکھیں

وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ

اور دل بنائے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے دل ان کے کسی کام نہ آسکے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا

اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع

انکار کرتے تھے اور اس عذاب نے ان کا احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) عاد کے ہم قبیلہ (ہود) کو یاد کیجئے' جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف (ریگستانی بستی) میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور ان سے پہلے بھی کئی ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے تھے اور ان کے بعد بھی آنے والے تھے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہےO انہوں نے کہا: کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیں' سو آپ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیںO (الاحقاف: ۲۲-۲۱)

کفار مکہ کو عبرت دلانے کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا حال سنانا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلائل قائم فرمائے تھے اور اہل مکہ چونکہ دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں میں کھوئے ہوئے تھے' اس لیے وہ ان دلائل میں غور و فکر کرنے سے اعراض کرتے تھے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا کہ) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو' پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھےO (الاحقاف: ۲۰) اور اسی طرح قوم عاد بھی بہت مال دار اور قوت اور طاقت والی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی نحوست کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کا قصہ بیان فرمایا تا کہ اہل مکہ اس سے عبرت حاصل کریں اور دنیا کے مال و دولت اور دنیا کی طاقت پر غرور اور تکبر کرنا چھوڑ دیں اور رشد و ہدایت کو طلب کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

الاحقاف اور افک کا معنی

الاحقاف: ۲۱ میں فرمایا ہے: آپ قوم عاد کے بھائی کو یاد کیجئے' اس سے مراد ہے: قوم عاد کے نسبی بھائی' اس سے دینی بھائی مراد نہیں ہے اور وہ حضرت ہود علیہ السلام ہیں' ان کا پورا نام ہے ہود بن عبد اللہ بن رباح بن الخلو د بن عاد۔ اور قوم عاد' عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد ہیں۔

پھر اس آیت میں فرمایا ہے: جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔

الاحقاف قوم عاد کی ریگستانی بستیوں کا نام ہے۔ الاحقاف' حقف کی جمع ہے' ریت کا بلند اور ٹیڑھا ٹیلہ جو بلندی میں پہاڑ کی مثل معلوم ہوتا ہو' یہ جگہ عمان اور عدن کے درمیان سمندر کا ساحل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ یمن میں حضر موت کے پاس ایک وادی ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے تھے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

الاحقاف: ۲۲ میں فرمایا: انہوں نے کہا: کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیں' سو آپ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں' اگر آپ سچوں میں سے ہیں۔

اس آیت میں ایک لفظ ہے: ''لتافکنا'' اس کا مادہ افک ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو کسی چیز سے پھیرنا یا کسی پر تہمت لگانا' کفار کا مطلب یہ تھا کہ آپ ہم کو ہمارے بتوں کی عبادت سے پھیرنا اور باز رکھنا چاہتے ہیں یا ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ ہم پر یہ تہمت لگا رہے ہیں کہ ہمارا ان بتوں کی عبادت کرنا باطل اور بے فائدہ ہے اور ہم پر کفر اور شرک کی تہمت لگا رہے ہیں۔

پھر انہوں نے کہا: آپ ہم کو جس عذاب کی وعید سنا رہے ہیں' وہ عذاب لے آئیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہود نے کہا: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے' میں تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں' جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے لیکن میں تمہارے متعلق گمان رکھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو ○ پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے' (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ○ (الاحقاف: ۲۴۔۲۳)

قوم عاد کی جہالت کی وجوہ

جب حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا: آپ جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہیں وہ عذاب لے آئیں تو حضرت ہود علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ عذاب کس وقت آئے گا' اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے' میں تم کو صرف وہی بات بتاتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی نہیں کی کہ تم پر یہ عذاب کس وقت آئے گا۔

نیز فرمایا: میں یہ گمان رکھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو' حضرت ہود علیہ السلام کے اس قول کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) تم اس لیے جاہل ہو کہ تم کو یہ معلوم نہیں کہ رسول' اللہ سبحانہ' سے صرف اسی چیز کا سوال کرتے ہیں جس چیز کے سوال کی انہیں اجازت ہوتی ہے' ان کو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔

(۲) تم اس لیے جاہل ہو کہ تم اپنے کفر اور جہل پر اصرار کر رہے ہو اور میرا ظن غالب یہ ہے کہ تمہاری جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تم پر عذاب آنے کا وقت آ پہنچا ہے۔

(۳) اور یہ بھی تمہاری جہالت ہے کہ تم عذاب کے مطالبہ پر اصرار کر رہے ہو' ہر چند کہ تم پر میری رسالت کا صدق ظاہر نہیں ہوا' لیکن تم پر میرے دعویٰ رسالت کا کذب بھی تو ظاہر نہیں ہے' تو تمہارے نزدیک بھی یہ ممکن تو ہے کہ میں صادق ہوں اور میری پیشین گوئی کا پورا ہونا بھی ممکن ہے اور میری خبر کے مطابق تم پر عذاب کا آنا بھی ممکن ہے تو پھر تم اپنے آپ کو نزول عذاب کے خطرے میں ڈال رہے ہو یہ تمہاری جہالت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟

الاحقاف: ۲۴ میں فرمایا: پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے' (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے O (الاحقاف: ۲۴۔۲۳)

قوم عاد پر آندھی کے عذاب کی کیفیت

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ بہت دنوں سے قوم عاد پر بارش نہیں ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سیاہ بادل بھیجا' وہ ان کی وادی کی طرف سے آنے لگا وہ اس بادل کو دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے لگے: یہ بادل ہم پر برسنے کے لیے آیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم میں بیٹھے ہوئے تھے' جب ایک گہرا بادل آیا تو انہوں نے کہا: یہ بادل ہم پر برسنے کے لیے آیا ہے' حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: نہیں' بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا تھا' پھر انہوں نے اس عذاب کی حقیقت بیان کی' یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اس بادل کے عذاب ہونے کا انہیں اس وقت پتا چلا جب زور سے آندھی چلنی شروع ہوئی اور حضرت ہود علیہ السلام ان کے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے اور آندھی کی شدت سے ان کے خیمے اکھڑ گئے اور ان کے اونٹوں کے اوپر سے ان کے پالان گر گئے اور آندھی کے زور سے ان کے خیمے اور پالان ہوا میں ٹڈیوں کی طرح اڑنے لگے اور اُڑ اُڑ کر ان پر برسنے لگے اور آندھی کی شدت سے وہ خود اور ان کے مویشی زمین اور آسمان کے درمیان پرندوں کے پروں کی طرح اڑنے' پھر گرنے لگے' پھر وہ گھبرا کر اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے' آندھی کے زور نے ان کے دروازوں کو توڑ دیا اور ان کو اوندھا کر دیا' اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ریت سے ان کو ڈھانپ دیا' وہ سات راتیں اور آٹھ دن اسی طرح آندھی کے زور تلے دفن رہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان کے اوپر سے ریت کو ہٹا دیا اور ان کے مردہ اجسام کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں ان کے عذاب کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو برباد کر دے گی' پھر وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا' ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں O اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر اقتدار عطا کیا تھا جن چیزوں پر تمہیں قدرت دی ہے اور ہم نے ان کے کان' آنکھیں اور دل بنائے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے دل ان کے کسی کام نہ آ سکے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس عذاب نے ان کا احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O (الاحقاف: ۲۶۔۲۵)

قوم عاد پر عذاب کی تفصیل

یعنی قوم عاد کے ہر فرد کو اور ان کی تمام سواریوں' مویشیوں اور ان کے تمام مال و متاع کو اس آندھی نے تباہ و برباد کر دیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر کسی بادل کو دیکھتے تو آپ گھبرا کر کبھی باہر جاتے اور کبھی اندر آتے اور جب وہ بادل برس جاتا تو آپ سے گھبراہٹ دور ہو جاتی اور فرماتے: مجھے از خود پتا نہیں ہے' شاید کہ یہ

بادل وہی ہو جیسا کہ قوم عاد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۔ (الاحقاف: ۲۴) پھر جب انہوں نے اس عذاب کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۶، مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری بادِ صبا (مشرق سے چلنے والی ہوا) سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو بادِ دبور (مغرب سے چلنے والی ہوا) نے ہلاک کر دیا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰، جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۱۷۵)

امام ابن اسحاق نے کہا: حضرت ہود علیہ السلام اور مومنین میں سے جو ان کے اصحاب تھے وہ آندھی کے اس عذاب سے محفوظ رہے اور آندھی اپنے غیظ و غضب سے قوم عاد کو اٹھا اٹھا کر پٹک رہی تھی اور پتھروں سے ان کو کچل رہی تھی اور وہ ریت کے نیچے اس طرح دفن ہو گئے تھے کہ ان کے اجسام نہیں دکھائی دے رہے تھے صرف ان کے گھر دکھائی دے رہے تھے۔

آندھیوں کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آندھی اللہ تعالیٰ کی خوشی کے آثار سے ہے، آندھی رحمت کو بھی لاتی ہے اور عذاب کو بھی لاتی ہے، تم آندھی کو برا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آندھی پر لعنت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آندھی پر لعنت نہ کرو، کیونکہ یہ حکم الٰہی کے تابع ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی اہل نہ ہو تو لعنت اس شخص کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۸)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آندھی کو برا نہ کہو، جب تم کوئی ناگوار چیز دیکھو تو کہو: اے اللہ! ہم تجھ سے اس آندھی کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور جو اس میں خیر ہے اس کا سوال کرتے ہیں اور جس چیز کا اس کو حکم دیا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم اس آندھی کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں اور جو شر اس میں ہے اور جس شر کا اس کو حکم دیا گیا ہے اس سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۲، مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بھی آندھی چلتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور یہ دعا کرتے کہ: اے اللہ! اس آندھی کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا، اے اللہ! اس کو ریاح (خوشگوار ہوا) بنا دے اور اس کو ریح (ناگوار آندھی) نہ بنا، حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن مجید میں آندھی کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ بے شک ہم نے ان پر (ان کے حق میں) منحوس دن میں تیز لگاتار چلنے والی آندھی بھیجی ۝ (القمر: ۱۹)

بدھ کی شام کو سخت سرد آندھی چلنی شروع ہوئی پھر لگاتار سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی، یہ آندھی گھروں میں بند انسانوں کو ان کے گھر کے دروازے توڑ کر اٹھاتی اور انہیں زمین پر اس طرح پٹختی کہ ان کے سر دھڑ سے الگ ہو جاتے۔

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ۝ (الذاریات: ۴۱)

اور قوم عاد میں عبرت ہے' جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی آندھی بھیجی۝

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ (الحجر: ۲۲)

اور ہم پانی سے بوجھل ہوائیں بھیجتے ہیں' پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں وہ پانی پلاتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ۔ (الروم: ۴۶)

اور اللہ کی بعض نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تا کہ تمہیں اپنی رحمت سے چکھائے۔

حضرت ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اکثر طور پر ''ریح'' کا لفظ ضرر پہنچانے والی آندھی کے لیے آیا ہے اور ''ریاح'' کا لفظ نفع پہنچانے والی اور برسانے والی ہواؤں کے لیے آیا ہے' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے کہ: اے اللہ! تو اس آندھی کو ریاح بنا دے اور ریح نہ بنا۔

(مسند شافعی ص ۱۷۵۔ رقم الحدیث: ۵۰۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۵۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۵۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ہمیں بادل دکھاتے' تو اپنے کام کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اگر وہ بادل چھٹ جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور اگر وہ بادل برستا تو آپ دعا کرتے: اے اللہ! اس کو نفع پہنچانے والا پانی بنا دے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۰' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۴۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے کی آواز سنتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے ہلاک نہ کر اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت میں رکھ۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۰)

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آندھی آنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر گھبرا جاتے اور خوف زدہ ہو جاتے کہ کہیں آپ کی قوم پر بھی ایسا عذاب نہ آ جائے جیسا عذاب قوم عاد پر آیا تھا' حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ اطمینان دلا چکا ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نہیں آئے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان پر عذاب نازل فرمائے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے گھبرانے اور دعا کرنے کے واقعات اس آیت کے نزول سے پہلے کے ہیں۔

الاحقاف: ۲۶ میں ارشاد فرمایا: اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر اقتدار عطا کیا تھا' جن چیزوں پر تمہیں قدرت دی ہے اور ہم نے ان کے کان' آنکھیں اور دل بنائے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے دل ان کے کسی کام نہ آ سکے' کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس عذاب نے ان کا احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اہل مکہ کو یہ بتایا جائے کہ قوم عاد ان سے زیادہ قوت اور اقتدار والی تھی اور ان سے زیادہ مال اور دولت والی تھی' اس کے باوجود ان کی قوت اور طاقت اور مال و دولت ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکی تو تم جو ان کے ہم پلہ نہیں ہو تو تم اللہ کے عذاب سے کیسے بچ سکتے ہو؟ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں میں قوم عاد کا زیادہ مقتدر ہونا بیان فرمایا ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ○ (مریم: ۷۴)

ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو سازو سامان اور شان و شوکت میں ان سے بہت بڑھ کر تھیں ○

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (المؤمن: ۸۲)

کیا انہوں نے زمین میں سفر کر کے اپنے سے پہلی قوموں کا انجام نہیں دیکھا' جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں بھی زیادہ تھے اور انہوں نے زمین میں بہت یادگاریں چھوڑی تھیں' سو ان کے کیے ہوئے کام ان کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے ○

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے ان کے کان' آنکھیں اور دل بنائے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے تھے اور ان کو کان اس لیے دیئے تھے کہ وہ اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام کو سنیں اور ان کو آنکھیں اس لیے دی تھیں کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پھیلی ہوئی نشانیوں کو دیکھیں اور ان نشانیوں سے صاحب نشان یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید اور اس کی قدرت پر استدلال کریں اور ان کو دل اس لیے دیا تھا کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طلب پر استدلال کریں' لیکن انہوں نے اپنی ان تمام قوتوں کو دنیا کی رنگینیوں اور اس کی لذتوں اور عیش و عشرت کی طلب میں استعمال کیا اور ان کی یہ تمام قوتیں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں کام نہ آ سکیں اور جس عذاب کا وہ یہ کہہ کر مذاق اڑاتے تھے کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ جب وہ عذاب آیا تو اس نے ان کا پوری طرح احاطہ کر لیا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور بے شک ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیاں ہلاک کر دیں اور ہم نے مختلف نوع کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ حق کی

يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

طرف رجوع کریں ○ پس اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر جن کو معبود بنا رکھا تھا' انہوں نے

قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا

ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ (معبود) تو ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا' اور بہتان تھا جس کو وہ تراشتے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ

تھے ○ اور (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جو آپ سے بہ غور قرآن سنتے تھے'

الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِىَ وَلَّوْا اِلٰى

پس جب وہ (نبی کے پاس) پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: چپ ہو جاؤ' پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم

قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ

کی طرف عذاب سے ڈراتے ہوئے واپس گئےO انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى

جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف

الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ

ہدایت دیتی ہے اور سیدھے راستہ کی طرفO اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا پیغام

وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ' اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا اور دردناک عذاب سے تمہیں پناہ میں رکھے گاO

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ

اور جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے پیغام کو قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر) اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے اور

لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَ

اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیںO اور کیا

لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ

انہوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو پیدا کرنے سے وہ تھکا نہیں

بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے پر (بھی) قادر ہے' کیوں نہیں وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا

قادر ہےO اور جس دن کافروں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' (ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ برحق

بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! (اللہ) فرمائے گا: پس تم اس عذاب کو چکھو جس کا تم

تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا

کفر کرتے تھے O سو (اے رسول!) آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (طلب عذاب کی)

تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا

جلدی نہ کریں، جس دن وہ آخرت کے اس عذاب کو دیکھیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی ہے (اس وقت وہ گمان کریں گے) کہ

سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہ دنیا میں صرف دن کی ایک گھڑی رہے تھے، (یہ قرآن کا) پیغام ہے لہٰذا صرف نافرمان لوگوں کو ہی ہلاک کیا جائے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیاں ہلاک کردیں اور ہم نے مختلف نوع کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کریں O پس اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر جن کو معبود بنا رکھا تھا، انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی، بلکہ وہ (معبود) تو ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور بہتان تھا جس کو وہ تراشتے تھے O (الاحقاف: ۲۸۔۲۷)

اہل مکہ کے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر کے ان کو عبرت دلانا

اردگرد کی بستیوں سے مراد ہے: یمن اور شام میں عاد اور ثمود کی بستیاں، جب کفارِ مکہ حجاز سے یمن اور شام کا سفر کرتے تھے تو ان کو ان تباہ شدہ بستیوں کے آثار نظر آتے تھے، اور عاد اور ثمود کی بستیوں کی ہلاکت کی خبریں ان تک صدیوں سے پہنچ رہیں تھیں اور گویا کہ ان کو تواتر سے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہ لانے اور رسولوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر ہولناک عذاب آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے مختلف نوع کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کریں یعنی ان بستیوں میں رہنے والوں کے لیے ان کو ہلاک کرنے سے پہلے ہم نے طرح طرح کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔الاحقاف: ۲۸ میں فرمایا: پس اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر جن کو معبود بنا رکھا تھا، انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ (معبود) تو ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور بہتان تھا جس کو وہ تراشتے تھے O

مشرکین کے لیے بتوں کی شفاعت کا باطل ہونا

اس آیت میں "قربان" کا لفظ ہے "قربان" کا معنی ہے: ہر وہ مالی اور بدنی عبادت یا کسی جانور کا ذبیحہ جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے۔مشرکین یہ کہتے تھے:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (یونس: ۱۸) یہ بت اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔

نیز وہ کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر: ۳) ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ (بت) ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان مشرکین کو اللہ کے عذاب سے چھڑانے کے لیے ان بتوں نے ان مشرکین کی مدد کیوں نہ کی، جن کی یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان

بتوں کے لیے قربانی پیش کیا کرتے تھے بلکہ ان کے وہ خود ساختہ معبود تو ان کے سامنے سے غائب ہو گئے۔

یا اس کا محمل یہ ہے کہ جب عاد اور ثمود پر اللہ کا عذاب آیا اس وقت ان بتوں نے ان کو اللہ کے عذاب سے کیوں نہ چھڑایا جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے بلکہ مدد کے وقت وہ ان کے سامنے سے غائب ہو گئے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے بتوں کا ان کی سفارش کرنا محال ہے اور مشرکین کے حق میں بتوں کی سفارش اس لیے نہیں ہو سکی کہ ان مشرکین نے ان بتوں کو اللہ کا شریک بنا کر اور عبادت میں ان کو اللہ کا شریک قرار دے کر جھوٹ بولا تھا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا تھا کہ وہ اس کے شرکاء ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جو آپ سے بہ غور قرآن سنتے تھے' پس جب وہ نبی کے پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: چپ ہو جاؤ' پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کی طرف عذاب سے ڈراتے ہوئے واپس گئے O انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف ہدایت دیتی ہے اور سیدھے راستے کی طرف O اور ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا پیغام مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا اور دردناک عذاب سے تمہیں پناہ میں رکھے گا O اور جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے پیغام کو قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر) اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے' اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور وہ لوگ کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں O (الاحقاف: ٣٢-٢٩)

قرآن سن کر جنات کے ایمان لانے سے اہل مکہ کو ملامت کرنا کہ وہ قرآن سن کر کیوں ایمان نہیں لاتے؟

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا تھا: آپ اپنی قوم کو قوم عاد کا تذکرہ سنایئے تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں کہ جب قوم عاد نے نافرمانی اور سرکشی کی اور اللہ کے رسول کو جھٹلایا اور اللہ کی توحید پر ایمان نہیں لائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آندھیوں کا عذاب مسلط کر کے ان کو ہلاک کر دیا اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنی قوم کو وہ قصہ سنایئے جب ہم نے جنات کے ایک نفر (وفد یا جماعت) کو آپ کی طرف متوجہ کیا تاکہ وہ آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سنیں اور وہ اپنے جہل پر متنبہ ہوں اور قرآن کریم سن کر اپنے کفر سے تائب ہوں' وہ پہلے اس چیز سے ناواقف تھے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ سبحانہٗ کے رسول ہیں' اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زبان اور آپ کی جنس سے انسان اور بشر تھے' اس کے برخلاف جنات نہ آپ کے ہم زبان تھے اور نہ آپ کی جنس سے انسان اور بشر تھے تو جب وہ قرآن کریم سن کر آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئے تو اہل مکہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ آپ سے قرآن مجید سن کر اس پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی رسالت کا اقرار کریں۔

اس آیت میں ''نفر'' کا لفظ ہے' مشہور یہ ہے کہ اس کا اطلاق تین مردوں سے لے کر دس مردوں تک پر کیا جاتا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا اطلاق دس سے زیادہ افراد پر بھی کیا جاتا ہے اور ''رھط'' اور ''نفر'' کا اطلاق چالیس افراد تک پر کیا جاتا ہے اور ''نفر'' کا لفظ انسانوں اور مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اس کا اطلاق جنات پر کیا گیا ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''فلما حضروہ'' اس کا معنی ہے: وہ قرآن مجید کی تلاوت پر حاضر ہوئے اگرچہ یہ اطلاق مجازی ہے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے موقع پر حاضر ہوئے۔

اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''خاموش رہو'' اس میں یہ تعلیم ہے کہ علم حاصل کرتے وقت خاموشی سے استاذ کی تقریر سننی چاہیے اور استاذ کی تقریر کے درمیان ایک دوسرے سے باتیں نہیں کرنی چاہیے اور آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سننے کے بعد وہ مختلف شہروں میں چلے گئے اور راستے میں ان کو جنات میں سے جو بھی ملتا اس کو وہ اللہ عزوجل کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

جنات کا یہ نفر یا وفد کون سے جنات پر مشتمل تھا؟ اس سلسلے میں زیادہ روایات یہ ہیں کہ یہ نصیبین کے جنات تھے اور یہ علاقہ شام کے قریب دیار بکر کا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ نینوی کا علاقہ ہے اور یہ بھی دیار بکر ہے لیکن یہ علاقہ موصل کے قریب ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ جنات شیصان سے تھے اور جنات کی زیادہ تعداد ان ہی سے ہے اور ابلیس کا عام لشکر بھی یہی ہیں اور جس مقام پر یہ گئے تھے وہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کی مسافت پر وادی نخلہ ہے (یعنی وہاں کھجوروں کا باغ ہے)۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۴۷۔۴۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اب ہم ان احادیث کا ذکر کر رہے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات کی ایک جماعت کے آنے اور آپ سے قرآن مجید سننے' اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے اور واپس جا کر دوسرے جنات کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کا ذکر ہے۔

جنات کا نمازِ فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سننا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عکاظ کے بازار کا قصد کر کے گئے' اس اثناء میں شیاطین (جنات) اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے' پھر شیاطین واپس آ جاتے تھے' وہ ایک دوسرے سے پوچھتے: اب کیا ہو گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہمارے اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ہے اور ہم پر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں' انہوں نے کہا: تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان وہی چیز حائل ہوئی ہے جو تازہ ظہور میں آئی ہے' تم زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ کون سی نئی چیز ظہور میں آئی ہے' پھر وہ روانہ ہوئے اور انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا اور وہ اس پر غور کرتے تھے کہ ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے' پھر وہ جنات تہامہ میں پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے درخت کے پاس تھے اس وقت آپ عکاظ کے بازار کا قصد کرنے والے تھے اور آپ اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' جب جنات نے قرآن مجید سنا تو انہوں نے کہا: غور سے سنو یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے پھر وہ وہیں سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور انہوں نے کہا: اے ہماری قوم!

اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ (الجن: ۲۔۱)

ہم نے عجیب قرآن (کلام) سنا ہے O جو سیدھا راستہ دکھاتا ہے' ہم اس کے ساتھ ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کریں گے O

اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ (الجن: ۱)

(اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا اور کہا۔

اور آپ کی طرف جنات کے قول کی وحی کی گئی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:

۳۲۲۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۹ طبع جدید۔ رقم الحدیث: ۱۷۱۲۲' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۲۰ھ' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۵۔ ۱۱۶۲۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۲۶' المستدرک ج ۲ ص ۵۰۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۶۔ ۲۲۵)

لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابن مسعود بھی تھے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنات سے ملاقات ہوئی اس رات آپ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے یا نہیں؟

علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ میں سے کوئی شخص اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب آپ کی جنات سے ملاقات ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا: ہم میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھا' لیکن ایک رات ہم نے آپ کو گم پایا اور ہم کو یہی خیال آتا تھا کہ کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دے دیا' یا آپ کے ساتھ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آیا' ہم نے انتہائی پریشانی میں وہ رات گزاری' جب صبح ہوئی تو ہم نے آپ کو غارِ حراء کی طرف سے آتے دیکھا' ہم نے کہا: یا رسول اللہ! اور ہم نے آپ سے اپنی پریشانی بیان کی' آپ نے فرمایا: میرے پاس ایک جن دعوت دینے آیا' میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان کے سامنے قرآن پڑھا' پھر آپ ہم کو لے کر گئے اور ان کے نشانات اور آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ شعبی نے بیان کیا کہ انہوں نے آپ سے ناشتہ طلب کیا تھا۔ عامر نے کہا: یہ ایک جزیرہ کے جن تھے' آپ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو جب وہ تمہارے ہاتھوں میں آئے گی تو گوشت سے بھر جائے گی اور اسی طرح گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا' پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجاء نہ کیا کرو یہ تمہارے بھائی جنات کی (اور ان کے جانوروں کی) خوراک ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۶ طبع قدیم' مسند احمد ج ۷ ص ۲۱۵۔ ۲۱۴' طبع جدید۔ رقم الحدیث: ۴۱۴۹' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۱۶ھ' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۳۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۲۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۸۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جنات سے ملاقات کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' پس ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا تمہارے ساتھ پانی ہے؟ میں نے کہا: میرے ساتھ ایک مشکیزہ میں پانی ہے' آپ نے فرمایا: مجھ پر وہ ڈالو' پھر آپ نے وضو کیا سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ بن مسعود! یہ پاک مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے۔

شعیب الارنؤط نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے' کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۳۔ رقم الحدیث: ۳۷۸۲ طبع جدید' مؤسسة الرسالة بیروت' ۱۴۱۶ھ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۷۸ طبع قدیم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے ملاقات کی رات میں حضرت ابن مسعود کے گرد ایک خط کھینچ دیا' اور فرمایا: تم اس جگہ سے کہیں نہ جانا' پھر آپ نے جنات کو اللہ عزوجل کی کتاب پڑھائی جب ابن مسعود نے مکھیوں کی طرح بھنبھناہٹ دیکھی تو انہوں نے دل میں کہا: گویا کہ یہی جنات ہیں اور نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا: نہیں' آپ نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ نبیذ ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کے ساتھ وضو کیا۔

شعیب الارنؤط نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں علی بن زید ہے اور وہ ضعیف راوی ہے' اور اس کے باقی راوی ثقہ اور صحیح ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۷ ص ۳۶۷۔ رقم الحدیث: ۴۳۵۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۶ھ' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۷۷ طبع قدیم)

عبداللہ بن عمرو بن غیلان ثقفی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے یہ بتایا گیا کہ جنات سے ملاقات کی رات آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' انہوں نے کہا: ہاں! ابن غیلان نے پوچھا: اس رات کیا ہوا تھا؟ حضرت ابن مسعود نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا: اس جگہ سے نہ جانا' اور انہوں نے بتایا کہ سیاہ دھوئیں کی مثل ایک چیز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور حضرت ابن مسعود تین بار خوف زدہ ہوئے' صبح کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے پوچھا: کیا تم سو گئے ہو؟ میں نے کہا: نہیں! اور اللہ کی قسم! میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ میں لوگوں کو مدد کے لیے بلاؤں حتیٰ کہ میں نے سنا' آپ اپنی لاٹھی سے ان کو ضرب لگا کر فرما رہے ہیں بیٹھ جاؤ۔ آپ نے فرمایا: اگر تم اس خط سے باہر نکلتے تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تم کو اچک کر لے جاتے' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم نے کوئی چیز دیکھی؟ میں نے کہا: میں نے سیاہ فام مردوں کو دیکھا جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: وہ نصیبین کے جن تھے' انہوں نے مجھ سے ناشتہ کا سوال کیا تو میں نے ان کو ہر ہڈی' مینگنی اور لید دی' میں نے پوچھا: یارسول اللہ! ان کو اس سے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی ہڈی ان کے ہاتھ میں آئے گی تو اس میں پہلے کی طرح گوشت آ جائے گا' اسی طرح لید پر دانے آ جائیں گے' سو تم میں سے کوئی شخص ہڈی' لید اور گوبر سے استنجاء نہ کرے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۲۳۰)

لیلۃ الجن کی مختلف روایات میں تطبیق

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی ان احادیث کو روایت کیا ہے' بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے اور بعض احادیث میں ہے کہ وہ اس شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور بعض احادیث میں ہے کہ جنات نے از خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سنا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہامہ میں کھجوروں کے جھنڈ کے پاس اپنے بعض اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ قصداً انہیں تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ حافظ ابن کثیر ان احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قصداً جنات کی طرف گئے تھے اور آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی اور ان کے لیے وہ احکام شرعیہ بیان کیے جن کی انہیں ضرورت تھی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی بار جنات نے آپ سے قرآن مجید سنا ہو اور اس وقت آپ کو یہ علم نہ ہو کہ جنات قرآن سن رہے ہیں' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے اور اس کے بعد جنات کا وفد آپ کے پاس آیا ہو جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات سے خطاب فرما رہے تھے' اس اثناء میں حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ نہ تھے اور آپ سے دور تھے اور حضرت ابن مسعود کے علاوہ آپ کے اصحاب میں سے اور کوئی آپ کے ساتھ نہیں گیا تھا اور یہ ''سنن بیہقی'' کی روایت میں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف تشریف لے

گئے اس بار آپ کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے نہ کوئی اور صحابی تھے جیسا کہ "مسند احمد" کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث "صحیح مسلم" میں بھی ہے اور حضرت ابن مسعود کے ساتھ جانے کے واقعات پہلی بار جانے کے بعد پیش آئے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۸۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار جنات کے سامنے قرآن مجید پڑھا ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس آئے اور ان کے سامنے سورۂ رحمٰن اوّل سے آخر تک پڑھی' صحابہ نے خاموش ہو کر آپ کی تلاوت سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت پڑھی تو وہ تمہاری بہ نسبت اچھی طرح اس کو لوٹا رہے تھے' میں جب بھی "**فبای آلاء ربکما تکذبان**" (پس اے جن اور انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) تو وہ جواب میں کہتے: "**لا بشیء من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد**" (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے' سو تیرے لیے ہی حمد ہے)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۱' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۷۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

الاحقاف: ۳۰ میں فرمایا: انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف ہدایت دیتی ہے اور سیدھے راستے کی طرف O

جنات کے قول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہ ہونے کی وجوہ

جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سن کر اپنی قوم کی طرف واپس جاتے ہوئے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے عظیم اور جلیل کتاب سے سنا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے' انہوں نے یہ نہیں کہا: جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) وہ جنات یہودی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے اس لیے انہوں نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔

(۲) تورات یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے' جب کہ یہودی "انجیل" کو نہیں مانتے تھے اور عیسائی "انجیل" کے علاوہ "تورات" کو بھی مانتے تھے۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ "تورات" کے احکام پر عمل کریں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ جنات نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے متعلق نہیں سنا تھا' اس لیے انہوں نے صرف "تورات" کا ذکر کیا' مگر اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت بہت مشہور تھی اور ان کی رسالت کا جنات سے مخفی ہونا بہت مستبعد ہے۔ اس لیے علامہ ابوحیان اندلسی نے کہا: حضرت ابن عباس سے اس روایت کی نقل صحیح نہیں ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کے متعلق فرمایا ہے: یہ کتاب حق کی طرف ہدایت دیتی ہے' اس سے مراد اصول اور عقائد ہیں اور فرمایا: اور سیدھے راستے کی طرف اس سے مراد فروع اور احکام شرعیہ عملیہ ہیں۔

الاحقاف: ۳۱ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا پیغام مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا اور دردناک عذاب سے تمہیں پناہ میں رکھے گا O

کافر جب ایمان لے آئے تو آیا اس کے تمام گناہوں کی مغفرت ہوگی یا بعض گناہوں کی؟

اللہ کی طرف دعوت دینے والے سے ان کی مراد اللہ کا پیغام ہے یعنی اللہ کا پیغام مان لو اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو مان لو اور یہ کہ صرف وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے یا اس سے مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: "یغفرلکم من ذنوبکم" اس پر یہ اشکال ہے کہ بہ ظاہر "من" تبعیضیہ ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا' حالانکہ ایمان لانے کے بعد زمانہ کفر کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں' اس اشکال کے حسبِ ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں "من" زائدہ ہے لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ فصیح و بلیغ کلام میں کوئی لفظ زائد نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ ان بعض گناہوں کو بخش دے گا جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے ان کو نہیں بخشے گا' لیکن ابن المنیر نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کافر جب لوگوں کا مال لوٹے یا خون ریزی کرے اور حقوق العباد کو ضائع کرے تو اس کے اسلام لانے سے یہ گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی' اس نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں' حالانکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جس نے شرک کیا یا قتل ناحق کیا یا زنا کیا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا' قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔ (الفرقان: ۶۸۔۶۹) اور میں یہ تمام کام کر چکا ہوں' کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی: سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اس نے نیک کام کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰) الحدیث (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۱۳۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۴۱۷) خلاصہ یہ ہے کہ کافر کے اسلام لانے کے بعد اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو خواہ حقوق العباد سے ہو' تو پھر اصل اعتراض باقی رہا کہ ان جنات نے دوسرے جنات سے یہ کہا کہ تم اسلام لے آؤ تمہارے بعض گناہ بخش دیئے جائیں گے جب کہ کافر کے اسلام لانے سے اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(۳) انہوں نے دوسرے جنات سے یہ کہا کہ ایمان لانے سے تمہارے بعض گناہ بخشے جائیں گے اور یہ نہیں کہا کہ ایمان لانے سے تمہارے کل گناہ بخشے جائیں گے تاکہ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ ایمان لانے کے بعد کل گناہ بخش دیئے جاتے ہیں یعنی ایمان لانے سے پہلے کے گناہ اور ایمان لانے کے بعد کے گناہ بھی' بلکہ یہ کہا کہ ایمان لانے سے پہلے کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں' خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے اور ایمان لانے کے بعد کے گناہ یا توبہ سے معاف ہوتے ہیں یا شفاعت سے یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔

آیا اطاعت گزار جنات کو ثواب ہوگا یا نہیں؟

نیز انہوں نے دوسرے جنات سے کہا: اور اللہ دردناک عذاب سے تمہیں پناہ میں رکھے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنات بھی مکلف ہیں اور کفر کی وجہ سے وہ بھی دائمی عذاب کے مستحق ہوتے ہیں' اس آیت میں صرف یہ بتایا کہ وہ کفر کی وجہ سے دائمی عذاب کے مستحق ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ایمان لانے سے ان کو دائمی عذاب سے نجات مل جائے گی۔ لیکن آیا ایمان لانے اور اطاعت کرنے کی وجہ سے ان کو ثواب بھی ہوگا یا نہیں؟ یہ نہیں بتایا لیکن جن آیات میں عمومی

طور پر نیک اعمال کی جزا جنت بتائی ہے ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو بھی نیک اعمال کی نیک جزا دی جائے' جیسے یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ﴿الکہف: ١٠٧﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے جنات الفردوس کی مہمانی ہے ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو نیک کاموں پر ثواب ہوگا اور بُرے کاموں پر عذاب ہوگا اور اس آیت میں صرف دوزخ کے عذاب سے نجات کا ذکر فرمایا ہے اور ثواب کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ مقام ان کو عذاب سے ڈرانے کا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جنات میں سے اطاعت گزاروں کو صرف دوزخ سے نجات ہوگی اور ان کو ثواب نہیں ہوگا اور ان سے صرف یہ کہا جائے گا: کہ تم مٹی ہو جاؤ سو وہ مٹی ہو جائیں گے اور یہ لیث بن ابی سلیم اور ایک جماعت کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی یہی مذہب منسوب ہے اور علامہ نسفی نے ''تیسیر'' میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جنات کے ثواب کے متعلق توقف کیا ہے کیونکہ بندہ کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے صرف مغفرت کا اور عذاب سے پناہ میں رکھنے کا وعدہ کیا ہے اور جنت کی نعمتوں کا عطا فرمانا ایک الگ دلیل پر موقوف ہے۔

عمر بن عبد العزیز نے یہ کہا ہے کہ مؤمنین جن' جنت کے گرد ہوں گے جنت میں نہیں ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو تسبیح اور ذکر کا الہام کیا جائے گا اور وہ اس سے لذت پائیں گے اور علامہ نووی نے ''صحیح مسلم'' کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے اور جنت کی نعمتوں سے لذت پائیں گے اور کھائیں گے اور پئیں گے اور حسن بصری' مالک بن انس' ضحاک اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہم کا یہی مذہب ہے۔

(روح المعانی جز ٢٦ ص ٥٠' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

علامہ آلوسی نے یہ تمام مذاہب علامہ قرطبی کی ''الجامع لاحکام القرآن'' جز ١٦ ص ٢٠١ سے نقل کیے ہیں' س بحث میں ہمارا موقف یہ ہے کہ مؤمنین جن بھی جو اطاعت گزار ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے اور تفصیلی دلائل کے لیے ''تبیان القرآن'' ج ٣ ص ٦٥٧۔٦٥٥ کا مطالعہ فرمائیں۔

الاحقاف: ٣٢ میں فرمایا: اور جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے پیغام کو قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر) اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ○

اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی احادیث میں مثالیں

اس آیت کے مضمون پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے آپ کے پاس چند فرشتے آئے' انہوں نے آپس میں کہا: تمہارے اس پیغمبر کی ایک مثال ہے' تم وہ مثال بیان کرو۔ بعض نے کہا: وہ سوئے ہوئے ہیں' بعض دوسرے فرشتوں نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور ان کا دل بیدار ہے' پھر انہوں نے کہا: ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں عام دعوت کی اور ایک دعوت دینے والے کو بھیج دیا پس جس نے اس دعوت کو قبول کیا وہ اس گھر میں داخل ہوگا اور ان کے ساتھ اس دعوت سے کھائے گا اور جس نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا اور اس دعوت سے کھانا نہیں کھائے گا' پھر انہوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تاکہ یہ اس کو سمجھیں' بعض فرشتوں نے کہا: وہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور ان کا دل بیدار ہے' پس انہوں نے کہا: گھر سے مراد جنت ہے اور دعوت دینے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پس جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان تفریق کر دی یعنی مسلمان اور کافر کو الگ الگ کر دیا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۸۱ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس دین کو دے کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کسی قوم کے پاس گیا اور کہا: اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں' پس بچو' بچو۔ قوم میں سے ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی پس وہ سکون سے اندھیرے میں آ گئے اور نجات پا گئے اور ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور صبح کے وقت اپنی جگہ پہنچے' پس صبح کے وقت لشکر نے ان پر حملہ کیا اور سب کو ہلاک کر ڈالا' یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے میری اطاعت کی اور میرے دین کی پیروی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے دین کی تکذیب کی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۸۳ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس سے اس کا اردگرد روشن ہو گیا تو پروانے اور حشرات الارض اس آگ پر آ آ کر گرنے لگے اور وہ ان کو روک رہا ہے اور وہ پروانے اس پر غالب آ کر اس آگ میں گر رہے ہیں' پھر میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے منع کر رہا ہوں اور تم زبردستی آگ میں گر رہے ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۳ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۴ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۴ 'مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴)

حضرت ربیعہ الجرشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی (فرشتہ) کو لایا گیا' پس آپ سے کہا گیا کہ آپ کی آنکھ کو سو جانا چاہیے اور آپ کے کان کو سننا چاہیے اور آپ کے دل کو غور کرنا چاہیے' آپ نے فرمایا: پھر میری آنکھ سو گئی اور میرے کان سنتے رہے اور میرا دل غور کرتا رہا' پھر مجھ سے کہا گیا: ایک سردار نے گھر بنایا اور اس میں دسترخوان بچھایا اور ایک دعوت دینے والے کو بھیج دیا' پس جس نے دعوت دینے والے کی دعوت قبول کر لی' وہ گھر میں داخل ہو جائے گا اور دسترخوان سے کھائے گا اور اس کا سردار راضی ہو جائے گا اور جس نے دعوت دینے والے کی دعوت قبول نہیں کی وہ گھر میں داخل نہیں ہو گا اور دسترخوان سے نہیں کھا سکے گا' آپ نے فرمایا: پس سردار اللہ ہے اور دعوت دینے والے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور گھر اسلام ہے اور دسترخوان جنت ہے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا انہوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو پیدا کرنے سے وہ تھکا نہیں وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے پر (بھی) قادر ہے' کیوں نہیں! وہ ہر چیز پر قادر ہے O اور جس دن کافروں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' (ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ برحق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! (اللہ) فرمائے گا: پس تم اس عذاب کو چکھو جس کا تم کفر کرتے تھے O (الاحقاف: ۳۴-۳۳)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل

قرآن مجید کے تین اہم مقاصد ہیں: توحید' رسالت اور حشر یعنی مرنے کے بعد انسانوں کو زندہ کرنا' اس سے پہلی آیات میں توحید و رسالت کو ثابت فرمایا تھا اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ

مرے ہوئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا بہت مشکل' دشوار اور عظیم کام ہے اور جو زیادہ مشکل اور زیادہ دشوار کام پر قادر ہو وہ اس سے کم مشکل اور کم دشوار کام پر بہ طریق اولیٰ قادر ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اس جملہ پر ختم کیا: کیوں نہیں! وہ ہر چیز پر قادر ہے' یعنی ہر ممکن پر قادر ہے اور انسان کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے سو اللہ تعالیٰ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

الاحقاف: ۳۴ میں فرمایا: اور جس دن کافروں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' (ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ برحق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! اللہ فرمائے گا: پس تم اس عذاب کو چکھو جس کا تم کفر کرتے تھے O

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا میں کفار اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کا جو مذاق اڑاتے تھے اس پر ان کو زجر و توبیخ کی جائے' کفار کہتے تھے: ''وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ'' (الصّٰفّٰت: ۵۹) ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا' سو اب ان سے کہا جائے گا: اب بتاؤ یہ عذاب ہے یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو (اے رسول!) آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (طلبِ عذاب کی) جلدی نہ کریں' جس دن وہ آخرت کے اس عذاب کو دیکھیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی ہے' (اس وقت وہ گمان کریں گے) کہ وہ دنیا میں صرف دن کی ایک گھڑی رہے تھے' یہ (قرآن کا) پیغام ہے' لہٰذا صرف نافرمان لوگوں ہی کو ہلاک کیا جائے گا O (الاحقاف: ۳۵)

اولوا العزم کا معنی

الاحقاف: ۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے اولی العزم (ہمت والے) رسولوں کا ذکر فرمایا ہے' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اولی العزم رسول کتنے ہیں اور کون کون ہیں؟ سب سے پہلے ہم اولی العزم کا معنی بیان کریں گے' پھر یہ بیان کریں گے کہ مفسرین نے اولی العزم رسولوں میں کن کن رسولوں کو شمار کیا ہے؟

امام حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عزم اور عزیمت کا معنی ہے: کسی کام کو کر گزرنے کے لیے دل کا پختہ ارادہ کر لینا' اس سے مراد وہ عمل ہے جس کے حسن' خوبی اور نیکی کی وجہ سے ہر شخص کو اسے کر گزرنے کا پختہ ارادہ کر لینا چاہیے یا اس کام کی عظمت کی وجہ سے اس کام کو انجام دینا اللہ کی طرف سے بندوں پر پختہ اور لازم کر دیا گیا ہو' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا O (طٰہٰ: ۱۱۵) اور ہم نے اس سے پہلے ہی آدم کو پختہ حکم دے دیا تھا پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم نہیں پایا O

(المفردات ج ۲ ص ۴۳۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ہم نے معصیت کے ارتکاب پر ان کا کوئی عزم نہیں پایا' اور یہ معنی مدح کے قریب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی ہو: ہم نے ترکِ معصیت پر آپ کا عزم نہیں پایا' یا ہم نے غفلت سے احتراز اور حفاظت پر آپ کا عزم نہیں پایا' یا کیفیت اجتہاد میں احتیاط کرنے پر آپ کا عزم نہیں پایا' یہ تمام محامل اس صورت میں ہیں جب یہ کہیں کہ آپ سے اجتہادی خطاء واقع ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۰۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

کسی کام پر عزم کرنے کا یہ معنی ہے کہ اس کام کو کرنے کا قطعی ارادہ کر لیا یا اس کام میں پوری کوشش اور جدوجہد کی' اولی

العزم رسولوں کا معنی ہے: اللہ نے ان سے جس کام کو کرنے کا عہد لیا تھا اس کو کرنے کا انہوں نے عزم کیا اور یہ رسول حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت سیدنا محمد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ زمخشری نے کہا: یہ رسول اصحاب جدو جہد' ثابت قدم رہنے والے اور صبر کرنے والے ہیں اور یہ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت ایوب' حضرت موسیٰ' حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ (القاموس المحیط ص ۱۱۳۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

عزم کا معنی ہے: جس کام کو کرنے کا تمہارے دل نے پختہ ارادہ کرلیا اور تم نے اس کام کو کرنے کی اپنے دل میں گرہ باندھ لی۔ حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے پوچھا: تم کس وقت وتر پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے ابتدائی حصہ میں' حضرت عمر سے پوچھا: تم کس وقت وتر پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے آخری حصہ میں' آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم نے حزم (احتیاط) پر عمل کیا ہے اور حضرت عمر سے فرمایا: تم نے عزم پر عمل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۶۔۳۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ حضرت ابوبکر نے یہ احتیاط کی کہ کہیں ان کی آنکھ نہ کھلے اس لیے انہوں نے وتر پہلے پڑھے اور حضرت عمر کو تہجد پڑھنے کی اپنی قوت پر اعتماد تھا' اس لیے انہوں نے وتر کو مؤخر کیا اور بغیر احتیاط کے کسی عزم میں خیر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: " فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ . " (محمد: ۲۱) زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے: جب امر مؤکد ہو جائے اور قتال لازم ہو جائے' حدیث میں ہے: " خیر الامور عوازمها. " (الدرالمنثور ج ۲ ص ۲۲۵' قدیم) یعنی جس چیز پر تمہاری رائے پختہ اور مؤکد ہو جائے اور تم اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو اور عزم کا معنی صبر کی طاقت ہے اور اولی العزم رسولوں کا معنی ہے: جن رسولوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور یہ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور سیدنا حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

(لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۴۰۔۱۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' العنایۃ ج ۳ ص ۲۰۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اولوا العزم رسولوں کے مصادیق

اولی العزم رسولوں کا معنی بیان کرنے کے بعد اب ہم یہ بیان کرتے ہیں اولی العزم رسول کتنے ہیں اور کون کون ہیں؟

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے الاحقاف: ۳۵ کی تفسیر میں کہا: یہ رسول حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ہیں صلوات اللہ علیہم۔ (تفسیر امام عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۷۸' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے عطاء خراسانی سے روایت کیا ہے اولی العزم رسول یہ ہیں: حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد صلوٰت اللہ علیہم والتسلیمات۔ (رقم الحدیث: ۲۴۲۴۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اولی العزم رسول وہ ہیں جو بہت احتیاط کرنے والے ہوں' بہت جدو جہد اور صبر کرنے والے ہوں' ان کی رائے درست ہو' ان کی تعداد میں اختلاف ہے' ابن زید نے کہا: تمام رسول اولی العزم ہیں' اللہ تعالیٰ نے صرف اولی العزم ہی کو رسول بنایا ہے' علی بن مہدی الطبری کا بھی یہی مختار ہے اور آیت " أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ " (الاحقاف: ۳۵) میں " مِنْ " تجنیس کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں ہے اور بعض مفسرین نے کہا: حضرت یونس علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام اولوا العزم ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝ (القلم: ۴۸)

سو آپ اپنے رب کے حکم سے صبر کیجئے اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے غم کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا ۝

اور ابو منصور جمشاذی نے ابوبکر رازی سے اور انہوں نے ابو القاسم الحکیم سے نقل کیا ہے کہ اولوا العزم رسول اٹھارہ ہیں جن کا ذکر الانعام: ۸۶۔ ۸۲ میں ہے وہ یہ ہیں: (۱) حضرت ابراہیم (۲) حضرت اسحاق (۳) حضرت یعقوب (۴) حضرت نوح (۵) حضرت داؤد (۶) حضرت سلیمان (۷) حضرت ایوب (۸) حضرت یوسف (۹) حضرت موسیٰ (۱۰) حضرت ہارون (۱۱) حضرت زکریا (۱۲) حضرت یحییٰ (۱۳) حضرت عیسیٰ (۱۴) حضرت الیاس (۱۵) حضرت اسماعیل (۱۶) حضرت الیسع (۱۷) حضرت یونس اور (۱۸) حضرت لوط علیہم السلام' ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الانعام: ۸۴)

ہم اسی طرح محسنین کو جزاء دیتے ہیں ۝

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (الانعام: ۸۵)

یہ سب صالح رسول ہیں ۝

كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام: ۸۶)

ہم نے ان سب رسولوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے ۝

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ (الانعام: ۹۰)

ان تمام نبیوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ ان کی ہدایت کی پیروی کیجئے (یعنی ان کے تمام انفرادی محاسن اور کمالات کو اپنی سیرت میں جمع کر لیجئے)۔

ابو علی جبش مقری نے کہا: اولوا العزم بارہ نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شام میں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا اور ان کی طرف یہ وحی فرمائی کہ میں تمہیں نافرمان بنی اسرائیل کی طرف بھیج رہا ہوں' ان پر یہ حکم دشوار ہوا تو ان کی طرف اللہ سبحانہٗ نے یہ وحی فرمائی کہ تم جس چیز کو چاہو اختیار کر لو اگر تم چاہو تو میں تم پر عذاب (مصائب) نازل کروں اور بنی اسرائیل کو نجات دے دوں اور اگر تم چاہو تو میں بنی اسرائیل پر اپنا عذاب بھیجوں' انہوں نے باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ان پر مصائب کو نازل کیا جائے اور بنی اسرائیل کو بچا لیا جائے سو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بچا لیا اور ان پر مصائب نازل کیے ان پر دنیاوی بادشاہ مسلّط کر دیئے' سو بعض نے ان کو آرے سے چیر ڈالا اور بعض کے چہرے اور باقی جسم کی کھال اتار لی اور بعض کو سولی پر چڑھا دیا اور بعض کو آگ میں جلا دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ اولوا العزم رسول سات ہیں: حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت موسیٰ علیہم السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ذکر ''الشعراء'' میں ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اولی العزم رسول پانچ ہیں جن پر شریعت (جدیدہ) نازل ہوئی: حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

مقاتل نے کہا: اولوا العزم چھ رسول ہیں: حضرت نوح علیہ السلام جن کو ان کی قوم نے اذیت پہنچائی حتیٰ کہ ان کی قوم ان کو اس قدر مارتی کہ وہ بے ہوش ہو جاتے اور انہوں نے اس اذیت رسانی پر صبر کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے آگ میں جلائے جانے پر صبر کیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام جنہوں نے ذبح کیے جانے پر صبر کیا (صحیح یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ ہم نے الصّٰفّٰت میں بیان کیا) اور حضرت یعقوب علیہ السلام جنہوں نے اپنے بیٹے کے گم ہونے

پر صبر کیا اور بینائی کے جانے پر صبر کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام جنہوں نے کنویں میں ڈالے جانے پر صبر کیا اور قید میں ڈالے جانے پر صبر کیا اور حضرت ایوب علیہ السلام جنہوں نے اپنی بیماری پر صبر کیا۔

حسن بصری نے کہا: اولوالعزم چار رسول ہیں: حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ''اسلم'' اسلام لاؤ' تو انہوں نے کہا: ''اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' (البقرہ: ۱۳۱) میں نے رب العلمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا' پھر ان کو ان کے مال' ان کی اولاد' ان کے وطن اور ان کی جان کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا تو وہ ہر آزمائش میں سچے اور پورے اترے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عزم یہ ہے کہ جب ان سے ان کی قوم نے کہا: ''اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ'' (الشعراء: ٦١) ہم کو پکڑ لیا جائے گا' تو انہوں نے فرمایا: ''كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ۝'' (الشعراء: ٦٢) ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ عنقریب مجھے ہدایت دے گا' اور رہے حضرت داؤد علیہ السلام تو ان کا عزم یہ ہے کہ ان سے ایک خطا ہو گئی پھر ان کو اس پر تنبیہ کی گئی اور چالیس سال تک وہ اپنی خطا پر نادم رہے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے ایک درخت اگ گیا اور وہ اس کے سائے میں بیٹھ گئے اور رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان کا عزم یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی اور کہا: یہ دنیا عبرت کی جگہ ہے تم یہاں پر تعمیر نہ کرو' تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا: آپ اس طرح صبر کیجئے جس طرح ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔ (الاحقاف: ٣٥) یعنی حضرت ابراہیم کی طرح آزمائش میں پورے اتریں اور حضرت موسیٰ کی طرح اللہ کی نصرت پر اعتماد رکھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح کثرت سے استغفار کریں اور حضرت عیسیٰ کی طرح دنیا سے بے رغبت رہیں۔

ابو العالیہ نے کہا: اولوالعزم رسول تین ہیں: حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے چوتھے ہیں' آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ بھی ان کی طرح صبر کریں۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۲٦۔ ۲٤ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱٤۲۲ھ)

اولوالعزم رسولوں پر سب سے زیادہ تفصیل سے ان ہی (علامہ ثعلبی) نے لکھا ہے اور بعد والوں نے ان کی خوشہ چینی کی ہے۔ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ نے ان کی پوری تفسیر کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٦ ص ٢٠٤۔ ٢٠٣) اور علامہ سید محمود آلوسی نے ان کی تفسیر کا اکثر حصہ اپنی تفسیر میں نقل کر دیا ہے۔ (روح المعانی جز ٢٦ ص ٥٤۔ ٥٣) امام فخر الدین رازی متوفی ٦٠٦ھ نے ان کی تفسیر میں سے مقاتل' حسن بصری اور ابن زید کے اقوال نقل کیے' لیکن قائلین کی طرف نسبت نہیں کی۔ (تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٣١۔ ٣٠) علامہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ٦٨٥ھ نے مقاتل اور ابن زید کا نام لیے بغیر ان کے اقوال کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ٨ ص ٤٨٥۔ ٤٨٣)

الاحقاف: ٣٥ منسوخ ہے یا نہیں؟

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ قتال اور جہاد کی آیتوں سے یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے' کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کے لیے (طلب عذاب کی) جلدی نہ کریں' کیونکہ ان کے آخری عذاب کی مدت قیامت کا دن ہے۔

پھر فرمایا: جس دن وہ آخرت کے اس عذاب کو دیکھیں گے' جس کی ان کو وعید سنائی گئی ہے (اس وقت وہ گمان کریں گے) کہ وہ دنیا میں صرف دن کی ایک گھڑی رہے تھے۔

یعنی قیامت کے ہولناک امور کو جب وہ دیکھیں گے تو ان کو دنیا میں اپنا قیام صرف ایک گھنٹہ کا معلوم ہوگا۔
اس کے بعد فرمایا: یہ (قرآن کا) پیغام ہے۔
اور فرمایا: لہٰذا صرف نافرمان لوگوں کو ہی ہلاک کیا جائے گا۔ یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے خود کو اللہ سبحانہٗ کی اطاعت سے باہر رکھا ہوا ہے۔

سورۃ الاحقاف کا خاتمہ

الحمد للہ رب العلمین! آج سات ربیع الاول ۱۴۲۵ھ/ اٹھائیس اپریل ۲۰۰۴ء بہ روز جمعرات کو سورۃ الاحقاف کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ ۲۴ مارچ ۲۰۰۴ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی گئی تھی اس طرح ایک ماہ اور چار دن میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی' الہ العلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے باقی قرآن مجید کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں' اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں اور ہر خاص و عام کے نزدیک اس کو مقبول بنا دیں اور قیامت تک اس کو فیض آفریں رکھیں اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنا دیں' میری امی کی' میرے والد گرامی کی اور میری مغفرت فرما دیں' قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا دیں' میں بھی ان کے لیے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میرے قارئین کو' اس کتاب کے ناشر کو اور مجھ کو دنیا اور آخرت کے ناگہانی حوادث' مصائب اور عذاب سے محفوظ رکھے اور محض اپنے فضل سے ہماری مغفرت فرما دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۳ صفر ۱۳۲۵ھ/ ۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۂ محمد

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام محمد ہے' یہ بیان کرنے کے لیے کہ یہ قرآن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے' علاوہ ازیں اس سورت کی دوسری آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مذکور ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ (محمد: ۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے' اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دی ○

ہر چند کہ تین اور سورتوں میں بھی نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مذکور ہے اور ان سورتوں کا نام محمد نہیں رکھا گیا کیونکہ ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔ جن اور تین سورتوں میں نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مذکور ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ (آل عمران: ۱۴۴) — اور محمد (مستحق عبادت نہیں ہیں) صرف رسول ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (الاحزاب: ۴۰) — اور محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن (وہ) اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں آخری رسول ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ (الفتح: ۲۹) — محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اس سورت کا نام سورۃ القتال بھی ہے کیونکہ اس سورت میں کفار کے ساتھ میدانِ جہاد میں قتال کے احکام اور ان کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ؕ (محمد: ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنوں پر وار کرو' حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو' حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے' یہی حکم ہے۔

سورۂ محمد کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے سورۂ محمد کے متعلق حسب ذیل احادیث ذکر کی ہیں:

النحاس' ابن مردویہ اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: سورۂ محمد مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ محمد کی ایک آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے اور ایک آیت بنو امیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں یہ آیت پڑھتے تھے: ''اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ'' (محمد: ۱)۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۳۹۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابن عطیہ اور حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور علامہ قرطبی نے ثعلبی' ضحاک اور ابن جبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے' یہ سورت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی ہے' تعداد نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ہے: ۹۶ اور تعداد مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ہے: ۴۷ اور اس کی ۳۸ آیات ہیں۔

سورۂ محمد کی اغراض

☆ اس سورت میں زیادہ تر مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا گیا ہے اور جہاد کا ثواب بیان فرمایا ہے۔

☆ اس سورت کا افتتاح اس سے کیا گیا ہے کہ جن کافروں نے (لوگوں) کو اللہ کے راستہ سے روکا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد اور قتال میں مدد کرنے کی بشارت دی ہے۔

☆ اس سورت میں مجاہدوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور مشرکین کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

☆ اس سورت میں منافقین کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔

☆ جنت اور اس کی نعمتوں کو اور دوزخ اور اس کے عذاب کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

☆ منافقین کو دھمکایا ہے کہ ان کی ریشہ دوانیوں سے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مطلع فرما دے گا اور مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ منافقوں کی سازشوں کا شکار نہ ہو جائیں۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

اے بارالٰہ! اس تفسیر میں مجھ سے وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیزیں غلط اور باطل ہوں ان کا رد کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمانا۔

آمین! یا رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۸ ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ/ ۲۹ اپریل ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹ / ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ محمد مدنی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں اڑتیس آیات چار رکوع ہیں

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝١ وَ

جن کافروں نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیاO اور جو لوگ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے

وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝٢

اور وہی ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دیO

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اس کی وجہ یہ ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان والوں نے اس کی پیروی کی

اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝٣

جو ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اسی طرح اللہ لوگوں کو ان کے احوال بیان فرماتا ہےO

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ

(پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو، یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو، حتیٰ کہ جنگ اپنے

اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۭ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟

ہتھیار رکھ دے، یہی حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (ازخود) ان سے انتقام لیتا (لیکن وہ یہ چاہتا ہے) کہ وہ تم میں سے

بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ

ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں اللہ ان کے

اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا

اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا ۝ عنقریب ان کو ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمائے گا ۝ اور ان کو جنت میں

لَهُمْ ۝۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ

داخل کردے گا جس کی ان کو پہچان کرادی ہے ۝ اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو

اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸

ثابت قدم رکھے گا ۝ اور کافروں کے لیے ہلاکت ہو' اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے ۝

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ

اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل کیا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ۝ کیا انہوں

يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ

نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے

قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

لوگوں کا کیسا انجام ہوا' اللہ نے ان پر ہلاکت مسلط کر دی اور کافروں کے لیے ایسی بہت مثالیں ہیں ۝ اس کی وجہ یہ ہے کہ

مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝

ع ۵ ۱۱ ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کافروں نے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے' اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دی ۝ (محمد: ۲-۱)

اللہ کی راہ سے روکنے والے کفار کے مصادیق

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: ان کافروں سے مراد اہل مکہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا اور انہوں نے خود اپنے آپ کو بھی دینِ اسلام میں داخل ہونے سے روکا اور دوسرے ان لوگوں کو بھی دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا اور شدت سے منع کیا جو دین اسلام میں داخل ہونا چاہتے تھے اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ کفار ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو عمرہ کے قصد سے بیت اللہ میں داخل ہونے سے حدیبیہ کے مقام پر روک لیا تھا اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو حدودِ حرم میں داخل ہونے نہیں دیا' یہ چھ ہجری کا واقعہ ہے اور بعد میں ایک صلح نامہ کے

ذریعہ یہ طے پایا تھا کہ اس سال تو آپ اور آپ کے اصحاب عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں اور اگلے سال اس عمرہ کی قضاء کر لیں۔

نیز اس آیت میں فرمایا: اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا' اس کی حسب ذیل تفسیریں کی گئیں ہیں:

(۱) کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے اور آپ کو قتل کرنے کی جو سازشیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی سازشوں کو ناکام کر دیا اور ان کی سازشوں کو خود ان کے اوپر الٹ دیا' یہ تمام سازشی کفار غزوۂ بدر میں مارے گئے اور قید کیے گئے۔

(۲) کفار اپنی دانست میں جو نیک کام کرتے تھے' بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے' غلام آزاد کرتے تھے' پڑوسیوں سے حسن سلوک کرتے تھے' مہمان نوازی کرتے تھے اور ایسی دوسری سماجی خدمت کرتے تھے لیکن چونکہ وہ اللہ سبحانہٗ کی توحید پر ایمان نہیں لائے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ان تمام مزعومہ نیکیوں کو باطل کر دیا اور قیامت میں ان کو ان نیکیوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وہ بارہ کفار ہیں جنہوں نے بدر کے لشکر کفار کی خوراک کا ذمہ لیا تھا وہ یہ تھے: ابوجہل' الحارث بن ہشام' عتبہ' شیبہ (ربیعہ کے دو بیٹے) ' ابی اور امیہ (خلف کے دو بیٹے) ' منبہ' نبیہ (حجاج کے دو بیٹے) ' ابوالبختری بن ہشام' زمعۃ بن الاسود' حکیم بن حزام' الحارث بن عامر بن نوفل۔ ان کو اس کھانا کھلانے کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۹۱)

(۴) ان کے کفر پر اصرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ہدایت اور ایمان لانے کی توفیق کو سلب کر لیا۔

محمد: ۲ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

ایمان لانے کے بعد سابقہ گناہوں کے مٹانے اور گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا کرنے کی تحقیق

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے: ان ایمان لانے والوں سے مراد انصار ہیں' جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کی غم گساری کی اور ان کی مدد کی' ان کو رہنے کے لیے مکان دیئے اور مال سے ان کی مدد کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عموم ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے اور وہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ نے ان کے گناہوں کو مٹا دیا اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے انہوں نے جو گناہ کیے تھے اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کو مٹا دیا اور یہ جو فرمایا ہے: اور ان کے حال کی اصلاح کر دی' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے بدلہ میں ان کو نیکیاں عطا فرمائے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان: ۷۰-۶۹)

(مشرک' زانی اور قاتل) کو قیامت کے دن دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت کے ساتھ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا' سوا اس شخص کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان لوگوں کی برائیوں کو بھی اللہ نیکیوں سے بدل دے گا' اور اللہ بہت

بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

ہر چند کہ اس آیت میں مشرک کے متعلق فرمایا ہے کہ جب وہ توبہ کرلے ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا لیکن بعض مسلمانوں کے گناہوں کو بھی اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا' حدیث میں ہے:

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کرم فرمائے تو نہ صرف یہ کہ وہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے بلکہ گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس شخص کو جانتا ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا' اس کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا: اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا' اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کیے تھے' وہ ان گناہوں کا اقرار کرے گا اور انکار نہیں کرے گا اور وہ دل میں اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا' پھر کہا جائے گا: اس کو اس کے ہر گناہ کے بدلے میں نیکی دے دو' تب وہ کہے گا: اے میرے رب! میرے تو اور بڑے بڑے گناہ ہیں جن کو میں یہاں پر نہیں دیکھ رہا' حضرت ابوذر نے کہا: میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹٦' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۷۵' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱٦۹۔ ۱۷۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو! اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی کرلو وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

اسم محمد کی تشریح اور تحقیق

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور جو اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے۔

ہم نے اس سورت کے تعارف میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں چار جگہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے' آل عمران: ۱۴۴' الاحزاب: ۴۰' محمد: ۲ اور الفتح: ۲۹' سو ہم یہاں پر تفصیل کے ساتھ اسم محمد کی تشریح کرنا چاہتے ہیں اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں' اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں' اللہ تعالیٰ میرے بعد حشر قائم کرے گا اور میں عاقب ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۹۰)

اس حدیث کی شرح میں علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

نام محمد کے فضائل اور خصوصیات

علامہ ابی مالکی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اتنے ہی

اسماء ہیں اور ساٹھ سے زیادہ اسماء کا انہوں نے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

''محمد'' حمد سے ماخوذ ہے اور مفعّل کے وزن پر اسم مفعول کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: بہت زیادہ حمد کیا ہوا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اسم کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی حمد کی ہے جو کسی اور کی نہیں کی اور آپ کو وہ محامد عطا کیے ہیں جو کسی اور کو عطاء نہیں کیے اور قیامت کے دن آپ کو وہ چیزیں الہام کرے گا جو کسی اور کو الہام نہیں کرے گا' جس شخص میں خصال محمودہ کامل ہوں اس کو محمد کہا جاتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ باب 'تکثیر کے لیے ہے یعنی جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے وہ محمد ہے' ابن قتیبہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا' جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا تھا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

''محمد'' تحمید کا اسم مفعول ہے' اس کو وصفیت سے اسمیت کی طرف مبالغۃً نقل کیا گیا ہے' بہ کثرت خصال محمودہ کی بناء پر آپ کا نام محمد رکھا گیا ہے یا اس لیے کہ آپ کی بار بار حمد کی جاتی ہے یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بہت حمد کرے گا' اسی طرح ملائکہ' انبیاء اور اولیاء آپ کی حمد کریں گے' یا نیک فال کے لیے آپ کا نام محمد رکھا گیا' یا اس لیے کہ اولین اور آخرین آپ کی حمد کریں گے اور قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین آپ کی حمد کے جھنڈے تلے ہوں گے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کے دل میں یہ الہام کیا کہ وہ آپ کا نام ''محمد'' رکھیں۔

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں: احادیث میں آپ کے اسماء کے بیان میں ''محمد'' کو احمد پر مقدم کیا گیا ہے' کیونکہ ''محمد'' ''احمد'' سے زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے' بلکہ ابونعیم نے روایت کیا کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے آپ کا نام محمد رکھا گیا اور کعب احبار نے روایت کیا ہے کہ عرش کے پایے پر' سات آسمانوں' جنت کے محلات اور بالا خانوں پر' حوروں کے سینوں پر' جنت کے درختوں پر اور درختوں کے پتوں پر' سدرۃ المنتہیٰ اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان ''محمد'' لکھا ہوا ہے' اس نام کو تمام ناموں پر فضیلت ہے' ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جو شخص تمہارا نام رکھے گا میں اس کو جہنم میں نہیں ڈالوں گا اور یہ بھی روایت ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا میں اس کو آگ میں نہیں ڈالوں گا اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس دستر خوان پر محمد یا احمد نام کا شخص ہوگا میں اس گھر کو دن میں دو بار پاک کروں گا۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ آپ کی نبوت کی علامات میں سے یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی کا نام ''محمد'' نہیں رکھا گیا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''لم نجعل له من قبل سميا'' ان سے پہلے ہم نے یہ نام نہیں رکھا' البتہ جب آپ کی ولادت کا زمانہ قریب آیا اور اہل کتاب نے آپ کی ولادت کے زمانہ کے قریب آنے کی بشارت دی تو بہت سے لوگوں نے اپنے بچوں کا نام محمد رکھا کہ شاید ان میں سے کوئی وہ نبی ہو' لیکن اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس کو رسول بنانا ہے' زیادہ مشہور یہ ہے کہ پندرہ بچوں کا نام ''محمد'' رکھا گیا۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۲۷۔۲۲۶' نور محمد اصح المطابع' کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

آپ کا نام محمد ہونا آپ کے کمال مطلق ہونے کی دلیل ہے

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احمد تھے اور اس کے بعد محمد ہوئے' کیونکہ پہلی کتابوں میں آپ کا نام احمد تھا اور قرآن مجید میں آپ کا نام محمد ہے اور آپ نے لوگوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی' اسی طرح آپ

آخرت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور اس کے بعد شفاعت کریں گے اور آپ سے سن کر لوگ اللہ کی حمد کریں گے' آپ سورۃ الحمد' لواء حمد (حمد کے جھنڈے) اور مقامِ محمود کے ساتھ مخصوص ہیں' کھانے' پینے' دعا اور سفر سے واپسی کے بعد آپ کے لیے حمد مشروع کی گئی ہے' آپ کی امت کا نام حمادین رکھا گیا ہے اور آپ کے لیے حمد کے تمام معانی اور اقسام جمع کیے گئے ہیں۔ (فتح الباری ج ٦ ص ۵۵۵' لاہور)

حمد کسی حسن اور کمال پر کی جاتی ہے اور آپ علی الاطلاق محمد ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علی الاطلاق حسن اور کمال ہیں' اگر آپ میں کسی وجہ یا کسی اعتبار سے کوئی نقص اور عیب ہوتا تو آپ علی الاطلاق محمد نہ ہوتے کیونکہ نقص اور عیب کی مذمت ہوتی ہے' حمد نہیں ہوتی اور آپ کو کسی زید یا بکر نے محمد نہیں کہا' آپ کو اللہ تعالیٰ نے محمد کہا ہے' اگر آپ میں کسی وجہ سے کوئی نقص یا عیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا آپ کو مطلقاً محمد کہنا صحیح نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ کا کلام غلط ہو سکتا ہے' نہ آپ میں کوئی نقص اور عیب ہو سکتا ہے۔ یہ بات مشرکین عرب کو بھی معلوم تھی' وہ آپ میں عیب نکالتے' پھر آپ کو محمد کہتے' انہیں خیال آیا کہ محمد کہہ دینے سے تو آپ سے ہر عیب کی نفی ہو جاتی ہے اس لیے وہ آپ کو مذمّم (مذمت کیا ہوا) کہنے لگے کہ مذمّم میں یہ عیب ہے اور مذمّم ایسا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا: وہ مجھ میں عیب نہیں نکالتے کسی مذمّم میں عیب نکالتے ہیں' میں مذمّم نہیں' محمد ہوں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا تعجبون کیف یصرف الله عنی شتم قریش ولعنهم یشتمون مذمما ویلعنون مذمما وانا محمد.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قریش کے سب و شتم کو کس طرح دور کر دیا؟ وہ مذمّم کو برا کہتے ہیں اور مذمّم کو لعنت کرتے ہیں اور میں محمد ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳)

ایک دفعہ میں نے تقریر میں آپ کے مطلقاً حسن اور کمال ہونے میں آپ کے محمد ہونے سے استدلال کیا اور کہا کہ آپ کا محمد ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ میں کسی وجہ سے نقص اور عیب نہ ہو' اس پر ایک شخص نے یہ اعتراض کیا کہ بتلاؤ غیر کا محتاج ہونا حسن ہے یا عیب؟ اگر یہ حسن ہو تو تمام محاسن اور کمالات کا جامع اللہ تعالیٰ ہے پھر اللہ تعالیٰ کو بھی غیر کا محتاج ہونا چاہیے اور اگر یہ عیب ہو تو آپ میں یہ عیب ثابت ہو گیا کہ آپ اپنے غیر کے محتاج ہیں کیونکہ آپ بہر حال اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں' میں نے کہا: یہ آپ کے لیے کمال ہے اور اللہ کے لیے نقص ہے جیسے عبادت کمال ہے مگر یہ مخلوق کے لیے کمال ہے اللہ کے لیے عبادت کرنا نقص اور عیب ہے' بعض چیزیں حسن لذاتہ اور قبیح لغیرہ ہوتی اور بعض چیزیں قبیح لذاتہ اور حسن لغیرہ ہوتی ہیں' غیر کا محتاج ہونا قبیح لذاتہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے اور حسن لغیرہ ہے' کیونکہ بندہ کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کا محتاج ہو اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مولیٰ کا محتاج ہونا آپ کا حسن اور کمال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ ازلاً ابداً محمد ہیں' سراہے ہوئے اور تعریف کیے ہوئے ہیں اور تعریف ہمیشہ حسن اور کمال پر ہوتی ہے' اس لیے آپ ہمیشہ سے حسن اور کمال ہیں' بلکہ تمام محاسن اور کمالات کی اصل ہیں' حسن اور کمال وہی ہے جو آپ میں ہے اور جو چیز آپ میں نہیں ہے وہ حسن ہے نہ کمال۔ باقی انبیاء اور رسل اپنی عظمت میں کسی خیر اور نیکی کے حصول کے تابع تھے یہاں معاملہ الٹ ہے' یہاں خیر اور نیکی اپنے خیر اور نیکی ہونے میں آپ کی طرف نسبت کے تابع ہے جس کو آپ نے کر لیا وہ خوب ہے اور جس سے آپ نے منع کر دیا وہ ناخوب ہے۔

نام محمد وصف اور علمیت کا جامع ہے اور نداء یا محمد

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ اسم محمد کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

ویقال حمد فهو محمد كما يقال علم فهو معلم وهذا علم وصفة اجتمع فيه الامران فی حقه صلى الله عليه وسلم.

کہا جاتا ہے: اس کی حمد کی گئی تو وہ محمد ہے، جس طرح کہا جاتا ہے: اس نے تعلیم دی تو وہ معلم ہے، لہٰذا یہ (لفظ محمد) علَم (نام) بھی ہے اور صفت بھی اور آپ کے حق میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔

(جلاء الافہام ص ۹۳، دار الکتاب الاسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

والوصفية فيهما لاتنافی العلمية وان معناهما مقصود.

محمد اور احمد میں وصفیت علَمیت (نام ہونے) کے منافی نہیں ہے اور ان دونوں معنوں کا قصد کیا جاتا ہے۔

(جلاء الافہام ص ۹۳، دار الکتاب الاسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

او قصد به المعنى الوصفي دون المعنى العلمي. (مرقات ج ۱ ص ۵۱، ملتان، ۱۳۹۰ھ)

(جب حضرت جبرائیل نے آپ کو یا محمد کہا) تو اس سے لفظ محمد کے وصفی معنی کا ارادہ کیا اور علَمی (نام کے) معنی کا ارادہ نہیں کیا۔

شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی ملا علی قاری کے حوالے سے اس جواب کا ذکر کیا ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۰۴)

لفظ محمد سے آپ کا علَم اور نام ہی مقصود ہو، لیکن آپ کو بلانا مقصود نہ ہو صرف اظہار محبت اور ذوق وشوق سے محض آپ کے نام کا نعرہ لگانا مقصود ہو تو یا محمد کہنا جائز ہے۔

امام مسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں، اس میں ہے:

فصعد الرجال والنساء فوق البيوت وتفرق الغلمان والخدم في الطريق ينادون يا محمد يا رسول الله يا محمد يا رسول الله.

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو) مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور وہ نعرے لگا رہے تھے: یا محمد، یا رسول اللہ، یا محمد، یا رسول اللہ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹، الحدیث المسلسل: ۷۳۸۷)

حافظ ابن کثیر، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں:

وكان شعارهم يومئذ يا محمداه.

اس زمانہ میں مسلمانوں کا شعار یا محمداہ کہنا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن اثیر نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۶، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

لفظ یا محمد کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا اور آپ کو یاد کرنا مقصود ہو پھر بھی یا محمد کہنا جائز ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن سعد قال خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل اذكر احب الناس اليك فقال يا محمد. (الادب المفرد ص ۲۵۰، لائل پور)

عبدالرحمٰن بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کا پیر سُن ہو گیا، ایک شخص نے کہا: اس کو یاد کرو، جو تم کو سب سے زیادہ محبوب ہو، حضرت ابن عمر نے کہا: یا محمد۔

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی عظمتیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو سیاہ فام نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں' ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے' وہ کہیں گے: تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے؟ وہ آپ کو دنیا میں جو کچھ کہتا تھا وہی کہے گا' وہ کہے گا: یہ اللہ کے عبد اور اس کے رسول ہیں' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' فرشتے کہیں گے: ہم کو معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے' پھر اس کی قبر میں ستر ضرب ستر (۷۰×۷۰) وسعت کر دی جائے گی' پھر اس کے لیے اس کی قبر منور کر دی جائے گی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۱' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۸۶۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۷' الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۳۶۵' سنن بیہقی رقم الحدیث: ۵۶)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ میت کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے' پھر پوچھتے ہیں: تیرا دین کون سا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے' پھر پوچھتے ہیں: وہ شخص کون تھ جو تم میں مبعوث کیا گیا تھ؟ وہ کہتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' (الیٰ قولہ) پھر آسمان سے نداء کی جائے گی میرے بندے نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دو' الحدیث بطولہ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۱۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۹)

دیکھئے! قبر میں نورانی فرشتے آتے ہیں تو قبر منور نہیں ہوتی' قبر والا اللہ کا نام لیتا ہے' تب بھی قبر منور نہیں ہوتی' نہ قبر میں جنت کی کھڑکی کھلتی ہے' وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے پھر بھی قبر منور نہیں ہوتی' نہ جنت کی کھڑکی کھلتی ہے' وہ جب نام محمد لیتا ہے تو اس کی قبر منور ہو جاتی ہے اور جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے' اگر کوئی ان حدیثوں پر اعتراض کرے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ سے بڑھ جائے' اس کے دو جواب ہیں:

(۱) اگر کوئی شخص ساری عمر صرف "لا الٰہ الا اللّٰہ" پڑھتا رہے اور "**محمد رسول اللّٰہ**" نہ پڑھے تو وہ جنتی نہیں ہوگا اور اگر مرنے سے پہلے صرف ایک بار "لا الٰہ الا اللّٰہ" کے ساتھ "**محمد رسول اللّٰہ**" پڑھ لے تو وہ جنتی ہو جائے گا' اس سے معلوم ہوا کہ جنت تو آپ کے نام سے ملتی ہے اور یہ سب کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم ہے۔

(۲) قبر اللہ کے نام سے ہی منور ہوتی ہے لیکن اللہ کے نزدیک اس کا نام لینا اس وقت مقبول ہوتا ہے جب اس کے نام کے ساتھ نام محمد لیا جائے' اسی طرح انسان "لا الٰہ الا اللّٰہ" پڑھنے سے ہی جنتی ہوتا ہے لیکن اللہ سبحانہٗ کے نزدیک "لا الٰہ الا اللّٰہ" پڑھنا مقبول اس وقت ہوتا ہے جب "لا الٰہ الا اللّٰہ" کے ساتھ محمد رسول اللہ پڑھا جائے۔

سو اسلام کا دروازہ بھی نام محمد سے کھلتا ہے اور اسلام لانے کے بعد اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کا دروازہ بھی آپ کے نام سے کھلتا ہے اور آپ کی قبر انور پر حاضری سے کھلتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۶۴)

اور اگر یہ مسلمان اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر بیٹھتے تو یہ آپ کے پاس آ جاتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو ضرور یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا پاتے ○

اور شب معراج جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کے دربان سے کہا کہ آسمان کا دروازہ کھول دو تو دروازہ نہیں کھلا' اس وقت دروازہ کھلا جب انہوں نے کہا: میرے ساتھ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور ان کو بلایا گیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳)

اسی طرح قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ کا دروازہ اسی وقت کھلے گا جب آپ شفاعت کریں گے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دوزانو بیٹھے ہوں گے' ہر امت اپنے نبی کے پاس جائے گی' وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے' حتیٰ کہ یہ (طلب) شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگی' پس یہی وہ دن ہے جب اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۱۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے' اس کے آخر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں قیامت کے دن عرش کے نیچے سجدہ کروں گا' اللہ تعالیٰ اس دن مجھے اپنی حمد و ثناء کے چند کلمات کا الہام کرے گا' وہ کلمات مجھ سے پہلے کسی کو الہام نہیں فرمائے' پھر مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے' آپ سوال کیجئے' آپ کو عطا کیا جائے گا' آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۰۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۲۸۶)

اسی طرح جنت کا دروازہ بھی آپ کے نام سے کھلے گا' حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اس کو کھلواؤں گا تو جنت کا خازن کہے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' وہ خازن کہے گا: مجھے آپ ہی کے نام سے جنت کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا گیا ہے' آپ سے پہلے میں کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہیں کھولوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۷' رقم حدیث الباب:۳۳۳' رقم المسلسل:۴۷۸' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث:۲۰۹)

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں دخول اسم محمد سے ہوتا ہے' توبہ اسی نام سے قبول ہوتی ہے' قبر میں اجالا اسی نام سے ہوتا ہے' قبر میں جنت کی کھڑکی اسی نام سے کھلتی ہے' آسمان کے دروازے اسی نام سے کھلتے ہیں' شفاعتِ کبریٰ اسی نام سے ہوگی اور جنت کا دروازہ بھی اسی نام سے کھلے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان والوں نے اس کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے حق ہے' اسی طرح اللہ لوگوں کو ان کے احوال بیان فرماتا ہےO سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو' حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے' یہی حکم ہے' اور اگر اللہ چاہتا تو (از خود) ان سے انتقام لیتا' (لیکن وہ یہ چاہتا ہے) کہ وہ تم میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں' اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گاO (محمد:۴۔۳)

محمد:۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کو گم راہی پر برقرار رکھنا اور مومنوں کو ہدایت سے نوازنا اس لیے ہے کہ کافروں نے باطل کی اتباع کی اور مومنوں نے حق کی اتباع کی' باطل سے مراد شرک ہے اور حق سے مراد توحید' یا باطل سے مراد شیاطین اور کفار کے آباء واجداد ہیں اور حق سے مراد انبیاء اور رسل ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان کی ہے' اسی طرح

اللہ سبحانہ' نیکیوں اور برائیوں اور مؤمنوں اور کافروں کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔
محمد : ۴ میں فرمایا: سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو۔

جن کافروں کے متعلق جہاد کا حکم ہے ان کا مصداق

جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں اور کافروں کو ممیز اور ممتاز کر دیا تو ان کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا: کفار سے مراد وہ مشرک ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ کفار سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین اسلام کے مخالف ہیں خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب ہوں' بہ شرطیکہ ان کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو' نہ وہ ذمی ہیں' الماوردی اور ابن العربی کا بھی یہی مختار ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۹۳' احکام القرآن ج ۴ ص ۱۲۹)
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی گردنیں مارو' یہ نہیں فرمایا کہ ان کو قتل کرو' کیونکہ گردنیں مارنے میں شدت اور سختی کا مبالغہ ہے۔
پھر فرمایا: حتیٰ کہ جب تم ان کو خون بہا چکو یعنی جب تم ان کو بہ کثرت قتل کر چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو' تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔
اس کے بعد فرمایا: (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو بلا معاوضہ چھوڑ دو' یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو' حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے' یہی حکم ہے۔

کفار کا خون بہانے کے بعد ان کو گرفتار کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل پانچ اقوال ہیں:

(۱) قتادہ' ضحاک' ابن جریج اور العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت بت پرستوں کے متعلق ہے' ان کو فدیہ لے کر چھوڑنا جائز ہے اور نہ ان پر احسان کر کے انہیں بلا معاوضہ چھوڑنا جائز ہے' ان کے نزدیک اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اس کی ناسخ حسب ذیل آیتیں ہیں:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ . (التوبہ: ۵)
پس مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ . (الانفال: ۵۷)
پس اگر آپ کا میدان جنگ میں ان سے سامنا ہو تو ان لوگوں کو مار مار کر بھگا دیں جو ان کے پیچھے ہیں۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً . (التوبہ: ۳۶)
اور تمام مشرکین سے قتال اور جہاد کرو۔

بہ کثرت کوفیوں کا یہی قول ہے' عبد الکریم جوزی نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر کی طرف لکھا گیا کہ چند مشرکین کو قید کر لیا گیا ہے اور یہ لکھا گیا کہ انہوں نے اتنے اتنے فدیہ کی پیش کش کی ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ان کو قتل کر دو' مشرکین میں سے ایک شخص کو قتل کرنا ان کے نزدیک اتنے اتنے فدیہ سے زیادہ بہتر ہے۔
(تفسیر عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۸۶۴)

(۲) امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب اور مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت تمام کفار کے متعلق ہے اور یہ آیت منسوخ ہے' انہوں نے کہا: جب مشرک کو قید کر لیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس پر احسان کر کے یا اس سے فدیہ لے کر اس کو رہا کر دیا جائے اور مشرکین کی طرف اس کو واپس کر دیا جائے' البتہ قیدی عورتوں کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ عورتوں کو قتل

کرنا جائز نہیں ہے' اور اس آیت کی ناسخ یہ آیت ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ . پس مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو۔

(التوبہ:۵)

کیونکہ سورۂ توبہ آخر میں نازل ہوئی ہے' پس ہر مشرک کو قتل کرنا واجب ہے' سوا عورتوں اور بچوں کے کیونکہ حدیث میں ہے کہ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۳۱)
اسی طرح جن اہل کتاب سے جزیہ لیا جائے ان کو بھی قتل نہ کیا جائے' کیونکہ اگر ان مشرکین کو فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا گیا تو یہ خدشہ ہے کہ وہ پھر مسلمانوں سے جنگ کرنا شروع کر دیں گے۔ امام عبدالرزاق نے بھی اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت "فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ" الانفال:۵۷ اور التوبہ:۵ سے منسوخ ہے۔
(تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۸۷۰)

(۳) ضحاک اور ثوری نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم" کے لیے ناسخ ہے' ابن المبارک نے از ابن جریج از عطا روایت کیا ہے کہ قیدیوں کو احسان کر کے چھوڑ دیا جائے یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور کسی مشرک قیدی کو قتل نہ کیا جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد:۴ میں فرمایا ہے۔ اشعث نے کہا کہ حسن بصری قیدی کے قتل کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور انہوں نے کہا کہ سربراہ مملکت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اس کے پاس قیدی آئیں تو وہ ان کو قتل کر دے' لیکن اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز کا اختیار ہے' یا ان کو بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے یا ان کو غلام بنا لے۔

(۴) سعید بن جبیر نے کہا: جب تک مشرکین کو اچھی طرح قتل کر کے ان کا خون نہ بہایا جائے اس وقت تک ان کو قید کرنا جائز نہیں ہے اور جب ان کو قید کر لیا جائے تو پھر سربراہِ مملکت جو مناسب سمجھے ان کے متعلق وہ فیصلہ کرے۔

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حسن' عطاء' امام مالک' امام شافعی' ثوری' اوزاعی' ابوعبید اور بہ کثرت علماء کا یہ مذہب ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور سربراہ مملکت کو ہر حال میں اختیار ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے تمام صورتوں پر عمل کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحارث کو جنگ بدر میں قتل کر دیا تھا اور بدر کے باقی قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا تھا اور ثمامہ بن اثال پر احسان کر کے اس کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا تھا جب کہ وہ آپ کی قید میں تھا اور حضرت سلمہ بن اکوع سے ایک قیدی باندی لے کر اس کے بدلہ میں مشرکین کے قبضہ سے مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل مکہ سے کچھ لوگ آئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گرفتار کر لیا اور ان پر احسان کر کے ان کو چھوڑ دیا اور آپ نے ہوازن کے قیدیوں پر احسان کر کے ان کو چھوڑ دیا اور یہ تمام واقعات احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں' سوۃ الانفال:۶۷ کی تفسیر میں ہم نے ان تمام چیزوں کو باحوالہ بیان کیا ہے' النحاس نے کہا ہے کہ ان دونوں آیتوں پر عمل کیا گیا ہے اور یہ محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں اور یہ بہترین قول ہے کیونکہ نسخ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے' پس جب ان دونوں آیتوں (التوبہ:۵ اور محمد:۴) پر عمل کرنا ممکن ہے تو پھر ان میں سے کسی ایک کو منسوخ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جب کفار سے مقابلہ ہوگا تو ہم کافروں کو قتل کریں گے اور جب کفار ہماری قید میں ہوں گے تو ہم انہیں قتل بھی کر سکتے ہیں اور فدیہ لے کر یا ان پر احسان کر کے ان کو آزاد بھی کر سکتے ہیں اور جس صورت میں مسلمانوں کا فائدہ ہوگا ہم اس پر عمل کریں گے۔ یہ قول اہل مدینہ' امام شافعی اور ابوعبید

سے منقول ہے اور امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے اور مشہور ان کا وہ قول ہے جس کو ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۱۱۔۲۰۹ ملخصاً 'دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جہاد کا حکم کب ختم ہوگا؟

اس کے بعد فرمایا: حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے یہی حکم ہے۔

مجاہد اور ابن جبیر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ تم کفار کے خلاف اسی طرح جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو۔ اور حسن بصری نے کہا: حتیٰ کہ ہر یہودی' عیسائی اور ہر دین والا اسلام لے آئے اور بکری بھیڑیے کے شر سے محفوظ ہو جائے۔ الفراء نے کہا: حتیٰ کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور کفر چلا جائے۔ کلبی نے کہا: حتیٰ کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب ہو جائے۔ ایک قول یہ ہے: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اس وقت تک ان کو قید میں رکھو حتیٰ کہ کفار سے تمہاری جنگ ختم ہو جائے اور تمہارے دشمن اپنے ہتھیار رکھ دیں یا ان کو کھلی شکست ہو جائے یا تمہارا ان سے صلح کا معاہدہ ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اگر اللہ چاہتا تو (ازخود) ان سے انتقام لیتا (لیکن وہ یہ چاہتا ہے) کہ وہ تم میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں' اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا ٥

اللہ تعالیٰ ان سے ازخود بدلہ لے لیتا' اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر جنگ کے ہلاک کر دیتا اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کا ایک لشکر بھیج کر ان کو ہلاک کر دیتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ تم کو آزمائے اور تم میں سے اطاعت گزاروں کو ظاہر کرے کہ کون جنگ کی مصیبتوں پر صبر کر کے اجر و ثواب کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کے لیے میدانِ جہاد میں شرکت کرتا ہے اور کون جنگ کی ہولناکیوں اور مصائب سے گھبرا کر جہاد میں شرکت سے گریز کرتا ہے۔

اسیرانِ جنگ کے بارے میں اسلام کی ہدایات

ہر چند کہ اسیرانِ جنگ کو غلام بنانا جائز ہے لیکن اسلام میں جنگی قیدیوں کے بارے میں دو صورتیں اور بھی ہیں' قرآن مجید میں ہے: "فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا" (محمد: ۴) "جب تم کافروں سے نبرد آزما ہو تو ان کی گردنیں اُڑا دو یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ گرفتار ہوں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو' پھر یا تو ان پر محض احسان رکھ کر ان کو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دو"۔

ائمہ ثلاثہ' امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس آیت کے مطابق قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور مال کے بدلہ میں یا جنگی قیدیوں سے تبادلہ میں ہر طرح چھوڑ دینا جائز ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ آیت: "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ" (توبہ: ۵) "مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" سے منسوخ ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی جنگی قیدیوں کو قیدیوں سے تبادلہ میں یا بلا معاوضہ چھوڑ دینا جائز ہے' اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس طرح یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: اگر جنگی قیدی اسلام قبول نہ کریں تو امیر چاہے تو ان کو قتل کر دے یا ان کو غلام بنا لے یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دے' یہ حکم مشرکینِ عرب اور مرتدین کے ماسوا میں ہے اور قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا

حرام ہے۔امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''فاما منا بعد و اما فداء.''ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت''فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم'' سے منسوخ ہے۔(شرح مجمع) اسی طرح جنگ کے ختم ہونے کے بعد ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑنا بھی حرام ہے' البتہ جنگ کے اختتام سے پہلے مال کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے' لیکن مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے۔(درر وصدر الشریعۃ) امام محمد اور امام ابویوسف نے کہا ہے کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ سے بھی یہی روایت زیادہ ظاہر ہے۔(شمنی) (الدرر مع الردج ۶ ص ۱۷۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: علامہ زیلعی نے ذکر کیا ہے کہ''سیر کبیر'' میں لکھا ہے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلے میں چھوڑ دینا جائز ہے اور ان سے منقول دو روایتوں میں یہی زیادہ ظاہر روایت ہے اور''فتح القدیر'' میں ہے کہ امام محمد اور امام ابویوسف کا بھی یہی قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور''صحیح مسلم'' اور دیگر کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ نے دو مسلمانوں کے بدلہ میں ایک مشرک کو چھوڑ دیا اور مکہ میں قید کیے جانے والے مسلمانوں کے بدلہ میں ایک عورت کو چھوڑ دیا'(علامہ شامی کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ فدیہ لے کر قیدی چھوڑنا حرام ہے اس سے مراد مالی فدیہ ہے' جب کہ مال کی ضرورت نہ ہو اور ضرورت کے وقت مالی فدیہ کے عوض بھی جنگی قیدی چھوڑنا جائز ہے اور مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا بھی جائز ہے۔

(ردالمحتار ج ۶ ص ۱۵۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ:''فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم'' کا حکم جنگی قیدیوں سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ان کو غلام بنانا بالاجماع جائز ہے' اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت''فاما منا بعد و اما فداء'' کے لیے ناسخ نہیں ہے۔ لہٰذا جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور قیدیوں سے تبادلہ میں رہا کرنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی مشروعیت کا سبب

غلاموں کے بارے میں اسلام نے جو احکام دیئے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص پر یہ واضح ہوگا کہ اسلام کی نظر میں انسان کو انسان کا غلام بنانا ایک ناپسندیدہ فعل ہے' چونکہ بعثت سے پہلے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا ایک عام دستور تھا اور قیدیوں کے تبادلہ میں یا انہیں احساناً رہا کرنے کا رواج نہیں تھا۔اس لیے اسلام نے قیدیوں کے غلام بنانے کو اباحت کے درجہ میں جائز رکھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو اور صورتیں بھی بیان کر دیں کہ مال کے بدلہ میں یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں جنگی قیدی آزاد کر دیئے جائیں یا بطور احسان بلا معاوضہ جنگی قیدی چھوڑ دیئے جائیں۔اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام بنایا ہو تو مسلمانوں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ کافر ملک کے جنگی قیدیوں کو غلام بنالیں کیونکہ ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' (الشوریٰ: ۴۰)''اور برائی کا بدلہ تو اسی کی مثل برائی ہے''اور اگر کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام نہ بنایا ہو' بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو قید کر رکھا ہو اور ان کی رہائی کے عوض وہ اپنے جنگی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کریں تو تبادلہ میں جنگی قیدی چھوڑ دینے چاہئیں اور اگر کافروں نے ہمارے قیدیوں کو تبرعاً بلا معاوضہ چھوڑ دیا ہو تو ان کی بہ نسبت مکارم اخلاق سے متصف ہونے کے ہم زیادہ لائق ہیں۔اس لیے ایسے موقع پر ہمیں بھی ان کے قیدیوں کو احساناً اور تبرعاً بلا معاوضہ چھوڑ دینا چاہیے' اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنانے کی عام اجازت نہیں ہے بلکہ اس کو ایک خاص ضرورت میں بوجہ مجبوری جائز کیا گیا ہے۔اس کی پوری تفصیل اور تحقیق''شرح صحیح مسلم' کتاب الجہاد''(جلد خامس) میں ملاحظہ فرمائیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کے فوائد اور ثمرات

پہلی چیز تو یہ ہے کہ جب کوئی جنگی قیدی غلام بن کر کسی مسلمان کے پاس رہے گا تو اس کو مسلمانوں کے مکارم اخلاق کو دیکھنے کا موقع ملے گا اور یہ محسوس کرے گا کہ قید خانہ کی ہولناک اذیتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا غلام بن کر رہنا کہیں بہتر ہے' کیونکہ اسلام نے غلاموں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان پر عمل کرنے کے بعد غلامی کا صرف نام رہ جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ " (النساء: ۳۶) "ماں باپ' قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' رشتہ دار ہمسایوں' اجنبی ہمسایوں' رفقاء مجلس' مسافروں اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت کر دیا ہے' پس جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اس کو وہ چیز کھلائے جس کو وہ خود کھائے اور وہ کپڑے پہنائے جن کو وہ خود پہنے اور ان کو ان کی قوت برداشت سے زیادہ مکلف نہ کرے۔ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۹' کراچی) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے غلاموں کی اپنی اولاد کی طرح عزت اور توقیر کرو اور ان کو وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو' وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو' ان کی قوتِ برداشت سے زیادہ ان کو مکلف نہ کرو اگر ان کو کوئی مشکل کام سونپو تو اس میں ان کی مدد کرو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۴' کراچی) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا پیٹے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۴۷' کراچی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے جاتے وقت نماز کے بعد اگر کسی کی فکر تھی تو وہ لونڈیوں اور غلاموں کی تھی' رفیقِ اعلیٰ سے وصال کے وقت جو آخری کلمہ آپ کی زبان پر تھا وہ یہی تھا: "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۴۵' کراچی) "نماز اور لونڈی' غلام"۔ کسی مسلم معاشرہ میں جب کوئی کافر غلام مسلمانوں کو ان احکام پر عمل کرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ یقیناً اسلام سے متاثر ہو گا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ لوگوں کا اسلام سے دُور رہنا اور اسلام کو قبول نہ کرنا زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے احکام سے ناواقف ہوتے ہیں اور جب کسی کافر شخص کو غلام ہونے کی وجہ سے اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ مسلمانوں کے مثالی معاشرہ کا مطالعہ کرے گا اور اسلام کی حقانیت کے دلائل سے آگاہ ہو گا تو وہ اپنے کفر پر قائم نہ رہ سکے گا' یہی وجہ ہے کہ صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بہ کثرت کافر غلام مسلمان ہو گئے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور ترغیبات کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی شخص کو ہمیشہ اپنی غلامی میں نہیں رکھتا اور جلد یا بدیر اس کو بالآخر آزاد کر دیتا ہے۔

اس بحث کے تمام عنوانات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اسلام نے لونڈیوں اور غلاموں کو فروغ نہیں دیا' بلکہ اسلام نے ایسی ہدایات دی ہیں جن پر عمل کرنے سے بتدریج غلامی ختم ہو جاتی ہے اور فی الواقع دنیا میں اسی طرح ہوا' رہا جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کے جواز کا معاملہ تو وہ اس زمانہ کے حالات کی وجہ سے تھا۔ جنگی قیدیوں کو غلام بنانا لازم اور واجب نہیں ہے' بلکہ چار مباح صورتوں (جزیہ لے کر آزاد کرنا' بلا معاوضہ رہا کرنا' معاوضہ لے کر رہا کرنا اور غلام بنانا) میں سے ایک صورت ہے اور اب چونکہ تمام دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور اسلام باقی مذاہب کی بہ نسبت مکارمِ اخلاق اور حقوقِ انسانیت کا زیادہ محافظ ہے' اس لیے اب اسلام میں اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے' کیونکہ جن حالات میں اسلام نے غلام بنانے کی اجازت دی تھی اب مہذب دنیا میں وہ حالات نہیں رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عنقریب ان کو ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمائے گا○ اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا‘ جس کی ان کو پہچان کرادی ہے○ اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا○ (محمد: ۷۔۵)

شہداء اور صالحین کے لیے آخرت میں نعمتیں اور دخول جنت میں آسانیاں

محمد: ۴ کے آخر میں فرمایا تھا: اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں‘ اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا اور اس آیت میں ان ہی کی فضیلت میں فرما رہا ہے: (اللہ) عنقریب ان کو ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمائے گا‘ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہدایت کی ضرورت تو دنیا میں ہوتی ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں شہید ہو چکا ہے وہ ہدایت یافتہ تھا تب ہی تو اللہ کی راہ میں شہید ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں جنت کے راستہ کی طرف ہدایت دے گا یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اللہ کے راستہ میں کافروں سے جہاد کے لیے نکلے ان میں سے جو قتل کر دیئے گئے ان کو تو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دے گا اور جو باقی رہ گئے‘ ان کو اللہ تعالیٰ زندگی کے تمام شعبوں میں ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمائے گا‘ اس کے دو محمل ہیں: (۱) ان کے مصائب اور ان کی پریشانیوں کو ان سے دور فرمائے گا (۲) ان سے جو گناہ سرزد ہو گئے ان کو معاف کر دے گا۔ اور اگر اس کا تعلق شہداء سے ہو تو اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو منکر اور نکیر کے جواب میں ہدایت پر رکھے گا اور قبر میں ان کے لیے آسانیاں اور راحتیں مہیا فرما دے گا۔

محمد: ۶ میں فرمایا: اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا جس کی ان کو پہچان کرادی ہے۔

اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں شہداء کو جنت کے راستہ کی ہدایت دے گا اور ان کو عزت اور کرامت کا لباس پہنائے گا اور فرمایا: جس کی ان کو پہچان کرادی ہے‘ ان شہداء میں سے ہر ایک جنت میں اپنے مقام کو اس طرح پہچاننے والا ہو گا‘ جس طرح جمعہ پڑھنے کے بعد نمازی جب زمین میں پھیل جاتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو اپنے ٹھکانے اور اپنے گھر کا پتا ہوتا ہے‘ حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمنین دوزخ سے نجات پا جائیں گے‘ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل ہے‘ اس پر ان کو روک لیا جائے گا‘ پھر دنیا میں ان میں سے بعض نے بعض پر جو زیادتی کی ہو گی اس کا ان سے بدلہ لیا جائے گا‘ حتیٰ کہ جب وہ بالکل پاک اور صاف ہو جائیں گے تو پھر ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی‘ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے‘ ان میں سے ایک شخص جنت میں اپنے ٹھکانے کو دنیا میں اپنے ٹھکانے کی بہ نسبت زیادہ پہچاننے والا ہو گا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۵۳۵‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۸‘ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۵‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۰‘ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۵۷ طبع قدیم‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۷‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۹۲۰‘ عالم الکتب‘ بیروت‘ جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۸۰۹)

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی اس طرح پہچان کرادے گا‘ وہ بغیر غور وفکر اور سوچ بچار کے جنت میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے جنت کے مقام کی ان کو اس طرح پہچان کرادی ہے کہ جب وہ جنت

میں داخل ہوں گے تو ان نشانیوں کی وجہ سے جنت میں اپنے ٹھکانے کو پہچان لیں گے۔
ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے راستوں اور مقامات کی پہچان کرا دے گا۔
محمد: ۷ میں فرمایا: اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا○

اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے طریقے اور اللہ کا ان کی مدد فرمانا

اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کے حسبِ ذیل طریقے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت میں سعی اور جدوجہد کی جائے اور اسلام کو پھیلانے کی کوشش کی جائے' انسان خود اللہ کے احکام پر عمل کرے اور اس کے خاندان اور اس کی ملازمت اور کاروبار میں جو لوگ اس کے ماتحت ہوں ان سے بھی اللہ کے احکام پر عمل کرائے۔

(۲) اللہ کے نیک بندوں' علماء دین' مبلّغین اور اولیاء اللہ کی مدد کرے اور ان کے نیک مقاصد کی تکمیل میں ان کے ساتھ تعاون کرے۔

(۳) شیطان اللہ کا دشمن ہے وہ کفر کو پھیلانے اور فسق و فجور کو عام کرنے میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کفر کو مٹانا چاہتا ہے اور کفار کو ہلاک کرنا چاہتا ہے' سو جو مسلمان اللہ کی مدد کرنا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس مطلوب کی تکمیل میں اپنی توانائیاں صرف کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا یعنی جب مومن اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانیاں پیدا فرما دے گا' اس کو اس مہم میں ثابت قدم رکھے گا' اس کو ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے گا۔ میں بہت بیمار تھا مارچ ۸۶ء میں میں نے ''شرح صحیح مسلم'' لکھنی شروع کی' میری کمر میں بہت درد رہتا تھا' مجھے شوگر' ہائی بلڈ پریشر اور کولیسٹرول کی زیادتی کی بیماریاں لاحق تھیں' میں نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین کی خدمت کرنا چاہی تو اللہ تعالیٰ میرے کام میں آسانیاں پیدا فرماتا رہا' اب عمر کا آخری دور ہے' اب شمسی تقویم کے لحاظ سے میری عمر سڑسٹھ سال ہو چکی ہے' بیماریوں کی وجہ سے کوئی توانائی کی چیز کھا نہیں سکتا' کمزوری بہت بڑھ گئی ہے' اب کام کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی توقع پر مشکلات کے باوجود کام میں لگا رہتا ہوں' کیونکہ اس نے فرمایا ہے: اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا' سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اس مشن میں ثابت قدم رکھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کے لیے ہلاکت ہو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے○ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل کیا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا○ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' اللہ نے ان پر ہلاکت مسلّط کر دی اور کافروں کے لیے ایسی بہت مثالیں ہیں○ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے○ (محمد: ۱۱-۸)

''تعسًا لھم'' کے معانی

محمد: ۸ میں فرمایا ہے: ''تعسًا لھم'' اس کے حسبِ ذیل معانی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریج نے کہا: ان کافروں کے لیے دوری ہو (۲) سدی نے کہا: ان کے لیے غم ہو (۳) ابن زید نے کہا: ان کے لیے بدبختی ہو (۴) حسن بصری نے کہا: اللہ کا ان پر غضب ہو (۵) ثعلب نے کہا: ان کے لیے

ہلاکت ہو(۶) ضحاک نے کہا: ان کے لیے ناکامی ہو(۷) نقاش نے کہا: ان کے لیے خرابی ہو(۸) ثعلب کا دوسرا قول ہے: ان کے لیے شر ہو(۹) ضحاک کا دوسرا قول ہے: ان کی ناک خاک آلود ہو(۱۰) ابوالعالیہ نے کہا: ان کی بدنصیبی ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ ''التعس'' کا معنی ہے: گرنا اور پھسلنا' ابن السکیت نے کہا: ''التعس'' کا معنی ہے: منہ کے بل گرنا اور ''النکس'' کا معنی ہے: سر کے بل گرنا اور ''التعس'' کا معنی ہلاکت بھی ہے اور الجوہری نے کہا: ''التعس'' کا معنی ہے: اوندھے منہ گرنا۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعس عبد الدینار والدرھم والقطیفة والخمیصة ان اعطی رضی وان لم یعطی لم یرض. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۶)

درہم اور دینار اور مخملی چادر اور سیاہ نقشین چادر کے بندے ہلاک ہو گئے ان کو اگر کچھ مل جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا' کیونکہ وہ شیطان کی اطاعت میں عمل کرتے تھے۔

کفار کے اعمال ضائع کرنے کی وجہ

محمد: ۹ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل کیا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

یعنی کافروں کو ہلاک اور نامراد کرنا اور ان کے اعمال کو ضائع کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اور شریعتیں نازل کی تھیں وہ ان کو ناپسند کرتے تھے اور برا جانتے تھے' تو انہوں نے اپنی دانست میں جو بھی نیک کام کیے تھے مثلاً وہ لوگوں کو خیرات دیتے تھے' مہمان نوازی کرتے تھے اور حرم کی تعمیر کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے ان تمام کاموں کو ضائع کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔

سابقہ امتوں پر عذاب کی کیفیت اور اس زمانہ کے کافروں کے عذاب کی کیفیت

محمد: ۱۰ میں فرمایا: کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' اللہ نے ان پر ہلاکت مسلط کر دی اور کافروں کے لیے ایسی بہت مثالیں ہیں O

اللہ نے ان پر ہلاکت مسلط کر دی' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی متاع دنیا کو ہلاک کر دیا' ان کے اموال' اولاد' ازواج اور ان کے اجسام تباہ اور برباد ہو گئے۔

اور کافروں کے لیے ایسی بہت مثالیں ہیں' یعنی جس طرح اہل مکہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا کفر کر رہے ہیں اور اسلام کا انکار کر رہے ہیں' اسی طرح سابقہ امتوں میں بھی کفار تھے جن پر انواع و اقسام کے عذاب آئے تھے' بعض پر زلزلے آئے' بعض پر سخت تندو تیز آندھیاں آئیں' بعض پر آگ برسی' بعض پر پتھر برسے اور بعض پر طوفان آیا۔ ان سابقہ امتوں پر آسمانی عذاب آئے تھے اور آپ کے زمانہ میں جو کفار تھے آپ کی رحمت کے سبب سے ان پر آسمانی عذاب نہیں آئے گا' لیکن زمین میں ان پر ذلت اور رسوائی کا عذاب آیا' انہوں نے آپ کے ساتھ جو جنگیں لڑیں ان میں ان کو قتل کیا گیا اور وہ قید کیے گئے۔

محمد: ۱۱ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

قتادہ نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم احد کی کسی گھاٹی میں تھے' اس وقت کفار نے چیخ

کر کہا: یہ دن بدر کے دن کا بدلہ ہے' ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا عزیٰ نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں ہے' یعنی اللہ کی طرف سے ان کے لیے کوئی مدد نہیں آئے گی' حدیث میں ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن (غزوۂ احد میں) ہمارا مشرکین سے مقابلہ ہوا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کا ایک لشکر بٹھا دیا تھا اور ان پر حضرت عبداللہ بن جبیر کو امیر مقرر کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا' خواہ تم یہ دیکھو کہ ہم ان پر غالب ہو گئے ہیں تب بھی تم یہاں سے نہ ہلنا اور خواہ تم یہ دیکھو کہ وہ (مشرکین) ہم پر غالب ہو گئے ہیں' تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا' اور ہماری مدد کے لیے نہ آنا' جب ہمارا مقابلہ ہوا تو کفار شکست کھا گئے' حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ ان کی عورتیں پہاڑوں کی گھاٹیوں میں دوڑ رہی تھیں اور انہوں نے اپنی پنڈلیوں سے اپنا کپڑا اٹھایا ہوا تھا اور ان کی پازیب ظاہر ہو رہی تھی' تو جن تیر اندازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا کیا تھا وہ کہنے لگے: مال غنیمت ہے' مال غنیمت ہے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے کہا: تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً نصیحت فرمائی تھی کہ تمہیں یہاں سے ہٹنا نہیں' وہ نہیں مانے اور جیسے ہی انہوں نے انکار کیا' ان کے چہرے پھر گئے اور ستر مسلمان قتل کر دیئے گئے اور ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا: کیا قوم میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کو جواب نہ دینا' پھر کہا: کیا قوم میں ابن ابوقحافہ (حضرت ابوبکر) ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کو جواب نہ دینا' پھر کہا: کیا قوم میں خطاب کا بیٹا (حضرت عمر) ہے؟ پھر کہنے لگا: یہ سب قتل کر دیئے گئے' اگر یہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے' پھر حضرت عمر ضبط نہ کر سکے' انہوں نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو زندہ رکھا ہے جو تجھے غم گین کریں گے' ابوسفیان نے کہا: ہبل بلند ہوا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو جواب دو' مسلمانوں نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ فرمایا: تم کہو: اللہ بلند اور برتر ہے' ابوسفیان نے کہا: ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا عزیٰ نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو جواب دو' مسلمانوں نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ فرمایا: تم کہو: اللہ ہمارا مولا (مددگار) ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ (مددگار) نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ ایک ڈول ہے' عنقریب تم ایک مثلہ دیکھو گے نہ میں نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ مجھے اس سے رنج ہوا ہے (مثلہ کا معنی ہے: جس کو قتل کر کے اس کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۹۴' عالم الکتب)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جنگوں میں شکست ہونا اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی علامت ہے تو اگر جنگ بدر میں کفار کو شکست ہوئی تو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو جو عذاب کفار پر آیا تھا وہ عذاب مسلمانوں پر بھی آیا' اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس وجہ سے شکست ہوئی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی' آپ نے فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم اس جگہ سے نہ ہٹنا' وہ مال غنیمت کو حاصل کرنے کے شوق میں وہاں سے ہٹ گئے تو انہوں نے جیتی ہوئی بازی ہار دی اور آج بھی مسلمانوں کی زبوں حالی اور کمزوری کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی اتباع سے منہ موڑ لیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت نے ان سے منہ موڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے حصول کا مدار آپ کی اتباع پر ہے اور بدر اور احد کی جنگوں میں ان کی واضح دلیل ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' بے شک اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ

فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، اور جن لوگوں نے کفر کیا

يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ

وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے○ اور کتنی ہی بستیاں آپ

قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ

کی اس بستی سے زیادہ قوت والی تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو وہاں سے نکالا، تو جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا

فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ

تو ان کا کوئی مددگار نہ تھا○ تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے

لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

جس کے برے عمل کو اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی○ جس جنت کا متقین

الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ

سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں ایسے دریا ہیں جن کا پانی متغیر نہیں ہوتا اور اس میں ایسے دودھ کے دریا ہیں

لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ

جن کا ذائقہ متغیر نہیں ہوتا اور اس میں ایسی شراب کے دریا ہیں جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہیں،

مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ

اور اس میں صاف ستھرے شہد کے دریا ہیں اور اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی مغفرت

مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ

ہے، کیا یہ (متقین) ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور جن کو ایسا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا

اَمْعَاۗءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓي اِذَا خَرَجُوْا مِنْ

جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا○ اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو غور سے آپ کی بات سنتے ہیں حتیٰ کہ جب

عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا قف اُولٰٓئِكَ

وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں

الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ

پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ہے O اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کی ہدایت

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

کو زیادہ کر دیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرما دیا O یہ لوگ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس قیامت اچانک آ جائے'

السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ج فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ج فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا

سو بے شک اس کی نشانیاں آ چکی ہیں' پس جب وہ (قیامت) ان کے پاس آ چکے گی تو ان کو نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں

جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ

میسر ہو گا O پس آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع

اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے اور اللہ تم سب لوگوں کی آمد و رفت اور آرام کی جگہ کو خوب جانتا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے بے شک اللہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے O اور کتنی ہی بستیاں آپ کی اس بستی سے زیادہ قوت والی تھیں جس کے باشندوں نے آپ کو وہاں سے نکالا تو جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو ان کا کوئی مددگار نہ تھا O تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے برے عمل کو اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی O (محمد: ۱۴۔۱۲)

دنیا کی نعمتوں سے استفادہ میں مومن اور کافر کی نیت اور عمل کا فرق

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں اور کافروں کی دنیا کے احوال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں ان کی آخرت کے احوال بیان فرما رہا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مؤمن آخرت میں جنت میں داخل ہو گا اور کافر آخرت میں دوزخ میں داخل ہو گا۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ کافر دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے تو مومن بھی تو دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی

طرح کھا رہے ہیں یعنی جس طرح جانوروں کا مطمحِ نظر کھانے سے صرف کھانے کی لذت حاصل کرنا' پیٹ بھرنا اور اپنی نسل بڑھانا ہوتا ہے' اسی طرح کافروں کا بھی کھانے سے مقصود صرف لذت اندوزی اور افزائشِ نسل ہے' اس کے برخلاف مومن کا کھانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی توانائی حاصل کر سکے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کر سکے۔ نیز جس طرح جانور اپنے طعام کے حصول میں جائز اور ناجائز ذرائع' حلال اور حرام' پاک اور ناپاک چیزوں کا فرق نہیں کرتے' اسی طرح کفار بھی اپنے طعام اور مشروب میں ان امور کا لحاظ نہیں کرتے' اس کے برخلاف مومن حلال اور پاک چیز کھاتا ہے اور ان چیزوں کو کھاتا ہے اور اس طرح کھاتا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے اور جن چیزوں کو آپ کھاتے تھے اسی طرح دنیا کی باقی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا معاملہ ہے' مومن دنیا کی جس چیز سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے اس کے پیش نظر اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آخرت ہوتی ہے اور کافر دنیا کی جس چیز سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے اس کے سامنے محض اپنے نفس کی اطاعت اور دنیا ہوتی ہے' سو دنیا کی نعمتوں سے استفادہ کرنے میں مومن اور کافر کی نیت اور عمل میں بہت فرق ہے۔

مشرکین کے ظلم وستم پر آپ کو تسلی دینا

محمد: ۱۳ میں فرمایا: اور کتنی بستیاں آپ کی اس بستی سے زیادہ قوت والی تھیں' جس کے باشندوں نے آپ کو وہاں سے نکالا تو جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

محمد: ۱۰ میں فرمایا تھا: کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' اللہ نے ان پر ہلاکت مسلّط کر دی۔ اسی طرح اس آیت میں بھی آپ کی تسلی کے لیے فرمایا ہے کہ کافروں اور مشرکوں نے اگر آپ کو آپ کے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے تو آپ اس پر صبر کریں' جس طرح سابقہ امتوں کے رسولوں نے کافروں کے مظالم پر صبر کیا تھا' ہم نے ان کی بستیوں سے زیادہ قوت والی بستیوں کو ہلاک کر دیا تھا اور اگر یہ لوگ بھی آپ پر ایمان نہ لائے تو یہ ہلاکت کے خطرہ میں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر غار کی طرف گئے تو آپ نے مکہ کی طرف مڑ کر فرمایا: تو اللہ کے نزدیک سب سے محبوب شہر ہے اور میرے نزدیک بھی تو سب سے محبوب شہر ہے اور اگر تجھ میں رہنے والے مشرکین مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔ (الکشف والبیان للثعلبی ج ۹ ص ۳۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

محمد: ۱۴ میں فرمایا: تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے بُرے عمل کو اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ○

جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہو اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور دلیل سے مراد اللہ کی وحی ہے جو آپ پر لگاتار نازل ہو رہی تھی۔

جس کے بُرے عمل کو اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے' اس سے مراد ابوجہل اور دیگر کفار ہیں' اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی' اس سے مراد ان کا بتوں کی عبادت کرنا اور بتوں کو اپنا حاجت روا ماننا ہے اور اس قسم کی اور خرافات۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں ایسے دریا ہیں جن کا پانی متغیر نہیں ہوتا اور اس میں ایسے دودھ کے دریا ہیں جن کا ذائقہ متغیر نہیں ہوتا' اور اس میں ایسی شراب کے دریا ہیں جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہیں' اور اس میں صاف ستھرے شہد کے دریا ہیں' اور اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی مغفرت ہے' کیا یہ (متقین) ان

لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور جن کو ایسا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا O اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو غور سے آپ کی بات سنتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ہے O (محمد: ۱۶۔۱۵)

جنت میں انواع واقسام کے مشروبات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور اعمالِ صالحہ کرنے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اب اس جنت کی صفت بیان فرما رہا ہے جس کا متقین سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس جنت کی ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ اس کے پانی کی بُو متغیر نہیں ہوگی' جیسے دنیا کا پانی پڑے پڑے بدبودار ہو جاتا ہے' جنت کا پانی اس طرح نہیں ہوگا اور جنت کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جنت میں دودھ کے دریا ہوں گے اور اس کے دودھ کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوگا جیسے دنیا کے دودھ کا ذائقہ تبدیل ہو کر ترش ہو جاتا ہے اور جنت کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جنت کی شراب لذیذ ہوگی' دنیا کی شراب کی طرح نہیں ہوگی' جس طرح دنیا کی شراب بدذائقہ ہوتی ہے' جنت کی چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ اس میں صاف ستھرے نتھرے ہوئے شہد کے دریا ہوں گے' یعنی اس شہد میں موم کے ذرات ہوں گے نہ موم کے اثرات ہوں گے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک پانی کا دریا ہے' ایک شہد کا دریا ہے' ایک دودھ کا دریا ہے اور ایک شراب کا دریا ہے پھر اس سے اور دریا نکلتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۱' مسند احمد ج ۵ ص ۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیحان اور جیحان' اور فرات اور نیل جنت کے دریاؤں میں سے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۹)

علامہ نووی نے کہا ہے کہ سیحان اور جیحان' یہ ارمن کے شہروں میں ہیں اور یہ بہت بڑے دریا ہیں' اور نیل مصر میں ہے اور فرات عراق میں اور ان دریاؤں کے جنت میں ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کی اصل جنت میں ہے۔

جنت میں دخول کے بعد مغفرت کے ذکر کی توجیہات

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی مغفرت ہے۔

اس سے پہلے مشروبات یعنی پینے کی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اب ماکولات یعنی کھانے کی چیزوں کا ذکر فرمایا اور چونکہ جنت میں کسی کو بھوک اور پیاس نہیں لگے گی سب جنتی محض لذت کے لیے کھائیں گے' اس لیے کھانے کی چیزوں میں روٹی اور سالن کا ذکر نہیں فرمایا' بلکہ پھلوں کا ذکر فرمایا' کیونکہ پھلوں کو بھوک ختم ہونے کے بعد لذت کے لیے کھایا جاتا ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں فرمایا ہے: اور ان کے رب کی مغفرت ہے' حالانکہ جنت میں دخول مغفرت کے بعد ہی ہوتا ہے تو جنت میں دخول اور جنت کی نعمتیں دینے کے بعد مغفرت کے ذکر کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: ان کو جنت میں پھل ملیں گے اور جنت میں دخول سے پہلے ان کو مغفرت مل چکی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مغفرت سے مراد رفع تکلیف ہے' یعنی اب وہ مکلف نہیں ہیں اور ان سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا سو وہ جنت کے مشروبات سے پئیں اور جنت کے پھلوں سے بے فکر ہو کر کھائیں ان سے کھانے پینے کا بلکہ جنت کی کسی بھی نعمت کا حساب نہیں ہوگا' اس کے

برخلاف دنیا میں وہ جو کچھ کھاتے اور پیتے تھے اور دوسری نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے اس میں سے ہر چیز کا آخرت میں حساب ہونا تھا اور جنت میں کسی نعمت سے فائدہ اٹھانے کا حساب نہیں ہوگا اور اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ مغفرت کا معنی ہے: ستر یعنی جب بندے کی مغفرت ہوتی ہے تو اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے' دنیا میں کھانے پینے کے بعد چند قبیح اور بُری چیزوں کا ظہور ہوتا ہے' مثلاً پیشاب اور پاخانہ آتا ہے' بدبودار ہوا خارج ہوتی ہے' بعض اوقات غذا ناموافق ہوتی ہے اور مختلف بیماریاں ہو جاتی ہیں' جنت میں کھانے پینے کے بعد ایسا کچھ نہیں ہوگا اور کھانے پینے کے یہ تمام قبیح اور بُرے عوارض مستور ہو جائیں گے' گویا کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کے لوازم کی مغفرت کر دی ہے اور دنیا میں کھانے پینے کے لوازم بہرحال پیش آتے ہیں' اس لیے فرمایا: جنت میں کھانے اور پینے کی لذیذ چیزیں اور ان کے لوازم کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت کر دی ہے۔

آخرت میں کفار کا عذاب

اس کے بعد فرمایا: کیا یہ (متقین) ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور جن کو ایسا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا O

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کفار آخرت میں مؤمنین کے ہر حال کے مخالف ہوں گے' مؤمنین جنت کے باغات' محلات اور عیش و آرام میں ہوں گے اور کفار دوزخ کی آگ میں جل رہے ہوں گے' مؤمنین کے پینے کے لیے طرح طرح کے انواع و اقسام کے لذیذ مشروبات ہوں گے اور کفار کے لیے ایسا کھولتا ہوا پانی ہوگا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سننے میں منافقین کی کیفیت

محمد: ۱۶ میں فرمایا: اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو غور سے آپ کی بات سنتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ہے O

محمد: ۱۵ کے اخیر میں یہ بیان فرمایا تھا کہ کفار کا آخرت میں کیا حال ہوگا ان کو پینے کے لیے ایسا کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور اس آیت: (محمد: ۱۶) میں یہ بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں منافقین کے کیا کرتوت ہیں جن لوگوں کے لیے ان کے اعمال دنیا میں مزین کر دیئے گئے ہیں ان میں سے بعض کفار ہیں جو دنیا کی نعمتوں سے نفع اٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح جانور اور مویشی کھاتے ہیں اور ان میں سے بعض منافقین ہیں جیسے عبد اللہ بن ابی ابن سلول' رفاعۃ بن التابوت' زید بن الصلت' حارث بن عمرو' مالک بن دخشم وغیرہم یہ لوگ جمعہ کے خطبہ میں حاضر ہوتے تھے اور خطبہ کو غور سے سنتے تھے اور جب آپ خطبہ میں منافقین کا ذکر فرماتے تو پھر خطبہ سننے سے اعراض کرتے اور جب مسجد سے باہر آتے تو لوگوں سے سوال کرتے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا' یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے' مسلمان آپ کے ارشادات کو یاد رکھتے تھے اور کفار یاد نہیں رکھتے تھے اور جب آپ کی مجلس سے اٹھتے تو اہل علم سے آپ کے ارشادات کے متعلق سوال کرتے تھے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا' عکرمہ نے کہا: اہل علم سے مراد حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں ان اہل علم سے ہوں جن سے سوال کیا جاتا تھا' ایک روایت یہ ہے کہ اہل علم سے مراد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں' قاسم سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرت

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہیں اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد عام صحابہ ہیں' اور وہ یہ کہتے تھے کہ ابھی آپ نے کیا فرمایا ہے' یہ استہزاء کہتے تھے یعنی ہم نے آپ کے قول کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ گویا آپ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کی دو قسمیں تھیں' ایک وہ لوگ تھے جو آپ کے ارشادات کو سمجھتے تھے اور آپ کے ارشادات کو سن کر نفع اٹھاتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے' یہ مسلمان تھے اور دوسرے وہ تھے جو آپ کے ارشادات کو غفلت اور بے توجہی سے سنتے تھے اور ان پر عمل کر کے ان سے نفع نہیں اٹھاتے تھے اور یہ منافقین تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے' پھر فرمایا: ان لوگوں نے (کفر میں) اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرما دیاO یہ لوگ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس قیامت اچانک آ جائے' سو بے شک اس کی نشانیاں آ چکی ہیں' پس جب وہ (قیامت) ان کے پاس آ چکے گی تو ان کو نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں میسر ہوگاO پس آپ یاد رکھیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے اور اللہ تم سب لوگوں کی آمد و رفت اور آرام کی جگہ کو خوب جانتا ہےO (محمد: ۱۹۔۱۷)

ھادی' ہدایت اور تقویٰ کے مصداق کے متعلق متعدد اقاویل

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا' اس میں ہدایت دینے والے کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان میں زیادہ ہدایت کو پیدا کر دیا (۲) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو ہدایت پیدا کی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت کو جاری اور نافذ کر دیا (۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تلاوت کی سماعت نے ان کی ہدایت کو مزید مستحکم کر دیا (۴) منافقین کے اعراض کرنے اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے سے ان کی ہدایت پر گرفت اور مضبوط ہو گئی (۵) آیات ناسخہ کے نزول سے ان کی ہدایت زیادہ ہو گئی۔

ان کی جو ہدایت زیادہ ہوئی اس کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ان کا علم دین زیادہ ہو گیا (۲) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات توجہ اور غور سے سن کر علم حاصل کرتے اور علم کے تقاضوں پر عمل کرتے (۳) ان کی دینِ اسلام پر بصیرت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق زیادہ ہو گئی (۴) ان کا اپنے ایمان پر شرح صدر زیادہ ہو گیا۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور ان کو تقویٰ عطا فرما دیا' یعنی ان کو تقویٰ کا الہام کر دیا' اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خوف عطا فرما دیا (۲) ان کے تقویٰ کا آخرت میں ان کو ثواب عطا فرما دیا (۳) ان کو فرائض پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دی (۴) ان کو یہ الہام فرما دیا کہ وہ محرمات اور مکروہات کے ارتکاب سے اور فرائض اور واجبات کے ترک سے اجتناب کریں (۵) منسوخ شدہ احکام پر عمل کرنے کو ترک کر دیں اور احکام ناسخہ پر عمل کرنے کو اپنائیں (۶) جب سہولت ہو تو عزیمت پر عمل کریں اور جب ضرورت ہو یا سختی اور تنگی ہو تو رخصت پر عمل کریں' مثلاً سفر خوشگوار اور آسان ہو تو روزہ رکھیں اور سفر مشکل اور سخت ہو تو روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کر لیں' اسی طرح جب صحت مند ہوں تو روزہ رکھیں اور جب بیمار ہوں تو روزہ ترک کر دیں اور بعد میں اس کی قضاء کر لیں اور اگر دائمی مرض ہو تو روزہ کی جگہ فدیہ دے دیں۔

محمد: ۱۸ میں فرمایا: یہ لوگ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس قیامت اچانک آ جائے' سو بے شک اس کی

نشانیاں آ چکی ہیں پس جب وہ (قیامت) ان کے پاس آ چکے گی تو ان کو نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں میسر ہوگا O

قیامت کی نشانیاں

ضحاک اور حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخرالانبیاء ہیں' پس آپ کو دنیا میں مبعوث فرمانا قیامت کی علامتوں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے' حدیث صحیح میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: مجھے اور قیامت کو اس طرح (ساتھ ساتھ) بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٥٠٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٥١' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٢١٤' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٤٠۔ ٤٥' مسند احمد ج ٣ ص ١٢٤' سنن بیہقی ج ٣ ص ٢٠٦' الترغیب والترہیب ج ١ ص ٨٣' مجمع الزوائد ج ١ ص ٣١١' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ١٤٠٧' تاریخ بغداد ج ٦ ص ٢٨١' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ١٧٨٥' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ٧٧٠)

قیامت کی نشانیوں میں حسب ذیل امور کو بیان کیا گیا ہے:

(١) باندیوں سے مالکوں کا پیدا ہونا (٢) ننگے پیر' ننگے بدن' فقراء اور بکریوں کے چرانے والوں کا بڑی بڑی عمارتیں بنانا اور بادشاہ بن جانا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٩)

(٣) علم کا اٹھ جانا (٤) جہل کا زیادہ ہونا (٥) زنا بہ کثرت ہونا (٦) شراب کا زیادہ پیا جانا (٧) مردوں کا کم ہونا اور عورتوں کا زیادہ ہونا حتیٰ کہ ایک مرد کا پچاس عورتوں کی کفالت کرنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٨٠' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٠٥٦)

(٨) نااہل کو منصب دیا جانا۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ٥٩)

(٩) کثرتِ مال کی وجہ سے زکوٰۃ کو قبول نہ کرنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧١٢٠)

(١٠) سرزمینِ حجاز سے آگ کا نکلنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧١١٨' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٠٢)

(١١) مالِ غنیمت کو ذاتی دولت بنالینا (١٢) امانت کو مالِ غنیمت بنالینا (١٣) زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھنا (١٤) دین کے لیے علم حاصل نہ کرنا (١٥) مرد کا اپنی بیوی کی اطاعت کرنا اور اپنی ماں کی نافرمانی کرنا (١٦) دوست کو قریب کرنا اور اپنے باپ کو دور کرنا (١٧) مساجد میں شور مچانا (١٨) سب سے بدکار شخص کو قبیلہ کا سردار بنانا (١٩) کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کرنا (٢٠) گانے والیوں اور آلاتِ موسیقی کا ظہور (٢١) اس امت کے آخری لوگوں کا پہلے لوگوں کو بُرا کہنا (٢٢) شرابوں کا پیا جانا (٢٣) سرخ آندھیوں کا' زلزلوں کا' زمین میں دھنسنے کا' شکل مسخ ہونے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا ظہور۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٢١١)

(٢٤) امام مہدی کا ظہور اور ان کا دنیا میں عدل قائم کرنا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٢٨٢' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٢٣٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٧٩' مسند احمد ج ١ ص ٣٧٦)

(٢٥) دھویں کا ظہور (٢٦) دجال کا ظہور (٢٧) دابۃ الارض کا نکلنا (٢٨) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (٢٩) حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول (٣٠) یاجوج ماجوج کا نکلنا (٣١) تین بار زمین کا دھنسنا' مشرق میں' مغرب میں' جزیرۃ العرب میں (٣٢) آگ کا لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جانا (٣٣) آندھی کا لوگوں کو سمندر میں گرا دینا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٠١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٣١١' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢١٨٣)

محمد: ١٩ میں فرمایا: پس آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اور آپ اپنے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے اور اللہ تم سب لوگوں کی آمد و رفت اور آرام کی

جگہ کو خوب جانتا ہےo

آپ پہلے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے عالم تھے پھر کیوں فرمایا: جان لیجئے؟

اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے: "فاعلم انه لا اله الا الله" یعنی آپ علم یقین کے ساتھ جان لیجئے' اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ کو تو پہلے ہی علم تھا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' پھر کیوں فرمایا کہ آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) آپ کو جو توحید کا علم حاصل ہوا ہے یہ نظر واستدلال سے حاصل نہیں ہوا' یہ علم آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست الہام اور القاء فرمایا ہے۔

(۲) یہ نظر واستدلال سے حاصل شدہ ظنی علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم یقینی ہے۔

(۳) یقین کی تین قسمیں ہیں: علم الیقین' عین الیقین' حق الیقین' جو علم خبر صادق سے حاصل ہو وہ علم الیقین ہے اور جو علم مشاہدہ سے اور دیکھ کر حاصل ہو وہ عین الیقین ہے اور جو علم تجربہ سے حاصل ہو وہ حق الیقین ہے' پہلے آپ کو وحی کے ذریعہ توحید کا علم الیقین حاصل ہوا' پھر جب شب معراج آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا اور اس کی توحید کا مشاہدہ کر لیا تو پھر آپ کو توحید کا عین الیقین حاصل ہو گیا' سو اس آیت میں علم الیقین سے عین الیقین کی ترقی کی طرف اشارہ ہے یعنی پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر علم الیقین تھا اور اب عین الیقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کو جان لیجئے۔

(۴) اس آیت میں علم سے مراد ذکر ہے یعنی یاد کرنا یا یاد رکھنا' پس آپ کو توحید کا علم تو ہے مگر اس کو ہمیشہ یاد رکھئے۔

(۵) علم سے مراد ہے: ذکر کرنا' یعنی آپ اس کا ذکر کیجئے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

علم کی فضیلت اور علم کا عمل پر مقدم ہونا

اس آیت میں علم کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ پہلے علم کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد استغفار کرنے کا ذکر فرمایا ہے یعنی علم' عمل پر مقدم ہے' پہلے یہ جان لیجئے کہ صرف اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے' پھر اس کی عبادت کیجئے' کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اسی طرح دیگر آیات میں بھی ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ. (الحدید: ۲۰)

جان لو کہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے اور زینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. (الحدید: ۲۱)

لو دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی پہنائی (وسعت) آسمان اور زمین کی پہنائی کی مثل ہے۔

اس آیت میں پہلے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کے علم کا ذکر فرمایا' پھر اس علم کے تقاضے پر عمل کا ذکر فرمایا کہ اپنے رب کی مغفرت اور جنت کو طلب کرو۔ نیز فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. (الانفال: ۴۱)

جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور قرابت داروں کا' اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔

اس آیت میں بھی پہلے علم کا ذکر فرمایا ہے اس کے بعد عمل کا ذکر فرمایا ہے' یعنی مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کے لیے روانہ کرنے کا۔ نیز فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ . اور جان لو کہ اللہ کو تمہارے دل کی باتوں کا بھی علم ہے سو تم (البقرہ:۲۳۵) اس سے ڈرتے رہا کرو۔

پہلے یہ حکم دیا کہ یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے' پھر اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہا کرو۔

''واستغفر لذنبك'' پر آپ کی عصمت کی بناء پر اشکال

اس آیت میں فرمایا ہے: واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات.

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی ایک کتاب میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے۔

(احسن الوعاص ص ۲٦' مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز' کھارادر' کراچی)

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں آپ کی طرف گناہ کی نسبت کی ہے حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں' خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو خطاء اجتہادی سے بھی معصوم ہیں پھر آپ کی طرف گناہ کی نسبت کرنے کا کیا محمل ہے؟ علماء کرام نے اس آیت کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

اشکال مذکور کا جواب علامہ قرطبی مالکی کی طرف سے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے دو جواب ہو سکتے ہیں:

(۱) اگر (بالفرض) آپ سے گناہ صادر ہو جائے تو آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔

(۲) آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آپ کے لیے کافروں اور مؤمنوں کا حال بیان کیا گیا تھا اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ایمان پر ثابت قدم رہیں یعنی آپ توحید اور استغفار پر جمے رہیں اور ان کاموں سے احتراز کریں جن کے ارتکاب پر استغفار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے اور مراد آپ کی امت ہے اور اس قول کی وجہ سے انسان پر واجب ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے لیے استغفار کرے۔

ایک قول یہ ہے کہ کفار اور منافقین کے کفر سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: یعنی آپ کو جو غم ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا' سو آپ اللہ کے سوا اور کسی کے ساتھ اپنے دل کا تعلق نہ رکھیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں تعلیم امت کے لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے تا کہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے استغفار کیجئے۔

اس کا معنی ہے: ان کے گناہوں کے لیے استغفار کیجئے' اس آیت میں آپ کو شفاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سرجس مخزومی بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کے طعام سے کھایا' پھر میں نے کہا: یارسول اللہ! اللہ آپ کی مغفرت کرے' میرے شاگرد نے کہا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے استغفار کیا؟ میں نے کہا: ہاں! پھر یہ آیت پڑھی: "واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات" پھر میں واپس مڑا تو میں نے آپ کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی' اس پر مسوں کی طرح تل جمع تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۴۶)(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۲۲۔۲۲۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اشکال مذکور کا جواب امام رازی شافعی کی طرف سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں خطاب آپ کے ساتھ ہے اور مراد مؤمنین ہیں اور یہ جواب بعید ہے کیونکہ مؤمنین اور مؤمنات کا الگ سے ذکر کیا گیا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "لذنبك" سے مراد ہے: آپ اپنے اہل بیت کے لیے استغفار کیجئے اور عام مؤمنین اور مؤمنات کے لیے استغفار کیجئے جو آپ کے اہل بیت سے نہیں ہیں۔

(۲) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی استغفار کا حکم دینا مراد ہے اور ذنب سے مراد ترک افضل (خلاف اولیٰ) ہے جو آپ کے مرتبہ کے بلندی کے اعتبار سے ذنب ہے اور ذنب کی حقیقت سے آپ بَری ہیں اور بہت دور ہیں۔

(۳) اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نیک عمل کرنے اور بُرے عمل سے اجتناب کی توفیق طلب کریں اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ استغفار کا معنی ہے: مغفرت کو طلب کرنا اور مغفرت کا معنی ہے: برے کام پر پردہ ڈالنا اور جو معصوم ہوتا ہے اس کی بُری خواہشوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور اب مغفرت طلب کرنے کا معنی یہ ہے کہ تو ہمیں شرمندہ نہ کرنا۔ اور یہ مرتبہ کبھی عصمت سے حاصل ہوتا ہے' پس وہ شخص گناہ نہیں کرتا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درجہ حاصل ہے اور کبھی گناہ ہونے کے بعد اس پر مغفرت کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے' جس طرح مؤمنین اور مؤمنات کو یہ درجہ حاصل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ "فاستغفر لذنبك" کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنے لیے عصمت پر ثبات اور دوام کو طلب کیجئے اور "وللمؤمنين والمؤمنات" کا معنی یہ ہے کہ آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اشکالِ مذکور کا جواب علامہ آلوسی حنفی کی طرف سے

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس اشکال کے حسب ذیل جوابات لکھے ہیں:

(۱) اس آیت میں استغفار کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد ہے: تواضع' انکسار اور تقصیر کا اعتراف (یعنی بندے میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ کی نعمتوں کا کماحقہٗ شکر ادا کر سکے سو اس تقصیر کا اعتراف مراد ہے) اور یہ معانی استغفار کرنے کو لازم ہے۔

(۲) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقت استغفار مراد ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت استغفار کرتے تھے۔ امام احمد' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن حبان' حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے دل پر حجاب چھا جاتا ہے اور میں ہر روز سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

اور امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم شمار

کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں سو مرتبہ یہ دعا کرتے تھے: اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما' بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۴)

(۳) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ذنب سے مراد ہے: ترک اولیٰ اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک کام ایک شخص کے اعتبار سے نیکی ہو اور دوسرے کے اعتبار سے گناہ ہو' جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر لحظہ پہلے مقام سے زیادہ بلند مقام ہوتا ہے (جیسے اجتہادی خطا پر ہمیں ثواب ملتا ہے اور انبیاء علیہ السلام اس کو ذنب قرار دے کر اس پر استغفار کرتے ہیں' مثلاً حضرت آدم کا شجر ممنوع سے کھانے پر استغفار کرنا اور حضرت موسیٰ کا قبطی کو تادیباً گھونسا مارنے پر اس کو ذنب قرار دے کر استغفار کرنا)۔

(۴) ''وللمؤمنین والمؤمنات'' میں حرف جر کے اعادہ میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب سے مراد ہے: ترک اولیٰ اور عام مؤمنوں کے ذنوب سے مراد معاصی صغیرہ اور کبیرہ یعنی دونوں ذنوب میں تغائر ہیں' حرف جر کے اعادہ سے اسی کو ظاہر کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۸۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اشکالِ مذکور کا جواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی جانب سے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

(۸) استدلال بڑی ذمہ داری کا کام ہے' آریہ بیچارہ کیا کھا کر اوس سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے:

؎ نباشد بہ آئین تحقیق دال — کچوری و پوری و بھجیا و دال

شرط تمامی استدلال قطع ہر احتمال ہے علم کا قاعدہ مسلمہ ہے ''اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال'' سورۂ مومن و سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیات کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔ مومن میں تو اتنا ہے ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' (محمد: ۱۹) اے شخص! اپنی خطا کی معافی چاہ' کسی کا خاص نام نہیں' کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں' قرآنِ عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لیے اوترا نہ صرف اوس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے ''اقیموا الصلوٰۃ'' نماز برپا رکھو یہ خطاب جیسا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیام قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی' اسی قرآنِ عظیم میں ہے: ''لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ'' (الانعام: ۱۹) کتب کا عام قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے ''بدان اسعدك الله تعالیٰ'' میں کوئی خاص شخص مراد نہیں' خود قرآن عظیم میں فرمایا: ''اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰىۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰىۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰىؕ'' (العلق: ۱۲۔۹) ابوجہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا' اوس پر یہ آیات کریمہ اتریں کہ کیا تو نے دیکھا اوسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے' بھلا دیکھ تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پرہیزگاری کا حکم فرمائے' یہاں بندے سے مراد حضور اقدس ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف' بلکہ فرماتا ہے: ''فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِؕ'' (التین: ۷) ان روشن دلیلوں کے بعد کیا چیز تجھے روزِ قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے' یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ اون میں بھی خاص منکرانِ قیامت مثل مشرکین آریہ و ہنود سے۔ یوں ہی دونوں سورۂ کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لیے ہے کہ اے سننے والے! اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ (۹) بلکہ آیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں' اس کی ابتداء یوں ہے: ''فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ ''(محمد:۱۹) جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہ' تو یہ خطاب اوس سے ہے جو ابھی ''لا الٰه الا الله'' نہیں جانتا ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے سننے والے! جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ تتمۂ آیت میں اس عموم کو واضح فرمادیا کہ ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ࣖ'' (محمد:۱۹) اللہ جانتا ہے جہاں تم سب لوگ کروٹیں لے رہے ہو اور جہاں تم سب کا ٹھکانا ہے' اگر ''فاعلم'' میں تاویل کرے تو ''ذنبك'' میں تاویل سے کون مانع ہے اور اگر ''ذنبك'' میں تاویل نہیں کرتا تو ''فاعلم'' میں تاویل کیسے کرسکتا ہے' دونوں پر ہمارا مطلب حاصل اور مدعی معاند کا استدلال زائل۔ (۱۰) دونوں آیۂ کریمہ میں صیغۂ امر ہے اور امر انشاء ہے اور انشاء وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بفرض وقوع استغفار واجب نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا جیسے کسی سے کہنا: ''اکرم ضیفك'' اپنے مہمان کی عزت کرنا' اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا ہی' بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔ (۱۱) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ''وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ'' (طٰہٰ:۱۲۱) آدم نے اپنے رب کی معصیت کی' حالانکہ خود فرماتا ہے: ''فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۠'' (طٰہٰ:۱۱۵) آدم بھول گیا' ہم نے اس کا قصد نہ پایا' لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اوس پر مواخذہ' خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: ''رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ'' (البقرہ:۲۸۶) اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ (۱۲) جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا اون کو سوا مشکل ہے

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا' شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے' اس لیے وارد ہوا ''حسنات الابرار سيئات المقربين'' نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (۱۳) آریہ بیچارے جن کے باپ دادا نے بھی کبھی عربی کا نام نہ سنا اگر نہ جانے تو ہر ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی' اردو' ہندی سب زبانوں میں رائج ہے' مکان کو جس طرح اوس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یوں ہی کرایہ دار کی طرف۔ یوں ہی جو عاریۃً لے کر بس رہا ہے اوس کے پاس ملنے آئے گا' یہی کہے گا کہ ہم فلانے کے گھر گئے تھے بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں' ایک دوسرے سے پوچھے گا: تمہارا کھیت کے جریب ہوا' یہاں نہ ملک نہ اجارہ نہ عاریت اور اضافت موجود' یوں ہی بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی' باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے ہاں سے یہ عطا ہوا تھا تو ''ذنبك'' سے مراد اہل بیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اوس کے بعد ''وللمؤمنين والمؤمنات'' تعمیم بعد تخصیص ہے یعنی شفاعت فرمایئے' اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں عورتوں کے لیے' اب آریہ کے اس جنون کا بھی علاج ہوگیا کہ پیروؤں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے تعمیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے: ''رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ'' (نوح:۲۸) اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۶۶۔ ۷۸' دار العلوم امجدیہ' کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی عبارت چونکہ مشکل اور غیر مانوس ہے اس لیے ہم سطور ذیل میں ان کے جوابات کی تسہیل

اور تنقیح کر رہے ہیں:

(۱) اس آیت سے قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ذنب سے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ یہ اعتراض ہو کہ آپ تو معصوم ہیں پھر آپ کو گناہ سے استغفار کا حکم کس لیے دیا ہے؟ یہ خطاب ہر سننے والے کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے: اے سننے والے! اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔

(۲) بلکہ اس آیت میں اس پر واضح قرینہ ہے کہ اس خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہیں کیونکہ اس میں فرمایا ہے: جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اپنے اور اپنے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہ۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خطاب اس شخص سے ہے جو ابھی یہ بھی نہیں جانتا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا معنی کیا ہے' لہٰذا اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہو سکتا۔

(۳) سورۃ المؤمن اور سورۂ محمد دونوں میں امر کا صیغہ ہے اور امر انشاء ہے اور انشاء وقوع کو مستلزم نہیں تو خلاصہ یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ سے ذنب واقع ہو تو آپ اپنے ذنب پر استغفار کریں اور آپ سے ذنب واقع ہو نہیں سکتا' کیونکہ آپ معصوم ہیں۔

(۴) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ معصیت قصداً اور عمداً ہو' بھولے سے بھی معصیت سرزد ہو جاتی ہے' جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے بھولے سے شجر ممنوع سے کھا لیا تھا اور اس کو ذنب نہیں کہتے' ذنب قصداً نافرمانی کو کہتے ہیں۔

(۵) جس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اس پر گرفت بھی سخت ہوتی ہے' نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں' مقربین کے نزدیک ترکِ اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' حالانکہ ترکِ اولیٰ گناہ نہیں ہوتا۔

(٦) ''ذنبک'' سے مراد اہل بیت کی لغزشیں ہیں اور آیت کا معنی اس طرح ہے: اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے شفاعت فرمائیے۔

ہمارے نزدیک ان جوابات میں راجح جواب یہ ہے کہ ذنب سے مراد بہ ظاہر ترکِ اولیٰ یا خلاف اولیٰ ہے کیونکہ یہ جواب قرآن مجید کی ظاہر آیات اور احادیث کے مطابق ہے' خصوصاً اس حدیث کے جس کا ہم نے الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ

اور ایمان والے کہتے ہیں: (جہاد کے متعلق) کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی' سو جب کوئی واضح سورت نازل کر دی

مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو (اے رسول مکرم!) آپ دیکھیں گے جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تو وہ آپ کی طرف

يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ۚ ﴿٢٠﴾

اس طرح دیکھیں گے جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس کے دل پر موت کی غشی طاری ہو پس ان کی ہلاکت بہت قریب ہے O

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا (زیادہ بہتر ہے) پس جب جہاد کا قطعی حکم آ گیا تو اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہتے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا

تو ان کے حق میں زیادہ بہتر تھاO تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد

فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ

کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گےO یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو

اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ

بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیاO تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے

اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ

یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیںO بے شک جو لوگ ہدایت کے واضح ہونے کے بعد (اسلام سے)

مِّنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى

پیٹھ موڑ کر پیچھے لوٹ گئے شیطان نے ان کو دھوکا دیا اور ان کو طویل زندگی کی امید

لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ

دلائیO اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کے نازل کردہ کلام کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض

فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ

کاموں میں تمہاری موافقت کریں گے اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہےO پس اس وقت ان کا کیا حال

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا

ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی سرینوں پر ماریں گےO اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں

مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور اللہ کی رضا کو انہوں نے ناپسند کیا سو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیاO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والے کہتے ہیں کہ (جہاد کے متعلق) کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی' سو جب کوئی واضح سورت نازل کر دی جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو (اے رسولِ مکرم!) آپ دیکھیں گے جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تو وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھیں گے جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس کے دل پر موت کی غشی طاری ہو پس ان کی ہلاکت بہت قریب ہےO اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا (زیادہ بہتر ہے)' پس جب جہاد کا قطعی حکم آ گیا تو اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو ان کے حق میں زیادہ بہتر تھاO (محمد: ۲۱۔۲۰)

قتال اور جہاد کی فرضیت سے مسلمانوں کا خوش ہونا اور منافقوں کا ناخوش ہونا

اس سے پہلی آیات میں مؤمنوں اور کافروں اور منافقوں کے معتقدات اور نظریات کو بیان فرمایا تھا اور ان آیتوں میں مؤمنوں اور منافقوں کے اعمال سے متعلق کیفیات کو بیان فرمایا ہے۔

جو مؤمنین اصحاب اخلاص ہیں وہ وحی کے شوق میں اور جہاد اور اس کے ثواب کی حرص میں یہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہیں نازل ہوئی' ان کی خواہش ہوتی تھی کہ کوئی ایسی سورت نازل ہو جس میں کفار کے خلاف قتال اور جہاد کا حکم دیا جائے اور جب کوئی سورت محکمہ نازل ہوتی جو بالکل واضح ہوتی اور جس کی کوئی آیت منسوخ نہ ہوتی اور اس میں کفار کے خلاف قتال اور جہاد کا حکم دیا جاتا تو اے رسول مکرم! آپ دیکھیں گے جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے' وہ آپ کی طرف اس شخص کی طرح دیکھیں گے جسے موت کا یا پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا گیا ہو اور اس حکم کے صدمہ سے اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے' سو ایسے لوگوں کی ہلاکت بہت قریب ہے یا ایسے لوگوں کے لیے عذاب بہت مناسب ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کا آخری حصہ دوسری آیت کے ابتدائی حصہ کے ساتھ مربوط ہے' یعنی ایسے لوگوں کے یے زیدہ لائق یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لیتے اور اس کی اطاعت کرتے اور نیک اور اچھی بات کہتے۔

اور پہلی تفسیر کے مطابق محمد: ۲۱' محمد: ۲۰ سے منفصل اور الگ ہے یعنی اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک اور اچھی بات کہنا زیادہ بہتر ہے۔

پس جب کفار کے خلاف قتال کو فرض یا واجب کر دیا گیا تو اس وقت اگر یہ لوگ اللہ کے اس حکم اور جہاد کے فرض ہونے کی تصدیق کرتے تو زیادہ بہتر تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو زمین میں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گےO یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیاO تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیںO (محمد: ۲۴۔۲۲)

جہاد سے روگردانی پر منافقوں کے عذر کا رد کرنا

اس آیت میں منافقین کے قول کے رد کی طرف اشارہ ہے' جب ان کو مشرکین کے خلاف قتال اور جہاد کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے جہاد میں نہ شریک ہونے کے متعلق یہ عذر پیش کیا کہ ہم مشرکین کے خلاف کیسے قتال کریں کیونکہ ایک تو انسانوں کو قتل کرنا زمین میں فساد پھیلانا ہے' دوسرے یہ کہ مشرکین عرب ہمارے رشتہ دار ہیں اور ہمارے قبیلوں کے ہیں سو ان سے قتال کرنا رحم کے رشتوں کو منقطع کرنا ہے اور قطع رحم کرنا اور رشتوں کو منقطع کرنا اچھا کام نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو یہ فرما کر رد کر دیا کہ اگر تم کو زمین میں حکمران بنا دیا جائے تو تم اپنی مرضی سے زمین میں فساد پھیلاؤ گے جو شخص تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کام کرے گا تو تم فوراً اس کو قتل کر دو گے اور وہ تمہارے رشتہ دار اور تمہارے قبیلہ ہی کے افراد ہوں گے تو تم قتل کر

کے زمین میں فساد ہی کرو گے اور رشتوں کو منقطع کرو گے' اللہ کے حکم سے جہاد کرنے کو تو تم زمین میں فساد پھیلانا کہتے ہو اور اپنی خواہش سے زمین میں فساد پھیلاتے رہو گے اور کیا تم زمانہ جاہلیت میں اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور نہیں کرتے رہے تھے' کیا تمہارا یہ فعل زمین میں فساد کرنا اور رشتوں کو منقطع کرنا نہیں تھا۔

محمد: ۲۲ میں ''ان تولیتم'' کی دو تفسیریں

اس آیت میں فرمایا ہے: ''ان تولیتم'' اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) یہ لفظ ولایت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: حکومت' یعنی اگر تم ولایت اور حکومت کو حاصل کر لو اور لوگوں پر تمہیں اقتدار حاصل ہو جائے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں کو منقطع کرو گے۔

(۲) یہ لفظ ''تولّی'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: اعراض کرنا اور روگردانی کرنا' یعنی تم کفار کے خلاف قتال اور جہاد سے اعراض کر رہے ہو اور یہ کہتے ہو کہ جہاد کی وجہ سے زمین میں فساد ہو گا اور رشتوں کو منقطع کیا جائے گا' کیونکہ کفار ہمارے رشتہ دار ہیں حالانکہ جب تم کو اقتدار مل جائے گا تو تم بھی یہی کچھ کرو گے۔

امریکا اور امریکا نواز حکومتیں بھی جہاد کی اسی وجہ سے مخالف ہیں حتیٰ کہ امریکا نواز مسلم حکومتیں نصاب سے جہاد کے متعلق آیتوں کو نکال رہی ہیں' وہ کہتے ہیں کہ جہاد کی وجہ سے انسانی خون بہایا جاتا ہے' اس لیے پاکستان میں جہادی تنظیموں پر پابندی لگا دی گئی ہے اور مسلمان فلسطین میں اسرائیلیوں کے تسلط کے خلاف اور مقبوضہ کشمیر میں ہندوؤں کے جبر کے خلاف جو جہادی کارروائی کر رہے ہیں' یہ لوگ اس کو دہشت گردی کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان افغانستان اور عراق میں امریکا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف جو جہادی کارروائی کرتے ہیں اس کو بھی دہشت گردی کہتے ہیں اور کوئی ان سے یہ نہیں کہتا کہ تم نے جو افغانستان کی بے قصور آبادیوں پر ہزاروں ٹن وزنی بم برسائے اور متعدد ملکوں کے اشتراک سے افغانستان پر حملہ کر کے غاصبانہ قبضہ کیا اور ہنوز وہاں پر بے قصور مسلمانوں کا خون بہا رہے ہو' اسی طرح تم نے برطانیہ اور دیگر یورپی ملکوں کے ساتھ مل کر بلا جواز عراق پر حملہ کیا اور غاصبانہ قبضہ کیا اور ہزاروں عراقیوں کا خون بہایا اور وہاں پر مہلک بم برسائے اور گوانتانا موبے میں افغانستان کے جنگی قیدیوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند کر کے رکھا اور عراق کے جنگی قیدیوں کو ابوغریب جیل میں عراقی مسلمانوں کو مادرزاد برہنہ کر کے ان پر خون خوار کتے چھوڑے اور ان کی گردن میں پٹہ ڈال کر ان کو زمین پر گھسیٹا اور قیدی خواتین کو برہنہ کر کے ان پر تشدد کیا' جس ظلم اور بربریت پر ساری دنیا کا پریس اور میڈیا چیخ رہا ہے۔ (یکم مئی ۲۰۰۴ء دی مررک رپورٹ) کیا یہ زمین میں فساد پھیلانا نہیں ہے' تم اپنے آپ کو مہذب قوم کہتے ہو' کیا یہی تہذیب اور شائستگی ہے' کیا یہی انسانی خون اور انسانی جان کا احترام ہے؟

اسی طرح ان منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ظالموں نے تم کو اقتدار سونپ دیا اور تم ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تو تم ان ظالموں کے ساتھ مل کر زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں کو قطع کرو گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اصلاح کرنے کا' امن کے ساتھ رہنے کا اور رشتے داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیتے ہیں' پھر تم کفار کے خلاف جہاد میں حصہ کیوں نہیں لیتے اور کیوں دور کی گم راہی میں جا رہے ہو؟

اس آیت میں چونکہ صلہ رحم کرنے کا اور قطع رحم کی مذمت کا ذکر آ گیا ہے اس لیے اس مناسبت سے ہم صلہ ارحام کے متعلق احادیث بیان کر رہے ہیں:

صلہ رحم کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو مہمان کی تکریم کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو صلہ رحم (رشتہ داروں سے حسن سلوک) کرنا چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو اچھی بات کرنی چاہیے یا خاموش رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے' اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحم کرے (رشتہ داروں سے میل جول رکھے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اس سے خوشی ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اور اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس سے بُری موت دور کی جائے' پس اس کو چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور رشتہ داروں سے میل جول رکھے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۳' المستدرک ج ۴ ص ۱۶۰)

خثعم کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ صحابہ کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے' میں نے سوال کیا: آیا آپ ہی وہ شخص ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا' میں نے کہا: یارسول اللہ! پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: پھر صلہ رحم ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: پھر نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ عزوجل کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ ناراضگی کا باعث ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک بنانا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر کون سا عمل مبغوض ہے؟ فرمایا: رشتوں کو توڑنا' میں نے کہا: یارسول اللہ! پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: بُرائی کا حکم دینا اور نیکی سے روکنا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۸۳۹' حافظ منذری نے کہا: امام ابویعلیٰ کی سند بہت اچھی ہے۔ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۷۰۰)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! مجھے وہ عمل بتلایئے جو مجھے جنت کے قریب کردے اور دوزخ سے دور کردے' آپ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھ کر فرمایا: اس کو (اچھے) سوال کی توفیق دی گئی ہے' پھر اعرابی سے پوچھا: تم نے کیا سوال کیا تھا؟ اس نے اپنا سوال دہرایا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحم کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم عرش کے ساتھ معلق ہے اور کہہ رہا ہے: جو مجھ سے ملاپ رکھے گا' اللہ اس سے ملاپ رکھے گا اور جو مجھ کو قطع کرے گا اللہ اس کو قطع کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ عزوجل فرماتا ہے: میں اللہ ہوں' میں رحمٰن ہوں' میں نے رحم کو پیدا کیا اور میں نے اس (رحم) کا نام اپنے نام (رحمٰن)

سے بنایا جو اس سے وصل (ملاپ) رکھے گا میں اس سے وصل (ملاپ) رکھوں گا اور جو اس سے قطع کرے گا میں اس سے قطع کروں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٦٩٤ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ١٩٠٧ 'مسند احمد ج ١ ص ١٩١ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٤٣)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا تو رحم کھڑا ہو گیا اور کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں تجھ سے قطع کرنے سے پناہ مانگی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! کیا تو اس بات سے راضی ہے کہ جو تجھ سے وصل رکھے میں اس سے وصل رکھوں اور جو تجھ سے قطع کرے میں اس سے قطع کروں' رحم نے کہا: کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس یہ تم کو مل گیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ○ (محمد: ٢٣۔٢٢)

تم سے یہ بعید نہیں کہ اگر تم کو زمین میں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٩٨٧ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٥٤)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا سود یہ ہے کہ مسلمان کی عزت کو ناحق پامال کیا جائے اور یہ رحم رحمٰن کی پیچیدہ شاخوں سے ہے جس نے اس کو قطع کیا' اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔

(مجمع الزوائد ج ٨ ص ١٥٠ 'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٣٥٧ 'مسند البزار رقم الحدیث: ١٨٩٤)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک کی پیروی کرنے والے نہ بن جاؤ اور یہ کہو کہ اگر لوگوں نے نیک سلوک کیا تو ہم بھی نیک سلوک کریں گے اور اگر لوگوں نے ظلم کیا تو ہم بھی ظلم کریں گے' لیکن اپنے آپ کو مشقت برداشت کرنے کا عادی بناؤ' اگر لوگ نیک سلوک کریں تو تم نیک سلوک کرو اور اگر لوگ ظلم کریں تو ظلم نہ کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٠٠٧)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص برابر کا سلوک کرے وہ صلہ رحم کرنے والا نہیں ہے' صلہ رحم کرنے والا وہ ہے جب اس سے رشتہ قطع کیا جائے تو وہ رشتہ جوڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٩٩١ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٦٩٧ 'سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩٠٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میرے ایسے رشتہ دار ہیں کہ میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں' میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں' وہ میرے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں اور میں برداشت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اگر فی الواقع ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے تو گویا کہ تم ان پر گرم راکھ مل رہے ہو اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کے خلاف تمہاری مدد کرتا رہے گا جب تک تم اسی طرزِ سلوک پر قائم رہو گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٥٨)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو' جو تم کو محروم رکھے اس کو عطا کرو اور جو تم کو گالی دے (یا بُرا کہے) اس سے درگزر کرو۔

(مجمع الزوائد ج ٨ ص ١٨٩ 'مسند احمد ج ٣ ص ٤٣٨ 'المعجم الکبیر ج ٢٠ ص ١٨٨)

محمد: ٢٣ میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

اس آیت میں منافقین کے متعلق پچھلے مضمون کی یاد دہانی فرمائی' چونکہ منافقین عمل کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں سنتے تھے' اس لیے ان کو بہرا فرمایا اور جب ان کو جہاد کا حکم دیا جاتا تو وہ یہ کہتے تھے کہ جہاد اور قتال سے زمین میں فساد پھیلے گا اور اس سے رشتے منقطع ہوں گے اس لیے وہ جہاد کے حکم پر عمل نہیں کرتے تھے اور چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو محبت اور عقیدت سے نہیں دیکھتے تھے اور اللہ کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو غور سے نہیں دیکھتے تھے اس لیے ان کو اندھا قرار دیا۔

لعنت کی اقسام میں علامہ شامی کی تحقیق

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس سے کوئی شخص اس شرط کے ساتھ نکاح کرے کہ وہ صحبت کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے گا تا کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تو یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا (دونوں پر) لعنت فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۳۵' سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)

ہر چند کہ یہ نکاح صحیح ہو گا لیکن یہ شرط باطل ہو گی اور دوسرے شوہر کو صحبت کے بعد طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا' ہاں! اگر عورت نکاح کے وقت تفویض طلاق کی شرط رکھ لے اور صحبت کے بعد خود پر طلاق نافذ کر دے تو اس شوہر کی عدت گزارنے کے بعد وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ۵ ص ۴۱-۴۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لعنت پر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لعنت کی حقیقت اللہ کی رحمت سے دور کرنا ہے اور یہ صرف کافر پر کی جاتی ہے' اس لیے جس معین شخص کی کفر پر موت کا دلیل سے علم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' خواہ وہ مشہور فاسق ہو جیسے یزید ہے' معتمد قول کی بنیاد پر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' اس کے برخلاف ابلیس' ابولہب اور ابوجہل پر لعنت کرنا جائز ہے اور غیر معین شخص پر بہ طور وصف لعنت کرنا جائز ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت ہو اور ظالموں پر لعنت ہو' یعنی یہ کافروں کا وصف ہے اس سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہیے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس وصف پر لعنت کی جائے جو گناہ کبیرہ ہو' کیونکہ گناہ کبیرہ کے علاوہ گناہ صغیرہ اور مکروہ تنزیہی پر بھی لعنت کی گئی ہے' جیسے تصویر بنانے والوں پر اور اس شخص پر جو لوگوں کی کراہت کے باوجود ان کی امامت کرے اور جو شخص راستہ میں قضاء حاجت کرے اور جو عورت اپنے ہاتھوں پر مہندی نہ لگائے اور جو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے اور مشت زن پر اور قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر' وغیرھا۔ لیکن جو کہتے ہیں کہ معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' ان پر یہ اشکال وارد ہو گا کہ قرآن مجید میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس اپنے علاوہ اور کوئی گواہ نہ ہو وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے:

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ — اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

(النور: ۷)

یہ لعنت مشروع کی گئی ہے اور یہ معین شخص پر لعنت ہے' اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس کے جھوٹے ہونے کی صورت

میں اس پر لعنت ہے' لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ بہر حال یہ معین شخص پر لعنت ہے۔
پھر میں نے علامہ قہستانی کی بحث لعان میں دیکھا کہ لعن کا معنی لغت میں دور کرنا ہے اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: کفار کو اللہ کی رحمت سے دور کرنا اور مؤمنین کے حق میں اس کا معنی ہے: درجہ ابرار سے ان کو ساقط کرنا۔
"البحر الرائق" کی لعان کی بحث میں مذکور ہے' اگر تم یہ پوچھو کہ آیا کاذب معین پر لعنت کرنا مشروع ہے؟ تو میں کہوں گا کہ "غایۃ البیان" کی عدت کی بحث میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جس سے چاہوں مباہلہ کر سکتا ہوں اور مباہلہ کا معنی ہے: ایک دوسرے پر لعنت کرنا اور ان کا جب کسی سے اختلاف ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے: ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو' اور انہوں نے کہا: یہ ہمارے زمانہ میں بھی جائز ہے اور اس بحث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسی صورتوں میں لعنت سے مراد ہے: ابرار یعنی نیک لوگوں کے درجہ سے دور کرنا نہ کہ اللہ عزوجل کی رحمت سے دور کرنا' اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں پر لعنت کی حقیقت مراد نہیں' بلکہ اس سے مقصود حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے کی خساست کو ظاہر کرنا ہے۔
پھر قہستانی نے یہ کہا ہے کہ اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ حلالہ کرنے والے پر لعنت کرنے سے اگر صرف اس کے فعل کی خساست کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا تو پھر اس کے فعل کو مکروہ تحریمی کہنے کی کیا وجہ تھی؟

(ردالمحتار ج ۵ ص ۴۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

لعنت کی اقسام میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ علامہ قہستانی' علامہ زین الدین ابن نجیم اور علامہ شامی کی عبارت سے مسلمان شخص معین پر لعنت کی تنقیح نہیں ہو سکی اور لعان میں جو بیوی پر تہمت لگانے والا مسلمان شخص معین یہ کہتا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اس کی توجیہ نہیں ہو سکی' اس لیے میں اللہ کی توفیق اور اس کی تائید سے لعنت کی اقسام اور ان کے احکام بیان کرتا ہوں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور کرنے کی دعا کرنا' یہ صرف اس معین شخص پر جائز ہے جس کی کفر پر موت کا دلیل قطعی سے علم ہو اور اس کے سوا کسی معین مسلمان پر اسی درجہ کی لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے ابلیس' ابولہب اور ابوجہل وغیرہم پر لعنت کرنا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے دور کرنے کی دعا کرنا جس کا تقاضا ہے کہ کسی معین مسلمان کو بغیر عذاب کے جنت میں داخل کر دیا جائے' یہ لعنت صرف ان مسلمانوں پر کرنا جائز ہے جو کسی گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں اور اس پر توبہ نہ کریں جیسا کہ النور: ۷ میں لعان کی آیت ہے' ایک مسلمان شخص یہ کہے: اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت کی یا جس طرح آپ نے سود کھانے والے' سود کھلانے والے اور اس کی معاونت کرنے والوں پر لعنت کی اور جو شخص اس سے کم درجہ کی برائی میں ملوث ہو' اس پر اس درجہ کی لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے دور کرنے کی دعا کرنا' جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی معین مسلمان کو اللہ تعالیٰ کا قرب خاص اور اس کی رضا حاصل نہ ہو' خواہ اس کو عذاب سے نجات حاصل ہو جائے' اس درجہ کی لعنت صرف ان مسلمانوں پر کرنا جائز ہے جو حرام اور مکروہ تحریمی سے کم درجہ کی برائی میں ملوث ہوں' جیسا کہ حدیث میں ان لوگوں پر لعنت کی گئی ہے: جو شخص لوگوں کی کراہت کے باوجود امامت کرائے' جو شخص راستہ میں قضاء حاجت کرے' جو عورت اپنے ہاتھوں پر مہندی نہ لگائے اور جو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے وغیرھا' اس قسم کے افراد کے علاوہ اس درجہ کی لعنت کرنا جائز

نہیں ہے۔
یہ لعنت کی وہ اقسام ہیں جو شخص معین پر کی جاتی ہیں اور چوتھی قسم وہ ہے جو افراد پر علی العموم کی جاتی ہے:
(۴) جو لوگ کسی ایسی صفت کے حامل ہوں جو شریعت میں مذموم ہے' سو ایسی صفات کے حاملین پر عموم اور اطلاق کے لحاظ سے لعنت کرنا جائز ہے' اس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں بہت ہے جیسے "**لعنة اللّٰه علی الکاذبین' لعنة اللّٰه علی الظالمین' لعنة اللّٰه علی الفاسقین**" وغیرھا۔ میں نے قرآن مجید کی آیات' احادیث اور عبارات فقہاء میں بہت غور وفکر کے بعد لعنت کی یہ اقسام' ان کی تعریفات اور ان کے احکام بیان کیے ہیں' اگر یہ حق ہیں تو یہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ہیں ورنہ اللہ اور اس کا رسول ان سے بَری ہیں۔

محمد: ۲۴ میں فرمایا: تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں O
یعنی یہ لوگ قرآن مجید پڑھتے نہیں اور اس میں برے کاموں پر جو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اس وعید سے ان پر خوف طاری نہیں ہوتا' تاکہ وہ ان کاموں کو نہ کریں جو عذاب اور ہلاکت کا موجب ہیں اور نیک کاموں پر جو ثواب کا وعدہ کیا ہے اور دائمی جنتوں' نعمتوں اور اللہ کے دیدار اور اس کی بشارت دی گئی ہے اس کو پڑھ کر ان کے دلوں میں آخرت کے اجر و ثواب کے حصول کا شوق پیدا نہیں ہوتا تاکہ ان کے دلوں میں نیک کام کرنے کی تحریک ہو یا ان لوگوں کے دلوں پر ان کی ضد' عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قفل ڈال دیئے گئے اور ان پر اس طرح مہر لگا دی گئی ہے کہ نصیحت اور ہدایت کی کوئی بات ان کے دلوں میں جا ہی نہیں سکتی۔
امام رازی نے اس جگہ یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو اندھا اور بہرا کر دیا ہے تو وہ قرآن میں کس طرح غور کر سکتے ہیں؟ پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس کام کی طاقت نہ ہو اس کا مکلف کرنا جائز نہیں ہے' ہمارے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ ان منافقوں کا قرآن مجید میں غور کرنا ممکن ہے' اسی اعتبار سے وہ قرآن مجید میں تدبر کرنے کے مکلف ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل اور ابولہب وغیرہم کے متعلق خبر دے دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس کے باوجود وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے۔

یزید پر لعنت کرنے کی بحث اور اس مسئلہ میں علامہ آلوسی کی رائے

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ نے محمد: ۲۲ کی تفسیر میں یزید پر لعنت کرنے کے جواز یا عدم جواز کی بحث کی ہے' ہم پہلے علامہ آلوسی کا کلام نقل کریں گے اور اس کے بعد اس بحث میں دیگر اکابر علماء کی آراء نقل کریں گے اور اس کے آخر میں ہم اپنا موقف بیان کریں گے۔
علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:
اس آیت سے یزید علیہ مایستحقہ پر لعنت کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے' علامہ برزنجی نے "الاشاعۃ" میں اور علامہ ہیتمی نے "الصواعق" میں نقل کیا ہے کہ جب امام احمد بن حنبل سے ان کے بیٹے عبداللہ نے یزید پر لعنت کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس پر لعنت کرنا کیوں کر جائز نہیں ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟ عبداللہ نے کہا: میں نے تو اللہ عزوجل کی کتاب پڑھی ہے' مجھے تو اس میں یزید پر لعنت کرنے کا ذکر کہیں نہیں ملا' امام احمد نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ.

تم سے یہ بعید نہیں کہ اگر تم کو زمین میں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے O یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ (محمد: ۲۳-۲۲)

اور یزید نے جو کچھ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اس سے بڑھ کر فساد اور رشتوں کو توڑنا اور کیا ہوگا؟

امام احمد کا یہ قول اس اصول پر مبنی ہے کہ معین فاسق پر لعنت کرنا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے' جمہور اس پر متفق ہیں کہ معین فاسق پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی' زندہ ہو یا مردہ' جس کی کفر پر موت دلیل سے معلوم نہ ہو' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ موت سے پہلے اسلام لے آئے' بہ خلاف اس شخص کے جس کی کفر پر موت معلوم ہو جیسے ابوجہل وغیرہ۔

شیخ الاسلام السراج البلقینی کا مذہب یہ ہے کہ فاسق معین پر لعنت کرنا جائز ہے' کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کرے اور اس کا شوہر اس پر غصہ میں رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۹۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۹)

لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ملائکہ علیہم السلام خصوصیت سے اس عورت پر لعنت نہ کرتے ہوں بلکہ وہ بالعموم لعنت کرتے ہوں کہ جو عورت اپنے شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر کے رات گزارے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

علامہ ابن حجر مکی نے ''الزواجر'' میں لکھا ہے کہ اگر شخص معین پر لعنت کے جواز میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا جائے تو زیادہ واضح ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرہ پر لوہا گرم کر کے داغ لگایا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اس پر داغ لگایا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۷' الرقم المسلسل: ۵۴۴۸)

بہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے اس معین شخص پر لعنت کی ہے جس نے اس گدھے پر داغ لگایا تھا' تاہم اس میں یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ آپ کی مراد وہ معین شخص نہیں تھا بلکہ جانوروں کے منہ پر داغ لگانے والے بالعموم لوگ مراد تھے۔

اور اس قول کی بناء پر کہ فاسق معین پر لعنت کرنی جائز ہے' یزید پر لعنت کرنے کے مسئلہ میں زیادہ توقف نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اس میں بہ کثرت اوصاف خبیثہ تھے اور وہ بہت کبائر کا ارتکاب کرتا تھا اور امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

اے اللہ! جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور ان کو دھمکائے تو اس کو دھمکا' اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' اس کا فرض قبول کیا جائے گا نہ نفل۔ (المعجم الطبرانی رقم الحدیث: ۶۶۳۱_۶۶۳۷' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اور یزید نے واقعہ حرہ میں اہل مدینہ پر ظلم کیا اور ان کو دھمکایا' اہل مدینہ کو قتل کیا' ان کے اموال لوٹ لیے' مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے اور تین دن اذان نہ ہو سکی اور سب سے بڑی قیامت یہ ہے کہ اس نے اہل بیت پر ظلم کیا اور حضرت حسین علیہ السلام کے قتل پر راضی ہوا اور ان کے گھر والوں کی اہانت کی اور یہ خبر تواتر سے ثابت ہے' اگرچہ اس کی تفاصیل اخبار احاد سے ثابت ہیں' اس سلسلہ میں ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چھ شخصوں پر لعنت کرتا ہوں اور ہر نبی نے ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا مستجاب ہوتی ہے: (۱) جو اللہ کی کتاب میں زیادتی کرے (۲) جو اللہ کی تقدیر کا انکار کرے (۳) جو جبر سے لوگوں پر مسلط ہو جائے تاکہ ان کو عزت دے جن کو اللہ نے ذلیل کیا اور ان کو ذلیل کرے جن کو اللہ نے عزت دی (۴) جس کو اللہ نے حرام کیا اس کو حلال کرے (۵) اور میری اولاد پر ان کاموں کو حلال کرے جن کو اللہ نے حرام کیا (۶) اور میری سنت کو (بہ طور اہانت) ترک کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢١٥٤ المستدرک ج ١ص ٣٦ الجامع الصغیر السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث: ٤٤ مشکوۃ رقم الحدیث: ١٩)

(ان دونوں حدیثوں سے استدلال کرنے پر یہ اعتراض ہے کہ ان کی سند ضعیف ہے۔)

اور یزید کے کفر اور اس پر لعنت کرنے کے جواز کی علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے' ان میں سے حافظ ابن جوزی ہیں اور ان سے پہلے امام ابویعلیٰ ہیں اور علامہ تفتازانی نے (شرح عقائد) میں لکھا: ہم یزید کے معاملہ میں کوئی توقف نہیں کرتے نہ اس کے ایمان میں توقف کرتے ہیں' اس پر اور اس کے حامیوں اور مددگاروں پر اللہ کی لعنت ہو' علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اس پر لعنت کے جواز کی تصریح کی ہے اور ابن الوردی کی ''تاریخ'' میں اور ''کتاب الوافی'' میں بھی یہ تصریح ہے۔

اور جب اہل بیت قید کر کے عراق میں یزید کے پاس لائے گئے تو وہ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد اور خواتین سے ملا' اس وقت شہداء کربلا کے مبارک سر نیزوں پر تھے اور وہ اس وقت جیرون کی وادی میں تھے' یزید نے ان کو دیکھ کر یہ اشعار پڑھے:

لما بدت تلك الحمول واشرفت	تلك الرؤوس على شفا جيرون
جب اونٹوں کا یہ قافلہ ظاہر ہوا	اور جیرون کے کنارے پر ان کے سر نیزوں پر بلند ہوئے
نعب الغراب فقلت قل او لم تقل	فقد اقتضبت من الرسول ديونی
کوا بولنے لگا تو میں نے کہا تو بول یا نہ بول	میں نے تو رسول اللہ سے اپنے قرضے وصول کر لیے

یزید کی مراد یہ تھی کہ جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نانا عتبہ کو اور اس کے ماموں ولید بن عتبہ کو اور اس کے دوسرے رشتہ داروں کو قتل کر دیا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ اور نواسے کے بیٹوں' بھانجوں اور بھتیجوں کو قتل کر کے بدلہ لے لیا اور پرانے قرضے وصول کر لیے۔ اور یہ کفر صریح ہے' پس جب یہ اشعار اس سے صحت کے ساتھ ثابت ہوں تو اس کا کفر ثابت ہو جائے گا۔

(اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے کہ یہ یزید کے کہے ہوئے اشعار ہیں۔)

امام غزالی نے یہ فتویٰ دیا کہ یزید پر لعنت کرنا حرام ہے اور علامہ سفارینی حنبلی اور ابن جوزی حنبلی نے ان کی مخالفت کی' اور ''کتاب الفروع'' میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے حجاج کو اسلام سے خارج کر دیا' ان پر اعتراض ہوا کہ پھر یزید کو کیا کہا جائے گا اور امام احمد کی تصریح اس کے خلاف ہے اور یہی ہمارے اصحاب کا مذہب ہے۔ شیخ ابن تیمیہ نے کہا: امام احمد کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت کرنا مکروہ ہے۔ (علامہ سفارینی لکھتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ مختار وہ ہے جو علامہ ابن جوزی' ابوحسین قاضی اور ان کے موافقین نے کہا' یعنی یزید پر لعنت کرنی جائز ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب ''اسرالمصون'' میں لکھا ہے کہ عام لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یزید کا موقف صحیح تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف خروج کرنے میں خطا کی اور اگر وہ تاریخ کی کتابوں کو پڑھتے کہ اس کی بیعت کس طرح لی گئی تھی اور کس طرح لوگوں کو مجبور کیا گیا اور اس نے اس دور میں ہر قسم کے قبیح کام کیے اور اگر ہم فرض کر لیں کہ اس کی بیعت صحیح تھی تو بعد میں اس نے ایسے کام کیے کہ ان میں سے ہر کام اس کی بیعت کے فسخ کو واجب کرتا ہے اور یزید کی طرف وہی مائل ہو گا جو جاہل ہو گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یزید کے متعلق اختلاف ہے' بعض کا قول یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اس نے اہل بیت کرام کے ساتھ جو کچھ کیا اس سے وہ گناہ گار ہوا لیکن اس وجہ سے اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور بعض نے کہا: وہ اسی طرح تھا لیکن اس پر لعنت کرنا مکروہ ہے یا بغیر کراہت کے جائز ہے اور بعض نے کہا: وہ کافر ملعون ہے اور بعض نے کہا: اس نے کوئی گناہ نہیں

کیا اور اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور اس قول کا قائل یزید کے حامیوں کے سلسلہ میں منسلک ہے (ہمارے زمانہ میں محمود عباسی اور اس کے حامیوں کا یہی مذہب ہے)۔ (علامہ آلوسی لکھتے ہیں:) اور میں کہتا ہوں کہ میرا ظن غالب یہ ہے کہ وہ خبیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مصدق نہیں تھا اور اللہ کے حرم (کعبہ مکرمہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم (اہل مدینہ) کے ساتھ اس کے افعال کا مجموعہ اور آپ کی عترت طیبہ طاہرہ کے ساتھ جو اس کا سلوک رہا' اس سے اس کا اتنا ایمان بھی ظاہر نہیں ہوتا جتنا اس کا ایمان ہو' جو قرآن مجید کو گندگی میں ڈال دے۔ العیاذ باللہ۔ اور میرا یہ گمان نہیں ہے کہ اس کا حال اکابر مسلمانوں سے مخفی تھا لیکن وہ حضرات مجبور اور مقہور تھے اور صبر کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا اور اگر مان لیا جائے کہ وہ خبیث مسلمان تھا تو وہ اتنے زیادہ گناہ ہائے کبیرہ کے ساتھ مسلمان تھا جن کا شمار بیان میں نہیں آ سکتا اور میرا مذہب یہ ہے کہ اس جیسے شخص پر معین کر کے لعنت کرنا جائز ہے اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ فاسقوں میں اس کی کوئی مثال ہو سکتی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس نے اپنے افعال پر توبہ نہیں کی اور اس کی توبہ کا احتمال اس کے ایمان کے احتمال سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور ابن زیاد' ابن سعد اور ان کے متبعین بھی اسی کے ساتھ لاحق ہیں' اللہ تعالیٰ کی ان سب پر لعنت ہو اور ان کے انصار و اعوان پر اور ان کی جماعت پر اور قیامت تک جو بھی ان کی طرف مائل ہو ان سب پر اللہ کی لعنت ہو اور جو ان پر شخصی لعنت کرنے سے احتیاط کی وجہ سے گریز کرتا ہو' اس کو یوں کہنا چاہیے کہ جو شخص قتل حسین سے راضی ہوا اور جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت طاہرہ کو ناحق اذیت پہنچائی اور جس شخص نے ان کا حق غصب کیا' ان سب پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو اور اب وہ یزید اور اس کے موافقین پر صراحت کے ساتھ لعنت کرنے والا نہیں ہو گا اور ان الفاظ کے ساتھ لعنت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہو گا' سوا علامہ ابوبکر ابن العربی اور ان کے موافقین کے جیسا کہ ان سے منقول ہے وہ اس پر لعنت کرنے کو جائز نہیں کہتے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہوا اور یہ ایسی گمراہی ہے جو یزید کی گمراہی سے بھی بڑھ کر ہے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۱۱۔۱۰۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہم علامہ آلوسی کی اس آخری عبارت سے سو فی صد متفق ہیں' جیسا کہ عنقریب ہمارے مؤقف سے واضح ہو گا۔

لعن یزید کے بارے میں علامہ ابن حجر مکی کی رائے

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ یزید اصل میں مسلمان ہے اور ہم اسی اصل کا قول کرتے ہیں جب تک کہ کسی دلیل قطعی سے اس کا اس اصل سے اخراج ثابت نہ ہو' اسی وجہ سے محققین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یزید کے معاملہ میں صحیح بات یہ ہے کہ توقف کیا جائے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے' کیونکہ وہ پوشیدہ چیزوں اور دلوں کے بھید کو جاننے والا ہے' اس لیے ہم اس کی تکفیر کے قطعاً درپے نہیں ہیں اور اسی قول میں سلامتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان تھا لیکن فاسق' شریر اور ظالم تھا۔

نیز علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ یزید کے فسق پر اتفاق کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ ابن جوزی نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور اس کو امام احمد وغیرہ سے نقل کیا ہے اور اپنی کتاب ''الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید'' میں لکھا ہے کہ مجھ سے ایک سائل نے سوال کیا: کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں نے کہا: نیک اور متقی علماء نے یزید پر لعنت کی ہے اور ان میں سے امام احمد بن حنبل ہیں۔ انہوں نے یزید کے بارے میں لکھا ہے: اس پر لعنت ہو۔ پھر علامہ ابن جوزی نے کہا کہ قاضی ابویعلیٰ الفراء نے اپنی کتاب ''المعتمد فی الاصول'' میں اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ صالح بن احمد بن حنبل نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد امام احمد سے کہا کہ لوگ ہمیں یزید کی محبت کا طعنہ دیتے ہیں تو

میرے والد (امام احمد) نے فرمایا: اے بیٹے! کیا جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو وہ یزید سے محبت کر سکتا ہے؟ اور اس پر کیوں نہ لعنت کی جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس آیت میں: ''فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝'' (محمد: ۲۳۔۲۲) ''پھر تم سے بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو (اقتدار کے نشہ میں) تم زمین میں فساد کرو گے اور اپنی قرابتوں کو منقطع کرو گے' یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا''۔ اور قتل اور خون ریزی سے بڑھ کر کون سا فساد ہوگا؟ قاضی ابویعلیٰ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو لعنت کے مستحق ہیں' اور ان میں یزید کا ذکر کیا ہے پھر یہ حدیث ذکر کی ہے: جس نے ظلماً اہل مدینہ کو دھمکایا (ڈرایا) اس کو اللہ تعالیٰ دھمکائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یزید نے لشکر بھیج کر اہل مدینہ کو ڈرایا دھمکایا۔ قاضی ابویعلیٰ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ ''صحیح مسلم'' میں ہے' اس لشکر نے بہت قتل اور خون ریزی کی اور بہت بڑا فساد کیا' لوگوں کو قید کیا اور مدینہ کو مباح کیا' یہ سب چیزیں مشہور ہیں' حتیٰ کہ تین سو کنواری لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی' تقریباً تین سو صحابہ قتل کیے گئے اور سات سو قرآن مجید کے قاری قتل کیے گئے' کئی دن تک مدینہ مباح رہا' مسجد نبوی میں کئی دن تک جماعت معطل رہی۔ کسی شخص کے لیے مسجد نبوی میں جانا ممکن نہیں تھا' حتیٰ کہ مسجد نبوی میں کتے اور بھیڑیئے داخل ہوتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر پیشاب کرتے رہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اس لشکر کا امیر اس وقت تک راضی نہیں ہوتا تھا جب تک کہ لوگ اس پر بیعت نہ کرلیں کہ وہ یزید کے غلام ہیں وہ چاہے تو ان کو بیچ دے اور چاہے تو ان کو آزاد کر دے اور جن مسلمانوں نے یہ کہا کہ ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر بیعت کرتے ہیں تو اس نے ان کی گردن اڑا دی' یہ واقعہ حرہ تھا' پھر یہ لشکر حضرت ابن الزبیر سے جنگ کے لیے گیا اور انہوں نے کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور اس میں آگ لگادی' ان برائیوں سے بڑھ کر کون سی بُرائی ہوگی؟

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ علماء کا دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یزید پر لعنت جائز نہیں ہے کیونکہ ہمارے نزدیک وہ چیز ثابت نہیں ہوئی جو لعنت کا تقاضا کرتی ہے۔ امام غزالی کا اسی پر فتویٰ ہے اور یہی چیز ہمارے ائمہ کے بیان کردہ قواعد کے لائق ہے۔ کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ کسی شخص معین پر اس وقت تک لعنت کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کی کفر پر موت کا یقین نہ ہو جائے کیونکہ لعنت کا مطلب ہے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل دور کر دیا جائے' حتیٰ کہ وہ اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائے اور یہ چیز اسی کے لیے جائز ہے جس کی کفر پر موت کا یقین ہو اور جس کی کفر پر موت کا یقین نہ ہو اس پر لعنت جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کافر پر اس کی زندگی میں لعنت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ممکن ہے وہ مرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے' نیز انہوں نے تصریح کی ہے کہ کسی معین مسلمان فاسق پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' اور جب تم نے ان کی یہ تصریحات جان لیں تو یہ بھی جان لو کہ ان کے نزدیک یزید پر لعنت جائز نہیں ہے' اگرچہ وہ فاسق خبیث تھا اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ اس نے حضرت حسین کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ اس پر خوش ہوا تھا' پھر بھی وہ کافر نہیں ہے' کیونکہ اس نے قتل کو جائز اور حلال نہیں سمجھا تھا اور اگر جائز سمجھا تھا تو تاویل سے سمجھا تھا خواہ وہ تاویل باطل تھی اور یہ کفر نہیں ہے' علاوہ ازیں اس کا حضرت حسین کو قتل کرنے کا حکم دینا اور اس پر خوش ہونا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے' بلکہ روایت صحیحہ سے اس کے خلاف ثابت ہے اور امام احمد نے قرآن مجید کی جس آیت سے یزید پر لعنت کا استدلال کیا ہے اور حدیث مسلم ''وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس

اجمعین ''سے جس نے یزید پر لعنت کا استدلال کیا تو ان دونوں سے یزید پر اس کا نام لے کر بخصوصہ لعنت کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور گفتگو اسی میں ہے۔ البتہ ان دلائل سے ان صفات پر لعنت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور یہ بلاشبہ جائز ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ یزید کا نام لیے بغیر یہ کہنا جائز ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین کو قتل کیا یا قتل کا حکم دیا یا قتل کو جائز قرار دیا اس پر راضی ہوا اس پر لعنت ہو' جس طرح بغیر تعیین کے یہ کہنا جائز ہے کہ مثلاً شراب پینے والے پر لعنت ہو اور یہی چیز آیت اور حدیث میں ہے' کیونکہ آیت میں کسی کا نام لیے بغیر یہ ہے کہ جو قرابت کو منقطع کرے اور زمین میں فساد کرے اس پر لعنت ہو' اسی طرح حدیث میں نام لیے بغیر ہے جو اہل مدینہ کو ڈرائے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' لہٰذا امام احمد وغیرہ کا اس آیت سے شخص معین پر بخصوصہ لعنت کا استدلال کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ پس واضح ہو گیا کہ بخصوصہ لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

(الصواعق المحرقہ ص ۲۲۳۔۲۲۱' مصر)

لعن یزید کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی رائے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں لکھتے ہیں: یزید پلید علیہ مایستحقہ من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماع اہل سنت فاسق وفاجر وجری علی الکبائر تھا۔ اسی قدر پر ائمہ اہل سنت کا اطباق واتفاق ہے' صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اتباع وموافقین اسے کافر کہتے ہیں اور بہ تخصیص نام اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس آیہ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں: '' فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ○ '' (محمد: ۲۳۔۲۲) کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو' یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا' حرمین طیبین وخود کعبہ معظمہ وروضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں' مسجد کریم میں گھوڑے باندھے' ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے' تین دن مسجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے اذان ونماز رہی' مکہ ومدینہ وحجاز میں ہزاروں صحابہ وتابعین بے گناہ شہید کیے' کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے۔ غلاف شریف پھاڑا اور جلایا' مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر میں حلال کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا' مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود کے پالے ہوئے تنِ نازنیں پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخواں مبارک چور ہو گئے' سر انور کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا' کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا' حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کیے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے' اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہو گا۔ ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق وفجور نہ جانے' قرآن مجید میں صراحۃً اس پر ''لعنهم الله'' فرمایا' لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعن وتکفیر سے احتیاطاً سکوت کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں' کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال' نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں۔ لقوله تعالیٰ: '' فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ إِلَّا مَنْ تَابَ '' (مریم: ۶۰۔۵۹) اور توبہ تا دم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے' مگر اس کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریاتِ مذہب اہلِ سنت کے خلاف ہے اور ضلالت وبدمذہبی صاف ہے بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شمہ ہو' '' وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ○ '' (الشعراء: ۲۲۷)۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۰۸۔۱۰۷' مکتبہ رضویہ کراچی)

یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کے سلسلہ میں مصنف کا مؤقف

یزید کے تین جرم متواتر ہیں' اس نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے جبری بیعت لینے کے لیے عبید اللہ بن زیاد کو روانہ کیا اور اس کو حضرت حسین کے مرتبہ اور مقام کی رعایت کرنے کی کوئی ہدایت نہیں کی۔ اس نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا یا نہیں اور قتل کی خبر سن کر خوش ہوا تھا یا نہیں؟ اس میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے' لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس نے قاتلین کو کوئی سزا نہیں دی جب کہ وہ سزا دینے پر پوری طرح قادر تھا اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ قتل اس کے ایماء سے ہوا اور وہ اس قتل سے راضی تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر کربلا میں جو ظلم و ستم ڈھایا گیا اور پھر ظالموں سے یزید نے بحیثیت حاکم کوئی باز پرس نہیں کی' انہیں مظالم کی وجہ سے بعض علماء (امام احمد' علامہ ابن جوزی اور علامہ تفتازانی وغیرہ) نے یزید پر لعنت کی ہے' ہر چند کہ محققین اور محتاط علماء نے یزید پر شخصی لعنت کرنے سے منع کیا ہے اور اسی میں سلامتی سمجھی ہے کہ یزید کے معاملے کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔

یزید کا دوسرا جرم مدینہ منورہ پر حملہ کا حکم دینا اور تین دن کے لیے مدینہ میں لوٹ مار' قتل و غارت گری اور عصمت دری کی عام اجازت دینا ہے' اس وجہ سے بھی علماء نے یزید پر شخصی لعنت کی ہے اور تیسرا جرم مکہ مکرمہ پر حملہ کا حکم دینا اور کعبہ کو جلانا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے ''العواصم من القواصم'' میں لکھا ہے کہ امام احمد نے ''کتاب الزہد'' میں یزید کا ذکر اخیار تابعین میں کیا ہے۔ میں نے ''کتاب الزہد'' پوری پڑھی اس میں یزید کا ذکر نہیں ہے۔ اس معاملہ میں یقیناً ابن عربی کو وہم ہوا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابن العربی کا یزید کو برحق اور حضرت حسین کو خاطی قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ہم اس نظریہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جس شخص نے آل رسول پر ظلم کیے' حرم مدینہ کی بے حرمتی کی' خانہ کعبہ کو جلایا' ہمارے دل میں اس کے بارے میں نرمی کا کوئی شمہ نہیں ہے' یہ شخص بہت بڑا ظالم اور فاسق و فاجر تھا' اگر ہمیں شرعی حدود و قیود اور قواعد شرعیہ کا پاس نہ ہوتا تو ہم یزید پر کفر کا حکم لگا دیتے اور اس پر شخصی لعنت کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہ ہوتا۔

یزید پر لعنت کرنے کی مکمل بحث ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۳ ص ۷۶۳ ۔ ۶۱۴ میں لکھی ہے جو قارئین اس موضوع پر زیادہ تفصیل جاننا چاہتے ہوں وہ اس بحث کا وہاں مطالعہ فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ہدایت کے واضح ہونے کے بعد (اسلام سے) پیٹھ موڑ کر پیچھے لوٹ گئے' شیطان نے ان کو دھوکا دیا اور ان کو طویل زندگی کی امید دلائی O اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کے کلام کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری موافقت کریں گے' اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے O پس اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی سرینوں پر ماریں گے O اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوا اور اللہ کی رضا کو انہوں نے ناپسند کیا سو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا O (محمد: ۲۸۔ ۲۵)

نیک اعمال کو آخر عمر تک ملتوی کرنے کی مذمت

اس آیت میں ان اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جو ''تورات'' کے مطالعہ سے یہ جان چکے تھے کہ آپ ہی آخری نبی ہیں کیونکہ ''تورات'' میں آپ کی صفات بیان کی گئی تھیں اور آپ کے مبعوث ہونے کا ذکر تھا' اس کے باوجود انہوں نے تعصب کی وجہ سے یا دنیاوی نذرانوں کے فوت ہو جانے کے خدشہ سے آپ کی نبوت کو ماننے سے انکار کیا اور اسلام لانے سے اعراض کیا' اسی طرح اس آیت سے ہر اس شخص کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کی حقانیت واضح ہونے کے باوجود اسلام قبول نہ کرے۔

اس آیت (محمد: ۲۵) میں جو فرمایا ہے کہ شیطان نے ان کو دھوکا دیا اور ان کو طویل زندگی کی امید دلائی' اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ابھی تمہاری زندگی بہت زیادہ ہے' تم جہاں تک ہو سکے اس دنیا کی لذتوں سے فیض یاب ہو' پھر عمر کے آخری حصہ میں اسلام قبول کر لینا' جیسے بعض نوجوان کہتے ہیں: ہم ابھی سے ڈاڑھی کیوں رکھیں' جب بوڑھے ہو جائیں گے تو ڈاڑھی رکھ لیں گے' بعض لوگ کالا خضاب لگا کر ڈاڑھی کالی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے تو کالا خضاب ترک کر کے مہندی لگا لیں گے' اسی طرح بعض لوگ نمازوں کے سلسلہ میں یہی کہتے ہیں' اسی طرح بعض امیر لوگوں پر حج فرض ہوتا ہے اور وہ آخر عمر تک حج کو ٹالتے رہتے ہیں' جب میں ۱۹۹۴ء میں حج کرنے گیا تو میں نے تمام اسلامی ملکوں کی بہ نسبت سب سے زیادہ پاکستان' ہندوستان اور بنگلہ دیش کے بوڑھے لوگوں کو حج کرتے ہوئے دیکھا اور سب سے زیادہ نوجوانوں کو حج کرتے ہوئے جو دیکھا وہ انڈونیشیا اور ملائشیا کے مسلمان تھے۔

محمد: ۲۶ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کے کلام کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری موافقت کریں گے' اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے O

یہودی اور مشرکین کس چیز میں ایک دوسرے کے موافق تھے اور کس چیز میں مخالف تھے؟

اس آیت میں ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے مشرکین سے یہ کہا تھا کہ ہم بعض باتوں میں تمہاری موافقت کرتے ہیں یہ کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول نہیں ہیں اور یہ کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے' لیکن ہم اس میں تمہاری موافقت نہیں کرتے کہ اللہ کے ساتھ بتوں کی بھی عبادت کرنی چاہیے اور اس میں کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے اور اس میں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے رسول نہیں بھیجتا اور نہ اس میں کہ موت کے بعد حشر و نشر' حساب و کتاب' جزاء و سزا اور جنت اور دوزخ نہیں ہوگی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین نے یہودیوں سے کہا ہو کہ ہم اس چیز میں تمہاری موافقت کرتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہیں اور قرآن اللہ کا نازل کیا ہوا کلام نہیں ہے لیکن ہم اس بات میں تمہاری موافقت نہیں کرتے کہ بت پرستی باطل ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ہوگی اور حساب و کتاب' جزاء و سزا اور جنت اور دوزخ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے کہ یہ ضد اور عناد سے آپ کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں ورنہ ان کو خوب علم ہے کہ آپ اپنی نبوت کے دعویٰ میں صادق ہیں' لیکن یہ تکبر کی وجہ سے اور اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی وجہ سے مانتے نہیں ہیں۔

محمد: ۲۷ میں فرمایا: پس اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی سرینوں پر ماریں گے۔

منافقین قتال اور جہاد سے اس لیے گریز کر رہے ہیں کہ جہاد میں ہو سکتا ہے یہ زخمی ہو جائیں اور دنیا میں ضرب اور الم کا شکار ہوں' اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ دنیا میں ضرب اور الم سے تمہیں چھٹکارہ نہیں ہوگا کیونکہ موت کے وقت فرشتے آ کر تمہارے چہروں اور سرینوں پر ضرب لگائیں گے' جہاد میں شرکت سے انکار کر کے تم عارضی طور پر اپنے آپ کو دنیا کی ضرب سے بچا رہے اور موت کے وقت جب دنیا میں فرشتے تم پر ضرب لگائیں گے اس سے کیسے بچاؤ کرو گے اور آخرت میں جو عذاب ہوگا اس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

محمد: ۲۸ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوا ہے اور اللہ کی رضا کو

انہوں نے ناپسند کیا' سو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیاO

بغیر ایمان کے نیک اعمال کا غیر مفید ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کی یہ سزا اس لیے ہے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوا۔ یہ آیت اگر یہودیوں کے متعلق ہو تو اس کا معنی ہے کہ انہوں نے "تورات" میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور آپ کی نعت کو چھپایا اور اس سے اللہ ناراض ہوا اور اگر یہ آیت منافقین کے متعلق ہو تو اس کا معنی ہے: انہوں نے اپنے دل میں کفر کو چھپایا اور اس سے اللہ ناراض ہوا' اور اللہ کی رضا کو انہوں نے ناپسند کیا' یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کو۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا' یعنی جن اعمال کو یہ اپنے زعم میں نیک گمان کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اعمال ان کی مغفرت اور ان کے ثواب کا سبب ہیں' جیسے بھوکوں کو کھانا کھلانا' غلاموں کو آزاد کرنا' مہمانوں کی تکریم کرنا' بیواؤں' یتیموں اور ناداروں کی کفالت کرنا' کیونکہ یہ اعمال اسی وقت مفید ہیں جب ایمان کے ساتھ یہ اعمال کیے جائیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ

کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کے کینہ کو ظاہر

اَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَ

نہیں فرمائے گاO اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور یہ سب لوگ (منافقین) آپ کو دکھا دیتے اور آپ ضرور ان کو ان کے چہروں

لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَ

سے پہچان لیتے' اور آپ ضرور ان کو ان کے طرزِ گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جانتا ہےO اور

لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠

ہم ضرور تم کو امتحان میں ڈالیں گے حتیٰ کہ تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کر دیں اور تمہاری خبروں

اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ

کو پرکھ لیں گےO بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور ہدایت واضح ہونے کے

شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا

بعد رسول کی مخالفت کی' وہ کبھی بھی اللہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ

اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

ان کے اعمال کو ضائع کر دے گاO اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو)

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ

اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت میں مر گئے اللہ ان کو ہرگز نہیں

اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ

بخشے گا○ سو (اے مسلمانو!) تم ہمت نہ ہارو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا○ دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا

ہے اور اگر تم ایمان پر برقرار رہو اور متقی بن جاؤ تو وہ تمہارے اجر تمہیں عطا فرمائے گا اور

يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ

تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا○ اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے پس شدت سے طلب کرے تو تم بخل کرو گے

اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ

اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کردے گا○ ہاں! تم ہی وہ لوگ ہو جن کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو،

فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ

پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے اور اللہ

الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ

غنی ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو، اور اگر تم نے دین حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم

ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع

کو لے کر آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے○

ع ۸ / ۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کے کینہ کو ظاہر نہیں فرمائے گا O اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور یہ سب لوگ (منافقین) آپ کو دکھا دیتے اور آپ ضرور ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے' اور آپ ضرور ان کو ان کی طرزِ گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے O اور ہم ضرور تم کو امتحان میں ڈالیں گے حتیٰ کہ تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کر دیں گے اور تمہاری خبروں کو پرکھ لیں گے O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی' وہ کبھی بھی اللہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا O (محمد: ۳۲ـ۲۹)

اللہ تعالیٰ کا منافقین کے نفاق کا پردہ چاک فرمانا

اس آیت میں ''اضغان'' کا لفظ ہے یہ ''ضغن'' کی جمع ہے' دل میں جو ناپسندیدہ بات چھپائی جائے اس کو ''ضغن'' کہتے ہیں' سدی نے کہا: اس کا معنی ہے: دل کا کھوٹ اور زنگ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: ان کا حسد۔ قطرب نے کہا: اس کا معنی ہے: ان کی عداوت۔ جوہری نے کہا: ''ضغن'' اور ''ضغینہ'' کا معنی ہے: کینہ۔

اس آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا منافقین یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر منافقین کے باطن کو منکشف نہیں فرمائے گا' نہیں نہیں بلکہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے باطن کو منکشف فرما دے گا اور تمام اہل فہم پر ان کا حال واضح ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ایسی آیات نازل فرما دیں جن سے ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا' سورۂ توبہ کی وہ آیات یہ ہیں:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ○ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (التوبہ: ۸۸ـ۸۱)

جن کو جنگ میں رسول اللہ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دی گئی تھی وہ اللہ کی راہ میں اپنے بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا: گرمی میں نہ نکلو آپ کہیے کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھتے O پس ان کو چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے O سو (اے رسولِ مکرم!) اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے اور یہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے کہیں کہ اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جا سکو گے اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے تم پہلی بار بیٹھنے پر راضی ہوئے' سو اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو O اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ کبھی بھی ان میں سے کسی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں' بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نافرمانی کی حالت میں مرے O آپ ان کے اموال اور اولاد پر تعجب نہ کریں اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور حالتِ کفر میں ان کی جانیں نکلیں O

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو ان میں سے متمول لوگ آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجئے' ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں○ انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے سو وہ نہیں سمجھتے○ لیکن رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور ان ہی کے لیے سب اچھائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں○

سورۂ توبہ کی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا پردہ فاش کر دیا اور جہاد سے کترانے اور ان کی بزدلی کو بیان فرمایا ہے اسی وجہ سے سورۂ توبہ کا ایک نام الفاضحہ بھی ہے یعنی رسوا کرنے والی۔

محمد : ۳۰ میں فرمایا: اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور یہ سب لوگ (منافقین) آپ کو دکھا دیتے اور آپ ضرور ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور آپ ضرور ان کو ان کی طرزِ گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم تھا یا نہیں؟

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن زید سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ مسجد سے نکل جائیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۳۱۷' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں رہا' آپ منافقوں کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے تھے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۱۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو ان کی بات کے لہجہ سے پہچان لیتے تھے اور کوئی دوسرا نہیں پہچان پاتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو پہچان لیتے اور ان کے باطن کو آپ نے اس وقت تک ظاہر نہیں فرمایا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اجازت نہیں دی اور آپ کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے منع نہیں فرمایا اور ان کی قبروں پر کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا (دیکھئے التوبۃ: ۸۴)۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

کلبی نے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب بھی آپ سے کوئی منافق بات کرتا تھا آپ اس کو پہچان لیتے تھے' حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی منافق آپ سے مخفی نہیں رہا' اللہ تعالیٰ آپ کو وحی سے بتا دیتا تھا یا آپ اس علامت سے منافق کو پہچان لیتے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرمائی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۳۱' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص بھی پوشیدگی میں کوئی کام کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے آثار اور اس کی زبان کی لغزشوں سے اس کام کو ظاہر فرما دیتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی کسی کام کو پوشیدگی سے کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کی چادر پہنا دیتا ہے اگر وہ اچھا کام ہو تو اچھی چادر اور برا کام ہو تو بری چادر۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۷۰۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی کذاب ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۶۷۶)

اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے "مسند احمد" کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی' پھر فرمایا: تم میں منافقین ہیں سو میں جس کا نام لوں وہ کھڑا ہو جائے' پھر فرمایا: اے فلاں! تم کھڑے ہو' اے فلاں! تم کھڑے ہو' اے فلاں! تم کھڑے ہو' حتیٰ کہ آپ نے چھتیس آدمیوں کا نام لیا' پھر فرمایا: تم میں منافقین ہیں سو تم اللہ سے ڈرو' پھر حضرت عمر کا ان میں سے ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جن کا آپ نے نام لیا تھا' حضرت عمر اس کو پہچانتے تھے انہوں نے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ اس نے یہ حدیث بیان کی' حضرت عمر نے فرمایا: تمہارے لیے سارا دن دوری ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۷ ص ۳۶۔ رقم الحدیث: ۲۲۳۴۸ طبع جدید' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۸۶' تاریخ کبیر ج ۷ ص ۲۳۔ ۲۲) (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۹۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی منافق مخفی نہیں رہا' آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام منافقوں کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے تھے اور ہم ایک غزوہ میں تھے جس میں نو منافق تھے' لوگ ان کی شکایت کرتے تھے' ایک رات وہ سو گئے' صبح اٹھے تو ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا' یہ منافق ہے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۱۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اپنے تفسیری حاشیہ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت سے منافقین کو نام بہ نام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا' ممکن ہے کہ وہ شناخت "لحن القول" اور "سیما" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو یا آیت ہٰذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل اور تعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۲ھ اس آیت کی تفسیر میں "ابن کثیر" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مسند احمد" کی حدیث میں عقبہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں خاص خاص منافقین کے نام لے کر ان کو مجلس سے اٹھا دیا' اس میں چھتیس آدمیوں کے نام شمار کیے گئے۔

(معارف القرآن ج ۸ ص ۴۴' ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

محمد: ۳۱ میں فرمایا: اور ہم ضرور تم کو امتحان میں ڈالیں گے حتیٰ کہ تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کر دیں گے اور تمہاری خبروں کو پرکھ لیں گے O

اللہ تعالیٰ کے آزمانے کا معنی

یعنی ہر چند کہ ہمیں تمام کاموں کے انجام کا علم ہے اس کے باوجود ہم تم پر حجت قائم کرنے کے لیے اور سب پر ظاہر کرنے کے لیے تم کو احکامِ شرعیہ کا مکلف کر کے آزمائیں گے' اور تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو ایک آزمانے والا دوسرے کے ساتھ کرتا ہے اور تم میں سے صبر کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کو دوسروں سے الگ کر لیں گے اور اسی بناء پر جزا اور سزا کا معاملہ کریں گے اور تمہاری خبروں کو ظاہر کر دیں گے۔

محمد: ۳۲ میں فرمایا: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا' اور ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی وہ کبھی بھی اللہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔

اس آیت میں یہودیوں یا منافقوں کی طرف اشارہ ہے یعنی جن لوگوں پر دلائل اور معجزات سے آپ کی نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا' اس کے باوجود انہوں نے آپ کی مخالفت کی تو وہ اپنے کفر سے اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور انہوں نے اپنے خیال میں جو نیک کام کیے تھے' ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے ان تمام نیک کاموں کو ضائع فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو ○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت میں مر گئے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا ○ سو (اے مسلمانو!) تم ہمت نہ ہارو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا ○ دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان پر برقرار رہو اور متقی بن جاؤ تو وہ تمہارے اجر تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا ○ (محمد: ۳۶۔ ۳۳)

مسلمانوں کے اعمال ضائع ہونے کی توجیہات

اس سے پہلی آیتوں میں یہودیوں اور منافقوں سے خطاب تھا ان کی بُری روش پر تنبیہ کی گئی تھی اور اصلاح کی کوشش کی گئی تھی' اور اس آیت (محمد: ۳۳) میں اہل ایمان سے خطاب ہے اور ان سے ارشاد فرمایا ہے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔ اپنے اعمال کو ضائع نہ کرنے کی حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں:

(۱) تم اپنے ایمان اور اللہ اور رسول کی اطاعت پر برقرار رہو اور شرک نہ کرنا ورنہ تمہارے اعمال باطل ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر: ۶۵) اگر آپ نے (بھی بالفرض) شرک کیا تو آپ کے اعمال باطل ہو جائیں گے۔

(۲) تم رسول کی اطاعت کرتے ہوئے آپ کی تعظیم کو برقرار رکھنا' اگر کسی موقع پر تم سے تعظیم رسول میں فرق آ گیا تو تمہارے اعمال باطل ہو جائیں گے' قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ (ان سے) اونچی آواز میں بات کرو جیسے تم آپس میں اونچی آواز سے بات کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال باطل ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا ○

(۳) تم جب کسی مسلمان بھائی کی مدد کے لیے اس کو صدقہ یا خیرات دو تو بعد میں اس پر احسان نہ جتاؤ' یا اس کو طعنہ دے کر

اذیت نہ پہنچاؤ' مثلاً کہو: تم وہی تو ہو جو کل تک بھوکے مر رہے تھے اور میں تمہیں کھانا کھلاتا تھا' قرآن مجید میں ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ. (البقرہ: ۲۶۴)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر باطل نہ کرو۔

(۴) اپنے اسلام لانے کا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان نہ جتانا' قرآن مجید میں ہے:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (الحجرات: ۱۷)

(اعراب) اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں' آپ کہیے: تم اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ' بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی ہدایت دے دی' اگر تم سچے ہو○

نفل عبادات کا شروع کرنے کے بعد واجب ہونا

اس آیت سے فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر کے اس کو پورا کرنا لازم اور واجب ہے' کیونکہ اگر نفل نماز یا روزہ شروع کر کے اس کو پورا نہ کیا اور توڑ دیا تو وہ عمل باطل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اعمال باطل کرنے سے منع فرمایا ہے' اس لیے اگر اس نے نفل نماز شروع کر کے توڑ دی تو اس پر واجب ہے کہ اس کو قضاء کر کے دوبارہ پڑھے' نفل کے شروع کرنے میں تو اس کو اختیار تھا لیکن شروع کرنے کے بعد اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کو پورا کرے یا نہ کرے اور اگر کسی وجہ سے اس کو پورا نہیں کیا تو پھر اس کو قضاء کرنا لازم ہے' امام شافعی کے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ فرض عبادات کے ثواب کو باطل نہ کرو' اور اگر فرض کو شروع کر کے فاسد کر دیا تو اس فرض کو دوبارہ ادا کرو' اور نفل اس طرح نہیں ہے' کیونکہ وہ اس پر واجب نہیں ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اعمال کا لفظ ہے اور اعمال کا لفظ فرائض اور نوافل دونوں کو شامل ہے اور فقہاء شافعیہ اس آیت کی فرائض کے ساتھ جو تخصیص کرتے ہیں اس تخصیص پر قرآن اور حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

محمد: ۳۴ میں فرمایا: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت میں مر گئے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا○

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر اور شرک کو نہیں بخشے گا اور اس سے کم گناہ جو ہوگا اس کو بخش دے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ. (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ جو ہوگا وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

محمد: ۳۵ میں فرمایا: سو (اے مسلمانو!) تم ہمت نہ ہارو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے' اور وہ تمہارے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا○

جہاد کی ترغیب اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجوہ

چونکہ اس سے پہلی آیات میں یہ بتایا تھا کہ منافقین کفار کے خلاف جہاد کرنے کو زمین میں فساد پھیلانے اور رشتوں کو توڑنے سے تعبیر کرتے تھے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے حیلے بہانے تراشتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد

کرنے پر ابھارا کہ تم منافقوں کی طرح موت سے ڈر کر جہاد سے نہ کترانا اور ہمت نہ ہارنا اور کفار کو صلح کی دعوت نہ دینا۔

اور اس وقت مسلمان کمزور تھے اور ان کے پاس جنگ کے مادی اسباب اور آلات بہت کم تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حوصلہ اور ہمت کو بڑھانے کے لیے فرمایا: اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور جب اللہ تمہارے ساتھ ہے تو تم کو ہی غلبہ حاصل ہوگا' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَاَغْلِبَنَّ اَنَاوَرُسُلِیْ ؕ. (المجادلہ: ۲۱) ضرور میں غالب ہوں گا اور میرے رسول غالب ہوں گے۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت ۱۷۳) بے شک ہمارے لشکر والے ضرور غالب ہوں گے ○

اس کے بعد فرمایا: اور وہ تمہارے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

یعنی جب کافروں سے جنگ ہوگی اور وہ مارے جائیں گے تو ان کے دنیا میں کیے ہوئے وہ کام جو ان کے نزدیک نیک کام تھے وہ سب ضائع ہو جائیں گے' اس کے برخلاف جو مؤمنین جہاد میں شہید ہو جائیں گے ان کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس وقت دنیا میں مسلمان بہت کمزور ہیں اور مادی اسلحہ جو اس دور کی جنگی ضروریات کے لیے کفیل ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے تو اب ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں نہیں آتی اور ان کو کفار کے خلاف غلبہ کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات صحابہ کرام کے متعلق نازل ہوئی ہیں' اگر آج کے مسلمانوں کا بھی صحابہ کرام ایسا پختہ ایمان ہو اور ان کے اعمال بھی صحابہ کرام ایسے ہوں تو یقیناً ان کو بھی اللہ کی مدد حاصل ہوگی اور وہ بھی دنیا میں غالب ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کے خلاف قوت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے' سو ہم پر لازم ہے کہ ہم ایٹمی ہتھیار بنانے کی قوت حاصل کریں اور وہ آلاتِ حرب تیار کریں جو اس دور کی جنگوں کا تقاضا ہے' اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سائنسی علوم حاصل کریں اور مختلف سائنسی علوم پر تحقیقات کریں اور مقالے لکھیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نوجوان اب علم حاصل کرنے کے بجائے ٹی ٹی کے بل بوتے پر نقل کر کے امتحان پاس کرتے ہیں اور دیگر عیاشیوں میں مبتلا ہیں' بھتہ خوری کرتے ہیں اور ڈاکے ڈالتے ہیں' آج دنیا میں مسلمان دہشت گردی کی علامت بن گئے ہیں' دنیا کے کسی اسلامی ملک میں علمی اور سائنسی تحقیقات نہیں ہوتیں' کسی اسلامی ملک میں صنعت و حرفت اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی نہیں ہوتی' تمام اسلامی ممالک اپنی ضرورت کی اشیاء دوسرے ملکوں سے منگواتے ہیں' چین ہمارے بعد آزاد ہوا تھا اور آج وہ دنیا کی پانچویں ایٹمی طاقت ہے' چین اور ہندوستان اپنی ضرورت سے زیادہ گندم پیدا کرتے ہیں اور دیگر ممالک کو فروخت کرتے ہیں' ہم سائنسی ایجادات کیا کریں گے ہم تو اپنی ضرورت کے مطابق گندم بھی پیدا نہیں کر پاتے اور ہر سال جب آٹے کا کال پڑ جاتا ہے تو ہم دوسرے ملکوں سے گندم خرید کر منگواتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان ہی قوموں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد خود کرتے ہیں' ہم کو شکوہ ہے کہ اب اللہ کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد نہیں فرما رہا' سوال یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین کی مدد کے لیے کب کھڑے ہوئے' جہاد کے جذبہ سے ہم نے موجودہ فنون حرب کے حصول کی تیاری کب کی؟ ہم نیک جذبہ سے اسلام کی تبلیغ اور دین کی نصرت کے لیے عصر حاضر کے جنگی تقاضوں کے مطابق آلاتِ حرب کا علم حاصل کرنے اور انہیں بنانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا' وہ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○ (محمد: ۷) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تم کو (میدانِ جنگ) میں ثابت قدم رکھے گا ○

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ. اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ (الرعد: ۱۱) اپنی دلی کیفیات اور رجحانات کو تبدیل نہ کرے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت خود بدلنے کا

محمد: ۳۶ میں فرمایا: دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے' اور اگر تم ایمان پر برقرار رہو اور متقی بن جاؤ تو وہ تمہارے اجر تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گاO

جہاد میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور لہو و لعب کا فرق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی مزید ترغیب دی ہے کہ دنیا کا مال و متاع تمہیں جہاد کرنے سے کس طرح مانع ہو سکتا ہے' کیونکہ جہاد کرنے سے تمہارا مال خرچ نہیں ہوتا' کیونکہ زیادہ تر جہاد میں تم کو فتح حاصل ہوتی ہے اور تم کو مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے اور اگر مال خرچ بھی ہو جائے تو تمہارے نیک اعمال اور ان کا اجر و ثواب تو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں' اس لیے اگر بالفرض جہاد کرنے سے تمہارا مال خرچ ہو جائے یا کم ہو جائے تو تم اس کی پروا نہ کرو کیونکہ دنیا کا مال اور دنیا کی زندگی بہر حال لہو و لعب ہے۔

لہو اور لعب میں یہ فرق ہے کہ لہو و لعب اس کام کو کہتے ہیں جس سے نہ تمہیں اب کوئی فائدہ ہو نہ مستقبل میں کوئی فائدہ متوقع ہو' پھر اگر اس کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے انسان کے دوسری ضروری کاموں میں یا اس کی عبادات میں غفلت اور حرج نہ ہو تو وہ لعب ہے اور اگر اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کے ضروری کام اور عبادات نہ ہو سکیں تو پھر وہ لہو ہے۔ اس وجہ سے آلاتِ موسیقی کو ملاہی (لہو کے آلات) کہتے ہیں اور شطرنج اور کبوتر بازی کو لعب کہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۲)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا۔

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) جہاد کرنے کے لیے اس میں مال کو خرچ کرنا تو ضروری ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاد میں مال کی معین مقدار کو فرض نہیں کیا' جیسے زکوٰۃ میں مال کی معین مقدار کو سال پورا ہونے کے بعد مالک نصاب پر فرض کیا ہے یا جیسے مالک نصاب پر عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے کو فرض کیا ہے یا جیسے صاحب نصاب پر صدقہ فطر کو فرض کیا کہ اگر کسی مسلمان نے ان مدات میں مال کی ایک معین مقدار کو خرچ نہیں کیا تو اس سے قیامت کے دن سوال ہوگا' البتہ انسان اپنی مرضی اور خوشی سے جہاد میں جس قدر مال خرچ کرے گا اس کو اجر و ثواب ملے گا۔

(۲) تمہارے ہاتھوں میں جو مال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور وہی اس مال کا مالک ہے' لیکن اس نے تمہیں اس مال کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے' اس لیے جب وہ تم سے جہاد میں مال خرچ کرنے کے لیے کہے تو تم اس میں بخل نہ کرو۔

(۳) اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے کل اموال کا سوال نہیں کر رہا' وہ تم سے تمہاری ضروریات میں صرف ہونے کے بعد تمہارے اموال کا بہت قلیل حصہ طلب کرتا ہے جیسے زکوٰۃ میں اڑھائی فی صد اور عشر میں بارانی زمین میں دس فی صد اور نہری پانی سے سیراب ہونے والی زمین میں پانچ فی صد اور جہاد میں تو معین بھی نہیں فرمایا جتنا تم اپنی خوشی سے خرچ کر سکتے ہو کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے پس شدت سے طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کر دے گاO ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جن کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو' پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم سب اس کے

محتاج ہو اور اگر تم نے دینِ حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے O

(محمد: ۳۸-۳۷)

اس آیت میں ہے: ''فیحفکم'' اس کا مصدر ''احفاء'' ہے ''احفاء'' کا معنی ہے: کسی کام میں زیادتی کرنا' بہت زیادہ پوچھ گچھ اور تفتیش کرنا' ''احفی شاربه'' کا معنی ہے: اس نے اپنی مونچھیں بہت زیادہ تراشیں ''احفی السوال'' کا معنی ہے: اس نے بار بار سوال کیا۔ ''حفی یحفی'' معنی ہے: ننگے پاؤں ہونا۔

(المفردات ج۱ ص ۱۶۵-۱۶۴ 'ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تم سے شدت کے ساتھ تمہارے اموال کا سوال کرے تو تم بخل کرو گے اور اس کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے' اور اللہ تمہارے دلوں کے زنگ اور میل کو ظاہر کر دے گا۔

محمد: ۳۸ میں فرمایا: ہاں! تم ہی وہ لوگ ہو جن کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو' پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مستغنیٰ ہونے اور مخلوق کے محتاج ہونے کی وضاحت

یعنی تم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ تم اپنے دینی دشمنوں کو شکست دینے کے لیے یا اپنے تنگ دست مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے خرچ کرو تو تم بخل کرتے ہو۔ درحقیقت یہ تم اپنے ساتھ بخل کرتے ہو کیونکہ اگر تم اپنے دشمنوں سے جہاد کے لیے مال خرچ نہیں کرو گے اور مجاہدین کی مدد نہیں کرو گے تو مآل کار دشمنانِ اسلام تمہارے ملک پر قبضہ کر لیں گے اور تم کو اپنا غلام بنا لیں گے' جیسے برصغیر کے مسلمان ڈیڑھ سو سال تک انگریزوں کے غلام رہے اور یہ مسلمانوں ہی کا نقصان تھا' اور اگر تم نے اپنے تنگ دست مسلمان بھائیوں کی زکوٰۃ' عشر اور قربانی سے مدد نہیں کی تو ان کی دعائیں تمہارے شامل حال نہیں رہیں گی' جس کی وجہ سے تمہارا مال نقصان سے محفوظ نہیں رہے گا اور ہو سکتا ہے جس مال کو بچانے کے لیے تم زکوٰۃ سے ہاتھ روک رہے ہو وہ سارا مال تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ غنی ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اموال کا محتاج نہیں ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو' اس لیے تم یہ نہ کہنا کہ ہم کو کفار سے قتال اور جہاد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اور نہ یہ کہنا کہ ہم کو فقراء کی ضروریات پوری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تم نے کفار کے خلاف قتال نہ کیا تو وہ تم کو قتل کر دیں گے اور اگر تم نے فقراء کی ضروریات پوری نہ کیں تو وہ بھوک سے مجبور ہو کر تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کی تعداد زیادہ ہے' سو تم ان کے ہاتھوں مارے جاؤ گے اور پھر کمیونزم اور سوشلزم تمہارے ملک میں در آئے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اور اگر تم نے دین حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا استغناء بیان فرمایا ہے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ O اور اگر اللہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے O (ابراہیم: ۱۹)

گویا کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے مستغنی ہے اس کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے' اگر کوئی

اس پر یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت تو بندوں سے ظاہر ہوتی ہے' بندوں کو رزق دینے سے اس کا رازق ہونا ظاہر ہوتا ہے' بندوں کو سزا دینے سے اس کا قاہر ہونا ظاہر ہوتا ہے اور بندوں کو معاف کرنے سے اس کا غفور و رحیم ہونا ظاہر ہوتا ہے تو اس کو بندوں کی ضرورت تو ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو بندوں کی کسی معین قسم کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی قوم یہ سمجھتی ہے کہ اس کو خاص اس قوم کی ضرورت ہے تو وہ اس قوم کو فنا کر کے دوسری قوم لے آئے گا جو اس کی طرح سرکش نہیں ہو گی اور وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخیل نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی جگہ کس قوم کو لائے گا؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت فرمایا:

وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ ۝ (محمد: ۳۸) اور اگر تم نے دین حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔

صحابہ نے پوچھا: اللہ تعالیٰ ہماری جگہ کن لوگوں کو لے آئے گا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ اور اس کی قوم' یہ اور اس کی قوم۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم پھر گئے تو ہماری جگہ ان کو لایا جائے گا پھر وہ ہماری طرح نہیں ہوں گے؟ اور حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ اور اس کے اصحاب ہیں' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ایک ستارہ) پر بھی معلق ہوتا تو فارس کے مردوں میں سے اس کو کوئی شخص حاصل کر لیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۲۳')

حسن بصری نے کہا: اس سے مراد عجم ہیں' عکرمہ نے کہا: اس سے مراد فارس اور روم ہیں' محاسبی نے کہا: عرب کے بعد عجم میں علماء فارس سے بڑھ کر کسی کا اچھا دین نہیں ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ یمن میں رہنے والے انصار ہیں' حضرت ابن عباس نے بھی کہا کہ یہ انصار ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ اس سے مراد تابعین ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۳۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۂ محمد کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ/ ۲۲ مئی ۲۰۰۴ء بہ روز ہفتہ بعد نمازِ فجر' سورۂ محمد کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ ۲۹ اپریل کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی اور ۲۲ مئی کو اس کی تفسیر اختتام کو پہنچی۔ اس طرح تین ہفتوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی' الٰہ العلمین! آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے جس طرح یہاں تک پہنچا دیا' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔

اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں' اپنے رسول معظم کی جناب میں اور تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول اور مشکور بنا دیں' مخالفین کے لیے اس کو ذریعہ ہدایت اور موافقین کے لیے موجب طمانیت بنا دیں۔

میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ' تلامذہ اور احباب کی' اس کتاب کے ناشر' کمپوزر' مصحح اور بائنڈر کی اور تمام مسلمانوں کی محض اپنے فضل و کرم اور اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مغفرت فرمائیں اور ہم

سب کو صحت و عافیت کے ساتھ تاحیات ایمان پر قائم رکھیں اور اسلام کے احکام پر عامل رکھیں' ہم کو علوم وافرہ و نافعہ عطا فرمائیں اور گناہوں' دنیا و آخرت کی رسوائی' عذاب' مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دارین کی سعادتیں اور مسرتیں اور جنت الفردوس عطا فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین' والصلٰوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین'
قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ الطاہرین وعلی اصحابہ الراشدین
وعلی ازواجہ امہات المؤمنین وعلماء ملتہ واولیاء امتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ١۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-٣٨
موبائل نمبر: ٠٣٠٠-٢١۵٦٣٠٩
٠٣٢١-٢٠٢١٧٤٤

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الفتح

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفتح ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾ (الفتح:۱) (اے رسولِ مکرم!) بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی ہےO

اس سورت کا نام الفتح رکھنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ''اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا'' (الفتح:۱) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس فتح سے مراد حدیبیہ ہے' آپ کے اصحاب نے کہا: آپ کو مبارک ہو یارسول اللہ! پس ہمارے لیے کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''لِیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ.'' (الفتح:۵) شعبہ نے کہا: میں کوفہ گیا اور میں نے یہ پوری حدیث قتادہ سے روایت کی اور جب میں واپس ہوا تو میں نے قتادہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: ''انا فتحنا لک'' یہ حصہ حضرت انس سے مروی ہے اور ''ھنیئا مرئیا'' یہ حصہ حضرت عکرمہ سے مروی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۱۷۲)

اس حدیث کی زیادہ تفصیل ''سنن ترمذی'' میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ.'' (الفتح:۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام روئے زمین سے سب سے زیادہ محبوب ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اس آیت کی تلاوت فرمائی' مسلمانوں نے کہا: آپ کو مبارک ہو یارسول اللہ! بے شک اللہ عزوجل نے بیان فرمادیا ہے کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا' پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''لِیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ.'' (الفتح:۵) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۰۴۵' تمہید ابن عبد البرج ۲ ص ۱۶۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۹۶۹' طبع دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے' مؤسسۃ الرسالۃ نے ۵۰ جلدوں میں ''مسند احمد'' شائع کی' اس کے مخرج اور محقق شعیب الارنؤط ہیں اور ان کے ساتھ محققین کی ایک جماعت ہے انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ دیکھئے ''مسند احمد'' ج ۲۰ ص ۳۳۵' رقم الحدیث: ۱۳۰۳۶' اس کے علاوہ یہ حدیث تین مزید سندوں کے ساتھ مروی ہے اور ان تمام کے متعلق حمزہ احمد زین اور شعیب الارنؤط نے تصریح کی ہے کہ یہ اسانید صحیحہ ہیں اور ''مسند ابویعلیٰ'' کے

مخرج اور محقق حسین سلیم اسد نے بھی تصریح کی ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے' اس کی زیادہ تفصیل ہم الاحقاف: ۹ میں بیان کر چکے ہیں اور ان شاء اللہ اس پر مزید گفتگو اس سورت کی تفسیر میں آئے گی۔

سورۃ الفتح کی پہلی دو سورتوں سے مناسبت

(۱) اس سے ایک سورت پہلے الاحقاف ہے' اس میں فرمایا تھا: '' وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ '' (الاحقاف: ۹) آپ کہیے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' اس آیت کو اس سورت کی آیت: ۲ نے منسوخ کر دیا' جس میں فرمایا ہے:

لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. تا کہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام۔ (الفتح: ۲)

اور اس آیت میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کلی مغفرت فرما دی ہے۔

اور سورۂ محمد میں جس کو سورۃ القتال بھی کہا جاتا ہے اس میں مسلمانوں کو کیفیت قتال کی تعلیم دی تھی' فرمایا:

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ. پس جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنوں پر وار کرو۔ (محمد: ۴)

(۲) سورۂ محمد اور سورۃ الفتح دونوں میں مؤمنین' مشرکین اور منافقین کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) سورۂ محمد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے اور مؤمنین اور مؤمنات کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس سورت میں اس دعا کے مقبول ہونے کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور مؤمنین کی اور مؤمنات کی مغفرت فرما دی ہے۔

صلح حدیبیہ کا تذکرہ

''سنن ترمذی'' کی حدیث سے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر یہ سورت نازل ہوئی تو ہم تھوڑا سا تذکرہ صلح حدیبیہ کا کرنا چاہتے ہیں۔

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں: غزوۂ حدیبیہ چھ ہجری میں ہوا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۳۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہجرت کرنے کے بعد چھ سال تک مسلمان مشرکینِ مکہ کے ساتھ مختلف جنگوں میں مشغول رہے اور مہاجرین اور انصار اس عرصہ میں مشرکین کی دشمنی کے باعث مکہ مکرمہ میں جا کر حج اور عمرہ کی سعادت حاصل نہ کر سکے' ہجرت کے چھٹے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کرنے کا قصد فرمایا' یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۳۰) اور یہ مہینہ ان مہینوں میں سے ہے جن کو اشہر حرم کہا جاتا ہے اور عربوں کی ہمیشہ سے یہ روایت رہی ہے کہ وہ ذوالقعدہ' ذوالحج' محرم اور رجب میں باہمی لڑائیاں موقوف کر دیتے ہیں' کیونکہ پہلے تین مہینوں میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور حج کے بعد واپس جاتے تھے اور رجب کے مہینہ میں عمرہ کا سفر کرتے تھے اس لیے یہ امن کا زمانہ تھا اور اس مہینہ میں مشرکین سے بہ ظاہر جنگ کا کوئی خطرہ نہ تھا اس لیے آپ اپنے چودہ سو اصحاب کے ساتھ عمرہ کرنے کے قصد سے روانہ ہوئے' آپ کے اکثر اصحاب نے احرام باندھا ہوا تھا اور اپنے اونٹوں کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کا نعل بھی ڈالا ہوا تھا' جب مسلمان حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین نے آپ کو اور آپ

کے اصحاب کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا اور اس شرط پر آپ کو عمرہ کرنے کی اجازت دی کہ اس سال تو آپ واپس جائیں اور اگلے سال بغیر ہتھیاروں کے آئیں اور صرف تلوار کو میان میں رکھنے کی اجازت ہے' پھر آپ صرف تین دن مکہ میں قیام کر کے واپس چلے جائیں اور دس سال کے لیے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان صلح کا معاہدہ کیا اور اس میں یہ شرطیں رکھیں: (۱) اگر اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان آپ کے ساتھ جانا چاہے تو آپ اس کو ساتھ نہیں لے جاسکیں گے (۲) اگر مکہ سے کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو آپ کو اسے مکہ واپس بھیجنا ہوگا (۳) اگر مدینہ سے کوئی شخص مکہ چلا آیا تو ہم اس کو واپس نہیں کریں گے (۴) مکہ کے گرد جو قبائل ہیں ان کو اختیار ہوگا خواہ وہ آپ کے حلیف بن جائیں یا ہمارے حلیف بن جائیں' سو بنوخزاعہ آپ کے حلیف بن گئے اور بنو بکر مشرکین کے حلیف بن گئے' ان تمام شرائط کی تفصیل اور ان کا پس منظر اور پیش منظر عنقریب باحوالہ احادیث آ رہا ہے۔

ذوالقعدہ میں عمرہ کے لیے روانہ ہونے اور حدیبیہ کے مقام پر روکے جانے کے متعلق احادیث

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو' بے شک فتح مکہ بھی فتح تھی' لیکن ہم بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں' جو حدیبیہ کے دن ہوئی تھی' ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو اصحاب تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے' ہم نے اس سے پانی نکالا تو اس میں ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی' آپ اس کنویں پر آئے اور اس کی منڈیر پر بیٹھ گئے' پھر آپ نے ایک برتن میں پانی منگایا آپ نے اس سے وضو کیا' پھر کلی کی اور دعا کی پھر اس پانی کو کنویں میں ڈال دیا' پھر اس کنویں میں اس قدر پانی آ گیا جو ہمیں اور ہماری سواریوں کے لیے کافی تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۵۰)

مسور بن مخرمہ اور مروان بیان کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی حدیث کی تصدیق کرتے ہیں' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے' حتیٰ کہ جب وہ ایک مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) قریش کے چند سواروں کے ساتھ مقام غمیم میں ٹھہرے ہوئے ہیں (تا کہ ہماری جاسوسی کریں)' سو تم ذات الیمین کی جانب سے سفر کرو' پس خالد کو مسلمانوں کے حال کا کوئی پتا نہیں چلا' پھر جب انہوں نے مسلمانوں کا لشکر دیکھا تو قریش کو خبر پہنچانے گئے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ دستور سفر کرتے رہے' حتیٰ کہ جب آپ ثنیۃ المراء پر پہنچے' جس گھاٹی سے لوگ مکہ میں اترتے ہیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ مسلمانوں نے اس کو اٹھانے کے لیے کہا: ''حلِ حلِ'' لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھی' مسلمانوں نے کہا: قصواء اڑ گئی ہے (قصواء آپ کی اونٹنی کا نام تھا)' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصواء اڑی نہیں ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے' لیکن اس کو اس ذات نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کے لشکر کو مکہ میں داخل ہونے سے روک لیا تھا' پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' قریش جو بھی ایسا مطالبہ رکھیں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم ہوگی تو میں ان کے مطالبہ کو پورا کردوں گا' پھر آپ نے اونٹنی کو جھڑکا تو وہ کھڑی ہوگئی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے ایک طرف نکل گئے' حتیٰ کہ حدیبیہ کے آخری کنارے پہنچ گئے جہاں ثمد (کم پانی کا چشمہ) تھا' مسلمان اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی استعمال کرنے لگے حتیٰ کہ پانی ختم ہوگیا۔ پس مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی' تو آپ نے اپنے لشکر میں سے ایک تیر نکال کر دیا کہ اس کو پانی میں ڈال دیں' پس اللہ کی قسم! اس چشمہ سے پانی ابلنے لگا اور اس سے لوگ سیراب ہوگئے' وہ لوگ اسی حال میں تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی اپنی قوم خزاعہ کے چند افراد کے ساتھ آئے' یہ تہامہ کے رہنے والے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ تھے' انہوں نے بتایا کہ میں اپنے

پیچھے کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو چھوڑ کر آ رہا ہوں‘ جنہوں نے حدیبیہ کے پانی کے ذخیرہ پر اپنا پڑاؤ ڈال دیا ہے اور ان کے ساتھ بہ کثرت دودھ دینے والی اونٹنیاں ہیں اور ان کے ساتھ اور اونٹنیاں اور ان کے بچے بھی ہیں اور وہ آپ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں اور وہ آپ کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکنے والے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم یہاں کسی سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے‘ بلکہ ہم یہاں پر عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں اور بے شک جنگ نے قریش کو کمزور کر دیا ہے اور ان کو نقصان پہنچایا ہے اور اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لیے ایک مدت کا تعین کر دیتا ہوں اور اس مدت میں وہ مجھے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیں‘ پھر اگر وہ چاہیں تو وہ بھی اس دین میں داخل ہو جائیں جس میں لوگ داخل ہوئے ہیں اور اگر میں اس دین کی تبلیغ میں (بالفرض) کامیاب نہ ہوا تو وہ مجھ سے مامون ہو جائیں گے اور اگر وہ میری اس پیش کش کو قبول نہیں کرتے تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تو میں اس دین کی تبلیغ پر ان سے ضرور جنگ کروں گا‘ حتیٰ کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور نافذ فرمائے گا۔ بدیل نے کہا: میں آپ کا پیغام قریش تک پہنچا دوں گا‘ پھر وہ قریش کے پاس گئے اور کہا: میں تمہارے پاس اس شخص (کریم) کے پاس سے آیا ہوں‘ اور ہم نے ان سے ان کا پیغام سنا ہے‘ اگر تم چاہو تو میں وہ پیغام تم کو سناؤں‘ قریش کے نادان لوگوں نے کہا: ہمیں ان کا پیغام سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ان کے سمجھ دار لوگوں نے کہا: بتاؤ! تم نے ان سے کیا سنا ہے؟ بدیل نے کہا: میں نے ان کو اس طرح‘ اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے اور اس نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پیغام سنایا‘ پھر عروہ بن مسعود (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: کیا تم میری اولاد کے حکم میں نہیں ہو؟ قریش نے کہا: کیوں نہیں! پھر کہا: کیا میں تمہارے باپ کے حکم میں نہیں ہوں؟ پھر کہا: کیا تم مجھ پر کوئی تہمت لگا سکتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں‘ پھر کہا: کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ میں نے تمہاری خاطر اہل عکاظ کو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ لڑنے کی دعوت دی تھی اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں نے اپنے تمام گھر والوں کو تمہاری حمایت میں لا کر کھڑا کر دیا تھا؟ قریش نے کہا: کیوں نہیں! تمہاری سب باتیں درست ہیں‘ تب اس نے کہا: اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے سامنے مناسب پیش کش کی ہے‘ تم اس کو قبول کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں ان کے پاس جا کر اس سلسلہ میں ان سے بات کروں‘ قریش نے کہا: تم جاؤ‘ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اسی طرح بات کی جس طرح بدیل سے بات کی تھی‘ اس وقت عروہ نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ فرمائیے کہ اگر آپ نے اپنی قوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تو کیا آپ نے اس سے پہلے کسی بھی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی پوری قوم کو نیست ونابود کر دیا ہو اور اگر اس کے برخلاف صورتِ حال ہوئی یعنی آپ کے اور قریش کے درمیان جنگ برپا ہوئی تو میں آپ کے ساتھ جن لوگوں کو دیکھ رہا ہوں یہ سب بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے‘ اس موقع پر حضرت ابوبکر نے عروہ کو سَبّ وشتم کرتے ہوئے کہا: تو لات کی فرج کو چوس‘ کیا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں؟ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مسلمانوں نے کہا: یہ ابوبکر ہیں‘ تب اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر تمہارا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں ابھی تک جواب نہیں دے سکا تو میں تمہاری اس بات کا جواب ضرور دیتا۔ اور عروہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتا تھا تو آپ کی ڈاڑھی مبارک کو پکڑتا تھا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کے پاس کھڑے ہوئے تھے اور ان کے پاس تلوار تھی اور ان کے سر پر خود تھا‘ پس جب بھی عروہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے اور اس کے ہاتھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کی طرف بڑھنے سے روکتے‘ عروہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مسلمانوں

نے کہا: یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں' عروہ نے کہا: اے عہد شکن! کیا میں اب تک تیرے بھرنے بھر نہیں رہا' اور حضرت مغیرہ زمانہ جاہلیت میں ایسے لوگوں کے ساتھ تھے جو لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال لوٹ لیتے تھے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہو گئے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارا اسلام تو قبول کرتا ہوں' رہا تمہارا مال تو میں اس میں سے کوئی چیز قبول نہیں کروں گا' پھر عروہ کن انکھیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھتے رہے' پس اللہ کی قسم! جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلغم تھوکا تو صحابہ میں سے کوئی نہ کوئی شخص اس کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتا' پھر اس کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا' پھر جب آپ کسی کام کا حکم دیتے تو وہ سب اس کام کو کرنے کے لیے جھپٹ پڑتے اور جب آپ وضو کرتے تو وہ سب آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کے لیے ایک دوسرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے گویا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب آپ بات کرتے تو وہ سب آپ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو سر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ عروہ واپس اپنے اصحاب کے پاس گئے اور کہا: اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں اور میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس گیا ہوں اور میں نے ہرگز نہیں دیکھا کسی بادشاہ کے اصحاب اس بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کرتے ہیں اور اللہ کی قسم! وہ جب بھی بلغم تھوکتے ہیں تو وہ ان کے کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں گرتا ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور اپنے جسم پر ملتا ہے اور جب وہ انہیں کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ سب اس کام کو کرنے کے لیے جھپٹ پڑتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں' گویا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو وہ سب ان کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے ہیں اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور بے شک انہوں نے تمہارے سامنے ایک قابل عمل تجویز رکھی ہے' تم کو چاہیے کہ تم اس کو قبول کر لو' پھر بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے کہا: مجھے ان کے پاس جانے دو' قریش نے کہا: اچھا تم جاؤ' پس جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتی ہے' سو قربانی کے اونٹ اس کے سامنے لے آؤ (تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں) پھر قربانی کے اونٹ اس کے سامنے لائے گئے اور مسلمان ''اللھم لبیك اللھم لبیك'' کہنے لگے' اس نے جب یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ جانے سے نہیں روکنا چاہیے' پھر قریش میں سے مکرز بن حفص نام کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: مجھے ان کے پاس جانے دو' قریش نے کہا: اچھا تم جاؤ' جب اس نے مسلمانوں کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مکرز ہے اور یہ بہت بُرا آدمی ہے' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے لگا' پس جس وقت وہ آپ سے بات کر رہا تھا تو سہیل بن عمرو آ گیا۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب سہیل بن عمرو آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملہ کو آسان کر دیا۔ زہری کی روایت میں ہے: پھر سہیل بن عمرو آیا اور اس نے کہا: آپ اپنے اور ہمارے درمیان ایک معاہدہ لکھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب کو بلوایا اور اس سے فرمایا: لکھو: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سہیل نے کہا: رہا رحمن تو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا چیز ہے؟ لیکن آپ لکھیں ''باسمك اللھم'' جیسا کہ آپ پہلے لکھتے تھے' مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کے سوا اور کچھ نہیں لکھیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ''باسمك اللھم'' لکھ دو' پھر آپ نے فرمایا: لکھو یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے' سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم کو یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے' لیکن

آپ لکھیں: محمد بن عبد اللہ‘ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں‘ اگر چہ تم نے مجھے جھٹلایا ہے‘ تم محمد بن عبد اللہ ہی لکھ دو۔ زہری نے کہا: آپ کا یہ ارشاد اس وجہ سے تھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ قریش مجھ سے جو بھی ایسا مطالبہ کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم ہو گی تو میں ان کا مطالبہ پورا کردوں گا‘ پھر اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شرط پر کہ تم ہمارے لیے بیت اللہ کو خالی کر دو گے اور ہم اس کا طواف کرلیں گے‘ سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا‘ ورنہ عرب کہیں گے کہ ہم نے دباؤ میں آ کر صلح کی ہے‘ لیکن آپ آئندہ سال آ کر عمرہ کریں گے‘ سو اس کو لکھ دیا گیا اور اس شرط پر کہ ہمارے پاس سے جو شخص بھی آپ کے پاس آئے گا خواہ وہ آپ کے دین پر ہو‘ آپ کو اسے ہمیں واپس کرنا ہو گا‘ مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! ایک مسلمان کو کیسے مشرکین کی طرف واپس کیا جائے گا؟ حالانکہ وہ اسلام قبول کر کے ہمارے پاس آیا ہے‘ ابھی ان میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ابوجندل بن سہیل بن عمرو آ گئے‘ ان کے پیروں میں بیڑیاں تھیں اور وہ ان کو گھسیٹتے ہوئے آ رہے تھے‘ وہ مکہ کے نشیبی علاقوں کی طرف سے بھاگ کر آئے تھے‘ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے گرا دیا‘ سہیل نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں اس معاہدہ کے مطابق آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ اس کو ہماری طرف واپس کر دیں‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے ابھی تک اس شرط کو معاہدہ میں درج نہیں کیا ہے‘ سہیل نے کہا: پھر اللہ کی قسم! میں آپ سے کبھی بھی صلح نہیں کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو‘ سہیل نے کہا: میں اس کو آپ کی خاطر بھی نہیں چھوڑوں گا‘ آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تم ایسا کرلو‘ اس نے کہا: میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا‘ مکرز نے کہا: چلو ہم اس کو آپ کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں‘ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! کیا میں مشرکین کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا‘ حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں‘ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ مجھے کس مصیبت کا سامنا ہے اور ان کو اللہ کا دین قبول کرنے کی پاداش میں سخت عذاب دیا گیا تھا؟

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے کہا: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں دب کر شرائط کیوں مانیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ میری مدد فرمائے گا‘ میں نے کہا: کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم عن قریب بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ ہم اس سال طواف کریں گے؟ میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو بے شک تم ضرور بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا اور میں نے کہا: اے ابوبکر! کیا یہ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں‘ میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا: کیوں نہیں‘ میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں دب کر شرائط کیوں مانیں؟ تب حضرت ابوبکر نے کہا: اے شخص! وہ بے شک ضرور اللہ کے رسول ہیں اور وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کریں گے اور اللہ ان کی مدد فرمائے گا‘ پس تم ان کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو پس اللہ کی قسم! وہ ضرور حق پر ہیں‘ میں نے کہا: کیا انہوں نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: کیوں نہیں! لیکن کیا انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ تم اس سال بیت اللہ جا کر اس کا طواف کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں‘ حضرت ابوبکر نے کہا: تو تم ضرور بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا کہ میں نے اپنی اس عجلت کی تلافی کے لیے بہت نیک اعمال کیے اور جب

معاہدہ لکھنے سے فراغت ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے کہا: اٹھو اور اونٹوں کو نحر کرو (یعنی ان کی قربانی کرو)' پھر اپنے سر مونڈ لو' اللہ کی قسم! آپ کے اصحاب میں سے (رنج کی وجہ سے) کوئی شخص نہیں اٹھا حتیٰ کہ آپ نے تین بار یہ ارشاد دہرایا' پس جب ان میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے' پھر آپ نے ان کو صحابہ کے طرزِ عمل کی خبر دی' حضرت ام سلمہ نے کہا: یا نبی اللہ! کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ آپ باہر جائیں اور کسی سے کوئی بات نہ کریں حتیٰ کہ اپنے اونٹ کو نحر کر دیں (اس کی قربانی کر دیں)' پھر آپ اپنے حجام کو بلائیں اور وہ آپ کا سر مونڈ دے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر گئے اور کسی سے کوئی بات نہ کی' حتیٰ کہ آپ نے اپنی قربانی کے اونٹ کو نحر (ذبح) کر دیا اور آپ نے اپنے حجام کو بلایا اور اس نے آپ کا سر مونڈ دیا' جب صحابہ نے یہ دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی اپنے اپنے اونٹ نحر کر دیئے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے اور ان کا حال دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ وہ مارے رنج و غم کے ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے' پھر آپ کے پاس عورتیں مسلمان ہو کر آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْــَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْــَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ (الممتحنۃ: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انہیں آزما لیا کرو' اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے' پھر اگر تمہیں ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ' وہ مؤمن عورتیں کفار کے لیے حلال نہیں' اور نہ وہ کفار ان مؤمن عورتوں کے لیے حلال ہیں' اور کفار نے جو ان پر خرچ کیا ہے وہ تم ان کو ادا کر دو' اور ان سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے بہ شرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر دو' اور اے مسلمانو! تم کافر عورتوں کو اپنی زوجیت میں نہ روکے رکھو' اور تم نے جو ان کے مہر پر خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ اس کو طلب کریں' یہ اللہ کا حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ۞

اسی دن حضرت عمر نے اپنی دو بیویوں کو طلاق دے دی جو اب تک شرک کی حالت میں تھی' ان میں سے ایک نے معاویہ بن ابی سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے نکاح کر لیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ چلے گئے' پھر قریش میں سے ایک شخص مسلمان ہو کر مدینہ آئے وہ حضرت ابوبصیر تھے' قریش نے ان کی تلاش میں دو آدمی بھیجے اور کہا: آپ نے ہم سے جو معاہدہ کیا ہے اس کے مطابق ان دونوں کو واپس کر دیجئے' آپ نے معاہدہ کے موافق حضرت ابوبصیر کو ان دو آدمیوں کے حوالے کر دیا' وہ دونوں حضرت ابوبصیر کو لے کر روانہ ہوئے' حتیٰ کہ جب وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو کھجوریں کھانے کے لیے سواریوں سے اترے' حضرت ابوبصیر نے ان میں سے ایک شخص سے کہا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری تلوار بہت عمدہ ہے' دوسرے آدمی نے وہ تلوار میان سے نکالی اور کہا: کیوں نہیں! اللہ کی قسم! یہ تلوار بہت عمدہ ہے' میں اس کا بارہا تجربہ کر چکا ہوں' حضرت ابوبصیر نے کہا: ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ' اس شخص نے وہ تلوار ان کے قبضہ میں دے دی' حضرت ابوبصیر نے اس پر تلوار کا ایک وار کیا حتیٰ کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور دوسرا آدمی فرار ہو گیا' حتیٰ کہ وہ بھاگ کر مدینہ پہنچا اور دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ شخص کچھ خوف زدہ معلوم ہوتا ہے' اس نے کہا: اللہ

کی قسم! میرا ساتھی تو مارا گیا اور لگتا ہے میں بھی مارا جاؤں گا' پھر حضرت ابوبصیر آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی ذمہ داری سے بَری کر دیا' آپ مجھے ان کے حوالے کر چکے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دلا دی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہاری ماں تم پر افسوس کرے! اگر اس کے ساتھ اس کا کوئی مددگار رہوتا تو تم نے تو جنگ کی آگ بھڑکا دی تھی' حضرت ابوبصیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پھر مشرکین کی طرف لوٹانے والے ہیں' پھر حضرت ابوبصیر مدینہ سے چلے گئے اور ساحل سمندر کی طرف آ گئے اور حضرت ابوجندل بن سہیل بھی اپنے گھر والوں کی قید سے چھوٹ کر ان کے ساتھ آ ملے' پھر قریش کا جو شخص بھی اسلام قبول کرتا وہ مدینہ جانے کے بجائے ساحل سمندر کی طرف چلا جاتا' اس طرح وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت بن گئی' پس اللہ کی قسم! ان کو مشرکین کے جس قافلہ کے متعلق بھی یہ خبر ملتی کہ وہ (تجارت کے لیے) شام جا رہا ہے' تو وہ راستہ میں اس قافلہ پر حملہ کر کے قافلہ والوں کو قتل کر دیتے اور ان کا مال و متاع بہ طور مالِ غنیمت کے لے آتے' پھر قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا اور آپ کو اللہ کا نام لے کر دہائی دی اور صلہ رحم کا واسطہ دیا اور (اپنی شرط واپس لے لی) اور کہا: اب جو بھی آپ کے پاس آئے گا وہ مامون ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ○ (الفتح: ٢٤)

وہی اللہ ہے جس نے سرزمین مکہ میں تم کو کافروں کے ہاتھوں سے بچایا اور کافروں کو تمہارے ہاتھوں سے (ساحل سمندر میں) بچایا' اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○

اور یہ آیتیں یہاں تک نازل ہوئیں:

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ. (الفتح: ٢٦)

جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی اور وہ زمانۂ جاہلیت کا تعصب تھا۔

اور ان کا جاہلانہ تعصب یہ تھا کہ انہوں نے یہ اقرار نہیں کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور انہوں نے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کا اقرار نہیں کیا اور وہ مسلمانوں اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٧٣٢۔٢٧٣١)

صلح حدیبیہ کی باقی ماندہ شرائط

''صحیح البخاری'' کی اس طویل حدیث میں صرف ان شرائط کا ذکر ہے' (١) مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں اور اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور تلواروں کو میان میں رکھ کر آئیں' اس کے علاوہ اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔ (٢) جو مسلمان مکہ سے مدینہ چلا جائے' مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اس کو مکہ واپس کر دیں۔

ان کے علاوہ اور شرائط بھی ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (چھ ذی الحجہ) ذوالقعدہ کے مہینہ میں عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور اس پر صلح کی کہ آپ (اگلے سال) مکہ میں صرف تین دن رہیں' جب یہ شرائط لکھی گئیں تو مسلمانوں نے لکھا کہ یہ وہ شرائط ہیں جن پر (سیدنا) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صلح کی ہے' مشرکین نے کہا: ہم اس کا اقرار نہیں کرتے' اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو (عمرہ کرنے سے) بالکل منع نہ کرتے' لیکن آپ محمد بن عبد اللہ ہیں' آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ ہوں اور میں محمد

بن عبداللہ ہوں' پھر آپ نے حضرت علی سے فرمایا: ''رسول اللہ'' کے لفظ کو کاٹ دو' حضرت علی نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں ''رسول اللہ'' کے لفظ کو کبھی نہیں مٹاؤں گا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب کو اٹھایا اور آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے' پھر آپ نے لکھا: یہ وہ معاہدہ ہے جس کو محمد بن عبداللہ نے لکھا ہے۔(۱) مکہ میں کوئی شخص (کھلے) ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوگا' مگر تلوار میان میں ہوگی (۲) اور اہل مکہ میں سے کسی شخص کو نکالا نہیں جائے گا خواہ وہ آپ کی اتباع کرنا چاہتا ہو (۳) اور اگر آپ کے اصحاب میں سے کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو منع نہیں کیا جائے گا' پھر جب آئندہ سال آپ مکہ میں داخل ہوئے اور تین دن گزر گئے تو مشرکین حضرت علی کے پاس گئے اور کہا: تم اپنے نبی سے کہو کہ وہ اب ہمارے پاس سے چلے جائیں۔الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۵۱)

معاہدہ میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ یہ معاہدہ دس سال کے لیے ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کئی امور کا ذکر تھا ان سب کا ذکر ''سیرت ابن ہشام'' میں ہے' جس سے دیگر کتب سیر نے نقل کیا ہے۔

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے کہ دس سال تک لوگوں کو جنگ سے دور رکھا جائے اور ان سالوں میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے فتنہ کو روکیں کہ جو شخص قریش میں سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس قریش کی اجازت کے بغیر چلا جائے گا اس کو قریش کے پاس واپس بھیجا جائے گا اور جو شخص (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے قریش کے پاس چلا جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے اور ہم ایک دوسرے کے خلاف عداوت ظاہر نہیں کریں گے' اور جو قبیلہ چاہے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف ہو جائے اور جو چاہے وہ قریش کا حلیف ہو جائے اور ان کے عقد اور معاہدہ میں داخل ہو جائے' پھر خزاعہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد اور معاہدہ میں داخل ہو گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے اور ان کے عقد اور معاہدہ میں داخل ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ مع الروض الانف ج ۴ ص ۵۲۔۵۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

بیعت رضوان کے متعلق قرآن مجید کی آیات

معاہدہ کو تحریر کرنے سے پہلے ایک اہم واقعہ رونما ہوا تھا جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے' قرآن مجید کی حسب ذیل آیت میں بیعت رضوان کا ذکر ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۙ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ (الفتح: ۲۰۔۱۸)

بے شک اللہ مؤمنوں سے راضی ہو گیا جب وہ آپ سے ایک درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے' پس اس کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا' سو اس نے ان پر سکون اور اطمینان نازل فرمایا اور ان کو عنقریب (حاصل ہونے والی) فتح عطا فرمائی ○ اور بہت سی غنیمتیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ بہت غالب' بہت حکمت والا ہے ○ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کو تم حاصل کرو گے' سو یہ (فتح حدیبیہ) تو تمہیں جلدی عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ یہ مؤمنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تم کو سیدھے راستے پر چلائے ○

اور اس آیت میں بھی بیعت رضوان کا ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الفتح: ۱۰)

بے شک جو لوگ (بہ ظاہر) آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ (درحقیقت) اللہ سے ہی بیعت کر رہے تھے اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا' سو جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے ۝

بیعت رضوان کے متعلق احادیث

اور ان حدیثوں میں بھی بیعت رضوان کا ذکر ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یوم حدیبیہ کو ہم چودہ سو افراد تھے' ہم نے آپ سے بیعت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ کیکر کے درخت کے نیچے پکڑا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۶)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا جس دن درخت کے نیچے بیعت ہو رہی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بیعت کر رہے تھے اور میں آپ کے سر سے درخت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہٹا رہا تھا اور ہم اس دن چودہ سو افراد تھے' انہوں نے کہا: ہم نے موت پر بیعت نہیں کی تھی لیکن ہم نے یہ بیعت کی تھی کہ ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۸)

یزید بن ابی عبید' سلمہ بن اکوع کے آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے سلمہ سے پوچھا کہ حدیبیہ کے دن آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کس چیز کی بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا: موت پر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے' ہوسکتا ہے کہ آپ نے بعض صحابہ سے اس پر بیعت لی ہو کہ وہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں اور بعض صحابہ سے اس پر بیعت لی ہو کہ وہ تادم مرگ آپ کے ساتھ رہیں گے۔

عثمان بن موہب بیان کرتے ہیں کہ اہل مصر سے کچھ لوگوں نے بیت اللہ کا حج کیا' اس نے کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا' اس نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ کسی نے کہا: یہ قریش ہیں' اس نے پوچھا: ان میں جو بوڑھا آدمی ہے وہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں' اس نے کہا: اے ابن عمر! میں آپ سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں' آپ مجھے بتایئے: کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عثمان جنگ اُحد میں بھاگ گئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: ہاں! اس نے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ وہ جنگ بدر میں غائب تھے اور حاضر نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: ہاں! اس نے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عثمان بیعت رضوان سے غائب تھے اور اس موقع پر حاضر نہیں تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اللہ اکبر! حضرت ابن عمر نے فرمایا: سنو! اب میں تمہیں اس کی وجہ بیان کرتا ہوں' رہا جنگ احد میں بھاگنے کا معاملہ تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو معاف کر دیا اور ان کی مغفرت کر دی اور رہا جنگ بدر سے غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عقد نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی تھیں اور وہ بیمار تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کو اس شخص کا اجر ملے گا جو جنگ بدر میں حاضر ہوا اور مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ بھی نکالا اور رہا ان کا بیعت رضوان سے غائب ہونا تو اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت کوئی اور شخص سرزمین مکہ میں اہل مکہ کے نزدیک معزز ہوتا تو آپ اس کو سفارت کے لیے بھیج دیتے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو سفارت کے لیے بھیج دیا اور

حضرت عثمان کے جانے کے بعد بیعت رضوان منعقد ہوئی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے' پھر آپ نے اس کے اوپر دوسرا ہاتھ مارا' پھر فرمایا: یہ عثمان کی بیعت ہے' پھر حضرت ابن عمر نے اس شخص سے فرمایا: جا! اب ان جوابات کو لے کر چلا جا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۹۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۶' مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱)

بیعت رضوان کا مفصل واقعہ

بیعت رضوان کا مفصل واقعہ اور اس کا پس منظر اور پیش منظر کتب سیرت میں مرقوم ہے۔

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ قریش نے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے گرد چکر لگائیں تاکہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کو پکڑ لیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے اوپر پتھر پھینکے اور تیر مارے' ان کو گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا' آپ نے ان سب کو معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ ان کو مکہ بھیجیں اور وہ آپ کی طرف سے قریش کے سرداروں کو یہ پیغام پہنچائیں کہ آپ صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں' حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! مجھے قریش کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ ہے اور مکہ میں عدی بن کعب کی اولاد میں سے کوئی نہیں ہے جو میری حفاظت کر سکے اور آپ کو معلوم ہے کہ قریش مجھ سے بہت شدید عداوت رکھتے ہیں' لیکن میں آپ کو ایک شخص بتاتا ہوں جو میری بہ نسبت ان کے نزدیک بہت معزز اور محترم ہے اور وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان کو بلایا اور ان کو ابوسفیان اور قریش کے سرداروں کی طرف بھیجا' تاکہ وہ ان کو بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ آپ صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کی تعظیم کے لیے آئے ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا: پھر حضرت عثمان مکہ گئے جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو ان کی ملاقات سعید بن العاص سے ہوئی' اس نے ان کو پناہ دی حتیٰ کہ حضرت عثمان نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا' پھر حضرت عثمان' ابوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں کے پاس گئے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا' انہوں نے حضرت عثمان سے کہا: اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو تم طواف کر لو' حضرت عثمان نے کہا: جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیں میں طواف کرنے والا نہیں ہوں' پھر قریش نے حضرت عثمان کو پکڑ کر بند کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں تک یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک اس قوم سے جنگ میں مقابلہ نہ کریں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کرنے کے لیے بلایا' پھر ایک درخت کے نیچے یہ بیعت منعقد ہوئی اور مسلمان یہ کہتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مرنے کے لیے بیعت کی ہے یعنی تادم مرگ آپ کے ساتھ لڑتے رہیں گے' حضرت جابر بن عبد اللہ یہ کہتے تھے کہ ہم نے موت پر بیعت نہیں کی تھی' ہم نے اس پر بیعت کی تھی کہ ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور بھاگیں گے نہیں۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے خود بیعت کی اور اپنے ایک ہاتھ

کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا۔

(السیرۃ النبویہ علی حامش الروض الانف ج ۴ ص ۴۸۔ ۴۷‘ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ‘ بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

پھر حاضرین میں سے تمام مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد آپ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو قتل کرنے کی جو خبر آئی تھی وہ باطل تھی۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۲۷۸۔ ۲۸۰‘ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات‘ بیروت)

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ ھ نے اس کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(المنتظم ج ۲ ص ۲۹۱‘ دارالفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ ھ)

امام محمد بن محمد شیبانی‘ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ اور علامہ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے بھی اس کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۳۸‘ دارالکتاب العربی‘ بیروت‘ ۱۴۰۰ ھ‘ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۳۴‘ دارالفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۹ ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد المتوفی ۲۰۷ ھ نے حضرت عثمان کے سلسلہ میں بہت ایمان افروز واقعہ لکھا ہے:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سفارت کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے تو مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! عثمان تو مکہ پہنچ گئے اب وہ طواف کرلیں گے‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہ گمان نہیں کرتا کہ ہم کو یہاں مکہ میں داخل ہونے سے روکا ہوا ہو اور عثمان مکہ میں پہنچ کر ہمارے بغیر بیت اللہ کا طواف کرلیں۔ مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! جب عثمان مکہ میں پہنچ گئے ہوں گے تو ان کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے کیا چیز مانع ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا گمان یہی ہے کہ وہ اس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک کہ ہم طواف نہ کرلیں۔ پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچ گئے تو مسلمانوں نے ان سے کہا: تم نے بیت اللہ کا طواف کرکے اپنی پیاس بجھالی؟ حضرت عثمان نے فرمایا: تم نے میرے متعلق بہت بُرا گمان کیا ہے‘ اگر میں وہاں مکہ میں ایک سال بھی رہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں حدیبیہ میں ہوتے تو میں آپ کے بغیر کبھی طواف نہ کرتا‘ مجھے قریش نے بیت اللہ کا طواف کرنے کی دعوت دی تھی مگر میں نے انکار کر دیا‘ تب مسلمانوں نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہیں اور ہم سب سے اچھا گمان کرنے والے ہیں۔ (کتاب المغازی ج ۲ ص ۶۰۲۔ ۶۰۱‘ عالم الکتب‘ بیروت‘ ۱۴۰۴ ھ)

بشارت کی تعیین سے پہلے عمرہ حدیبیہ کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ ۶ ھ میں عمرہ کرنے کا جو قصد کیا تھا اور چودہ سو اصحاب کے ساتھ آپ عمرہ کے لیے روانہ ہوگئے تھے‘ اس کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے واقعہ حدیبیہ سے پہلے خواب میں یہ دکھایا تھا کہ آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ انتہائی امن اور بے خوفی کے ساتھ عمرہ کرنے جارہے ہیں‘ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے‘ ہرچند کہ اس خواب میں یہ تعیین نہیں تھی کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے کب روانہ ہوں گے‘ لیکن چھ سال سے آپ نے اور مسلمانوں نے بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا‘ نہ اس کی زیارت کی تھی تو آپ اور سب مسلمان بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے کے لیے بے چین تھے‘ اس لیے خواب میں جب بیت اللہ کی زیارت اور اس کے طواف کرنے کا مژدہ اور اس کی بشارت ملی تو آپ نے عمرہ کے لیے رختِ سفر باندھنے میں ذرا تاخیر نہ کی اور فوراً عمرہ کے لیے روانہ ہوگئے اور اس کے لیے مسلمانوں میں اعلان عام کرایا گیا اور آپ اپنے چودہ سو اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہوگئے‘ یہی وجہ ہے کہ جب کفار نے ایسی شرائط عائد کیں جن سے بہ ظاہر مسلمان مغلوب معلوم ہوتے تھے اور کفار قریش غالب نظر آتے تھے اور سب

مسلمان ان شرائط کے ماننے پر ملول اور افسردہ تھے' حتیٰ کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جب ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر ہیں تو ہم ان سے دب کر شرائط کیوں مانیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ میری مدد فرمائے گا' حضرت عمر نے کہا: کیا آپ نے ہم سے یہ بات نہیں بیان فرمائی تھی کہ ہم عنقریب بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ ہم اس سال طواف کریں گے؟ حضرت عمر نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو بے شک تم ضرور بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب دیکھا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ امن کے ساتھ عمرہ کریں گے آپ کو اس وحی پر اعتماد تھا کہ یہ خواب کی پیش گوئی ضرور پوری ہوگی' سو اگلے سال یہ پیش گوئی پوری ہوگئی اور آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ عمرہ کرنے گئے اور جب آپ کا خواب سچا ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۗ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ (الفتح: ٢٧)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچا کر دکھایا' تم ان شاء اللہ ضرور بہ ضرور مسجد حرام (کعبہ) میں بے خوفی سے داخل ہو گے' اپنے سروں کے بال منڈواتے ہوئے اور کترواتے ہوئے اور تم کسی سے نہیں ڈرو گے' پس اللہ کو ان چیزوں کا علم ہے جن کو تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح عطا کی ○

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے تعیین کے بغیر ایک سال پہلے عمرہ کے لیے روانہ کیوں ہو گئے' کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعیین کر دی جاتی کہ عمرہ کی بشارت فلاں سال میں پوری ہوگی تب آپ عمرہ کے لیے روانہ ہوتے تاکہ مسلمانوں کو دب کر کافروں کی شرائط ماننے کی ذلت نہ اٹھانا پڑتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل اتباع وحی کے بغیر نہیں ہوتا' قرآن مجید میں ہے: ''قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ'' (الاعراف: ٢٠٣) آپ کہیے: میں صرف وہی کام کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے' آپ کا چھ ہجری میں عمرہ کے لیے روانہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھا اور اس سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اس سفر کے نتیجہ میں بیعت رضوان منعقد ہوئی اور حضرت عثمان کا مقام ظاہر ہوا کہ ان کا قصاص لینے کے لیے تمام مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ظاہر ہوا کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کو اللہ نے اپنے ہاتھ پر بیعت قرار دیا۔

(۲) صحابہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اطاعت کا ظہور ہوا کہ کفار سے دب کر شرائط ماننا ان کی آن اور خودداری کے خلاف تھا لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے اپنی آن' خودداری اور جذبات کو قربان کر دیا۔

(۳) کفار قریش نے جو یہ شرط رکھی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان مدینہ جائے گا اس کو مسلمان واپس کریں گے ان کو نقصان اٹھا کر یہ شرط واپس لینی پڑی اور حقیقت میں وہ ذلیل ہوئے۔

(۴) صلح حدیبیہ بعد کی فتوحات کے لیے پیش خیمہ بنی' ٦ ھ میں آپ کے ساتھ چودہ سو مسلمان تھے اور دو سال بعد آپ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین فرمایا۔

(۵) صلح حدیبیہ سے مکہ کے گرد قبائل کو معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امن پسند شخص ہیں اور قریشِ مکہ ہٹ دھرم اور ظالم ہیں یہ حرم مکہ کے خادم اور متولی تھے لیکن انہوں نے حرم شریف کو اپنی ذاتی جاگیر بنا لیا' جس کو یہ چاہیں عمرہ کرنے دیں اور جس کو چاہیں عمرہ نہ کرنے دیں' اس سے اسلام کی تبلیغ کی راہ ہموار ہو گئی اور یہ کثرت فتوحات ہوئیں' ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر اور غزوۂ موتہ میں فتح ہوئی اور آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا' پھر طائف فتح ہوا' پھر فتوحات حاصل ہوتی گئیں اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں اسلام پھیل گیا۔

(۶) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کفار کی شرائط پر صلح نہ کرتے تو جنگ چھڑ جاتی' اگرچہ مسلمانوں کی طرف سے یہ مدافعانہ جنگ ہوتی لیکن حرمت والے مہینہ میں احرام باندھے ہوئے حدودِ حرم میں جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے مناسب نہ تھا جب کہ اس جنگ سے بچنے کی صورت موجود تھی کہ مسلمان آئندہ سال امن سے عمرہ کر لیتے ورنہ کفار مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے کہ انہوں نے حرمت والے مہینہ' احرام اور حدودِ حرم کا لحاظ نہیں کیا۔

(۷) اگر یہ جنگ چھڑ جاتی تو اس وقت جو مسلمان مکہ میں اسلام قبول کر چکے تھے ان کے لیے زیادہ مشکل ہوتی اور مسلمان ذہنی طور پر کسی جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں چلے تھے وہ احرام باندھ کر صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

(۸) سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس جنگ کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں آیا تھا' اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو مسلمانوں کا صبر اور ضبط' مسلمانوں کی اطاعت رسول اور ان کی امن پسندی دکھانا چاہتا تھا۔

(۹) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا تھا اور اپنے رسول کی زندگی میں یہ نمونہ رکھنا چاہتا تھا کہ مسلمان حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوں اور دشمن کے خوف یا کسی مرض کی وجہ سے یا کسی بھی ناگہانی افتاد کی وجہ سے سفر جاری نہ رکھ سکیں تو وہ اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کر دیں اور اپنے سر مونڈ لیں اور احرام کھول دیں۔

(۱۰) بعض مدینہ کے قبائل (غفار' مزینہ' جہینہ اور اسلم وغیرہ) یہ سوچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کرنے نہیں گئے کہ مسلمان عمرہ کے لیے مسلح ہو کر تو جا نہیں سکتے' اگر ایسے میں کفار نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو نہتے مسلمان ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں یہ آیتیں نازل فرمائیں:

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا ○ (الفتح: ۱۲-۱۱)

دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب آپ سے یہ کہیں گے کہ ہم اپنے مال اور گھر والوں میں مشغول رہے' آپ (ہمارے ساتھ نہ جانے پر) مغفرت طلب کریں' وہ اپنی زبانوں سے جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے' آپ کہیے کہ تمہیں اللہ کے مقابلہ میں کون بچا سکتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے یا نفع پہنچانے کا ارادہ کرے' بلکہ اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ بلکہ (حقیقت میں) تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اور مومنین اب اپنے گھروں میں کبھی واپس نہ آسکیں گے اور یہ چیز تمہارے دلوں میں خوش نما بن چکی تھی' تم نے بُرا گمان کیا تھا اور تم لوگ ہو بھی ہلاک ہونے والے ○

ان آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ ہر چند کہ آپ کو خواب میں عمرے کی بشارت کی یہ تعیین نہیں کی تھی کہ آپ کس سال عمرہ

کریں گے پھر بھی حصولِ تعیین سے پہلے آپ کا عمرہ کے لیے روانہ ہونا صحیح تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق تھا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان اعراب کی مذمت فرمائی جو اپنی ہلاکت کے ڈر سے آپ کے ساتھ نہیں گئے اور ان کو ہلاک ہونے والی قوم قرار دیا۔

اور آپ کا بہ ظاہر دب کر کفار کی شرائطِ صلح کو قبول کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی کی اتباع میں تھا' لوگ سمجھ رہے تھے کہ اس معاہدہ میں کفار کا پلہ بھاری تھا لیکن حقیقت میں آپ کا اور مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا اور بعد کے واقعات نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا۔

(۱۱) تعیین بشارت سے پہلے عمرہ کے سفر کو اختیار کرنے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ کامل تھا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مصدق تھے کیونکہ حضرت ابوبکر کو شرائطِ صلح کے متعلق بال برابر بھی تردد نہیں ہوا۔

(۱۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کا عکاس اور مظہر تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جو جوابات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے' بعد میں وہی جوابات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی دیئے۔ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ہم اپنے دین کے معاملہ میں دب کر شرائط کیوں مانیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ میری مدد فرمائے گا' بعد میں جب حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے یہی سوال کیا تو انہوں نے کہا: اے شخص! وہ بے شک ضرور اللہ کے رسول ہیں اور وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کریں گے اور اللہ ان کی مدد فرمائے گا' باقی سوالات کے جوابات میں بھی اسی طرح یکسانیت ہے۔

''صحیح بخاری'' میں اسی طرح ہے لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کے بالکل الٹ لکھا ہے کہ پہلے حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے سوالات کیے اور ان کے جوابات سننے کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیے۔

چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں: حضرت عمر کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد کبھی میرے دل میں شک نے راہ نہ پائی تھی' مگر اس موقع پر میں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا' وہ بے چین ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور کہا۔۔۔۔۔۔ پھر ان سے صبر نہ ہوا جا کر یہی سوالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کیے اور حضور نے بھی ان کو ویسا ہی جواب دیا جیسا حضرت ابوبکر نے دیا تھا۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۳۹' ترجمان القرآن' لاہور' اپریل ۱۹۸۲ء)

(۱۳) نیز اس سے حضرت عثمان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی شدت معلوم ہوئی' کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کے لیے انہیں مکہ جانے کا حکم دیا تو انہوں نے کوئی عذر پیش نہیں کیا اور بے خوف و خطر دشمن کے علاقہ میں چلے گئے۔

(۱۴) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عبادت کا درجہ بعد میں ہے' پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور آپ کی تعظیم کا درجہ ہے' انہیں بیت اللہ کے طواف کی پیش کش کی گئی' لیکن انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کعبہ کا طواف نہیں کروں گا۔

(۱۵) اور اس سے حضرت عثمان کی یہ فضیلت بھی ظاہر ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور ان کی طرف سے خود بیعت کی' اس وقت بیعت رضوان میں سب حضور کے طالب تھے اور حضور حضرت عثمان

کے طالب تھے' تمام صحابہ اس وقت بیعت کے طالب اور حضرت عثمان بیعت کے مطلوب تھے اور یہ ان کی اس اطاعت اور جاں نثاری کا صلہ تھا کہ وہ آپ کے حکم پر بغیر کسی عذر کے بے خوف وخطر دشمن کے علاقہ میں چلے گئے تھے۔

سورۃ الفتح کا مقامِ نزول اور زمانۂ نزول

سورۃ الفتح مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں انتیس آیتیں ہیں' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر اڑتالیس ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ایک سو تیرہ (۱۱۳) ہے' یہ سورۃ الصف کے بعد اور سورۃ التوبہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

واحدی نے بیان کیا ہے کہ یہ سورت مکہ اور مدینہ میں حدیبیہ کے مقام پر نازل ہوئی' اس وقت مسلمان عمرہ کے لیے جانا چاہتے تھے اور کفار مکہ ان کے درمیان حائل ہو گئے تھے اور ان کو بیت اللہ کی زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جانے نہیں دے رہے تھے اور اس وقت بہت رنج اور افسوس میں تھے' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ'' (الفتح:۱) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

سورۃ الفتح کے مسائل اور مقاصد

☆ سورۃ الفتح میں اس چیز کی بشارت ہے کہ حدیبیہ کی صلح مسلمانوں کے لیے فتح مکہ کی تمہید ہے اور اب وہ وقت قریب ہے جب مسلمانوں کو کفار پر مکمل غلبہ حاصل ہو جائے گا' اور اس مہم سے مسلمانوں کو جنت اور فوز عظیم حاصل ہوگی اور ان منافقوں کے لیے یہ اللہ کے غضب کا سبب بنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بدگمانی کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کو لے کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

☆ مسلمانوں کو یہ بتایا کہ اللہ کی طرف سے جو عظیم الشان رسول آیا ہے' مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی تعظیم اور توقیر کریں اور تمام مہمات میں اس کے ساتھ تعاون کریں اور جو لوگ اس رسول کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

☆ جو منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کے اس سفر میں نہیں گئے تھے ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اب یہ مختلف حیلے بہانے کر کے آپ کے پاس مغفرت کی درخواست لے کر آئیں گے' آپ انہیں بتا دیں کہ ان کا معاملہ اب اللہ کے سپرد ہے اور ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق اگر انہیں یہ یقین ہو کہ اس میں کوئی لقمہ تر ان کے ہاتھ آنے والا ہے تو ان کی پوری خواہش ہوتی ہے کہ یہ اس غزوہ میں شریک ہوں اور جب ان کو یہ معلوم ہو کہ اس غزوہ میں کسی طاقت ور دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے تو یہ اس میں شرکت سے پہلو تہی کرتے ہیں اور جان چراتے ہیں۔

☆ اس سورت میں یہ بھی بتایا ہے کہ اگر اس موقع پر کفار مسلمانوں سے جنگ کرتے تو منہ کی کھاتے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق اور اس کی تعبیر میں تاخیر کی حکمت۔

☆ تمام ادیان پر اسلام کا غلبہ یقینی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی تورات میں تصویر اور حق کے تدریجی غلبہ کی ''انجیل'' میں تمثیل۔

سورۃ الفتح کا تعارف کافی طویل ہو گیا اور یہ اب تک کی سورتوں میں بیان کیے گئے تعارف میں سب سے طویل تعارف

ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں بہت اہم اور معرکہ آراء مباحث ہیں تو ہم نے چاہا کہ قارئین کو شروع میں ہی ان مباحث سے مکمل آگاہی حاصل ہو جائے۔

اور اب میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتا ہوں' اے بارِ الٰہ! مجھ سے اس سورت کی تفصیل میں وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو باطل اور غلط ہو اس کا رد کرنے کا حوصلہ اور ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ/ ۳ جون ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الفتح مدنیۃ ٤٨ | بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ | آیاتہا ٢٩ رکوعاتہا ٤

سورۃ الفتح مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انتیس آیتیں چار رکوع ہیں

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن

(اے رسولِ مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائیO تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے

ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَٰطًا

آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو

مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ

صراطِ مستقیم پر برقرار رکھےO اور اللہ آپ کی نہایت قوی مدد فرمائےO وہی ہے جس نے مؤمنوں

السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ

کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ان کا ایمان ان کے پہلے ایمان سے اور زیادہ ہو،

وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤﴾

اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہےO

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

تاکہ اللہ مؤمنوں اور مؤمنات کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے سے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ

دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کی برائیوں کو ان سے مٹا دے، اور یہ اللہ کے

عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ

نزدیک بہت بڑی کامیابی ہےO اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو

وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ

اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے متعلق برا گمان رکھتے ہیں، ان ہی پر

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ

بُری گردش ہے' اور اللہ نے ان پر غضب فرمایا اور لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ کو تیار کیا

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ

اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے○ اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں' اور اللہ بہت غالب بے حد حکمت

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾

والا ہے○ بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے○

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً

تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح اور شام اللہ کی

وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ

تسبیح پڑھو○ بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' اللہ کا ہاتھ

اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ

ہے ان کے ہاتھوں پر' سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہو گا'

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع

اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا○

ع ۱۰/۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسولِ مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی○ تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام' اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے○ اور اللہ آپ کی نہایت قوی مدد فرمائے○ وہی ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ان کا ایمان ان کے پہلے ایمان سے اور زیادہ ہو' اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں' اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے○ تاکہ اللہ مؤمنوں اور مؤمنات کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کی برائیوں کو ان سے مٹا دے اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے○ (الفتح: ۵-۱)

(الفتح: ۱) سے آیا فتح مکہ مراد ہے یا فتح حدیبیہ؟

الفتح: ۱ میں جس فتح کا ذکر فرمایا ہے' اس سے مراد کون سی فتح ہے؟ اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں: (۱) فتح مکہ (۲) فتح روم (۳) صلح حدیبیہ کی فتح (۴) دلائل اور براہین سے اسلام کی فتح (۵) اسلحہ سے اسلام کی فتح (۶) حق اور باطل کے اختلاف

میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد حدیبیہ کی فتح ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے الفتح: ۱ کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد حدیبیہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۴) حضرت جابر نے کہا: ہم فتح مکہ کا شمار نہیں کرتے تھے مگر حدیبیہ کے دن اور فراء نے کہا: حضرت جابر نے فرمایا: تم لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہو فتح مکہ بھی فتح تھی اور ہم حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں' ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو افراد تھے' اور حدیبیہ ایک کنواں ہے' ضحاک نے کہا: یہ فتح بغیر جنگ کے حاصل ہوئی اور یہ صلح بھی فتح تھی' مجاہد نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ میں اونٹوں کو نحر کرنا اور سروں کو مونڈنا ہے اور کہا: فتح حدیبیہ میں بہت عظیم نشانیاں ہیں' حدیبیہ کا پانی تقریباً ختم ہو گیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کلی فرمائی تو اس کا پانی کناروں سے چھلکنے لگا' حتیٰ کہ آپ کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے وہ پانی پی لیا' اور موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حدیبیہ سے واپسی کے وقت کہا: یہ فتح نہیں ہے' ہم کو بیت اللہ کی زیارت کرنے سے روک دیا گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ یہ سب سے عظیم فتح ہے' مشرکین اس بات سے راضی ہو گئے کہ وہ تم کو اپنے شہروں سے دور رکھیں اور تم سے مقدمہ کا سوال کریں اور امان کے حصول میں تمہاری طرف رغبت کریں اور انہوں نے تم سے وہ چیزیں دیکھیں جو ان کو ناپسند ہیں۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۱۱) شعبی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس فتح سے مراد فتح حدیبیہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتح میں وہ چیزیں حاصل ہوئیں جو کسی اور غزوہ میں حاصل نہیں ہوئیں' آپ کو اس میں اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر مغفرت حاصل ہوئی' آپ کو بیعتِ رضوان حاصل ہوئی' اسی غزوہ کے بعد خیبر فتح ہوا اور رومی ایرانیوں پر غالب ہوئے اور مسلمانوں کو اس سے خوشی ہوئی کہ اہل کتاب کو مجوسیوں پر غلبہ ہوا اور زہری نے کہا کہ حدیبیہ کی فتح سب سے بڑی فتح تھی' حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو مسلمان تھے اور اس کے صرف دو سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۳۹۔ ۲۳۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آپ کی مغفرت کے حصول کا سبب فتح مکہ ہے یا فتح حدیبیہ ہے یا فتح حجاب ہے؟

الفتح: ۲ میں فرمایا: تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر برقرار رکھے ○

اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فتح مغفرت کا سبب ہے اور فتح مغفرت کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی' اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں صرف اعلان مغفرت کو فتح کا سبب نہیں فرمایا بلکہ فتح کا سبب اعلان مغفرت' نعمت کو پورا کرنا' ہدایت پر ثابت قدم رکھنا اور اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چاروں امور فتح حدیبیہ سے حاصل ہوئے' کیونکہ جب فتح حدیبیہ ہوئی تو آپ پر نعمت مکمل ہوئی اور دوسری فتوحات کا دروازہ کھلا اس کے ایک سال بعد ۷ھ میں خیبر فتح ہوا اور دو سال بعد ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور فتح حدیبیہ کے بعد آپ پر اللہ تعالیٰ کی لگاتار نصرت کا ظہور ہوا۔

(۲) اگر اس فتح سے مراد فتح مکہ ہو تو مکہ کا فتح ہونا بیت اللہ کے بتوں سے خالی اور پاک ہونے کا سبب بنا اور بیت اللہ کی تطہیر بندوں کی تطہیر کا سبب بنی' کیونکہ بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے سے بندوں کے گناہ دھل جاتے ہیں اور ان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(۳) فتح حدیبیہ حج کرنے کا سبب اور وسیلہ بنی اور حج کرنا گناہوں سے پاک ہونے اور مغفرت کلی کا سبب ہے' حدیث میں

ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:
جس شخص نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں کی اور نہ گناہ کیا تو وہ حج کر کے اس طرح لوٹے گا
جیسے وہ اسی دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۸۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۸۴۹' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۶۲۶)
اور فتح حدیبیہ میں بھی آپ کو مغفرت کلی حاصل ہوگئی اور مؤمنین اور مؤمنات کو جنت کی بشارت حاصل ہوگئی۔

(۴) فتح مبین سے مراد ہے: فتح حجاب۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ آپ جمال الوہیت کی تجلیات کے مطالعہ اور مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق رہیں لیکن بسا اوقات دین کی تبلیغ' امت کی اصلاح کے کاموں اور بشری تقاضوں کو پورا کرنے کی وجہ سے آپ کے دل پر حجاب چھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل سے یہ حجابات دور کر دیئے تاکہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کر سکیں اور آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں کوئی ایسا عمل نہ آنے پائے جو حجاب کا موجب ہو اور آپ کو اپنی اگلی اور پچھلی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کلی مغفرت حاصل رہے اور آپ کے اعتبار سے مغفرت کا معنی ہے: بلند درجات کا حصول' اور ہماری طرح مغفرت کا یہ معنی نہیں ہے کہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے یا بخش دیا جائے۔ اس توجیہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:
حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر حجاب چھا جاتا ہے اور میں ایک دن میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۷۰۲)
حافظ ابوالعباس احمد بن عمر المالکی القرطبی التوفی ۶۵۶ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر جو حجاب چھا جاتا تھا وہ کسی گناہ کی وجہ سے نہیں تھا' علماء نے اس حجاب کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا تھی' کبھی اس میں سستی اور غفلت ہو جاتی تھی تو آپ اس پر استغفار کرتے تھے۔
(۲) آپ امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ کے بعد آپ کی امت جو کام کرے گی اس پر مطلع ہوتے تو آپ اس پر امت کے لیے استغفار کرتے تھے۔
(۳) آپ امت کی مصلحتوں اور دشمن سے جنگ کے معاملات پر غور کرتے تھے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور اس کی تجلیات کے مشاہدہ میں کمی آ جاتی تھی تو آپ اس پر استغفار کرتے تھے' ہر چند کہ امت کی مصلحتوں اور دشمن سے جنگ کے معاملات میں غور و فکر کرنا بھی عظیم مقام اور افضل عبادت ہے لیکن آپ اپنے درجات کی بلندی اور رفعتِ مقام کے اعتبار سے اسے کم تر خیال کرتے' اس لیے اس پر استغفار کرتے۔
(۴) اللہ تعالیٰ کی جلال ذات اور اس کی عظمت سے آپ کے دل پر حجاب آ جاتا تھا تو آپ استغفار کرتے تھے۔
(۵) بعض ارباب اشارات نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقامات میں ہمیشہ ترقی کرتے رہتے تھے اور جب آپ پہلے مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتے' تو دوسرے مقام کے اعتبار سے پہلے مقام کو ناقص قرار دیتے' پھر اس سے پہلے مقام پر استغفار کرتے اور اس سے توبہ کرتے' جنید رحمہ اللہ نے اسی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے: "حسنات الابرار سیئات المقربین" نیکوں کی نیکیاں بھی ابرار کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

(المفہم ج ۷ ص ۲۷۔۲۶' دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی مصلحتوں اور دشمن کے ساتھ لڑائیوں میں غور فرماتے اور اس کی وجہ سے اپنے عظیم مقام کی طرف توجہ نہ کر پاتے تو اپنے عظیم مقام کے اعتبار سے اس کو بھی گناہ قرار دیتے اور اس پر استغفار کرتے' ہر چند کہ یہ امور بہت عظیم عبادات اور افضل اعمال ہیں لیکن یہ آپ کے عظیم مقام سے نیچے ہیں اور آپ کے عظیم مقام سے یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں اور اس کا مشاہدہ اور مراقبہ کریں اور اللہ کے ماسوا سے فارغ رہیں۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ ص ۶۷۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

سو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کے لیے فتح مبین کردی ہے' اس سے مراد فتح حجاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول مکرم کے درمیان کوئی حجاب نہیں رکھا اور آپ کو دائمی مشاہدہ عطا فرمایا تاکہ آپ کی اگلی زندگی میں یا پچھلی زندگی میں کوئی ایسا عمل نہ آنے پائے جو آپ کے لیے حجاب ہو جائے اور یہ آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

مفسرین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی توجیہات

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی ہے' ذنب کا معنی ہے: اثم (گناہ)۔ (القاموس المحیط ص ۸۵' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' آپ سے کوئی گناہ نہیں ہو سکتا' صغیرہ نہ کبیرہ' اعلانِ نبوت سے پہلے نہ اعلان نبوت کے بعد' سہواً نہ عمداً' حقیقۃً نہ صورۃً' اس وجہ سے مفسرین نے اس آیت کی تاویلات اور توجیہات کی ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) اس آیت سے مراد مؤمنین کے گناہ ہیں۔

یعنی یہ آیت مجاز عقلی پر محمول ہے' یہ توجیہ عطاء خراسانی سے منقول ہے' علامہ سیوطی نے اس توجیہ کو تین وجوہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی عبارت حسب ذیل ہے:

ساتواں قول عطاء خراسانی کا ہے کہ "ما تقدم" سے مراد آپ کے باپ آدم اور حوا کے گناہ ہیں اور "ما تاخر" سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں' یہ قول تین وجوہ سے ضعیف ہے:

(۱) حضرت آدم نبی معصوم ہیں ان کی طرف کسی گناہ کی اضافت نہیں کی جائے گی' سو یہ تاویل خود ایک تاویل کی محتاج ہے۔

(۲) کسی گناہ کی اضافت دوسرے کی طرف ضمیر خطاب سے نہیں کی جاتی (پھر امت کے گناہوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے کی جائے گی)۔

(۳) تمام امت کے گناہ معاف نہیں کیے گئے' بلکہ ان سے بعض کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بعض کے گناہ معاف نہیں کیے جائیں گے (بلکہ ان کو گناہوں کی سزا دی جائے گی)۔ (جواہر البحار ج ۴ ص ۲۵۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا "کنز الایمان" میں ترجمہ بھی عطاء خراسانی کے ترجمہ

کی فرع ہے‘ یہ بات درست نہیں ہے صرف اتنی بات میں اعلیٰ حضرت اور عطاء خراسانی میں مماثلت ہے کہ دونوں نے مغفرت ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی‘ اعلیٰ حضرت نے مغفرت ذنب کی نسبت آپ کے اگلوں اور پچھلوں کی طرف کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا استثناء کیا ہے اور عطاء خراسانی نے ذنب کی نسبت نبی معصوم حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

عطاء خراسانی نے کہا: ”ما تقدم من ذنبك“ سے مراد ہے: آپ کے باپ اور ماں‘ آدم اور حوا کے گناہ آپ کی برکت سے بخش دیئے گئے اور ”ما تاخر“ سے مراد ہے‘ آپ کی دعا سے آپ کی امت کے گناہ بخش دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۳)

عطاء خراسانی کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کسی آیت یا حدیث کے ترجمہ کے بغیر حضرت آدم کی طرف گناہ کی نسبت کی ہے اور امام ابن الحاج مکی نے کہا ہے: ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ جس شخص نے قرآن اور حدیث کی تلاوت کے بغیر کہا کہ کسی نبی نے گناہ کیا یا اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وہ کافر ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذالك.

(المدخل ج ۲ ص ۱۴)

اور اس پر دوسرا قوی اعتراض یہ ہے کہ آپ کی تمام امت کے گناہ الفتح: ۲ کے نزول کے وقت نہیں بخشے گئے‘ بلکہ بعض لوگوں کے گناہ آپ کی شفاعت سے قیامت کے دن بخشے جائیں گے اور بعض لوگوں کے گناہ عذابِ قبر بھگتنے کے بعد بخشے جائیں گے اور بعض کے گناہ دوزخ کی سزا کاٹنے کے بعد بخشے جائیں گے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ نے ہر چند کہ اپنی دوسری تصانیف میں اس آیت کا ”کنز الایمان“ سے مختلف ترجمہ کیا ہے اور ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قائم رکھی ہے‘ لیکن آپ نے عطاء خراسانی کی طرح یہ نہیں لکھا کہ آپ کے باپ اور ماں‘ آدم اور حوا کے گناہ آپ کی برکت سے بخش دیئے گئے۔ بلکہ آپ نے لکھا ہے کہ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ اور معاذ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ نہیں لکھا۔ اور اس میں اہل سنت کے عقیدہ کی مخالفت نہیں ہے اور جب یہ کہا جائے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تو یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے‘ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور کسی نبی نے کوئی گناہ نہیں کیا اور قرآن مجید کی تصریح کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے نسیان سے شجر ممنوع سے کھایا تھا ”فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○“ پس آدم بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم (معصیت) نہیں پایا۔ (طٰہٰ: ۱۱۵) اور جو کام نسیان سے کیا جائے وہ گناہ نہیں ہوتا‘ گناہ وہ ہوتا ہے کہ ممنوع کام قصد و ارادہ سے کیا جائے۔

بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے یہ تصریح کی ہے ”تمہارے اگلوں میں“ نہ حضرت آدم علیہ السلام داخل ہیں نہ آپ کے آباء کرام میں سے کوئی اور نبی۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے:

”ما تقدم من ذنبك“ تمہارے اگلوں کے گناہ اعنی سیدنا عبد اللہ و سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام و امہات طیبات باستثناء انبیاء کرام مثل آدم و شیث و نوح و خلیل و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۸‘ دار العلوم امجدیہ‘ کراچی)

امام فخر الدین رازی کی دوسری توجیہ یہ ہے:

(۲) ذنب سے مراد ترک افضل ہے (یہ جواب صحیح ہے)۔

(۳) ذنب سے مراد گناہ صغیرہ ہیں کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام پر سہواً اور عمداً جائز ہیں اور گناہ صغیرہ کا ارتکاب ان کو تفاخر اور تکبر سے محفوظ رکھتا ہے۔

امام رازی کا یہ تیسرا جواب بھی پہلے جواب کی طرح صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام سے خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ صغیرہ واقع ہوں تو وہ مطلقاً معصوم نہیں رہیں گے اور ان کا اپنی امت کو گناہ صغیرہ سے روکنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اللہ کے نزدیک یہ بات ناراضگی کا موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے ۝ (الصف: ۳)

(۴) اگلے پچھلے ذنب کی مغفرت کے اعلان سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا اظہار ہے (یہ جواب صحیح ہے)۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس آیت کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) طبری نے کہا: آپ نے اعلانِ رسالت سے پہلے اس آیت کے نزول تک جو ذنوب کیے وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے۔

یہ توجیہ باطل ہے کیونکہ آپ اپنی پوری زندگی میں معصوم ہیں۔

(۲) سفیان ثوری نے کہا: ''ما تقدم'' سے مراد یہ ہے کہ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں نزول وحی سے پہلے جو ذنوب کیے' ان سب کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ واحدی نے کہا: ''ما تاخر'' سے مراد یہ ہے کہ جن احکام پر آپ نے عمل نہیں کیا ان کو معاف کر دیا ہے۔

یہ توجیہ بھی حسب سابق باطل ہے۔

(۳) عطاء خراسانی نے کہا: ''ما تقدم'' سے مراد ہے آپ کے والدین آدم اور حوا کے گناہ' اور ''ما تاخر'' سے مراد ہے: آپ کی امت کے گناہ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کے باپ ابراہیم کے گناہ مراد ہیں۔

یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ اس میں انبیاء علیہم السلام کو گناہ گار قرار دیا ہے' حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔

(۴) ''ما تاخر'' سے مراد ہے: نبیوں کے گناہ اور ایک قول ہے: ''ما تقدم'' سے مراد ہے: یومِ بدر کا گناہ اور ''ما تاخر'' سے مراد ہے: یوم حنین کا گناہ' اس کی وجہ یہ ہے کہ یوم بدر کا گناہ مقدم ہے اور وہ آپ کی یہ دعا ہے کہ اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں تیری کبھی بھی عبادت نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۳) آپ بار بار یہ دعا کرتے رہے تو اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی' آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو کبھی بھی میری عبادت نہیں ہوگی؟ سو یہ آپ کا وہ گناہ ہے جو مقدم ہے (علامہ قرطبی کی ذکر کردہ اس وحی کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ یہ صحیح ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور آپ کا جو گناہ مؤخر ہے وہ یہ ہے کہ جب حنین کے دن مسلمانوں کو شکست ہوئی تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور اپنے عم زاد سے کہا: مجھے وادی کی کچھ کنکریاں لا کر دو پھر آپ نے وہ کنکریاں اپنی مٹھی میں لے کر مشرکین کے چہروں پر ماریں اور فرمایا: ان کے منہ بگڑ جائیں: ''حٰمٓ لا ینصرون'' تو تمام مشرکوں کو شکست ہوگئی اور ہر مشرک کی آنکھوں میں ریت اور کنکریاں بھر گئیں' پھر آپ نے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو بلایا تو وہ آگئے اور آپ نے کہا: اگر میں ان کو کنکریاں نہ مارتا تو ان کو شکست نہ ہوتی' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال:۱۷) آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں جب آپ نے پھینکی تھیں لیکن وہ کنکریاں اللہ نے پھینکی تھیں۔

سو یہ آپ کا وہ گناہ ہے جو بعد میں ہوا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۴۱۔ ۲۴۰ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

چوتھی توجیہ میں علامہ قرطبی نے بدر وحنین کے متعلق جو روایت ذکر کی ہے وہ بالکل بے اصل ہے اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں علامہ قرطبی پر واجب تھا کہ وہ اس آیت کی تفسیر میں ان اقوال کا ذکر نہ کرتے۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل توجیہات ذکر کی ہیں:

(۱) آپ سے جو اولیٰ کاموں کا ترک ہوا ہر چند کہ ترک اولیٰ ذنب نہیں ہے لیکن آپ کی نظر جلیل میں وہ ذنب تھا اس لیے اس کو ذنب سے تعبیر فرمایا جیسا کہ ابوسعید خراز نے کہا ہے کہ "**حسنات الابرار سیئات المقربین**" نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

(۲) اس سے صغیرہ گناہ مراد ہیں یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔

(۳) سفیان ثوری کا قول ذکر کیا ہے کہ اس سے زمانہ جاہلیت کے گناہ مراد ہیں۔

(۴) بدر وحنین کے گناہ ذکر کیے ہیں جس کی تفصیل علامہ قرطبی کے آخری قول میں گزر چکی ہے

آخری تینوں توجیہات صحیح نہیں ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

(روح البیان ج ۹ ص ۱۲۔ ۱۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ اس سے مراد خلاف اولیٰ کام ہیں اور ان کو آپ کے منصب جلیل کے اعتبار سے ذنب فرمایا ہے یا پھر وہ "**حسنات الابرار سیئات المقربین**" کے قبیل سے ہیں پھر دو باطل توجیہات کا ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۳۸ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ امام رازی علامہ اسماعیل حقی اور علامہ آلوسی تینوں کے نزدیک اس آیت میں ذنب کا اطلاق ترک اولیٰ یا خلاف اولیٰ کاموں پر کیا گیا ہے۔

محدثین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی توجیہات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ کی قسم! میں دن میں ستر سے زائد مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۹ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۳۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ مغفرت طلب کرتے تھے اور توبہ کا عزم کرتے تھے۔ ابوداؤد (حافظ ابن حجر نے امام نسائی لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے) نے سند جید کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے:

استغفر اللّٰه الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه. میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جو زندہ ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے

اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۱۷ ' سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۵۷۷)

آپ مجلس میں کھڑے ہونے سے پہلے سو مرتبہ یہ دعا کرتے تھے۔

اور نافع نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ ہم گنا کرتے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں سو مرتبہ یہ دعا کرتے تھے:

اللھم اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور . اے اللہ! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث:۱۰۶)

''صحیح بخاری'' میں ہے: میں دن میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا ہوں اور امام نسائی نے روایت کیا ہے: میں ہر روز سو مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث:۴۳۸) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو' کیونکہ میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث:۴۴۸ ' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۰۲) اور امام مسلم نے اغرمزنی سے روایت کیا ہے: بے شک میرے دل پر غین (حجاب) چھا جاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۰۲) قاضی عیاض نے کہا: غین (حجاب) سے مراد وہ سستی ہے جو دائماً ذکر کرنے سے مانع ہے' اور آپ جب کسی سستی یا کسی اور وجہ سے ذکر نہ کر سکتے تو اس کو گناہ قرار دیتے اور اس پر مغفرت طلب کرتے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حجاب سے مراد دنیاوی کاموں کے منصوبے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ سکون ہے جو آپ کے دل پر چھا جاتا ہے اور آپ اظہارِ عبودیت کے لیے استغفار کرتے تھے' یا خوفِ خدا کے غلبہ سے استغفار کرتے تھے۔ محاسبی نے کہا: آپ اللہ کی جلال ذات سے ڈرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے کہا: آپ کے دل پر حجاب کا آنا نقص نہیں ہے' بلکہ کمال ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کرنے پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ آپ معصوم ہیں اور استغفار معصیت کے وقوع کا تقاضا کرتا ہے' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) آپ کے دل پر جو حجاب چھا جاتا تھا آپ اس کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(۲) ابن جوزی نے کہا: بشری کمزوریوں سے کوئی خالی نہیں' انبیاء علیہم السلام اگرچہ گناہ کبیرہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن گناہ صغیرہ سے معصوم نہیں ہیں' تاہم یہ جواب صحیح نہیں ہے' انبیاء علیہم السلام کبائر اور صغائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

(۳) ابن بطال نے کہا: انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور وہ سب سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں پھر بھی اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوقِ واجبہ ادا کرنے کی وجہ سے اور مباح امور مثلاً کھانے پینے' جماع کرنے' سونے' آرام کرنے' مسلمانوں سے باتیں کرنے' ان کی مصلحتوں میں غور و فکر کرنے' دشمنوں سے جنگ کی تدبیر کرنے اور ایسے دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا اور اس کا مشاہدہ اور مراقبہ نہیں کر پاتے اور آپ اپنے عظیم مقام کی وجہ سے اس کو بھی گناہ خیال فرماتے تھے کیونکہ آپ کا مقامِ عالی تو یہ ہے کہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہیں۔

(۴) آپ کا استغفار کرنا امت کی تعلیم کے لیے تھا یا امت کے گناہوں پر استغفار اور ان کی شفاعت کے لیے تھا۔

(۵) آپ ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے تھے اور بعد والا حال پہلے حال سے بلند ہوتا تھا' تو آپ

بعد کے حال کے مقابلہ میں پہلے حال کو گناہ خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے۔

(۶) شیخ شہاب الدین سہروردی نے کہا: آپ کا ہر آن اللہ سے قرب رہتا تھا اور ہر بعد والی آن میں پہلی آن سے زیادہ قرب ہوتا تھا اور آپ پہلی آن کو بعد والی آن کے مقابلہ میں گناہ خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۸۱۔۳۷۹ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اسی کا خلاصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ استغفار ترکِ اولیٰ پر تھا یا تواضعاً تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۴ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۳ ص ۳۶۲۔۳۶۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں' حتیٰ کہ آپ صغائر سے بھی معصوم ہیں' اس کا یہ جواب ہے کہ استغفار کرنے سے گناہ کا صدور لازم نہیں آتا' بلکہ استغفار میں اپنے رب کی طرف حاجت کا اظہار ہوتا ہے اور تواضع ہوتی ہے اور امت کے لیے تعلیم ہوتی ہے تاکہ ان کے لیے بھی استغفار کرنا سنت ہو جائے۔

(التوشیح ج ۵ ص ۹۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا: ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیئے' کیونکہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا' حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا' نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ "لیغفرلك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر" کا معنی ہے: "لیعصمك اللہ فیما تقدم من عمرك وفیما تاخر منہ" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا' اس آیت میں مغفرت' عصمت سے کنایہ ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔

شیخ عز الدین بن عبد السلام نے اپنی کتاب "نہایۃ السؤل فیما سنح من تفضیل الرسول" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی ہے' پھر انہوں نے فضیلت کی وہ وجوہات ذکر کی ہیں اور ان فضیلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (یعنی بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں) کو بخش دیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی مغفرت کی خبر نہیں دی' یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کی جائے گی تو سب "نفسی نفسی" کہیں گے اور ہیبتِ الٰہی سے شفاعت نہیں کریں گے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ شفاعت طلب کریں گے تو آپ فرمائیں گے: یہ میرا کام ہے' اور اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے لیے فتح مبین کو ثابت کیا' پھر مغفرت ذنوب کا ذکر کیا' پھر اپنی

نعمت پوری کرنے اور صراطِ مستقیم کی ہدایت پر ثابت رکھنے اور نصر عزیز کا ذکر کیا' جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس آیت سے مقصود گناہوں کا ثابت کرنا نہیں بلکہ گناہوں کی نفی کرنا ہے۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متعدد نعمتوں کو جمع کر دیا ہے' فتح مبین عطا فرمائی جو اجابت کی علامت ہے' مغفرت عطا فرمائی جو محبت کی علامت ہے' اتمام نعمت سے سرفراز کیا جو آپ کے اختصاص کی نشانی ہے اور ہدایت عطا فرمائی جو ولایت کی علامت ہے' پس مغفرت سے مراد تمام عیوب اور نقائص سے آپ کی تنزیہ ہے اور اتمام نعمت سے مراد آپ کو درجہ کاملہ پر پہنچانا ہے اور ہدایت سے مراد آپ کو مشاہدہ ذات وصفات کے اس مرتبہ پر پہنچانا ہے جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ (مدارج النبوت ج ۱ ص ۷۲۔ ۷۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

ہم نے جو شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ سب نبیوں کے پاس جائیں گے اور سب "نفسی نفسی" کہیں گے' سوائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے' اس پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیث میں تو صرف حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے پاس جانے کا ذکر ہے اور یہ کل پانچ نبی ہیں' سب نبیوں کے پاس جانے کا تو حدیث میں ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ سب نبیوں کے پاس جانے کا بھی حدیث میں ذکر ہے' ملاحظہ فرمائیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا اسمعیل بن ابان' حدثنا ابو الاحوص' عن ادم بن علی' قال سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول ان الناس یصیرون یوم القیامۃ جثا' کل امۃ تتبع نبیہا یقولون یا فلان اشفع حتی تنتھی الشفاعۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذلک یوم یبعثہ اللہ المقام المحمود.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۸' طرفہ فی: ۱۴۷۵' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دو زانو بیٹھے ہوں گے' ہر امت اپنے اپنے نبی کے پاس جائے گی' وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے' حتیٰ کہ یہ (طلب) شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ختم ہو گی۔ پس یہی وہ دن ہے جب اللہ آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۸۶' طبع کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی تمام انبیاء کا ذکر فرمایا ہے:

اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام "نفسی نفسی" فرمائیں گے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "انا لھا انا لھا" "میں ہوں' شفاعت کے لیے' میں ہوں شفاعت کے لیے" انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم سب سر بہ گریباں وہ ساجد وقائم سب محلِ خوف میں آمن وناعم سب اپنی فکر میں' انہیں فکر عوالم' سب زیر حکومت وہ مالک وحاکم بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کریں گے' ان کا رب انہیں فرمائے گا: "یا محمد ارفع رأسک وقل تسمع"۔ (تجلی الیقین ص ۳۵)

شیخ عز الدین' علامہ سیوطی اور شیخ عبد الحق سب کے کلام کا حاصل یہی ہے کہ تمام نبیوں کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہو گی۔

حافظ ابن کثیر دمشقی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائص میں سے ہے جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں ہے' آپ کے علاوہ اور کسی

شخص کے لیے کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے کہ اس کی اگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کر دی گئی ہو اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تعظیم اور تشریف ہے اور اطاعت' نیکی اور پارسائی میں اوّلین اور آخرین میں سے کسی نے آپ کے مقام کو نہیں پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا جو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حضور کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر کیا ہے اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر حضور کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سربلندی کی خبر دینے سے کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ مغفور ہیں اور ماضی اور مستقبل کی کسی چیز پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا' بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ سے کوئی چیز ہوئی ہے یا نہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(الشفاء ج ۱ ص ۳۱' عبد التواب اکیڈمی' ملتان)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ تجانی نے کہا ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے' جیسے کوئی شخص کسی سے اظہارِ محبت کے لیے کہے' اگر تمہارا کوئی پہلا یا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے اور میں کہتا ہوں کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو لازم ہے عدم ذنب' یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں تو کیسے دکھائی دے گا' کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو دکھائی دیتا؟ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدم اور مؤخر دونوں کا ذکر کیا ہے' حالانکہ مؤخر کا وجود ہی نہیں ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا گناہ مقدم ہے نہ مؤخر سو آپ سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔

(نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳' دار الفکر' بیروت)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہر چند کہ بندہ اپنے مقسوم کے مطابق اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے پھر بھی وہ اللہ کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بناء پر تقاضائے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے' حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سیئہ اور گناہ خیال کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔

(شرح الشفاء علی هامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳' دار الفکر' بیروت)

اعلیٰ حضرت کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی توجیہات

ایک ہندو شخص راماسنگم نے قرآن مجید کی تین آیتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار ثابت کیا' پہلی آیت یہ ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۚ (محمد: ۱۹) — آپ اپنے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں پر معافی طلب کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ۔ (المؤمن: ۵۵) — آپ اپنے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں پر معافی طلب کیجئے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ . تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔ (الفتح:۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ان تینوں آیات کی توجیہات بیان کی ہیں' پہلی دو آیتوں میں اعلیٰ حضرت کی توجیہ ہم ان آیتوں کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں اور یہاں پر ہم الفتح:۲ میں اعلیٰ حضرت کی توجیہ کا ذکر کر رہے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

قال اللہ عزوجل'' وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ''اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو نہ گن سکو گے' جب اوس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔

از دست و زبان که بر آید کز عهدهٔ شکرش بدر آید

شکر میں ایسی کمی ہرگز گناہ بمعنی معروف نہیں بلکہ لازمۂ بشریت ہے' نعمائے الٰہیہ ہر وقت ہر لحہ ہر آن ہر حال میں متزائد ہیں' خصوصاً خاصوں پر' خصوصاً اون پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور' اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں اس کمی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب سے تعبیر فرمایا گیا۔

بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں'' ما تقدم '' سے کیا مراد لیا' وحی اترنے سے پیشتر کے'اور گناہ کسے کہتے ہیں؟ مخالفت فرمان کو اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا؟ وحی سے تو جب تک وحی نہ اوتری تھی' فرمان کہاں تھا' جب فرمان نہ تھا مخالفت فرمان کے کیا معنی اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا۔

جس طرح'' ماتقدم ''میں ثابت ہو لیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں' یوں ہی'' ما تاخر ''میں نقد وقت ہے قبل بتدائے نزول فرمان جو افعال جائز ہوئے کہ بعد کو فرمان اون کے منع پر اترا اور اونہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ اون کا حقیقۃً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا' یوہیں بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائزہ فرمائے اور بعد میں اون کی ممانعت اوتری' اوسی طریقے سے ان کو'' ماتاخر ''فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔

ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ'' وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ '' (طٰہٰ:۱۲۱) آدم نے اپنے رب کی معصیت کی' حالانکہ خود فرماتا ہے:'' فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝'' (طٰہٰ:۱۱۵) آدم بھول گیا ہم نے اس کا قصد نہ پایا' لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اس پر مواخذہ' خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی:'' رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا '' (البقرہ:۲۸۶) اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ' اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا اون کو سوا مشکل ہے

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا' ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا' شہریوں میں' بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے' اس لیے وارد ہوا:'' حسنات الابرار سیئات المقربین '' نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں' وہاں ترکِ اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' حالانکہ ترکِ اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

اسی وجہ پر کریمۂ سورۂ فتح میں لام'' لک '' تعلیل کا ہے اور'' ما تقدم من ذنبک '' تمہارے اگلوں کے گناہ اعنی سیدنا

عبداللہ وسیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام وامہات طیبات باستثناء انبیائے کرام مثل آدم وشیث ونوح وخلیل واسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ''ما تاخر'' تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت' امت مرحومہ۔تو حاصل کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے فتح مبین فرمائی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے بخش دے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ۔والحمدللہ رب العٰلمین۔

''ما تقدم'' و''ما تأخر'' سے قبل وبعد نزولِ وحی کا ارادہ جس طرح عبارت تفسیر میں مصرح تھا' آیت میں قطعاً محتمل اور ہم ثابت کر چکے کہ اب حقیقت ذنب خود مندفع'' وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علٰی شفیع المذنبین وبارك وسلم الی یوم الدین وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین واللہ تعالٰی اعلم''۔(فتاویٰ رضویہ ج۹ ص۷۸۔۷۵' طبع دارالعلوم امجدیہ' کراچی)

''لیغفرلك اللہ'' کی تاویل میں غیر مقبول اقوال کا بیان

علامہ سیوطی نے اس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے:''القول المحرر علی قولہ تعالیٰ لیغفر اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر'' اس رسالہ میں علامہ سیوطی نے اس آیت کے بارہ وہ جوابات بیان کیے ہیں' جو غیر مقبول ہیں۔علامہ یوسف نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ نے'' الجواہر البحار'' جلد رابع میں اس رسالہ کو نقل کیا ہے' ہم اختصار کے ساتھ علامہ سیوطی کے بیان کردہ بارہ غیر مقبول جوابات ذکر کر رہے ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا: ذنب سے مراد وہ اُمور ہیں جو آپ سے زمانۂ جاہلیت میں سرزد ہوئے' یہ جواب اس لیے مردود ہے کہ آپ کے لیے کوئی جاہلیت نہیں۔

(۲) ذنب سے مراد وہ اُمور ہیں جو قبل از نبوت صادر ہوئے' یہ جواب اس لیے باطل ہے کہ آپ قبل از نبوت بھی معصوم ہیں۔

(۳) سفیان ثوری نے بھی ذنب سے امورِ جاہلیت مراد لیے' یہ جواب بھی باطل ہے۔

(۴) مجاہد نے کہا:''ما تقدم'' سے مراد حدیث ماریہ اور''ما تاخر'' سے مراد زید کی عورت کا قصہ ہے' یہ قول باطل ہے کیونکہ ان واقعات میں کوئی گناہ نہیں۔

(۵) زمخشری نے کہا: اس سے مراد آپ کی تقصیرات ہیں' یہ قول باطل ہے' کیونکہ آپ کی کوئی تقصیر نہیں' اللہ تعالیٰ نے مطلقاً آپ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور تفریط اور تقصیر میں اتباع جائز نہیں۔

(۶) ذنب سے مراد بچپن میں آپ کا لڑکوں کے ساتھ کھیل کے لیے جانا ہے' یہ قول باطل ہے کیونکہ جب آپ کو لڑکوں نے کھیل کے لیے بلایا تو آپ نے فرمایا: میں کھیل کے لیے پیدا نہیں ہوا۔

(۷) عطاء خراسانی نے کہا:''ما تقدم'' سے مراد آپ کے باپ آدم اور حواء کے گناہ ہیں اور''ما تاخر'' سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں' یہ قول تین وجوہ سے ضعیف ہے۔(ا) حضرت آدم نبی معصوم ہیں ان کی طرف کوئی گناہ منسوب نہیں ہے سو یہ ایسی تاویل ہے جو خود تاویل کی محتاج ہے۔(ب) جس شخص سے گناہ صادر نہ ہوئے ہوں اس کی طرف خطاب کے صیغہ سے دوسروں کے گناہ منسوب نہیں کیے جاتے۔(ج) تمام امت کے گناہ معاف نہیں کیے جائیں گے بلکہ بعض کے گناہ معاف کیے جائیں گے اور بعض کے معاف نہیں کیے جائیں گے۔

(۸) حضرت ابن عباس نے کہا: ذنب سے مراد وہ امور ہیں جو آئندہ ہوں گے' علامہ سبکی نے کہا: اس میں یہ تاویل ہے کہ اگر بالفرض آپ کے ماضی اور مستقبل میں گناہ ہوں بھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجاہت کی وجہ سے ان کو معاف کر دیا۔

(۹) قاضی عیاض نے'' شفاء'' میں کہا: آپ سے گناہ ہوئے یا نہیں ہوئے' اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔

(١٠) ''ما تقدم'' سے مراد ہے: نبوت سے پہلے اور ''ما تاخر'' سے مراد ہے: نبوت کے بعد آپ کو معصوم رکھنا۔
(١١) علامہ طبری اور علامہ قشیری نے کہا: آپ سے جو اُمور سہؤ غفلت اور تاویل سے سرزد ہوئے' ان کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔
(١٢) مکی نے کہا: اس آیت میں خطاب آپ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔
یہ بارہ اقوال ہیں اور یہ سب غیر مقبول ہیں' ان میں سے بعض مردود' بعض ضعیف اور بعض میں تاویل ہے۔
(جواہر البحار ج ۴ ص ۲۱۳۔ ۲۱۱' مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البجلسی واولادہ' مصر' ۱۳۷۹ھ)
علامہ سیوطی نے عطاء خراسانی کے قول کو ضعیف کہا ہے' لیکن ہمارے نزدیک یہ قول بالکل صحیح نہیں ہے اور ہم اس کی وجوہات اور روایت حدیث میں عطاء خراسانی کی حیثیت کو آئندہ صفحات میں بیان کر رہے ہیں' فنقول وباللہ التوفیق۔

عطاء بن ابی مسلم خراسانی

ہمارے ہاں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ''کنز الایمان'' میں الفتح: ۲ کا ترجمہ عطاء خراسانی کی اتباع میں کیا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ عطاء خراسانی کی تاویل اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں صرف یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں نے ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف برقرار نہیں رکھی جیسا کہ ظاہر قرآن میں آپ کی طرف نسبت ہے۔ ورنہ عطاء خراسانی کی تاویل یہ ہے کہ آپ کے باپ آدم اور آپ کی ماں حواء کے گناہ آپ کی برکت سے بخش دیئے گئے اور عطاء خراسانی نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف گناہ کی نسبت کی ہے اور اعلیٰ حضرت نے یہ نسبت آپ کے اگلوں اور پچھلوں کی طرف کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا استثناء کیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۷' طبع قدیم' کراچی)
اس کو ہم اس سے پہلے تفصیل سے لکھ چکے ہیں یہاں پر ہم اس قدر بتانا چاہتے ہیں کہ عطاء خراسانی کی روایت حدیث میں کیا حیثیت ہے اور ان کا تعارف کیا ہے؟
ان کا پورا نام عطاء بن عبد اللہ ہے' یہ پچاس ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳ھ یا ۱۳۵ھ میں فوت ہو گئے' یہ شام میں سکونت پذیر رہے۔ (میزان الاعتدال ج ۵ ص ۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)
یہ محدث اور واعظ تھے' دمشق اور قدس میں رہے اور دراصل یہ بلخ کے رہنے والے تھے۔
(سیر اعلام النبلاء ج ٦ ص ۳۵۹' دار الفکر' بیروت)
روایت حدیث کے اعتبار سے ان کا شمار ضعفاء میں ہوتا ہے' چند اقوال ان کی تعدیل اور تعریف میں بھی ہیں' لیکن زیادہ تر اقوال ان کی جرح اور مذمت میں ہیں۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ لکھتے ہیں:
قاسم بن عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب سے کہا کہ عطاء خراسانی آپ سے یہ حدیث روایت کرتا ہے کہ جس شخص نے رمضان میں جماع کیا تھا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے۔ سعید بن المسیب نے کہا: اس نے جھوٹ بولا' میں نے اس کو یہ حدیث بیان نہیں کی۔ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا (عطاء خراسانی نے حضور کی طرف جھوٹ منسوب کیا)۔
(التاریخ الکبیر ج ٦ ص ۲۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)
امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں:

علی بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے ابن جریج از عطاء خراسانی کے متعلق پوچھا' انہوں نے کہا: وہ ضعیف راوی ہے' میں نے کہا: وہ کہتا ہے کہ ابن جریج نے مجھے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: وہ "لاشئی" ہے (کوئی چیز نہیں)' ابن جریج نے اس کو صرف اپنی کتاب دی تھی۔ (کتاب العلل ص ۲۴۷-۲۴۶' مع الجامع الکبیرج ۶' دارالجیل' بیروت' ۱۹۹۸ء)

حافظ محمد بن عمرو عقیلی مکی متوفی ۳۲۲ھ نے عطاء خراسانی کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

سعید بن المسیب نے کہا: عطاء خراسانی نے جھوٹ بولا' میں نے اس کو یہ حدیث نہیں بیان کی کہ رمضان میں جماع کرنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارۂ ظہار ادا کرنے کا حکم دیا تھا' مجھے صرف یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صرف صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا (یعنی عطاء خراسانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کیا)۔

(کتاب الضعفاء الکبیرج ۳ ص ۴۰۶-۴۰۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ عبداللہ بن عدی جرجانی متوفی ۳۶۵ھ نے بھی عطاء خراسانی کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور انہوں نے بھی مذکور بالا قول تفصیل سے لکھا ہے کہ سعید بن میتب نے کہا کہ عطاء خراسانی نے جھوٹ بولا' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کیا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۶۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' طبع جدید' ۱۴۱۸ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے عطاء خراسانی کی تعدیل بھی کی ہے' لیکن زیادہ تر جرح کے اقوال لکھے ہیں:

☆ امام نسائی نے کہا: اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں' احمد' یحییٰ اور عجلی وغیرہ نے کہا: وہ ثقہ ہے۔

☆ امام عقیلی نے ذکر کیا ہے کہ اس نے سعید بن المسیب سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ توڑنے والے کو کفارۂ ظہار ادا کرنے کا حکم دیا' سعید نے کہا: اس نے جھوٹ بولا' میں نے اس سے یہ حدیث نہیں بیان کی' مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

☆ امام بخاری نے عطاء خراسانی کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

☆ امام احمد بن حنبل نے بیان کیا ہے کہ عطاء خراسانی نے سعید بن المسیب سے جھوٹی حدیث روایت کی۔

☆ امام ابن حبان نے عطاء خراسانی کا ضعفاء میں شمار کیا ہے' اور کہا ہے کہ وہ نیک شخص تھا مگر اس کا حافظہ ردی تھا' وہ بہت وہمی تھا اور روایت میں خطا کرتا تھا۔

☆ امام ابن ابی حاتم نے کہا: وہ ثقہ تھا۔ شعبہ نے کہا: عطاء خراسانی بھلکڑ تھا۔

☆ امام ترمذی نے "کتاب العلل" میں کہا: امام بخاری نے بتایا کہ میں امام مالک کی روایات میں عطاء خراسانی کے علاوہ اور کسی ایسے راوی کو نہیں جانتا جس کی حدیث ترک کیے جانے کی مستحق ہو۔ امام ترمذی نے امام بخاری سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: اس کی احادیث الٹ پلٹ ہوتی ہیں' پھر امام ترمذی نے کہا: عطاء ثقہ ہے (میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی تحقیق کے مقابلہ میں امام ترمذی کا کیا اعتبار ہے' ہاں! ہوسکتا ہے کہ امام ترمذی کی عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہو)۔ (میزان الاعتدال ج ۵ ص ۹۴-۹۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے تقریباً یہی تمام اقوال بیان کیے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۶-۱۸۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عطاء خراسانی نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف جو گناہ کی نسبت کی ہے اس کی تاویل کا باطل ہونا

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عطاء خراسانی نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف جو گناہ کی نسبت کی ہے وہ بہ طور مثال ہے لیکن یہ تاویل مردود ہے' کیونکہ تاویل اس وقت کی جاتی ہے جب قرآن اور حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت ہو اور قرآن اور حدیث کے ترجمہ کے بغیر جو شخص انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت کرے اس کو بعض علماء نے کفر لکھا ہے اور بعض علماء نے اس کو حرام لکھا ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: جس نے قرآن اور حدیث کی تلاوت کے بغیر کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ اس نبی نے معصیت کی یا اللہ کی مخالفت کی تو وہ نعوذ باللہ کافر ہو گیا۔ (المدخل ج ۲ ص ۴۴ 'دار الفکر' بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

تنبیہ مہم: یہ کہ ہم نے سلسلۂ کلام میں اوپر ذکر کیا کہ غیر تلاوت میں اپنی طرف سے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نافرمانی و گناہ کی نسبت حرام ہے۔ ائمۂ دین نے اس کی تصریح فرمائی بلکہ ایک جماعت علمائے کرام نے اُسے کفر بتایا۔ مولیٰ کو شایان ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جس عبارت سے تعبیر فرمائے' فرمائے۔ دوسرا کہے تو اس کی زبان گُدی کے پیچھے سے کھینچی جائے "للّٰہ المثل الاعلی" بلاتشبیہ یوں خیال کرو کہ زید نے اپنے بیٹے عمرو کو اس کی کسی لغزش یا بھول پر متنبہ کرنے' ادب دینے' حزم و عزم و احتیاط اتم سکھانے کے لیے مثلاً بیہودہ' نالائق' احمق وغیرہا الفاظ سے تعبیر کیا' باپ کو اس کا اختیار تھا' اب کیا عمرو کا بیٹا بکر یا غلام خالد انہیں الفاظ کو سند بنا کر اپنے باپ اور آقا عمرو کو یہ الفاظ کہہ سکتا ہے' حاشا اگر کہے گا تو سخت گستاخ و مردود و ناسزا و مستحق عذاب و تعزیر و سزا ہو گا' جب یہاں یہ حالت ہے تو اللہ عزوجل کی ریس کر کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایسے الفاظ کا بکنے والا کیونکر سخت شدید و مدید عذاب جہنم و غضب الٰہی کا مستحق نہ ہو گا؟ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ امام ابو عبداللہ قرطبی تفسیر میں زیر قولہ تعالیٰ "وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ" (الاعراف: ۲۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال القاضی ابو بکر بن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجوز لاحد منا الیوم ان یخبر بذلک عن ادم علیہ الصلوٰۃ والسّلام الا اذ ذکرناہ فی اثناء قولہ تعالیٰ عنہ او قول نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاما ان نبتدی ذلک من قبل انفسنا فلیس بجائزلنا فی ابائنا الادنین الینا المماثلین لنا فکیف بابینا الاقدم الاعظم الاکبر النبی المقدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین.

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو یہ جائز نہیں کہ آدم علیہ السلام کی بابت اس کی خبر دے' ہاں! اللہ تعالیٰ کے قول کے ضمن میں ہو تو حرج نہیں یا کسی حدیث میں ہو تو حرج نہیں' اپنی طرف سے تو اس قسم کے امور کو کوئی شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے بھی منسوب کرنا پسند نہ کرے گا' تو حضرت آدم جو ہمارے جدِ اعلیٰ اکبر و اعظم اور اللہ کے تمام انبیاء و مرسلین سے پہلے نبی ہیں' ان کی بابت یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر' اور تمام انبیاء اور مرسلین پر رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

(المدخل ج ۲ ص ۱۴ 'بیروت)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبدری ابن الحاج "مدخل" میں فرماتے ہیں:

قد قال علماؤنا رحمھم اللہ تعالیٰ ان من قال عن نبی من الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لغزش کا ذکر بغیر تلاوت یا حدیث کے کیا یا ان کی

فی غیر التلاوۃ والحدیث انہ عصی او خالف فقد کفر نعوذ باللّٰہ من ذلک. (المدخل ج ۲ ص ۱۴)

نافرمانی کا ذکر کیا تو اس نے کفر کیا' ہم اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں پناہ مانگتے ہیں۔

ایسے اُمور میں سخت احتیاط فرض ہے' اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کا حسنِ ادب عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم واللّٰہ سبحنہ وتعالٰی اعلم.

(فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۸۲۴۔ ۸۲۳' طبع لاہور' فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۳۳۴۔ ۳۳۳' دارالعلوم امجدیہ' کراچی)

صدر الشریعۃ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن وروایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے' اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال۔ مولیٰ عزوجل ان کا مالک ہے جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے' وہ اس کے پیارے بندے ہیں' اپنے رب کے لیے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں' دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور خود ان کا اطلاق کرے تو مردود بارگاہ ہوگا' پھر ان کے یہ افعال جن کو لغزش وزلت سے تعبیر کیا جائے ہزار ہا حکم ومصالح پر مبنی' ہزار ہا فوائد وبرکات کے مثمر ہوتے ہیں' ایک لغزش ابینا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھئے اگر وہ نہ ہوتی' جنت سے نہ اترتے' دنیا آباد نہ ہوتی' نہ کتابیں اترتیں' نہ رسول آتے' نہ جہاد ہوتے' لاکھوں کروڑوں مثوبات کے دروازے بند رہتے ان سب کا فتح باب ایک لغزش آدم کا نتیجہ مبارکہ وثمرہ طیبہ ہے' بالجملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لغزش من وتو کس شمار میں ہیں' صدیقین کی حسنات سے افضل واعلیٰ ہے (حسنات الابرار سیئات المقربین)۔ (بہار شریعت حصہ اول ص ۱۳' ضیاء الدین پبلی کیشنز' لاہور)

ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ عطاء خراسانی نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف گناہ کی نسبت کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے یا سخت ترین حرام کا ارتکاب کیا ہے اور اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کی' سو ایسا شخص کسی تعظیم کے لائق نہیں ہے' لیکن ہمارے زمانہ میں بعض لوگ اپنے ناقص مطالعہ کی بناء پر یہ سمجھ رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے الفتح: ۲ کے ''کنز الایمان'' والے ترجمہ میں عطاء خراسانی کی اتباع کی ہے جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہایت افسوس اس بات پر ہے کہ بعض مؤلفین نے اپنے مقالہ میں یہاں تک لکھ دیا کہ اس روایت (انباء المصطفیٰ میں'' بخاری و مسلم'' کے حوالہ سے ذکر کردہ حدیث یا'' انباء الحی'' میں ذکر کردہ روایت ابن عباس) کے بل بوتے پر حضرت خراسانی کے موقف (حضرت آدم علیہ السلام کی طرف گناہ کی نسبت کرنے) کو'' مردود اور غیر صحیح'' قرار دینا بازار علم میں اپنی اہمیت کم کرنا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون!

بعض لوگوں نے عطاء خراسانی سے عقیدت کے غلو میں یہ لکھا ہے کہ عطاء خراسانی نے سعید بن المسیب کے حوالہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہے اور صدقہ کرنے کی بجائے کفارۂ ظہار ادا کرنے کو روایت کیا ہے' یہ نہ جھوٹ ہے نہ کوئی بڑی غلطی ہے' آخر روایت بالمعنی بھی تو کوئی چیز ہے۔ سو انہوں نے روایت بالمعنی کر کے صدقہ کی جگہ کفارۂ ظہار کہہ دیا کیونکہ کفارۂ ظہار بھی ایک قسم کا صدقہ ہے۔ باقی رہا ائمہ حدیث کا ان کو ضعفاء میں شمار کرنا اور ان کے حافظہ کو ردی قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ روایت میں بھلکڑ تھے' وہمی تھے اور خطا کرتے تھے یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ آخر امام بخاری سے بھی لوگوں کو شکایت ہے کہ وہ روایت کو قبول کرنے میں بہت سخت تھے۔ تو اگر عطاء خراسانی سے بھی لوگوں کو شکایت ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ لیکن ان غالی معتقدین نے اس پر غور نہیں کیا کہ امام بخاری روایت کے قبول میں کڑی شرطیں لگاتے تھے تاکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کذب راستہ نہ پا سکے۔ اور عطاء خراسانی روایت کے بیان کرنے میں بہت کمزور تھے اور بہت بھلکڑ

اور وہی تھے اور اس قدر غیر محتاط تھے کہ روایت کرنے میں جھوٹ بھی بول دیتے تھے۔ اور اس کی یہ تاویل کرنا کہ وہ روایت بالمعنی ہے تو سعید بن المسیب' امام بخاری' امام عقیلی' امام عدی جرجانی' امام احمد بن حنبل اور علامہ ذہبی وغیرہ کو بھی روایت بالمعنی کا علم تھا اس کے باوجود ان سب نے عطاء خراسانی کو اس روایت میں جھوٹا ہی کہا اور روایت بالمعنی کا سہارا نہیں لیا اور یہ ائمہ حدیث یقیناً علم اور تحقیق میں ان غالی معتقدین سے بہت آگے تھے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ عطاء خراسانی کی عبارت میں جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف گناہ کی نسبت کی گئی ہے اس میں گناہ سے مراد خلاف اولیٰ ہے۔ یہ تاویل اس لیے باطل ہے کہ اگر قرآن اور حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت ہو تو اس کی تاویل خلافِ اولیٰ سے کرنا درست ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص از خود انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت کرتا ہے تو اس کے کلام کی تاویل نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے کلام کو کفر یا سخت حرام پر محمول کیا جائے گا اور اس کو مردود بارگاہ قرار دیا جائے گا' جیسا کہ علامہ ابن الحاج اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدر الشریعہ علامہ امجد علی قدس سرہما نے تصریح فرمائی ہے۔

مصنف کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی توجیہات

ہم نے الفتح: ۲ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام۔ اس ترجمہ میں ہم نے ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف برقرار رکھی ہے اور اس کا معنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ کا صدور خود احادیث سے ثابت ہے۔ خلافِ اولیٰ اور مکروہِ تنزیہی کے ثبوت میں اعلیٰ حضرت مجددِ ملت امام احمد رضا خان قادر قدس سرہُ العزیز کی بہ کثرت تصریحات ہیں' جن میں سے بعض تصریحات کو میں پیش کر رہا ہوں۔ **فاقول وباللہ التوفیق**

بہ ظاہر کی قید اس لیے لگائی ہے کہ حقیقت میں آپ کا کوئی کام خلافِ اولیٰ یا مکروہِ تنزیہی نہیں ہے۔ بعض اوقات آپ نے کسی کام سے منع فرمایا پھر خود اس کام کو کیا تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا اس کام سے منع کرنا تحریم کے لیے نہیں تھا بلکہ تنزیہہ کے لیے تھا۔

مثلاً آپ نے فصد لگانے (رگ کاٹ کر خون چوس کر نکالنا) کی اجرت دینے سے منع فرمایا اور حضرت ابوطیبہ نے آپ کو فصد لگائی تو آپ نے ان کو دو صاع (آٹھ کلوگرام) طعام دینے کا حکم دیا۔

(جامع ترمذی ص ۲۰۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اگر آپ ابوطیبہ کو فصد لگانے کی اجارت نہ دیتے تو ہم کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ یہ اجرت دینا جائز ہے اور ممانعت تنزیہہ کے لیے ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ فصد کی اجرت دینا ہمارے لیے مکروہِ تنزیہی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہیں ہے اور اس میں آپ کا اجر و ثواب فرض کا اجر و ثواب ہے۔ اس نکتہ کے پیشِ نظر اس کو بہ ظاہر خلاف اولیٰ لکھا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات آپ نے کسی کام کا افضل اور اولیٰ طریقہ بتایا اور پھر اس کے خلاف کیا' یہ بھی اسی طرح بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہے' حقیقت میں خلافِ اولیٰ نہیں ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا: سفیدی پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھنے سے زیادہ اجر ہوتا ہے اور آپ نے خود منہ اندھیرے بھی فجر کی نماز پڑھی ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اگر آپ کسی کام سے منع فرما کر یہ بتلا دیتے کہ اس کا خلاف بھی جائز ہے اور خود اس کام کو نہ کرتے' تب بھی مسئلہ تو معلوم ہو جاتا لیکن اس کام میں آپ کی اقتداء کا شرف حاصل نہ ہوتا' بہرحال قرآن مجید اور احادیث میں جہاں آپ کی طرف

عزوجل نے یہ تو صاف صاف فرمادیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا' اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟ اس پر یہ آیت اتری: ''لیدخل المؤمنین (الٰی قولہ تعالٰی) فوزا عظیما'' تا کہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' ہمیشہ رہیں گے ان میں اور مٹادے ان سے ان کے گناہ اور یہ اللہ کے ہاں بڑی مراد پانا ہے۔ یہ آیت اور ان کی امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل شہیر ایسوں کو کیوں سجھائی دیتیں۔

(انباء المصطفیٰ ص۹۔۸' نوری کتب خانہ' لاہور)

اعلیٰ حضرت کے نزدیک یہ حدیث اس درجہ قوی ہے کہ آپ اسے الاحقاف:۹ کے لیے ناسخ قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے بھی الاحقاف:۹ کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ نے ''نور العرفان'' میں الاحقاف:۹ کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کو الاحقاف:۹ کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔

ایک طرف تو اعلیٰ حضرت سے لے کر مفتی احمد یار خان تک ہمارے سب علماء نے اس کو انتہائی درجہ کی صحیح حدیث فرمایا ہے' دوسری طرف بعض علماء نے اس حدیث کی سند کو نا قابل اعتبار' نا قابل استدلال اور ضعیف کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ روایت انتہائی نحیف ونزار ہے۔ ہم نے ''تبیان القرآن'' ج٦ ص ۳۴۳۔۳۳۷ میں ان کے اعتراض کے متعدد جواب لکھ کر یہ واضح کر دیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا اس حدیث کو صحیح اور الاحقاف:۹ کے لیے ناسخ فرمانا درست ہے اور حدیث کو رد کرنے سے ہمارے ترجمہ کے برحق ہونے پر جو گرد پڑی تھی' الحمد للہ! وہ گرد دور ہوگئی اور الاحقاف:۹ کی تفسیر میں بھی اس حدیث کی صحت پر بہت دلائل لکھے ہیں۔

ہمارے اس ترجمہ کی اصل وہ احادیث بھی ہیں جن سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ''انباء الحیٔ'' میں استدلال فرمایا ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

واخرج ابوداود فی کتاب الناسخ عن عکرمۃ رضی اللہ تعالی عنہ فی قولہ تعالی (وما ادری ما یفعل بی ولا بکم)' قال نسختھا ایۃ الفتح' فقال رجل من المؤمنین ھنیئا لک یا نبی اللہ قد علمنا الان ما یفعل بک فما ذا یفعل بنا' فانزل اللہ تعالی فی سورۃ الاحزاب (وبشر المؤمنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا)' وقال (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات)...الایۃ ' فبین اللہ ما یفعل بہ وبھم. (انباء الحیٔ ص ۳۸۸)

امام ابوداؤد نے اپنی کتاب الناسخ میں (وما ادری ما یفعل بی ولا بکم) کی تفسیر میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کو الفتح:۲ نے منسوخ کر دیا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: یا نبی اللہ! آپ کو مبارک ہو ہم نے اب جان لیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا' سو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب کی یہ آیت نازل فرمائی: (وبشر المؤمنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا) اور یہ آیت نازل فرمائی: (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات) پس اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ اور ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

''انباء المصطفیٰ'' اور ''انباء الحیٔ'' ان دونوں کتابوں میں اعلیٰ حضرت کی عبارات سے یہ بات وضاحت سے ثابت ہوگئی کہ الاحقاف:۹' الفتح:۲ سے منسوخ ہے۔

بعض لوگوں نے اعلیٰ حضرت کی مستدل بہ حدیث کو اس لیے ضعیف کہا تھا کہ عکرمہ کی روایت مرسل ہے' انہوں نے اپنا

ذریعہ علم نہیں بیان کیا' اس اعتراض کا اوّلاً جواب یہ ہے کہ حدیث مرسل احناف اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً مقبول ہوتی ہے اور ثانیاً جواب یہ ہے کہ عکرمہ کی یہ حدیث مرسل نہیں' متصل ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متصلا مروی ہے اور ہمارے نزدیک اس حدیث کی صحت کے لیے یہ امر کافی ہے کہ اس سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا ہے۔

نیز اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے انباء الحیٔ میں ان احادیث کو بھی ذکر فرمایا ہے:

اخرج الشیخان وجماعة عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال انزلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر) مرجعہ من الحدیبیة فقال لقد انزلت علی اية ھی احب الی مما علی الارض' ثم قرء علیھم' فقالوا ھنیئا مریئا یا رسول اللہ! قد بین اللہ لک ماذا یفعل بک؟ فماذا یفعل بنا؟ فنزلت علیہ (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتھا الانھار) حتی بلغ (فوزا عظیما).

امام بخاری اور امام مسلم اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت یہ آیت نازل کی گئی (لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر) جب آپ حدیبیہ سے لوٹے تو آپ نے فرمایا: بے شک مجھ پر ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو مجھے روئے زمین پر موجود تمام چیزوں سے محبوب ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت صحابہ کے سامنے تلاوت فرمائی' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو' بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے بیان فرمادیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا' تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتھا الانھار) یہاں تک کہ (فوزا عظیما) تک پہنچے۔

واخرج بنو جریر ومنذر وابی حاتم ومردویة عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما وما ادری ما یفعل بی ولا بکم فانزل اللہ تعالی بعد ھذا (لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر)' وقولہ تعالی (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات)....الایة' فاعلم اللہ سبحانہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یفعل بہ وبالمؤمنین جمیعا.

(انباء الحی ص ۳۸۸)

امام ابن جریر' امام ابن منذر' امام ابن ابی حاتم اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے: وما ادری ما یفعل بی ولا بکم. تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد نازل کیا: لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر. اور لیدخل المؤمنین والمؤمنات. الایة. تو اللہ سبحانہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمام مؤمنین کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت امام ابوداؤد کی ''کتاب الناسخ'' سے عکرمہ از ابن عباس والی روایت کو تحریر فرمانے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

''اخرج ابن جریر عن عکرمة وعن الحسن مثلہ وعن قتادة نحوہ.'' (انباء الحی ص ۳۸۸)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے حوالہ کے مطابق امام ابن جریر کی سند درج ذیل ہے:

''حدثنا ابن بشار وابن المثنی قالا ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبة عن قتادة عن عکرمة.''

(جامع البیان لابن جریر جز ۲۶ ص ۹۲۔ رقم الحدیث: ۲۴۳۴۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان تمام احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت ہے اور یہ احادیث ہمارے ترجمہ کی اصل ہیں۔

اور امام ابن جریر کی ثقاہت کے متعلق مخالفین اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے:

امام ابوجعفر طبری کی تفسیر بعد کی تمام تفاسیر میں سب سے زیادہ جلیل و عظیم ترین تفسیر ہے۔ نیز اس تفسیر کو تفسیر ابن ابی حاتم' تفسیر ابن ماجہ' تفسیر حاکم' تفسیر ابن مردویہ' تفسیر ابوالشیخ ابن حبان اور تفسیر ابن منذر پر فوقیت حاصل ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۵۰)

ہمارے لیے اس حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ امر کافی تھا کہ اعلیٰ حضرت نے اس حدیث کو الاحقاف:۹ کے لیے ناسخ قرار دیا۔ واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت نے ''انباء الحی'' ص ۳۸۸ میں از عکرمہ از ابن عباس والی روایت کو تین مرتبہ ذکر کیا ہے' دو مرتبہ امام ابن جریر کے حوالے سے اور ایک مرتبہ امام ابوداؤد کی ''کتاب الناسخ'' کے حوالے سے۔ سو واضح ہو گیا کہ گفتگو از عکرمہ از ابن عباس کی حدیث میں ہو رہی ہے' جس کی بنیاد پر اعلیٰ حضرت نے الاحقاف:۹ کو منسوخ قرار دیا ہے۔

نسخ کی تحقیق

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ نے الاحقاف:۹ کو ان احادیث سے منسوخ قرار دیا ہے اس پر بعض مخالفین اعلیٰ حضرت نے یہ کہا ہے کہ اس نسخ سے مراد نسخ لغوی ہے' نسخ اصطلاحی نہیں ہے' سو ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نسخ لغوی اور نسخ اصطلاحی میں کوئی تخالف نہیں ہے' اس لیے ہم نسخ لغوی کا معنی اور نسخ اصطلاحی کی تعریف ذکر کر رہے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ ان دونوں میں کوئی تخالف نہیں ہے۔

نسخ کا لغوی معنی

علامہ مجد الدین محمد یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نسخ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نسخه ازاله وغیّره وابطله واقام شيئا مقامه.

کسی چیز کو منسوخ کر دیا یعنی اس کو زائل کر دیا اور تبدیل کر دیا اور اس کو باطل کر دیا اور دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دیا۔

(القاموس المحیط ص ۲۶۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام محمد بن ابی بکر حنفی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں:

نسخت الشمس الظل ازالته.

دھوپ نے سائے کو منسوخ کر دیا یعنی زائل کر دیا۔

(مختار الصحاح ص ۳۷۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

النسخ ابطال الشیء واقامة اخر مقامه.

ایک چیز کو باطل کر کے دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کرنا' نسخ ہے۔

(لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۴۳' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

نسخ کی اصطلاحی تعریفات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: ناسخ وہ دلیل شرعی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ناسخ سے پہلے جو حکم کسی دلیل شرعی سے ثابت تھا وہ حکم اب نہیں ہے اور نسخ کی یہ دلیل پہلے حکم کی دلیل سے متاخر ہوتی ہے اور اگر یہ ناسخ نہ ہوتا تو وہی حکم ثابت رہتا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۳)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: نسخ یہ ہے کہ ایک دلیل شرعی کے بعد ایک اور دلیل شرعی آئے جو پہلی دلیل شرعی کے حکم کے

خلاف کو واجب کرے۔(توضیح تلویح ج ۲ ص ۳۱)

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں: صاحب شرع کے حق میں کسی حکم شرعی کی انتہاء کو بیان کرنا نسخ ہے' اس حکم کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم ہوتی ہے' مگر ہمارے علم میں اس حکم کا دوام اور استمرار ہوتا ہے اور ناسخ سے ہمیں اس حکم کی انتہاء معلوم ہوتی ہے۔اس لیے ہمارے حق میں نسخ تبدیل اور تغییر سے عبارت ہے۔(التعریفات ص ۱۰۶)

الاحقاف:۹ کے الفتح:۲ سے منسوخ ہونے پر اعتراض اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا جواب

اما ما نقل من اعتراضه على ترجمان القرأن سيدنا عبد الله بن عباس رضى الله تعالى عنهما فى قوله بانتساخ الكريمة بآيات الفتح والاحزاب' بان النسخ على تقدير صحة تاخير الناسخ انما يكون فى الاحكام لا فى الاخبار' انتهى' فاقول غفلة عن اصطلاح السلف فربما يطلقون النسخ على تغير نسبة الفعلية وذالك لانه بيان مدة الحكم وبه يتبين انتهاء مدة تلك النسبة. وقد قال هذا الناقل نفسه فى هذه الرسالة ص ۴۵ ان الله تعالى وصف النبى صلى الله عليه وسلم بالامى توصيفا لم ينسخه قط. انتهى.

وما اضمر فى قوله "على تقدير صحة التاخير" فذهول عن ان الاحقاف مكية بلا خلاف ولم تستثن منها الكريمة' ومدنية الفتح والاحزاب من البديهيات' على ان علم التقديم والتاخير انما يرجع فيه الى بيان الصحابة رضى الله تعالى عنهم' لو علم ان ابن عباس رضى الله عنهما صرح بالتاخير' لم يرض باتهامه وبالله العصمه.

ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو فرمایا ہے کہ الاحقاف:۹ سورۂ فتح اور احزاب سے منسوخ ہے' اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے' اگر یہ بات مان لی جائے کہ الاحقاف:۹' الفتح اور الاحزاب سے مؤخر ہیں اور اس کے لیے ناسخ ہیں تو نسخ تو احکام میں ہوتا ہے' اخبار میں نہیں ہوتا؟ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ متقدمین کی اصطلاح سے غفلت ہے' کیونکہ وہ بسا اوقات نسبت فعلیہ کی تغییر پر بھی نسخ کا اطلاق کر دیتے ہیں اور یہ اس لیے کہ نسخ مدت حکم کا بیان ہے اور اسی سے اس نسبت کی مدت کی انتہاء معلوم ہو جاتی ہے۔اور خود یہی ناقل اس رسالہ کے ص ۴۵ میں کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا "امی" ایسا وصف بیان فرمایا ہے کہ جس کو کبھی بھی اس نے منسوخ نہیں کیا۔

(اس کے بعد فرماتے ہیں:) معترض نے اپنے اعتراض کے جواب میں یہ جو اشارہ کیا ہے کہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ الفتح اور الاحزاب' الاحقاف:۹ سے مؤخر ہیں' (گویا کہ یہاں ناسخ کا مؤخر ہونا واضح نہیں ہے) تو معترض اس بات کو بھول گیا کہ الاحقاف کا مکی ہونا اتفاقی ہے اور اس سے آیت:۹ مستثنیٰ نہیں ہے اور سورۂ فتح اور سورۂ احزاب کا مدنی ہونا بدیہیات سے ہے۔علاوہ ازیں آیات کے تقدم اور تاخر کا علم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بیان سے ہوتا ہے۔اگر معترض کو یہ معلوم ہوتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (الفتح اور احزاب کے) مؤخر ہونے کی تصریح کر چکے ہیں تو وہ ان پر اعتراض کرنے کو پسند نہ کرتا۔

(ترجمہ ملخصاً انباء الحی' ص ۳۸۹)

اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نسخ لغوی اور نسخ اصطلاحی میں کوئی فرق نہیں ہے' کیونکہ اعلیٰ حضرت نے نسخ کی تعریف میں وہی عبارت ذکر کی ہے جو نسخ اصطلاحی کی تعریف میں ہے اور علامہ خفاجی اور علامہ آلوسی نے جو لکھا ہے کہ نسخ سے مراد مطلق تغییر ہے یعنی نسخ کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ منسوخ کے حکم کی مدت ختم ہو گئی اور اب اس پر عمل نہیں ہو گا' بلکہ اب

ناسخ کے حکم پر عمل ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علامہ خفاجی' علامہ آلوسی اور اعلیٰ حضرت کی مراد یہ ہو کہ نسخ اصطلاحی احکام میں جاری ہوتا ہے اور نسخ لغوی جو مطلق تغییر ہے وہ اس سے عام ہے۔ نیز اس آیت میں نسخ کو نسخ اصطلاحی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس آیت کے آغاز میں ''قل'' کا لفظ ہے اور نسخ ''قل'' کی طرف راجع ہے۔

اعلیٰ حضرت کی عبارت پر خلاف تحقیق ہونے کا الزام اور اس کا جواب

مخالفین اعلیٰ حضرت نے کہا ہے:

یہ بھی واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ ''انباء المصطفیٰ'' میں گنگوہی کے اعتراض کا جواب مناظرانہ انداز میں دیا ہے: ''**کما ہو دأب الامام وقد قال: من لم یتأمل قولی علی سنن المناظرۃ فلیدندن بما شاء کذا فی الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ**'' اور جمع اقوال کرتے ہوئے نسخ کا قول ذکر فرمایا ہے۔ یہ ان کا مختار نہیں ہے اور یہ بات خود مولانا سعیدی کو بھی تسلیم ہے' وہ لکھتے ہیں: کیونکہ مفسرین کی عادت ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں تمام اقوال جمع کر دیتے ہیں' خواہ صحیح ہوں یا غلط۔ (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۳۲۱)

گویا مخالفین کا یہ کہنا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے مناظرانہ انداز میں مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے ایک سطحی اور خلافِ تحقیق بات کہی ہے اور یہی ان کی عادت ہے۔ پھر اس مفہوم کو ''شرح صحیح مسلم'' کی یہ عبارت نقل کر کے مزید مؤکد کیا ہے کہ ''مفسرین کی عادت ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں تمام اقوال جمع کر دیتے ہیں خواہ صحیح ہوں یا غلط''۔ گویا اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا نسخ کا جواب دینا غلط ہے۔

الاحقاف: ۹ کے نسخ پر مولانا اویسی کی تحقیق

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۚ (الاحقاف: ۹)

آپ کہیے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں' اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

مولانا فیض احمد اویسی اس آیت پر پیدا ہونے والے اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے نزول پر کفار بہت خوش ہوئے یا آج وہابی' دیوبندی خوش ہیں' چنانچہ ''تفسیر خازن'' میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات و عزیٰ کی قسم! ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے' اُن کو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں' اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتے ہوتے تو اُن کو بھیجنے والا خدا اُنہیں بتادیتا کہ اُن سے کیا معاملہ کرے گا' تو رب نے یہ آیت اتاری: ''**لیغفر لک اللہ ما تقدم**'' پس صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا' ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اُتری'' کہ داخل فرمائے گا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں'' اور یہ آیت اُتری کہ ''خوشخبری دیجیے کہ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے''۔ یہ حضرت انس اور قتادہ و عکرمہ کا قول ہے' یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے' جب کہ حضور علیہ السلام کو اُن کی مغفرت کی خبر دی گئی۔ مغفرت کی خبر آپ کو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔

فائدہ: دیکھئے کفار حضور علیہ السلام کی لاعلمی از خاتمہ پر کتنا خوش ہوئے' ایسے ہی یہ لوگ آیت دلیل کے طور پر پیش کر کے ضمناً

خوشی کا اظہار کرتے ہیں' اس سے سمجھ لیجئے کہ یہ کون ہوئے۔
سوال: اگر کوئی کہے کہ آیت ''وَمَا اَدْرِیْ'' خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہو سکتی جیسے قواعد النسخ میں تم نے خود لکھا ہے؟
جواب: بہت سے علماء نسخ خبر جائز کہتے ہیں جیسے ''وَاِنْ تُبْدُوْا الایۃ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا'' سے منسوخ۔ ایسے ہی ''لا اَدْرِیْ'' کو ابن عباس وانس مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ'' سے منسوخ مانا۔ مزید تفصیل وتحقیق فقیر نے کتاب ''ناسخ منسوخ'' میں لکھی ہے۔
یہاں گویا فرمایا گیا: ''قُلْ وَمَا اَدْرِیْ'' اور ''قل'' امر ہے۔ نسخ کا تعلق اسی سے ہے۔
بعض آیات صورت میں خبر اور معنی میں امر ہیں' جیسے ''کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ''۔ (البقرہ:١٨٣) یا ''لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ'' (آل عمران:٩٧) وغیرہ۔ (غایۃ المامول فی علم الرسول ص ٣٣٢۔ ٣٣٠' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)
مولانا فیض احمد اویسی کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ الاحقاف:٩' الفتح:٢ سے اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس کی روایت سے منسوخ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ الفتح:٢ میں مغفرت ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور ان ہی دو چیزوں میں مخالفین ہم سے اختلاف کرتے ہیں اور یہ تمام مخالفین مولانا اویسی کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کلی کے اعلان کا آپ کی عظیم خصوصیت ہونا

سورۂ فتح کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی اور پچھلی کلی مغفرت کا قطعی اعلان کر دیا ہے' قرآن مجید میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی' رسول یا کسی بھی شخص کی کلی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اور آپ کے سوا کسی کی بھی کلی مغفرت قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کے سوا تمام انبیاء اور مرسلین کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور پہلے مرحلہ میں بجز آپ کے تمام نبی اور رسول شفاعت سے گریز کریں گے اور صرف آپ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے' یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر عظیم نعمت ہے اور آپ کی منفرد خصوصیت ہے' لیکن آپ کی یہ خصوصیت صرف اسی وقت ہوگی جب مغفرت ذنوب کا تعلق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا اس کو برقرار رکھا جائے اور اس کو تسلیم کیا جائے اور اگر بغیر کسی عقلی اور شرعی استحالہ کے اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے تعلق کو بدل کر اگلوں اور پچھلوں کے ساتھ مغفرت ذنوب کا تعلق کیا تو پھر اس مغفرت کلی کا قطعی اعلان اگلوں اور پچھلوں کے لیے ہوگا' حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہوگا' اور مغفرت کلی کا قطعی اعلان آپ کی خصوصیت نہیں رہے گا اور یہ حدیث کے خلاف ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلی مغفرت کے اعلان کو اپنی خصوصیت قرار دیا ہے۔
علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

واخرج ابن ابی حاتم و عثمان بن سعید الدارمی فی (کتاب الرد علی الجهمیة) عن عبادة بن الصامت ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج فقال ان جبرائیل اتانی فقال اخرج فحدث بنعمة الله التی انعم بها علیك فبشرنی بعشر لم یؤتها نبی قبل ان الله بعثنی الی الناس جمیعا وامرنی ان انذر الجن ولقانی کلامه وانا امی قد

امام ابن ابی حاتم اور امام عثمان بن سعید دارمی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا: باہر آیئے' اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو نعمتیں عطا کی ہیں ان کو بیان فرمایئے' پھر مجھے دس ایسی نعمتوں کی بشارت دی جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں (١) اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا (٢) مجھے

اوتی داود الزبور وموسٰی الالواح وعیسی الانجیل وغفرلی ما تقدم من ذنبی وما تاخر. (الحدیث)
(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۸۸ ' مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

جنوں کے لیے نذیر بنایا (۳) حضرت داؤد کو زبور' حضرت موسیٰ کو (تورات کی) الواح اور حضرت عیسیٰ کو انجیل دی گئی اور حالانکہ میں اُمّی ہوں پھر بھی اللہ نے مجھے اپنے کلام سے نوازا (۴) اور میرے اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت کر دی گئی۔

تمام مسالک کے مستند علماء نے اس مغفرت کلی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور آپ کے حق میں عظیم نعمت قرار دیا ہے' حافظ ابن کثیر حنبلی لکھتے ہیں:

قوله تعالی (لیغفرلک الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر) هذا من خصائصه صلی الله علیه وسلم التی لا یشارکه فیها غیره ' ولیس فی حدیث صحیح فی ثواب الاعمال لغیره غفرله ما تقدم من ذنبه وما تاخر ' وهذا فیه تشریف عظیم لرسول الله صلی الله علیه وسلم.

اللہ تعالیٰ کا یہ قول "لیغفرلک الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر" آپ کی ان خصوصیات میں سے ہے جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ آپ کے علاوہ کسی اور شخص کے کسی عمل کے ثواب کے متعلق کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں آیا کہ اس کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب کی مغفرت کر دی گئی اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت عزت اور فضیلت ہے۔

علامہ یوسف نبہانی' علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کے رسالہ "القول المحرر" سے علامہ عزالدین ابن عبد السلام کا کلام نقل کرتے ہیں:

ان الله تعالی اخبر انه غفرله ما تقدم من ذنبه وما تاخر ولم ینقل انه تعالی اخبر احدا من الانبیاء علیهم الصلوة والسلام بمثل ذلک بل الظاهر انه سبحانه وتعالی لم یخبرهم لان کل واحد منهم اذا طلبت منه الشفاعة فی الموقف ذکر خطیئته التی اصاب وقال نفسی نفسی ولو علم کل واحد منهم بغفران خطیئته لم ینکل منها فی ذلک المقام واذا استشفعت الخلائق بالنبی صلی الله علیه وسلم فی ذلک الموقف قال انا لها. (جواہر البحار ج ۳ ص ۲۱۴ ـ ۲۱۳ ' مصر)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دے دی ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے' اور یہ منقول نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں سے اور کسی کو بھی یہ خبر دی ہو' بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اور کسی نبی کو یہ خبر نہیں دی کیونکہ جب حشر کے دن انبیاء سے شفاعت طلب کی جائے گی تو ہر نبی کو اپنی (ظاہری) خطاء یاد آئے گی اور وہ "نفسی نفسی" کہیں گے اگر ان میں سے کسی کو بھی اپنی (ظاہری) خطاء کی مغفرت کا علم ہوتا تو وہ اس مقام پر شفاعت کا انکار نہ کرتا اور جب تمام لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کریں گے تو آپ فرمائیں گے: میں اس شفاعت کے لیے ہوں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کے بیان میں لکھتے ہیں:

وازاں جملہ آنست کہ آمرزیدہ شد آں حضرت علیہ السلام را ما تقدم من ذنبہ وما تاخر' شیخ عز الدین بن عبد السلام گفتہ رحمہ اللہ تعالی از

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ کے تمام مقدم اور مؤخر ذنوب کو بخش دیا گیا ہے' شیخ عزالدین بن عبد السلام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کو دنیا میں مغفرت کی خبر دے

خصائص آں حضرت ست که خبرداده شد اورا در دنیا بمغفرت ونقل کرده نشد که وے تعالی خبرداد ہیچ یکے را از انبیاء بمانند ایں تا آنکه گویند روز قیامت نفسی نفسی انتہی یعنی اگرچه ہمه انبیاء مغفور اند وتعذیب انبیاء جائز نیست ولیکن به تصریح خبرداده نشد' ہیچ یکے را بایں فضیلت و اخبار کرده نشد بداں و تصریح آں مخصوص بحضرت محمد است صلی الله علیه وسلم که از غم واندیشه خود فارغ شده بخاطر جمع بحال امت مے پردازدو بشفاعت در مغفرت ذنوب ورفع درجات ایشاں میکوشد۔

(مدارج النبوت ج ١ ص ١٢٥۔ ١٢٣، سکھر)

دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے باقی انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کو یہ خبر نہیں دی ہے' اسی وجہ سے وہ قیامت کے دن ''نفسی نفسی'' کہیں گے۔ (علامہ عز الدین کی عبارت ختم ہوئی' اس کے بعد شیخ محقق لکھتے ہیں:) یعنی اگرچہ تمام انبیاء مغفور ہیں اور انبیاء کو عذاب ہونا ممکن نہیں ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحۃً خبر نہیں دی اور کسی کو بھی اس فضیلت کی خبر نہیں دی اور مغفرت کی تصریح صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے' تاکہ آپ اپنے متعلق تشویش سے فارغ ہو کر تسلی کے ساتھ امت کے گناہوں کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کی شفاعت میں کوشش کریں۔

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی لکھتے ہیں:

پس گفته شد مرآں حضرت را برائے چه میکنی ایں ہمه ریاضت و میکشی ایں ہمه تعب و عناء حالانکه آمرزیده شده است برائے تو ہمه گناہاں تو آنچه پیش رفته و آنچه پس آمده گفت اگر گناہاں ہمه بخشیده باشد آیا پس نباشم من بنده شکر گوینده برنعمت ہائے حق خصوصاً ایں نعمت عظیم که مغفرت ذنوب است۔

(اشعۃ اللمعات ج ١ ص ٥٢٠، لکھنؤ)

پس آں حضرت سے عرض کیا گیا کہ آپ عبادت و ریاضت میں اس قدر کوشش و تھکاوٹ کو کیوں اختیار کرتے ہیں حالانکہ آپ کے تمام گناہ (یعنی ترکِ افضل یا خلافِ اولیٰ) بخش دیئے گئے ہیں خواہ وہ پہلے ہوں یا بعد کے؟ آپ نے فرمایا: اگر تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں تو کیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والا نہ بنوں' خصوصاً مغفرت ذنوب کی اس عظیم نعمت پر؟

یہ حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے اور ''مشکوٰۃ'' ص ١٠٩۔ ١٠٨' مطبوعہ دہلی اور ''صحیح بخاری'' ج ٢ ص ٧١٦' مطبوعہ کراچی میں مذکور ہے۔

عشرہ مبشرہ اور اصحابِ بدر کی مغفرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کی خصوصیت پر معارضہ کا جواب

مستند فقہاء اسلام کی ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں تمام ذنوب کی کلی مغفرت کا قطعی اعلان' یہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم پر اللہ کی عظیم نعمت اور آپ کی منفرد خصوصیت ہے' کسی عام امتی اور ماوشما کی بات چھوڑیں اولوالعزم انبیاء اور رسل میں سے بھی کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوئی'' شرح صحیح مسلم'' جلد ثالث میں بھی میں نے اس دلیل کا اختصاراً ذکر کیا ہے۔اس پر بعض لوگوں نے یہ معارضہ کیا کہ کیا عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس دنیا ہی میں مغفرت کی نوید نہیں سنا دی گئی؟

الجواب:عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مغفرت کی نہیں جنت کی نوید دی گئی ہے' اور وہ بھی خبر واحد ہے' لیکن جنت کی بشارت اور شے ہے اور مغفرت کی نوید اور چیز ہے اور یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر کو مغفرت کی نوید سنائی ہے' لیکن یہ نوید بہر حال خبر واحد سے ثابت ہے اور ظنی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ذنوب کی کلی مغفرت کا اعلان قرآن مجید میں ہے اور قطعی ہے اور اس خصوصیت میں آپ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے۔

واضح رہے کہ دخول جنت کی نوید مغفرت کلی کو مستلزم نہیں' کیونکہ ہر مومن جنت میں جائے گا' البتہ دخول جنت کی شخصی بشارت ایمان پر خاتمہ کو مستلزم ہے اور نفس مغفرت کی نوید بھی ابتداءً جنت میں دخول کو مستلزم نہیں ہے' البتہ مغفرت کلی کی بشارت ابتداءً دخولِ جنت کو مستلزم ہے اور اس کی شخصی بشارت پوری کائنات میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور یہ آپ کی منفرد فضیلت اور عظیم خصوصیت ہے۔

صاحب یٰسین کی مغفرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کی خصوصیت پر معارضہ۔۔۔

کا جواب

صاحب یٰسین کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝ (یٰسین: ۲۷-۲۵)

میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا ہوں تم میری بات سن لو ۝ حکم ہوا: جنت میں داخل ہو جا' تو اس نے کہا کہ کاش! میری قوم کو معلوم ہوتا ۝ کہ میرے رب نے میری مغفرت کر دی اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا ۝

مخالفین کہتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ صاحب یٰسین کو اس کی زندگی میں فرمایا: تو جنت میں داخل ہو جا اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی وفات کے بعد فرمایا: تو جنت میں داخل ہو جا' بہر حال صاحب یٰسین کو بھی اس کی زندگی میں جنت اور مغفرت کی بشارت دے دی گئی تھی' لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آپ کی زندگی میں الفتح: ۲ کے ذریعہ مغفرت کی بشارت دی گئی ہے وہ آپ کی خصوصی نہ رہی' کیونکہ یہ بشارت تو صاحب یٰسین کو بھی حاصل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ لکھا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی یا کسی رسول یا کسی بھی شخص کی زندگی میں اس کی مغفرت کلی کا اعلان قطعیت سے ثابت نہیں ہے' اس کا ان تفسیری روایات سے معارضہ کرنا باطل ہے کیونکہ اوّل تو یہ روایات زیادہ سے زیادہ اخبار احاد ہیں' اس لیے قطعیت الثبوت نہیں ہیں' ثانیاً: یہ دو قسم کی روایات ہیں' زیادہ تر یہ ہیں کہ صاحب یٰسین سے ان کی وفات کے بعد کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا اور یہی اقرب الی القیاس ہیں اور یہ ہمارے مؤقف کے خلاف نہیں ہیں اور بعض مجہول السند روایات میں ہے کہ ان کی زندگی میں ان سے کہا گیا۔امام ابن اسحاق اپنے بعض اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صاحب یٰسین سے فرمایا: تو جنت میں داخل ہو جا' پس وہ زندہ جنت میں داخل ہو گئے' ان کو جنت میں رزق دیا جاتا ہے۔(جامع البیان جز ۲۲ ص ۱۹۳) امام رازی نے دونوں روایتیں ذکر کی ہیں' پہلے وہ روایت ذکر کی ہے جس میں ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان سے فرمایا: تو جنت میں

داخل ہو جا اور دوسری روایت وہ ذکر کی ہے جس میں ہے کہ ان سے زندگی میں فرمایا: تو جنت میں داخل ہو جا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۶۷ ایضاً تفسیر قرطبی جز ۱۵ ص ۲۰) اور جب یہ دو روایتیں ہیں تو ان کی زندگی میں ان کی مغفرت کا اعلان قطعیت الدلالۃ نہ رہا اور نہ ہی یہ روایات قطعی الثبوت ہیں اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی مغفرت کا اعلان آپ کے متعلق الفتح: ۲ میں قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالۃ بھی ہے تو صاحب یٰسین کی مغفرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی مغفرت کی قطعیت سے کیسے معارضہ کیا جا سکتا ہے اور صاحب یٰسین کی مغفرت سے آپ کی کلی مغفرت کی تنقیص کیسے کی جا سکتی ہے؟

اصحابِ حدیبیہ کی مغفرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کی خصوصیت پر معارضہ کا جواب

قرآن مجید میں ہے:

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح: ۵)

تا کہ اللہ مومنوں اور مومنات کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کی برائیوں کو ان سے مٹا دے اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے ۝

اس آیت کی بنیاد پر مخالفین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان احادیث کے مطابق جب الفتح: ۲ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کلی کا اعلان کر دیا گیا تو اصحابِ حدیبیہ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہمارے لیے کیا ہو گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے الفتح: ۵ کی تلاوت فرمائی، یعنی مومنین اور مومنات کو اللہ تعالیٰ دائمی جنات عطا فرمائے گا اور اصحابِ حدیبیہ بھی مومنین اور مومنات میں سے ہیں، لہٰذا وہ بھی اس بشارت میں داخل ہیں، سو ان کی بھی مغفرت کلی اور قطعی ثابت ہو گی، پس دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کلی کا قطعی اعلان آپ کی خصوصیت نہیں رہا۔ مخالفین کہتے ہیں: اور اگر اس کا ثبوت اس طرح نہ ہو تو حضرات صحابہ کرام کو اس کا حق تھا کہ وہ کہتے: ہم نے مغفرت کلی و قطعی کا مطالبہ کیا تھا، نہ ہماری مغفرت ہوئی، نہ اس میں کلیت آئی، نہ اس میں قطعیت آئی، تو گویا ان کا مطالبہ پورا ہی نہ ہوا؟

الجواب: صحابہ کرام نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا، یہ صرف معترض کا مفروضہ اور صحابہ کرام پر بے جا الزام ہے، صحابہ کرام کا تو بہت بلند مقام ہے، کسی عام مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ یہ کہے کہ جو انعام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے بعینہٖ وہی انعام اس کو بھی، دیا جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جو مرتبہ دیا گیا اس کو بھی جنت میں وہی مرتبہ دیا جائے، یہ بہت گمراہانہ سوچ ہے، صحابہ کرام اس تہمت سے بری ہیں۔

حدیث میں صرف اتنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی میں یہ آیت نازل ہوئی:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۲)

تا کہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام۔

تو صحابہ نے عرض کی: آپ کو مبارک ہو خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف فرما دیا کہ آپ کے ساتھ کیا کرے گا، اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟ اس پر الفتح: ۵ نازل ہوئی۔

صحابہ کرام نے صرف یہ جاننا چاہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا کرے گا، یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ ان کو بھی وہی انعام عطا کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا اور ان کی بھی خصوصیت اور شخصی تعیین کے ساتھ ان کی زندگی

میں ان کی مغفرت کلی کا قطعی اعلان کر دیا جائے اور ایسا کہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر صریح بہتان ہے۔
نیز بعض لوگوں نے کہا ہے کہ الفتح: ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کا اعلان آپ کی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ الفتح: ۵ میں اصحابِ حدیبیہ کی مغفرت کا اعلان بھی ہے۔
الجواب: میں کہتا ہوں کہ ان دونوں آیتوں کی حیثیتوں میں دو وجہ سے فرق ہے:
(۱) الفتح: ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شخصی طور پر خطاب ہے اور الفتح: ۵ میں اصحابِ حدیبیہ سے شخصی طور پر خطاب نہیں ہے بلکہ عمومی طور پر مؤمنین اور مؤمنات کو جنت اور مغفرت کی نوید سنائی ہے اور اس نوید میں قیامت تک کے مؤمنین اور مؤمنات داخل ہیں اگرچہ اصحابِ حدیبیہ اس نوید میں اوّلاً داخل ہیں مگر یہ نوید ان کے ساتھ خاص نہیں ہے اگر یہ کہا جائے کہ یہ آیت ان ہی کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔
(۲) الفتح: ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی اور پچھلی مغفرت کا ذکر ہے اور یہی مغفرت کلی ہے اس کے برخلاف الفتح: ۵ میں مطلق مغفرت کا ذکر ہے اور مطلق مغفرت مغفرت کلی کو مستلزم نہیں ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں جنت کی بشارت بھی ہے اور جنت کی بشارت مغفرت کلی کو مستلزم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنت مغفرت کو تو مستلزم ہے مغفرت کلی کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ کئی مسلمان حساب کی سختی محشر میں طول قیام وغیرہ کے مرحلہ سے گزر کر جنت میں جائیں گے۔
بہر حال مغفرت کلی کا دنیا میں اعلان قطعی صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور یہ آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے اور وہ تمام علماء جن کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت ہے انہوں نے آپ کی اس فضیلت کا بہ صراحت ذکر کیا ہے جن کے حوالے ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

اعلیٰ حضرت ان کے والد گرامی اور دیگر علماء اہل سنت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کو برقرار رکھنا

الفتح: ۲ میں بغیر تاویل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرتِ ذنب کی نسبت ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کلی کا قطعی اعلان آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے "کنز الایمان" کے علاوہ اپنی دوسری تصانیف میں اور آپ کے والد گرامی نے اپنی تصانیف میں جن کی اعلیٰ حضرت نے توثیق کی ہے اور دیگر علماء اہل سنت نے اپنی تصانیف میں اس آیت میں اور اس طرح کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کو برقرار رکھا ہے ملاحظہ فرمائیں:
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں: (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے) ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اور میں سن رہی تھی کہ یارسول اللہ! میں صبح کو جب اٹھتا ہوں اور نیت روزے کی ہوتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خود ایسا کرتا ہوں اس نے عرض کی: حضور کی اور ہماری کیا برابری حضور کو تو اللہ عزوجل نے ہمیشہ کے لیے پوری معافی عطا فرما دی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۶۱۶۔ ۶۱۵ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۱۰ھ)
نعمائے الٰہیہ ہر وقت ہر لحہ ہر آن ہر حال میں متزاید ہیں۔ خصوصاً خاصوں پر خصوصاً ان پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں اس کمی کو تقصیر اور تقصیر کو ذنب فرمایا گیا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۵ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے والد قدس سرہٗ کی کتاب ''احسن الوعاء وآداب الدعاء'' کی شرح ''ذیل الوعا احسن الدعا'' میں لکھتے ہیں: قال الرضا یہ بھی ابوالشیخ نے روایت کی اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے: ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ'' (محمد: ۱۹) مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے۔

(احسن الوعاء ص ۲۶' مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز' کھارادر' کراچی)

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد امام المتکلمین مولانا شاہ نقی علی خان متوفی ۱۲۹۷ھ نے سورۂ الم نشرح کی تفسیر لکھی ہے جس کو ''انوارِ جمال مصطفیٰ'' کے نام سے شائع کیا گیا' اس کے متعلق اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں: ازاں جملہ الکلام الاوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح کہ مجلد کبیر ہے علوم کثیرہ پر مشتمل۔ (انوارِ جمال مصطفیٰ ص ۸' شبیر برادرز' لاہور)

اس کتاب میں الفتح: ۲ کے ترجمہ میں مولانا شاہ نقی علی خان تحریر فرماتے ہیں: تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ۔ (انوارِ جمال مصطفیٰ ص ۱۷' شبیر برادرز' لاہور)

نیز مولانا شاہ نقی علی خان ایک حدیث کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں: آپ نے اس قدر عبادت کی کہ پائے مبارک سوج گئے' لوگوں نے کہا: آپ تکلیف اس قدر کیوں اٹھاتے ہیں کہ خدا نے آپ کو اگلی پچھلی خطا معاف کی؟ فرمایا: ''افلا اکون عبدًا شکورًا''۔

(سرور القلوب بذکر المحبوب ص ۲۳۶' شبیر برادرز' لاہور)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ایک حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پس مے آیند عیسیٰ راپس مے گوید عیسیٰ من نیستم اہل ایں کار و لیکن بیاید محمد را صلی اللہ علیہ وسلم کہ بندہ ایست کہ آمر زیدہ است خدا مرا ورا ہرچہ پیش گذشتہ از گناہان وے وہرچہ پس آمدہ۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۸۶' لکھنؤ)

پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے' حضرت عیسیٰ فرمائیں گے: میں اس کام کا اہل نہیں ہوں لیکن تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ' وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہ (یعنی ترکِ افضل) بخش دیئے ہیں خواہ پہلے کے ہوں یا بعد کے۔

اور علامہ فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۸۶۱ھ اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پس بیایند بر عیسیٰ علیہ السلام پس بگوید برائے شفاعت نیستم لیکن برشما لازم است کہ بروید بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او بندہ ایست کہ آمر زیدہ است خدائے تعالیٰ مرا ورا از گناہان پیش و پسین او۔ (تحقیق الفتویٰ ص ۳۲۱۔۳۲۰' لاہور)

علامہ عبد الحکیم شرف قادری ثم نقشبندی اس عبارت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے' وہ فرمائیں گے: میں شفاعت (کبریٰ) کے لیے نہیں ہوں' تم پر لازم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ' وہ ایسے عبد مکرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے اور پچھلے ذنوب معاف کر دیئے ہیں۔ (ترجمہ تحقیق الفتویٰ ص ۱۲۵' مکتبہ قادریہ' لاہور' ۱۳۹۹ھ)

مولانا غلام رسول رضوی لکھتے ہیں:

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے' وہ کہیں گے: میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں تم محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔
(تفہیم البخاری ج ١٠ ص ٤٨ 'الجدہ پرنٹرز)

میرے شیخ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ العزیز متوفی ١٤٠٦ھ الفتح: ٢ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورۃً ذنب ہیں' حقیقۃً حسنات الابرار سے افضل ہیں)۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ متوفی ١٩٩٨ء نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے:
تاکہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔

مولانا فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:
''عفا الله عنك'' کی تقدیم میں لطیف اشارہ ہے' وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''لیغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر'' کی خوش خبری سے نوازا' تو ''عفا الله عنك'' میں اس کی تصدیق و توثیق فرمائی' اب مطلب واضح ہو گیا کہ اے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نے منافقین کو اجازت بخشی کر خلاف اولیٰ کا ارتکاب فرمایا ہے جسے عوام (وہابی وغیرہ) عتاب یا غلطی سے تعبیر کرتے ہیں تو کیا ہوا' آپ تسلی فرمائیے کہ جب میں نے آپ سے پہلے وعدہ کر رکھا ہے کہ آپ کے گزشتہ اور آئندہ امور اگرچہ خلاف اولیٰ ہوں تمام بخش دیئے ہیں۔ (علم الرسول ص ٨٠' مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا کی: تو میری ساری خطائیں بخش دے' تیرے سوا کوئی خطائیں نہیں بخش سکتا۔
(مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٨١٣)

مفتی احمد یار خاں متوفی ١٣٩١ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
خیال رہے اس قسم کی ساری دعائیں امت کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے محفوظ ہیں اور آپ کی خطاؤں کی مغفرت ہو چکی ہے جس کا اعلان قرآن شریف میں بھی ہوا جو اس قسم کی دعائیں دیکھ کر حضور کو گناہ گار مانے' وہ بے دین ہے۔ (مراۃ المناجیح ج ٢ ص ٣٤۔ ٣٣' نعیمی کتب خانہ' گجرات)

ہم نے اس سے پہلے ''انباء المصطفیٰ'' اور ''انباء الحیّ'' کے حوالوں سے ان احادیث کو بیان کیا تھا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی گئی ہے' اب ہم اس سلسلہ میں مزید احادیث بیان کر رہے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کے ثبوت میں مزید احادیث

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست لم یعطهن احد کان قبلی' غفرلی ما تقدم من ذنبی وما تاخروا حلت لی الغنائم ولم تحل لاحد کان قبلی' وجعلت امتی خیر الامم' وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا واعطیت الکوثر'

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء پر چھ چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے' جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' میرے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے' میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا' میری امت کو تمام امتوں سے افضل قرار دیا

ونصرت بالرعب' والذی نفسی بیده ان صاحبکم لصاحب لواء الحمد یوم القیامة تحته ادم فمن دونه. (کشف الاستار ج ۳ ص ۱۴۷ 'بیروت)

گیا ہے' میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور مطہر بنا دیا گیا ہے' مجھے کوثر دیا گیا ہے اور میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تمہارا پیغمبر قیامت کے دن حمد کے جھنڈے کا حامل ہو گا اور آدم اور ان کے ماسوا تمام انبیاء اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

حافظ الہیثمی اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

رواہ البزار واسنادہ جید.

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹ 'بیروت)

اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عکرمة قال سمعت ابن عباس یقول ان اللہ عزوجل فضل محمدا صلی اللہ علیہ وسلم علی اھل السماء وعلی الانبیاء قالوا یا ابن عباس ما فضله علی اھل السماء قال لان اللہ عزوجل قال لاھل السماء (ومن یقل منھم انی الٰہ من دونه فذلك نجزیه جھنم كذلك نجزی الظلمین) وقال اللہ تعالی لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفرلك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر قالوا یا ابن عباس ما فضله علی الانبیاء؟ قال لان اللہ تعالی یقول وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه وقال اللہ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وما ارسلناك الا كافة للناس فارسله اللہ عزوجل الی الانس والجن.

(دلائل النبوت ج ۶ ص ۴۸۷-۴۸۶ 'بیروت)

عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام آسمان والوں اور تمام نبیوں پر فضیلت دی ہے' لوگوں نے کہا: اے ابن عباس! آسمان والوں پر آپ کی فضیلت کی کیا دلیل ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا: "اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں کے متعلق فرمایا: اور فرشتوں میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں' تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے' اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں"۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا: "بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی' تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب یعنی (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام معاف کر دے"۔ لوگوں نے کہا: اے ابن عباس! حضور کی انبیاء پر کیا فضیلت ہے؟ انہوں نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے متعلق فرماتا ہے: "ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث کیا ہے" اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: "ہم نے آپ کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا ہے" سو آپ کو اللہ عزوجل نے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا۔

اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۳ ص ۱۵۳)

حافظ نورالدین الہیثمی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی ورجاله رجال الصحیح غیر الحکم بن ابان وھو ثقة ورواہ ابو یعلی باختصار

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں' ماسوا حکم بن ابان کے اور وہ بھی ثقہ

کثیر۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۵۔ ۲۵۴) ہے امام ابو یعلیٰ نے بھی اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو شیخ ولی الدین عراقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ذکر کیا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۵' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۹)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن مجاهد فی قوله عزوجل نافلة لك قال لم تكن النافلة لاحد الا للنبی صلی الله علیه وسلم خاصة من اجل انه قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فما عمل من عمل مع المكتوب فهو نافلة سوی المكتوب من اجل انه لا یعمل ذلك فی كفارة الذنوب والناس یعملون ما سوی المكتوبة فی كفارة ذنوبهم فلیس للناس نوافل انما هی للنبی صلی الله علیه وسلم خاصة.

(دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۷)

''نفل آپ کی خصوصیت ہے'' اس کی تفسیر میں مجاہد نے بیان کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے لیے نفلی عبادت زائد نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی ہے' اس لیے آپ فرائض کے علاوہ جو بھی عبادت کرتے ہیں وہ نفل یعنی زائد از ضرورت ہوتی ہے' کیونکہ باقی لوگ فرائض کے علاوہ جو بھی عبادت کرتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے' لہٰذا لوگوں کی کوئی عبادت نفل یعنی زائد نہیں ہے' عبادت کا نفل (زائد) ہونا صرف آپ کی خصوصیت ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

وذكر وهب بن منبه فی قصة داود النبی صلی الله علیه وسلم وما اوحی الیه فی الزبور یا داود انه سیاتی من بعدك نبی یسمی احمد ومحمد صادقا سیدا لا اغضب علیه ابدا ولا یغضبنی ابدا وقد غفرت له قبل ان یعصنی ما تقدم من ذنبه وما تاخر وامة مرحومة الحدیث.

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۸۰)

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ میں ذکر کیا کہ ''زبور'' میں ان کی طرف یہ وحی کی گئی تھی کہ اے داؤد! آپ کے بعد ایک نبی مبعوث ہوں گے جن کا نام احمد اور محمد ہو گا' وہ صادق اور سید ہوں گے' میں ان پر کبھی ناراض ہوں گا نہ وہ کبھی مجھ سے ناراض ہوں گے' میں نے ان کے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب (بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں) کو ارتکاب سے پہلے ہی معاف کر دیا ہے اور ان کی امت پر رحمت کی گئی ہے۔

ان تمام احادیث میں تمام اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے' سو یہ کہنا کہ یہ مغفرت آپ کو حاصل نہیں ہوئی بلکہ آپ کے اگلوں اور پچھلوں کو حاصل ہوئی ہے' ان تمام احادیث کے خلاف ہے۔

آثارِ صحابہ کی روشنی میں آپ کے ساتھ مغفرت ذنوب کے تعلق کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالك یقول جاء ثلثة رهط الی بیوت ازواج النبی صلی الله علیه وسلم یسئلون عن عبادة النبی صلی الله علیه وسلم فلما اخبروا كانهم تقالوها فقالوا واین نحن من النبی صلی الله علیه وسلم قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فقال احدهم اما انا فانی اصلی اللیل

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے گھروں میں تین صحابی آئے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب ان کو خبر دی گئی تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے تو اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے' ایک نے کہا: میں ہمیشہ ساری رات نماز

ابدا. وقال اخر انا اصوم الدهر ولا افطر وقال اخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انتم الذين قلتم كذا وكذا اما والله انا لاخشاكم لله و اتقاكم له لكني اصوم وافطر واصلي وارقدو واتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني.

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۷، طبع کراچی)

پڑھوں گا' دوسرے نے کہا: میں تمام عمر روزے رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا' تیسرے نے کہا: ہمیں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: تم لوگوں نے ایسے ایسے کہا ہے؟ سنو! بخدا! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں' لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور کھانا بھی کھاتا ہوں' نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور ازواج سے نکاح بھی کرتا ہوں' سو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔

امام عبد الرزاق نے بیان کیا ہے کہ یہ تین صحابی' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم تھے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۱۶۷ قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس آیت میں مغفرت ذنوب کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ آپ روزے میں اپنی ازواج کا بوسہ لیتے ہیں تو حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

فقال یا رسول الله قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اما والله انی لاتقاکم واخشاکم له.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۳' کراچی)

انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: سنو! خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ پرہیز گار اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ایک صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا کوئی شخص حالتِ جنابت میں روزہ کی نیت کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں بھی (بعض اوقات تاخیر کی وجہ سے) ایسا کرتا ہوں' اس پر اس صحابی نے کہا:

فقال لست مثلنا یا رسول الله قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر فقال والله انی لارجو. ان اکون اخشاکم لله واعلمکم بما اتقی.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۴' کراچی)

اس صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! آپ تو ہماری مثل نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی ہے' آپ نے فرمایا: بہ خدا مجھے یہ امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور جن چیزوں سے بچنا چاہیے ان کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم کان یقوم من اللیل حتی تفطر قدماه فقالت عائشة لم تصنع هذا یا رسول الله وقد غفر الله

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (بہت) قیام کرتے تھے' حتیٰ کہ آپ کے دونوں پیر سوج جاتے' حضرت عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ!

لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر قال افلا احب ان اکون عبدا شکورا. (صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۱۶، کراچی)

آپ اتنا قیام کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں یہ پسند نہ کروں کہ اللہ کا شکر گزار بندہ ہوں۔

اعلیٰ حضرت کے دونوں ترجموں میں محاکمہ

قرآن مجید کی ظاہر آیات المومن: ۵۵، محمد: ۱۹ اور الفتح: ۲ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف استغفار اور مغفرت کی نسبت کی گئی ہے، اسی طرح بہ کثرت احادیث اور آثار میں بھی آپ کی طرف مغفرت کی نسبت ہے جن کو ہم نے ''انباء المصطفیٰ'' اور ''انباء الحی'' کے حوالوں سے بیان کیا ہے اور مزید احادیث ''مسند بزار' دلائل النبوت' طبرانی' ابویعلیٰ'' وغیرہا کے حوالوں سے ذکر کی ہیں اور آثار صحابہ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کے حوالوں سے ذکر کیے ہیں اور اعلیٰ حضرت نے اپنی دیگر تصانیف میں جو ان آیات اور احادیث کا ترجمہ کیا ہے' وہ ظاہر قرآن اور احادیث کے مطابق ہے' اس لیے ہمارے نزدیک اعلیٰ حضرت کا یہ ترجمہ راجح ہے اور ''کنز الایمان'' کے ترجمہ میں جو مغفرت ذنب کی نسبت اگلوں اور پچھلوں کی طرف کی گئی ہے وہ چونکہ ظاہر قرآن اور حدیث کے مطابق نہیں ہے' اس لیے وہ مرجوح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے: چونکہ الفتح: ۲ میں آپ کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت ہے اور بہ ظاہر مغفرت ذنب کی آپ کی طرف نسبت آپ کے معصوم ہونے کے خلاف ہے اس لیے اس آیت میں تاویل کی جائے گی اور یہ تاویل اعلیٰ حضرت نے دو طرح کی ہے' ''کنز الایمان'' میں آپ نے اس آیت میں مغفرت کی نسبت کو مجاز عقلی پر محمول کیا' یعنی بہ ظاہر مغفرت کی نسبت آپ کی طرف ہے اور حقیقت میں یہ نسبت اگلوں اور پچھلوں کی طرف ہے اور اعلیٰ حضرت نے دوسرے تراجم میں اور آپ کے والد گرامی اور دوسرے علماء اہل سنت نے اس آیت کو مجاز مرسل پر محمول کیا اور ذنب کے معنی میں تاویل کی اور کہا: اس سے ذنب کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ مراد ہے۔

بہر حال مجاز عقلی ہو یا مجاز مرسل' مغفرت کی نسبت کو مجاز پر محمول کیا جائے یا ذنب کے معنی میں تاویل کی جائے اور اس کو خلاف اولیٰ پر محمول کیا جائے یہ دونوں طریقے عربی قواعد کے مطابق اور دونوں کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتراض کو دور کرنا اور آپ کی عظمت کو اجاگر کرنا ہے اور دونوں کی نیت محمود اور مستحسن ہے اور ان میں سے کسی طریقہ کو طعن اور ملامت کا ہدف نہیں بنانا چاہیے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک طریقہ افضل اور راجح ہے اور دوسرا طریقہ مفضول اور مرجوح ہے اور ہمارے نزدیک افضل اور راجح طریقہ وہی ہے جس میں ظاہر قرآن اور حدیث کی موافقت ہے۔

''القرآن ذو وجوہ'' کا جواب

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ''القرآن ذو وجوہ'' یعنی قرآن مجید کی ایک آیت کے کئی محمل ہوتے ہیں اور وہ سب درست ہوتے ہیں' لہٰذا اعلیٰ حضرت نے الفتح: ۲ کا جو ترجمہ ''کنز الایمان'' میں کیا ہے وہ بھی صحیح ہے اور جو ترجمہ آپ نے دوسری تصانیف میں کیا ہے وہ بھی درست ہے' میں کہتا ہوں: یہ اصول ٹھیک ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت کے کئی محمل ہوتے ہیں اور وہ سب درست بھی ہوتے ہیں لیکن ان میں راجح اور مرجوح اور قوی اور ضعیف تو ہوتے ہیں' مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ: ۲۲۸)

اور طلاق یافتہ عورتیں تین قروء عدت گزاریں۔

''قرء'' کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس آیت میں ''قرء'' کا معنی حیض ہے اور ان کے

نزدیک مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس آیت میں ''قروء'' کا معنی طہر ہے اور ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین طہر ہے' لغت کے اعتبار سے یہ دونوں محمل درست ہیں لیکن دلائل کے اعتبار سے یہاں ''قروء'' بہ معنی حیض راجح ہے' تین کا عدد صرف حیض کی صورت میں متحقق ہے کیونکہ جس طہر میں طلاق دی گئی اگر اس کو عدت میں شمار کریں تو اڑھائی طہر بنتے ہیں اور اگر اس طہر کو عدت میں شمار نہ کریں تو ساڑھے تین طہر بنتے ہیں' تین کا عدد پورا صرف اسی صورت میں متحقق ہوگا جب ''قروء'' بہ معنی حیض ہو' سو ''قروء'' کے دو محمل ہیں اور دونوں صحیح ہیں' لیکن راجح ''قروء'' بہ معنی حیض ہے' اسی طرح الفتح: ۲ کی دو تاویلیں ہیں' ایک یہ ہے کہ اس آیت میں ذنب بہ معنی خلافِ اولیٰ ہو اور یہ مجاز مرسل ہو اور دوسری یہ کہ مغفرت ذنب کی نسبت آپ کے اگلوں اور پچھلوں کی طرف ہو اور یہ مجاز عقلی ہو اور یہ دونوں تاویلیں درست ہیں لیکن پہلی تاویل راجح ہے کیونکہ وہ ظاہر قرآن اور حدیث کے مطابق ہے اور دوسری تاویل مرجوح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے متعلق بُرا گمان رکھتے ہیں' ان ہی پر بُری گردش ہے' اور اللہ نے ان پر غضب فرمایا اور لعنت فرمائی اور ان کے لیے دوزخ کو تیار کیا اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے O اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں' اور اللہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح اور شام اللہ کی تسبیح پڑھو O بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر' سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا O

(الفتح: ١٠-٦)

منافقوں اور مشرکوں کی ضرر رسانی اور ان کے عذاب کی نوعیت کا فرق

الفتح: ٦ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے منافقوں کا ذکر فرمایا ہے' اس کے بعد مشرکوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمنین کے حق میں منافقین کا ضرر مشرکین سے زیادہ ہے' کیونکہ مشرک تو اپنے کفر اور شرک کا اظہار کر کے مسلمانوں کا کھلا ہوا دشمن ہے اور مسلمان اس کے ضرر سے بچاؤ کی تدبیر کر لیتے ہیں' اس کے برخلاف منافق مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور مسلمانوں پر اپنے مؤمن ہونے کا اظہار کرتا ہے اور مسلمان اپنے راز کی باتیں اسے بتا دیتا ہے اور وہ ان باتوں کو مشرکین تک پہنچا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ منافقوں اور مشرکوں کو عذاب دے گا' منافقوں کا عذاب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح اور سربلندی عطا فرمائی' جس سے منافقوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اس فکر اور تشویش میں مبتلا ہو گئے کہ اب مسلمان غالب ہو گئے اور ہم نے جو ان کی ناکامی کا خواب دیکھا تھا وہ سچا نہ ہوا اور مشرکوں کا عذاب یہ تھا کہ بعد کے غزوات میں وہ قتل کیے گئے' ان کو قید کیا گیا اور ان کو غلام بنا لیا گیا۔

اور اس آیت میں فرمایا: ''جو اللہ کے متعلق بُرا گمان رکھتے تھے'' منافقوں کا بُرا گمان یہ تھا کہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس نہیں جا سکیں گے اور نہ آپ کے ان اصحاب میں سے کوئی واپس آ سکے گا جو حدیبیہ کی طرف گئے تھے اور مشرکین اب مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے' انہوں نے اللہ کے رسول اور ان کے اصحاب کے ساتھ بُرا گمان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کا وہ بُرا گمان خود ان پر الٹ دیا کہ مشرکین دنیا میں قتل کیے گئے اور قید کیے گئے اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور

منافقوں کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔

اللہ کے لشکر کا مصداق

الفتح: ۷ میں فرمایا: اور آسمانوں اور زمینوں کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ بہت غالب ہے بے حد حکمت والا ہےO

اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ ہوگئی' اس وقت عبد اللہ بن ابی نے کہا: کیا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ گمان کر لیا ہے کہ جب وہ اہل مکہ سے صلح کر لیں گے یا ان کو فتح کر لیں گے تو ان کا کوئی دشمن باقی نہیں رہے گا' پس فارس اور روم کدھر گئے؟ تب اللہ عزوجل نے یہ بیان فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر فارس اور روم کے لشکروں سے بہت زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: آسمانوں کے لشکروں سے مراد فرشتے ہیں اور زمین کے لشکروں سے مراد مؤمنین ہیں' ان دونوں آیتوں سے مراد منافقوں اور مشرکوں کو خوف زدہ کرنا اور دھمکانا ہے' ورنہ اگر اللہ تعالیٰ منافقوں اور مشرکوں کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے' لیکن اللہ عزوجل نے ان کو عذاب دینے کے لیے جو وقت مقرر کر رکھا ہے اس وقت تک کے لیے ان کو ڈھیل دے رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے اور ''وتعزروہ وتوقروہ'' کا معنی

الفتح: ۸ میں فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: آپ اس کی شہادت دیں گے کہ آپ نے اپنی امت کو تبلیغ کر دی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے تمام اعمال پر شاہد ہیں' خواہ وہ اعمال اطاعت ہوں یا معصیت ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے افعال کا اب مشاہدہ فرما رہے ہیں اور قیامت کے دن ان کے اعمال پر گواہی دیں گے۔

جو آپ کی اطاعت کرتا ہے آپ اس کو جنت کی بشارت دیتے ہیں اور جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے آپ اس کو دوزخ کی آگ سے ڈراتے ہیں۔

الفتح: ۹ میں فرمایا: تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح اور شام اللہ کی تسبیح پڑھوO

اس آیت میں تعزیر کا لفظ ہے' تعزیر کا معنی تعظیم اور تکریم کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: آپ کی نصرت اور مدد کرنا' اور آپ کی مدافعت کرنا اور آپ پر ہونے والے حملوں کو روکنا' حد سے کم سزا کو تعزیر بھی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جرم کے ارتکاب سے مانع ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: آپ کے ساتھ مل کر تلوار سے قتال کرو۔

اور توقیر کا معنی ہے: آپ کی تعظیم اور تکریم کرو' اور ''تعزروہ'' اور ''توقروہ'' دونوں میں ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور ''تسبحوہ'' سے الگ جملہ شروع ہے' یعنی صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ تمام ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہیں' اس تقدیر پر ''تعزروہ وتوقروہ'' کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقہ سے رب مانو اور یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو سکتی ہے نہ اس کا کوئی شریک ہو سکتا ہے' یہ قول قشیری کا ہے اور پہلا قول ضحاک کا تھا۔

''تسبحوه'' کے دو معنی ہیں' ایک یہ کہ ہر عیب اور نقص سے اللہ تعالیٰ کے بری ہونے کو بیان کرو اور دوسرا یہ کہ نماز پڑھو جس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے۔

''ید اللہ'' کی توجیہات اور ''بما عاھد علیہ اللہ'' میں ضمہ کے اشکال کا جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر' سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔ (الفتح: ۱۰)

اس سے مراد وہ بیعت ہے جو حدیبیہ میں حضرت عثمان کا قصاص لینے پر کی گئی تھی' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا' درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

متقدمین کے نزدیک اللہ کے ہاتھ کے معنی میں کوئی تاویل نہیں ہے' وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے لیکن مخلوق میں اس کے ہاتھ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے' ائمہ اربعہ کا یہی مختار ہے' اس کی زیادہ تفصیل ہم نے الاعراف: ۵۴ ''تبیان القرآن'' ج ۴ ص ۱۵۸ میں کی ہے اور متاخرین نے اس کی تاویلات کی ہیں۔ امام رازی نے اس کی حسب ذیل تاویلات کی ہیں:

(۱) اللہ کی نعمت ان کی نیکیوں کے اوپر ہے یعنی ان کی نیکیوں سے بہت زائد ہے۔

(۲) اللہ کی نصرت اور مدد ان کی نصرت اور مدد سے بہت زیادہ ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان کی بیعت کی حفاظت فرمائے گا۔

علامہ قرطبی نے اس کی یہ تاویلات کی ہیں:

(۱) اللہ کا ہاتھ جو ثواب عطا فرمانے میں ہے' وہ ان کی بیعت پوری کرنے سے بہت زیادہ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دے کر جو ان پر احسان کا ہاتھ رکھا ہے وہ ان کی اطاعت سے بہت زیادہ ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی قوت اور نصرت ان کی قوت اور نصرت سے بہت زیادہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا:

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح: ۱۰) اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا ۝

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت میں ''علیہ'' کی ھائے ضمیر پر ضمہ (پیش) ہے جب کہ قواعد کے مطابق یہاں ھا' ضمیر پر کسرہ (زیر) ہونا چاہیے' کیونکہ اس کا ماقبل یاء مجزوم ہے اور یاء کی مناسبت سے اس پر کسرہ ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے فرمایا: ''فمن نکث'' یعنی جس نے عہد کو توڑا' تو اگر ہاء ضمیر پر کسرہ ہوتی تو یہ معروف قاعدہ کے مطابق ہوتا اور عہد کا پورا کرنا ہوتا' جب کہ آیت میں عہد توڑنے کا ذکر ہے' اس لیے جب ''علیہ اللہ'' میں ہاء پر ضمہ پڑھی گئی تو یہ نحوی قاعدہ کا توڑنا ہوا اور ''فمن نکث'' کے موافق ہو گیا۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۳۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ

جو اعرابی (سفرِ حدیبیہ میں) آپ سے پیچھے کر دیئے گئے تھے وہ عنقریب یہ عذر پیش کریں گے کہ ہم اپنے اموال اور

اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

گھروں کی دیکھ بھال میں مشغول تھے سو آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے' وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ

میں نہیں ہیں' آپ کہیے کہ اللہ کے مقابلہ میں کس کو کسی چیز کا اختیار ہے؟ اگر وہ تم کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے یا تم

بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ

کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے' بلکہ اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے○ بلکہ تم نے یہ گمان

اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ

کیا تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی بھی اپنے گھروں کی طرف لوٹ نہیں سکیں گے اور تمہارے دلوں میں یہ بات

زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا

خوش نما بنا دی گئی تھی' تم نے بہت بُرا گمان کیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے

بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

لوگ تھے○ اور جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ

سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

تیار کر رکھی ہے○ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے معاف

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوْلُ

کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے' اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے○ اور جب تم اموالِ غنیمت

الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ

لینے کے لیے جاؤ گے تو عنقریب پیچھے کر دیئے جانے والے لوگ یہ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ

ساتھ چلنے دو، وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں، آپ کہیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ نے اسی طرح

اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا

پہلے فرما دیا ہے، پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ

يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ

بہت کم سمجھتے ہیں O آپ ان پیچھے کر دیئے جانے والے اعرابیوں سے کہیے کہ عنقریب تم کو سخت جنگ جو قوم

اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ

(مرتدین اہلِ یمامہ) کی طرف بلایا جائے گا تم ان سے قتال کرتے رہو گے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے، پس اگر

تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ

تم نے اس حکم کی اطاعت کر لی تو تم کو عمدہ اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جس طرح اس سے پہلے روگردانی کرتے

قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۶ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى

رہے ہو تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا O اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی

الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

گناہ ہے، اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اللہ اس کو ان جنتوں میں

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور جس نے روگردانی کی اللہ اس کو

عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۷ ع

دردناک عذاب دے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اعرابی (سفر حدیبیہ میں) آپ سے پیچھے کر دیئے گئے تھے وہ عنقریب یہ عذر پیش کریں گے کہ ہم اپنے اموال اور گھروں کی دیکھ بھال میں مشغول تھے، سو آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے، وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں، آپ کہیے کہ اللہ کے مقابلہ میں کس کو کسی چیز کا اختیار ہے؟ اگر وہ تم کو نقصان پہنچانے کا ارادہ

کرے یا تم کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے بلکہ اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی بھی اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ نہیں سکیں گے' اور تمہارے دلوں میں یہ بات خوش نما بنا دی گئی تھی' تم نے بہت بُرا گمان کیا تھا' اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے O اور جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O (الفتح: ۱۳۔۱۱)

منافقوں کا عذر اور اس کا نامقبول ہونا

''المخلفون'' کا معنی ہے: جن کو پیچھے کر دیا گیا' یعنی اللہ نے ان کو اپنے نبی کے ساتھ جانے اور ان کی ہم راہی سے پیچھے کر دیا تھا' یہ منافق لوگ تھے جو مدینہ کے قریب دیہاتوں میں رہتے تھے' ان کے قبائل یہ تھے: غفار' مزینہ' اسلم' اشجع اور دیل' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہجری کو مکہ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور ان کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے بلایا تو یہ قریش کے ڈر سے آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار نہیں ہوئے' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے احرام باندھا ہوا تھا' انہوں نے ساتھ نہ جانے کے لیے یہ عذر پیش کیا تھا کہ ہمارے اموال اور گھروں کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے' آپ کے حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد یہ آپ کے پاس عذر پیش کرتے ہوئے آئے اور کہا کہ آپ ہماری اس فروگزاشت کے اوپر اللہ سے استغفار کیجئے' اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ان کو رسوا کر دیا کہ یہ اپنی زبانوں سے جس شرمندگی اور افسوس اور معذرت کا اظہار کر رہے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے' بلکہ یہ محض ان کا نفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: تم نے اپنے اموال اور گھروں کو ضرر سے بچانے کی فکر کی اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نظر انداز کر دیا' اور تم اپنے اموال اور گھروں کی حفاظت کی خاطر گھروں میں بیٹھے رہے' اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ضرر پہنچانا چاہے تو تمہارا گھروں میں بیٹھنا تم کو اللہ کے ضرر سے بچا نہیں سکتا' یا تم اس لیے گھروں میں بیٹھے رہے کہ تمہیں مسلمانوں کے ساتھ جہاد نہ کرنا پڑے اور تمہارا یہ خیال تھا کہ تمہارے گھر تم کو دشمن سے بچا لیں گے' اگر بالفرض تم نے دنیا میں اپنے آپ کو خطرہ سے بچا بھی لیا تو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی بناء پر تم کو آخرت میں جو عذاب ہوگا اس سے تم کیسے بچ سکو گے؟

منافقوں کا بُرا گمان

الفتح: ۱۲ میں فرمایا: بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی بھی اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ نہیں سکیں گے۔

منافق یہ کہہ رہے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اصحاب موت کے منہ میں چلے گئے ہیں' وہ اب کبھی واپس نہ آ سکیں گے اور یہ نفاق تمہارے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا اور تمہارا یہ گمان بہت بُرا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

اس آیت میں ''بورًا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ہلاک ہونے والے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: فاسد لوگ جن سے کسی خیر کی توقع نہ ہو' یہ ''بائر'' کی جمع ہے جیسے ''حول حائل'' کی جمع ہے۔

الفتح: ۱۳ میں فرمایا: اور جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O

اس وعید کا تعلق ان کے بُرے گمان کے ساتھ ہے' کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کرنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا نہیں کرے گا یا ان کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو جو عمرہ کرنے کی بشارت دی تھی وہ جھوٹی ہے' اور وہ اعراب یعنی مدینہ کے نزدیک دیہاتوں میں رہنے والے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اس بدگمانی

کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے اور کافروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے' عذاب دیتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے O اور جب تم اموالِ غنیمت لینے کے لیے جاؤ گے تو عنقریب پیچھے کر دیئے جانے والے لوگ یہ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو' وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں' آپ کہیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے' اللہ نے اسی طرح پہلے فرما دیا ہے' پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں O (الفتح: ۱۵۔۱۴)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جن مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان کے لیے اجر عظیم ہے' اور جن منافقوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بدگمان کیا ہے ان کے لیے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے' اب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو مسلمانوں کو بخش دے گا اور وہ چاہے تو منافقوں کو عذاب دے گا' پھر اس کو اپنی چاہت کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کو بخشنا اور منافقوں کو عذاب دینا' اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے' اس پر کسی کا جبر نہیں ہے' اور فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اور ان پر حکومت اللہ ہی کے پاس ہے اور جس کی اتنی عظیم الشان حکومت ہو اس کا دیا ہوا انعام بھی بہت بڑا ہو گا اور اس کی دی ہوئی سزا بھی بہت بڑی ہو گی۔

منافقین کا غزوۂ خیبر میں شرکت کے لیے اصرار اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا اور اس کی حکمتیں

الفتح: ۱۵ میں فرمایا: اور جب تم اموالِ غنیمت لینے کے لیے جاؤ گے تو عنقریب پیچھے کر دیئے جانے والے لوگ یہ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ الآیۃ

اس آیت میں اموالِ غنیمت سے مراد خیبر کے اموالِ غنیمت ہیں' ۷ھ میں مسلمانوں نے خیبر فتح کیا اور اس کا مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے اور اللہ نے صرف ان ہی لوگوں کو خیبر کا مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے کی اجازت دی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سے پہلے عمرہ کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے' جب منافقوں نے یہ دیکھا کہ خیبر کی طرف جانے سے مال و متاع ہاتھ آئے گا تو انہوں نے کہا: ہمیں بھی ساتھ لے چلو' اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی کہ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا تو تم نے کہا تھا کہ ہمیں اپنے اموال اور گھر بار کی حفاظت کرنی ہے' اب جب خیبر کی طرف جانے کا موقع ہے تو اب تم اپنے اموال اور گھر بار کی حفاظت کیوں نہیں کرتے' اب کیوں مسلمانوں کے ساتھ جانے کے لیے اصرار کر رہے ہو؟

اس آیت میں اور الفتح: ۱۱' میں ان منافقوں کو اس وصف سے تعبیر فرمایا ہے کہ ''ان کو پیچھے کر دیا گیا تھا'' اور ان کو یوں نہیں فرمایا کہ ''یہ پیچھے رہ گئے تھے'' اور اس میں یہ حکمت ہے کہ منافق یوں نہ کہیں کہ ہم خود پیچھے رہ گئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے رسول کی مصاحبت کے لائق نہیں جانا' اس لیے تم پیچھے کر دیئے گئے' اس کے بعد فرمایا:

وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں' اللہ کے کلام کو بدلنے کے دو محمل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے جو اپنے رسول پر وحی خفی کی تھی کہ خیبر کا مالِ غنیمت ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ گئے تھے' اب منافق یہ چاہتے تھے کہ خیبر کا مالِ غنیمت حاصل کر کے اللہ کے کلام کو بدل دیں اور اس وحی خفی کو جھوٹا ثابت کر دیں۔

(۲) امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ (التوبہ: ۸۳) آپ کہیے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ روانہ نہیں ہو گے اور تم کبھی بھی میرے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد نہیں کرو گے۔

اور وہ خیبر میں آپ کے ساتھ جا کر اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو بدلنا چاہتے تھے۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور غزوۂ تبوک، فتح خیبر اور فتح مکہ کے بعد ہوا ہے۔

اور مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے بدلہ میں ان سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا تھا اور اب منافقین غنائم خیبر میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو بدلنا چاہتے ہیں اور اسی طرف اس آیت کے اس حصہ میں اشارہ ہے:

آپ کہیے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے، اللہ نے اسی طرح پہلے فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی طرح جو پہلے فرمادیا ہے کہ ”تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے اور خیبر کی غنیمتیں صرف ان مسلمانوں کے لیے ہیں جو میرے ساتھ حدیبیہ گئے تھے“ اس کا ذکر صریح قرآن اور وحی جلی میں نہیں ہے، اس کا ثبوت صرف وحی خفی میں ہے اور یہ آیت وحی خفی کے ثبوت پر دلیل ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔

منافقین نے کہا کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف حدیبیہ میں ساتھ جانے والوں کو خیبر میں جانے کی اجازت ہوگی بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، اس لیے ہم کو غزوۂ خیبر میں نہیں لے جا رہے۔ منافقین کا مطلب یہ تھا کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کے ساتھ نہ جانے کے متعلق ہماری رائے صحیح تھی کیونکہ مسلمان حدیبیہ سے بے نیل مرام واپس آئے اور ہم یہاں بے فائدہ سفر کی مشقتیں جھیلنے کے بجائے آرام سے رہے اور اب اگر ہم غزوۂ خیبر میں ان کے ساتھ جائیں تو یہ کہیں گے کہ یہ ہمارے ساتھ حدیبیہ گئے نہیں اور خیبر کی غنیمتوں میں حصہ دار بن گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو بہت کم سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے اور اللہ تعالیٰ پہلے بھی اسی طرح فرما چکا ہے، کیونکہ مسلمان جو حدیبیہ سے خالی ہاتھ واپس آئے تھے، اس کی تلافی اور تدارک کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا تھا، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جن لوگوں نے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے سفر کی مشقتوں کو برداشت کیا اور کفار کے ظاہری دباؤ کو برداشت کیا، ان کو آخرت میں جو اجر عظیم ملے گا وہ تو الگ ہے، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی محروم نہیں رکھے گا اور ان کو اس سفر کے بدلہ میں خیبر کی غنیمتیں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان پیچھے کر دیئے جانے والے اعرابیوں سے کہیے کہ عنقریب تم کو سخت جنگ جو قوم (مرتدین اہل یمامہ) کی طرف بلایا جائے گا تم ان سے قتال کرتے رہو گے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے، پس اگر تم نے اس حکم کی اطاعت کر لی تو تم کو عمدہ اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جس طرح اس سے پہلے روگردانی کرتے رہے ہو تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا O اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور جس نے روگردانی کی اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا O (الفتح: ۱۷-۱۶)

سخت جنگجو قوم کے متعلق متعدد اقوال

الفتح:۱۶ میں فرمایا ہے: آپ ان پیچھے کر دیئے جانے والے اعرابیوں سے کہیے کہ عنقریب تم کو سخت جنگ جو قوم کی طرف بلایا جائے گا۔ اس جنگ جو قوم سے مراد کون سی قوم ہے؟ علامہ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے: اس کے متعلق پانچ قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اہل فارس (ایران) ہیں۔

(۲) حسن اور عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ نے کہا: اس سے مراد اہل روم ہیں۔

(۳) سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد اہل ہوازن اور غطفان ہیں جن سے حنین میں جنگ ہوئی تھی۔

(۴) زہری نے کہا: اس سے مراد مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ ہے۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ جنگ جو قوم ابھی تک نہیں آئی (یہ قول ظاہر آیت کے خلاف ہے)۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس آیت کو پہلے پڑھتے تھے اور ہم کو معلوم نہیں تھا کہ اس جنگ جو قوم سے کون سی قوم مراد ہے، حتیٰ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں بنو حنیفہ کے خلاف جنگ کی دعوت دی، تب ہمیں منکشف ہوا کہ اس جنگ جو قوم سے مراد بنو حنیفہ ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۲۴۸)

حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت اور امامت پر دلیل

اس آیت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت اور خلافت کی صحت کی دلیل ہے، کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو بنو حنیفہ سے لڑنے کی دعوت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو فارس اور روم کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی اور اس جنگ جو قوم کے خلاف لڑنے کی دعوت دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتے کیونکہ منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ (التوبہ:۸۳) آپ کہیے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ روانہ نہیں ہو گے، اور تم کبھی میرے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد نہیں کرو گے۔

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ بنو حنیفہ کے خلاف ان اعراب کو قتال کی دعوت دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے، ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے کہ اس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو اپنے زمانہ خلافت میں دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے کا موقع نہیں ملا، ان کی زیادہ تر جنگیں اپنوں سے ہوئیں، پہلے حضرت عائشہ ام المؤمنین سے جنگ جمل ہوئی، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین ہوئی، اگرچہ ان جنگوں میں حق پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور اخیر میں آپ کی جنگ خارجیوں کے ساتھ ہوئی، بہرحال اگر یہ جنگ جو قوم بنو حنیفہ تھی تو اس کے داعی حضرت ابو بکر تھے اور ان کے حکم کی اطاعت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی:

فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ (الفتح:۱۶) اگر تم نے اس حکم کی اطاعت کی تو تم کو اللہ تعالیٰ اجر حسن عطا فرمائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ اس جنگ جو قوم کے خلاف قتال کی دعوت دینے والا امام برحق ہے اور وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ

عنہ ہیں‘ سو ان کی امامت اور خلافت کا برحق ہونا ثابت ہو گیا ہے اور حضرت عمر کی خلافت حضرت ابوبکر کی خلافت کی فرع ہے‘ سو وہ بھی برحق ہے اور اگر اس جنگ جو قوم سے مراد اہل فارس اور روم ہیں تو ان کے خلاف جنگ کے داعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں تو ان کی خلافت برحق ہوئی اور ان کی خلافت حضرت ابوبکر کی خلافت کی فرع ہے‘ لہٰذا حضرت ابوبکر کی خلافت بھی برحق ہوئی‘ سو یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی خلافت اور امامت پر دلیل ہے۔

مرتد کو قتل کرنے کا وجوب اور اس کو تین دن کی مہلت دینے پر دلائل

ہمارے فقہاء کے نزدیک مرتد کا قتل کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل بھی اس آیت میں ہے‘ کیونکہ اصحاب مسیلمہ کذاب مرتد تھے‘ یہ پہلے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے‘ پھر مرتد ہو کر مسیلمہ پر ایمان لے آئے اور ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ”تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ“ (الفتح:۱۶) تم ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں‘ اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا‘ اگر وہ اسلام لے آیا تو فبہا ورنہ اس کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا‘ ہاں اگر وہ مہلت طلب کرے تو اس کو مہلت دی جائے گی‘ مرتدین کو قتل کرنے کے وجوب پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ“ (الفتح:۱۶) تم ان سے قتال کرتے رہو‘ حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں‘ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من بدل دينه فاقتلوه. جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۷‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۱‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۵۸‘ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۰‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۵‘ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۹‘ مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۹)

حضرت علی‘ حضرت ابن مسعود‘ حضرت معاذ رضی اللہ عنہم اور دیگر اصحاب رسول کا یہی قول ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔

نیز مرتدین مشرکین عرب کے قائم مقام ہیں‘ بلکہ ان کا جرم ان سے بھی زیادہ ہے‘ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے اور قرآن مجید ان کی لغت پر نازل ہوا تھا اور جب انہوں نے شرک کیا تو انہوں نے اس کی کوئی رعایت نہیں کی‘ اور یہ مرتد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین رکھنے والا تھا اور شریعتِ اسلام کے محاسن کو پہچانتا تھا اور جب یہ مرتد ہوا تو اس نے اس دین کی کوئی رعایت نہیں کی‘ لہٰذا جس طرح مشرکین عرب کے لیے صرف تلوار ہے یا اسلام ہے‘ اور کوئی تیسری چیز ان سے قبول نہیں کی جاتی‘ اسی طرح مرتدین سے تلوار یا اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی‘ ہاں جب وہ مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی‘ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کو کوئی نہ کوئی شبہ لاحق ہوا ہے‘ جبھی وہ دین اسلام سے پھر گیا‘ سو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کے شبہ کو زائل کریں یا وہ خود تین دن تک غور و فکر کرے‘ اور ہو سکتا ہے کہ تین دن میں اس پر منکشف ہو جائے کہ اسلام ہی برحق دین ہے اور اس کو تین دن سے زیادہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔

تین دن مہلت دینے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: مغرب میں ایک شخص اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا‘ حضرت عمر نے پوچھا: پھر تم نے کیا کیا؟ اس نے کہا: ہم نے اس کو فوراً قتل کر دیا‘ حضرت عمر نے فرمایا:

تم نے اس کو تین دن کی مہلت کیوں نہ دی؟ تم اس کو قید کر لیتے اور ہر روز ایک روٹی دیتے رہتے' شاید وہ توبہ کر لیتا اور حق کی طرف رجوع کر لیتا' پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میں اس فعل سے راضی نہیں ہوں اور میں اس موقع پر موجود نہ تھا' یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے' اس میں حضرت عمر نے فرمایا: اگر میرے سامنے یہ معاملہ پیش آتا تو میں اس شخص کو تین دن کی مہلت دیتا' اگر وہ توبہ کر لیتا تو فبہا ورنہ میں اس کو قتل کر دیتا' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرتد کو تین دن تک کی مہلت دی جائے' اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ (المبسوط ج ۱۰ ص ۱۰۸۔۱۰۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حسب ذیل آثار میں یہ دلیل ہے کہ مرتد کے سامنے تین بار اسلام کو پیش کیا جائے اگر وہ انکار کرے تو پھر اس کو قتل کر دیا جائے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر یقول یستتاب المرتد ثلاثا فان تاب ترك وان ابی قتل.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مرتد سے توبہ کے لیے تین بار کہا جائے اگر وہ توبہ کرے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

عن ابن شهاب قال یدعی الی الاسلام ثلاث مرات فان ابی ضربت عنقه.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۸)

ابن شہاب کہتے ہیں کہ (مرتد کو) تین بار اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔

عن ابن جریج قال قال عطاء فی الانسان یکفر بعد اسلامه یدعی الی الاسلام فان ابی قتل. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۹)

ابن جریج کہتے ہیں کہ عطاء نے کہا کہ جو انسان اسلام کے بعد کفر کرے اس کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

کیا مرتد کو قتل کرنا آزادیٔ فکر کے خلاف ہے؟

بعض مخالفین اسلام اور مستشرقین قتل مرتد کے حکم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حکم آزادیٔ فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے فکر کو علی الاطلاق اور بے لگام نہیں چھوڑا۔ مثلاً اگر کسی شخص کا یہ نظریہ ہو کہ زنا کرنا اور چوری کرنا درست ہے تو کیا اس کو مسلمانوں کی لڑکیوں سے بدکاری کرنے اور مسلمانوں کے اموال چرانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر کسی کا یہ نظریہ ہو کہ قتل کرنا درست ہے تو اس کو قتل کرنے کے لیے بے مہار چھوڑ دیا جائے گا اور اگر ان اخلاقی مجرموں کو سزا دی جائے تو کیا یہ آزادیٔ فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہوگا؟

تمام دنیا کے ملکوں میں یہ قاعدہ ہے اگر کوئی شخص حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے اور حکومت کو الٹنے اور انقلاب کے پروگرام بنائے تو ایسے شخص کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے' پھر کیا ایسے شخص کو موت کی سزا دینا آزادیٔ فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف نہیں ہے؟ جب کہ تمام دنیا میں باغیوں اور ملک کے غداروں کو موت کی سزا دی جاتی ہے اور جب ملک کے غدار کو موت کی سزا دینا حریت فکر اور آزادیٔ رائے کے خلاف نہیں ہے تو دین کے غدار کو موت کی سزا دینا کیونکر آزادی رائے کے خلاف ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں انصاف اور امن کے لیے آزادی رائے اور حریت فکر کو بے لگام اور بے مہار نہیں چھوڑا جا سکتا' ورنہ کسی کی جان' مال' عزت اور آبرو کا کوئی تحفظ نہیں ہوگا' اس لیے ضروری ہے کہ فکر اور اعتقاد کے لیے حدود اور قیود مقرر کی

جائیں اور ان حدود کا تقرر یا عقل محض سے ہوگا یا وحی الٰہی سے' اگر ان حدود کا تقرر عقل محض سے کیا جائے تو ان حدود میں غلطی' خطاء' ظلم اور جور کا امکان ہے۔ اس لیے ان حدود اور قیود میں وحی پر اعتماد کرنا ہوگا اور یہ وحی الٰہی ہے جس نے مرتد کی سزا قتل کرنا بیان کی ہے' جیسا کہ ہم قرآن مجید' احادیث صریحہ اور آثار صحابہ و تابعین سے واضح کر چکے ہیں۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل کی سزا دینا خود قرآن مجید کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (البقرہ:۲۵۶) دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کافر اصلی کے متعلق ہے' یعنی جو ابتداءً کافر ہو' مرتد کے بارے میں نہیں ہے' کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ (البقرہ:۲۵۶)

دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے' ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے جو شخص شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

اور کافر اصلی کے مقابلہ میں شریعت نے مرتد کے متعلق زیادہ سخت احکام دیئے ہیں' جن کی تفصیل ہم "مرتد کو علی الفور قتل کرنے پر فقہاء احناف کے دلائل" کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

الفتح: ۱۷ میں فرمایا: اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے' اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی' اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور جس نے روگردانی کی' اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا O

کم زور اور معذور لوگوں کے لیے جہاد میں عدم شرکت کی رخصت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا O (الفتح:۱۶)

اور اگر تم نے روگردانی کی جس طرح اس سے پہلے تم روگردانی کرتے رہے ہو تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا O

تو جو اپاہج لوگ تھے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ تب الفتح: ۱۷ نازل ہوئی۔

یعنی جو لوگ نابینا ہیں یا اپاہج ہیں یا کمزور ہیں تو وہ اگر دشمنانِ اسلام سے لڑنے کے لیے جہاد پر نہ جاسکیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

مقاتل نے کہا: جو اپاہج لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سفر پر نہ جاسکے تھے' یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے' یعنی ان میں سے جو شخص خیبر کی غنیمتوں کی طرف جانا چاہے وہ جاسکتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

بے شک اللہ ایمان والوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے'

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا

سو اللہ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' پس اللہ نے ان کے دلوں پر طمانیت نازل فرمائی اور ان کو عنقریب آنے والی

قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

فتح کا انعام دیاO اور ان کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ بہت غلبہ والا،

حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ

بہت حکمت والا ہےO اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر لیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے، پس یہ نعمت

هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

تو تم کو جلدی عطا فرمادی، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا اور تاکہ یہ (نعمت) مؤمنوں کے لیے

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ

نشانی ہو جائے اور اللہ تمہیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھےO اور دوسری وہ نعمتیں جن پر تم قادر نہ تھے بے شک

اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ

اللہ نے ان کا (بھی) احاطہ فرما لیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہےO اور اگر کافر (اس وقت)

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

تم سے قتال کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر وہ (اپنا) نہ کوئی حامی پاتے نہ مددگارO

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

یہ اللہ کا دستور ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی

تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ

نہ پائیں گےO وہی ہے جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کے وسط میں ان کے

بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

خوب دیکھنے والا ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام میں جانے

الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ

سے روک دیا اور قربانی کے لیے وقف جانوروں کو اپنی جگہ پہنچنے سے روکا' اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جن مسلمان مردوں

وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ

اور مسلمان عورتوں کو تم نہیں جانتے تم ان کی پامالی کا ذریعہ بنو گے' پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی

مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَیَّلُوْا

ضرر پہنچے گا' (تو تمہیں کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی لیکن یہ اجازت نہیں دی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو

لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ

چاہے داخل کرے اور اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے ○ جب کافروں نے

كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ

اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا' تو اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت نازل کی

عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْۤا

اور مؤمنین پر' اور اللہ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا اور وہی

اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾ ع

اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ ایمان والوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے' سو اللہ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' پس اللہ نے ان کے دلوں پر طمانیت نازل فرمائی' اور ان کو عنقریب آنے والی فتح کا انعام دیا○ اور ان کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے' اور اللہ بہت غلبہ والا بہت حکمت والا ہے○ اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمالیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے' پس یہ نعمت تو تم کو جلدی عطا فرمادی' اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا اور تاکہ یہ (نعمت) مؤمنوں کے لیے نشانی ہو جائے' اور اللہ تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے○ اور دوسری وہ نعمتیں جن پر تم قادر نہ تھے بے شک اللہ نے ان کا (بھی) احاطہ فرمالیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

(الفتح: ۲۱۔۱۸)

اصحاب بیعت رضوان کی فضیلت

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب آپ ۶ ھ ذوالقعدہ کے ماہ اپنے چودہ سو اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ

ہوئے تھے اور کفار قریش نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا تھا' کفار سے صلح ہونے سے پہلے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کفار سے معاملہ طے کرنے کے لیے اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا' اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا' آپ نے حضرت عثمان کا قصاص لینے کے لیے اپنے اصحاب سے بیعت لی۔ سفر حدیبیہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی افواہ اور صحابہ کی بیعت اور کفار سے صلح کی شرائط' ان تمام امور پر ہم سورۃ الفتح کے مقدمہ اور تعارف میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اس سے پہلے الفتح: ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: بے شک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں' پھر اس کے بعد سفر حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نہ جانے والے منافقین کا حال بیان کرنا شروع کر دیا اور اب دوبارہ ان مسلمانوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر قصاصِ عثمان کے لیے بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' یعنی جس طرح وہ منافقوں کے دلوں کا حال جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے' اسی طرح وہ مؤمنوں کے دلوں کے حال کو جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں اخلاص ہے' اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ہے' تب ہی آپ کے اصحاب نے یہ کہہ کر بیعت کی تھی کہ وہ تادم مرگ آپ کی قیادت میں لڑتے رہیں گے یا آپ کو چھوڑ کر فرار نہیں ہوں گے۔

نیز فرمایا: اور ان کو عن قریب آنے والی فتح کا انعام دیا۔ بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے کیونکہ وہ بہت سی فتوحات کا پیش خیمہ تھی اور بعض نے کہا: اس سے مراد فتح خیبر ہے' کیونکہ اس کے اگلے سال ۷ ھ میں مسلمانوں نے خیبر فتح کر لیا تھا۔

اس بات کی تحقیق کہ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی آیا اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کٹوا دیا تھا یا نہیں؟

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان منعقد ہوئی تھی وہ اپنی طبعی عمر تک باقی رہا تھا' لیکن صحابہ کرام اور فقہاء تابعین یہ بھول گئے تھے کہ وہ کون سا درخت ہے' یا اس درخت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کٹوا دیا تھا کیونکہ لوگ اس درخت کی تعظیم اور اس درخت سے حصولِ برکت کے قصد سے اس کے پاس نمازیں پڑھنے لگے تھے' ہم پہلے اس سلسلہ میں احادیث اور شارحینِ حدیث کی عبارات ذکر کریں گے اور اس سلسلہ میں اپنے مؤقف کو دلائل کے ساتھ بیان کریں گے اور پھر اس مسئلہ میں مفسرین کی آراء کا ذکر کریں گے۔ سو اب ہم اس مسئلہ میں احادیث کا ذکر کر رہے ہیں۔

بیعت رضوان والے درخت کے بھلا دیئے جانے کے ثبوت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ان کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو دیکھا پھر میں ایک سال بعد وہاں گیا تو اس درخت کو نہیں پہچان سکا' محمود کی روایت میں ہے: پھر مجھے وہ درخت بھلا دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۹)

طارق بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں حج کرنے گیا تو میں نے چند لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' میں نے پوچھا: یہ کیسی مسجد ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ درخت ہے جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان لی تھی' پھر میں سعید بن میسب کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی' سعید نے کہا: مجھے میرے والد نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ وہ بھی ان

اصحاب میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی' انہوں نے کہا: جب ہم اگلے سال گئے تو ہم اس درخت کو بھول گئے اور اس کی شناخت پر قادر نہ ہوئے۔ سعید بن میتب نے طنزاً کہا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تو اس درخت کو نہیں جانتے اور تم لوگوں نے اس درخت کو شناخت کر لیا' پھر تم ان سے بڑے عالم ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۹' الرقم المسلسل: ۴۷۳۷)

سعید بن میتب بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ ان اصحاب میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی' پھر جب ہم اگلے سال وہاں گئے تو ہم اس درخت کو شناخت نہ کر سکے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۹' الرقم المسلسل: ۴۷۳۸)

طارق بیان کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب کے سامنے اس درخت کا ذکر کیا گیا تو وہ ہنسے اور کہا: میرے والد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ اس درخت کے پاس حاضر تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۹' الرقم المسلسل: ۴۷۳۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو افراد تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: آج تم روئے زمین پر سب سے بہتر لوگ ہو' حضرت جابر نے کہا: اگر آج میری بصارت بحال ہوتی تو میں تم کو اس درخت کی جگہ دکھاتا۔ (صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۴۷۲۹)

بیعت رضوان والے درخت کے کٹوانے کے ثبوت میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے دلائل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' صحیح البخاری: ۴۱۶۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

سعید بن میتب کا یہ کہنا کہ ان کے والد اگلے سال اس درخت کو نہیں پہچان سکے' اس پر دلالت نہیں کرتا کہ کسی کو بھی اس درخت کی شناخت نہیں تھی کیونکہ مصنف (امام بخاری) نے اس سے پہلے حضرت جابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اگر آج میری بصارت بحال ہوتی تو میں تم کو اس درخت کی جگہ دکھا دیتا" (حضرت جابر کا یہ قول "صحیح بخاری" میں نہیں "صحیح مسلم": ۴۷۲۹ میں ہے' میرا گمان ہے: حافظ ابن حجر نے مسلم لکھا تھا اور کاتب نے اس کو مصنف لکھ دیا اور نواب قنوجی نے اس کو "مصنف ابن ابی شیبہ" سمجھ لیا' حالانکہ یہ حدیث صرف "صحیح مسلم" میں ہے) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس درخت کی شناخت تھی اور ان کو معلوم تھا کہ وہ درخت کس جگہ پر ہے اور طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کو اس درخت کی صحیح جگہ یاد تھی اور منضبط تھی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ اس جگہ کو پہچانتے تھے' کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جس وقت انہوں نے یہ کہا کہ "اگر آج میری بصارت بحال ہوتی تو میں تم کو وہ جگہ دکھا دیتا" اس وقت وہ درخت سوکھ کر جھڑ چکا تھا یا کسی اور وجہ سے اس کے آثار مٹ چکے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس وقت بھی اس درخت کی خاص جگہ کو اسی طرح پہچانتے تھے' پھر میں نے دیکھا کہ امام ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ از نافع یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عمر کو یہ بات پہنچی کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جاتے ہیں اور وہاں نمازیں پڑھتے ہیں تو آپ نے ان کو سزا دینے سے ڈرایا' پھر اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا' سو اس درخت کو کاٹ دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۸۔۲۱۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ "بخاری" کی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں کے ذہنوں میں اس درخت کی تعیین کو محو کرنے کی اور اس کی جگہ کی شناخت کو بھلا دینے کی حکمت یہ تھی کہ اس جگہ پر خیر اور اللہ کی رضا کا نزول ہوا تھا' اگر اس درخت کی جگہ کی شناخت اسی طرح لوگوں پر ظاہر اور معلوم ہوتی تو یہ اندیشہ تھا کہ جاہل لوگ اس درخت کی عبادت کرنے لگیں گے تو اس درخت یا اس کی جگہ کی شناخت کو مخفی کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت

تھی۔۔۔اس کے بعد لکھتے ہیں: امام ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ از نافع یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جا کر نمازیں پڑھتے ہیں تو پہلے تو حضرت عمر نے ان کو سزا کی دھمکی دی' پھر اس درخت کو کٹوا دیا۔(عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۲۹۴۔ ۲۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ نے ان احادیث کی شرح میں ''فتح الباری'' کی مکمل عبارت نقل کی ہے۔

(ارشاد الساری ج ۹ ص ۲۳۱۔ ۲۳۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

درخت مذکور کے کٹوانے کے ثبوت میں پیش کردہ روایت کے رجال پر بحث ونظر

جس حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانی' علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے امام ابن سعد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے' اس کی سند یہ ہے: امام محمد بن سعد فرماتے ہیں: ہم کو عبد الوہاب بن عطاء نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: ہم کو عبد اللہ بن عون نے نافع سے روایت کیا کہ لوگ اس درخت کے پاس جاتے ہیں جس کو شجرۃ الرضوان کہا جاتا ہے اور وہاں نماز پڑھتے ہیں' حضرت عمر بن الخطاب کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے لوگوں کو سزا کی دھمکی دی اور اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا' سو اس درخت کو کٹوا دیا گیا۔(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۷۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' طبع جدید)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کا اس حدیث کو صحیح کہنا ان کا تسامح ہے اس کی سند میں امام ابن سعد کے شیخ' عبد الوہاب بن عطا حدیث صحیح کے راوی نہیں ہیں' ان پر کافی تنقید اور جرح کی گئی ہے۔

حافظ ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

☆ ابو بکر مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا: آیا عبد الوہاب ثقہ ہے؟ انہوں نے کہا: تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ ثقہ صرف یحییٰ القطان ہیں۔

☆ یحییٰ بن معین نے کہا: اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں' ان کا دوسرا قول ہے کہ وہ ثقہ ہے۔

☆ زکریا بن یحییٰ الساجی نے کہا: وہ بہت سچا ہے لیکن محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

☆ امام بخاری نے کہا: وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں' امام نسائی نے بھی کہا: وہ قوی نہیں ہے۔

☆ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم نے کہا: اس کی وہ حدیث لکھی جائے گی جو سچی ہو اور وہ خود قوی نہیں ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۱۵۱۔ ۱۵۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ' ملتقطاً)

اس کے متعلق ثقاہت کے دو قول ہیں' زیادہ تر اقوال یہ ہیں کہ وہ قوی نہیں' یعنی ضعیف راوی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن معین اور امام نسائی سے اس کی ثقاہت کا قول نقل کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ امام ابن حبان نے لکھا ہے کہ یہ روایت میں خطا کرتا تھا اور شدید وہمی تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۸۹۔ ۳۸۸' ملتقطاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

سعید بن ابی عروبہ نے کہا: یہ صدوق ہے۔ ابن معین نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد نے کہا: یہ ضعیف الحدیث مضطرب ہے۔ دار قطنی نے کہا: ثقہ ہے۔ ابن الجوزی نے کہا: یہ غلطی کرتا تھا۔ رازی نے کہا: یہ جھوٹ بولتا تھا' نسائی نے کہا: یہ متروک الحدیث ہے۔(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

نیز علامہ ذہبی نے اس کی عبادت اور گریہ وزاری کے متعلق اقوال نقل کیے ہیں اور امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ

قوی نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۲۹۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

ظاہر ہے جس راوی کے متعلق یہ کہا گیا ہو کہ وہ قوی نہیں' روایت میں خطا کرتا تھا' شدید وہمی تھا' ضعیف الحدیث اور مضطرب تھا' جھوٹ بولتا تھا اور متروک الحدیث تھا' اس کی روایت صحیح کس طرح ہو سکتی ہے؟ حافظ ابن حجر نے اس کی روایت کو بے توجہی سے صحیح کہا اور علامہ عینی اور علامہ قسطلانی نے تحقیق کے بغیر ان کے کلام کو نقل کر دیا۔

مذکورہ روایت کے مردود ہونے پر دیگر شواہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شجرۂ بیعتِ رضوان کے پاس نماز پڑھنے کی وجہ سے اس درخت کو کاٹنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں جب کہ خود انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تھا کہ ہم مقامِ ابراہیم (جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیر کا نشان ہے) کو نماز پڑھنے کی جگہ نہ بنالیں؟ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین چیزوں میں' میں نے اپنے رب کی موافقت کی' ایک یہ کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! آپ مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں (پھر یہ آیت نازل ہوئی: "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى" (البقرہ: ۱۲۵))۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۳)

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت عمر نے وہ درخت اس وجہ سے کٹوا دیا تھا کہ کہیں جاہل لوگ اس درخت کی عبادت نہ شروع کر دیں' ان کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر حضرت عمر کا ایسا مزاج ہوتا تو وہ مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کی کبھی درخواست نہ کرتے کیونکہ اس میں بھی یہ اندیشہ تھا کہ جاہل لوگ اس پتھر کی عبادت نہ شروع کر دیں' بلکہ یہ اندیشہ زیادہ قوی تھا کیونکہ قوم عرب پتھروں کی عبادت کرتی رہی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ درخت کاٹنے کے متعلق یہ روایت بالکل بے اصل ہے' خصوصاً اس لیے کہ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی بہ کثرت احادیث میں تصریح ہے کہ بیعتِ رضوان کے ایک سال بعد ہی عام لوگ اس درخت کی جگہ کو بھول گئے تھے اور حضرت جابر کو اس جگہ کا یاد رہنا ان کی انفرادی خصوصیت ہے۔ پھر حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کے اس درخت کے پاس نماز پڑھنے کی نقل کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی احادیث کے خلاف "ابن سعد" کی حدیث کب معتبر ہو سکتی ہے؟ یہ حافظ ابن حجر کی عجب تحقیق ہے۔

حضرت عمر کے صاحب زادے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ سے مکہ کے سفر میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے' جن جگہوں کے متعلق ان کو علم ہوتا کہ ان جگہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔

چنانچہ موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ راستہ میں ان جگہوں کو تلاش کرتے تھے جن جگہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی' پھر ان ہی جگہوں پر نماز پڑھتے تھے' اور وہ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ بن عمر بھی ان جگہوں پر نماز پڑھتے تھے' جن جگہوں پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳)

حضرت عتبان بن مالک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں' میری نظر بہت کمزور ہے' بارش کے ایام میں میں ان کو نماز پڑھانے نہیں جا سکتا' میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر آ کر کسی جگہ نماز پڑھا دیں تو میں اس جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۸۸)

بعض مفسرین نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں یہ لکھا کہ بیعتِ رضوان کے بعد حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا

تھا اور زیادہ تر مفسرین نے احادیث اور آثار کی اتباع میں یہ لکھا کہ بیعت رضوان کے ایک سال بعد اس درخت کی جگہ کی شناخت لوگوں کے ذہنوں سے محو ہوگئی تھی اس لیے یہ روایت بے اصل ہے کہ اس درخت کے پاس لوگوں نے اس درخت کی تعظیم کے لیے وہاں نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں اس لیے حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا۔

مذکورہ درخت کٹوانے کے واقعہ کا اثبات کرنے والے مفسرین

اول الذکر مفسرین کے نام یہ ہیں: (۱) علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط ج ۹ ص ۴۹۲ (۲) شیخ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۴ ص ۱۶۵ (۳) علامہ احمد بن محمد صاوی متوفی ۱۲۲۳ھ' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۵ ص ۱۹۷۴ (۴) نواب صدیق بن حسن قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان ج ۶ ص ۳۵۵' انہوں نے ہی ''فتح الباری'' کی عبارت میں مصنف کو یوں لکھا ہے کہ حضرت جابر کی حدیث کو'' مصنف ابن ابی شیبہ'' نے سند سے ذکر کیا ہے' حالانکہ حافظ ابن حجر نے صرف مصنف لکھا ہے اور اس سے بہ ظاہر امام بخاری مراد ہیں لیکن یہ ناسخین کا تسامح ہے' غالباً حافظ ابن حجر نے ''مسلم'' لکھا تھا اور یہ حدیث ''مسلم'' ہی میں ہے'' بخاری'' یا'' مصنف ابن ابی شیبہ'' میں ہرگز نہیں ہے' دراصل نقل کے لیے بھی عقل چاہیے۔

مذکورہ درخت کٹوانے کے واقعہ کا انکار کرنے والے مفسرین

ثانی الذکر مفسرین کے اسماء یہ ہیں: (۱) امام محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان جز ۲۶ ص ۱۱۲ (۲) امام ابواسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' الکشف والبیان ج ۹ ص ۴۷ (۳) امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۲۷ (۴) علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ' لباب التاویل ج ۴ ص ۱۵۹ (۵) حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۸ (۶) علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان ج ۹ ص ۴۳۔۴۲ (۷) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۶۲ (۸) سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن ج ۵ ص ۵۵ (۱۰) مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن ج ۸ ص ۸۱۔

معروف مفسرین میں سے علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اور علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس مسئلہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا' علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس مسئلہ کے متعلق دونوں قول ذکر کیے ہیں۔ (حاشیۃ الشہاب ج ۸ ص ۵۲۸) علامہ بیضاوی نے لکھا ہے: یہ درخت کیکر کا تھا یا بیر کا' علامہ ابوسعود متوفی ۹۸۲ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۶ ص ۱۰۳)

اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت اور ان سے حصولِ فیض کا جواز

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

بعض فریب خوردہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب لوگ کسی ولی سے اعتقاد رکھیں گے' اُن کی قبر کی تعظیم کریں گے اور اُس سے برکت و مدد حاصل کریں گے تو ہمیں خطرہ ہے کہ لوگ کہیں یہ اعتقاد نہ کر بیٹھیں کہ اللہ کے ساتھ اولیاء بھی مؤثر فی الوجود ہیں' نتیجۃً لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ پس ہم انہیں اس سے روکیں گے' اولیاء کی قبور کو گرائیں گے' ان پر بنی ہوئی عمارت ہٹائیں گے' اُن سے غلاف اور پردے اتاریں گے اور'' بہ ظاہر'' اولیاء کی توہین کے مرتکب ہوں گے تاکہ جاہل عوام کو پتا چل جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ یہ اولیاء بھی مؤثر فی الوجود ہوتے تو اس توہین کو روک دیتے۔ سو جان لیجئے کہ یہ فعل

(توہین قبور وغیرہ) صریح کفر[1] ہے اور یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے فرعون نے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کردوں اور وہ (اپنی مدد کے لیے) اپنے رب کو بلالیں' بے شک مجھے تو ڈر ہے اس بات کا کہ کہیں وہ تمہارے دین کو تبدیل نہ کردیں اور ملک میں فساد نہ پھیلا دیں۔ (الغافر:۲۶) اور یہ فعل (توہینِ قبور وغیرہ) محض ایک امرِ موہوم کی بناء پر کیونکر درست ہوسکتا ہے جب کہ اس میں عوام الناس کے متعلق گمراہی کی بدگمانی بھی ہے؟ (روح البیان ج ۹ ص ۴۳' داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ نے ''وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'' (المائدہ:۳۵) کی تفسیر میں لکھا ہے:

وسیلہ تلاش کرنے سے مراد وہ چیز تلاش کرنا ہے جو بندے کو مطلقاً اللہ تعالیٰ کے قریب کردے' مثلاً انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی محبت' صدقات' اللہ تعالیٰ کے محبوبین کی زیارت' دعا کی کثرت' صلہ رحمی اور کثرتِ ذکر وغیرہ۔ پس مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے قریب کردے اس سے چمٹ جاؤ اور جو رب سے دور کردے اس کو چھوڑ دو۔ جب تم نے یہ جان لیا تو (اب یہ سمجھ لو کہ) کھلی گمراہی اور کھلا خسارہ ہے ان لوگوں کے لیے جو مسلمانوں کو زیارتِ اولیاء کی بنیاد پر محض یہ گمان کرکے کافر قرار دیتے ہیں کہ ''زیارتِ اولیاء غیر اللہ کو پوجنے کے قبیل سے ہے''۔ ہرگز ایسا نہیں! بلکہ یہ تو ''محبة فی الله'' (اللہ کی خاطر محبت) کا مظاہرہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو! اس شخص کا ایمان نہیں جس کے اندر محبت نہیں۔ (تفسیر صاوی ج ۲ ص ۴۹۷' دارالفکر' بیروت)

حدیبیہ کے بعد کے غزوات میں اللہ تعالیٰ کی پیہم نعمتیں

الفتح:۱۹ میں فرمایا: اور ان کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ بہت غلبہ والا' بہت حکمت والا ہے O

اس سے مراد خیبر کے اموال ہیں' اور خیبر میں بہ کثرت زمینیں تھیں اور بہت اموال تھے اور خیبر حدیبیہ اور مکہ کے درمیان تھا اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے فارس اور روم کی غنیمتیں مراد ہیں۔

الفتح:۲۰ میں فرمایا: اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمالیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے' پس یہ نعمت تو تم کو جلدی عطا فرمادی۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا: اس سے مراد وہ غنیمتیں ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو جہاد کے ذریعہ حاصل ہوتی رہیں گی۔ اور جس نعمت کے متعلق فرمایا ہے: یہ تو تم کو جلدی عطا فرمادی' مجاہد نے کہا: اس سے مراد خیبر کی فتح ہے اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔

نیز فرمایا: اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا۔ یعنی صلح حدیبیہ کے ذریعہ اہل مکہ کے حملہ سے تم کو بچالیا' اور قتادہ نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم مدینہ سے حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے تھے اور پھر خیبر کی طرف روانہ ہوئے تھے تو تمہارے پس پشت یہودیوں کے حملوں سے تم کو محفوظ رکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عیینہ بن حصن الفزاری اور عوف بن مالک النضری اور ان کے اصحاب جب اہل خیبر کی مدد کے لیے خیبر پہنچے تو اللہ عزوجل نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روک دیا۔

نیز فرمایا: اور تاکہ یہ (نعمت) تمہارے لیے نشانی ہوجائے' یعنی کافروں کی شکست اور مسلمانوں کا کافروں کے حملوں سے

[1] علامہ اسماعیل حقی کا قبروں کے منہدم کرنے کو صریح کفر کہنا تحقیق کے خلاف ہے' البتہ اس فعل کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں! اگر حرام کو حلال قرار دے کر وہ فعل کیا جائے تو پھر وہ کفر ہوجاتا ہے' لیکن یہ اُس حرام کا حکم ہے جو حرام قطعی ہو اور قبروں کو منہدم کرنا حرام ظنی ہے۔ منہ ۱۲

محفوظ رہنا' مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے نشانی ہو جائے' تا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ ان کے حاضر اور غائب اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے اور تمہاری ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔

الفتح: ۲۱ میں فرمایا: اور دوسری وہ نعمتیں ہیں جن پر تم قادر نہ تھے' بے شک اللہ نے ان کا بھی احاطہ فرمالیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمتیں بھی جلد عطا فرمائیں' اور ان کے علاوہ دوسری نعمتیں بھی جلد عطا فرمائیں' جن پر تم قادر نہ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ فتوحات ہیں جو بعد میں مسلمانوں کو عطا فرمائی گئیں' جیسے فارس اور روم کی سرزمین' اسی طرح اور باقی فتوحات' حسن اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد فتح مکہ ہے اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حنین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر کافر (اس وقت) تم سے قتال کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے' پھر وہ (اپنا) نہ کوئی حامی پاتے نہ مددگار O یہ اللہ کا دستور ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیل نہ پائیں گے O وہی جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کے وسط میں ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O (الفتح: ۲۴۔۲۲)

قتادہ نے کہا: یعنی کفار قریش اگر حدیبیہ میں مسلمانوں پر حملہ کرتے تو وہ ضرور پسپا ہو جاتے اور ایک قول یہ ہے کہ غطفان اور اسد جو اہل خیبر کی مدد کے ارادہ سے آئے تھے' اگر وہ یہودیوں کی مدد کرتے تو یہ جنگ ان پر الٹ پڑتی اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی حمایت اور مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہے اور آپ اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا حدیبیہ میں کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روکنا

الفتح: ۲۴ میں فرمایا: وہی جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کے وسط میں ان کے ہاتھوں سے تم کو روک دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے اسی (۸۰) مسلح افراد جبل تنعیم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر اترے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر حملہ کرنا چاہتے تھے' ہم نے ان کو پکڑ لیا' پھر صلح کر کے ان کو چھوڑ دیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۸)

حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس درخت کی جڑ میں تھے جس کا قرآن میں ذکر ہے' ہم اسی حال میں تھے کہ تیس مسلح جوان ہم پر حملہ آور ہوئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی سلب کر لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: آیا تم کسی معاہدہ کی بناء پر آئے ہو یا تم کو کسی نے یہاں پر امان دی تھی؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس جانے دیا' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وہی ہے جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کے وسط میں ان کے ہاتھوں سے روک دیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۸)

ابن ہشام نے وکیع سے روایت کیا ہے کہ ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) کے لگ بھگ قریش مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے آئے' مسلمانوں کو پتا چل گیا تو مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور اس دوران قریش کی طرف سے لوگ صلح پر گفتگو کرنے کے لیے آ اور جا رہے تھے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور ان ہی لوگوں کا نام ''العتقاء'' یا ''الطلقاء'' رکھا گیا تھا' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی ان ہی میں سے تھے۔

اور مجاہد نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے آئے تو آپ کے اصحاب نے حرم میں کچھ لوگوں کو غافل پا کر پکڑ لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: "وہی جس نے تم کو ان پر کامیاب کرنے کے بعد بطن مکہ میں ان کے ہاتھوں سے تم کو روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا" اس سے یہی واقعہ مراد ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد روایات ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ ہم نے شروع میں امام ترمذی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا اور قربانی کے لیے وقف جانوروں کو اپنی جگہ پر پہنچنے سے روکا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جن مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تم نہیں جانتے' تم ان کی پامالی کا ذریعہ بنو گے' پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی ضرر پہنچے گا (تو تمہیں کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی لیکن یہ اجازت نہیں دی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے O جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا تو اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت نازل کی اور مؤمنین پر اور اللہ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا اور وہی اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (الفتح: ۲۶۔۲۵)

یعنی قریش نے تم مسلمانوں کو ۶ ھ میں مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کر دیا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ جو قربانی کے اونٹ تھے ان کو اپنی جگہ (قربان گاہ' منیٰ) میں پہنچنے سے روک دیا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی کی جگہ حرم ہے اور جس شخص کو حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا گیا ہو اس کی قربانی کی جگہ بھی حرم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ستر (۷۰) اونٹ تھے' جن کو آپ نے اور آپ کے اصحاب نے نحر کیا تھا۔

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابوحنیفہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص راستہ میں مرض یا دشمن کی وجہ سے رک جائے' وہ کسی اور شخص کے ہاتھ قربانی (اونٹ' گائے یا بکری) یا اس کی قیمت بھیج دے اور ایک دن مقرر کر لے کہ فلاں دن اس قربانی کو حرم میں ذبح کیا جائے گا اور اس دن وہ اپنا احرام کھول دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس وقت تک سر نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے' اور قربانی کی جگہ حرم ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس جگہ کسی شخص کو رک جانا پڑے وہیں قربانی کر کے احرام کھول دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں رک جانا پڑا تھا اور آپ نے حدیبیہ میں ہی قربانی کی اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ ھ)

علامہ بدر الدین عینی اس دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم سے خارج ہے اور بعض حصہ حرم میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے جس حصہ میں رکے تھے وہ حرم میں تھا' اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے ابو عمیس سے روایت کیا ہے کہ عطاء نے کہا ہے کہ حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حرم میں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۴۹' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ ھ)

علامہ ابن حیان اندلسی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جگہ روک دیا گیا تھا آپ نے وہیں قربانی کی تھی' وہ جگہ حدیبیہ کی ایک طرف تھی جس کا

نام الربی ہے اور یہ اسفل مکہ میں ہے اور وہ حرم ہے' زہری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کو حرم میں نحر کیا تھا۔ واقدی نے کہا: حدیبیہ مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر طرف حرم میں ہے۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۵۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ قربانی اپنے محل میں پہنچ جائے' محل کے متعلق دو قول ہیں' ایک یہ کہ اس سے مراد حرم ہے' حضرت ابن مسعود' حسن بصری' عطاء' طاؤس' مجاہد' ابن سیرین' ثوری اور امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جس جگہ محرم کو رکاوٹ پیش آئی' وہ اس جگہ قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام کھول دے' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۵' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۵۵) اور علامہ ابن العربی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۶)

قوتِ دلائل کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ کا مسلک راجح ہے اور یسر اور سہولت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح ہے کیونکہ بیمار یا دشمن میں گھرے ہوئے آدمی کے لیے اس وقت تک انتظار کرنا جب تک قربانی حرم میں ذبح ہو بہت مشکل اور دشوار ہوگا' اس کے برعکس موضع احصار میں قربانی کر کے احرام کھول دینے میں اس کے لیے بہت آسانی ہے جب کہ اس طریقہ کو محصر کی آسانی ہی کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ آپ عمرہ حدیبیہ میں اپنے ساتھ اونٹ کیوں لے گئے تھے جب کہ عمرہ میں قربانی نہیں ہے؟

الفتح: ۲۵ میں فرمایا ہے: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا اور قربانی کے لیے وقف جانوروں کو اپنی جگہ پہنچنے سے روکا۔ الخ

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (چھ) ہجری کو اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تھے' آپ کے اصحاب کی تعداد پندرہ سو تھی اور آپ کے اصحاب اپنے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے لیے لے گئے تھے۔ پندرہ سو اصحاب کی تعداد کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ سالم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یوم حدیبیہ کو آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم پندرہ سو افراد تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۵۳۔ ۴۱۵۲۔ ۳۵۷۶)

اور ستر اونٹوں کی تعداد کے بارے میں یہ حدیث ہے: امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے یومِ حدیبیہ کو (۷۰) اونٹ نحر کیے تھے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۵)

اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ عمرہ میں قربانی نہیں ہے' قربانی صرف حج تمتع یا حج قران میں ہوتی ہے' عمرہ میں احرام باندھ کر صرف بیت اللہ کے گرد سات مرتبہ طواف کیا جاتا ہے اور صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کی جاتی ہے اور اس میں قربانی نہیں ہے۔ ''ہدایہ'' میں لکھا ہوا ہے: ''انما العمرة الطواف والسعی'' عمرے میں صرف طواف اور سعی کرنا ہے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ج ۳ ص ۴۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے کہ عمرہ کرنے والا احرام باندھ کر حرم میں داخل ہو' پھر طواف کرے' اور سعی

کرے اور سر منڈوائے تو اس کا عمرہ پورا ہو گیا اور اس پر قربانی نہیں ہے۔ (مناسک الحج والعمرہ ص ۳۱۴' مکتبہ امدادیہ ملتان)

اب اشکال کی تقریر یہ ہے کہ جب عمرہ میں قربانی نہیں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ کیوں لے گئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عمرہ میں قربانی کرنا واجب تو نہیں ہے لیکن ممنوع بھی نہیں ہے اور آپ اور آپ کے اصحاب نفلی قربانی کرنے کے لیے اپنے ساتھ اونٹ لے گئے تھے' چونکہ حرم میں قربانی کرنا بہت پسندیدہ اور مستحب عمل ہے۔ اب ہم اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسرین کی تفسیروں کو پیش کر رہے ہیں:

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

گویا کہ مشرکین نے قربانی کے اونٹوں کو اپنے محل میں پہنچنے سے روک دیا تھا اور وہ محل منٰی ہے یا مکہ' کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے گئے تھے اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ حج تمتع کرنے کے لیے گئے تھے۔

(تاویلات اہل سنت ج ۴ ص ۵۲۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

امام ابو منصور ماتریدی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حج تمتع کے لیے تشریف لے گئے تھے کیونکہ آپ حج تمتع کے لیے بالاتفاق دس ہجری کو تشریف لے گئے تھے اور آپ نے ہجرت کے بعد صرف یہی ایک حج کیا تھا اور اگر عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تھے تو پھر وہی اشکال ہے کہ عمرہ میں تو قربانی نہیں ہے' پھر آپ اور آپ کے اصحاب اپنے ساتھ اونٹوں کو کیوں لے گئے تھے۔

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کے لیے گئے تھے اور آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا اور آپ کے ساتھ سات سو لوگ تھے' ہر دس افراد کے لیے ایک قربانی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۱۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

یہ روایت درایۃً اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہم نے ''صحیح بخاری'' سے با حوالہ بیان کیا ہے کہ آپ کے ساتھ جانے والے اصحاب کی تعداد پندرہ سو تھی۔ نیز صحیح یہ ہے کہ ایک اونٹ میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں نہ کہ دس اور اس سے پھر بھی یہ اشکال دور نہیں ہوتا کہ عمرے میں تو قربانی ہے نہیں' پھر آپ اور آپ کے اصحاب قربانی کے اونٹوں کو کیوں لے گئے؟

اس اشکال سے چھٹکارا صرف ہماری تقریر سے ہو سکتا ہے کہ یہ قربانی کے اونٹ نفلی قربانی کے لیے صحابہ کرام لے گئے تھے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ہدی (قربانی) کی تین قسمیں ہیں: نفلی' تمتع اور قران۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ج ۳ ص ۱۴۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ اس احتیاط کی وجہ سے لے گئے ہوں کہ اگر خدانخواستہ آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا گیا تو آپ اور آپ کے اصحاب قربانی کر کے احرام کھول دیں گے۔

اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ صرف قرآن مجید سے احکامِ شرعیہ ثابت نہیں ہوتے' ورنہ قرآن مجید کی اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب عمرہ کرنے گئے تو اپنے ساتھ قربانی کے اونٹوں کو بھی لے گئے تو اس سے لازم آئے گا کہ عمرہ میں بھی قربانی کی جائے۔ اب یہ صرف حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد عمرے کیے اور کسی عمرے میں قربانی نہیں کی اور آج تک تواتر سے مسلمانوں کا یہی معمول ثابت ہے کہ عمرے میں قربانی نہیں ہے۔

میں نے اس آیت کی تفسیر میں بہت تفسیروں کو دیکھا' لیکن کوئی مفسر اس اشکال کی طرف متوجہ ہوا نہ اس کے حل کی طرف'

اس کا حل اللہ تعالیٰ نے صرف اس فقیر پر القاء فرمایا۔ وللہ الحمد

حضرت مولانا عبد المجید صاحب (برسٹل' انگلینڈ) نے مجھے بذریعہ ٹیلی فون اس پر متوجہ کیا کہ میں اس اشکال کا جواب لکھوں۔

حدیبیہ میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہ دینے کی توجیہات

اس کے بعد فرمایا: اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جن مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تم نہیں جانتے' تم ان کی پامالی کا ذریعہ بنو گے' پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی ضرر پہنچے گا (تو تمہیں کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی' لیکن یہ اجازت نہیں دی گئی) تا کہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے اور اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہیں جا سکے تھے اور مکہ کے وسط میں رہتے تھے۔ جیسے سلمہ بن ہشام' عیاش بن ابی ربیعہ' ابوجندل بن سہیل اور ان کے امثال' اور مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ ایمان لا چکے ہیں' اس لیے فرمایا: جن کو تم نہیں جانتے' اور فرمایا: تم ان کی پامالی کا ذریعہ بنو گے' کیونکہ اگر حدیبیہ میں قتال ہوتا اور مسلمان مکہ میں داخل ہو کر کفار کو قتل کرتے تو وہ کمزور مسلمان بھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کو پہچانتے نہیں تھے۔

ضحاک نے کہا: اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ کئی مشرکین کی پشتوں میں ان کی ایسی اولاد تھی جو اسلام لانے والی تھی' اگر آپ کے اصحاب کو کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی تو وہ مسلمان بھی مارے جاتے' لیکن یہ وجہ ضعیف ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی ضرر پہنچے گا۔

اس آیت میں ''مَعَرَّۃ'' کا لفظ ہے' جس کا ترجمہ ہم نے ضرر کیا ہے۔ ''معرۃ'' کا معنی ہے: عیب' یعنی اگر لاعلمی میں تمہارے ہاتھوں مسلمان قتل ہو جاتے تو کفار تم پر یہ عیب لگاتے کہ ان مسلمانوں نے اپنے دینی بھائیوں اور ہم مذہب لوگوں کو قتل کر ڈالا اور پھر تم پر قتل خطاء کا کفارہ لازم آتا' کیونکہ اگر مسلمان دار الحرب میں رہنے والے کسی کمزور مسلمان کو قتل کر دیں جو اپنے ضعف کی وجہ سے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہ کر سکا ہو تو اس پر قتلِ خطاء کی دیت لازم نہیں آتی' صرف کفارہ لازم آتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ (النساء: ۹۲)

پس اگر وہ مقتول تمہارے دشمنوں کی قوم میں رہنے والا ہو اور وہ مقتول مومن ہو تو اس کا کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔

اللہ کی رحمت میں داخل کرنے کے دو محمل

نیز فرمایا: تا کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔

اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں تم کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ مکہ کے وسط میں رہنے والے کمزور مسلمان اللہ کی رحمت میں داخل رہیں اور بے خبری میں تمہارے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں مشرکین سے قتال کرنے کی تمہیں اجازت اس لیے نہیں دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے بہت سے مشرکین بعد میں اسلام لے آئیں گے' چنانچہ ان میں سے بہت سے مشرکین بعد میں مسلمان ہو گئے اور

انہوں نے اسلام میں بہت نیک کام کیے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی جنت میں داخل ہو گئے۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کفار کے خلاف جہاد کرنے سے مسلمانوں کو ہلاکت کا خطرہ ہوتو۔۔۔ پھر ان کے خلاف جہاد نہیں کیا جائے گا

اس کے بعد فرمایا: اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

اس آیت میں ''تـزیّلوا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ''تـمیزوا' تفرقوا'' یعنی اگر وہ مسلمان (جو مکہ میں رہائش پذیر تھے) کافروں سے متمیز اور متفرق ہوتے یعنی کسی اور جگہ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر کافروں کو اذیت پہنچانا مسلمانوں کو اذیت پہنچانے پر موقوف ہوتو کافروں کو اذیت نہیں پہنچائی جائے گی اور مومن کو ضرر سے بچانے کے لیے کافر کو بھی ضرر سے بچایا جائے گا۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ اگر کفار جہاز میں سوار ہوں اور ان کے جہاز میں کچھ قیدی مسلمان بھی ہوں تو کیا کافروں کے جہاز کو نقصان پہنچایا جائے گا' اس کو آگ لگائی جائے گی یا اس پر حملہ کیا جائے گا؟ امام مالک نے کہا: میرے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا○ اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے○ (الفتح:۲۵)

اور حدیبیہ میں مسمانوں کو قتال کی اجازت اسی لیے نہیں دی گئی کہ اگر مسلمان مکہ میں جا کر قتال کرتے تو اس کی زد میں وہاں پر رہنے والے مسلمان بھی آ جاتے۔

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک ایسی صورت میں اگر جہاد کرنا' ناگزیر ہوتو جہاد کیا جائے گا ورنہ نہیں

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کفار مسلمانوں کو ڈھال بنالیں اور ان کی طرف تیر مارنے (یا گولی چلانے) کی ضرورت نہ ہو' کیونکہ ابھی جنگ منعقد نہیں ہوئی ہے یا مسلمانوں کو نشانہ بنائے بغیر کفار پر حملہ کرنا ممکن ہو' یا کفار کے شر سے بچنا ممکن ہو تو پھر کفار پر گولی چلانا جائز نہیں اور اگر کسی نے گولی چلائی اور وہ مسلمان کو لگ گئی تو وہ ضامن ہوگا اور اگر کفار کی طرف سے مسلمانوں کی جانوں کو خطرہ ہو تو ایسی صورت میں کافروں پر گولی چلائی جائے گی' کیونکہ اب ضرورت ہے اور گولی چلانے والے کافروں کا قصد کر کے گولی چلائیں نہ کہ مسلمانوں کا۔ (المغنی ج ۹ ص ۲۳۱' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک صورت مذکورہ میں دو قول ہیں

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جب کافر مسلمانوں کو ڈھال بنالیں تو پھر کفار پر گولی چلانے میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان پر گولی چلانا جائز ہے' جس طرح قلعہ پر منجنیق (توپ) نصب کرنا جائز ہے' خواہ اس کے گولے مسلمانوں کو لگ جائیں اور تا کہ لوگ اس کو جہاد کے معطل کرنے کا ذریعہ نہ بنالیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں کفار پر گولی چلانا یا گولہ باری کرنا جائز نہیں ہے' قفال کے نزدیک یہ قول زیادہ صحیح ہے اور بعض علماء نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۷ ص ۴۴۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک صورتِ مذکورہ میں کفار پر گولی چلانا اور گولہ باری کرنا جائز ہے

علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

کفار پر گولی چلانا جائز ہے خواہ ان کو یہ علم ہو کہ ان میں مسلمان قیدی اور تاجر بھی ہیں' کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ کیونکہ کفار کے قلعے بہت کم مسلمان قیدیوں اور تاجروں سے خالی ہوتے ہیں' سو ان کا اعتبار کر کے کافروں پر حملہ کرنا جہاد کا دروازہ بند کرنے کے مترادف ہے' لیکن ان پر حملہ کافروں کے قصد سے کریں نہ کہ مسلمانوں کے قصد سے کیونکہ مسلمان کا قتل ناحق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کفار مسلمان بچوں کو ڈھال بنالیں تب بھی کفار پر گولی چلانے میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ جہاد کو قائم کرنا فرض ہے' لیکن مسلمان کفار کے قصد سے گولی چلائیں اور اگر وہ کفار پر گولی چلائیں اور اس سے مسلمان ہلاک ہو جائے تو ان پر اس کی دیت ہے نہ کفارہ۔ (بدائع الصنائع ج ۹ ص ۳۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

باقی رہا یہ اشکال کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○ (الفتح: ۲۶) اگر مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے○

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا کہ ایسی صورت میں جہاد کرنا حرام ہے یا ناجائز ہے' اس آیت سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کو بچانے کے لیے اگر کافروں پر حملہ نہ کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں کچھ نہ کچھ مسلمان ضرور ہیں حتیٰ کہ اسرائیل میں بھی ہیں۔ اس لیے اس آیت کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو امام مالک نے لیا ہے تو قرآن مجید کی ان تمام آیات پر عمل کرنا ممکن نہیں رہے گا جن میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آٹھ ہجری کو مکہ پر حملہ کیا تھا' اس وقت بھی وہاں کچھ مسلمان تھے۔

حمیت اور حمیت جاہلانہ کا معنی

الفتح: ۲۶ میں فرمایا: جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب کو جگہ دی جو جاہلانہ تعصب تھا تو اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت نازل کی اور مؤمنین پر اور اللہ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا اور وہی اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○

جب کسی شخص کو کسی سے غیرت اور عار آئے تو اس کو حمیت کہتے ہیں۔ زہری نے کہا: ان کا تعصب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنے سے انہیں عار محسوس ہوتا تھا اور "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے ابتداء کرنے اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے دینا ان کی اکڑفوں اور مکہ پر ان کی اجارہ داری کے خلاف تھا۔ ابن بحر نے کہا: ان کی حمیت' ان کا اپنے بتوں کے لیے تعصب تھا جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور صرف اللہ کی عبادت کرنے سے ان کی ناک نیچی ہوتی تھی اور ان کا جاہلانہ تعصب یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں نے ہمارے بیٹوں اور ہمارے بھائیوں کو قتل کر دیا' پھر بھی ہم ان کو مکہ میں آنے دیں تو یہ ہماری غیرت کے خلاف ہے' حالانکہ حج اور عمرہ کے لیے آنے والوں کو روکا نہیں جاتا تھا اور ان مہینوں میں قبائلی لڑائیاں بھی موقوف کر دی جاتی تھیں۔

"کلمۃ التقویٰ" کے متعلق متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ نے انہیں (مسلمانوں کو) کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا۔

حضرت ابی بن کعب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کلمہ تقویٰ سے مراد "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنا ہے' اور حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' عمرو بن میمون' مجاہد' قتادہ' عکرمہ' ضحاک وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔

اور بعض نے کہا: اس سے مراد "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے۔

اور حضرت علی اور حضرت ابن عمر سے یہ بھی روایت ہے کہ اس سے مراد "لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" ہے۔

اور عطاء بن ابی رباح اور مجاہد سے روایت ہے کہ اس سے مراد "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر" ہے۔

اور زہری نے کہا: اس سے مراد "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہے' کیونکہ مشرکین نے اس کلمہ کو قبول نہیں کیا تھا' لہٰذا مؤمنین کو اس کلمہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور "کلمۃ التقوی" یعنی کلمہ اخلاص کے حق دار مسلمان ہی ہیں نہ کہ کفار' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دین کے لیے اور اپنے نبی کی رفاقت کے لیے مختص فرما لیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا' تم ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں

الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ

امن اور عافیت کے ساتھ داخل ہو گے' اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے'

لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ

تمہیں کسی کا خوف نہیں ہو گا' اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے' سو اس نے اس سے پہلے ایک

فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ

اور فتح مقدر کر دی O وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ ؕ مُحَمَّدٌ

بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (اپنے رسول پر) کافی گواہ ہے O محمد اللہ کے

رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

رسول ہیں' جو ان کے اصحاب ہیں کفار پر بہت سخت ہیں' آپس میں نرم دل ہیں'

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫

(اے مخاطب!) تو ان کو رکوع کرتے ہوئے' سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں'

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي

سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے' ان کی یہ صفت تورات

التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ

میں ہیں اور انجیل میں ان کی صفت یہ ہے جیسے ایک کھیتی ہو' جس نے اپنی باریک کونپل نکالی'

فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ

پھر اس نے طاقت پکڑی' پھر وہ موٹی ہو گئی' پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کاشت کاروں کو بھلی لگی'

الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم

تا کہ (ان کی یہ صفت) کافروں کے دل جلائے' اللہ نے ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں سے

مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾

مغفرت کا اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا' تم ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں امن اور عافیت کے ساتھ داخل ہو گے' اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے' تمہیں کسی کا خوف نہیں ہو گا' اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے' سو اس نے اس سے پہلے ایک اور فتح مقدر کر دی O وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (اپنے رسول پر) کافی گواہ ہے O (الفتح: ۲۸۔۲۷)

اللہ تعالیٰ کے "ان شاء اللہ" فرمانے کی توجیہات

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ امن اور عافیت کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے ہیں' پھر جب آپ نے حدیبیہ میں قریش سے صلح کر لی تو منافقین شک میں پڑ گئے کہ انہوں نے تو کہا تھا کہ ہم عمرہ کرنے جا رہے ہیں اور یہ عمرہ کیے بغیر قریش سے صلح کر کے واپس آ گئے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو یہ بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اس سال کے بعد اگلے سال مسجد حرام میں امن اور عافیت کے ساتھ داخل ہوں گے اور یہ سال اگلے سال امن اور عافیت کے ساتھ عمرہ کرنے کا مقدمہ اور پیش خیمہ تھا اور آپ نے جو خواب دیکھا تھا وہ سچا تھا اور اس سال آپ کا عمرہ کے لیے سفر کرنا بھی برحق تھا۔

اس آیت میں جو "ان شاء اللہ" فرمایا ہے وہ تعلیم اور تادیب کے لیے ہے اور آپ کی امت کو یہ بتانے کے لیے ہے کہ تم نے مستقبل میں جو کام کرنا ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض کر دیا کرو' جیسا کہ درج ذیل آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ إِلَّا أَن — آپ کسی کام کے لیے یہ نہ کہیں کہ میں اس کو کل کرنے والا

یَّشَآءَ اللّٰہُ ﴿الکہف: ۲۴۔۲۳﴾ ہوں O ہاں! اگر اللہ چاہے (یعنی اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہیں)۔
ثعلب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ''ان شاء اللہ'' اس لیے فرمایا کہ مخلوق کو ان چیزوں کا علم نہیں تھا جن کا اللہ تعالیٰ کو علم تھا۔
الحسین بن الفضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جو اصحاب حدیبیہ میں آپ کے ساتھ تھے ان میں سے بعض اگلے سال سے پہلے فوت ہو جائیں گے اور اس آیت کے تمام مخاطبین مسجد حرام میں نہیں جا سکیں گے یعنی ان چودہ سو اصحاب میں سے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔
اور ایک قول یہ ہے کہ ''ان شاء اللہ'' کا معنی ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے کا حکم دیا یا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس کو آسان کر دیا تو تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔
یہ دخول مستقبل میں ہونا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان سے مسجد حرام میں داخل ہونے کا وعدہ کیا اور اس کو اپنی مشیت پر موقوف کر دیا اور یہ حدیبیہ کا سال تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس خواب کی خبر دی کہ ان شاء اللہ وہ عمرہ کریں گے' وہ خوش ہو گئے اور حدیبیہ کے سفر پر روانہ ہو گئے' بعد میں معلوم ہوا کہ اس سے مراد اگلے سال عمرہ کرنا تھا اس سے ان کو بہت رنج ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح کی اور واپس آ گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اگلے سال عمرہ کرنے کی اجازت دی۔ اور یہ آیت نازل فرمائی کہ تم مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہو گے اور جس طرح آپ سے خواب میں فرمایا تھا اسی طرح یہ آیت نازل فرمادی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر منڈانے اور بال کتروانے کے محمل

اس آیت میں سر منڈانے اور بال کتروانے دونوں کا ذکر ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے موقع پر بال کتروائے تھے' حدیث میں ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال قینچی سے کاٹے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۳۷)
اور حج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے بال منڈائے تھے' حدیث میں ہے:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں سر کے بال منڈوائے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۸۰)
سر کے بال کتروانے اور منڈوانے میں منڈوانا افضل ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما' مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! اور بال کتروانے والوں پر؟ آپ نے دعا کی: اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما' مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور سر کے بال کتروانے والوں پر؟ تو آپ نے فرمایا: اور سر کے بال کتروانے والوں پر۔ نافع نے کہا: آپ نے چوتھی بار سر کے بال کتروانے والوں کے لیے رحم کی دعا کی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۴۴)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار سر کے بال منڈوانے والوں کے لیے رحم کی دعا کی اور ایک بار سر کے بال کتروانے والوں کے لیے دعا کی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۴۳)

حدیبیہ میں وہ کون سی باتیں تھیں جن کو مسلمان نہیں جانتے تھے؟

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔

یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایک سال کی تاخیر سے عمرہ کرنے میں مسلمانوں کے لیے خیر اور صلاح ہے اور تم اس چیز کو نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد خیبر کی طرف گئے اور اس کو فتح کر لیا اور خیبر سے مسلمان بہت زیادہ اموالِ غنیمت لے کر آئے اور حدیبیہ کے بعد اگلے سال مسلمانوں کی تعداد اور ان کی قوت میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہو گیا۔ پھر جب مکہ فتح کرنے گئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار مسلمان تھے اور قریش مکہ چند گھنٹوں کی لڑائی میں دس بارہ ہزار آدمی قتل کرا بیٹھے اور پھر انہوں نے اجتماعی طور پر شکست قبول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور مکہ میں نصب تمام بت توڑ ڈالے اور ''جاء الحق وزهق الباطل'' کا نعرہ بلند فرمایا اور حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مسلمانوں نے کس سال عمرہ کے لیے مسجد حرام میں داخل ہونا ہے اور مسلمانوں کو یہ علم نہیں تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ مکہ میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں اور حدیبیہ پر حملہ کی صورت میں وہ روندے جائیں گے اور مسلمانوں کو یہ علم نہیں تھا۔

حدیبیہ کے بعد کون سی فتح حاصل ہوئی؟

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو اس نے اس سے پہلے ایک اور فتح مقدر کر دی۔

ابن زید اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تعبیر پوری ہونے سے پہلے فتح خیبر کو مقدر کر دیا۔ بعض مفسرین نے کہا: اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے۔

زہری نے کہا: صلح حدیبیہ کے بعد اسلام میں بہت فتوحات ہوئیں' کیونکہ اس صلح کے بعد قریش کے ساتھ جنگ ختم ہو گئی' لوگ امن اور عافیت میں آ گئے اور دینِ اسلام کے برحق ہونے اور شرک کے باطل ہونے کے متعلق گفتگو اور بحث شروع ہو گئی' پھر جو شخص بھی اسلام کے متعلق غور کرتا وہ اسلام میں داخل ہو جاتا اور اس کے بعد دو سالوں میں اس قدر لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے داخل نہ ہوئے تھے' چھ ہجری میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی اور اس کے دو سال بعد فتح مکہ کے سال مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی اور یہ مسلمانوں کی بہت بڑی فتح تھی۔

دینِ اسلام کے غلبہ کے محامل

الفتح: ۲۸ میں فرمایا: وہی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (اپنے رسول پر) کافی گواہ ہے O

یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ آپ کو تمام ادیان کے اوپر دلائل کے ساتھ غلبہ عطا فرمائے یا جہاد کے ذریعہ آپ کو غلبہ عطا فرمائے یا اس طرح غلبہ عطا فرمائے کہ آپ کی شریعت تمام پہلی شریعتوں کے لیے ناسخ ہو جائے۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے آپ کو معجزات عطا فرمائے۔ یہ آیت ان کافروں کے رد میں نازل

فرمائی جنہوں نے صلح حدیبیہ کے سرنامہ پر" محمد رسول الله" لکھنے سے منع کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیں تو پھر جھگڑا کیا رہ جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اگر یہ آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ اللہ آپ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتا ہے اور آپ کے لیے اللہ کی گواہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد اللہ کے رسول ہیں' جو ان کے اصحاب ہیں' کفار پر بہت سخت ہیں' آپس میں نرم دل ہیں' (اے مخاطب!) تو ان کو رکوع کرتے ہوئے' سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں' سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانی ہے' ان کی یہ صفات تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کی صفت یہ ہے جیسے ایک کھیتی ہو' جس نے اپنی باریک کونپل نکالی' پھر اس نے طاقت پکڑی' پھر وہ موٹی ہوگئی' پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کاشت کاروں کو بھلی لگی تاکہ (ان کی یہ صفت) کافروں کے دل جلائے' اللہ نے ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں سے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے O (الفتح: ۲۹)

خلفاءِ راشدین کے فضائل

اس آیت میں فرمایا ہے: " محمد رسول الله" آیت کا یہ حصہ آپ کی تسلی کے لیے نازل فرمایا کہ کفارِ قریش نے حدیبیہ کے صلح نامہ پر" محمد رسول الله" لکھنے نہیں دیا اور کہا کہ ہم محمد کو رسول اللہ نہیں مانتے' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ یہ نہیں مانتے تو نہ مانیں' اللہ تو کہتا ہے: " محمد رسول الله"۔

پھر آپ کے اصحاب کی صفت بیان فرمائی: وہ کفار پر بہت سخت ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اہلِ حدیبیہ کفار پر بہت سخت تھے جیسے شیر جنگل کے جانوروں پر سخت ہوتا ہے اور آپس میں نرم دل ہیں' یعنی جس حال میں وہ کفار پر سخت ہوتے ہیں اس حال میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اے مخاطب! تو ان کو رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' یعنی وہ بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں اور بہ کثرت نمازیں پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جنت اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ " والذین معه" سے مراد حضرت ابوبکر ہیں کیونکہ ایمان لانے کے بعد اسلام کی تبلیغ کرنے میں حضرت ابوبکر آپ کے مع (ساتھ) تھے' حضرت ابوبکر کی تبلیغ سے حضرت عثمان بن عفان اسلام لائے' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اسلام لائے' اسلام کی مدافعت میں وہ آپ کے مع تھے' سفرِ ہجرت میں آپ کے مع تھے' غارِ ثور میں آپ کے مع تھے' قبر میں آپ کے مع ہیں' قبر سے اٹھنے میں آپ کے مع ہوں گے اور دخولِ جنت میں بھی آپ کے مع ہوں گے اور جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو معیت حاصل تھی کسی کو حاصل نہ تھی اور " اشداء علی الکفار" سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں' آپ کا کفار پر سخت ہونا بہت مشہور ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ماننے میں تامل کیا تو حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا' یہ ان کے مزاج میں کفار پر سختی کا تقاضا تھا کہ انہوں نے قریش مکہ سے صلح کرنے کے معاملہ میں بہت تردد کیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے نکلے تو اس موقع پر بھی انہوں نے آپ سے بحث کی اور " رحماء بینهم" سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ آپ بہت نرم دل تھے' جب مسجد نبوی میں مسلمانوں کے لیے جگہ کم تھی تو آپ نے مسجد نبوی کی توسیع کی' مسلمانوں کے لیے میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا تو رومانام کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا' غزوۂ تبوک کے لشکر کے لیے تین سو اونٹ مع ساز و سامان مہیا کیے' خود جان پر کھیل گئے لیکن اپنی حفاظت کے لیے مسلمان فوجوں کو بلانے کی اجازت نہیں دی اور " تراهم رکعا سجدا" سے مراد حضرت علی ہیں

جن کی اکثر راتیں رکوع اور سجدوں میں گزرتی تھیں۔

سجدوں کے اثر سے پیشانی پر نشان

اس کے بعد فرمایا: سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانی ہے۔

اس آیت میں ''سیما'' کا لفظ ہے''سیما'' کے معنی علامت ہیں یعنی ان کے چہروں سے شب بیداری اور تہجد گزاری جھلکتی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رات کو بہت نمازیں پڑھتا ہے تو صبح کو اس کا چہرہ بہت حسین لگتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

حسن بصری نے کہا: یہ سفیدی ہے جو قیامت کے دن اس کے چہرے پر نظر آئے گی' نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور یہ ارادہ فرمائے گا کہ اپنی رحمت سے بندوں کو دوزخ سے نکالے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتا تھا اس کو دوزخ سے نکال لیں اور ان پر رحم کرنے کا ارادہ فرمائے گا جو ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھتے تھے' فرشتے ان کو دوزخ میں سجدوں کے نشانات سے پہچان لیں گے' آگ ابن آدم کے سجدوں کے نشان کے سوا اس کے تمام جسم کو کھا لے گی' اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدوں کے نشان کو کھائے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۶ ص ۵۲۷۔ رقم الحدیث: ۱۰۹۰۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

شہر بن حوشب نے کہا کہ سجدہ کا نشان ان کے چہروں پر اس طرح چمک رہا ہو گا جس طرح چودھویں رات کو چاند چمکتا ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: دنیا میں ان کی علامت اچھے اخلاق ہیں' اور مجاہد سے ہی روایت ہے کہ اس سے مراد خشوع اور تواضع ہے۔ منصور نے کہا: میں نے مجاہد سے اس آیت کے متعلق پوچھا: کیا یہ وہ نشان ہے جو آدمی کی دو آنکھوں کے درمیان ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں' بعض اوقات انسان کی دو آنکھوں کے درمیان ایک گٹا سا ہوتا ہے حالانکہ اس کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے' لیکن وہ خضوع اور خشوع کی کثرت سے ان کے چہرے پر ایک نور ہوتا ہے۔

ابن جریج نے کہا: وہ ان کے چہروں پر وقار اور تر و تازگی ہے۔ شمر بن عطیہ نے کہا: وہ رات کے قیام کی وجہ سے ان کے چہروں کی زردی ہے۔ حسن نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب تم ان کو دیکھو تو یہ گمان کرو کہ وہ بیمار ہیں' حالانکہ وہ بیمار نہیں ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۶۷۔ ۲۶۶)

''تورات'' اور ''انجیل'' میں صحابہ کی صفات

اس کے بعد فرمایا: ان کی یہ صفات تورات میں ہیں' اس کو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: ان کی یہ صفات تورات اور انجیل میں ہیں اور یوں بھی پڑھ سکتے ہیں کہ تورات پر وقف کیا جائے اور انجیل میں ان کی یہ صفات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ دو مثالیں ہیں: ایک ''تورات'' میں ہے اور دوسری ''انجیل'' میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ پہلے تھوڑے تھے' پھر بہ تدریج زیادہ ہوتے گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابتداءً لوگوں کو دینِ اسلام کی طرف بلایا تو پہلے ایک ایک کر کے آپ کی دعوت پر لبیک کہتے رہے حتیٰ کہ آپ کا دین بہت قوی ہو گیا' جیسا کہ کھیت ابتداء میں ایک بیج ہوتا ہے پھر ایک باریک اور کمزور سی کونپل نکلتی ہے' پھر

وہ کھیت دن بہ دن قوی ہوتا جاتا ہے' حتیٰ کہ وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگتا ہے' پس کھیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی کونپلیں آپ کے اصحاب ہیں جو پہلے کم تعداد میں تھے پھر بہ تدریج زیادہ ہوتے گئے اور اس کھیت کو بڑھانا اور پروان چڑھانا' یہ کام اللہ سبحانہٗ نے آپ کے اور آپ کے اصحاب کے لیے کیا تاکہ اس سے کفار اپنے غیظ وغضب میں جل بھن کر راکھ ہو جائیں۔

صحابہ کرام کے فضائل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں کے لیے مغفرت کا اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہ ان مؤمنوں کے ساتھ وعدہ ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں' ان سے ایسے ثواب کا وعدہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور وہ جنت ہے۔

ایک شخص نے امام مالک کے سامنے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مذمت کی تو امام مالک نے اس کے سامنے الفتح:۲۹ کی پوری آیت پڑھی اور کہا: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو عزت دی ہے' جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ اپنے غیظ میں جل کر راکھ ہو جائے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (الفتح:۱۸) اللہ ان مؤمنوں سے راضی ہو گیا جو درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

حدیبیہ میں اکثر صحابہ کرام نہتے تھے' ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے' وہ احرام باندھے ہوئے تھے' ان کا پڑاؤ وہاں سے اڑھائی سو میل کی مسافت پر تھا اور وہ دشمن کی سرحد پر کھڑے' ایسے میں ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرنا اور تادمِ حیات لڑنے کی بیعت کرنا بہ ظاہر عقل وخرد کے خلاف تھا لیکن وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی محبت میں ایسے سرشار تھے کہ وہ موت وحیات سے بے گانہ ہو گئے تھے اور تب ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا' اگر خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انہوں نے مرتد ہو جانا تھا تو اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے وہ ان سے کبھی راضی نہ ہوتا' اسی طرح التوبہ:۱۰۰ میں مہاجرین اور انصار اور ان کے متبعین کے متعلق فرمایا: ''رضی اللہ عنهم ورضوا عنه'' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' اور یہ آیات رافضیوں کے اس عقیدہ کی جڑ کاٹ دیتی ہیں کہ یہ صحابہ نفاق کی وجہ سے حضور کے ساتھ تھے اور آپ کے وصال کے بعد چھ صحابہ کے سوا باقی تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے اور کفر کی طرف لوٹ گئے تھے۔

لہٰذا تمام صحابہ کرام عدول ہیں' اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اصفیاء ہیں اور نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں اور یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے اور درج ذیل احادیث میں اس کی تائید ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی ایک شخص احد پہاڑ جتنا سونا خیرات کر دے' پھر بھی وہ ان کے دیئے ہوئے ایک کلو یا نصف کلو کے برابر نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۳۶۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۸۶۱)

ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: ستارے آسمان کی امان ہیں اور جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان پر وہ چیزیں آ جائیں گی جن سے آسمان کو ڈرایا گیا ہے

اور میں اپنے اصحاب کی امان ہوں' جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب کے پاس وہ چیزیں آ جائیں گی جن سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور میرے اصحاب میری امت کی امان ہیں جب وہ چلے جائیں گے تو ان کے پاس وہ چیزیں آ جائیں گی جن سے اس کو ڈرایا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ٢٥٣١)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو' میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو' ان کو میرے بعد طنز کا نشانہ نہ بناؤ' جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی' اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو اذیت دی اس نے بے شک مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے بے شک اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی' عنقریب اللہ اس کو پکڑ لے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٨٦٢' مسند احمد ج ۴ ص ٨٧' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٢٢٨٣)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو بُرا کہتے ہیں تو کہو کہ اللہ تمہارے شر پر لعنت کرے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٨٦٦' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ٢٣٣٠)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب میں سے جو شخص کسی علاقہ میں فوت ہو جائے تو قیامت کے دن وہ شخص اس علاقہ والوں کے لیے قائد اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٨٦٥' شرح السنۃ رقم الحدیث: ٣٨٦٢)

سورۃ الفتح کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ٩ جمادی الاولیٰ ١٤٢٥ھ/ ٢٨ جون ٢٠٠٤ء بہ روز پیر سورۃ الفتح کی تفسیر مکمل ہوگئی' اس سورت کی ایک آیت الفتح: ٢ کے ترجمہ پر تقریباً ١٥ برس سے حاسدین اور معاندین اعتراض کر رہے تھے' میں ''شرح صحیح مسلم'' کی مختلف جلدوں اور پھر ''تبیان القرآن'' کی مختلف جلدوں میں ان اعتراضات کے جوابات لکھتا رہا ہوں اور اس سورت میں الفتح: ٢ کی تفسیر میں تمام ابحاث کو اختصار کے ساتھ جمع کر دیا ہے' انسانی بساط میں کسی مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے جتنے دلائل کی ضرورت ہو سکتی ہے' وہ میں نے فراہم کر دیئے ہیں۔ باقی حق کو دلوں میں جاگزین کر دینا میرے بس میں نہیں' یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی طاقت ہے اور رہے نہ ماننے والے تو وہ عہد رسالت سے لے کر آج تک پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اس نے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے' باقی قرآن مجید کی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دے' ایمان پر میرا خاتمہ فرمائے اور میری اور میرے والدین کی مغفرت فرمائے' ان کی قبروں کو منور فرمائے اور اس کتاب کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ١٥ فیڈرل بی ایریا' کراچی-٣٨
موبائل نمبر: ٠٣٠٠-٢١٥٦٣٠٩
٠٣٢١-٢٠٢١٧٣٣

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الحجرات

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الحجرات ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں الحجرات کا ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ۝ (الحجرات: ۴) (اے رسول مکرم!) بے شک جو لوگ آپ کو حجرات کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۝

اس آیت کی تفسیر اپنے موقع پر آ رہی ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۸ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۴۹ ہے' بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا زمانہ نزول ۹ھ ہے۔

سورت الحجرات کے مسائل اور مقاصد

☆ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور احترام تمام فرائض سے بڑھ کر فرض ہے' بلکہ جزو ایمان ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جائے گا جو عام لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے حتیٰ کہ آپ کے سامنے بلند آواز سے بات نہیں کی جائے گی اور نہ آپ کو حجروں سے باہر نداء کی جائے گی۔

☆ بغیر تحقیق کے کوئی خبر قبول نہ کی جائے' نہ کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی کی جائے' نہ کسی مسلمان کی غیبت کی جائے' نہ کسی کا نام بگاڑا جائے' نہ کسی کا مذاق اڑایا جائے' اسی طرح کے اور معاشرتی آداب بتائے۔

☆ اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ رہے ہوں تو ان میں صلح کرائی جائے اور اگر وہ صلح نہ کریں تو ان میں سے جو گروہ باطل پر ہو اس سے جنگ کی جائے' حتیٰ کہ وہ راہِ راست پر آ جائے۔

سورۃ الحجرات کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے میں سورۃ الحجرات کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! اس کی تفسیر میں مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو باطل اور ناصواب ہو اس کا رد کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ/ ۲۸ جون ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/ ۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سورۃ الحجرات مدنیۃ ٤٩ — ١٠٦ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ١٨ رکوعاتہا ٢

سورۃ الحجرات مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھارہ آیتیں، دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو، اور اللہ سے

اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا

ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے O اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر

اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

بلند نہ کرو، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو، جیسے ایک دوسرے

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ

سے بلند آواز سے بات کرتے ہو، ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا O بے شک

الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے

امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③ اِنَّ

دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے، ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے O (اے رسولِ مکرم!) بے شک

الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④

جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں O

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا،

رَّحِيْمٌ ⑤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا

بے حد رحم فرمانے والا ہے O اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو،

اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾

کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پشیمان رہو○

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ

اور یاد رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہا مان لیتے

لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

تو ضرور تم مشقت میں پڑ جاتے لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾

خوش نما بنا دیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسوق اور معصیت کو ناپسندیدہ بنا دیا ہے، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں○

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ

یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے اور اللہ بے حد جاننے والا حکمت والا ہے○ اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا

باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر

عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ

زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرلے، پس اگر وہ

فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

رجوع کرلے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف سے کام لو، بے شک اللہ انصاف سے

الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ

کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے○ بے شک سب مؤمن آپس میں بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر بلند نہ کرو' اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو' جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو' ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا O بے شک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں' بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے' ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے O (الحجرات: ۳۔۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل پر اپنے قول اور فعل کو مقدم کرنے کی ممانعت

اس سے پہلی سورت میں حدیبیہ کی صلح کا ذکر ہے اور ''صحیح بخاری'' میں یہ گزر چکا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی شرائط پر صلح کرنے کا ارادہ کیا تو بعض صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے دل برداشتہ ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس فیصلہ پر کافی بحث کی تو اس سے متصل سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تنبیہ کی کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ نے اس آیت کے متعلق پانچ قول ذکر کیے ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ کاش! میرے متعلق یہ نازل ہوتا' کاش! میرے متعلق وہ نازل ہوتا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کلام کرنے سے منع فرمایا۔

(۳) مجاہد نے کہا: اللہ اور رسول کے متعلق کوئی بات نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے بتائے۔

(۴) حسن بصری نے کہا: کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھانے سے پہلے قربانی کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ وہ دوبارہ قربانی کریں۔

(۵) زجاج نے کہا: جن عبادات کے اوقات مقرر ہیں ان کے وقت آنے سے پہلے ان عبادات کو ادا نہ کرو۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۲۶۔۳۲۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کی تعلیم دی گئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز کے ساتھ بولنے کی ممانعت

الحجرات: ۲ میں فرمایا: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو' ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا O

حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کو ان کی قوم پر عامل بنا دیجئے۔ حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! ان کو عامل نہ بنائیں' پھر ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بحث کی' حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں' حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو' حضرت عمر نے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو اپنے نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بات کرتے تو ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی' حتیٰ کہ ان سے سوال کیا جاتا کہ آپ نے کیا کہا؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۴۵-۷۳۰۲-۴۳۶۷ 'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۶ 'مسند احمد ج ۴ ص ۴)
اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر کا حکم دیا گیا ہے کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو تو پست آواز سے بات کرو اور تمہاری آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ ہو ورنہ تمہارے نیک اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔

بلند آواز سے بولنے کو دو مرتبہ منع کرنے کے الگ الگ محمل

اس آیت میں دو مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: اپنی آوازوں کو (اپنے نبی) کی آواز پر بلند نہ کرو' اور دوسری مرتبہ فرمایا: اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو' جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو۔ مفسرین نے کہا: دونوں مرتبہ بلند آواز کے ساتھ بات کرنے کی ممانعت کے الگ الگ محمل ہیں' پہلے جو فرمایا ہے کہ اپنی آوازوں کو (اپنے نبی) کی آواز پر بلند نہ کرو اس کا محمل یہ ہے کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے ہو تو اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست رکھو اور اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچی نہ ہونے دو' اور دوسری بار جو فرمایا ہے کہ ان کے سامنے بلند آواز سے نہ بولو' اس کا محمل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوں اور تم ان کو کوئی خبر سنا رہے ہو تو اونچی آواز سے نہ بولو' یا اس کا محمل یہ ہے کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو تو عامیانہ انداز میں بات نہ کرو جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو اور جب آپ کو مخاطب کرو تو آپ کے نام اور کنیت سے آپ کو مخاطب نہ کرو' مثلاً یوں مخاطب نہ کرو: ''یا محمد' یا ابا القاسم'' بلکہ ''یا رسول اللہ'' ''یا'' یا نبی اللہ'' ''یا'' ''یا حبیب اللہ'' کہو' واضح رہے کہ اس میں ندائے یا محمد کی نفی نہیں ہے کیونکہ نداء اور چیز ہے اور خطاب اور چیز ہے (نداء میں ''یا محمد'' کہہ کر آپ کو اپنے حال کی طرف متوجہ کرنا ہے اور خطاب میں یا محمد کہہ کر آپ سے کلام کرنا ہے)۔

مفسرین نے اس آیت سے اس پر بھی استدلال کیا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولنا جائز نہیں ہے اسی طرح آپ کی قبر انور پر جب حاضری ہو تو وہاں بھی بلند آواز سے بولنا جائز نہیں ہے۔ علامہ قرطبی' علامہ ابوالحیان اندلسی اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اسی طرح عالم کے سامنے بھی بلند آواز سے بولنا جائز نہیں ہے' خصوصاً جب عالم قرآن اور حدیث کا درس دے رہا ہو۔

نیز مفسرین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو بلند آواز سے بولنا منع ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اتنے زور سے نہ بولو جو آپ کے استخفاف اور آپ کی اہانت کا مظہر ہو' کیونکہ اس طرح بلند آواز سے بولنا کفر ہے اور اس آیت میں مؤمنین سے خطاب ہے' بلکہ مراد یہ ہے کہ تعظیم اور تکریم کے ساتھ معتدل آواز کی بہ نسبت پست آواز میں آپ کے سامنے بولو یا آپ سے باتیں کرو۔

اپنی ضرورت اور آپ کی نعت کے کلمات کو آپ کے سامنے بلند آواز سے پڑھنے کا جواز

مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ جن مواقع پر بلند آواز سے بولنا مطلوب ہوتا ہے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے' مثلاً میدانِ جہاد میں دشمن کو للکارتے ہوئے' یا کسی معاند اور مخالف کو جواب دیتے ہوئے یا دشمن کو ڈراتے ہوئے' ان تمام صورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی بلند آواز سے بولنا جائز ہے' کیونکہ ان صورتوں میں یہ متصور نہیں ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کے خلاف ہے' کیونکہ حدیث میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جب جنگِ حنین میں مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے' حضرت عباس نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے

روک رہا تھا اور حضرت ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس! اصحابِ سمرہ (کیکر کے درخت والوں) کو آواز دو' حضرت عباس بلند آواز شخص تھے' وہ کہتے ہیں: میں نے بہ آواز بلند پکارا: اصحابِ سمرہ کہاں ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: بہ خدا وہ یہ آواز سنتے ہی اس طرح پلٹے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے' وہ ''یا لبیك یا لبیك'' کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۵)

اسی طرح حدیث میں حضرت عثمان بن عمر کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو مدینہ کے تمام مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خادم راستوں میں بکھر گئے اور وہ زور زور سے پکار رہے تھے: یا محمد! یارسول اللہ! یا محمد! یارسول اللہ!۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۱۴)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے اذان کہی جاتی تھی اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کی مدافعت میں بلند آواز سے اشعار پڑھتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ سے گفتگو کرتے وقت آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کی جائے اور جب کوئی شخص آپ کو بات سنائے اور آپ خاموشی سے سن رہے ہوں تو آواز بلند نہ کی جائے یا آپ سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کی جائے' جیسے لوگ ایک دوسرے سے عامیانہ انداز میں باتیں کرتے ہیں۔ تقریباً یہ تمام اُمور حسبِ ذیل مفسرین نے اپنی اپنی تصانیف میں بیان فرمائے ہیں۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ (الکشاف ج ۴ ص ۳۵۵۔ ۳۵۳)' علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۷۹۔ ۲۷۶)' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۲۰۶۔ ۲۰۴)۔

بعض مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر بھی کہتے ہو اور مجالس میلاد میں بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام بھی پڑھتے ہو' جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ ہر وقت موجود ہیں' یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی قبرِ انور میں موجود ہیں اور کائنات آپ کے سامنے ہے اور آپ اس کو دیکھ رہے اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں' اس کی تائید ان احادیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھا کر رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کو دیکھ رہا ہوں' جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۱' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال کی ضعف کے باوجود توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷' بیروت)

باقی رہا آپ کے سامنے بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا' سو ہم متعدد مفسرین کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ آپ کے سامنے مطلقاً بلند آواز سے بولنا منع نہیں ہے' آپ کی تعظیم اور توقیر کے کلمات کو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے' جیسا کہ ہجرت کے موقع پر انصار کے مرد' عورتیں اور بچے آپ کا استقبال کرتے ہوئے بلند آواز سے نعرہ لگا رہے تھے: ''یا محمد!

یـا رسول الـلّٰہ!'' یا محمد! یارسول اللہ! اور آپ کے سامنے بلند آواز کے ساتھ اذان دی جاتی تھی اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ آپ کی مدح میں بلند آواز کے ساتھ اشعار پڑھتے تھے۔

الحجرات: ۳ میں فرمایا: بے شک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں' بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے' ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز پست رکھنے والے صحابہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو گم پایا' تو ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کو اس کی خبر لا کر دوں گا' پس وہ شخص ان کے پاس گیا تو وہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے تھے' اس شخص نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ حضرت ثابت بن قیس نے کہا: بہت بُرا ہو گیا' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولتا تھا تو اس کے اعمال تو ضائع ہو گئے اور وہ تو اہل دوزخ میں سے ہے' پھر اس شخص نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ حضرت ثابت بن قیس اس طرح کہہ رہے تھے' پھر وہ شخص دوبارہ حضرت ثابت بن قیس کے پاس عظیم بشارت لے کر گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تم اہل دوزخ سے نہیں ہو بلکہ تم اہل جنت سے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۴۶۔ ۳۶۱۳)

''صحیح مسلم'' میں یہ روایت اس طرح ہے:

حضرت سعد' حضرت ثابت کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کیوں حاضر نہیں ہوتے؟ انہوں نے کہا: یہ آیت (الحجرات: ۳) نازل ہو چکی ہے اور تم کو معلوم ہے کہ میری آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تم سب سے بلند ہے' سو میں تو اہل دوزخ سے ہوا۔ حضرت سعد نے جا کر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ وہ اہل جنت سے ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹)

حضرت ثابت بن قیس انصاری تھے ان کا تعلق خزرج سے تھا' اس حدیث میں ان کے لیے عظیم بشارت ہے کہ وہ جنتی ہیں اور وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے' نیز اس حدیث میں بھی یہ دلیل ہے کہ مطلقاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنے پر وعید نہیں ہے اگر کوئی شخص قدرتی طور پر بلند آواز سے بولتا ہو اور اس کی آواز غیر اختیاری طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تقویٰ کو پرکھنے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے۔

تقویٰ کے معنی ہیں: خوفِ خدا۔ پس جس شخص نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا اور آپ کی اس قدر تعظیم کی کہ آپ کے سامنے اپنی آواز پست رکھی کہ کہیں زور سے بولنے کی وجہ سے اس کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کس قدر زیادہ ہو گی اور اس کے دل میں اللہ کا خوف کتنا زیادہ ہو گا کہ اگر اس کے رسول کی تعظیم میں اس نے کمی کی تو وہ دوزخ کا مستحق ہو جائے گا' پس اللہ کے رسول کی تعظیم کرنا' دراصل اس کے دل میں چھپے ہوئے خوفِ خدا اور تقویٰ کی وجہ سے ہے اور ایسے لوگوں کے دلوں کے تقویٰ کو اللہ نے پرکھ لیا ہے یعنی ان کے تقویٰ کو ظاہر فرما دیا ہے اور اس کی مثال یہ ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ O (الحج: ۳۲) جو لوگ اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ ان کے دلوں میں خوفِ خدا کی وجہ سے ہے O

شعائر اللہ سے مراد ہیں: دین کے امتیازی احکام اور مناسکِ حج کو بجالانا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا' کعبہ کا طواف کرنا' حجرِ اسود کو بوسہ دینا' قربانی کے لیے فربہ جانور لانا اور ان کی تعظیم کرنا' صفا اور مروہ دو پہاڑیاں اور کعبہ پتھر کی ایک عمارت ہے' حجرِ اسود ایک پتھر ہے اور قربانی کے اونٹ جانور ہیں اور فی نفسہٖ ان کی تعظیم کی کوئی وجہ نہیں ہے' حج کرنے والا جو ان کی تعظیم کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے کرتا ہے' پس جو شخص اللہ کے حکم کی وجہ سے ان پتھروں اور جانوروں کی تعظیم کرتا ہے اس کے دل میں اللہ کی تعظیم کس قدر ہوگی اور اللہ کا خوف اور تقویٰ کتنا زیادہ ہوگا کہ وہ اللہ کی ناراضگی کے خوف سے ان پتھروں اور جانوروں کی بھی تعظیم کررہا ہے' جب کہ انسان بلکہ مسلمان پتھروں اور جانوروں سے بہت افضل اور اعلیٰ ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول کی تعظیم کرنا اور ان کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھنا دراصل اللہ کی تعظیم اور اس کے خوف کی وجہ سے ہے کہ اگر اس نے اللہ کے رسول اور اس کے نمائندہ کی تعظیم میں کمی کی تو اللہ اس کے نیک اعمال کو ضائع کردے گا اور اس کو دوزخ میں ڈال دے گا' سو جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں چھپے ہوئے خوفِ خدا کو ظاہر کردیا۔

اور فرمایا: ان کے لیے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم ہے۔ مغفرت کا معنی ہے: انسان کے بُرے کاموں کو چھپانا اور ان پر سزا نہ دینا اور اجر کا معنی ہے: اس کے نیک کاموں پر ثواب عطا فرمانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسولِ مکرم!) بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○ اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آجاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو' کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچادو پھر اپنے کیے پر پشیمان رہو ○ (الحجرات: ۶۔۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے نداء کرنے والوں کے مصادیق

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ الحجرات: ۴ کے شانِ نزول میں روایت کرتے ہیں:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! بے شک میری تعریف کرنا نیک عمل ہے اور میری مذمت کرنا بُرا عمل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۷)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے اس کے شانِ نزول میں حسبِ ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور حجرہ کے باہر سے آپ کو نداء کی: یا محمد! میری تعریف کرنا نیک عمل ہے اور میری مذمت کرنا بُرا عمل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر آئے اور فرمایا: تم پر افسوس ہے یہ تو صرف اللہ سبحانہٗ کی شان ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۵۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۸)

(۲) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ آئے' انہوں نے کہا تھا کہ اس شخص کے پاس چلو اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ان کی اتباع کرکے ہم لوگوں میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہوں گے اور اگر وہ فرشتے ہیں تو ہم ان کے پروں کے سائے میں زندہ رہیں گے' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو نداء کی: یا محمد! اس وقت آپ اپنے حجرہ میں تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۵۳۱)

(۳) ایک قول یہ ہے کہ وہ بنو تمیم کا وفد تھا' مقاتل نے کہا: وہ نو افراد تھے۔

ان کے متعلق فرمایا: ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔اس پر یہ اعتراض ہے کہ انسان ہونے کی وجہ سے ان میں عقل تو تھی پھران کو بے عقل کیوں فرمایا؟

ابن ابحر نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ بے علم ہیں اور علم کو عقل سے تعبیر کیا کیونکہ علم عقل کا ثمرہ ہے اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ فعل عقل والوں کے فعل کے خلاف تھا۔

الحجرات: ۵ میں فرمایا: اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آ جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

یعنی ان کا حجرہ سے باہر آپ کا انتظار کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لحاظ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کے لحاظ سے زیادہ مناسب تھا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو العنبر کے کچھ لوگوں کو قید کر لیا تھا اور وہ لوگ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ دینے آئے تھے' پس اگر وہ آپ کے حجرہ سے باہر نکلنے کا انتظار کر لیتے تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ ہوسکتا تھا کہ آپ فدیہ لیے بغیر ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیتے۔(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۲۸۔۳۲۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس آیت میں بھی سابقہ آیات کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کی تلقین کی گئی ہے اور سورۂ الحجرات کی پہلی پانچوں آیتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور احترام کی تعلیم کے لیے نازل ہوئیں ہیں۔

ولید بن عقبہ کا جھوٹی خبر دینا

الحجرات: ۶ میں فرمایا: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو' کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا دو' پھر اپنے کیے پر پشیمان رہو O

حضرت الحارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہ آیت ولید بن عقبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو المصطلق کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا اور ولید کے درمیان اور بنو المصطلق کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں عداوت تھی' جب بنو المصطلق نے اس کی آمد کے متعلق سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس کی تعظیم کی' شیطان نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ لوگ اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں وہ خوف زدہ ہو کر راستہ سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ گیا اور آپ سے کہا کہ بنو مصطلق نے اس کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا ہے' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آ گئے اور ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا' ادھر بنو مصطلق کو یہ خبر پہنچی کہ ولید بن عقبہ واپس چلے گئے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے نمائندہ کی آمد کے متعلق سنا تو ہم اس سے ملاقات کرنے اور اس کی تکریم کرنے کے لیے نکلے اور تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں مال دیا ہے ہم اس مال میں سے اللہ کا حق ادا کریں' تب ہم کو معلوم ہوا کہ وہ نمائندہ واپس چلا گیا' ہمیں خطرہ ہوا کہ کہیں آپ کی طرف سے اس کو یہ حکم تو نہیں پہنچا کہ تم واپس آ جاؤ اور آپ کسی وجہ سے ہم پر ناراض ہو گئے ہوں' اور ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یقین نہیں کیا اور خفیہ طور پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ ان کی طرف روانہ کیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ چپکے سے وہاں پہنچیں اور وہاں تفتیش کریں' اگر وہاں ایسے آثار ہوں جو ان کے ایمان پر دلالت کرتے ہوں تو ان سے ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کر لیں اور اگر وہاں ان کے ایمان کے آثار نہ ہوں تو پھر ان کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے' حضرت خالد وہاں پہنچ گئے اور انہوں

نے وہاں پر مغرب اور عشاء کی اذانوں کو سنا' انہوں نے ان سے صدقات وصول کیے اور سوائے اطاعت اور نیکی کے ان کے پاس اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے اور آپ کو تمام حالات بتائے اور تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق (یعنی ولید بن عقبہ) کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو' کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمان رہو O (ولید بن عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ماں شریک بھائی تھا)۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۵۸۔۲۵۷' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۹۵' اسباب النزول للواحدی ص ۷۶۰' حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۱۳۵۲' حافظ ابن کثیر نے کہا: اس قصہ کے متعلق امام احمد کی روایت سب سے عمدہ ہے' امام طبرانی نے اس قصہ کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۸۰۰۹' امام ابن جریر نے اس واقعہ کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابن عباس' قتادہ اور ابن اسحاق وغیرہم سے روایت کیا ہے' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۵۴۳ ۲۴۵۴۱۔۲۴۵۳۹۔۲۴۵۳۸)

فاسق کی شہادت اور روایت کا شرعی حکم

علامہ سید محمود آلوسی متعدد حوالہ جات سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ فاسق شہادت دینے کا اہل ہے کیونکہ اگر اس کی شہادت ادائیگی کے لائق نہ ہوتی تو پھر اس کی خبر کی تحقیق کرنے کے حکم دینے کا کوئی معنی نہ تھا اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خبر واحد کو قبول کرنا جائز ہے۔

فقہاء احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کا عادل اور نیک ہونا معلوم نہ ہو اس کی خبر کو بھی قبول کرنا جائز ہے اور اس کے نیک ہونے کی تفتیش کرنا واجب نہیں ہے' کیونکہ یہ تفتیش اس وقت واجب ہوگی جب اس کا فسق ثابت ہو اور جس شخص کا نیک ہونا ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ ہی اس کا فاسق ہونا معلوم ہے تو ہم ظاہر حال کے اعتبار سے اس کو نیک قرار دیں گے اور اس کی تفتیش کرنا ہم پر واجب نہیں ہے' واضح رہے کہ فاسق وہ شخص ہے جس نے کوئی علی الاعلان گناہ کبیرہ کیا ہو۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: فاسق کی دو قسمیں ہیں: ایک فاسق غیر متاول ہے (جو بغیر تاویل کے کوئی گناہ کبیرہ کرے) اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کی خبر قبول نہیں کی جائے گی اور دوسری قسم فاسق متاول ہے (جو تاویل سے کوئی گناہ کبیرہ کرے) جیسے جبری اور قدری اور اس کو بدعت واضحہ کا مرتکب کہا جاتا ہے۔ بعض اصولیین اس کی شہادت اور روایت کو مسترد کرتے ہیں' جیسے امام شافعی وغیرہ اور بعض اس کی شہادت کو قبول کرتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت کو کذب کی تہمت کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے اور اس شخص کے عقائد میں فسق ہے اور کذب تمام مذاہب میں حرام ہے' ماسوا خطابیہ کے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور اس کی روایت کو قبول کرنا اس لیے جائز ہے کہ جو شخص غیر رسول پر کذب کو جائز نہیں سمجھتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب کو بہ طریق اولیٰ جائز نہیں سمجھے گا اور ہمارے اصحاب احناف اس کی شہادت کو قبول کرتے ہیں اور اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے خصوصاً جب وہ اپنے عقیدہ کے پرچار کے لیے حدیث روایت کرے۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۲۲۱۔۲۲۰ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں' اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہا مان لیتے تو ضرور تم مشقت میں پڑ جاتے لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسوق اور معصیت کو ناپسندیدہ بنا دیا ہے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے اور اللہ

بے حد جاننے والا' بہت حکمت والا ہے ○ (الحجرات: ۸۔۷)

یعنی تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی رہتی ہے' اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹی خبر سناؤ گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو وحی کے ذریعہ تمہارے جھوٹ پر مطلع کر دے گا' پھر تم شرمندہ ہو گے' لہٰذا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹی خبر نہ سناؤ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن عقبہ کی دی ہوئی جھوٹی خبر کی تحقیق نہ کرتے اور اس خبر پر یقین کر کے بنو مصطلق پر حملہ کر دیتے تو تم سب مشقت میں پڑ جاتے اور کتنے ہی بے قصور مسلمان مارے جاتے اور ولید بن عقبہ نے بنو مصطلق کی عداوت میں ان پر جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس کی وجہ سے تم کو شرمندگی اٹھانی پڑتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی اطاعت کرنے کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جو خبر پہنچائی جائے اور آپ سے جو کہا جائے تو آپ بلا تحقیق اس پر عمل کر لیں۔ اور ''لعنتم'' کا معنی ہے: تم گناہ میں مبتلا ہو جاتے۔ ''عنت'' کا معنی ہے: گناہ' اور بے حیائی کے کام' اور زنا کرنے کو بھی ''عنت'' کہتے ہیں اور مشقت میں پڑنے کو بھی ''عنت'' کہتے ہیں۔

پھر مخلص مؤمنوں کو خطاب کر کے فرمایا: لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسق اور معصیت کو ناپسندیدہ بنا دیا ہے' یعنی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ نہیں بولتے اور آپ تک جھوٹی خبر نہیں پہنچاتے اور یہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو' پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے' پس اگر وہ رجوع کر لے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو' اور انصاف سے کام لو' بے شک اللہ انصاف سے کام لینے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ بے شک سب مؤمن آپس میں بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○ (الحجرات: ۱۰۔۹)

مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے متعلق احادیث اور آثار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بعد میں بھی مسلمانوں کے دو فریقوں میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ان متحارب فریقوں میں سے ایک حق پر تھا اور دوسرا باطل پر تھا اس کے باوجود ان دونوں فریقوں کو مسلمان ہی قرار دیا گیا اور ان کے درمیان صلح کرائی گئی یا صلح کرانے کی کوشش کی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا (جب آپ ابتداءً مدینہ منورہ آئے تھے): اگر آپ عبد اللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جائیں (تو اچھا ہو)' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر اس کے پاس گئے' مسلمان بھی آپ کے ہم راہ گئے' وہ بنجر زمین تھی' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: مجھ سے دور ہٹو' تمہاری سواری کی بدبو مجھے ایذاء پہنچا رہی ہے' آپ کے ساتھ جو انصاری مسلمان تھے' ان میں سے ایک نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی بو تم سے بہت اچھی ہے' عبد اللہ بن ابی کی قوم کا ایک شخص یہ سن کر غصہ میں آ گیا اور اس انصاری کو گالی دی' پھر دونوں طرف سے فریق غضب میں آ گئے اور وہ ایک دوسرے کو ڈنڈوں' ہاتھوں اور جوتوں سے مارنے لگے' پھر ہم کو یہ خبر پہنچی کہ ان ہی دو جماعتوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل قباء آپس میں لڑ پڑے حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے پر پتھراؤ کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: چلو ہم ان کے درمیان صلح کرا دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۳ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۰ 'سنن نسائی رقم الحدیث: ۸۴۷)

جب اہل شام اور اہل عراق میں جنگ تیار تھی' ایک طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی افواج تھیں' دوسری طرف حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی افواج تھیں' اس وقت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خلافت سے دست بردار ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اس صلح کی پیش گوئی کر دی تھی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں) پہاڑوں کی مانند لشکر لے کر پہنچے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنے مقابل کو پسپا کیے بغیر واپس نہیں جائے گا' حضرت معاویہ نے کہا: (اور وہ ان دونوں میں زیادہ بہتر تھے) کہ اگر اس لشکر نے اس لشکر کا صفایا کر دیا تو میری کس پر حکومت ہو گی' عورتوں کی کفالت کون کرے گا' لوگوں کی زمینوں اور ان کے بچوں کی حفاظت کون کرے گا؟ پھر حضرت معاویہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس دو سفیر بھیجے جن کا تعلق قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے ساتھ تھا۔ عبد الرحمان بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر' حضرت معاویہ نے ان دونوں سے کہا کہ تم حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے صلح کی پیش کش کرو اور ان سے اس معاملہ میں گفتگو کرو' سو وہ دونوں گئے اور آپ سے گفتگو کی' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو عبد المطلب سے ہیں اور ہم نے (اپنے دور خلافت میں) اس مال کو حاصل کیا ہے اور یہ قوم اپنے خون میں لتھڑی ہوئی ہے' ان دونوں نے کہا: حضرت معاویہ آپ کی خدمت میں اتنا اتنا مال پیش کرتے ہیں اور صلح کا مطالبہ اور اس کا سوال کرتے ہیں' حضرت حسن نے فرمایا: اس مال کی ادائیگی کا کون ضامن ہے؟ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم ضامن ہیں' حضرت حسن نے ان سے جس چیز کا بھی سوال کیا' ان دونوں نے کہا: ہم اس کے ضامن ہیں' پھر حضرت حسن نے حضرت معاویہ سے صلح کر لی' حضرت حسن نے کہا: میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں تھے' آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حضرت حسن کی طرف اور آپ فرماتے: میرا یہ بیٹا سید ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۲ ـ ۴۷۷۳)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف (المعروف بابن بطال) مالکی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں تاویل کے ساتھ ایک دوسرے سے جنگ کریں تو وہ دونوں جماعتیں مسلمان ہی ہیں کیونکہ حضرت معاویہ اور حضرت علی کی جماعتیں جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھیں' آپ نے دونوں جماعتوں کو مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں فرمایا' اور جس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں جنگ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱) اس سے مراد ہے: جو بغیر تاویل اور اجتہاد کے آپس میں جنگ کر رہے ہوں اور دونوں کا مؤقف باطل ہو (جیسے لسانی عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کرنا)۔

مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اہل کوفہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور اہل شام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی' پھر سرزمین کوفہ پر دونوں کے لشکر یک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوئے' پھر حضرت حسن نے اپنے لشکر کی کثرت کو دیکھا' پھر ندا کی: اے معاویہ! میں نے' اللہ کے پاس جو اجر ہے

اس کو اختیار کر لیا' اگر یہ حکومت تمہارے لیے ہے تو میرے لیے اس میں مزاحمت کرنا مناسب نہیں ہے اور اگر یہ میرے لیے ہے تب بھی میں نے اس کو تمہارے لیے چھوڑ دیا' حضرت معاویہ کے اصحاب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا' پس اللہ آپ کو تمام مسلمانوں کی طرف سے نیک جزا دے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے معاویہ! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا' دنیا کی طلب کی وجہ سے ان کو فنا نہ کر دینا' پھر حضرت حسن نے حکومت حضرت معاویہ کے سپرد کر دی اور اس پر ان کی بیعت کر لی کہ جب تک تم اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم رہو گے ہم تمہارے احکام سنیں گے اور تمہاری اطاعت کریں گے' پھر حضرت حسن اور حضرت معاویہ دونوں کوفہ چلے گئے اور حضرت معاویہ نے اہل عراق سے اپنی بیعت لی اور اس سال کا نام جماعت کا سال رکھا گیا' کیونکہ اس سال تمام لوگ مجتمع ہو گئے تھے اور جنگ سے منقطع ہو گئے تھے اور وہ تمام لوگ جنہوں نے اب تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی ان سب نے بیعت کر لی' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہم نے حضرت معاویہ سے بیعت کر لی اور لوگ اس سے بہت خوش ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو تین لاکھ درہم' ایک لاکھ پوشاکیں' تیس غلام اور سو اونٹ پیش کیے' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما مدینہ چلے گئے اور حضرت معاویہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا اور عبد اللہ بن عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا اور خود دمشق چلے گئے اور اس کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔

(شرح صحیح بخاری لابن بطال ج ۸ ص ۹۷-۹۶' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

حضرت معاویہ اور ان کے لشکر کا حضرت علی سے جنگ صفین کے باوجود اسلام سے خارج نہ ہونا

اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں جنگ کر رہی ہوں اور ان میں سے ایک حق پر ہو اور دوسری باطل پر ہو تو جو جماعت باطل پر ہو' اس سے اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ حق کی طرف رجوع نہ کر لے' اس بناء پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں جنگ جمل اور جنگ صفین کا کیا حکم ہے؟ ان میں سے کون سا فریق حق پر تھا اور کون سا فریق باطل پر تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی فریق صریح باطل پر نہیں تھا' دونوں فریقوں کا موقف تاویل اور اجتہاد پر مبنی تھا' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاویل صحیح تھی اور حضرت معاویہ کی تاویل مبنی بر خطا تھی اور اس کا فیصلہ اس حدیث سے ہو گیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: افسوس ہے! عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا' عمار ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ گروہ اس کو دوزخ کی طرف بلائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷) اور حضرت عمار بن یاسر کو حضرت امیر معاویہ کے لشکر نے قتل کیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح اور حق تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاویل مبنی بر خطا تھی' اور ان کا موقف باطل محض نہیں تھا' ورنہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ان سے صلح نہ کرتے اور اگر وہ باغی ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے جنگ موقوف نہ کرتے اور جنگ موقوف کر کے تحکیم کو اختیار نہ کرتے اور تا دم مرگ جنگ جاری رکھتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات: ۹) جو جماعت باغی ہے اس سے اس وقت تک قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آوے۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ کی جماعت صراحۃً باغی ہوتی تو وہ ان سے کبھی جنگ موقوف نہ کرتے اور کبھی تحکیم کو قبول نہ کرتے۔

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں:

سفیان بن اللیل بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کوفہ سے مدینہ آئے تو میں نے ان سے کہا: اے مؤمنین کو ذلیل کرنے والے! حضرت حسن نے فرمایا: اس طرح مت کہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: دن اور رات کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا حتیٰ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حکمران بن جائیں گے پس میں نے جان لیا کہ اللہ کا حکم نافذ ہونے والا ہے۔ پس میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میرے اور ان کے درمیان مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۱۷۔ رقم الحدیث: ۱۳۵۰۲' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۶۳۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۸)

حارث اعور بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین سے لوٹ کر فرمایا: اے لوگو! معاویہ کی حکومت کو ناپسند نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو گم کر دیا تو تم دیکھو گے کہ تمہارے سر تمہارے کندھوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کے پھل درخت سے گرتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۱۲) (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۶۳۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن کثیر امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

صفوان بن عمرو نے بیان کیا ہے کہ اہل شام کا لشکر ساٹھ ہزار تھا ان میں سے بیس ہزار قتل کیے گئے اور اہل عراق کا لشکر ایک لاکھ بیس ہزار تھا ان میں سے چالیس ہزار شہید کیے گئے اور امام بیہقی نے اس واقعہ کو ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کی اس حدیث پر منطبق کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک کہ دو عظیم جماعتیں باہم عظیم جنگ نہیں کریں گی' حالانکہ ان دونوں جماعتوں کا دین واحد ہو گا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ وہ جماعتیں اسلام کا دعویٰ کریں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی جنگ صفین پر منطبق ہوتی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۴۱۹۔ ۴۱۸' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۷۷۔ ۳۷۶)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ہوں گے' ایک گروہ ان دونوں سے خارج ہو جائے گا (یعنی خوارج) اور دونوں گروہوں میں سے جو گروہ حق کے زیادہ قریب ہو گا وہ ان خوارج کو قتل کرے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۹۷' سنن سعید ابن منصور رقم الحدیث: ۲۹۷۲)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے' کیونکہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اسی طرح واقع ہوا' اور اس حدیث میں آپ نے اہل شام اور اہل عراق کے دونوں گروہوں کے اوپر اسلام کا حکم لگایا ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح رافضی فرقہ کا زعم باطل ہے اور وہ اہل شام کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب حق کے زیادہ قریب تھے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ مجتہد تھے اور ان کو اجتہاد میں خطا لاحق ہوئی اور ان کو بھی ان شاء اللہ اجر ملے گا اور حضرت علی امامِ برحق ہیں اور ان کو دو اجر ملیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد کرے اور اس کی رائے درست ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اس کے اجتہاد میں خطاء ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۴)
(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۸۲۔۳۸۱، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ نہ کہو کہ اہل شام نے کفر کیا بلکہ یہ کہو انہوں نے فسق اور ظلم کیا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، رقم الحدیث: ۳۷۸۴۱، بیروت)

حضرت علی کے حضرت معاویہ کے متعلق دعائیہ کلمات اور اس سلسلے میں دیگر احادیث

حارث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے تو آپ نے ایسی باتیں فرمائیں جو اس سے پہلے نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! حضرت معاویہ کی امارت کو ناپسند مت کرو' اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کو گم کر دیا تو تمہارے کندھوں سے تمہارے سر حنظل کی طرح گرنے لگیں گے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۷۸۴۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۴، تاریخ دمشق ج ۶۲ ص ۱۰۶۔۱۰۵)

عبد اللہ بن عروہ نے کہا: مجھے اس شخص نے خبر دی جو جنگ صفین میں حاضر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی رات باہر نکلے' آپ نے اہل شام کی طرف دیکھ کر یہ دعا کی: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور ان کی مغفرت فرما' پھر حضرت عمار لائے گئے تو آپ نے ان کے لیے بھی یہی دعا کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۷۸۵۴)

یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہمارے مقتول اور ان کے مقتول جنت میں ہیں اور یہ معاملہ میرے اور معاویہ کی طرف سونپ دیا جائے گا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۷۸۶۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۰، تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۹۷، بیروت)

نعیم بن ابی ہند اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں' میں صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تو نماز کا وقت آ گیا تو ہم نے بھی اذان دی اور اہل شام نے بھی اذان دی' ہم نے بھی اقامت کہی اور انہوں نے بھی اقامت کہی' پھر ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی نماز پڑھی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مڑ کر دیکھا تو ہمارے درمیان بھی مقتولین تھے اور ان کے درمیان بھی مقتولین تھے۔ جب حضرت علی نماز سے فارغ ہو گئے تو میں نے ان سے پوچھا: آپ ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو ہم میں سے اور ان میں سے اللہ کی رضا اور آخرت کے لیے لڑتا ہوا قتل کیا گیا وہ جنت میں ہے۔ (سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳۴۵۔۳۴۴، رقم الحدیث: ۲۹۶۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۰۷)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ اور حضرت اسماء' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہے تھے: اے اللہ! معاویہ کے بدن کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے' اے اللہ! دوزخ کی آگ کو معاویہ پر حرام کر دے۔
(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۶۶۔۶۵، رقم الحدیث: ۱۳۴۸۴، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تمہارے سامنے اہل جنت سے ایک شخص آئے گا پھر حضرت معاویہ آئے۔ (تاریخ دمشق ج ۶۲ ص ۷۰، رقم الحدیث: ۱۳۴۹۹)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور برادر نسبتی ہیں اور وحی کے کاتب اور اس پر امین ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میرے لیے میرے اصحاب اور میرے سسرال والوں کو چھوڑ دو (ان کو بُرا نہ کہو) پس جس نے ان کو بُرا کہا اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔
(تاریخ دمشق الکبیر ج ٦۲ ص ۱۴۳' رقم الحدیث: ۷۵۳۱۳)

حضرت رویم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ سے کشتی لڑیئے' حضرت معاویہ نے کھڑے ہو کر کہا: میں تم سے کشتی لڑوں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ ہرگز کبھی مغلوب نہیں ہو گا' پھر حضرت معاویہ نے اس اعرابی کو پچھاڑ دیا' جنگ صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھ سے اس حدیث کا پہلے ذکر کیا جاتا تو میں معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔ (تاریخ دمشق ج ٦۲ ص ٦۱۔ رقم الحدیث: ۱۳۴٦۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت معاویہ کے لیے جو دُعا فرمائی اُسی کا اثر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسد اللہ الغالب ہونے کے باوجود حضرت معاویہ کو مغلوب نہ کر سکے۔

حضرت علی کے قصاصِ عثمان نہ لینے کی وجوہ

حضرت معاویہ کا حضرت علی سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں اور حضرت علی اخیر وقت تک قاتلینِ عثمان سے قصاص نہیں لے سکے' اس کی وجہ سے یہ ہے کہ قصاص اس وقت واجب ہوتا ہے جب اس کا شرعی ثبوت ہو اور شرعی ثبوت یہ ہے کہ کوئی شخص حضرت عثمان کے قتل کا اعتراف کرتا یا اس پر دو گواہ قائم ہوتے کہ فلاں شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے' لیکن حضرت علی کی شہادت تک یہ ثبوت مہیا نہیں ہو سکا' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے قصاص لیتے؟ اوّل تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل مجہول اور نامعلوم تھے' ثانیاً: حضرت علی فرماتے تھے: مجھے سانس تو لینے دو' فتنے ختم ہو جائیں اور امن و امان قائم ہو جائے پھر میں تفتیش اور تحقیق کروں کہ قاتل فی الواقع کون ہے کیونکہ اندھا قصاص تو نہیں لیا جا سکتا اور فی الفور قصاص لینا واجب نہیں ہے اور قصاص لینے میں تاخیر جائز ہے' لیکن ان پر پے در پے ایسی جنگیں مسلط کر دی گئیں کہ ان کو امن اور سکون کے ساتھ تفتیش اور تحقیق کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

جنگ جمل وقوع پذیر ہونے کی وجہ

حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو جنگ جمل برپا ہوئی وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا' جو طرفین میں غلط فہمی کی بناء پر وقوع پذیر ہوا' اس کو پوری تفصیل کے ساتھ ہم الاحزاب: ۳۳ میں لکھ چکے ہیں اس کو آپ ''تبیان القرآن'' ج ۹ ص ۴۳٦۔ ۴۲۷ ملاحظہ فرمائیں۔

بصرہ میں حضرت علی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے درمیان صلح ہو چکی تھیں اور فریقین اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو تلاش کر کے ان سے قصاص لیا جائے گا' قاتلینِ عثمان اور ان کے حامیوں میں سے جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ان کو پریشانی ہوئی کہ اگر یہ دونوں فریق متحد ہو گئے تو پھر ان کی خیر نہیں ہے' سو انہوں نے سازش کی اور جس دن صلح ہوئی تھی اس کے بعد رات کے اندھیرے میں جا کر حضرت عائشہ کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا اور چلا کر کہا کہ علی نے عہد شکنی کی اور دوسروں نے جا کر حضرت علی کے لشکر میں حملہ کر دیا اور چلا کر کہا کہ طلحہ اور زبیر نے عہد شکنی کی اور ان کی سازش کامیاب ہو گئی اور فریقین میں جنگ چھڑ گئی۔

حضرت علی کے دل میں حضرت عائشہ‘ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے احترام کے متعلق احادیث اور آثار

اب ہم متعدد احادیث اور آثار کے ذریعہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جنگ جمل کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کی بہت عزت اور بہت احترام تھا۔

حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہل جمل کے متعلق سوال کیا گیا: کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا: نہیں‘ وہ شرک سے بھاگ چکے ہیں۔ کہا گیا: کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافق اللہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں‘ کہا گیا: پھر وہ کیا ہیں؟ فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۳۵۔ رقم الحدیث: ۳۷۷۵۲‘ دارالکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۱۶ھ)

ابوجعفر بیان کرتے ہیں کہ جنگِ جمل کے دن حضرت علی اور ان کے اصحاب حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم پر رو رہے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۳۶‘ رقم الحدیث: ۳۷۷۶۳‘ تاریخ دمشق ج ۲۷ ص ۸۱)

طلحہ بن مصرف بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ کے چہرے سے مٹی صاف کی‘ پھر حضرت حسن کی طرف مڑ کر کہا: کاش! میں آج سے پہلے مر چکا ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۳۹۔ رقم الحدیث: ۳۷۷۸۵‘ تاریخ دمشق ج ۲۷ ص ۸۱)

حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن فرمایا: اے اللہ! میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا‘ اے اللہ! میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۴۱‘ رقم الحدیث: ۳۷۷۹۰)

عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کاش! میں درخت کی ایک تر شاخ ہوتی اور میں نے یہ سفر نہ کیا ہوتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۴۳۔ رقم الحدیث: ۳۷۸۰۷)

ربعی بن حراش بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے توقع ہے کہ میں اور طلحہ اور زبیر اس آیت کے مصداق ہوں گے:

نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ (الحجر: ۴۷)

ان کے دلوں میں جو (ایک دوسرے کے خلاف) رنجش تھی‘ ہم اس کو نکال دیں گے وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ○

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۴۴۔ رقم الحدیث: ۳۷۸۱۰‘ تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۳۰۹)

ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے دن کہا: کاش! میں اس واقعہ سے بیس سال پہلے مر چکا ہوتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۴۴۔ رقم الحدیث: ۳۷۸۱۳)

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مسلم بن یزید بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی نے اہل بصرہ سے جنگ کی تو ابن جرموز آپ سے اجازت لے کر آیا اور کہا: میں نے زبیر کو قتل کر دیا‘ حضرت علی نے فرمایا: تو نے صفیہ کے بیٹے کو قتل کر دیا‘ تجھے دوزخ کی بشارت ہے‘ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری زبیر تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۰ ص ۳۰۷ 'دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

عبید اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جنگِ جمل کے دن ایک شخص نے آ کر کہا: میں نے طلحہ کو قتل کیا ہے' حضرت علی نے سن کر فرمایا: تمہیں دوزخ کی بشارت ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۷ ص ۸۱ 'بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اس جنگ میں دونوں طرف سے دس ہزار مسلمان قتل کیے گئے' ۵ ہزار ایک طرف سے اور ۵ ہزار دوسری طرف سے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مسلمانوں نے حصار میں لیا ہوا تھا' آپ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور ھودج میں بیٹھی ہوئیں تھیں' جب یہ خطرہ ہوا کہ آپ تیروں کی زد میں آ رہی ہیں تو حضرت علی کے حکم سے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دی گئیں' پھر جنگ رک گئی۔ حضرت علی نے حکم دیا: کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے' نہ کسی گرے ہوئے یا زخمی پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ حضرت علی نے مقتولین کے درمیان سے حضرت عائشہ کا ھودج (پالان) اٹھانے کا حکم دیا اور محمد بن ابی بکر اور عمار کو حکم دیا کہ وہ ام المؤمنین کے لیے خیمہ لگا دیں' محمد بن ابی بکر نے آ کر پوچھا: آپ کو کوئی زخم تو نہیں آیا؟ آپ نے فرمایا: نہیں' پہلے عمار نے آ کر آپ کو سلام کیا اور کہا کہ اے اماں جان! آپ کو سلام ہو' پھر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آ کر آپ کو سلام کیا اور آپ کی خیریت دریافت کی' اور کہا: اللہ آپ کی مغفرت فرمائے' پھر لگاتار مسلمان آ کر آپ کو سلام کرتے رہے' رات کو آپ اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ عبد اللہ بن خلف الخزاعی کے گھر تشریف لے گئیں' آپ تین دن بصرہ میں ٹھہری تھیں' اس کے بعد محمد بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ منورہ چلی گئیں۔ حضرت علی بھی بصرہ کے باہر تین دن تک ٹھہرے پھر آپ نے فریقین کے تمام مقتولین کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور یہ اعلان کر دیا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے اصحاب میں سے کسی کا سامان لوٹا نہیں جائے گا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۱۔ ۳۴۰ 'دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ' تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۵۰۴ 'دار نفائس' ریاض)

حضرت عائشہ ام المؤمنین حج کے لیے مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں وہاں آپ کو خبر ملی تھی کہ باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے آپ کو بتایا کہ انہیں اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو بھی اپنی جانوں کا خطرہ ہے اور ان سے یہ توقع نہیں ہے کہ یہ آپ کی عزت اور احترام کا لحاظ رکھیں گے' آپ ہمارے ساتھ بصرہ چلیں وہاں ہمارے حامی بہت مسلمان ہیں' آپ ان کے اصرار سے بصرہ چلی گئیں' ادھر باغیوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر آپ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے بصرہ میں جمع ہو رہے ہیں' آپ اپنے حامیوں کے ساتھ بصرہ چلیں اور ان کا قلع قمع کر دیں' بصرہ میں فریقین کے درمیان تین دن تک مذاکرات ہوتے رہے اور اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیا جائے گا' باغیوں کو خطرہ ہوا کہ اب ان کی خیر نہیں ہے اور قصاصِ عثمان میں ان سب کو قتل کر دیا جائے گا' انہوں نے سازش کر کے ایک رات دونوں فریقوں پر حملہ کر دیا' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے حامیوں میں یہ نعرہ لگایا کہ علی نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور حضرت علی کے حامیوں میں یہ نداء کی کہ طلحہ اور زبیر نے دھوکا دیا اور یوں غلط فہمی میں جنگ چھڑ گئی اور طرفین سے دس ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔

جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے متعلق حرفِ آخر

میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی یہ دل خراش داستان نہ لکھتا لیکن میں نے دیکھا کہ ان جنگوں کے حوالے سے مسلمانوں میں بہت بے چینی ہے اور عام لوگوں سے یہ سنا کہ صحابہ کرام بھی حصولِ اقتدار کے لیے آپس میں لڑتے رہے تھے تو میں نے سوچا کہ میں اختصار کے ساتھ حقیقتِ حال کو واضح کروں کہ جنگِ جمل قاتلینِ عثمان کی سازش سے غلط فہمی کی بناء پر ظہور میں آئی

اور جنگ صفین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء کے نتیجہ میں ظہور میں آئی' وہ سمجھتے تھے کہ میں حضرت عثمان کا ولی ہوں اور مقتول کے ولی کو قصاص لینے کے لیے لڑنے کا حق ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا. جس کو ظلماً قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو قصاص لینے پر غلبہ دے دیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۳۳)

اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ جب قصاص کے شرعی ثبوت کے بعد حاکم وقت قصاص لینے کا شرعی فیصلہ کر دے تو اس کا ولی قاتل سے قصاص لے سکتا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ قاتل قتل کا اعتراف کرے نہ اس کے قتل کرنے پر گواہ ہوں اور ولی مقتول اندھا قصاص لینے کے لیے حاکم پر دباؤ ڈال کر اس سے جنگ کرنا شروع کر دے۔ بہر حال یہ دونوں مجتہد تھے' حضرت علی کا اجتہاد صحیح اور برحق تھا اور حضرت معاویہ کو اجتہاد میں خطاء ہوئی' اور جنگ جمل اور جنگ صفین میں قتل ہونے والے تمام مسلمان شہید ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاء اجتہادی پر ایک اجر ملے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اجتہاد صائب پر دو اجر ملیں گے اور جہاں تک دیگر فضائل اور اسلامی خدمات کا تعلق ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں وہ اس معاملہ میں حضرت معاویہ سے بہت آگے ہیں بلکہ دونوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین پر محمود عباسی نے'' خلافتِ معاویہ ویزید' تحقیق مزید'' اور'' حقیقت خلافت وملوکیت'' لکھیں اور ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی بہت تنقیص بلکہ توہین کی' پھر سید ابو الاعلیٰ مودودی نے'' خلافت وملوکیت'' کے نام سے کتاب لکھی اور اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت تنقیص بلکہ توہین کی' علاوہ ازیں یہ بہت ضخیم کتابیں ہیں' میں چاہتا تھا کہ میں اس موضوع پر دلائل اور حوالہ جات کے ساتھ اختصار سے ایک مقالہ لکھوں' جس میں فریقین کا صحیح مؤقف بھی سامنے آئے اور جمہور علماء اہل سنت کا نظریہ بھی اور اس میں احادیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کا احترام اور وقار بیان کیا جائے۔ الحمد للہ رب العٰلمین! الحجرات: ۹ کی تفسیر میں میری دیرینہ خواہش پوری ہوئی' اگر میری اس تحریر کو پڑھ کر کوئی ایک شخص بھی حضرت علی یا حضرت معاویہ میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کرنے سے باز آ گیا تو میں سمجھوں گا میری محنت ٹھکانے لگی۔ **وما ذالك على الله بعزيز وما توفيقى الا بالله العلى العظيم' والحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد سيد المرسلين وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته اجمعين.**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مشہور قاتلین

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

عبد الرحمان نے بیان کیا کہ محمد بن ابی بکر دیوار پھاند کر حضرت عثمان کے مکان میں داخل ہوئے' ان کے ساتھ کنانہ بن بشر' سودان بن حمران اور حضرت عمرو بن الحق بھی تھے اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن شریف سے سورۃ البقرہ پڑھ رہے تھے' محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا: اے بڈھے احمق! تجھے اللہ نے رسوا کر دیا' حضرت عثمان نے کہا: میں بڈھا احمق نہیں ہوں' امیر المؤمنین ہوں' محمد بن ابی بکر نے کہا: تجھے معاویہ اور فلاں فلاں نہیں بچا سکے' حضرت عثمان نے کہا: تم میری ڈاڑھی چھوڑ دو' اگر تمہارے باپ ہوتے تو وہ اس ڈاڑھی کو نہ پکڑتے' محمد بن ابو بکر نے کہا: اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ تمہارے افعال سے متنفر ہو جاتا' محمد بن ابی بکر کے ہاتھ میں ایک چوڑے پھل کا تیر تھا وہ انہوں نے حضرت عثمان کی پیشانی میں گھونپ دیا' کنانہ بن بشر کے ہاتھ میں ایسے کئی تیر تھے وہ اس نے آپ کے کان کی جڑ میں گھونپ دیئے' اور وہ تیر آپ کے حلق

کے آر پار ہو گئے' پھر اس نے اپنی تلوار سے آپ کو قتل کر دیا۔ ابوعون نے بیان کیا کہ کنانہ بن بشر نے آپ کی پیشانی اور سر پر لوہے کا ڈنڈا مارا اور سودان بن حمران نے آپ کی پیشانی پر وار کر کے آپ کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمان بن الحارث نے بیان کیا کہ کنانہ بن بشر کے حملہ کے بعد ابھی آپ میں رمقِ حیات تھی' پھر حضرت عمرو بن الحمق آپ کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اور آپ کے سینہ پر نو وار کیے بالآخر آپ کو شہید کر دیا۔ حملہ کے دوران آپ کا خون قرآن مجید کے اوراق پر گرا۔ اٹھارہ ذوالحجہ چھتیس ہجری کو جمعہ کے دن آپ شہید ہوئے (حضرت ابوبکر نے وفات سے چند سال پہلے اسماء بنت عمیس سے شادی کی تھی' ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے' حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد ان سے حضرت علی نے شادی کر لی تھی اور محمد بن ابوبکر' حضرت علی کے پروردہ تھے۔ الاستیعاب ج ۳ ص ۴۲۲)۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۳ ص ۴۲۴۔ ۴۲۳' موسسۃ الاعلمی للمطبوعات' بیروت)

ان مؤرخین نے بھی اسی طرح لکھا ہے: امام ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۵۵۔ ۵۴)' امام ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ (الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۹۰)' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۷۳۔ ۲۷۲)۔

حضرت عثمان کے قاتلین کا دنیا میں انجام

سودان بن حمران کو اسی وقت حضرت عثمان کے غلاموں نے پکڑ کر قتل کر دیا تھا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۹۰)

کنانہ بن بشر کو ۳۶ھ میں حضرت معاویہ کے اس لشکر نے قتل کر دیا تھا جس کو انہوں نے مصر کے لیے تیار کیا تھا۔ (تاریخ دمشق ج ۵۳ ص ۱۹۸)

مالک بن الحارث الاشتر (یہ بھی قاتلین میں سے تھا) کو حضرت علی نے مصر کا گورنر مقرر کیا تھا' ۳۸ھ میں کسی نے اس کو زہر کھلا دیا اور یہ مر گیا۔ اس کے بعد حضرت علی نے محمد بن ابوبکر کو مصر کا گورنر مقرر کیا' پھر ۳۸ھ میں یہ بھی حضرت عمرو بن العاص کے لشکر سے شکست کھا کر قتل کر دیا گیا' پھر اس کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا گیا۔

(الاستیعاب ج ۳ ص ۴۲۳' تاریخ الامم والملوک ج ۴ ص ۷۹' تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۵۲۲' دارالنفائس' ریاض' ۱۴۱۹ھ)

سید مودودی لکھتے ہیں:

حضرت علی نے مالک بن الحارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دیئے درآں حالیکہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے' حضرت علی کے پورے نظامِ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک ایسا کام نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۴۶)

علامہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور ہجرت کی' بعد میں انہوں نے کوفہ کو مسکن بنا لیا' انہوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا' زیاد کے زمانہ میں یہ موصل چلے گئے اور غار میں جا کر چھپ گئے' وہاں ان کو سانپ نے ڈس لیا' زیاد کے عامل نے ان کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس بھیج دیا' اس نے وہ سر حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیا' اللہ ان کی مغفرت فرمائے' یہ پچاس ہجری کا واقعہ ہے۔ (الاستیعاب ج ۳ ص ۲۵۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے لکھا ہے: اصل قاتل کنانہ بن بشر تھا اور حضرت عمرو بن الحمق نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نیزوں کے متعدد وار کیے تھے۔ (تاریخِ ابن خلدون ج ۲ ص ۴۹۰)

مؤمنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں

الحجرات: ۱۰ میں ارشاد فرمایا: بے شک سب مؤمن آپس میں بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے

رہوتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

مؤمنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو رسوا کرے' جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے' اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور فرمادے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے' قیامت کے دن اللہ اس کا پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے دیوار کی طرح ہے اس کے اجزاء ایک دوسرے سے مضبوط ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص مؤمن نہیں ہے جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مؤمنوں کو دیکھو گے کہ وہ ایک دوسرے پر رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ دوستی نبھانے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں جب جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم درد اور بخار سے کراہتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۸)

نیز حضرت نعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مؤمنین ایک شخص کی طرح ہیں جب اس کی آنکھ میں تکلیف ہوگی تو سارے جسم میں تکلیف ہوگی اور اگر اس کے سر میں درد ہو تو سارے جسم میں درد ہوگا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا

اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے' ہو سکتا ہے کہ وہ ان (مذاق

خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا

اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور تم

تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ

ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو' اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے بلاؤ' ایمان کے بعد فاسق کہلانا کتنا بُرا نام ہے

بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں○ اے ایمان والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ

اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ

ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو' کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے

اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

مردہ بھائی کا گوشت کھائے' سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا'

اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

بے حد رحم فرمانے والا ہے○ اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو قومیں اور

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

قبیلے بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو' بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو'

اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿١٣﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ

بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا بے حد خبر رکھنے والا ہے○ دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے' آپ کہیے کہ

لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

تم ایمان نہیں لائے ہاں! یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا'

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی تو اللہ تمہارے (نیک) اعمال سے کوئی کمی نہیں کرے گا' بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ

بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○ (حقیقی) ایمان لانے والے تو صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ

لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا'

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی

وہی سچے ہیں O (اے رسولِ مکرم!) آپ کہیے: کیا تم اللہ کو اپنا دین بتلا رہے ہو؛ حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے؛ اور اللہ ہر چیز کو بے حد جاننے والا ہے O (اے رسولِ مکرم!) یہ آپ پر

عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ

اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں آپ کہیے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ؛ بلکہ اللہ تم پر احسان

اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ

فرماتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی ہدایت دے دی؛ اگر تم سچے ہو O بے شک اللہ تمام آسمانوں اور تمام

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

زمینوں کے کل غیب جانتا ہے؛ اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے؛ ہوسکتا ہے کہ وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں؛ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے بلاؤ؛ ایمان کے بعد فاسق کہلانا بُرا نام ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں O اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو؛ بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو؛ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو ناپسند کرو گے؛ اور اللہ سے ڈرتے رہو؛ بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا؛ بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الفتح: ۱۲-۱۱)

مذاق اڑانے کی ممانعت

اس آیت میں ''لا یسخر'' کا لفظ ہے؛ اس کا مصدر ہے: ''سخریہ'' اس کا معنی ہے: مذاق اڑانا اور کسی شخص کی تحقیر کرنا اور اس کا استخفاف کرنا؛ اور اس کو درجہ اعتبار سے ساقط قرار دینا؛ قوم کا معنی ہے: مردوں کی جماعت اور ان کا گروہ اور بعض اوقات اس سے مطلقاً گروہ مراد ہوتا ہے؛ خواہ اس میں مرد ہوں یا عورتیں۔

ضحاک نے بیان کیا کہ یہ آیت بنو تمیم کے متعلق نازل ہوئی ہے؛ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فقراء صحابہ کا مذاق اڑاتے تھے جب وہ حضرت عمار؛ حضرت خباب؛ حضرت بلال؛ حضرت صہیب اور حضرت سلمان پر افلاس کے آثار دیکھتے تو ان کا مذاق اڑاتے تھے؛ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے؛ تو وہ انصار کی جس مجلس سے بھی

گزرتے تو لوگ کہتے کہ یہ ابوجہل کا بیٹا ہے' تب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔
(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۳ ص ۱۸۵۔ رقم الحدیث: ۸۸۳۸)

علامہ قرطبی نے اس حدیث کا بھی اس آیت کے شانِ نزول میں ذکر کیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ کسی آدمی میں فقر کے آثار دیکھ کر اس کا مذاق نہ اڑایا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتنے ہی لوگوں کے بال بکھرے ہوئے' غبار آلود ہوتے ہیں ان کے پاس دو چادریں ہوتی ہیں اور ان کو کوئی پناہ نہیں دیتا' وہ اگر قسم کھالیں کہ اللہ فلاں کام کرے گا تو اللہ وہ کام کر کے ان کو قسم میں سچا کر دیتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۵)

عورتوں کا خصوصیت کے ساتھ علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ عورتوں میں دوسری عورتوں کا مذاق اڑانے کی خصلت بہت زیادہ ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے قد ہونے کی وجہ سے ان کو شرمندہ کیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ حضرت ام سلمہ کا قد چھوٹا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: ازواج مجھے شرمندہ کرتی ہیں اور کہتی ہیں: اے یہودیہ! دو یہودیوں کی بیٹی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: آپ نے ان سے یہ کیوں نہیں کہا کہ میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام اور میرے عم زاد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور میرے خاوند حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۸۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ دنیا میں لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے آخرت میں ان کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا: آؤ! آؤ! وہ اپنے غم اور پریشانی کے باوجود وہاں جائیں گے اور جب وہاں پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا' پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: آؤ! آؤ! وہ اپنے غم اور پریشانی کے باوجود وہاں جائیں گے اور جب وہاں پہنچیں گے تو وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا اور یونہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: آؤ! اور وہ مایوس ہو کر نہیں جائے گا۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۳)

ایک دوسرے کو طعنہ دینے اور عیب سے متصف کرنے کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے بلاؤ۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "ولا تلمزوا انفسکم" یعنی تم اپنے آپ کو عیب نہ لگایا کرو' اس پر یہ اشکال ہے کہ اپنے آپ کو تو کوئی عیب نہیں لگاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان کسی دوسرے پر عیب لگائے گا اور اس کو طعنہ دے گا تو وہ بھی اس پر عیب لگائے گا' سو کسی پر عیب لگانا خود پر عیب لگانے کا سبب ہے' اس لیے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ' جیسے کسی کے ماں باپ کو گالی دینا اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے یہ

ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے' صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ کسی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا' یہ کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۴)

فاسق معلن کا فسق بیان کرنے کا جواز

کسی شخص کو عیب سے متصف کرنا اس وقت جائز نہیں ہے جب اس کو عیب لگانے سے اس کی تحقیر کرنا اور لوگوں کی نظروں میں اس کو ذلیل اور رسوا کرنا مقصود ہو اور جب فاسق کے ضرر سے لوگوں کو بچانا مقصود ہو تو پھر اس کے فسق کو بیان کرنا جائز ہے' مثلاً ایک شخص خائن ہو اور لوگ اس کو امانت دار سمجھ کر اس کے پاس بڑی رقم امانت رکھوانا چاہتے ہوں اور ان کو اس کے خائن ہونے کا علم نہ ہو تو پھر اس کی خیانت کو بیان کرنا جائز ہے' تا کہ لوگ اس کے ضرر سے بچیں یا کوئی متقی اور پرہیز گار شخص کسی شخص کو نیک اور نمازی سمجھ کر اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دینا چاہتا ہو اور وہ شخص شرابی اور زانی ہو تو رشتہ دینے والے شخص کو اس کا فسق بیان کر دینا ضروری ہے تا کہ وہ اور اس کی بیٹی اس کے ضرر سے بچ سکیں' حدیث میں ہے:

بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم فاسق (کے فسق) کو بیان کرنے سے ڈرتے ہو؟ اس کے فسق کو بیان کرو تا کہ لوگ اس کو پہچان لیں' نیز اسی سند سے مروی ہے' فاسق کے فسق کا ذکر کرنا غیبت نہیں ہے (اس سے مراد فاسق معلن ہے)۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹۔ رقم الحدیث: ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۰' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۴۳۰' تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۸۲' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۰)

امام غزالی نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

کیا تم فاسق کے ذکر سے اعراض کرتے ہو' پھر لوگ اس کو کیسے پہچانیں گے؟ اس میں جو فسق ہے اس کو بیان کرو تا کہ لوگ اس کو پہچان کر اس (کے ضرر) سے بچیں۔ (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۳۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام محمد بن محمد سید محمد بن محمد حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی فاسق کا پردہ چاک کرو اور اس کے مذموم اوصاف کو کھول کر بیان کرو تا کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں اور فاسق معلن کے مذموم اوصاف کو بیان کیے بغیر اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے اور اس سے صرف لوگوں کی خیر خواہی مقصود ہو' ہاں! جس شخص نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اور اپنے نفس کا انتقام لینے کے لیے فاسق معلن کی مذموم صفات کو بیان کیا وہ گناہ گار ہو گا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۵۶۔ ۵۵۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارنے کی ممانعت

نیز فرمایا: اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے بلاؤ۔

اس آیت میں ''تنابزوا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کسی شخص کو کوئی لقب دینا عام ازیں کہ وہ لقب اچھا ہو یا بُرا' لیکن عرف میں یہ لفظ بُرے لقب دینے کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

عکرمہ نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو کہے یا فاسق' یا کہے یا کافر' تو یہ ممنوع ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی بُرے کام کو چھوڑ کر اس سے توبہ کر چکا ہو اور حق کی طرف رجوع کر چکا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے پچھلے کاموں پر عار دلانے سے منع فرمایا۔

(جامع البیان جز ۲۶ ص ۱۷۲ 'دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو اس کے کسی گناہ پر شرمندہ کیا (امام احمد نے کہا: اس سے مراد ایسا گناہ ہے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو) تو وہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۵)

الحجرات: ۱۲ میں فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو' کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے' سو تم اس کو ناپسند کرو گے' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

مسلمان کے متعلق بدگمانی کے حرام ہونے پر دلائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گمان کرنے سے بچو کیونکہ گمان کرنا سب سے جھوٹی بات ہے اور تجسس نہ کرو اور (کسی کے حالات جاننے کے لیے) تفتیش نہ کرو اور کسی سے حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اور نہ کسی سے بغض رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ ایک روایت میں ہے: اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۶۵ ـ ۶۰۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۸۵' عالم الکتب)

بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں اور مذکور الصدر حدیث میں گمان کی ممانعت سے مراد بدگمانی سے منع کرنا ہے اور کسی پر تہمت لگانے سے منع کرنا ہے' مثلاً کوئی شخص بغیر کسی قوی دلیل کے اور بغیر کسی سبب موجب کے یہ گمان کرے کہ وہ شراب پیتا ہے یا زنا کرتا ہے یا اور کوئی بے حیائی کا کام کرتا ہے۔ یعنی ایسے ہی کسی کے دل میں خیال آجائے کہ فلاں شخص فلاں بُرا کام کرتا ہے تو یہ بدگمانی ہے۔

بعض گمان صحیح ہوتے ہیں اور بعض گمان فاسد ہوتے ہیں' ان میں فرق یہ ہے کہ جس گمان کی کوئی صحیح علامت نہ ہو اور اس کا کوئی ظاہر سبب نہ ہو وہ بدگمانی ہے اور حرام ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جس شخص کے متعلق معروف اور مشہور یہ ہو کہ وہ نیک آدمی ہے یا اس کا حال مستور ہے اور کوئی شخص محض کسی شبہ کی وجہ سے اس کے متعلق بدگمانی کرے' جیسے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق منافقوں اور بعض مسلمانوں نے محض اس شبہ کی وجہ سے بدگمانی کی کہ وہ قافلہ سے بچھڑ گئی تھیں اور بعد میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدگمانی کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ O (النور: ۱۲)

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جیسے ہی تم نے اس بات (حضرت عائشہ پر بے حیائی کی تہمت) کو سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیا ہوتا اور یہ کہا ہوتا کہ یہ صریح بہتان ہے O

اسی طرح جب چھ ہجری کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے مکہ روانہ ہوئے اور صلح حدیبیہ کا واقعہ ہوا' تو منافق آپ کے ساتھ اس شبہ کی وجہ سے نہیں گئے تھے کہ یہ بغیر ہتھیار لیے مشرکین کی طرف جا رہے ہیں اور مسلمانوں کے متعلق یہ بدگمانی کی کہ وہ مارے جائیں گے اور اب واپس مدینہ نہیں آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدگمانی کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ○ (الفتح: ۱۲)

بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ اب رسول اور مؤمنین کبھی بھی اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹ سکیں گے اور یہی گمان تمہارے دلوں میں خوش نما بن گیا تھا' اور تم نے بہت بُرا گمان کیا تھا اور (دراصل) تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو○

اور حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بے شک اللہ نے مسلمان کے خون اور اس کی عزت اور اس کی جان کو حرام کر دیا ہے اور فرمایا: مسلمانوں کے متعلق خیر کے سوا اور کوئی گمان نہ کیا جائے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی کے متعلق (بد) گمانی کرو تو اس کی تحقیق نہ کرو' اور حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: کسی مسلمان شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کوئی بات سن کر اس کے متعلق بدگمانی کرے جب کہ اس کی بات کا کوئی نیک محمل نکل سکتا ہو' اور سفیان نے کہا: ظن کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ظن ہے جس میں گناہ ہے' اور ایک وہ ظن ہے جس میں گناہ نہیں ہے' جس ظن میں گناہ ہے یہ وہ ظن ہے جس کے موافق کلام کیا جائے اور جس ظن میں گناہ نہیں ہے یہ وہ ظن ہے جس کے موافق کلام نہ کیا جائے۔

(التمہید ج ۷ ص ۲۱۱۔ ۲۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو بدگمانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۳' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۵۷۵)

ظن اور گمان کے جواز اور عدم جواز کے محمل

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

شیطان آدمی کے دل میں بدگمانی ڈالتا ہے تو مسلمان کو چاہیے کہ وہ شیطان کی تصدیق نہ کرے اور اس کو خوش نہ کرے حتیٰ کہ اگر کسی کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو تو پھر بھی اس پر حد لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے شراب کا ایک گھونٹ پی کر کلی کر دی ہو یا کسی نے اس کو جبراً شراب پلا دی ہو اور اس کا احتمال ہے' تو وہ دل سے بدگمانی کی تصدیق کر کے شیطان کو خوش نہ کرے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر مسلمان کے خون کو' اس کے مال کو اور اس کے متعلق بدگمانی کو حرام کر دیا ہے' اس لیے جب تک وہ خود کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے یا اس پر دو نیک گواہ قائم نہ ہو جائیں اس وقت تک مسلمان کے متعلق بدگمانی کرنا جائز نہیں ہے اور جب اس طرح نہ ہو اور شیطان تمہارے دل میں کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی کا وسوسہ ڈالے تو تم اس وسوسہ کو دور کرو اور اس پر جمے رہو کہ اس کا حال تم سے مستور ہے اور اس شخص کے حق میں نیکی پر قائم رہنے اور گناہ سے باز رہنے کی دعا کرو اور شیطان کو ناکام اور نامراد کر کے اس کو غضب میں لاؤ۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص نیکی میں مشہور ہو تو اس کے متعلق بدگمانی جائز نہیں اور جو علانیہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور فسق میں مشہور ہو اس کے متعلق بدگمانی کرنا جائز ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۳۰۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام غزالی کا قول صائب اور صحیح ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:
جو گمان ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نیک مسلمانوں کے متعلق بُرا گمان کیا جائے اور جس گمان کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس حکم کے حصول کی دلیل قطعی میسر نہ ہو اور کسی معاملہ میں اس پر حکم نافذ کرنا مقصود ہو تو اس معاملہ میں ظن غالب پر عمل کر کے حکم نافذ کرنا واجب ہے جس طرح ہم پر واجب ہے کہ ہم نیک مسلمانوں کی شہادت قبول کریں (اور ان کا نیک ہونا ظن غالب سے معلوم ہوگا) اور جنگل میں غور وفکر کر کے ظن غالب سے سمت قبلہ معلوم کرنا' اسی طرح اگر محرم نے کسی جانور کا شکار کر کے اس کو ہلاک کر دیا اور شریعت میں اس جانور کی مقدار اور قیمت متعین نہیں ہے تو اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے ظن غالب سے اس کی قیمت کا تعین کرنا۔ اس قسم کی مثالوں میں ہمیں ظن غالب کے تقاضے پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اور جو ظن مباح ہے وہ یہ ہے کہ جب امام کو رکعات کی تعداد میں شک پڑ جائے تو وہ غور وفکر کرے اور جتنی تعداد پر ظن غالب ہو اس پر عمل کرے' اگرچہ دوبارہ نماز پڑھنا افضل ہے اور جو ظن مستحب ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے متعلق نیک گمان کرے' خواہ لوگ اس کو بلا دلیل بُرا کہہ رہے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے کی ممانعت

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور تجسس نہ کرو یعنی کسی مسلمان کے عیوب اور اس کی کوتاہیوں کو تلاش نہ کرو۔
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مسلمان کے ظاہر حال پر عمل کرو اور اس کے عیوب کو تلاش نہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے جس مسلمان کے عیوب پر پردہ رکھا ہوا ہے اس کے پردہ کو چاک نہ کرو۔ حدیث میں ہے:
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم لوگوں کے عیوب تلاش کرو گے تو تم ان کو خراب کر دو گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۸۸)
زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی تھی' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم کو تجسس کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہوگی تو ہم اس کے تقاضے پر عمل کریں گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۰)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کے عیوب پر پردہ رکھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۶)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم اپنے ساتھی کے عیوب کا ذکر کرو تو اپنے عیوب کو یاد کرو۔
(الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۲۸' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۴)
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی شخص کے گمراہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ لوگوں میں وہ چیزیں دیکھے جو اس کو اپنے اندر نظر نہیں آتیں اور جو کام وہ خود کرتا ہے ان کاموں پر دوسروں کی مذمت کرے' اور لایعنی باتوں سے اپنے ہم نشین کو ایذاء پہنچائے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۵)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کو بھول جاتا ہے۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۳۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۶۱' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۹۹)

عام لوگوں کے لیے لوگوں کے احوال کو تلاش کرنا ممنوع ہے لیکن حکومت داخلی اور خارجی معاملات کی حفاظت کے لیے جاسوسی کا محکمہ قائم کرے تو یہ جائز ہے۔

ملک کے داخلی اور خارجی استحکام کے لیے محکمہ جاسوسی قائم کرنے کا جواز

ملک کے داخلی معاملات کی اصلاح کے لیے جاسوس مقرر کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' حضرت زبیر کو اور حضرت مقداد کو بھیجا' اور فرمایا: تم روانہ ہو حتیٰ کہ روضۃ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک باغ) میں پہنچ جاؤ' وہاں ایک مسافرہ ہوگی' اور اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ اس سے لے کر قبضہ میں کرلو' ہم گھوڑے دوڑاتے ہوئے گئے حتیٰ کہ ہم اس باغ میں پہنچ گئے' ہم نے اس سے کہا کہ خط نکالو' اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے' ہم نے کہا: تم خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے' پھر اس نے اپنے بالوں کے جوڑے کے اندر سے خط نکالا' ہم اس خط کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' اس خط میں لکھا تھا: یہ مکتوب حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے مشرکینِ مکہ کی جانب ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض کارروائیوں کی خبر دی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے حاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے خلاف کارروائی میں جلدی نہ کریں میں قریش کے قبیلہ سے نہیں ہوں' لیکن میں وہیں رہتا تھا اور مہاجرین کی مکہ میں رشتہ داریاں ہیں جن کی وجہ سے ان کے اہل اور مال محفوظ رہیں گے اور میری ان کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں تھی تو میں نے چاہا کہ میں ان پر کوئی احسان کردوں تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کی وہاں حفاظت کریں' میں نے یہ کام کسی کفر یا ارتداد کی وجہ سے یا اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے نہیں کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے تم سے سچ کہا ہے' حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' آپ نے فرمایا: یہ شخص غزوہ بدر میں شریک تھا' اور تمہیں کیا پتا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم جو چاہو کرو' میں نے تم کو بخش دیا ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۵۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۸۵)

علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اگر مسلمان مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرے تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اگر اس کا عذر صحیح ہو تو اس کو معاف کر دیا جائے گا اور اگر کافر مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۳۵۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور دشمن ملک کی طرف جاسوس روانہ کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس جاسوس روانہ کیے اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری کو ان کا امیر بنا دیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۰)

غیبت کی تعریف اور غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دینا

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو' کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو ناپسند کرو گے۔

اس آیت میں اللہ عزوجل نے غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے' غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لیے اس کی پیٹھ پیچھے اس کا وہ عیب بیان کیا جائے جو اس میں ہو اور اگر کسی غرض صحیح سے اس کا عیب بیان کیا جائے

تو وہ غیبت نہیں ہے اور اگر اس کے متعلق ایسا عیب بیان کیا جائے جو اس میں نہیں ہے تو پھر وہ بہتان ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرو جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہے' کہا گیا: یہ بتائیں اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اگر تم جو عیب بیان کر رہے ہو وہ عیب اس میں ہو جب ہی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہیں ہے تو پھر وہ بہتان ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۷۴)

بہتان اور تہمت ایک ہی چیز ہیں اس کی مثال وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تھی' غیبت کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے' اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ (جن کو زنا کا اعتراف کرنے کے بعد رجم کر دیا گیا تھا) کے اصحاب میں سے دو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان میں سے ایک شخص نے کہا: دیکھو! اس شخص (حضرت ماعز) پر اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا تھا' اور اس شخص نے خود اپنی جان نہیں چھوڑی حتیٰ کہ اسے کتے کی طرح سنگسار کر دیا گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' پھر آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ ایک مردہ گدھے کے پاس سے گزرے' آپ نے فرمایا: وہ فلاں' فلاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم یہاں ہیں' یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: آؤ اور اس مردہ گدھے کو کھاؤ' انہوں نے کہا: یا نبی اللہ! اس کو کون کھائے گا؟ آپ نے فرمایا: تم نے جو ابھی اپنے بھائی کی عزت پامال کی ہے وہ اس مردہ کو کھانے سے زیادہ سخت تھی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! وہ تو اب جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۲۸)

غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دینے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کی مثال مردار کھانے سے دی ہے' کیونکہ جس طرح جس مردار کا گوشت کھایا جائے اس کو علم نہیں ہوتا کہ اس کا گوشت کھایا جا رہا ہے' اسی طرح جس شخص کا پسِ پشت عیب بیان کیا جائے اس کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ اس کا پسِ پشت عیب بیان کیا جا رہا ہے' نیز جس طرح مردار کا گوشت کھانا حرام ہے اور گھناؤنا فعل ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی حرام ہے اور گھناؤنا فعل ہے نیز کسی مسلمان کی جب غیبت کی جائے تو وہ اپنے واقف لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور رسوا ہو جاتا ہے اور کسی مسلمان کو بے عزت کرنا اس کو قتل کر دینے کے مترادف ہے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر جس طرح ایک دوسرے کی جان اور مال کو حرام کیا ہے' اسی طرح اس کی عزت کو بھی حرام کیا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں کو اور تمہاری عزتوں کو ایک دوسرے پر اس طرح حرام کر دیا ہے جیسے آج کے دن' اس مہینہ میں تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۸۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۱۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۳)

نیز اس آیت کا یہ معنی بھی ہے: جس طرح تم میں سے کوئی شخص مردار کھانے سے اجتناب کرتا ہے اسی طرح اس کو غیبت کرنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

غیبت کرنے پر عذاب کی وعیدیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے پیتل کے ناخن تھے اور وہ ان ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے' میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۷۸)

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان شخص کا گوشت کھایا' اللہ تعالیٰ اس کو اتنی ہی دوزخ کی آگ کھلائے گا' اور جس شخص نے کسی مسلمان شخص کا (حرام) کپڑا پہنا' اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی دوزخ کا کپڑا پہنائے گا' اور جس نے کسی شخص کو دکھاوے اور ستانے کے لیے کھڑا کیا' اللہ سبحانہٗ اس کو قیامت کے دن دکھاوے اور ستانے کے لیے کھڑا کرے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۸۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مؤمن یا مؤمنہ پر بہتان باندھا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن خبال (دوزخ کے ایک طبقہ کی کیچڑ) میں بند رکھے گا حتیٰ کہ وہ اپنے بہتان سے نکل آئے' اور وہ اس سے نہیں نکل سکے گا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۴۳۵' تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۰۱' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۲۴۶۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۹۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا اس کے پاس اس کے بھائی کا گوشت لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: تم جس طرح دنیا میں اپنے زندہ بھائی کا گوشت کھاتے تھے اب مردہ کا گوشت کھاؤ' وہ اس کو چیخ مارتا ہوا اور منہ بگاڑتا ہوا کھائے گا۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۶۷۷' اس حدیث کی روایت میں مجہول راوی بھی ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۱۲۹)

حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! غیبت کرنا زنا سے زیادہ سخت گناہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ایک آدمی زنا کرتا ہے' پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی حتیٰ کہ جس کی غیبت کی ہے وہ اس کو معاف نہ کر دے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۳۰۶' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۱۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۸۷۴)

یحییٰ بن جابر بیان کرتے ہیں کہ جس نے کسی شخص کا عیب بیان کیا اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی عیب میں مبتلا کر دیتا ہے۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۵۴)

مالک بن دینار کہتے تھے کہ کسی شخص کے برے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ خود نیک نہ ہو اور نیک لوگوں کی برائی کرتا ہو۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۵۹)

غیبت کا کفارہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس کے لیے استغفار کرو جس کی غیبت کی ہے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۸' اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۳۰۳)

عبداللہ بن مبارک نے کہا: جب کوئی شخص کسی کی غیبت کرے تو اس کو نہ بتائے لیکن اللہ سے استغفار کرے۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۶۶)

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم نے جس کی غیبت کی ہے اس کے لیے استغفار کرو۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۷۳۶)

جن صورتوں میں پس پشت عیب بیان کرنا جائز ہے

شعبہ نے کہا: شکایت کرنے کے لیے اور لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۷۳۲)

ابن عیینہ نے کہا: تین آدمیوں کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے (۱) ظالم حکمران (۲) جو شخص لوگوں کے سامنے اللہ کی نافرمانی کرتا ہو (۳) وہ بدعتی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۷۳۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

جس سبب صحیح اور غرض شرعی کو کسی کا پس پشت عیب بیان کیے بغیر پورا نہ کیا جا سکے اس غرض کو پورا کرنے کے لیے غیبت کرنا مباح ہے اور اس کے چھ اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ مظلوم اپنی دادرسی کے لیے سلطان' قاضی یا اس کے قائم مقام شخص کے سامنے ظالم کا ظلم بیان کرے کہ فلاں شخص نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی برائی کو ختم کرنے اور بدکار کو نیکی کی طرف راجع کرنے کے لیے کسی صاحب اقتدار کے سامنے اس کی غیبت کی جائے کہ فلاں شخص یہ بُرا کام کرتا ہے اس کو اس بُرائی سے روکو اور اس سے مقصود صرف بُرائی کا ازالہ ہو' اگر یہ مقصد نہ ہو تو غیبت حرام ہے۔ تیسرا سبب ہے استفسار' کوئی شخص مفتی سے پوچھے: فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ ظلم یا یہ بُرائی کی ہے کیا یہ جائز ہے؟ میں اس ظلم سے کیسے نجات پاؤں؟ یا اپنا حق کس طرح حاصل کروں؟ اس میں بھی افضل یہ ہے کہ اس شخص کی تعیین کیے بغیر سوال کرے کہ ایسے شخص کا کیا شرعی حکم ہے؟ تاہم تعیین بھی جائز ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کو کسی شخص کے ضرر سے بچانا اور اس کی متعدد صورتیں ہیں (ا) مجروح راویوں پر جرح کرنا اور فاسق گواہوں کے عیوب نکالنا' یہ اجماع مسلمین سے جائز ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے واجب ہے (ب) کوئی شخص کسی جگہ شادی کرنے کے لیے مشورہ کرے' یا کسی شخص سے شراکت کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پاس امانت رکھنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پڑوس میں رہنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص سے کسی بھی قسم کا معاملہ کرنے کے لیے مشورہ کرے اور اس شخص میں کوئی عیب ہو تو مشورہ دینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس عیب کو ظاہر کر دے (ج) جب انسان یہ دیکھے کہ ایک طالب علم کسی بدعتی یا فاسق سے علم حاصل کر رہا ہے اور اس سے علم حاصل کرنے میں اس کے ضرر کا اندیشہ ہے تو وہ اس کی خیر خواہی کے لیے اس بدعتی یا فاسق کی بدعت اور فسق پر اسے متنبہ کرے۔ (د) کسی ایسے شخص کو علاقہ کا حاکم بنایا ہوا ہو جو اس منصب کا اہل نہ ہو' اس کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دے سکتا ہو یا غافل ہو یا اور کوئی عیب ہو تو ضروری ہے کہ حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کے عیوب بیان کیے جائیں' تاکہ اہل اور کارآمد شخص کو حاکم بنایا جا سکے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص علی الاعلان فسق و فجور اور بدعات کا ارتکاب کرتا ہو' مثلاً شراب نوشی' جواء کھیلنا' لوگوں کے اموال لوٹنا وغیرہ تو ایسے شخص کے ان عیوب کو پس پشت بیان کرنا جائز ہے' جن کو وہ علی الاعلان کرتا ہو' ان کے علاوہ اس کے دوسرے عیوب کو بیان کرنا جائز نہیں ہے اور چھٹا سبب ہے تعریف اور تعیین مثلاً کوئی شخص اعرج (لنگڑے)' اصم (بہرے)' اعمٰی (اندھے)' احول (بھینگے) کے لقب سے مشہور ہو تو اس کی تعریف اور تعیین کے لیے اس کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ کرنا جائز ہے اور اس کی تنقیص کے ارادے سے ان اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر جائز نہیں ہے اور اگر اس کی تعریف اور تعیین کسی اور طریقہ سے ہو سکے پھر بھی اس عیب کا ذکر جائز نہیں ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۵۸۱۔۵۷۹' کراچی)

غیبت کے موضوع پر اس سے بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ میں نے "شرح صحیح مسلم" ج ۷ ص ۱۶۷ تا ۱۹۶ میں لکھا ہے۔ شاید قارئین کو اس سے زیادہ بحث کہیں نہ ملے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو قوموں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو' بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو' بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا بے حد خبر رکھنے والا ہے O دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے' آپ کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے' ہاں! یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا' اور اگر تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی تو اللہ تمہارے (نیک) اعمال سے کوئی کمی نہیں کرے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O
(الحجرات: ۱۴۔۱۳)

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
امام ابوداؤد نے اپنی "مراسیل" میں امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں زہری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی عورت کا ابو ہند سے نکاح کر دیں' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنی بیٹیوں کا اپنے آزاد شدہ غلاموں سے نکاح کر دیں؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا' الآیۃ۔
زہری نے کہا: یہ آیت بالخصوص ابو ہند کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگاتا تھا (الیٰ قولہ)' یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نسب پر فخر نہیں کرنا چاہیے' احادیث میں بھی اس کی صراحت ہے۔
علامہ آلوسی اس بحث میں مزید لکھتے ہیں:
امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے باپ دادا کی وجہ سے جاہلیت کی نخوت اور تکبر کو دور کر دیا ہے' تم سب آدم اور حوا کی اولاد ہو جس طرح دو صاع برابر برابر ہوتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو پس تمہارے پاس جو بھی ایسا شخص آئے جس کے دین اور امانت پر تم راضی ہو اس سے (اپنی لڑکیوں کا) نکاح کر دو۔ اس حدیث کو امام احمد اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے' لیکن امام احمد کی روایت میں "تمہارے پاس جو بھی آئے" یہ الفاظ نہیں ہیں۔
(شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۹۔۲۸۸' طبع بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو بیاضہ! ابو ہند سے نکاح کر دو' انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنی لڑکیوں کا اپنے (آزاد شدہ) غلاموں سے نکاح کر دیں؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰی" (الحجرات: ۱۳)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۴۔۱۶۳' مصر)
علامہ قرطبی مالکی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ (یہ بدری صحابی تھے) نے سالم کو اپنا بیٹا بنایا اور ان کے ساتھ اپنے بھائی ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی (ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ قرشیہ) کا نکاح کر دیا' حالانکہ سالم انصار کی ایک عورت کے آزاد شدہ غلام تھے اور حضرت ضباعہ بنت الزبیر (یہ ہاشمی خاتون تھیں) حضرت

مقداد بن اسود کے نکاح میں تھیں (یہ غیر قرشی تھے)۔(صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۶۲ 'طبع کراچی' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۸۸ 'بیروت)
میں کہتا ہوں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف (قرشی) کی بہن حضرت بلال کے عقد میں تھیں اور حضرت زینب بنت جحش' حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں' ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ آزاد شدہ غلاموں سے عرب عورتوں کا نکاح جائز ہے۔ اور کفاءۃ کا اعتبار صرف دین میں ہے۔(الیٰ قولہ) حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابوبکر سے ان کی صاحبزادی کا رشتہ مانگا تو انہوں نے منظور کر لیا' اور حضرت سلمان فارسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی کا رشتہ مانگا تو ان پر یہ امر دشوار ہوا' پھر حضرت عمر نے خود حضرت سلمان سے نکاح کی درخواست کی' لیکن حضرت سلمان نے نکاح نہیں کیا' حضرت بلال نے بکیر کی بیٹی کا رشتہ مانگا' اس کے بھائیوں نے انکار کیا' حضرت بلال نے کہا: یارسول اللہ! مجھے بنو بکیر سے کیا سانحہ پیش آیا؟ میں نے ان کی بہن کا رشتہ مانگا' انہوں نے مجھے انکار کر دیا اور مجھ کو اذیت دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کی وجہ سے غضب ناک ہوئے' یہ خبران لوگوں کو پہنچی تو وہ اپنی بہن کے پاس گئے اور کہا: تمہاری وجہ سے ہمیں کیسی پریشانی ہوئی ہے؟ ان کی بہن نے کہا: میرا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے' پھر انہوں نے اس کا نکاح کر دیا' اور جب ابوہند نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی تو آپ نے اس کے متعلق فرمایا: ابوہند سے نکاح کرو اور اس کی طرف رشتہ کرو' حالانکہ ابوہند بنو بیاضہ کا آزاد شدہ غلام تھا۔ اور امام دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ابوہند بنو بیاضہ کا آزاد شدہ غلام تھا جو فصد لگاتا تھا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنے سے خوش ہو جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی تصویر بنائی ہو وہ ابوہند کو دیکھ لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنو بیاضہ سے) فرمایا: اس کے ساتھ نکاح کر دو۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی اس آیت کا یہی شانِ نزول بیان کیا ہے۔(المغنی ج ۷ ص ۲۲۶' اسی طرح علامہ سیوطی شافعی نے ''الدر المنثور'' ج ۷ ص ۵۰۸۔۵۰۳ میں اور انہوں نے ذات پات کا امتیاز نہ کرنے پر وہ تمام احادیث بیان کی ہیں جن کو ہم ذکر کر رہے ہیں۔)

استدلال مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

بعض اہل علم لکھتے ہیں:

مذکورہ آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے پر طعن کریں' نام بگاڑیں' ایک دوسرے کے نسب پر چوٹیں کریں اور ایک دوسرے کو برے القاب و اوصاف سے ایذاء پہنچائیں یا تمسخر اڑائیں' ان سب خرابیوں کے ازالہ کے لیے آیت میں ارشاد ہوا کہ خدا کے نزدیک تمہارے کام آنے والی اصل چیز تقویٰ اور ایمان ہیں جن کا ظہور مکمل طور پر دارِ آخرت میں ہوگا۔

اس کلام کی متانت سے ہمیں انکار نہیں' لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ اس آیت کا نزول ابوہند کے بارے میں ہوا' جب بنو بیاضہ نے اس کے غلام ہونے کی وجہ سے اس کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں حالانکہ وہ ایک فصد لگانے والا غلام تھا اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' جیسا کہ علامہ آلوسی حنفی' علامہ عینی حنفی' علامہ قرطبی مالکی' علامہ سیوطی شافعی اور علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے۔ لہٰذا اس آیت کے شانِ نزول سے بھی یہ ثابت ہوا کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔

عہدِ رسالت میں غیر کفو میں نکاح کے بہ کثرت واقعات ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نکاح کے موقع پر یہ نہیں فرمایا کہ صرف تمہارے لیے یہ نکاح جائز ہے اور کسی کے لیے یہ نکاح جائز نہیں ہے' اگر نکاح کے یہ واقعات استثنائی

ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی موقع پر تو اس استثناء کو بیان فرماتے۔

غیر کفو میں کیے گئے رشتوں کو استثناء پر محمول کرنا اس وقت صحیح ہوتا جب قرآن مجید کی کسی صریح آیت یا خبر متواتر یا کسی حدیث صحیح سے غیر کفو میں نکاح کرنے کی ممانعت ہوتی اور جب اس سلسلہ میں کوئی سند صحیح سے خبر واحد بھی مروی نہیں ہے تو اس استثناء کا دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

ولم يثبت في اعتبار الكفاءة بالنسب حديث. (فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۳ ' لاہور)

کفو میں نسب کا اعتبار کرنے کے سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

بلکہ اس کے برعکس بہ کثرت احادیث سے یہ ثابت ہے کہ کفو کی برتری پر گھمنڈ نہ کیا جائے اور کسی مسلمان کو کفو کی وجہ سے حقیر نہ گردانا جائے اور کسی مسلمان کے رشتہ کے پیغام کو کفو کی وجہ سے مسترد نہ کیا جائے' اب ہم اعلاء کلمۃ الحق کے لیے ان احادیث کا بیان کرتے ہیں: فنقول وبالله التوفيق وبه الاستعانة يليق.

اسلام میں ذات پات کا امتیاز نہ کرنے پر احادیث سے دلائل

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابي ذر ان النبي صلى الله عليه وسلم قال له انظر فانك ليس بخير من احمر ولا اسود الا ان تفضله بالتقوى.

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۸ ' طبع قدیم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو تم کسی گورے یا کالے سے افضل نہیں ہو' البتہ تم اس پر تقویٰ سے فضیلت حاصل کرو گے۔

عن ابي نضرة حدثني من سمع خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم في وسط ايام التشريق فقال يا ايها الناس الا ان ربكم واحد الا لافضل لعربي على اعجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاحمر على اسود ولا اسود على احمر الا بالتقوى ابلغت قالوا بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث. (مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا' اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے' سنو! کسی عربی کی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے' کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے' فضیلت صرف تقویٰ کی ہے' کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کر دی ہے۔

ابوبکر احمد بن حسن بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد الله قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في وسط ايام التشريق خطبة الوداع فقال يا ايها الناس ان ربكم واحد وان اباكم واحد الا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاحمر على اسود ولا اسود على احمر الا بالتقوى ان اكرمكم

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایام تشریق کے وسط میں خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے' تمہارا باپ ایک ہے' سنو کسی عربی کی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے' کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ سے' بے شک اللہ

عند الله اتقاكم الاهل بلغت قالوا بلى يا رسول الله قال فليبلغ الشاهد الغائب.

(شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۹' الدرالمنثور ج ۷ ص ۵۰۴)

کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پھر حاضر غائب کو تبلیغ کر دے۔

اس حدیث کو امام بزار کی مکمل سند کے ساتھ بھی حافظ الہیثمی نے بیان کیا ہے۔ (کشف الاستار ج ۴ ص ۴۳۵)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال ان الله قد اذهب عنكم عبية الجاهلية وفخرها بالاباء الناس بنو ادم وادم من تراب مومن تقی وفاجر شقی لينتهين اقوام يفخرون برجال انما هم فحم من فحم جهنم او ليكونن اهون على الله من الجعلان التی ترقع.

(شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانۂ جاہلیت کی عیب جوئی اور باپ دادا پر فخر کرنے (کی خصلت) کو دور کر دیا ہے' سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے' مومن متقی ہے اور فاجر درشت خو ہے' لوگ (اپنے) آدمیوں پر فخر کرنے سے باز آ جائیں' یہ لوگ جہنم کے کوئلوں میں سے کوئلہ ہیں' ورنہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیڑوں مکوڑوں سے بھی زیادہ حقیر ہیں۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے متعدد اسانید سے روایت کیا ہے اور امام بزار نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(کشف الاستار ج ۳ ص ۴۳۵)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال خطب رسول الله صلی الله عليه وسلم يوم فتح مكة فقال اما بعد ايها الناس فان الله عزوجل قد اذهب عنكم عبية الجاهلية وتعاظمها بابائها فالناس رجلان مؤمن تقی كريم وفاجر شقی مهين والناس كلهم بنو ادم وخلق الله ادم من تراب.

(شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانۂ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے' لوگوں کی دو قسمیں ہیں' مومن' متقی کریم اور فاجر درشت خو ذلیل' سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال ان الله عزوجل يقول يوم القيمة امرتكم فضيعتم ما عهدت اليكم فيه ورفعتم انسابكم فاليوم ارفع نسبی واضيع انسابكم اين المتقون اين المتقون ان اكرمكم عند الله اتقاكم. (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا: میں نے تم کو حکم دیا تھا تم نے مجھ سے کیا ہوا عہد ضائع کر دیا' تم نے اپنے اپنے نسب بلند کیے آج میں اپنا (پسندیدہ) نسب بلند کروں گا' اور تمہارے نسبوں کو ضائع کر دوں گا' متقی کہاں ہیں؟ متقی کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی مالك الاشعری ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ان فی امتی اربعا من امر الجاهلیة لیسوا بتارکین الفخر فی الانساب والطعن فی الانساب والاستسقاء بالنجوم والنیاحة علی المیت الحدیث.

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں زمانۂ جاہلیت کی چار خصلتیں ایسی ہیں جن کو وہ ترک نہیں کرے گی (اپنے) نسب پر فخر کرنا' (دوسروں کے) نسب پر طعن کرنا' ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔

(شعب الایمان ج ۴ ص ۲۹)

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام بیہقی لکھتے ہیں:

اگر اس حدیث کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معارضہ کیا جائے جس میں آپ نے بنو ہاشم کی فضیلت بیان کی تو اس کے جواب میں علامہ حلیمی نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم کی فضیلت سے فخر کا ارادہ نہیں کیا بلکہ آپ نے صرف ان کے مرتبہ اور مقام کو بیان کرنے کا ارادہ فرمایا جیسے کوئی شخص کہے: میرا باپ فقیہ ہے اور اس سے اس کی غرض صرف اس کا تعارف کرانا ہو نہ کہ اس کی فقاہت پر فخر کرنا' نیز اس حدیث سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے آباء واجداد پر جو انعامات کیے آپ نے بہ طور شکر ان کا بیان فرمایا ہو۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۹)

اسلام اور اچھے اخلاق کی بناء پر رشتہ دینے کا حکم' عام ازیں کہ کفو ہو یا غیر کفو

یہاں تک کہ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اسلام میں ذات پات کا امتیاز نہیں ہے اور عہد رسالت میں غیر کفو میں نکاح کرنے کا عام معمول تھا' ہر چند کہ زمانۂ جاہلیت کے اثرات کی وجہ سے بعض لوگ اپنے آپ کو نسبی اعتبار سے برتر اور دوسروں کو نسبی اعتبار سے فروتر گردانتے تھے' لیکن جیسے جیسے اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی اور ایمان کی اقدار دلوں میں راسخ ہو رہی تھیں' نسب پر فخر کرنے کے جذبات مٹتے جا رہے تھے اور اس کے بجائے زہد وتقویٰ کو معیارِ فضیلت قرار دیا جانے لگا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی کہ نام ونسب پر فخر کرنے کے بجائے اسلام اور تقویٰ کو اہمیت دی جائے اور جب بھی کوئی موزوں رشتہ مل جائے تو حسب ونسب کا لحاظ کیے بغیر اس سے نکاح کر دیا جائے

امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا خطب الیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه الا تفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد عریض وفی الباب عن ابی حاتم المزنی وعائشة. (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۷' سنن ترمذی ص ۱۷۵' طبع کراچی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کو ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا دین اور خُلق تم کو پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد ہو گا۔ اس باب میں حضرت ابوحاتم مزنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی احادیث مروی ہیں۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی حاتم المزنی قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا جاء من ترضون دینه

حضرت ابوحاتم مزنی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کو ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا

وخلقه فانكحوه الا تفعلوا تكن فتنة فى الارض وفساد الا تفعلوا تكن فتنة فى الارض وفساد قالوا يا رسول الله وان كان فيه قال اذا جاء كم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه ثلاث مرات هذا حديث حسن غريب.

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۸۵)

دین اور خُلق تم کو پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو' اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا' اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا' صحابہ نے کہا: ہرچند کہ وہ شخص (غریب یا غیر کفو) ہو؟ آپ نے تین بار فرمایا: جب تم کو ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اخلاق پر تم راضی ہو تو اس سے نکاح کر دو' یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق کے لیے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۶ ص ۱۱۰۵۔۱۰۲۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

الحجرات: ۱۴ کا شانِ نزول اور ایمان اور اسلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی

الحجرات: ۱۴ میں فرمایا: دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے' آپ کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے' ہاں! یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔ الآیۃ

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شانِ نزول میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) سدی نے کہا: ان دیہاتیوں سے مراد وہ دیہاتی ہیں جن کا ذکر سورۃ الفتح میں آچکا ہے' یہ مدینہ کے گرد رہنے والے قبائل تھے: مزینہ' جہینہ' اسلم' غفار' الدیل اور اشجع' انہوں نے اس لیے ایمان کا اظہار کیا تھا تاکہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر سکیں اور انہوں نے دل سے تصدیق نہیں کی تھی' لیکن اس آیت سے مراد بعض اعراب ہیں' تمام اعراب مراد نہیں ہیں کیونکہ بعض اعراب ایمان لے آئے تھے۔

(۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت ان اعراب کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ ان کو مہاجر کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ان کا لقب اعراب ہے اور ان کا لقب مہاجرین نہیں ہے

(۳) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنو اسد بن خزیمہ کے اعراب ہیں' انہوں نے مدینہ کے راستوں میں گندگی پھیلائی اور غلہ کے دام بڑھا دیئے' یہ قحط کے سال مدینہ آئے اور کہا: آپ ہمارے اہل و عیال کے لیے صدقات میں سے دیجئے' کیونکہ دوسرے لوگوں کو مسلمان کرنے کے لیے تو آپ کو ان سے جنگ کرنا پڑی اور ہم بغیر کسی جنگ کے از خود آپ پر ایمان لائے ہیں' اس لیے ہم مالی امداد اور صدقات کے زیادہ مستحق ہیں' یہ اپنے ایمان لانے کا آپ پر احسان جتاتے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۳۱۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

نفس ایمان دل سے اس کی تصدیق کرنا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو پیغام اور جو دین لے کر آئے وہ برحق ہے' اس کو ماننا اور قبول کرنا ہے اور ایمان کامل' اس کی تصدیق اور کلمۂ شہادت کا اقرار اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے اور ایمان اور اسلام دونوں مترادف ہیں اور اس آیت سے بہ ظاہر دونوں میں تغایر معلوم ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اسلام کا لغوی معنی مراد ہے یعنی ظاہراً اطاعت کرنا' یعنی تم نے اپنی جان اور مال کے تحفظ کے لیے ظاہراً اطاعت کی ہے اور تم درحقیقت مومن نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حقیقی) ایمان لانے والے تو صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں ○ (اے رسول مکرم!)

آپ کہیے: کیا تم اللہ کو اپنا دین بتلا رہے ہو' حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' اور اللہ ہر چیز کو بے حد جاننے والا ہےO (الحجرت:۱۶۔۱۵)

جن اعراب کا الفتح: ۱۴ میں ذکر فرمایا ہے' جب انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ وہ ظاہر اور باطن میں سچے اور مخلص مومن ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور ان کی تکذیب میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ اگر وہ مخلص مومن ہوتے تو دین اسلام کی راہ میں مشقت برداشت کرتے اور جہاد کرتے اور دیگر نیک اعمال کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) یہ آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں' آپ کہیے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی ہدایت دے دی' اگر تم سچے ہوO بے شک اللہ تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کے کل غیب جانتا ہے' اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہوO

(الحجرات:۱۸۔۱۷)

اس آیت میں اعراب کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا: ہم بغیر جنگ کے ازخود اسلام لائے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ آپ کہیے کہ تم اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ' یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی ہدایت دی' اور تم نے دل سے اللہ اور رسول کی تصدیق نہیں کی' کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اللہ کو دھوکا دے سکتے ہو؟ اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمینوں میں چھپی ہوئی تمام چیزیں جانتا ہے وہ تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے نفاق کو نہیں جانتا۔

سورۃ الحجرات کا خاتمہ

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ/۱۱ جولائی ۲۰۰۴ء بہ روز اتوار بعد نماز ظہر سورۃ الحجرات کی تفسیر مکمل ہوگئی' اس سورت کی ۱۸ آیات ہیں' ان میں ابتدائی ۱۴ آیات میں بہت مفصل مضامین ہیں' اس لیے پہلی تین سورتوں کی طرح اس سورت کی تفسیر بھی بے حد طویل ہوگئی۔ ۲۸ جون ۲۰۰۴ء کو اس سورت کی ابتداء کی تھی اور ۱۱ جولائی کو اس کی تفسیر مکمل ہوگئی' اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف تیرہ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے لطف اور اپنی رحمت سے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں' میری' میرے والدین کی اور میرے احباب کی مغفرت فرمائیں' اس کتاب کے ناشر' کمپوزر اور مصحح کی مغفرت فرمائیں' ہم سب کو دنیا اور آخرت کے مصائب اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر راحت اور جنت الفردوس عطا فرمائیں۔

والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی اٰلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورۂ قٓ

سورت کا نام

اس سورت کی پہلی آیت میں قٓ کا لفظ ہے اور جس طرح بعض دیگر سورتوں کو حروف الھجاء سے شروع کیا گیا ہے' اس سورت کو بھی حرف الھجاء سے شروع کیا گیا ہے' اس کی نظائر میں صٓ' نٓ' الٓمٓ' حٰمٓ اور طٰسٓ ہیں۔

سورت الحجرات سے اس سورت کی مناسبت

اس سے پہلے سورۃ الحجرات میں ان اعراب کا ذکر فرمایا تھا جنہوں نے زبان سے کہا تھا: ہم ایمان لائے اور در حقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے' اور یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ نبوت اور مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور اس سورت میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ مکہ کے مشرکین نبوت کا اور مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔

سورۃ قٓ کے متعلق احادیث

حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں ''ق والقرآن المجید'' پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۱۶)

حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں ''ق'' اور ''اقتربت الساعۃ'' پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۰۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۸۲)

حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ''ق والقرآن المجید'' کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کیا ہے' آپ ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے یہ سورت پڑھا کرتے تھے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۰۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۱۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۹۱۰)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۴ اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۰ ہے۔

اس سورت میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو دلائل سے ثابت کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر بھی دلائل ہیں۔

اب میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کرتا ہوں' اے بار الہ! مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو غلط اور باطل ہو اس کا رد کرنے کی ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ/۱۱ جولائی ۲۰۰۴ء

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۴۵ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۂ ق مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں پینتالیس آیات' تین رکوع ہیں

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

قاف' قرآن مجید کی قسم ○ (اور کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک عذاب سے ڈرانے

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ

والا آ گیا' پس کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے ○ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہوں گے!)

ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ

بے شک یہ لوٹنا (عقل سے) بعید ہے ○ بے شک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے اور

عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ

ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والا صحیفہ ہے ○ بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا

اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا

سو وہ الجھن میں ہیں ○ کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا' ہم نے اس کو کیسے بنایا اور کس طرح اس کو مزین کیا

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے ○ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کو

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۙ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ

نصب کر دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اگائے ○ جو بصیرت اور نصیحت ہیں ہر رجوع کرنے

مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ

والے بندے کے لیے ○ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتوں

الْحَصِيْدِ ۙ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ

میں کاٹی جانے والی فصل اگائی ○ اور کھجور کے لمبے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ پھل لدے ہوئے ہیں ○ اپنے بندوں کی روزی

اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ⑪ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کیا' اسی طرح تمہارا (قبروں سے) نکلنا ہےO اس سے پہلے نوح کی قوم

نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۙ⑫ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ

نے اور اندھے کنویں والوں نے اور ثمود نے جھٹلایا تھاO اور عاد اور فرعون اور لوط

لُوْطٍ ۙ⑬ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ

کے علاقے والوں نےO اور ایکہ (جنگل) والوں نے اور تبع کی قوم نے' ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا سو عذاب

وَعِيْدِ ⑭ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ

کی وعید برحق ہےO تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ اپنے ازسرنو پیدا

خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑮ ع

ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیںO

ع ۱ ۱۵ ۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قاف' قرآن مجید کی قسمO (اور کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک عذاب سے ڈرانے والا آ گیا' پس کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہےO کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہوں گے!) بے شک یہ لوٹنا (عقل سے) بعید ہےO بے شک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے اور ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والا صحیفہ ہےO بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا سو وہ الجھن میں ہیںO (قٓ:۵۔۱)

قٓ کے معانی

قٓ حروفِ مقطعات میں سے ہے' جس طرح نٓ اور صٓ حروف مقطعات میں سے ہیں' ان حروف کے معانی قطعی طور پر معلوم نہیں ہیں' ان پر اس طرح ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے' جس طرح ہمیں بعض احکامِ شرعیہ کی عقلی توجیہ معلوم نہیں ہوتی' لیکن ہم ان پر عمل کرتے ہیں مثلاً جب پانی نہ ملے تو تیمم کرنے کا حکم ہے' حالانکہ وضو کرنے سے اعضاء وضو پانی سے دھل کر صاف ہو جاتے ہیں اور تیمم کرنے سے چہرہ اور ہاتھ صاف ہونے کے بجائے خاک آلودہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہوں اور ان پر مسح کرنا ہو تو موزوں کے اوپر والی سطح پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ گندگی لگنے کا احتمال تو موزوں کی نچلی سطح پر ہوتا ہے' اسی طرح دوزخ میں درخت زقوم کا ذکر ہے' پل صراط کا ذکر ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے' اعمال کے وزن کرنے کا ذکر ہے اور ان امور کی عقلی توجیہ مشکل ہے اور ہمارا ان سب چیزوں پر ایمان ہے' سو اسی طرح ہمیں ان حروف مقطعات کے معانی قطعی طور پر معلوم نہیں ہیں تب بھی ہمارا اس پر ایمان ہے کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے' تاہم صحابۂ کرام' فقہاء تابعین اور قدیم

مفسرین نے ظنی طور پر ان حروف کے معانی بیان کیے ہیں:
امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قٓ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس اسم کی قسم کھائی ہے۔
قتادہ نے کہا: قٓ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔
قرظی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا افتتاح اپنے اسم سے کیا ہے' اور قٓ سے مراد قدیر' قادر' قاہر' قاضی اور قابض ہے۔
عکرمہ اور ضحاک نے کہا: یہ سبز زمرد کا پہاڑ ہے اور لوگوں کو جو زمرد ملتا ہے' وہ اسی پہاڑ سے جھڑنے والے زمرد کے ٹکڑے ہیں۔
فراء نے کہا: قٓ سے مراد ہے: ''قضی ما ھو کائن'' یعنی جو کچھ پیدا ہونے والا تھا اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔
ابوبکر وراق نے کہا: اس کا معنی ہے: ''قف عند امرنا ونھینا ولا تعدھما'' یعنی ہم جو حکم دیں اور جس کام سے منع کریں اس پر توقف کرو اور اس پر عمل کرو اور اس سے تجاوز نہ کرو۔
ابن عطاء نے کہا: اللہ نے اپنے حبیب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی قوت کی قسم کھائی جس قلب نے قرآن مجید کے نزول کے ثقل کو برداشت کیا' حالانکہ جب اس کے ثقل کو بڑے بڑے پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے اور اللہ نے قرآن مجید کی قسم کھائی ہے۔ (الکشف والبیان ج۹ ص ۹۳۔ ۹۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو کفار کیوں بعید سمجھتے تھے

اس قسم کا جواب محذوف ہے اور وہ ہے ''لتبعثن'' یعنی اللہ کی قدرت اور قہر اور قرآن مجید کی قسم! تم ضرور بہ ضرور مرنے کے بعد زندہ کیے جاؤ گے اور قیامت کے دن تم سب کو جمع کیا جائے گا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ کفار نے کہا تھا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو پھر زندہ ہوں گے! بے شک یہ لوٹنا (عقل سے) بعید ہے۔
نیز اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک عذاب سے ڈرانے والا آ گیا' پس کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے!O کہ ہم ہی میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر ہم کو آخرت کے حساب و کتاب سے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے۔
قٓ: ۳ میں یہ ذکر ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جائے گا' اس کی تائید اس حدیث میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کے جسم میں ایک ہڈی ہے جس کو مٹی کبھی نہیں کھا سکے گی' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون سی ہڈی ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ ''عجب الذنب'' (دُم کی ہڈی کا سرا) ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۳)
انسان کی پشت کے نیچے ایک ہڈی ہے جس کو ''عجب الذنب'' کہتے ہیں' انسان کے جسم میں سب سے پہلے اسی کو بنایا جاتا ہے' پھر اس پر باقی جسم کو بنایا جاتا ہے' اس ہڈی کے سوا انسان کے پورے جسم کو مٹی کھا جاتی ہے' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے' اور اس کی دلیل اس حدیث میں بھی ہے:
حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ایام میں سب سے

افضل جمعہ کا دن ہے' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے' پس اس دن تم مجھ پر بہ کثرت درود بھیجو' کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے' صحابہ نے عرض کیا: ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا' حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵' مسند احمد ج ۴ ص ۸' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۷۶۸)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء' اولیاء اور شہداء کے اجسام کو مٹی نہیں کھاتی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر کفار کے اشکال کا جواب

کفار نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو عقل سے بعید اس لیے کہا تھا کہ مرنے کے کچھ عرصہ کے بعد انسان کا جسم گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے' پھر مٹی مٹی میں مل جاتی ہے اور گردشِ ایام سے اور مردوں کی مٹی اس مٹی میں مل جاتی ہے اور یہ ذرات مختلط ہو جاتے ہیں' پھر کیسے پتا چلے گا کہ یہ ذرہ کس جسم کا ہے اور وہ ذرّہ کس جسم کا ہے؟ اور ان مختلط ذرات کو متمیز کرنا پھر ان کو الگ الگ جمع کرنا' پھر ان جمع شدہ ممیز اور ممتاز ذرات کو اسی دنیاوی صورت کے مطابق جیتا جاگتا انسان بنا کر لا کھڑا کرنا عقل سے بعید ہے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد آنے والی آیات میں اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ اگر کسی انسان نے یہ کام کرنا ہو تو پھر یقیناً یہ عقل سے بعید ہے لیکن یہ کام اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے جو تمام جہانوں کا خالق ہے' اس کا علم کامل ہے اور ہر چیز کو محیط ہے اس کو علم ہے کہ کون سا ذرہ کس جسم کا ہے اور کون سا ذرہ کس جسم کا ہے اور یہ ذرات کہاں کہاں ہیں اور اس کی قدرت بھی کامل ہے وہ ان ذرات کو جوڑ کر پھر ویسا ہی انسان بنانے پر قادر ہے اور وہ ایسا ضرور کرے گا' لہٰذا اس نے فرمایا۔

مردوں کے ذرات مختلطہ کے باہم ممیز ہونے پر دلیل

قٓ: ۴ میں فرمایا: بے شک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے اور ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والا صحیفہ ہےO

اس آیت میں زمین کے کم کرنے سے مراد انسانوں کی موت ہے' اللہ کو علم ہے کہ زمین پر رہنے والوں میں سے کتنے لوگ مر جائیں گے اور کتنے باقی رہ جائیں گے' اس کا علم کامل ہے لہٰذا مرنے کے بعد جب انسان مٹی ہو جائے گا اور اس کے ذرات ایک دوسرے کے ساتھ مختلط ہو کر زمین میں بکھر جائیں گے اور منتشر ہو جائیں گے تو اس کو ان کی الگ الگ شناخت کا علم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل قٓ: ۲۶ سے شروع ہو رہے ہیں۔

اور فرمایا: ہمارے پاس (ان کے اعمال کو) محفوظ رکھنے والا صحیفہ ہےO یعنی اس صحیفہ میں تمام انسانوں کی تعداد اور ان کے اسماء' ان کی مدت حیات اور ان کا جنتی یا دوزخی ہونا مذکور ہے' اللہ تعالیٰ نے ''کتاب حفیظ'' فرمایا ہے اور ''حفیظ'' بہ معنی محفوظ ہے اور اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے' اس کو محفوظ اس لیے فرمایا کہ یہ شیطان سے محفوظ ہے یا رد و بدل سے اور کاٹ چھانٹ سے محفوظ ہے اور اس سے مراد تقدیر مبرم ہے کیونکہ تقدیر معلق میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔

قٓ: ۵ میں ارشاد فرمایا: بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا سو وہ الجھن میں ہیںO

''امر مریج'' کا معنی

الجھن کے لیے اس آیت میں ''امر مریج'' کا لفظ ہے' علامہ مجد الدین محمد یعقوب الفیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''مَرَج'' کا معنی ہے: فساد' قلق' اختلاط' اضطراب اور ''امر مریج'' کا معنی ہے: مختلط۔

(القاموس المحیط ص ۲۰۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''امر مریج'' کا معنی ہے: نہایت بُرا کام جو خلاف شرع ہو' حدیث میں یہ لفظ اضطراب اور فساد کے معنی میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے عبد اللہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم ایسے لوگوں میں ہو گے جن کے عہود اور ان کی امانتیں فاسد اور مضطرب ہو چکی ہوں گی اور وہ اس طرح اس طرح ہو چکی ہوں گی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۴۵۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا' ہم نے اس کو کیسے بنایا اور کس طرح اس کو مزین کیا اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے O اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اگائے O جو بصیرت اور نصیحت ہیں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے O اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتوں میں کاٹی جانے والی فصل اگائی O اور کھجور کے لمبے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ پھل لدے ہوئے ہیں O اپنے بندوں کی روزی کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کیا' اسی طرح تمہارا (قبروں سے) نکلنا ہے O (قٓ: ۱۱۔۶)

مردہ انسانوں کو زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل

قٓ: ۶ میں آسمان کی طرف دیکھنے کی دعوت دی ہے' آسمان کی طرف تو مشرکین دن اور رات میں کئی بار دیکھتے تھے' یہاں مراد یہ ہے کہ وہ غور وفکر اور تدبر سے آسمان کی طرف دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ جب اس عظیم آسمان کو بنانے پر قادر ہے بلکہ اس ساری کائنات کو بنانے پر قادر ہے تو انسان کے مرنے کے بعد اس کو کیوں دوبارہ نہیں بنا سکتا۔

قٓ: ۷ میں فرمایا: اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اگائے O

یعنی ہر قسم کے پودے اگائے' ''بھیج'' کے معنی ہیں: جو دیکھنے میں خوب صورت لگتے ہیں۔

قٓ: ۸ میں فرمایا: جو بصیرت اور نصیحت ہیں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے O

یعنی آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے میں اور جن چیزوں سے آسمانوں کو مزین کیا ہے اور جن چیزوں سے زمین کو مفید اور خوش منظر بنایا ہے' ان کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت اور فہم وفراست اور عبرت اور نصیحت کا باعث ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

قٓ: ۹ میں فرمایا: اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتوں میں کاٹی جانے والی فصل اگائی O

قرآن مجید میں ''حب الحصید'' کا لفظ ہے' جس کا لفظی معنی کٹنے والا غلہ ہے' ہم نے اس کا ترجمہ کاٹی جانے والی فصل کیا ہے اور فصل کا لفظ تمام قسم کے کھیتوں کو شامل ہے جس میں غلہ اور اناج بھی داخل ہے' جیسے گندم' مکئی' جو' جوار' باجرہ اور چاول وغیرہ اور مختلف اقسام کی سبزیاں بھی داخل ہیں جیسے شلجم' چقندر' مٹر' گوبھی' پالک اور لوکی وغیرہ' گویا ہم نے لفظ خاص سے عموم مراد لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باغات اور کھیتوں دونوں کا ذکر فرمایا ہے' باغات کے پھل اتار لیے جانے کے بعد بھی ان کے درخت قائم رہتے ہیں اور کھیتوں سے فصل کٹنے کے بعد ان کے پودے ختم ہو جاتے ہیں' نیز باغات کے پھل لذت کے لیے کھائے جاتے ہیں اور کھیتوں سے جو غلہ اور سبزیاں حاصل ہوتی ہیں ان سے روٹی اور سالن پکایا جاتا ہے' جن کو پیٹ بھرنے کے لیے کھایا جاتا ہے۔

قٓ: ۱۰ میں فرمایا: اور کھجور کے لمبے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ پھل لدے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں ''بٰسقٰت'' کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے: طویل اور بلند و بالا اور ''طلع'' کا لفظ ہے' ''طلع'' کھجور کے اس گدرے گدرے پھل کو کہتے ہیں جو پہلے پہلے نکلتا ہے' ''نضید'' کے معنی ہیں: تہ بہ تہ' اس سے پہلے ''جنّٰت'' کا لفظ تھا' جس کا معنی ہے: پھلوں کے باغات اور پھلوں میں کھجور بھی شامل ہے لیکن اس کو خصوصیت سے الگ ذکر فرمایا کیونکہ عرب میں کھجور کی ایک خاص اہمیت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درختوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے گرتے نہیں ہیں اور وہ مسلمان کی مثل ہے مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ صحابہ کے خیالات جنگل کے درختوں میں چلے گئے اور میرے دل میں یہ آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے' پس مجھے حیاء آئی' پھر صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! بتایئے وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۵۹۹' عالم الکتب' بیروت)

آپ نے فرمایا: کھجور کا درخت مسلمان کی مثل ہے' اس کی توجیہ یہ ہے کہ کھجور کے درخت کی ہر چیز کام میں آ جاتی ہے' اس کا تنا گاڈر کی طرح چھت بنانے میں کام آتا ہے' اس کے پتوں کی چٹائیاں اور ہاتھ کے پنکھے بنائے جاتے ہیں' اس کا پھل گدرا بھی کھایا جاتا ہے' تر و تازہ بھی' خوب پکنے کے بعد اور جب سوکھ جائے تو چھوہارا بن جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان ثواب کی نیت سے جو کام بھی کرے اس پر اجر ملتا ہے حتیٰ کہ اس کے سونے' جاگنے اور کھانے پینے پر بھی اجر ملتا ہے۔

قٓ: ۱۱ میں فرمایا: اپنے بندوں کی روزی کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کیا' اسی طرح تمہارا (قبروں سے) نکلنا ہے ○

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پانی سے زندہ کر سکتا ہے تو مردہ انسان کو زندہ کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس سے پہلے نوح کی قوم نے اور اندھے کنویں والوں نے اور ثمود نے جھٹلایا تھا ○ اور عاد اور فرعون اور لوط کے علاقہ والوں نے ○ اور ایکہ (جنگل) والوں نے اور تبع کی قوم نے' ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا سو عذاب کی وعید برحق ہے ○ تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ اپنے از سر نو پیدا ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں ○ (قٓ: ۱۵۔۱۲)

''اصحاب الرس'' کے مصادیق

یعنی جس طرح کفارِ مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کی تکذیب کر رہے ہیں اسی طرح اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حضرت نوح کی تکذیب کر چکی ہے' اور اصحاب الرس بھی تکذیب کر چکے ہیں۔

''الرس'' کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: (۱) زمین میں جو بھی گڑھا ہو خواہ وہ قبر کا گڑھا ہو یا کنویں کا گڑھا ہو اس کو'' الرس'' کہتے ہیں (۲) وہ کنواں جس کو کسی چیز سے ڈھکا نہ گیا ہو اور نہ اس کے گرد منڈیر بنائی گئی اور اس میں لوگوں کے گرنے کا خطرہ ہو' اس کو اندھا کنواں بھی کہتے ہیں۔

''اصحاب الرس'' کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) ضحاک نے کہا: یہ وہ کنواں ہے جس میں صاحب یٰسین کو قتل کر کے ڈال دیا گیا تھا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آذر بائی جان کے لوگوں کا کنواں ہے۔

(۳) قتادہ اور زہیر نے کہا: اس سے مراد اہل یمامہ ہیں' انہوں نے بہت کنویں بنائے ہوئے تھے۔

(۴) اس سے مراد'' اصحاب الاخدود'' ہیں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۴۴)

نیز اس آیت میں ثمود کا ذکر ہے' حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو ثمود کہتے ہیں' یہ عرب کے قدیم لوگ تھے۔

عاد کا معنی اور مصداق

قٓ: ۱۳ میں عاد کا ذکر ہے' عاد ایک شخص کا نام ہے جو عمالیق سے تھا' اس کی اولاد بہت زیادہ تھی اور ان کے کئی قبائل بن گئے' یہ لوگ یمن کے احقاف (ٹیلوں' ریگستان) میں رہتے تھے اور یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔

اور اس آیت میں فرعون کا ذکر ہے' اس کی اصل میں اختلاف ہے' مجاہد کا قول ہے کہ یہ فارس کا رہنے والا تھا۔ ابن لہیعہ نے کہا: یہ اہل مصر سے تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے' یہ تین سو سال زندہ رہا' حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو اَسّی (۸۰) سال تک دعوت دیتے رہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ چار سو سال زندہ رہا۔

اور اس آیت میں اخوانِ لوط کا ذکر ہے' یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور ان کے علاقے کے لوگ جن کی طرف ان کو مبعوث کیا گیا تھا۔

ایکہ والوں کا مصداق

قٓ: ۱۴ میں فرمایا: اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے۔

ایکہ اس جگہ کو کہتے ہیں: جہاں بہت زیادہ اور بہت گھنے درخت ہوں' درختوں کا جھنڈ' جنگل۔ بعض لوگوں نے کہا: کسی خاص شہر یا ملک کا نام ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اصحابِ ایکہ اور اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور دونوں قوموں پر عذاب نازل کیا گیا' اہل مدین ایک ہولناک چیخ سن کر ہلاک ہو گئے اور اصحاب الایکہ جس جنگل میں تھے ان پر بادل کا عذاب آیا تھا۔ اور اس آیت میں قوم تبع کا ذکر ہے' تبع عرب کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا' اس کو تبع اس لیے کہتے تھے کہ اس کے متبعین بہت زیادہ تھے۔ وہب بن منبہ نے کہا: تبع خود مسلمان تھا اور اس کی قوم کافر تھی' اس لیے اس آیت میں اس کی قوم کا ذکر ہے۔

تبع کا معنی اور مصداق

قتادہ نے کہا: تبع کی قوم سے مراد قوم سبا ہے' سبا میں حمیر قبیلہ تھا' یہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے' جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر اور فارس کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے ہیں۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ تبابعہ میں سے بعض تبع کو بہت شہرت حاصل ہوئی' بعض مؤرخین نے کہا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتا ہوا سمرقند تک پہنچ گیا' قوم سبا اپنے وقت کی بہت عظیم قوم تھی جو قوت اور خوش حالی میں نمایاں تھی لیکن جب اس قوم نے بھی رسولوں کی تکذیب کی تو اس کو بھی ملیا میٹ کر کے رکھ دیا گیا۔

حافظ ابن کثیر نے دو تبع کا ذکر کیا ہے' اوّل تبع وہ تھا جو پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہو گیا اور علماء یہود کے ہاتھ پر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کر لیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے' اس نے جرہم کے زمانہ میں بیت اللہ کا حج کیا تھا اور جس تبع کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے' یہ اس تبع سے بہت متاخر تھا' اس کی قوم اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی' پھر جب یہ فوت ہو گیا تو پھر اس کی قوم آگ اور بتوں کی پرستش کرنے لگی' اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت فرمائی' اس کا نام اسعد ابوکریب یمانی تھا' اس نے اپنی قوم پر تین سو چھپن (۳۵٦) سال حکومت کی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سات سو سال پہلے فوت ہو گیا تھا اور امام ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ زمانۂ اسلام میں صنعاء میں ایک قبر کو کھودا گیا تو اس میں سے دو لڑکیوں کی لاشیں ملیں' ان کی لوح پر لکھا ہوا تھا کہ یہ تبع کی بیٹیاں ہیں' یہ موت کے وقت ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دیتی تھیں' انہوں نے شرک نہیں کیا اس سے پہلے صالحین بھی اسی عقیدے پر فوت ہوئے تھے۔ کعب احبار نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تبع کی قوم کی مذمت کی ہے' تبع کی مذمت نہیں کی۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تبع کو بُرا نہ کہو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۰) امام عبد الرزاق' امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے بھی اپنی سندوں کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵۷۔۱۵٦ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

پھر فرمایا: ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا' سو عذاب کی وعید برحق ہےO یعنی ان میں سے ہر قوم نے ان رسولوں کی تکذیب کی جن کی طرف ان کو مبعوث کیا گیا تھا پھر ان تمام قوموں پر اللہ تعالیٰ کی وعید کے موافق عذاب نازل ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو ڈرایا ہے کہ اگر تم اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے تو تم پر بھی اس عذاب کا خطرہ ہے جو ان قوموں پر آ چکا ہے۔

پہلی بار پیدا کرنے کے بعد تھکنے کا باطل ہونا

قٓ: ۱۵ میں فرمایا: تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ اپنے ازسرِنو پیدا ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیںO

اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) کیا ہم پہلی کافر امتوں کو ہلاک کر کے تھک گئے ہیں حتیٰ کہ تم کو یہ شک پڑ گیا ہے کہ شاید تم کو ہلاک نہ کیا جائے' حالانکہ تم پہلی امتوں کے مقابلہ میں بہت کمزور ہو' سو یہ آیت بھی کفار مکہ کے لیے وعید ہے۔

(۲) کیا ہم اس دنیا کے لوگوں کو پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں جو تم کو یہ شک پڑ گیا ہے کہ شاید تم کو مرنے کے بعد دوبارہ نہ پیدا کیا جائے اور یہ آیت حشر و نشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلیل ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَنَحْنُ

اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان وسوسوں کو جانتے ہیں جو اس کا نفس (امارہ) (اس کے دل میں) ڈالتا رہتا ہے

اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ

اور ہم (اس کی) شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں O جب (اس کے ہر قول اور فعل کو) دو فرشتے حاصل کر لیتے ہیں جو

الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ

اس کی دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں O وہ جو بات بھی کہتا ہے (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا محافظ (فرشتہ) منتظر

عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

ہوتا ہے O اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی، یہی وہ چیز ہے جس سے تو انحراف کرتا تھا O

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا

اور صور میں پھونک دیا جائے گا یہی ہے عذاب کی وعید کا دن O اور ہر شخص اس طرح حاضر ہو گا کہ اس کو

سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا

چلانے والا ایک فرشتہ ہو گا اور ایک گواہ ہو گا O بے شک تو اس دن سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیری

عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا

آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے O اور اس (کی زندگی) کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ اس کا اعمال

مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ ۭ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ

نامہ ہے جو میرے پاس تیار ہے O ہر سرکش کافر کو جہنم میں ڈال دو O جو نیکی سے منع کرنے والا،

مُعْتَدٍ مُّرِيْبِۨ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي

حد سے زیادہ شک کرنے والا ہے O جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیا تم اس کو سخت

الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ

عذاب میں ڈال دو O اس کا (برا) ساتھی (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا

كَانَ فِي ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ

لیکن یہ خود پر لے درجہ کی گم راہی میں تھا○ اللہ فرمائے گا: میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی (عذاب کی)

اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ

وعید سنا چکا ہوں○ میرے سامنے میری خبر تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم

لِّلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾ ع

کرنے والا ہوں○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا [illegible] وسوسوں کو جانتے ہیں جو اس کا نفس امارہ اس کے دل میں ڈالتا رہتا ہے اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں○ جب اس کے (ہر قول [illegible] فرشتے حاصل کر لیتے ہیں جو اس کی دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں○ وہ جو بات بھی کہتا ہے (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا محافظ (فرشتہ) منتظر ہوتا ہے○ اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی' یہی وہ چیز ہے جس سے تو انحراف کرتا تھا○ (قٓ: ۱۹۔۱۶)

اللہ تعالیٰ کے شہ رگ سے قریب ہونے کا معنی

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم کو علم ہے کہ کیا کیا چیزیں اس کے دل میں کھٹکتی ہیں اور اس میں انسان کو ان گناہوں سے منع کیا ہے جو وہ چھپ کر تنہائی میں کرتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور شیطان کے ورغلانے سے ان کے دل میں شجر ممنوع کی خواہش پیدا ہوئی' تاہم انہوں نے معصیت کے قصد سے شجر ممنوع سے نہیں کھایا' بلکہ اجتہادی خطاء سے کھایا' انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ممانعت تنزیہہ کے لیے ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے تھی' پھر ان کی اولاد کے دل میں ممنوع کاموں کا شوق اور تحریک پیدا ہوئی' اس کو حدیثِ نفس اور کلام خفی بھی کہتے ہیں۔

اور فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں" "ورید" اس رگ کو کہتے ہیں جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے' یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے کندھے تک ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ہماری ہر ظاہر اور باطن چیز کا علم ہے' حتیٰ کہ اس کو ہمارے دل میں آنے والے خیالات کا بھی علم ہے۔ حسن بصری نے کہا: شہ رگ سے مراد رگِ جان ہے جو دل کے ساتھ معلق ہے اور اس قرب سے مراد قرب مسافت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے زیادہ اس کے قریب ہے یعنی دل میں کسی خیال کے آنے سے پہلے اسے اس خیال کا علم ہوتا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس قرب سے مراد علم اور قدرت ہے' انسان کے بعض اعضاء اس کے علم کے لیے حجاب بن جاتے ہیں اور اللہ کے علم کے لیے کوئی چیز حجاب نہیں بنتی' ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے خون میں کیا کیا کیمیاوی اجزاء ہیں' کیا کیا بیماریاں ہیں' ہمارے معدہ اور جگر میں قوت اور ضعف اور صحت اور سقم کی کیا کیفیات ہیں' ہمارے جسم میں کتنے مسامات اور کتنے بال ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمارے جسم کے ہر حال اور ہر کیفیت کا علم ہوتا ہے۔

کراماً کاتبین کا صحیفہ اعمال میں لکھنا

قٓ: ۱۷ میں فرمایا: جب (اس کے ہر قول اور ہر فعل کو) دو فرشتے حاصل کر لیتے ہیں۔ الایۃ

یعنی ہم اس وقت بھی اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں' جب وہ دو فرشتے جو اس پر مسلط کیے گئے ہیں' وہ اس کے ہر قول اور ہر فعل کو لکھ لیتے ہیں' یہ دو فرشتے اس کے اقوال اور افعال پر شاہد بنائے گئے ہیں' ایک فرشتہ انسان کی دائیں جانب ہوتا ہے اور اس کی نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ اس کی بائیں جانب ہوتا ہے اور اس کی بُرائیاں لکھتا ہے حتیٰ کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے صحیفۂ اعمال کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکیاں لکھنے والا فرشتہ انسان کی دائیں جانب ہوتا ہے اور بُرائیاں لکھنے والا فرشتہ انسان کی بائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیاں لکھنے والا فرشتہ بُرائیاں لکھنے والے فرشتے پر امین ہوتا ہے پس جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب والا ف[illegible] دس گنا کر کے لکھ لیتا ہے اور جب انسان کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں [illegible] ئیں جانب والے سے کہتا ہے: اس کو دس گھنٹے تک مہلت دو شاید یہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح [illegible] یہ توبہ کر لے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۴' الوسیط ج ۴ ص ۱۶۵' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۵۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۶۵)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک متروک راوی ہے وہ سعید بن سنان ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۰۸۔۲۰۷)

لیکن اس کے قریب حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا: جب میرا بندہ گناہ کرنا چاہے تو (اس کو) فوراً نہ لکھو' پھر اگر وہ گناہ کر لے تو اس کا ایک گناہ لکھو' اور جب وہ نیکی کرنا چاہے تو اس کی ایک نیکی لکھ دو اور جب وہ نیکی کا عمل کر لے تو دس نیکیاں لکھ دو' ایک اور روایت میں دس سے سات سو نیکیاں لکھنے کا ذکر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۹' الرقم المسلسل: ۳۲۸۔۳۲۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۷۳)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: فرشتے دو حالتوں میں انسان سے اجتناب کرتے ہیں جب وہ قضاء حاجت کر رہا ہو اور جب وہ اپنی بیوی سے جماع کر رہا ہو۔ عکرمہ نے کہا: وہ اس کے اسی کام کو لکھتے ہیں جس پر ثواب ہو یا عذاب ہو۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۷۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

علامہ آلوسی حنفی نے بھی یہی لکھا ہے کہ فرشتے قضاء حاجت اور جماع کے وقت انسان سے مجتنب رہتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۲۷۳)

مرض اور سفر کی وجہ سے بندہ جو نیکیاں نہ کر سکے وہ بھی لکھی جاتی ہیں

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جو شخص بھی اپنے جسم کے کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کے اعمال کے) محافظ فرشتوں کو حکم دیتا ہے' میرا یہ بندہ اپنی صحت کی حالت میں جو (نیک) عمل کرتا تھا اس کے اس عمل کو اس وقت تک لکھتے رہو جب تک وہ میری زنجیر میں بندھا ہوا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۰۴)

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے فرماتا ہے: میرے بندے کے اس (نیک) عمل کو لکھتے رہو جو وہ صحت کے ایام میں کرتا تھا حتیٰ کہ میں اس کو اٹھا لوں یا تندرست کر

دوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۱۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیمار ہو گیا یا جس نے سفر کیا وہ صحت اور اقامت کے ایام میں جو نیک عمل کرتا تھا' اللہ تعالیٰ اس کے ان نیک اعمال کو لکھتا رہتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۰۵)

صحیفہ اعمال میں لکھی ہوئی نیکیوں کی برکات

قٓ: ۱۸ میں فرمایا: وہ جو بات بھی کہتا ہے: (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا محافظ (فرشتہ) منتظر ہوتا ہےO

اس آیت میں "رقیب" اور "عتید" کے الفاظ ہیں "رقیب" کا معنی ہے: حکم پر عمل کرنے والا' محافظ اور مشاہدہ کرنے والا اور "عتید" کا معنی ہے: وہ شخص جو ہمیشہ حاضر رہے اور کبھی غائب نہ ہو اور وہ شخص جو گواہی دینے کی حفاظت کر رہا ہو۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ [illegible] کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو محافظ اللہ سبحانہٗ کی طرف اپنا لکھا ہوا لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صحیفہ کی ابتداء اور آخر میں [illegible] تو فرشتوں سے فرماتا ہے: تم گواہ ہو جاؤ کہ اس صحیفہ کے درمیان میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کو میں نے معاف کر دیا۔

(الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی رقم الحدیث: ۶۱۷۰' کامل ابن عدی ج ۲ ص ۸۴ طبع جدید' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۰۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے عمل لکھتے رہتے ہیں' جب وہ بندہ مر جاتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک فلاں بندہ مر گیا اب تو ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان کی طرف چلے جائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے آسمان تو فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جو میری تسبیح کر رہے ہیں' پھر وہ فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب! پھر ہم زمین میں قیام کریں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری زمین تو میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کرتی ہے' پھر وہ فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب! پھر ہم کہاں رہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا؟ تم میرے اسی بندے کی قبر پر رہو' تم "اللہ اکبر' لا الٰہ الا اللہ" اور "سبحان اللہ" پڑھو اور اس کو میرے بندے کے صحیفہ اعمال میں قیامت تک لکھتے رہو۔

(حافظ سیوطی نے اس حدیث کو "کتاب العظمۃ" اور "شعب الایمان" کے حوالے سے درج کیا ہے۔ الدر المنثور ج ۷ ص ۵۲۱)

موت کی سختیاں

قٓ: ۱۹ میں فرمایا: اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی' یہی وہ چیز ہے جس سے تو انحراف کرتا تھاO

"سکرۃ الموت" کا معنی ہے: موت کی شدت اور سختی حق کے ساتھ آ پہنچی' اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے زبانِ رسالت سے جو وعدے کیے تھے اور قیامت' حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ کی جو خبریں دی تھیں ان کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے اور اس میں "تحید" کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے: تو جس چیز سے اعراض اور انحراف کرتا تھا اور بھاگتا تھا اور بدکتا تھا۔ موت کی سختیوں کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن تھا جس میں پانی تھا' آپ اس پانی میں ہاتھ ڈالتے پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیرتے' پھر فرماتے: "لا الٰہ الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) بے شک موت کے لیے شدتیں اور سختیاں ہیں' پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے فرمایا: "فی الرفیق الاعلیٰ" (مجھے رفیقِ اعلیٰ یعنی انبیاء اور مرسلین کی معیت میں رکھنا) پھر آپ کا ہاتھ گر گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۳)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن جب مرتا ہے تو اس کی پیشانی پر پسینہ آتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۸۲' المستدرک ج ۱ ص ۳۶۱)

اس حدیث کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ موت کے وقت اس کو اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ وہ پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے اس پر یہ سختی اس لیے ہوتی ہے کہ اس کے گناہ مٹ جائیں اور اس کے درجات بلند ہو جائیں اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مؤمن پر موت کے وقت زیادہ سختی نہیں ہوتی' صرف اتنی سختی ہوتی ہے کہ اس کے ماتھے پر پسینہ آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور صور میں پھونک دیا جائے گا یہی ہے عذاب کی وعید کا دن O اور ہر شخص اس طرح حاضر ہو گا کہ اس کو چلانے والا ایک فرشتہ ہو گا اور گواہ ہو گا O بے شک تو اس دن سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے O (قٓ: ۲۲۔۲۰)

اس آیت میں "صور" سے مراد دوسرا صور ہے' جو مردوں اور بے ہوشوں کو اٹھانے اور میدانِ حشر میں لے جانے کے لیے ہو گا اور یہ وہ دن ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کفار کو وعید سنائی تھی کہ اس دن میں ان کو عذاب دیا جائے گا۔ صور کی پوری تفصیل و تحقیق یٰس: ۵۱ اور الزمر: ۶۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آخرت میں چلانے والے اور گواہی دینے والے کا مصداق

قٓ: ۲۱ میں فرمایا: اور ہر شخص اس طرح حاضر ہو گا کہ اس کو چلانے والا اور گواہ ایک فرشتہ ہو گا O

چلانے والے کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ اور ابن زید نے کہا: وہ ایک فرشتہ ہے جو اس کو محشر کی طرف لے جائے گا۔

(۲) ضحاک نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس کو محشر کی طرف لے جائے گا۔

اور گواہ کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حسن بصری نے کہا: وہ ایک فرشتہ ہے جو اس کے اعمال پر گواہی دے گا۔

(۲) ابوصالح نے کہا: اس سے مراد خود انسان ہے جو اپنے اعمال پر گواہی دے گا۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: گواہ سے مراد انسان کے ہاتھ اور پیر ہیں جو اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

جمہور کے نزدیک یہ آیت مسلمانوں اور کافروں دونوں کے متعلق ہے اور ضحاک کے نزدیک یہ آیت صرف کفار کے متعلق ہے۔

انسان کی دنیا میں غفلت اور آخرت میں اس کی نگاہ کا تیز ہونا

قٓ: ۲۲ میں فرمایا: بے شک تو اس دن سے غفلت میں تھا' سو ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں کافر سے خطاب ہے کیونکہ وہ کفر کے نتائج سے غفلت میں تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مطلقاً انسان سے خطاب ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر انسان کسی نہ کسی وقت اپنے اعمال کے نتائج سے غافل ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب انسان قبر سے نکلے گا تو اس کی نگاہ بہت تیز ہو گی۔ مجاہد نے کہا: میدانِ محشر میں اس کی نگاہ بہت تیز ہو گی اور اس آیت میں "بصر" کا لفظ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بصیرت ہے کیونکہ وہ

اپنی بصیرت سے اپنے افکار کے شواہد اور اپنے اعتبار کے نتائج کو دیکھے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سر کی آنکھ ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ اس آنکھ سے آخرت کے احوال کا معائنہ کرے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ اپنی آنکھ سے جنت یا دوزخ کو دیکھے گا۔ ابن زید نے کہا: وہ اپنی نیکیوں اور گناہوں کو دیکھے گا۔ حسن بصری نے کہا: وہ اپنے دنیا میں کیے ہوئے کاموں کو دیکھے گا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۵۰-۳۴۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس (کی زندگی) کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ اس کا اعمال نامہ ہے جو میرے پاس تیار ہے O ہر سرکش کافر کو جہنم میں ڈال دو O جو نیکی سے منع کرنے والا' حد سے زیادہ شک کرنے والا ہے O جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیا' تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو O اس کا بُرا ساتھی (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کو گم راہ نہیں کیا لیکن یہ خود پرلے درجہ کی گم راہی میں مبتلا تھا O اللہ فرمائے گا: میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی (عذاب کی) وعید سنا چکا ہوں O میرے سامنے میری خبر تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں O (قٓ: ۲۹-۲۳)

قیامت کے دن کافروں اور شیطان سے فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کا کلام

حسن بصری' قتادہ اور ضحاک نے کہا: زندگی کے ساتھی سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس پر مسلط کیا گیا تھا اور ''ھذا ما لدی عتید'' کا معنی یہ ہے کہ:

یہ میرے پاس اس کا صحیفہ اعمال ہے جو تیار اور محفوظ ہے اور مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: یہ ہے وہ شخص جس کو تو نے میرے سپرد کیا تھا' تب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا:

قٓ: ۲۴ میں فرمایا: ہر سرکش کافر کو جہنم میں ڈال دو O

اس آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے حالانکہ خطاب واحد فرشتے سے ہے' اس کا معنی ہے: ڈال دو' ڈال دو' تاکید کے لیے مکرر فرمایا۔

''عنید'' کا معنی ہے: جو شخص جاننے کے باوجود حق کی مخالفت اور اس کا انکار کرے۔

قٓ: ۲۵ میں فرمایا: جو نیکی سے منع کرنے والا' حد سے زیادہ شک کرنے والا ہے O

خیر اور نیکی سے مراد ہے: زکوٰۃ مفروضہ اور ہر وہ حق جو واجب ہو' نیکی سے منع کرنے والا وہ شخص ہے جو اپنے کلام' اپنی سیرت اور اپنے حکم میں حد سے بڑھنے والا ہے اور توحید میں شک کرنے والا ہے

اس سے مراد عام مشرک ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے وہ اپنے بھائی کے بیٹوں کو اسلام لانے سے منع کرتا تھا۔

قٓ: ۲۶ میں فرمایا: جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیا' تم اس کو سخت عذاب میں ڈال دو O

اس آیت میں بھی تثنیہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی بھی یہی ہے: ڈال دو' ڈال دو' اور یہ تکرار تاکید کے لیے ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں دو فرشتوں کو حکم فرمایا ہو اس لیے تثنیہ کا صیغہ لایا گیا' ان دونوں آیتوں میں کافر سے مراد وہ شخص ہے' جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہو اور اس کی اطاعت نہ کرتا ہو اور اس کی نعمتوں کا کفر کرتا ہو اور اس کا شکر ادا نہ کرتا ہو اور وہ شخص خود بھی کفر کرتا ہو اور دوسروں کو بھی گم راہ کر کے کافر بناتا ہو' وہ حق کا انکار کرتا ہو اور اللہ سبحانہٗ کی اطاعت سے انحراف کرتا ہو' اپنے دنیاوی مال پر اتراتا ہو' اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے انکار کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی توحید میں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں شک کرتا ہو۔

قٓ: ۲۷ میں فرمایا: اس کا بُرا ساتھی (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کو گم راہ نہیں کیا' لیکن یہ خود پرلے درجہ کی گم راہی میں مبتلا تھاO

اس بُرے ساتھی سے مراد وہ شیطان ہے جو اس معاند کافر پر مسلط کیا گیا تھا وہ شیطان اس کافر سے قیامت کے دن بری ہو جائے گا اور اس کی تکذیب کرے گا' وہ کہے گا: اس شخص نے خود اپنے اختیار سے کفر کیا اور پرلے درجہ کی گم راہی میں جا پڑا' میں نے تو اس کو صرف گم راہی کی دعوت دی تھی' اس نے میری دعوت قبول کر لی' اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

قٓ: ۲۸ میں فرمایا: اللہ فرمائے گا: میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی (عذاب کی) وعید سنا چکا ہوںO

یعنی اے کافرو اور اس کے بُرے ساتھیو! میرے سامنے جھگڑا نہ کرو' میں اس سے پہلے تمہارے پاس رسولوں کو بھیج چکا ہوں اور ان کی زبانوں سے تم کو عذاب کی خبر سنا چکا ہوں۔

قٓ: ۲۹ میں فرمایا: میرے سامنے میری خبر تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوںO

اللہ تعالیٰ جو وعید سنا چکا ہے وہ یہ ہے:

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الاعراف: ۱۸)

فرمایا: (اے شیطان!) تو اس جنت سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا' میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گاO

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے' یعنی وہ کسی بے قصور کو سزا نہیں دے گا یا کسی مؤمن صالح کو ثواب سے محروم نہیں کرے گا۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

(آپ یاد کیجئے!) جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے: کیا تو پُر ہو گئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں؟O

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

اور جنت کو متقین کے قریب لایا جائے گا وہ ان سے دور نہ ہو گیO یہ وہ (انعام) ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' ہر اس

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ

شخص کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا' (اپنے دین کی) حفاظت کرنے والا ہوO جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہا اور

مُّنِيْبِۨ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا

(اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لایاO اس جنت میں ہمیشہ کے لیے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤO متقین کے لیے

يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہےO اور ہم نے ان (اہل مکہ) سے

هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ

پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دی تھیں جو گرفت کی قوت میں ان سے زیادہ تھیں' انہوں نے بہت سے شہروں کو کھنگال ڈالا کہ کہیں

فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ

چھٹکارے کی جگہ ہو O بے شک اس (قرآن) میں اس کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحب دل ہو یا جو ذہن حاضر کر کے

شَهِیْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ

کان لگائے O اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں

اَیَّامٍ ۖۗ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ

میں پیدا کیا' اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی O سو آپ ان کی (دل آزار) باتوں پر صبر

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ ۚ وَمِنَ

کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے O اور رات کے

الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ

کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی) O اور (اے مخاطب!) غور سے سن جب منادی قریب کی جگہ

مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۴۱﴾ ۙ یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

سے پکارے گا O جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے' یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے O

اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ﴿۴۳﴾ ۙ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ

بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے O جس دن زمین ان سے پھٹ جائے

سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَ

گی تو وہ دوڑتے ہوئے نکلیں گے' یہ حشر (برپا کرنا) ہم پر بہت آسان ہے O ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (کفار) کہہ

مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴿۴۵﴾ ع

رہے ہیں' اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں' پس آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ یاد کیجئے) جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے: کیا تو پُر ہوگئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں؟O اور جنت کو متقین کے قریب لایا جائے گا وہ ان سے دور نہ ہوگی O یہ وہ (انعام) ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' ہر اس شخص کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا' (اپنے دین کی) حفاظت کرنے والا ہو O جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہا' اور (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لایا O اس جنت میں ہمیشہ کے لیے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ O متقین کے لیے جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے O (قٓ: ۳۵-۳۰)

دوزخ میں اللہ کے قدم رکھنے کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ O میں تمام (کافر) جنات اور انسانوں سے ضرور جہنم کو پُر کر دوں گا O (ھود: ۱۱۹' السجدۃ: ۱۳)

اس لیے اللہ تعالیٰ جہنم سے فرمائے گا: کیا تو پُر ہوگئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ لوگ ہیں؟

اللہ تعالیٰ جہنم میں نطق پیدا کر دے گا جس طرح وہ انسان کے اعضاء میں نطق پیدا فرمائے گا' اس لیے وہ جواب دے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں کفار کو ڈالا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں؟ یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا قدم رکھ دے گا' پھر دوزخ کے بعض حصے بعض کی طرف سکڑ جائیں گے' اور وہ کہے گی: بس بس تیری عزت اور کرم کی قسم!' اور جنت میں گنجائش رہے گی' پھر اللہ تعالیٰ جنت کی فاضل جگہ کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا اور ان کو اس جگہ میں رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ پُر نہیں ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا پیر رکھ دے گا اور وہ کہے گی: بس بس! اس وقت وہ پُر ہو جائے گی اور اس کے بعض حصے بعض کی طرف سکڑ جائیں گے پس اللہ سبحانہٗ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۱' مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۰)

دوزخ میں اللہ کے قدم رکھنے کے محامل

قرآن مجید کی اس آیت میں اور مذکور الصدر احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا' متقدمین کے نزدیک قدم میں کوئی تاویل اور تحریف نہیں ہے' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قدم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور کسی چیز پر اپنا قدم رکھنا اس چیز کی اہانت کو مستلزم ہوتا ہے سو جب دوزخ مزید بھراؤ کا مطالبہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور متاخرین نے جب دیکھا کہ بہ ظاہر یہ آیت اور یہ احادیث اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے اور اس کے اعضاء کو مستلزم ہیں تو انہوں نے قدم کی مختلف تاویلیں کیں' چنانچہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

(۱) قدم سے مقدم اعمال مراد ہیں۔ یعنی اہل دوزخ جو بُرے اعمال پہلے کر چکے ہیں ان اعمال کو مجسم کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(۲) اس سے مراد بعض مخلوق کے قدم ہیں۔

(۳) ایک مخلوق کا نام قدم ہے' اس مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(۴) قدم انسان کے اعضاء کے آخر میں ہوتا ہے' پس جو آخری مخلوق دوزخ کی اہل ہوگی' اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(۵) جن موحدین کو دوزخ سے نکالا جائے گا ان کے بدلہ میں یہود اور نصاریٰ کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور چونکہ وہ موحدین پر مقدم ہیں اس لیے ان کو قدم سے تعبیر فرمایا۔
(۶) ابلیس کفر میں سب پر مقدم ہے اس لیے قدم سے مراد ابلیس ہے۔
(۷) بعض روایات میں قدم کی جگہ "رجل" کا لفظ ہے یعنی پیر' اس کی بھی یہی تاویل ہے کہ اس سے مراد بعض مخلوق کا پیر ہے یا کسی مخلوق کا نام "رِجل" ہے اس سے وہ مراد ہے۔
(۸) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کر کے اس سے جنت کو بھر دے گا' اور دوزخ کے ذکر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا یعنی کوئی مخلوق پیدا کر کے اس کو بے قصور دوزخ میں داخل نہیں کرے گا' جب کہ بغیر کسی استحقاق کے ایک مخلوق کو جنت میں داخل کر دے گا' اس سے معلوم ہوا کہ ثواب کسی عمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جنت عطا فرما دے گا جنہوں نے کوئی عمل نہیں کیا جیسے کم سن بچے اور عذاب دینا کفر اور بُرے اعمال پر موقوف ہے سو وہ کسی بے قصور کو عذاب نہیں دے گا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۴۔۵۷۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ احادیث مشاہیر احادیث الصفات ہیں اور علماء کے اس میں دو مذہب ہیں: ایک مذہب یہ ہے کہ قدم اور پیر سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے اور قدم اور پیر سے وہی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔ جمہور متقدمین اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے اور دوسرا مذہب ان علماء اور متکلمین کا ہے جو اس آیت اور ان احادیث میں تاویل کرتے ہیں۔

پھر علامہ عینی نے وہ تاویلات ذکر کی ہیں جن کو ہم اس سے پہلے علامہ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۰۔۲۶۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ قدم سے یہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت جلال مراد ہے جیسا کہ بعض چیزوں سے صفت جمال مراد ہوتی ہے' ایک قول یہ ہے کہ دوزخ میں قدم رکھنے سے مراد دوزخ کا جوش ٹھنڈا کرنا ہے اور اس سے مراد دوزخ کی اہانت کرنا ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں چیز تو میرے قدم یا پیر کے نیچے ہے' نیز جس چیز کی توہین کرنا مقصود ہو اس کو پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۲۸۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

دوزخ کو بھرنے کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کر کے بغیر کسی جرم کے اس کو دوزخ میں ڈال دینا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے اپنے رب کے سامنے مباحثہ کیا' جنت نے کہا: اے میرے رب! کیا سبب ہے کہ جنت میں صرف کمزور اور ناتواں لوگ داخل ہوں گے؟ اور دوزخ نے کہا کہ مجھے متکبرین کے ساتھ ترجیح دی گئی ہے' اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا: تم میری رحمت ہو اور دوزخ سے فرمائے گا: تم میرا عذاب ہو' میں جس کو چاہوں گا تم سے عذاب دوں گا اور تم میں سے ہر ایک میں بہت بھرنے کی گنجائش ہے' رہی جنت تو بے شک اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی کے اوپر ظلم نہیں کرے گا اور دوزخ کے لیے جن کو چاہے گا پیدا فرما دے گا اور ان کو دوزخ

میں ڈال دے گا' پھر بھی دوزخ کہے گی: کیا کچھ اور بھی زیادہ لوگ ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا' پھر دوزخ بھر جائے گی اور اس کے بعض حصے بعض کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور دوزخ (تین بار) کہے گی: بس! بس! بس!۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۴۹)

امام بخاری نے قٓ: ۳۰ کی تفسیر میں بھی اس کی مثل حدیث کو روایت کیا ہے (رقم الحدیث: ۴۸۵۰) اور اس کے آخر میں یہ مذکور ہے کہ اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا۔

اور یہاں حدیث رقم الحدیث: ۷۴۴۹ میں اس کے برعکس دوزخ کے متعلق فرمایا ہے کہ دوزخ کے لیے جن کو چاہے گا پیدا فرمادے گا اور ان کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ اور یہ حدیث صرف ''صحیح بخاری'' میں ہے' اس کے برخلاف پہلی حدیث ''صحیح بخاری'' کے علاوہ اور بہت کتب حدیث میں ہے۔ (مثلاً صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۹۳ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۱۰۵۷ طبع جدید' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۴)

اس حدیث پر اعتراض کا وارد ہونا

اور اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق کو پیدا کر کے اس کو جہنم میں ڈال دے گا تو لازم آئے گا کہ اللہ سبحانہٗ اس نئی مخلوق کو بغیر کسی معصیت اور جرم کے دوزخ میں ڈال دے اور یہ ظلم ہے' حالانکہ اسی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا اور قرآن مجید میں بھی متعدد جگہ اسی طرح فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ (النساء: ۴۰) اللہ تعالیٰ کسی پر رائی کے دانے کے ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔

اس بناء پر بعض محققین نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہاں راوی نے الٹ روایت کر دی ہے' اصل حدیث میں جنت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرنے کا ذکر تھا اور راوی نے دوزخ کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرنا روایت کر دیا اور بعض شارحین نے اس حدیث کی تاویلات اور توجیہات ذکر کی ہیں۔

اس حدیث کی شرح علامہ ابن بطال سے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ مہلب نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اللہ کے علم ازلی میں جس مخلوق کا کفر اور اس کی معصیت ثابت تھی' ان کو اللہ سبحانہٗ پیدا کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اللہ ایسی مخلوق کو پیدا کرے گا جو دنیا میں نہیں تھی اور اس کو دوزخ میں ڈال دے گا اور اس میں اہل سنت کی یہ دلیل ہے کہ اللہ اس بات کا مالک ہے کہ جس کو اس نے دنیا میں بھیج کر اپنی عبادت کا مکلف نہیں کیا اس کو بھی بغیر کسی جرم کے دوزخ میں ڈال دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ○'' (ابراہیم: ۲۷) اللہ جو چاہے وہ کرتا ہے' اس کے برخلاف بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر غیر مکلف کو عذاب دیا تو یہ اس کا ظلم ہوگا اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱۰ ص ۴۷۳۔ ۴۷۲' مکتبۃ الرشد' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی سے

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحسن القابسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا اور دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا' اور میرے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے لیے بھی کوئی مخلوق پیدا کرے گا' یہ حدیث سورۃ قٓ: ۳۰ کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور ہم نے وہاں بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوزخ میں قدم رکھنے کی کیا تاویلات اور توجیہات ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جنت کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا اور دوزخ میں صرف اپنا قدم رکھ دے گا' اس سے معلوم ہوا کہ نئی مخلوق کو پیدا کرنا اور دوزخ میں اپنا قدم رکھنا دو الگ الگ اور متغائر چیزیں ہیں۔ (اس کے بعد علامہ ابن حجر نے علامہ مہلب کی عبارت نقل کی ہے جس کو ہم علامہ ابن بطال کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:) اہل سنت کے نزدیک یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے سزا دے' اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا' لیکن یہ صرف جواز کی حد تک ہے' اہل سنت اس کے وقوع کے قائل نہیں ہے اور اس حدیث میں علماء اہل سنت کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں تاویل ہو سکتی ہے' ائمہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث میں برعکس اور الٹ روایت ہے' اصل حدیث میں جنت کے لیے مخلوق پیدا کرنے کا ذکر ہے اور اس روایت میں اس کے برعکس دوزخ کے لیے مخلوق کو پیدا کرنے کا ذکر ہے' اس لیے یہ حدیث مقلوب ہے اور ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت غلط ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جہنم ابلیس اور اس کے متبعین سے بھر جائے گی' قرآن مجید میں ہے:

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (اے ابلیس!) میں تجھ سے اور تیرے تمام متبعین سے جہنم کو بھر دوں گا ○ (ص:۸۵)

تو جب جہنم ابلیس اور اس کے متبعین سے بھر جائے گی تو وہ کب اتنی خالی ہوگی کہ اس کو بھرنے کے لیے ایک نئی مخلوق کو پیدا کرنے کی ضرورت ہو؟

اسی طرح ہمارے شیخ علامہ البلقینی نے بھی اس روایت کو رد کر دیا ہے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○ (الکہف:۴۹) اور آپ کا رب کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرے گا ○

اور انہوں نے کہا ہے کہ اس روایت کو ان پتھروں پر محمول کرنا زیادہ لائق ہے جن کو دوزخ میں ڈالا جائے گا' بہ نسبت اس ذی روح مخلوق کے جس کو بغیر گناہ کے عذاب دیا جائے' علامہ بلقینی کا کلام ختم ہوا۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: اور یہ التزام کرنا بھی ممکن ہے کہ وہ مخلوق ذی روح ہو اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور اس کو عذاب نہ دیا جائے' جیسا کہ دوزخ کے محافظین دوزخ میں ہوں گے اور ان کو عذاب نہیں ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نئی مخلوق کو پیدا کرنے اور ان کو دوزخ میں ڈالنے سے کفار کو ابتداءً دوزخ میں ڈالنا مراد ہو' اور انتہاء اور اخیر سے مراد ابتداء اور شروع ہو۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جب کفار کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو دوزخ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ لوگ بھی ہیں؟ اور اس کو تین بار کہے گی' پھر اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تو دوزخ کہے گی: بس! بس! بس! (انتہاء اور اخیر سے ابتداء اور شروع کو مراد لینا بہت دور کی تاویل ہے)۔

علامہ عسقلانی نے اس حدیث کی تائید میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا' اس کا محمل یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کا اجر نہ دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیکو کاروں کو اجر عطا فرمانے کے بارے میں اجر ضائع نہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور اجر ضائع نہ کرنے سے ظلم نہ کرنا مراد ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ○ (الکہف:۳۰) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' بے شک ہم ان کے نیک اعمال کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے ○

(فتح الباری ج ۱۵ ص ۴۰۱۔۴۰۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نئی مخلوق پیدا کر کے اس کو بلا جرم دوزخ میں ڈالنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نئی مخلوق پیدا کر کے دوزخ میں نہیں ڈالے گا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا ظلم کرنا لازم آتا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے الکہف: ۳۰ سے جو تاویل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر عذاب نازل کرنے کے سیاق میں بھی اپنی ذات سے ظلم کی نفی فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الانعام: ۱۶۰)

اور جس شخص نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اس کو اسی جرم کی سزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ○

فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (یونس: ۴۷)

اور جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کا عدل سے فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جاتا ○

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (النحل: ۳۳)

کیا یہ (کفار) اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ (ان کی روح قبض کرنے کے لیے) ان کے پاس فرشتے آ جائیں' یا ان کے پاس ان کے رب کا حکم (عذاب یا قیامت) آ جائے' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے کیا تھا' اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

اس طرح کی اور بہت آیتیں ہیں اور ان سب آیتوں میں ظلم کا معنی ہے: بغیر جرم کے سزا دینا' لہٰذا ''صحیح بخاری'' کی حدیث: ۷۴۴۹' کی حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس قدر تاویلات اور توجیہات کی ہیں وہ سب نہایت ضعیف اور رکیک ہیں اور زیادہ قوی بات یہی ہے کہ اس حدیث کا متن غلط ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاذ علامہ بلقینی نے کہا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ مہلب وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کرے یہ اس کا ظلم نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے وہ اس کا ظلم نہیں ہوتا' اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں والوں کو بہ شمول نیکو کاروں کے دوزخ میں ڈال دے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا اور عقلاً یہ چیز جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں یہ خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا' وہ کسی نیکو کار کو اس کی نیکی کے اجر سے محروم نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے الکہف: ۳۰ میں فرمایا ہے اور نہ وہ کسی فاسق یا کافر کو بغیر جرم کے سزا دے گا جیسا کہ اس نے الانعام: ۱۶۰' یونس: ۴۷ اور النحل: ۳۳ میں فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے جس اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے' اس کے خلاف کرنا محال ہے اسی طرح اس نے ظلم نہ کرنے اور بغیر جرم کے سزا نہ دینے کی جو خبر دی ہے اس کے خلاف کرنا بھی محال ہے' کیونکہ اپنی دی ہوئی خبر کے خلاف کرنا اس خبر کے کذب کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی خبر کا کاذب ہونا محال ہے' اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق کو پیدا کرے اور اس کو بغیر کسی جرم کے دوزخ میں ڈال دے۔ باقی رہا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور اس کو عذاب نہ ہو جیسا کہ دوزخ کے محافظ فرشتے دوزخ میں ہوں گے اور ان کو عذاب نہیں ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض ایک احتمال ہے اور اس کے وقوع پر کوئی دلیل نہیں ہے' بلکہ یہ احتمال قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہے' قرآن

مجید میں ہے:

لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ○ (اے ابلیس!) میں تجھ سے اور تیرے تمام متبعین سے جہنم کو بھر دوں گا○ (صٓ:٨٥)

قرآن مجید کی اس نص صریح سے معلوم ہوا کہ ابلیس اور اس کے متبعین سے جہنم بھر جائے گی اور اس میں کوئی خالی جگہ اور گنجائش نہیں ہوگی جس کے لیے کسی نئی مخلوق کو پیدا کرنا پڑے۔

اس لیے صحیح بات وہی ہے جس کو حافظ ابن حجر نے بعض ائمہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مقلوب ہے' اصل حدیث اس طرح ہے' جیسا کہ قٓ:٣٠ کی تفسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا اور دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا۔ ''صحیح البخاری'' رقم الحدیث:٧٤٤٩ میں راوی نے اس حدیث کو الٹ کر دیا اور جنت کے بجائے دوزخ کے لیے نئی مخلوق کے پیدا کرنے کو روایت کر دیا اور یا پھر علامہ ابن قیم اور حافظ بلقینی کی تصریح کے مطابق اس حدیث کا متن غلط ہے۔

میرے ایک فاضل دوست اور برطانیہ کے مشہور مسلم اسکالر حافظ عبد المجید نقشبندی (برشل) نے مجھے فون کر کے کہا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی امام بخاری کے بہت مداح ہیں اور وہ بخاری کی جن احادیث پر اعتراضات ہوں ان کا زبردست دفاع کرتے ہیں لیکن ''کتاب التوحید'' کی اس حدیث کا حافظ عسقلانی بھی مکمل دفاع نہیں کر سکے' اگرچہ انہوں نے اس حدیث کی بعض دور از کار تاویلات کی ہیں لیکن ان کو بہر حال یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اس حدیث کا متن مقلوب ہے یا پھر غلط ہے۔ آپ قٓ: ٣٠ کی تفسیر میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کو نقل کریں' سو میں نے حافظ عسقلانی کی شرح کو بھی نقل کیا ہے اور اس حدیث کے متعلق اپنی تحقیق بھی ذکر کر دی ہے اور اب میں اس حدیث کے متعلق دوسرے شارحین کی آراء کو بھی ذکر کر رہا ہوں۔

زیر بحث حدیث کے متعلق دیگر شارحین کی آراء

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ القابسی نے کہا ہے: اس جگہ میں معروف یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا اور رہی دوزخ تو اس میں اپنا قدم رکھ دے گا' اور علامہ القابسی نے کہا: میرے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا اور پھر دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا اور انہوں نے کہا کہ بخاری کی اس حدیث کے علاوہ دوزخ کے لیے مخلوق پیدا کرنے کی کوئی حدیث میرے علم میں نہیں ہے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: سورۂ قٓ:٣٠ کی تفسیر میں اس کے برعکس حدیث گزر چکی ہے اور وہاں حدیث میں ہے کہ رہی دوزخ تو وہ بھر جائے گی اور اللہ کسی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا اور رہی جنت تو اللہ اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا اور اسی طرح ''صحیح مسلم'' میں بھی ہے اور کہا گیا ہے کہ ''بخاری'' کی اس روایت میں (رقم الحدیث:٧٤٤٩) راوی کو وہم ہوا ہے کیونکہ بغیر گناہ کے کسی کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی شانِ کرم کے لائق نہیں ہے' اس کے برخلاف جو اطاعت گزار نہ ہو اس کو انعام دینا اس کا کرم ہے' اس کے بعد علامہ کرمانی نے یہ کہا کہ جس کا گناہ نہ ہو اس کو عذاب دینے میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے' کیونکہ یہ خرابی اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ حسن اور قبح عقلی ہیں اور یہ قاعدہ باطل ہے' اس لیے اگر اللہ تعالیٰ غیر عاصی کو بھی عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے' بنا بریں دوزخ کے لیے مخلوق کو پیدا کر کے اس کو بلا معصیت عذاب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے' اللہ جو چاہے کرتا ہے لہٰذا اس حدیث کو راوی کے وہم پر محمول کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

علامہ کرمانی کی یہ تقریر ان کی شرح کے جزء ٢٥ ص ١٩٠ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ١٤٠١ھ میں موجود ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۲۵ ص ۲۰۶ ' دار الکتب العلمیہ ' بیروت ' ۱۴۲۱ ھ)

میں کہتا ہوں کہ حسن وقبح کا عقلی ہونا ماتریدیہ کے نزدیک ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے اور یہی مذہب حق ہے اور حسن وقبح کا شرعی ہونا اشاعرہ کے نزدیک ہے اور یہی شوافع کا مذہب ہے اور یہ مذہب باطل ہے۔ اس کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر حسن وقبح عقلی نہ ہوتا تو پھر یہ جائز تھا کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجے بغیر کفار پر عذاب نازل فرما دیتا۔ لیکن ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف تھا اور یہ کفار پر ظلم ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر پہلے کفار پر حجت قائم فرمائی اور جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو پھر ان پر عذاب نازل فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۝ جب تک ہم رسولوں کو نہ بھیج دیں ہم (کفار پر) عذاب بھیجنے والے نہیں ہیں۝ (بنی اسرائیل: ۱۵)

اگر حسن وقبح عقلی باطل ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ظلم جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجے بغیر عذاب نازل فرما دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ حسن وقبح شرعی نہیں ' عقلی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ظلم کرنا جائز نہیں ہے ' جیسا کہ اُس نے متعدد آیات میں اپنی ذات سے ظلم کی نفی کی ہے۔ سو اس حدیث کو راوی کے وہم پر محمول کیے بغیر اور اس کو مقلوب قرار دیئے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث سورۃ ق: ۳۰ میں گزر چکی ہے ' اس میں مذکور تھا کہ رہی جنت تو اللہ اس کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا اور اس حدیث میں اس کے برعکس ہے کہ رہی دوزخ تو اللہ اس کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا ' اسی وجہ سے ائمہ کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ حدیث مقلوب ہے اور ابن قیم نے جزماً کہا: یہ حدیث غلط ہے ' اور حافظ بلقینی نے بھی اس کا انکار کیا اور ان کا استدلال الکہف: ۴۹ سے ہے کہ آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ابوالحسن القابسی نے کہا کہ معروف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا اور میرے علم کے مطابق کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا سوا اس حدیث کے۔

اس کے بعد علامہ قسطلانی نے اس حدیث کی وہ رکیک تاویلات ذکر کی ہیں جن کو ہم حافظ عسقلانی سے نقل کر کے ان کا رد کر چکے ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۴۹۲ ' دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۲۱ ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ القابسی نے کہا کہ راوی نے اس حدیث کو مقلوب (الٹ) کر دیا ہے اور معروف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا۔ علامہ ابن قیم ' علامہ بلقینی اور دوسرے علماء نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

(التوشیح علی الجامع الصحیح ج ۵ ص ۲۹۳ ' دار الکتب العلمیہ ' بیروت ' ۱۴۲۰ ھ)

شیخ محمد انور کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں بلاشک وشبہ راوی کی غلطی ہے اور ارحم الراحمین کی شان کے لائق یہ نہیں ہے کہ وہ دوزخ کے لیے مخلوق کو پیدا کرے اور بغیر جرم کے ان کو دوزخ میں ڈال دے ' البتہ معاملہ اس کے برعکس ہے ' اللہ تعالیٰ جنت کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا اور اپنے فضل سے اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور وہ کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا کہ بغیر کسی گناہ کے مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۵۲۱ ' مجلس علمی ' ہند ' ۱۳۵۷ ھ)

ہم نے اپنے فاضل دوست مولانا عبد المجید (برٹل) کی فرمائش پر اس حدیث کی کافی تحقیق کی ہے اور اس تحقیق سے یہ

واضح ہوگیا کہ حدیث کے متن کی چھان پھٹک میں بعض اوقات امام بخاری سے بھی سہو ہوجاتا ہے اور وہ مقلوب متن کی بھی روایت کر دیتے ہیں' ہوسکتا ہے کہ بعض بخاری پرستوں کو یہ ناگوار گزرے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کی بہ نسبت یہ آسان سمجھتے ہیں کہ امام بخاری کی طرف مقلوب متن کی روایت کی نسبت کردی جائے' واللہ! ہمارے دل میں تمام ائمہ حدیث سے زیادہ امام بخاری کی محبت ہے اور ان کی عظمت ہمارے دل میں جاگزین ہے' لیکن سب سے زیادہ ہمارے دل میں اللہ سبحانہ' کی محبت اور عظمت ہے' اللہ تعالیٰ ہمارے قارئین کو بھی اس محبت سے حظ وافر عطا فرمائے۔(آمین)

ق: ٣١ میں فرمایا: اور جنت کو متقین کے قریب لایا جائے گا وہ ان سے دور نہ ہوگی O

جب ان سے کہا گیا کہ نیک عمل کرو اور گناہوں سے اجتناب کرو تو جنت ان کے دلوں کے قریب کر دی گئی' ایک قول یہ ہے کہ جب متقین جنت میں داخل ہو جائیں گے تو جنت کے مقامات ان کے قریب کر دیئے جائیں گے۔

ق: ٣٢ میں فرمایا: یہ وہ (انعام) ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا O ہر اس شخص کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا' (اپنے دین کی) حفاظت کرنے والا ہو O

''اوّاب'' کا معنی

متقین سے کہا جائے گا: یہ وہ جزاء ہے جس کا تم سے دنیا میں رسولوں کی زبان کے ذریعہ وعدہ کیا گیا تھا' اس آیت میں ''اوّاب'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: جو گناہوں کو ترک کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور اگر شامتِ نفس سے پھر گناہ کر بیٹھے تو پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کو کھیل نہ بنائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء نے کہا کہ ''اوّاب'' کا معنی ہے: تسبیح کرنے والا۔ الحکم بن عتیبہ نے کہا: ''اوّاب'' وہ شخص ہے جو خلوت میں اللہ کا ذکر کرے۔ شعبی اور مجاہد نے کہا: ''اوّاب'' وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور عبید بن عمر نے کہا: ''اوّاب'' وہ شخص ہے جو ہر مجلس میں بیٹھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور ان ہی کا قول ہے کہ ''الاوّاب الحفیظ'' وہ شخص ہے کہ جب وہ کسی مجلس سے اٹھے تو کہے: ''سبحان اللہ وبحمدہ'' اے اللہ! مجھ سے اس مجلس میں جو گناہ ہو گیا میں تجھ سے اس پر مغفرت طلب کرتا ہوں۔ حضرت ابو برزہ اسلمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مجلس سے اٹھ کر کہا: ''سبحانك اللھم وبحمدك لا الہ الا انت استغفرك واتوب الیك''. تو اس مجلس میں جو اس سے گناہ ہوا ہو اللہ اس کو بخش دیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٨٥٩' المستدرک ج ١ ص ٥٣٧' السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ١٠٢٣٠)

''حفیظ'' کا معنی

قاسم نے کہا: جو اللہ عزوجل کے ذکر کے سوا اور کسی کام میں مشغول نہ ہو وہ ''حفیظ'' ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھتا ہو حتیٰ کہ ان سے توبہ کر لے۔ قتادہ نے کہا: جو شخص اللہ سبحانہ' کی دی ہوئی نعمتوں اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہو وہ ''حفیظ'' ہے۔ نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرتا ہو وہ ''حفیظ'' ہے۔ مجاہد نے کہا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے حق اور اس کی نعمت کا اعتراف کر کے اس کا شکر بجالائے وہ ''حفیظ'' ہے۔ ضحاک نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو قبول کرے وہ ''حفیظ'' ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح کے اوّل وقت میں چار رکعات کی حفاظت کرے وہ حفیظ ہے۔

(النکت والعیون ج ٥ ص ٣٥٤۔ ٣٥٣' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

قٓ: ۳۳ میں فرمایا: جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہا اور (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا دل لایا O
''قلب منیب'' کا معنی ہے: جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو' ایک قول ہے کہ وہ مخلص ہو۔ ابوبکر وراق نے کہا: ''منیب'' وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشوں کو ترک کرنے والا ہو' اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرتا ہو اور اس کی کبریائی کا عارف ہو۔

قٓ: ۳۴ میں فرمایا: اس جنت میں ہمیشہ کے لیے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ O
یعنی جو مذکور الصدر صفات کے حامل ہوں گے' جو متقین ہوں' اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہوں' دین کی حفاظت کرنے والے اور بن دیکھے اللہ سے ڈرنے والے ہوں' ان سے کہا جائے گا: تم اس جنت میں ہمیشہ کے لیے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ سلامتی کا معنی ہے: عذاب سے سلامتی کے ساتھ یا نعمتوں کے زوال کی سلامتی کے ساتھ یا اللہ اور فرشتوں کے سلام کے ساتھ۔

اہل جنت کے لیے غیر مترقبہ نعمتیں

قٓ: ۳۵ میں فرمایا: متقین کے لیے جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے O
جو نعمتیں ان کو اچھی اور لذیذ لگیں گی اور وہ نعمتیں جن کا کبھی ان کے دل میں خیال بھی نہیں آیا ہو گا وہ نعمتیں ان کو جنت میں ملیں گی' احادیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن کو جنت میں اولاد کی خواہش ہوگی تو اس کا حمل اور وضع حمل اور اس کا سن ایک ساعت میں ہو جائے گا جس طرح اس کی خواہش ہوگی (اس حدیث کی سند حسن ہے)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۰۴' البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۴۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۷ ص ۱۱۷۔۱۱۶۔ رقم الحدیث: ۱۱۰۶۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

متقین کے لیے غیر مترقبہ نعمتوں کے علاوہ خصوصی مزید انعام

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''ولدینا مزید'' یعنی متقین جنت میں جو چاہیں گے وہ ان کو مل جائے گا اور ہمارے پاس مزید انعام بھی ہے' وہ مزید انعام کیا ہے' اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے: ''لبیک ربنا وسعدیك'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے' حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں عطا کیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم کو اس سے بھی افضل چیز عطا کروں گا' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ان نعمتوں سے افضل اور کون سی نعمت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کر دوں گا اور تم پر کبھی ناراض نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۸۸)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ'' (یونس: ۲۶) نیک کام کرنے والوں کے لیے اچھا اجر ہے اور ایک زائد انعام ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا وہ زائد انعام کیا ہے؟ فرمایا جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا: بے شک تمہارے لیے اللہ کا

ایک وعدہ ہے' اہل جنت کہیں گے: کیا اللہ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے' کیا اللہ نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! 'پھر اللہ! اپنے چہرے سے حجاب کھول دے گا' آپ نے فرمایا: پس اللہ کی قسم! اللہ نے ان کو اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں دی کہ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۴۴۹۔۴۴۸'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷'مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے'ان کے پاس ایک سفید آئینہ تھا جس میں ایک سیاہ نکتہ تھا' میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ جمعہ ہے جو آپ کے اوپر آپ کا رب پیش فرمائے گا' تاکہ وہ آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے عید ہو جائے اور آپ اوّل رہیں اور یہود اور نصاریٰ آپ کے بعد رہیں (کیونکہ یہود نے اپنے لیے ہفتہ کا دن رکھا اور نصاریٰ نے اتوار کا)' آپ نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: آپ کے لیے اس میں خیر ہے' اس میں آپ کے لیے ایک ایسی ساعت ہے کہ جو شخص بھی اس میں خیر کی دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمادے گا یا اس سے زیادہ عظیم چیز کو اس کے لیے ذخیرہ کردے گا' یا وہ کسی شر سے پناہ طلب کرے گا تو اس سے بڑے شر سے اس کو پناہ میں رکھے گا۔ میں نے پوچھا: اس میں یہ سیاہ نکتہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ ساعت ہے جس میں جمعہ قائم ہوتا ہے' ہمارے نزدیک جمعہ سید الایام ہے اور ہم آخرت میں اس کو یوم المزید کہیں گے' میں نے کہا: تم اس کو یوم المزید کیوں کہو گے؟ انہوں نے کہا: بے شک آپ کے رب عزوجل نے جنت میں ایک وادی بنائی ہے جو مشک سے زیادہ خوشبودار اور سفید ہے' جب جمعہ کا دن ہو گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر جلوہ فرما ہو گا' اسی کرسی کے گرد نور کے منبر ہوں گے اور انبیاء آ کر ان منبروں پر بیٹھ جائیں گے' پھر ان منبروں کے گرد سونے کی کرسیاں ہوں گی' پھر صدیقین اور شہداء آ کر ان کرسیوں پر بیٹھ جائیں گے' پھر اہل جنت آئیں گے اور وہ ٹیلوں پر بیٹھ جائیں گے' پھر ان کے اوپر ان کا رب تبارک و تعالیٰ تجلی فرمائے گا' حتیٰ کہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے اور وہ فرمائے گا: میں وہ ہوں جس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا' یہ میری عزت کی جگہ ہے' تم مجھ سے سوال کرو' پس اہل جنت اس سے رضا کا سوال کریں گے حتیٰ کہ ان کی رغبت ختم ہو جائے گی' پھر ان کے لیے وہ نعمتیں کھولی جائیں گی جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا نہ کسی کان نے سنا ہو گا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال آیا ہو گا' یہ مجلس اتنی دیر رہے گی جتنی دیر میں لوگ جمعہ سے فارغ ہوتے ہیں' پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کرسی پر چڑھے گا اور اس کے ساتھ ہی صدیقین اور شہداء بھی (اپنی اپنی) کرسیوں پر چڑھیں گے اور بالا خانے والے اپنے بالا خانوں کی طرف لوٹ جائیں گے' وہ بالا خانے سفید موتی کے ہوں گے جن میں کوئی کاٹ پیٹ اور توڑ پھوڑ نہیں ہو گی یا سرخ یاقوت کے ہوں گے یا سبز زمرد کے ہوں گے' ان کے دروازے ایک جیسے ہوں گے' ان میں ان کے دریا ہوں گے' ان میں پھل لٹکے ہوئے ہوں گے' ان میں ان کی بیویاں اور ان کے خدام ہوں گے' پھر ان کو جمعہ کے دن کے سوا اور کسی دن کی احتیاج نہیں ہو گی تاکہ اس دن ان کو زیادہ کرامت حاصل ہو اور اس دن ان کو اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی زیادہ سعادت ملے اور اسی وجہ سے اس دن کا نام یوم المزید ہے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۴۲۲۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۷۱۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۱۹' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام ابویعلیٰ کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں' امام طبرانی کی حدیث دو سندوں سے مروی ہے' ایک سند کے تمام راوی صحیح ہیں اور دوسری سند کے ایک راوی عبد الرحمان بن ثابت بن ثوبان کی توثیق میں اختلاف ہے اور امام بزار کی سند میں خلاف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۷۱۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (اہل مکہ) سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دی تھیں جو گرفت کی قوت میں ان سے

زیادہ تھیں' انہوں نے بہت سے شہروں کو کھنگال ڈالا کہ کہیں چھٹکارے کی جگہ ہو O بے شک یہ (قرآن) اس کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحبِ دل ہو یا جو ذہن حاضر کر کے کان لگائے O اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا' اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی O (ق: ۳۸۔۳۶)

''نقبوا'' اور ''لغوب'' کا معنی اور عقل کا محل

اس آیت: (ق: ۳۶) میں یہ بتایا ہے کہ اے نبی مکرم! ہم آپ سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو اہل مکہ سے زیادہ طاقت ور تھیں' انہوں نے ہمارے ہلاک آفریں عذاب سے بچنے کے لیے بہت شہروں میں پناہ ڈھونڈنا چاہی لیکن ان کو کسی جگہ ہمارے عذاب سے پناہ نہیں مل سکی O

اس آیت میں ''نقبوا'' کا لفظ ہے ''نقب'' کا لغوی معنی ہے: سوراخ کرنا' لیکن یہاں اس کا معنی ہے: شہروں میں گھومنا پھرنا' اس کے بعد ہے: ''**ھل من محیص**''۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا موت سے نجات کی کوئی جگہ ہے؟ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ہے؟ سعید نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا اللہ کے عذاب سے روکنے کی کوئی جگہ ہے؟

ق: ۳۷ میں فرمایا: بے شک یہ (قرآن) اس کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحب دل ہو یا ذہن حاضر کر کے کان لگائے O

اس آیت میں قلب سے مراد عقل ہے اور عقل کو قلب سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ عرف اور محاورہ میں عقل کا محل دل ہے ورنہ حقیقت میں عقل کا محل دماغ ہے۔ مجاہد نے کہا: قلب سے مراد ہے: زندہ انسان کا نفس جو اشیاء میں تمیز کرتا ہو اور نفس کو قلب سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ عرف میں قلب ہی نفس اور حیات کا وطن اور معدن ہے۔

یحییٰ بن معاذ نے کہا: انسان میں دو قلب ہیں' ایک وہ قلب ہے جو دنیا کے اشغال میں منہمک رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے سامنے آخرت کا کوئی معاملہ آئے تو اس کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا کرے اور دوسرا قلب وہ ہے جو آخرت کے افکار میں مستغرق رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے سامنے دنیا کے متعلق کوئی معاملہ پیش کیا جائے تو وہ نہیں سمجھ پاتا کہ اس کے متعلق کیا کرنا چاہیے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جز ۱۷ص ۲۲)

میں کہتا ہوں کہ انسان میں دو دلوں کا ہونا تو مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے' البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ ہیں جن کا دل دنیاداری میں لگا رہتا ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کا دل دین داری میں لگا رہتا ہے۔

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنی عقل کو استعمال کر کے بہ غور قرآن مجید میں مذکور نصیحتوں کو سنے گا تو اس کو ضرور ہدایت حاصل ہوگی اور جو بے توجہی اور بے پرواہی سے قرآن کریم کو سنے گا اس کو اس کی نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ق: ۳۸ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا' اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی O

''لغوب'' کے معنی تھکاوٹ ہیں' یہ آیت یہود کے رد میں نازل ہوئی ہے' انہوں نے یہ زعم کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کے بعد تھک گیا ہے' پہلا دن اتوار تھا اور آخری دن جمعہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن تھکاوٹ اتارنے کے لیے آرام کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے سے اس کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ ان کی (دل آزار) باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے O اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی) O اور (اے مخاطب!) غور سے سن جب منادی قریب کی جگہ سے پکارے گا O جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے' یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے O (قٓ: ۴۲۔۳۹)

قٓ: ۳۹ کا سببِ نزول

اس آیت قٓ: ۳۹ میں آپ کو کفار کی دل آزار باتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی اور اب منسوخ ہو چکی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لیے اس کا حکم ثابت ہے' یعنی اگر آپ کی اور آپ کی امت کی ذات کے خلاف کوئی دل آزار بات کہی جائے تو اس پر صبر کریں' اور اگر دین اسلام کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو اس پر ان کے خلاف جہاد کریں اور ایک قول یہ ہے کہ یہود نے جو کہا ہے کہ چھ دن آرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن تھکاوٹ اتارنے کے لیے آرام کیا تو آپ ان کے اس قول پر صبر کریں۔

فجر اور عصر کی نماز پڑھنے کی خاص اہمیت

اور یہ جو فرمایا ہے: اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے اس سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور تمہیں اس کو دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی' پس اگر تم طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے میں کسی سے مغلوب نہ ہو تو ایسا کرلو' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ" (قٓ: ۳۹) یعنی یہ نمازیں تم سے قضا نہ ہونے پائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۴۶۰)

بالخصوص فجر اور عصر کی نمازوں کی جو تاکید فرمائی ہے اس کی وجہ درج ذیل حدیث میں مذکور ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس رات کے اعمال لکھنے والے اور دن کے اعمال لکھنے فرشتے ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور یہ دونوں فرشتے فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں' پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری تھی وہ اوپر چڑھتے ہیں' پھر ان کا رب جو کہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے ان سے سوال کرتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں: ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۹۹)

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز سنت پڑھنے کی تحقیق

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ "قبل طلوع الشمس" سے مراد نمازِ فجر سے پہلے کی دو سنتیں ہیں اور "قبل الغروب" سے مراد مغرب کی نماز سے پہلے کی دو سنتیں ہیں۔ نمازِ مغرب سے پہلے دو سنتیں پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے:

ثمامہ بن عبداللہ بن انس بیان کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اصحاب فہم مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے' جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ جلدی سے مسجد کے ستونوں کے پیچھے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے اور اس قدر لوگ یہ دو رکعت نماز پڑھتے تھے کہ کوئی مسافر مسجد میں آتا تو یہ سمجھتا تھا کہ جماعت ہو چکی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۳۷)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مغرب کی اذان کے بعد جماعت سے پہلے دو رکعات نماز پڑھنا سنت ہے اور اب حرمین شریفین میں ائمہ ثلاثہ کے مقتدی یہ نماز پڑھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نماز جائز ہے' سنت نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کے غروب ہونے کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ راوی نے حضرت انس سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ دو رکعت نماز پڑھتے تھے؟ حضرت انس نے کہا: آپ ہمیں یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے' پس آپ ہمیں اس نماز کا حکم دیتے تھے اور نہ اس نماز سے منع کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۳۶)

صحابہ کرام جو مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دو اذانوں (ہر اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے' یہ آپ نے تین بار فرمایا اور تیسری بار فرمایا جو چاہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۷۲۔۶۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۶۲)

ہر چند کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا جائز ہے لیکن ان کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مغرب کی اذان کے فوراً بعد نماز پڑھ لی جائے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت اس وقت تک خیر پر رہے گی یا فطرت پر رہے گی جب تک وہ مغرب کی نماز جلدی پڑھتی رہے گی' جب تک وہ مغرب کی نماز کو اتنا مؤخر نہ کرے کہ ستاروں کا جال بن جائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۸' المستدرک ج ۱ ص ۱۹۰' مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۱۔۱۹۰)

علامہ علاء الدین کاسانی متوفی ۵۸۷ھ اور علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے: "**لا یزال امتی بخیر ما عجلوا المغرب واخروا العشاء**". علامہ عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے لکھا ہے: ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ثابت نہیں ہے' غریب ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۱۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ) اصل میں اس حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو ہم نے "سنن ابوداؤد" اور "مستدرک" کے حوالوں سے نقل کیے ہیں "ہدایہ" کے بعض مقامات پر ایسی اور بھی مثالیں ہیں' علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے لیکن اس کے یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (بنایہ ج ۲ ص ۴۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ) علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں اس حدیث کی وہی عبارت ذکر کی ہے جو "سنن ابوداؤد" میں ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔ (الدرایہ ج ۱ ص ۱۰۶)

اس تحقیق کو ذکر کرنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ "بدائع الصنائع" اور "ہدایہ" میں حدیث کے الفاظ پڑھ کر کوئی عالم

ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کی روایت نہ کرے' تاوقتیکہ اس حدیث کی اصل کتب سے تحقیق نہ کرلے۔

رات کو اٹھ کر تسبیح پڑھنے کے محامل

قٓ: ۴۰ میں فرمایا: اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی)O

اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) ابوالاحوص نے کہا: اس سے مراد ہے: رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا (۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: تمام رات نماز پڑھنا (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد ہے: فجر کی دو رکعت سنت پڑھنا (۴) ابن زید نے کہا: اس سے مراد ہے: عشاء کی نماز پڑھنا۔

ابن العربی نے کہا: اس سے مراد وہ تسبیحات ہیں جو رات کو بیدار ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رات کو بیدار ہو کر یہ کلمات پڑھے:

''لا اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لا شریكَ لَهٗ ' لَهُ الملكُ ولهُ الحمدُ ' وهو علی کلِّ شیءٍ قدیرٌ ' الحمدُ للّٰه وسبحانَ اللّٰه ولا اِلٰه اِلَّا اللّٰه واللّٰهُ اکبر ' وَلَا حَولَ وَلَا قُوة اِلَّا باللّٰهِ'' پھر کہا: ''اللّٰهمَّ اِغفِرلِی'' یا کوئی اور دعا کی تو اس کی دعا قبول ہو جائے گی' پھر اگر اس نے وضو کیا تو اس کی نماز مقبول ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۵۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۸)

بعض علماء نے کہا: ان تسبیحات سے وہ تسبیحات مراد ہیں جو نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ مال دار لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے' وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور کیونکہ ان کو مال کی فضیلت حاصل ہے تو وہ اس مال کے سبب سے حج کرتے ہیں اور عمرہ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو تم اپنے اوپر سبقت کرنے والوں کی عبادتوں کا اجر پالو گے اور تمہارے بعد کوئی اور ان عبادتوں کے اجر کو نہیں پا سکے گا' اور تم اپنے دور کے لوگوں میں سب سے افضل ہو گے' ماسوا اس کے جو اس جیسا عمل کرے (جو میں تم کو بتا رہا ہوں)؟ تم ہر نماز کے بعد تینتیس' تینتیس بار ''سبحان الله ' الحمد لله'' اور ''الله اکبر'' کہو' پھر ہم میں اختلاف ہوا' بعض نے کہا: ہم تینتیس' تینتیس بار ''سبحان الله'' اور ''الحمد لله'' پڑھیں گے اور چونتیس بار ''الله اکبر'' کہیں گے' پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم ''سبحان الله ' الحمد لله'' اور ''الله اکبر'' میں سے ہر کلمہ کو تینتیس بار پڑھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۱۲۔۴۱۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۹)

تسبیح پڑھنے کا اجر وثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ ''سبحان الله'' کہا یا سو مرتبہ ''لا الٰه الا الله'' کہا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۵۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ

سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ کہا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ ' لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''. وہ اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور اس کی ایک سو نیکیاں لکھی جائیں گے اور اس کے ایک سو گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور یہ کلمات اس کے لیے اس دن شام تک شیطان سے پناہ کا باعث رہیں گے اور کوئی شخص ان کلمات کے پڑھنے سے زیادہ افضل ذکر نہیں کر سکے گا' ہاں! وہ شخص جس نے ان کلمات کو سو مرتبہ سے زیادہ پڑھا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

آیا سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے کا اجر و ثواب زیادہ ہے یا سو مرتبہ ''سبحان اللہ'' پڑھنے کا؟

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

مؤخر الذکر دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھنا ''لا الٰہ الا اللہ'' الخ پڑھنے سے زیادہ افضل ہے' کیونکہ اول الذکر کے پڑھنے سے سمندر کے جھاگ برابر گناہ معاف ہوتے ہیں اور ثانی الذکر کے پڑھنے سے سو گناہ معاف ہوتے ہیں' حالانکہ سب سے افضل ذکر ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل الذکر ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے اور افضل الدعاء ''الحمد للہ'' ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۰)

اور ''صحیح بخاری'' کی اس حدیث میں بھی ہے کہ ایک دن میں سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' الخ پڑھنے سے افضل اور کوئی ذکر نہیں ہے ہاں! جو شخص ان کلمات کو سو مرتبہ سے زیادہ پڑھے' اس کا جواب یہ ہے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنا اس سے زیادہ افضل ہے کہ اس سے سو گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور سو نیکیاں بھی ملتی ہیں اور اس میں سو غلاموں کو آزاد کرنے کا اجر و ثواب بھی ہے جب کہ تسبیح پڑھنے کے اجر سے سمندر کے جھاگ کے برابر صرف گناہ معاف ہوتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے کا جو اجر و ثواب ہے وہ تسبیح پڑھنے کے اجر سے اور گناہوں کو مٹانے کے اجر سے بہت زائد ہے' کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے اعضاء کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴۱) اور چونکہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے سے دس غلاموں کو آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے' اس سے معلوم ہوا جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ'' الخ پڑھتا ہے اس کا اجر و ثواب دس بار دوزخ سے آزاد ہونے کو مستلزم ہے' اور یہ تسبیح کے اجر و ثواب سے بہت زیادہ ہے کیونکہ ایک دن میں سو بار ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھنے سے سمندر کے جھاگ کے برابر گناہ معاف ہوتے ہیں لیکن یہ جہنم سے آزاد ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ نیز ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے منزہ اور پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور یہ ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر'' میں زیادہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے' کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے شریک کی نفی ہے اور اس کے لیے وحدانیت اور ملکیت اور صفات کمالیہ اور ہر چیز پر قدرت کا ثبوت ہے' نیز ''سبحان اللہ'' پڑھنے سے کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہوتا اور ''لا الٰہ الا اللہ''

پڑھنے سے اسلام میں داخل ہوتا ہے' یہ کلمۂ توحید ہے' کلمۂ اخلاص ہے اور ایک قول ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے۔
امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! مجھے وہ کلمات بتا جن سے میں تیرا ذکر کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ "لا الٰہ الا اللہ" اور اسی میں ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور "لا الٰہ الا اللہ" کو دوسرے پلڑے میں رکھا تو "لا الٰہ الا اللہ" والا پلڑا بھاری ہوگا۔

علامہ ابن حجر اور علامہ ابن بطال کے نزدیک اذکارِ ماثورہ کے اجر و ثواب کی بشارت صرف نیکوکاروں کے لیے ہے بدکاروں کے لیے نہیں ہے

نیز علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: علامہ ابن بطال نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ ان اذکار کی فضیلت ان نیک لوگوں کے لیے ہے جو دین دار ہوتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں (مثلاً سود کھانا' قتل کرنا' زنا کرنا' شراب پینا اور اواطت کرنا وغیرھا) سے پاک ہوتے ہیں اور ان اذکار کا اجر و ثواب ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو اپنی شہوت کے تقاضوں پر اصرار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حدود اور اس کی حرمتوں کو ناحق پامال کرتے ہیں۔ (شرح البخاری لابن بطال ج ۱۰ ص ۱۳۴) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: اس قول کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○ (الجاثیہ: ۲۱)

کیا جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے وہ لوگ یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں○

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۵۰۷۔۵۰۵ 'ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابن حجر اور علامہ ابن بطال کی رائے پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ جو لوگ سخت کبیرہ گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور ان میں منہمک اور مستغرق رہتے ہیں اور توبہ کیے بغیر ان گناہوں کو کرتے ہوئے مر جاتے ہیں' ان کو تو شاید دن میں سو بار "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" الخ پڑھنے سے یہ اجر و ثواب اور دس بار دوزخ سے آزاد ہونے کا مرتبہ نہیں ملے گا' لیکن جو مسلمان ان بڑے گناہوں سے توبہ کر لے اور اخلاص کے ساتھ دن میں سو بار ان اذکار کو پڑھے اس کو یقیناً ان اذکار کا اجر و ثواب ملے گا نیز ان اذکار کو پڑھنے کی توفیق اسی شخص کو ہو گی جو کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہوگا اور اس کے دل و دماغ میں نیک کاموں سے متصف ہونے کا جذبہ ہوگا' نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اذکار کو پڑھنے پر جس اجر و ثواب کی بشارت دی ہے اس میں کوئی قید نہیں لگائی کہ فلاں شخص یہ اذکار پڑھے گا تو اس کو اجر و ثواب ملے گا اور فلاں شخص پڑھے گا تو اس کو اجر و ثواب نہیں ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع اور عام ہے اس کو کون مقید کر سکتا ہے' جب کہ مغفرت اور رحمت کی زیادہ ضرورت گناہ گاروں کو ہے' نیکوکار تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے ویسے ہی مالا مال ہیں۔ اور الجاثیہ: ۲۱ سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ نیکوکار یہ اذکار پڑھیں گے تو ان کو اجر ملے گا اور بدکار پڑھیں گے تو ان کو اجر نہیں ملے گا' اس آیت کا تو صرف اتنا تقاضا ہے کہ نیکوکاروں اور بدکاروں کا مرتبہ اور مقام اور دنیا اور جنت میں ان کے درجات برابر نہیں ہوں گے' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی نیک عمل کے جس ثواب کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا ہے وہ وعدہ نیکوکاروں کے حق میں تو پورا ہوگا اور بدکاروں کے حق میں پورا نہیں ہوگا' کیا

فرض نماز کے پڑھنے سے نیک لوگوں سے تو فرضیت ساقط ہو گی اور بدکار لوگ نماز پڑھیں گے تو ان سے فرضیت ساقط نہیں ہو گی! علیٰ ھٰذا القیاس دیگر فرائض ہیں' اسی طرح اذکار کا معاملہ ہے جو شخص بھی جو ذکر کرے گا اس پر اللہ اور رسول نے جس اجر کا وعدہ فرمایا اس کو وہ اجر ضرور ملے گا خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار۔

''لا الٰہ الا اللّٰہ'' اور ''سبحان اللّٰہ'' پڑھنے کے اجر و ثواب میں ایک اور فرق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

تسبیح کی فضیلت میں یہ حدیث ہے: جس شخص نے ایک دن میں سو بار ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے' خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں' ان گناہوں سے مراد ہے جن گناہوں کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ ہو' کیونکہ جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہوتا ہے وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے' جب تک صاحب حق معاف نہ کردے اور سمندر کی جھاگ جو فرمایا ہے اس سے کثرت میں مبالغہ مراد ہے' یعنی اس کے بہت گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(عمدۃ القاری جز ۲۳ ص ۳۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی تقریر سے ایک اور وجہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تسبیح پڑھنے کا اجر و ثواب ''لا الٰہ الا اللہ'' الخ پڑھنے سے زائد نہیں ہے کیونکہ ہر چند کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے سے سو گناہ معاف ہوتے ہیں' تاہم تسبیح سے بھی اکثر گناہ معاف ہوتے ہیں نہ کہ وہ جو حقیقۃً سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

''ادبار السجود'' کے محامل

اس کے بعد فرمایا: اور نمازوں کے بعد (بھی) O

حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابوہریرہ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصری' نخعی' شعبی' اوزاعی اور زہری نے کہا: اور نمازوں کے بعد تسبیح پڑھنے سے مراد ہے: مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اور ''ادبار النجوم'' (ستاروں کے ڈوبنے کے بعد) سے مراد ہے: نماز فجر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ''ادبار السجود'' ہے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۰۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تھا' آپ نے نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی' پھر آپ نمازِ فجر پڑھنے مسجد چلے گئے' پھر آپ نے فرمایا: اے ابن عباس! نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا ''ادبار النجوم'' ہے اور مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ''ادبار السجود'' ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مغرب کے بعد کسی سے بات کرنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی اس کی وہ نماز علیین میں لکھی جاتی ہے' حضرت انس نے کہا: آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھی۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۸۳۳' مکتب اسلامی' بیروت)

علامہ ثعلبی نے لکھا ہے کہ ابن زید نے کہا کہ ''وادبار السجود'' سے مراد فرائض کے بعد نوافل ہیں۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۰۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ثمامہ بن عبد اللہ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب

قراءت دو رکعت نماز مغرب سے پہلے پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۹۸۲)

ایک قول یہ ہے کہ "وادبار السجود" سے مراد وہ ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے بعد کرتے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے:

لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہُ وحدَہ لا شریکَ لَہٗ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر' اَللّٰھُمَّ لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منك الجد.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۵۔ ۶۳۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۲۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۲۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۰۵' مسند احمد ج ۴ص ۲۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۰۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) غور سے سن جب منادی قریب کی جگہ سے پکارے گاO جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہےO بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہےO جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی تو وہ دوڑتے ہوئے نکلیں گے' یہ حشر (برپا کرنا) ہم پر بہت آسان ہےO ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (کفار) کہہ رہے ہیں' اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں' پس آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہوO (قٓ: ۴۵۔۴۱)

دوسرے صور میں پھونکنے کے بعد لوگوں کے زندہ ہونے کی کیفیت

یعنی اے مخاطب! قیامت کی چیخ کو غور سے سن اور منادی کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ منادی حضرت جبریل ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ منادی حضرت اسرافیل ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت اسرافیل صور میں پھونکیں گے اور حضرت جبریل نداء کریں گے اور یہ دوسری بار صور میں پھونکنا ہوگا' حضرت جبریل کہیں گے: چلو حساب کی طرف چلو' اس قول کی بناء پر یہ نداء میدانِ محشر میں ہوگی۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے مخاطب! کفار کی چیخ و پکار سن' جو قریب کی جگہ سے ہائے عذاب' ہائے موت پکار رہے ہوں گے اور اس چیخ و پکار کو تمام اہل محشر سن رہے ہوں گے اور کوئی شخص اس نداء سے دور نہیں ہوگا۔

عکرمہ نے کہا: رحمٰن کا منادی نداء کرے گا گویا کہ وہ لوگوں کے کانوں میں نداء کرے گا' مکان قریب کے متعلق اور بھی کئی اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کا پتھر ہے' حضرت جبریل یا اسرافیل اس پتھر پر کھڑے ہو کر نداء کریں گے: اے پرانی ہڈیو! اے کٹے ہوئے جوڑو! اور اے بوسیدہ ہڈیو! اور اے فانی کفنو! اور اے گرے ہوئے دلو! اور اے خراب بدنو! اور اے آنسو بہانے والی آنکھو! رب العلمین کے سامنے پیش ہونے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ قتادہ نے کہا: یہ نداء کرنے والے حضرت اسرافیل ہیں جو صور پھونکنے والے ہیں۔

قبروں سے باہر نکلنے کی کیفیت

قٓ: ۴۲ میں فرمایا: جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہےO

یعنی یہ حساب کے لیے جمع ہونے کا دن ہے اور یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے' مردے اس چیخ کی آواز سن کر زندہ ہو جائیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف دوڑیں گے۔

قٓ: ۴۴۔۴۳ میں فرمایا: بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہےO

جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی تو وہ دوڑتے ہوئے نکلیں گے یہ حشر بپا کرنا ہم پر بہت آسان ہے O

یعنی ہم زندوں پر موت طاری کرتے ہیں اور مردوں کو زندہ کردیتے ہیں

جس دن زمین پھٹ جائے گی اور مردے زندہ ہو کر حضرت اسرافیل کی طرف دوڑیں گے جو صور پھونکنے والے ہیں اور سب بیت المقدس کی طرف دوڑیں گے جہاں حشر برپا ہوگا اور یہ ہم پر بہت آسان ہے' یہ حشر شام کی سرزمین پر برپا ہوگا۔

گناہ گاروں کے حشر کی کیفیت

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ روحیں مختلف صورتوں میں ہیں پس جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو ہر روح اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔ محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر اندھیرے میں کیا جائے گا' آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور ایک منادی نداء کرے گا اور اس دن لوگ اس منادی کی آواز کے پیچھے ہو جائیں گے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ (طٰہٰ: ۱۰۸)

جس دن لوگ منادی کے پیچھے چلیں گے جس میں کوئی کجی نہیں ہوگی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ (الانفطار: ۴۔۱)

جب آسمان پھٹ جائے گا O اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O اور جب سمندر (اپنی جگہ سے) بہا دیئے جائیں گے O اور جب قبریں (شق کرکے) اکھاڑ دی جائیں گی O

یعنی زمین سے تمام مردے باہر نکال دیئے جائیں گے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۙ (الانشقاق: ۴۔۱)

جب آسمان پھٹ جائے گا O اور اپنے رب کا حکم مانے گا اور یہ اس پر واجب ہے O اور جب زمین پھیلا دی جائے گی O اور جو اس کے اندر ہے وہ اس سب کو باہر ڈال کر خالی ہو جائے گی O

یعنی زمین سے تمام مردوں کو باہر نکال دیا جائے گا۔

امام مسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کا حشر میدے کی طرح سفید روٹی پر کیا جائے گا۔

ابوبکر احمد بن علی الخطیب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو بھوکا پیاسا جمع کیا جائے گا' اس سے زیادہ وہ کبھی بھوکے پیاسے نہیں ہوں گے اور ان کا بے لباس حشر کیا جائے گا اور وہ بہت زیادہ تھکے ماندے ہوں گے' پس جس کو اللہ کھلائے گا' وہ کھالے گا اور جس کو اللہ پلائے گا' وہ پی لے گا اور جس کو اللہ پہنائے گا' وہ پہن لے گا اور جس کی اللہ مدد فرمائے گا وہ راحت پائے گا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اس آیت کے متعلق بتایئے:

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ (النباء: ۱۸)

جس دن (دوسری بار) صور میں پھونکا جائے گا پھر تم فوج در فوج چلے آؤ گے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! تم نے بہت عظیم چیز کے متعلق سوال کیا ہے' پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' پھر آپ نے فرمایا: میری امت میں سے دس مختلف قسم کے گروہوں کا حشر کیا جائے گا جن کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت سے ممتاز اور ممیز کرے گا اور ان کی صورتوں کو تبدیل کر دے گا (۱) ان میں سے بعض بندر کی صورتوں میں ہوں گے (۲) اور ان میں سے بعض خنزیروں کی صورت میں ہوں گے (۳) اور ان میں سے بعض اوندھے ہوں گے ان کی ٹانگیں اوپر ہوں گی اور وہ سر کے بل گھسٹ رہے ہوں گے (۴) اور ان میں سے بعض اندھے ہوں گے اور ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے (۵) اور ان میں سے بعض بہرے اور گونگے ہوں گے' وہ کچھ سمجھ نہیں رہے ہوں گے (۶) اور ان میں سے بعض لوگوں کی زبانیں منہ سے باہر ان کے سینوں تک لٹکی ہوئی ہوں گی اور ان کے مونہوں سے پیپ بہہ رہی ہو گی جس سے تمام اہل محشر کو گھن آئے گی (۷) اور ان میں سے بعض کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوئے ہوں گے (۸) اور ان میں سے بعض کو آگ کے درختوں کے تنوں پر سولی دی ہوئی ہو گی (۹) اور ان میں سے بعض مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے (۱۰) اور ان میں سے بعض تارکول کی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ (ان لوگوں کے مصادیق حسب ذیل ہیں:)

(۱) جن لوگوں کا حشر بندروں کی شکلوں میں ہو گا وہ لوگوں کی چغلی کھانے والے ہوں گے۔

(۲) اور جن لوگوں کا حشر خنزیر کی شکلوں میں ہو گا وہ رشوت' ناجائز ٹیکس' اور حرام کی کمائی کھانے والے ہوں گے۔

(۳) اور جو لوگ سر کے بل گھسٹ رہے ہوں گے اور اوندھے کھڑے ہوں گے وہ سود کھانے والے ہوں گے۔

(۴) اور جن لوگوں کو اندھا بنا کر حشر میں لایا جائے گا وہ مقدمات کا ظالمانہ فیصلہ کرنے والے ہوں گے۔

(۵) اور جن لوگوں کو بہرا گونگا اٹھایا جائے گا یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے کاموں پر فخر کرتے تھے۔

(۶) اور جن لوگوں کی زبانیں منہ سے باہر سینے تک لٹکی ہوئی ہوں گی یہ وہ علماء اور واعظین ہیں جو اپنے قول کے خلاف کام کرتے تھے۔

(۷) اور جن لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پڑوسیوں کو ایذاء پہنچاتے تھے۔

(۸) اور جن لوگوں کو آگ کے درختوں کے تنوں پر سولی دی ہو گی یہ وہ لوگ ہیں جو حاکموں کے پاس عوام کی شکایات پہنچاتے تھے۔

(۹) اور جو لوگ مردار سے زیادہ بدبو ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی شہوتوں اور لذتوں میں ڈوبے رہتے تھے اور اپنے مالوں سے اللہ کے حق کی ادائیگی کو منع کرتے تھے۔

(۱۰) اور جو لوگ تارکول کی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے یہ وہ ہیں جو فخر اور تکبر کیا کرتے تھے۔

بندہ کا جن گناہوں پر خاتمہ ہو' ان ہی گناہوں پر قیامت کے دن اس کو اٹھایا جانا

علامہ ابو حامد نے ''کشف علوم الآخرۃ'' نام کی کتاب میں لکھا ہے: لوگوں کو دنیا میں کیے ہوئے گناہوں میں مبتلاء اور ملوث کر کے حشر میں لایا جائے گا اور اس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) جو لوگ ساری عمر موسیقی سننے میں مبتلا رہے' جب وہ قبر سے اٹھیں گے تو ان کا اپنا ہاتھ ان کو پکڑ کر پھینک دے گا اور کہے گا: تیرے لیے دوری ہو تو نے مجھے اللہ کی یاد سے منحرف رکھا پھر وہ ہاتھ اس کی طرف واپس آئے گا اور کہے گا کہ میں تیرا صاحب ہوں' حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

(۲) اور جو شخص ہر وقت نشے میں رہتا تھا اور جو شخص بانسری بجاتا تھا ان میں سے ہر شخص اسی حال میں اٹھے گا جس حال میں

وہ اللہ سے منحرف ہوا تھا۔

(۳) اسی کی مثل وہ صحیح حدیث ہے کہ شراب پینے والا اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ شراب کی صراحی اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہوگی اور شراب کا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اس سے ایسی بدبو آ رہی ہوگی جیسے مردار زمین پر پڑا ہو اور مخلوق میں سے ہر گزرنے والا شخص اس پر لعنت کرے گا۔

نیز ابو حامد نے ذکر کیا کہ جب ہر شخص اپنی قبر پر بیٹھا ہوا ہوگا' ان میں سے بعض برہنہ ہوں گے اور بعض کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے' سیاہ اور سفید ان میں سے بعض کا نور مدہم چراغ کی طرح ہوگا اور ان میں سے بعض کا نور آفتاب کی طرح ہوگا' ان میں سے ہر ایک سر جھکائے ایک سال تک بیٹھا رہے گا' حتیٰ کہ مغربی جانب سے ایک آگ کا ظہور ہوگا' اس آگ کو دیکھ کر تمام مخلوق دہشت زدہ ہو جائے گی' خواہ وہ انسان ہوں یا جن' پرندے ہوں یا وحوش' پھر ہر شخص کے پاس اس کا عمل آئے گا اور اس سے کہے گا: اٹھو اور محشر کی طرف چلو اور جس کے عمل نیک ہوں گے اس کے لیے خچر کی سواری لائی جائے گی اور کسی کے لیے گدھے کی سواری لائی جائے گی اور کسی کے لیے مینڈھا لایا جائے گی جو اس کو کبھی سوار کرے گا اور کبھی گرا دے گا اور ان میں سے ہر ایک کے لیے نور کی شعاع ہوگی جو اس کے سامنے ہوگی اور اس کے دائیں جانب اور اندھیرے میں وہ نور اس کے سامنے رہے گا' قرآن مجید میں ہے:

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ. (الحدید:۱۲)

ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔

ان کی بائیں جانب نور نہیں ہوگا بلکہ سخت سیاہ اندھیرا ہوگا' نظر اس سے نفوذ نہیں کر سکے گی' کفار اس میں حیران ہوں گے اور ادھر اُدھر پھر رہے ہوں گے اور مؤمن سخت سیاہ اندھیرے کے باوجود اس کے پار دیکھ سکے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ انعام یافتہ مؤمن کے لیے عذاب یافتہ کافروں کے احوال منکشف کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اور اہل دوزخ کے لیے کیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ○ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ○ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ○ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۵۷۔۵۴)

جنتی (اپنے اصحاب سے) کہے گا: کیا تم (دوزخیوں کو) جھانک کر دیکھو گے؟ پس جب وہ جھانکے گا تو اس کو دوزخ کے بیچ میں (جلتا ہوا) دیکھے گا○ وہ (اس سے) کہے گا: اللہ کی قسم! تو مجھے بھی ہلاک کرنے کے قریب تھا○ اگر مجھ پر میرے رب کا انعام نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کیے جانے والوں میں ہوتا○

اسی طرح یہ آیات ہیں:

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۴۸۔۴۷)

اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف متوجہ ہوں گی تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر○ اور اصحابِ اعراف بہت سے لوگوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر کہیں گے: تمہارا جتھا اور تمہارا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کچھ کام نہ آیا○

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور زندگی کی قدر صرف مردے ہی جان سکتے ہیں اور تونگری اور خوش حالی کی قدر صرف

فقراء ہی سمجھ سکتے ہیں اور جوانی کی قدر صرف بوڑھوں ہی کو معلوم ہوتی ہے اور کسی بھی نعمت کا ادراک صرف اس نعمت سے محروم شخص ہی کر سکتا ہے' قیامت کے دن بعض لوگ اپنے قدموں پر اور پنجوں کے بل کھڑے ہوں گے اور ان کا نور کبھی مدھم ہوگا او کبھی خوب چمکے گا اور دنیا میں ان کا ایمان جس درجہ کا ہوگا آخرت میں ان کا حال اسی کے اعتبار سے ہوگا۔

(التذکرۃ فی احوال الموتیٰ واحوال الآخرۃ ج ۱ ص ۳۱۶۔ ۳۱۳ ملخصاً' دار البخاری' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی نے امام ابوحامد کے حوالے سے قیامت کے دن لوگوں کے اٹھائے جانے کے جو احوال بیان کیے ہیں ان کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

بندوں کا جن اعمال پر خاتمہ ہوا ان ہی اعمال پر ان کو اٹھائے جانے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو جو لوگ بھی اس قوم میں ہوں سب پر عذاب نازل فرماتا ہے' پھر لوگوں کو ان کی نیات کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۹' شرح السنۃ ج ۱۴ ص ۴۰۲' المستدرک ج ۲ ص ۴۹۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۰' ۱۳۶' تاریخ بغداد ج ۶ ص ۸۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' جو شخص بھی اللہ کے راستہ میں زخمی ہوتا ہے (اور اللہ ہی کو علم ہے کہ کون اس کے راستہ میں زخمی ہوتا ہے) تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا' اس کا رنگ خون کا ہوگا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲' سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے جہاد اور غزوہ کے متعلق خبر دیجئے! آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! اگر تم اس حال میں قتل کیے جاؤ کہ تم صبر کرنے والے ہو اور ثواب کی نیت کرنے والے ہو تو قیامت کے دن تم صابر اور طالب ثواب کے طور پر اٹھائے جاؤ گے اور اگر تم ریاکاری اور دکھاوے کے حال میں قتل کیے جاؤ تو تم ریاکار کے طور پر اٹھائے جاؤ گے' تم جس حال میں بھی قتال کرتے ہوئے قتل کیے جاؤ گے اسی حال میں اٹھائے جاؤ گے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۱۲۔ ۸۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نشہ کی حالت میں مرا وہ ملک الموت کو بھی نشہ میں دیکھے گا اور منکر نکیر کو بھی نشہ میں دیکھے گا اور قیامت کے دن اس کو نشہ میں اٹھایا جائے گا وہ جہنم کی ایک خندق کے وسط میں ہوگا' اس کا نام سکران (نشہ والے) ہوگا' اس میں خون کا دریا بہہ رہا ہوگا' اس کا کھانا اور پانی اسی دریا سے ہوگا۔ (الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی رقم الحدیث: ۵۵۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھا اس کو اونٹنی نے گرا دیا وہ جاں بحق ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو بیری کے پتوں کے پانی سے غسل دو اور اس کو اس کے ان ہی کپڑوں میں کفن دو اور اس کو خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانپو کیونکہ یہ قیامت کے دن تلبیہ (اللھم لبیك اللھم لبیك) پڑھتا ہوا اٹھے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۰۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۵۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۸۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۵' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۹۱۔ ۳۹۰' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۳۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا الہ الا اللہ" پڑھنے والوں پر موت کے وقت وحشت نہیں ہوگی' نہ ان کی قبروں میں اور نہ حشر میں گویا کہ میں "لا الہ الا اللہ" پڑھنے والوں کے ساتھ ہوں وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہوں اور وہ کہہ رہے ہوں گے: اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔
(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۶۶۔ ج ۵ ص ۳۰۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۶۲۰' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۸۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر بندہ کو (قیامت کے دن) اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں وہ مرا ہے' مؤمن کو اس کے ایمان پر اور منافق کو اس کے نفاق پر۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۳)

حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان مراتب میں سے جس مرتبہ پر بھی مرے گا قیامت کے دن اسی مرتبہ پر اٹھایا جائے گا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۔ ۱۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۔ ۳۔ ۳۴' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۰۵۔ رقم الحدیث: ۷۸۵۔ ۷۸۴' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔)

آیاتِ حشر میں بہ ظاہر تعارض

قرآن مجید میں حشر کے متعلق جو آیات ہیں ان میں بہ ظاہر تعارض ہے' جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ. (یونس: ۴۵)

جس دن اللہ ان کو (میدانِ حشر) میں جمع فرمائے گا (تو ان کو یوں محسوس ہوگا) جیسے وہ (دنیا میں) دن کی ایک ساعت رہے ہوں گے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کو پہچاننا تب ہی متصور ہوگا جب وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں' حالانکہ ایک اور آیت سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کو اندھا' گونگا اور بہرا اٹھایا جائے گا' وہ آیت یہ ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا. (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے' اس حال میں کہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے۔

اور جب وہ اندھے اٹھائے جائیں گے تو کیسے ایک دوسرے کو پہچانیں گے؟ نیز اس آیت میں ان کو گونگے ہونے کے حال میں اٹھانے کا ذکر ہے حالانکہ ایک اور آیت میں ان کے کلام کرنے کا ذکر فرمایا ہے:

يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا. (یٰس: ۵۲)

ہائے افسوس! ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اٹھا دیا۔

اور درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنتے بھی تھے اور جواب بھی دیتے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الاعراف: ۶)

پس ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے ۝

اور ان سے سوال کرنا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ سوال کو سن سکیں اور اس کا جواب بھی دے سکیں اور یہ ان کے بہرے اور گونگے ہونے کے منافی ہے' نیز بنی اسرائیل: ۹۷ میں فرمایا تھا: "ان کو منہ کے بل اٹھایا جائے گا" اور دوسری آیتوں میں حشر کے دن ان کے دوڑنے کا ذکر بھی ہے اور یہ ان کو منہ کے بل اٹھائے جانے کے منافی ہے' جن آیتوں میں ان کے تیز تیز چلنے

اور دوڑنے کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ○ (یٰس: ۵۱)

اور صور میں پھونکا جائے گا پس وہ اسی وقت اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیز تیز چلنے لگیں گے ○

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ○ (المعارج: ۴۳)

جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی مطلوب کی طرف تیز تیز جارہے ہیں ○

آیاتِ حشر میں تعارض کا جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان کو ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا تو اس وقت ان سب کی ایک حالت نہیں ہوگی اور نہ ان سب کے قیام کی جگہ واحد ہوگی' ان کے قیام کی جگہیں بھی مختلف ہوں گی اور ان کے احوال بھی مختلف ہوں گے' ان کے احوال کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) جس وقت ان کو قبروں سے نکالا جائے گا (۲) جب ان کو حساب کی جگہ کی طرف روانہ کیا جائے گا (۳) جس وقت ان سے حساب لیا جائے گا (۴) جس وقت ان کو دارالجزاء کی طرف روانہ کیا جائے گا (۵) جب ان کو ان کے دارالجزاء میں ٹھہرایا جائے گا۔ ان احوال کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) جس وقت ان کو ان کی قبروں سے نکالا جائے گا' اس وقت کفار کے اعضاء اور حواس کامل ہوں گے' جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ (یونس: ۴۵)

جس دن اللہ ان کافروں کو اپنے سامنے جمع فرمائے گا تو (ان کو یوں معلوم ہوگا) گویا وہ دنیا میں دن کی صرف ایک ساعت رہے تھے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔

يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّوْرِ ۚ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ○ يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ○ (طٰہٰ: ۱۰۳۔۱۰۲)

جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور مجرموں کو ہم (خوف سے) نیلی آنکھوں کے ساتھ اٹھائیں گے ○ وہ (مارے دہشت کے) ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہیں گے: تم تو دنیا میں صرف دس دن ہی رہے تھے ○

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب کفار کو ان کی قبروں سے نکالا جائے گا اس دن وہ سلیم الاعضاء ہوں گے اور ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے ہوں گے۔

(۲) دوسرا حال وہ ہے جب ان کو حساب کی جگہ لے جایا جائے گا' اس وقت بھی ان کے اعضاء اور حواس سلامت ہوں گے' جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے:

اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ○ مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ○ وَقِفُوهُمْ ۖ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ○ (الصّٰفّٰت: ۲۴۔۲۲)

ان ظالموں کو اور ان کے موافقین کو اور جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے (ان سب کو) جمع کرو ○ سو ان سب کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ ○ اور ان کو ٹھہراؤ' کیونکہ ان سے سوال کیا جائے گا ○

ان آیات میں فرمایا ہے: ان کو راستہ دکھاؤ' اس سے معلوم ہوا کہ وہ مشرکین اس وقت بینا ہوں گے کیونکہ نابینا کو راستہ نہیں دکھایا جاتا' اور وہ چلنے والے ہوں گے۔ نیز فرمایا ہے: ان سے سوال کیا جائے گا' اس سے معلوم ہوا کہ وہ بہرے نہیں ہوں گے سوال کو سنیں گے اور گونگے بھی نہیں ہوں گے' وہ سوال کا جواب دیں گے کیونکہ سوال اسی لیے کیا جائے گا۔

(۳) اور تیسرا حال وہ ہے جب ان سے حساب لیا جائے گا اس وقت بھی ان کے اعضاء سلامت ہوں گے' کیونکہ وہ کہیں گے:

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ (الکہف: ۴۹)

ہائے افسوس! یہ کیسا صحیفہ اعمال ہے جس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ چھوڑا' مگر سب کا احاطہ کر لیا۔

اور ظاہر ہے کہ وہ یہ بات تب ہی کہہ سکیں گے جب وہ اپنے صحیفہ اعمال کو پڑھیں گے اور افسوس کا اظہار کریں گے' اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت وہ نہ اندھے ہوں گے' نہ گونگے ہوں گے اور اس وقت وہ اپنے گناہ دیکھ کر افسوس کر رہے ہوں گے۔

(۴) اور چوتھا حال وہ ہے جب مجرموں کو جہنم کی طرف روانہ کیا جائے گا' اس وقت ان کی بصارت' سماعت اور گویائی سلب کر لی جائے گی اور ان کو اندھا' بہرا اور گونگا بنا کر جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے۔

(۵) اور پانچواں حال وہ ہے جب وہ دوزخ کی آگ میں مقیم ہوں گے اور اس حالت کی دو قسمیں ہیں' ایک ابتداء کی اور ایک اس کے بعد قیام کی' وہ حساب کی جگہ سے دوزخ کے کنارے تک کی مسافت اندھے' گونگے اور بہرے ہونے کے حال میں طے کریں گے' تاکہ ان کی ذلت دکھائی جائے اور ان کو دوسروں سے ممیز اور ممتاز کیا جائے' پھر ان کے حواس لوٹا دیئے جائیں گے تاکہ وہ دوزخ کی آگ کو دیکھ سکیں اور ان کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کو محسوس کر سکیں اور عذاب کے فرشتوں کا معائنہ کر سکیں اور ہر اس چیز کا مشاہدہ کر سکیں جس کی وہ دنیا میں تکذیب کرتے تھے' پھر وہ اس حال میں دوزخ میں رہیں گے کہ وہ بولیں گے اور سنیں گے اور دیکھیں گے اور حسبِ ذیل آیتوں میں اس پر دلیل ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانعام: ۲۷)

اور کاش! آپ اس وقت دیکھتے جب ان کو دوزخ میں کھڑا کیا جائے گا تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس' کاش! ہمیں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہیں کریں گے اور ہم مؤمنین میں سے ہو جائیں گے ○

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ○ (الملک: ۹-۸)

جب بھی کفار کا کوئی گروہ دوزخ میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کے محافظ اس سے سوال کریں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ ○ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' سو ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: تم تو بہت بڑی گم راہی میں مبتلا ہو ○

اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ دوزخی اہل جنت کو پکار کر کہیں گے:

اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ (الاعراف: ۵۰)

ہمارے اوپر کچھ پانی ڈالو یا ان چیزوں میں سے کچھ ڈالو جو تمہیں اللہ نے دی ہیں۔

اور اہل جنت دوزخیوں کو پکار کر کہیں گے:

اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ (الاعراف: ۴۴)

بے شک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے برحق پا لیا' پس تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا آیا تم

نے بھی اس کو برحق پالیا؟

اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں کفار کے اعضاء اور حواس سلامت ہوں گے' اور خلاصہ یہ ہے کہ جب کفار اپنی قبروں سے نکلیں گے اور جب ان کو محشر کی طرف ہانکا جائے گا اور جب وہ حساب کے لیے پیش ہوں گے اور جب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے' ان چاروں حالتوں میں ان کے اعضاء اور حواس سلامت ہوں گے صرف اس وقت ان کے اعضاء اور حواس سلامت نہیں ہوں گے جب ان کو حساب کی جگہ سے دوزخ کے کناروں کی طرف دھکیلا جائے گا۔

(التذکرہ ج۱ ص ۳۱۸۔۳۱۶ ملخصاً' دارالبخاری المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۷ھ)

جبر کا معنی

قٓ: ۴۵ میں فرمایا: ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ (یہ کفار) کہہ رہے ہیں' اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں' پس آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو○

یعنی جو کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو بُرا کہتے ہیں ہم ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں اور آپ ان کو جبراً مؤمن اور مسلمان بنانے والے نہیں ہیں' اس آیت کا حکم آیتِ جہاد نازل کرنے سے منسوخ ہو گیا ہے۔

اس آیت کی وضاحت درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ○ (المؤمن: ۲۹) میں تو تمہیں صرف نیکی کا راستہ دکھا رہا ہوں○

اور رہا واقع میں تم کو نیک بنا دینا' اس پر میرا اختیار نہیں یہ صرف اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے اور وہ بھی کسی کو جبراً مؤمن یا نیک نہیں بناتا' انسان نیکی یا بدی میں سے جس چیز کو بھی اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی چیز پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا:

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ○ (الغاشیہ: ۲۲) آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں○

جبر کا معنی یہ ہے کہ انسان کی مرضی کے خلاف اپنے زور اور اپنی طاقت سے اس سے کوئی ایسا فعل صادر کرانا جس فعل کو وہ ناپسند کرتا ہو اور اس کو اپنے اختیار سے کرنا نہ چاہتا ہو۔

بعض صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کاش' آپ ہم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں تو یہ آیت نازل ہوئی: پس آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔ وعید عذاب کی خبر کو کہتے ہیں اور وعد ثواب کی خبر کو کہتے ہیں: قتادہ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! ہم کو ان لوگوں سے کر دے جو تیری وعید سے ڈرتے ہوں اور تیرے وعد کی توقع رکھتے ہوں۔

سورۃ قٓ کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۷ جولائی ۲۰۰۴ء بہ روز منگل بعد نمازِ ظہر سورت قٓ کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اس سورت کی تفسیر کی ابتداء ۱۱ جولائی ۲۰۰۴ء کو ہوئی تھی' سو اللہ تعالیٰ نے صرف سولہ دنوں میں اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرا دیا' والحمد للہ' اگرچہ اس کی تفسیر کے دوران کچھ ضعف اور مرض کی شدت کی وجہ سے کام میں تعطّل بھی رہا۔

۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ کو میری امی کا انتقال ہوا تھا' قارئین سے التماس ہے کہ وہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری امی کو پہنچا دیں اور ان کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ میری امی کی قبر کو ''روضة من رياض الجنة'' (جنت کے باغوں میں سے ایک باغ) بنا دے۔

الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے اپنے فضل و کرم سے باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں۔ وما ذالك

علی اللہ بعزیز ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

والحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلٰی آلہ الطاھرین واصحابہ الراشدین وعلٰی اولیاء امتہ وعلٰی علماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة الذّٰریٰت

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

''الذّٰریٰت'' ''ذاریة'' کی جمع ہے اور اس کا مصدر ہے ''ذرو'' اس کا معنی ہے: ہوا کا خاک اڑانا اور گردوغبار بکھیرنا'
''الذاریات'' اس سورت کا نام ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ ہے:

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ (الذّٰریٰت: ۱) گردوغبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم ○

ان ہواؤں کی قسم کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظمت والی ہیں۔
یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٦٦ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۱ ہے۔

سورت قٓ اور سورت الذّٰریٰت کی باہمی مناسبت

سورت قٓ کا اختتام حشر ونشر کی آیات پر ہوا تھا اور اس سورت کی ابتداء ہواؤں اور بادلوں کے ذکر سے ہوئی ہے اور اس میں حشر ونشر پر دلیل ہے کہ جس طرح ہوائیں سمندر کے قطرات کو اٹھاتی ہیں پھر بارش کے ذریعہ اس پانی کو دوبارہ زمین پر پہنچا دیتی ہیں' اسی طرح انسان مر کر خاک اور مٹی ہو جائے گا اور اس کے ذرات زمین میں بکھر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ دوبارہ ان ذرات کو مجتمع کر کے انسانی پیکر بنا دے گا۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ سورت قٓ میں اجمالی طور پر رسولوں کی تکذیب کرنے والی امتوں کا ذکر فرمایا تھا' مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی قوم' عاد اور ثمود اور حضرت لوط' حضرت شعیب اور تبّع کی قوم کا ذکر فرمایا تھا اور الذّٰریٰت میں ان قوموں کا حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت موسیٰ' حضرت ھود' حضرت صالح اور حضرت نوح علیہم السلام کے قصص میں تفصیل سے ذکر ہے۔

سورت الذّٰریٰت کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اصول اور عقائد پر زور دیا ہے' اور توحید' رسالت' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل دیئے ہیں۔

☆ کفارِ مکہ اور دیگر اقوام کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں کی تکذیب کی اور آخرت کا انکار کیا اور بالآخروہ دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوئے' اسی طرح مؤمنین اور متقین کا ذکر فرمایا جن کے لیے آخرت میں جنت اور اس کی دائمی نعمتوں کو تیار کیا گیا ہے۔

☆ گزری ہوئی ان قوموں کا ذکر فرمایا جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور یہ حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت

موسیٰ علیہم السلام کی قومیں تھیں اور عاد اور ثمود کی قومیں تھیں' ان قوموں کے واقعات سے کفار مکہ کو عبرت دلانا مقصود تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دینا تھی کہ اگر آپ کی قوم آپ کی تکذیب کر رہی ہے اور آپ کو ایذاء پہنچا رہی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' ہمیشہ سے عظیم رسولوں کی تکذیب کی جاتی رہی ہے اور ان کو ایذاء پہنچائی جاتی رہی ہے۔

☆ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی تخلیق' اپنی قدرت اور اپنی وحدت کے دلائل کو دہرایا ہے اور اللہ کا شریک قرار دینے' اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے اور ان کی اطاعت سے انحراف کرنے سے منع فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرین سے اعراض کرنے اور متقین کو نصیحت کرنے کا حکم دیا ہے' جن کو آپ کی نصیحت سے فائدہ ہوگا۔

☆ سورت کے اخیر میں بیان فرمایا ہے کہ جنات اور انسانوں کو پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کے رزق کا کفیل ہے اور کفار اور مشرکین جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ان کو قیامت کے دن کے عذاب شدید سے ڈرایا گیا ہے اور ان سے پہلے جن کافروں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی تھی ان پر دنیا میں جو عذاب بھیجا گیا تھا اس عذاب سے موجودہ کفار اور مکذبین کو ڈرایا ہے۔

سورت الذّٰریٰت کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے بار الٰہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا اور جو باتیں غلط اور ناصواب ہوں ان سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور مجھے ان کا رد کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمانا۔ آمین یا رب العٰلمین

والحمد للّٰه رب العٰلمين والصلٰوة والسلام علٰى سيدنا محمد خاتم النبيين وعلٰى آله الطاهرين
واصحابه الراشدين وازواجه امهات المؤمنين وعلٰى ذرياته الطيبين
وعلى اولياء امته وعلماء ملته وامته اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۸ جولائی ۲۰۰۴ء

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٦٠ رُكُوْعَاتُهَا ٣

سورۃ الذّٰریٰت مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں ساٹھ آیات تین رکوع ہیں

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿١﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿٢﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿٣﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ

گردو غبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم ○ پھر بادلوں کی صورت میں پانی کا بوجھ اٹھانے والی ہواؤں کی قسم ○ پھر آسانی سے چلنے والی کشتیوں کی

اَمْرًا ﴿٤﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءِ

قسم ○ پھر رزق کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم ○ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور سچا ہے ○ اور بے شک جزا ضرور حاصل

ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿٩﴾

ہوگی ○ اور راستوں والے آسمان کی قسم ○ بے شک تم ضرور مختلف اقوال کے قائل ہو ○ اس قرآن سے وہی روگرداں کیا جاتا ہے جس کو (ازل میں)

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿١١﴾ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ

پھیر دیا گیا تھا ○ اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیئے جائیں ○ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں ○ وہ پوچھتے ہیں:

يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٢﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا

قیامت کب آئے گی ○ (آپ کہیے:) جس دن ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا ○ اب اپنے اس عذاب کو چکھو یہی وہ عذاب

الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٥﴾ اٰخِذِيْنَ

ہے جس کو تم جلد طلب کرتے تھے ○ بے شک متقین جنتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ وہ ان کو لینے والے ہوں

مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿١٦﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ

گے جو ان کا رب ان کو عطا فرمائے گا' بے شک اس سے پہلے (دنیا میں) وہ نیک کام کرنے والے تھے ○ وہ رات کو کم

الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

سوتے تھے ○ اور رات کے پچھلے پہر مغفرت طلب کرتے تھے ○ اور ان کے مالوں میں سائلوں

لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

اور محروموں کا حق ثابت تھا ○ اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (بہت) نشانیاں ہیں ○ اور خود تمہارے نفسوں میں بھی

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ

(نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے ○ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ○ پس آسمان

وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے جیسا کہ تمہارا کلام کرنا (برحق ہے)○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: گرد و غبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم ○ پھر بادلوں کی صورت میں پانی کا بوجھ اٹھانے والی ہواؤں کی قسم ○ پھر آسانی سے چلنے والی کشتیوں کی قسم ○ پھر رزق کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم ○ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور سچا ہے ○ اور بے شک جزاء ضرور حاصل ہو گی ○ (الذّٰریٰت: ۶۔۱)

مشکل الفاظ کے معانی

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

''وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا'' اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو خاک اڑاتی ہیں' کہا جاتا ہے: ''ذرت الریح التراب'' ہوا نے خاک اڑائی۔

''فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا'' یعنی وہ ہوائیں جو بادل کی صورت میں پانی کو اٹھا کر لے جاتی ہیں۔

''فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا'' وہ کشتیاں جو پانی میں سہولت سے چلتی ہیں۔

''فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا'' وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق چیزوں کو مخلوق کے درمیان تقسیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم اس لیے کھائی کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی صفت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اس قسم کا جواب ان آیات میں ہے:

''اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ'' یعنی تم سے جو ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور گناہ گاروں کو جو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے وہ وعدہ اور وعید سچا ہے۔

''وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ'' یعنی قیامت کے دن میدانِ حشر میں ضرور حساب و کتاب ہو گا۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۸۱۔۲۸۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابو الطفیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں منبر پر چڑھ کر فرمایا: تم مجھ سے اللہ کی کتاب کی جس آیت کے متعلق یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس سنت کے متعلق سوال کرو گے میں تم کو اس کی خبر دوں گا' تب ابن الکواء نے کھڑے ہو کر کہا: اے امیر المؤمنین! اس آیت کا کیا معنی ہے: ''وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا''؟ آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: آندھی' اس نے کہا: ''فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا'' کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: بادل' اس نے کہا: ''فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا'' کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: کشتیاں۔ اس نے کہا: ''فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا'' اس کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا معنی ہے: فرشتے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ان آیات کی یہ تفسیر حدیث مرفوع سے بھی ثابت ہے' اس کی تفصیل یہ ہے:

امام بزار اپنی سند کے ساتھ صبیغ تمیمی سے روایت کرتے ہیں:
سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ صبیغ تمیمی حضرت عمر بن الخطاب کے پاس گیا اور کہا: یہ بتایئے: '' الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: آندھیاں ہیں اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو نہ سنا ہوتا تو میں تم کو نہ بتاتا' اس نے کہا: اچھا بتایئے: '' فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بادل ہیں اور اگر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو میں تم کو نہ بتاتا' اس نے کہا: اچھا یہ بتایئے کہ '' فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کشتیاں ہیں اور اگر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو میں تم کو نہ بتاتا' اس نے کہا: اچھا '' فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سے مراد فرشتے ہیں اور اگر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو میں تم کو نہ بتاتا' (پھر حضرت عمر نے اپنی فراست سے جان لیا کہ اس شخص میں خبث باطن ہے اور یہ عناداً سوال کر رہا ہے اس لیے) آپ نے حکم دیا کہ اس کو سو درے مارے جائیں اور اس کو ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے' پھر جب اس کے مار کے زخم ٹھیک ہو گئے تو پھر اس کو سو درے مارنے کا حکم دیا اور اس کو اونٹ کے کجاوے پر سوار کرا کر نکال دیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف لکھا کہ لوگوں کو اس سے بات کرنے سے منع کر دیں' پھر ایک عرصہ تک یونہی رہا' حتیٰ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے لکھا کہ اب اس نے بہت پکی قسمیں کھا کر کہا ہے کہ اب اس کے دل میں کوئی بغض اور عناد نہیں ہے' تب حضرت عمر نے ان کی طرف لکھا کہ میرا گمان ہے کہ اب اس کے دل میں کوئی عناد نہیں رہا' اب لوگوں کو اس سے بات کرنے کی اجازت دے دو۔

امام بزار نے کہا: اس سند کے علاوہ ہمیں اور کسی طریقہ سے اس حدیث کا علم نہیں ہے اور اس سند میں ایک راوی ابوبکرہ بن ابی سبرہ ہے اور وہ ضعیف راوی ہے اور اس کا ایک راوی سعید بن سلام العطار ہے' وہ اصحاب الحدیث میں سے نہیں ہے اور ہم پہلے اس کی علت بیان کر چکے ہیں اور اس سند کے علاوہ اور کسی سند سے ہمیں اس حدیث کا علم نہیں ہے۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار ج ٣ ص ٧٠- رقم الحدیث: ٢٢٥٩' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤٠٤ھ)

امام بزار کے حوالہ سے اس حدیث اور اس کے ضعف کو حافظ ابن عساکر متوفی ٥٧١ھ (تاریخ دمشق ج ٢٥ ص ٢٠٩) اور حافظ ابن کثیر متوفی ٧٧٤ھ (تفسیر ابن کثیر ج ٤ ص ٥٤) نے بھی بیان کیا ہے۔

اور تم کو خیر و شر اور ثواب و عذاب کی جو خبریں دی گئیں ہیں وہ ضرور صادق ہیں اور قیامت کے دن حساب و کتاب ضرور ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور راستوں والے آسمان کی قسم O بے شک تم ضرور مختلف اقوال کے قائل ہو O اس قرآن سے وہی روگرداں کیا جاتا ہے جس کو (ازل میں) پھیر دیا گیا تھا O اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیئے جائیں O جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں O وہ پوچھتے ہیں: قیامت کب آئے گی O (آپ کہیے:) جس دن ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا O اب اپنے اس عذاب کو چکھو' یہی وہ عذاب ہے جس کو تم جلد طلب کرتے تھے O (الذّٰریٰت: ١٤-٧)

'' ذات الحبك '' کے معانی

الذّٰریٰت: ٧ میں ہے: '' وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ'' اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں '' السماء '' سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد وہ بادل ہیں جو زمین پر سایہ کرتے ہیں' حضرت ابن عمر نے کہا: اس سے مراد بلند آسمان ہیں' علامہ ثعلبی اور علامہ الماوردی نے کہا: اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔

اور "الحبک" کی تفسیر میں سات قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس چیز کی ظاہری بناوٹ حسین وجمیل اور ہموار ہو۔

(۲) عکرمہ نے کہا: جب کوئی کپڑا بُننے والا عمدہ کپڑا بُنے تو کہتے ہیں: حبك الثوب ای اجاد' سو' ذات الحبك" کا معنی ہے: عمدگی والا۔

(۳) ابن الاعرابی نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تم مضبوط اور خوب صورت بناؤ اس کے متعلق کہا جاتا ہے: احتبکته. یعنی حسن اور مضبوطی والا۔

(۴) حسن بصری نے کہا: اس سے مراد ہے: مزین' ان کا دوسرا قول ہے: اس سے مراد ہے ستاروں والا آسمان۔

(۵) ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے: مختلف راستوں والا' جب ہوا چلنے سے ریگستان میں مختلف راستے بن جائیں تو کہتے ہیں: ذات الحبك.

(۶) لوہے کی زرہ اور گھنگریالے بالوں کو بھی "حبك" کہتے ہیں۔ فراء نے کہا: ہر توڑنے والی چیز کو "حبك" کہتے ہیں۔

(۷) جو چیز شدید الخلق ہو اس کو "حبك" کہتے ہیں" ذات الحبك" کا معنی ہوا جس کی بناوٹ شدید ہو' قرآن مجید میں ہے:

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ (النبا: ۱۲) اور ہم نے تمہارے اوپر سات شدید آسمان بنائے ۝

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے متعلق کفارِ مکہ کے مختلف اقوال

الذّٰریٰت: ۸ میں فرمایا: بے شک تم ضرور مختلف اقوال کے قائل ہو ۝

یعنی اے اہل مکہ! تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن مجید کے متعلق مختلف باتیں کرتے ہو' تم میں سے بعض آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور بعض تکذیب کرتے ہیں اور جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں ان میں سے بعض آپ کو ساحر کہتے ہیں' بعض شاعر کہتے ہیں' بعض مفتری کہتے ہیں' بعض مجنون کہتے ہیں' بعض کاہن کہتے ہیں' اسی طرح بعض قرآن مجید کو شعر و شاعری کہتے ہیں' بعض کہتے ہیں کہ اس میں من گھڑت باتیں ہیں' اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں پہلوں کے قصے ہیں' اسی طرح ان میں سے بعض حشر و نشر کی بالکل نفی کرتے ہیں اور بعض کو اس کے وقوع میں شک ہے' اور یہ قائلین وہ ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' اس کے باوجود وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔

ازل میں کفار کو ایمان سے پھیر دینے کی توجیہ

الذّٰریٰت: ۹ میں فرمایا: اس قرآن سے وہی روگرداں کیا جاتا ہے جس کو (ازل) میں پھیر دیا گیا تھا ۝

یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانے سے ان ہی کو روگرداں کیا جاتا ہے جن کو ازل میں روگرداں کیا گیا تھا یا جنہوں نے قرآن مجید کو سحر یا کہانت کہا یا پچھلے لوگوں کے افسانے کہا' ان کو اس جرم کی پاداش میں ایمان لانے سے پھیر دیا جاتا ہے اور جن لوگوں کو ازل میں ایمان لانے سے پھیر دیا گیا تھا یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بسیار کوشش اور بھرپور تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔

"الخراصون" کا معنی اور اللہ تعالیٰ کے دعائیہ کلام کی توجیہ

الذّٰریٰت: ۱۰ میں فرمایا: اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیئے جائیں ۝

اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کو جنات میں سے کوئی شخص فرشتوں سے کوئی ایک غیب کی بات سن لیتا' پھر وہ ان لوگوں کو وہ بات بتاتا اور وہ اس ایک بات کے ساتھ کئی جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں کو بتاتے' ان کو کاہن کہا جاتا تھا' یہ تک

بندی اور اندازے سے مستقبل کے متعلق پیشین گوئیاں کرتے تھے' یہ جھوٹے لوگ تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کو ہلاک کر دیا جائے' یہ زجر و توبیخ اور ملامت کا کلمہ ہے' یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کو قتل کر دیا جائے' یعنی ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کر دیا جائے اور بعض مفسرین نے کہا: ان پر لعنت کر دی جائے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور ہیں' اور ''الخراصون'' کا معنی ہے: جو بغیر علم کے محض اندازے اور اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون' کذاب' ساحر اور شاعر وغیرہ کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا: ان کو قتل کر دیا جائے یہ دعائیہ کلمہ ہے' اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف قتل اور ہلاکت کی دعا کر رہا ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف ہلاکت کی دعا کرنی چاہیے یا اس میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کہیں: ''قتل الخراصون'' یعنی اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیئے جائیں یا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں ہلاک کر دیئے گئے ہیں یا یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کر دی گئی ہے۔ یہ تمام توجیہات اس لیے کی گئی ہیں کہ یہ اعتراض نہ ہو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف دعا کی ہے کہ ان کو ہلاک کر دیا جائے' حالانکہ دعا وہ شخص کرتا ہے جو خود عاجز ہو اور اللہ تعالیٰ تو قادر اور قدیر ہے۔

الذّٰرِيٰت :١١ میں فرمایا: جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں O

''الغمرة'' کا معنی ہے: جو چیز کسی چیز کو چھپا لے اور ڈھانپ لے ''غمرات الموت'' کا معنی ہے: موت کی وہ سختیاں جو انسان کو ڈھانپ لیتی ہیں۔ ''ساھون'' ''ساھی'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: سہو کرنے والا' یعنی کسی چیز کو بھولنے والا' اس سے مراد وہ کفار اور مشرکین ہیں جو دنیا کی رنگینیوں اور کھیل کود میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول بیٹھے تھے۔

کفار اور مشرکین کے استہزاء کی سزا

الذّٰرِيٰت :١٣۔١٢ میں فرمایا: وہ پوچھتے ہیں: قیامت کب آئے گی؟ O (آپ کہیے:) جس دن ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا O

کفار اور مشرکین سوال کرتے تھے: آپ ہمیں جس عذاب کے دن سے ڈراتے ہیں وہ دن کب آئے گا؟ ان کو قیامت کے وقوع میں شک تھا اس لیے وہ یہ سوال کرتے تھے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے بہ طور استہزاء یہ سوال کرتے تھے' آپ سے فرمایا: آپ ان سے کہیں کہ جس دن ان کو دوزخ کے فتنہ میں مبتلا کیا جائے گا' کسی کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا معنی ہے: اس کو آزمائش میں ڈالنا اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔

الذّٰرِيٰت :١٤ میں فرمایا: اب اپنے اس عذاب کو چکھو' یہی وہ عذاب ہے جس کو تم جلد طلب کرتے تھے O

ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: تم جس عذاب کو طلب کرتے تھے اس کو چکھو یا تم جس عذاب کے مستحق تھے اب اس عذاب کو چکھو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی ہے: تم اپنی سزا کو چکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین جنتوں اور چشموں میں ہوں گے O وہ ان کو لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں عطا فرمائے گا O بے شک اس سے پہلے (دنیا میں) وہ نیک کام کرنے والے تھے O وہ رات کو کم سوتے تھے O اور رات کے پچھلے پہر مغفرت طلب کرتے تھے O اور ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا حق ثابت تھا O (الذّٰریٰت: ١٩۔١٥)

متقین کے آخرت میں احوال

اس سے پہلی آیات میں کفار کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا تھا اور اب ان آیات میں مسلمانوں کے اخروی انجام کا ذکر فرما

رہا ہے۔

الذّٰریٰت: ۱۵ میں متقین' جنتوں اور چشموں کا ذکر ہے۔

متقی کی چار قسمیں ہیں: (۱) وہ مومن جو شرک اور کفر سے مجتنب ہو (۲) وہ مومن جو شرک' کفر اور گناہ کبیرہ سے مجتنب ہو (۳) وہ مؤمن جو شرک' کفر گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ سے مجتنب ہو (۴) وہ مومن جو شرک' کفر' گناہ کبیرہ' گناہ صغیرہ اور خلافِ سنت اور خلافِ اولیٰ سے بھی مجتنب ہو' جو مؤمن ہر قسم کی معصیت سے مجتنب ہو' اس کے متعلق ظن غالب ہے کہ وہ ابتداءً بلا حساب وکتاب جنت میں چلا جائے گا' اور جو مؤمن گناہ ہائے کبیرہ کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مر جائے اس کے متعلق توقع ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں چلا جائے گا یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے جنت میں چلا جائے گا یا اپنی سزا کو بھگت کر جنت میں چلا جائے گا۔

جنت کے معنی باغ ہیں' اس کو جنت اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں انواع واقسام کے پھل دار درخت ہوں گے جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے اور فرمایا ہے کہ جنتی چشموں میں ہوں گے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ کسی انسان کا پانی میں ہونا تو اس کے لیے کوئی لذت اندوز چیز نہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ متقی ایسی پرفضا جگہ میں ہوں گے جس کے اردگرد چشمے اور درخت ہوں گے اور وہ بہت خوش نما منظر ہوگا۔

الذّٰریٰت: ۱۶ میں فرمایا: وہ ان کو لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں عطا فرمائے گا O

اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ ان احکام اور فرائض کو قبول کرنے والے اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں عطا فرمائے گا اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ جنت میں ان نعمتوں کو وصول کرنے والے اور ان پر قبضہ کرنے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک اس سے پہلے (دنیا میں) وہ نیک کام کرنے والے تھے O

یعنی جنت میں داخل ہونے سے پہلے وہ دنیا میں نیک کام کرنے والے ہوں گے' فرائض کو اچھی طرح سے ادا کرنے والے ہوں گے یعنی فرائض کو ان کے اوقاتِ مستحبہ میں ان کی شروط' ارکان' واجبات' سنن اور مستحبات کے ساتھ ادا کرنے والے ہوں گے' یا فرائض کے ساتھ سنن اور نوافل کو بھی ادا کرنے والے ہوں گے۔

رات کو کم سونے اور زیادہ عبادت کرنے کی فضیلت

الذّٰریٰت: ۱۷ میں فرمایا: وہ رات کو کم سوتے تھے O

اس آیت میں ''یھجعون'' کا لفظ ہے' ''الھجوع'' کا معنی ہے: رات کو سونا' اور ''التھاجع'' کا معنی ہے: تھوڑی سی نیند کرنا۔

یعنی وہ رات کو کم وقت سوتے ہیں اور زیادہ وقت نمازیں پڑھتے ہیں۔

عطاء نے کہا: یہ اس وقت کی بات ہے جب ان پر رات کا قیام فرض تھا' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی:

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًاۙ (المزمل: ۲-۱) — اے چادر اوڑھنے والے O رات کو نماز میں کم قیام کیا کرو O

اس کا معنی ہے: وہ رات کو بہت کم وقت سوتے تھے اور زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے۔

مجاہد نے کہا: یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد نبوی میں پڑھتے تھے اس کے بعد

قباء میں اپنے گھروں کی طرف جاتے تھے۔

رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا سب سے عمدہ طریقہ

رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق بہترین طریقہ یہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہ' کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے وہ ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں' وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے' وہ نصف رات تک سوتے تھے تہائی رات میں قیام کرتے تھے اور پھر رات کے آخری چھٹے حصے میں سو جاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۱۲' سنن ابن ماجہ: ۱۹ ۱۴)

اس حدیث کی وضاحت اس طرح ہے کہ فرض کیجئے کہ رات چھ گھنٹے کی ہے تو اس کا نصف تین گھنٹے ہیں تو آپ تین گھنٹے سو کر پھر اٹھ جائیں اور تہائی رات نماز پڑھیں اور چھ گھنٹوں کے تہائی دو گھنٹے ہیں' پس آپ دو گھنٹے نماز پڑھیں اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں پھر سو جائیں اور چھ گھنٹے کا چھٹا حصہ ایک گھنٹہ ہے' پس آپ ایک گھنٹہ سو کر پھر نماز فجر کے لیے اٹھ جائیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے الذّٰریٰت: ۱۸۔۱۷ کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' حتیٰ کہ جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو وہ ارشاد فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں اور کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کروں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ رات کے اول حصے میں سوتے تھے اور آخری حصہ میں نماز میں قیام کرتے تھے' آپ نماز پڑھتے رہتے' پھر آپ اپنے بستر کی طرف لوٹ جاتے' پھر جب مؤذن (نماز فجر کی) اذان کہتا تو آپ جلدی سے اٹھ جاتے' پھر اگر آپ کو غسل کی حاجت ہوتی تو آپ غسل کرتے ورنہ وضو کر کے حجرہ سے باہر چلے جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۰)

بہ ظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ رات کے نصف اول میں سوتے تھے پھر رات کے تہائی حصے میں نماز میں قیام کرتے تھے اور پھر رات کے آخری چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور آپ کے ارشاد کے مطابق یہی آپ کے رب کے نزدیک رات کی نماز پڑھنے کا سب سے عمدہ اور پسندیدہ طریقہ ہے۔

سحر کے وقت مغفرت طلب کرنے کی فضیلت

الذّٰریٰت: ۱۸ میں فرمایا: اور رات کے پچھلے پہر مغفرت طلب کرتے تھے O

اس آیت میں متقین کی ایک اور صفت مدح بیان فرمائی ہے کہ وہ رات کے پچھلے پہر اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔

حسن بصری نے کہا: رات کے پچھلے پہر سحر کے وقت دعا کا مقبول ہونا زیادہ متوقع ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمر اور مجاہد نے کہا: وہ سحر کے وقت نماز پڑھتے ہیں اس لیے ان کی نماز کو استغفار کہا جاتا ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ وہ تہجد کے وقت اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں پھر اس نماز کو دراز کر کے سحر کے وقت تک پڑھتے رہتے ہیں۔
ابن وہب نے کہا: یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ صبح کے وقت قباء سے روانہ ہوتے ہیں اور مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد نبوی میں صبح کی نماز پڑھتے ہیں' ضحاک نے کہا: اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔
ابن زید نے کہا: اس سے مراد رات کا آخری چھٹا حصہ ہے' جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز کے بیان میں گزر چکا ہے۔

احنف بن قیس نے کہا: میں نے اپنے اعمال کا اہل جنت کے اعمال سے تقابل کیا تو میں نے دیکھا' ہمارے اعمال اور ان کے اعمال میں بہت فرق ہے اور ہم ان کے اعمال تک نہیں پہنچ سکتے اور میں نے اپنے اعمال کا دوزخیوں کے اعمال سے تقابل کیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے اعمال میں کوئی خیر نہیں ہے' وہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کی کتاب اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی تکذیب اور انکار کرتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ ہم میں سب سے اچھا مرتبہ اس مسلمان کا ہے جس کے کچھ اعمال نیک ہوں اور کچھ اعمال برے ہوں۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۱۲' النکت والعیون ج ۵ ص ۳۶۶۔۳۶۵)

اس سے پہلے ہم رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں احادیث کو بیان کر چکے ہیں' اب ہم چند احادیث بیان کر رہے ہیں' جن میں رات کو نماز نہ پڑھنے والوں کے متعلق وعید ہے۔

صبح تک سونے والے کی مذمت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک شخص کے رات کو سوتے وقت اس کے سر کے پیچھے گدی پر شیطان تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ رات بہت لمبی ہے تم سوتے رہو' پھر اگر وہ بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ وضو کرتا ہے تو اس کی دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے پھر وہ صبح کو تر و تازہ اور خوش و خرم ہوتا ہے' ورنہ وہ صبح کو خبیث النفس' سستی اور نحوست کا مارا ہوا ہوتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب اور اس کی تعبیر کے بیان میں فرمایا: رہا وہ شخص جس کے سر کو پتھر سے توڑا جا رہا تھا' یہ وہ شخص تھا جو قرآن کا علم حاصل کرتا تھا اور اس پر عمل کرنے کو ترک کرتا تھا اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا تھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۵۔۴۶۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح تک سویا رہتا ہے اور نماز پڑھنے کے لیے نہیں اٹھتا' آپ نے فرمایا: شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۰)

رات بھر سونے والے کے کان میں شیطان کے پیشاب کرنے کی توجیہات

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رات بھر سونے والے کے کان میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے' اس میں اختلاف ہے کہ

اس پیشاب سے حقیقت مراد ہے یا مجاز' علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس جگہ حقیقت مراد لینے سے کوئی مانع نہیں ہے اور یہ محال نہیں ہے' کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ شیطان کھاتا بھی ہے اور پیتا بھی ہے اور جماع بھی کرتا ہے تو اس کے پیشاب کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کا پیشاب کرنا سونے والے کو نماز سے روکنے سے کنایہ ہے اور اس کے کان میں ایسی ڈاٹ لگاتا ہے تاکہ وہ اللہ کا ذکر نہ سن سکے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ شیطان اس کے کان میں باطل چیزوں کی لذت بھر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ لذت اذان کے سننے سے مانع ہوتی ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ شیطان کا اس کے کان میں پیشاب کرنا اس سے کنایہ ہے کہ شیطان اس کی توہین کرتا ہے اور اس کو بہت حقیر جانتا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ شیطان اس پر غالب ہوتا ہے اور اس کا استخفاف کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے کان کو اپنا بیت الخلاء بنالیتا ہے' کیونکہ کسی چیز کے استخفاف کی علامت یہ ہے کہ اس پر پیشاب کر دیا جائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص نماز کے لیے اٹھنے سے غافل ہے وہ اس شخص کی مثل ہے جس کے کان میں پیشاب کر دیا گیا ہو گویا اس کے کان کی حس سماعت فاسد ہو گئی ہے اور عرب کسی چیز کے فساد کو اس پر پیشاب کیے جانے سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: کسی شخص کے ناکام اور اس کے بُرے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ صبح تک سوتا رہے اور شیطان اس کے کان میں پیشاب کر چکا ہو۔

علامہ طیبی نے کہا کہ کان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے' حالانکہ سونے کا تعلق آنکھوں سے ہے' کیونکہ انسان کسی چیز کی آواز سن کر بیدار ہوتا ہے اور کان میں پیشاب کرنے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ وہ کان میں آسانی کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے اور اس کے اثر سے تمام اعضاء میں سستی پیدا ہوتی ہے۔

طلب مغفرت کے لیے وقت سحر کی خصوصیت

سحر کے وقت استغفار کرنے کی فضیلت میں یہ آیت بھی ہے:

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۝ (آل عمران: ۱۷)

صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور (اللہ کی) اطاعت کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحر کے وقت استغفار کرنے والے۝

طلوع فجر سے پہلے جو وقت ہوتا ہے اس کو سحر کہتے ہیں' روزہ رکھنے سے پہلے اسی وقت کھانا کھایا جاتا ہے اس کو سحری کہتے ہیں' اور اس وقت استغفار کرنے کی فضیلت کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) رات کی ظلمت کے بعد اس وقت صبح کا نور طلوع ہوتا ہے' اسی طرح سویا ہوا انسان بہ منزلہ مردہ ہوتا ہے اور اس وقت اس میں نئی زندگی آتی ہے اور جس طرح اس وقت اس جہان میں نور کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح اس وقت انسان کے دل میں معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے۔

(۲) سحر کے وقت انسان کو بہت میٹھی نیند آتی ہے اور جب انسان نیند کی لذت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ

ہوتا ہے تو اس کی عبادت بہت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔
(۳) اس وقت بالکل سناٹا اور تنہائی ہوتی ہے اور ایسے میں بندہ جو عبادت اور استغفار کرتا ہے اس میں کامل اخلاص ہوتا ہے اور ریا کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔

سحر کے وقت استغفار کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے سحر کے وقت استغفار کرنے کے متعلق حسب ذیل آثار ذکر کیے ہیں:
ابراہیم بن حاطب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سحر کے وقت مسجد کے ایک کونے میں کسی شخص کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا: اے میرے رب! تو نے مجھے حکم دیا تو میں نے تیری اطاعت کی اور یہ سحر کا وقت ہے' سو تو میری مغفرت فرما' پھر میں نے دیکھا تو وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔
نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رات کو عبادت کرتے تھے اور نماز پڑھتے رہتے تھے' پھر پوچھتے: اے نافع! کیا سحر ہو گئی ہے؟ میں کہتا: نہیں! تو پھر نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے' اور جب میں کہتا: ہاں! تو پھر وہ بیٹھ کر استغفار کرتے اور مغفرت کی دعا کرتے رہتے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم سحر کے وقت ستر مرتبہ استغفار کریں۔
جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات کو نماز پڑھی پھر رات کے آخری حصہ میں ستر مرتبہ استغفار کیا' اس کا نام سحر کے وقت استغفار کرنے والوں میں لکھا جائے گا۔
زید بن اسلم نے کہا: سحر کے وقت استغفار کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو صبح کی نماز با جماعت پڑھتے ہیں۔
(جامع البیان جز ۲۶ ص ۲۸۴۔ ۲۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)
سعید جریری بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے جبریل! رات کا کون سا وقت افضل ہے؟ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا' لیکن مجھے یہ علم ہے کہ سحر کے وقت عرش ہلنے لگتا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۹۱' رقم الحدیث: ۳۴۴۰۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)
علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رات کے اوّل حصے میں ایک منادی نداء کرتا ہے کہ نماز میں قیام کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ نماز میں قیام کریں' پھر وہ اٹھ کر سحر تک نماز پڑھتے رہتے ہیں' پھر سحر کے وقت ایک منادی ندا کرتا ہے کہ استغفار کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر وہ لوگ استغفار کرتے ہیں' پھر اور لوگ کھڑے ہوتے ہیں وہ نماز پڑھ کر ان کے ساتھ مل جاتے ہیں' پھر جب فجر طلوع ہوتی ہے تو ایک منادی ندا کرتا ہے: سنو! غافل لوگوں کو قیام کرنا چاہیے' پھر وہ اپنے بستروں سے اس طرح اٹھتے ہیں جس طرح مردے اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں روئے زمین والوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں' پھر اچانک میں اپنے گھروں کو آباد کرنے والوں کو دیکھتا ہوں اور ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو نماز تہجد پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو سحر کو اٹھ کر استغفار کرتے ہیں تو میں زمین والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔
مکحول نے کہا: جب کسی امت میں سے پندرہ آدمی ہر روز اللہ تعالیٰ سے پچیس مرتبہ استغفار کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس

امت کو عام عذاب سے ہلاک نہیں کرتا۔

یہ تمام روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ استحضار قلب کے ساتھ زبان سے استغفار کرنا چاہیے اور ابن زید کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ سحر کے وقت استغفار کرنے سے وہ لوگ مراد ہیں جو صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: ایسا نہ ہو کہ مرغ تم سے افضل ہو جائے وہ صبح کے وقت اذان دے اور تم سوئے ہوئے ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۴ ص ۳۸۔۳۷ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

استغفار کے کلمات اور استغفار کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم یہ دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّي لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِي وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْلِي فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.

اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر قائم ہوں، میں اپنے کیے ہوئے کاموں سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں اپنے اوپر تیری کی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں سو تو مجھے بخش دے بے شک تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

جو شخص یقین کے ساتھ دن میں ایک بار ان کلمات کے ساتھ دعا کرے اور اس دن شام ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اہل جنت میں سے ہوگا اور جس شخص نے رات کو یقین کے ساتھ ان کلمات سے دعا کی اور وہ صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے، آپ نے اس درخت پر لاٹھی ماری تو اس کے پتے نیچے گرنے لگے تو آپ نے فرمایا: بے شک ''الحمد لله'' اور ''سبحان الله'' اور ''لا اِلٰه الا الله'' اور ''الله اکبر'' سے بندے کے گناہ اس طرح گرتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر رہے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۹۹)

حضرت بلال بن یسار بن زید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کہا: ''استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه'' اس کی مغفرت کر دی جائے گی خواہ وہ میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے جو نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب وہ بُرا کام کرتے ہیں تو اللہ سبحانہٗ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۰)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کو مبارک ہو جس کے صحیفہ اعمال میں بہ کثرت طلب مغفرت کی دعا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ (گناہ کا) اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ سبحانہٗ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

تہائی رات کے مستجاب وقت میں دعا قبول نہ ہونے کی وجوہ

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ نصف رات کا اوّل حصہ گزر جاتا ہے تو پھر ایک منادی یہ دعا کرتا ہے کہ کیا کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے اور کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کر دی جائے اور کوئی سوال کرنے والا ہے کہ اس کو عطا کیا جائے؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸)

اسی طرح یہ حدیث بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ رات کے تہائی حصہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس وقت میں دعا قبول ہوتی ہے حالانکہ بعض دعا کرنے والوں کی دعا اس وقت قبول نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ دعا قبول ہونے کی شرائط کے مطابق دعا کی جائے تو دعا قبول ہوتی ہے اور شرائط دعا میں سے یہ ہے کہ ذہن کو حاضر کر کے دعا کرے' بے پرواہی اور بے توجہی سے دعا نہ کرے اور یہ کہ اس کا کھانا' پینا اور لباس پاک ہو اور حلال ذرائع سے حاصل ہوا ہو' ناپاک اور حرام خوراک اور حرام لباس کے ساتھ کی ہوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور یہ کہ وہ کسی گناہ کی یا رشتہ قطع کرنے کی دعا نہ کرے اور دعا کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرے اور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو مانگ رہا ہے وہ اللہ کے علم میں اس کے لیے اچھی نہیں ہے بلکہ بُری ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ اس چیز کے بدلہ میں اسے کوئی اور خیر عطا فرما دیتا ہے یا اس سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے اور دعا کے قبول ہونے میں بندہ کو جلدی اور بے صبری نہیں کرنی چاہیے' حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ لگ بھگ تین سو سال بعد قبول ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں بعثت کی جو دعا کی تھی وہ تقریباً اڑھائی ہزار برس بعد قبول ہوئی' ہم عاجز اور ناتواں بندے ہیں' انبیاء علیہم السلام جتنا حوصلہ اور قوت برداشت ہم میں کہاں ہے؟ سواے بار الٰہ! ہمیں امتحان میں نہ ڈال اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کو برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہیں' ہماری غلطیوں' کوتاہیوں اور گناہوں کو معاف فرما' ہم کو تاحیات اپنی رحمت سے گناہوں سے محفوظ رکھ اور جو گناہ سرزد ہو گئے ان کو معاف فرما! آمین

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

الذّٰریٰت: ۱۹ میں فرمایا: اور ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا حق ثابت تھا○

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے ان آیات کا ذکر فرماتا ہے جن میں اللہ کی تعظیم اور اس کی عبادت کا ذکر ہوتا ہے' پھر ان آیات کا ذکر فرماتا ہے جن میں مخلوق پر رحم کرنے اور ان پر شفقت کا ذکر ہوتا ہے' سو اس سے پہلی آیات میں سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ذکر تھا اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تمہارے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا بھی حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں رزق اور مال کی اپنی طرف نسبت فرمائی ہے' جیسے فرمایا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○ (الشوریٰ: ۳۸) اور جو ہم نے ان کو رزق عطا کیا ہے' اس میں سے بعض کو وہ خرچ کرتے ہیں○

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ (یٰس: ۴۷) تم کو اللہ نے جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے بعض کو خرچ کرو۔

اور زیرِ تفسیر آیت میں مال کی نسبت لوگوں کی طرف کی ہے' اس میں لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے کہ اے لوگو! اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور تنگی اور کمی کا خوف نہ کرو' کیونکہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے' اگر یہ مال ختم ہو جائے گا یا کم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تم کو اور عطا فرمائے گا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی مشک کے منہ کو بند نہ کرنا ورنہ اللہ سبحانہٗ بھی تمہارے اوپر اپنی عطاء کو بند کر دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۳)

نیز فرمایا: تم گن گن کر نہ دینا ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۴۶۱' عالم الکتب)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا: تم اپنی تھیلی کا منہ بند نہ کرنا ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے خزانہ کا منہ تم پر بند کر دے گا' تم جس قدر خرچ کر سکتی ہو خرچ کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۵۳۱)

زکوٰۃ اور صدقات کی تعریفات

مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ تمہاری زکوٰۃ اور تمہارے صدقات میں سائلوں اور محروموں کا بھی حق ہے اور زکوٰۃ کا شرعی معنی یہ ہے کہ جو شخص صاحب نصاب ہو اور اس کے پاس اس کی ضروریات سے زائد بہ قدر نصاب یا اس سے زائد مال ہو اور اس مال پر ایک سال گزر جائے تو وہ اس مال کا چالیسواں حصہ کسی ایسے شخص کو دے جو خود صاحب نصاب نہ ہو اور ہاشمی بھی نہ ہو۔ اسی طرح جس کے پاس چالیس بکریاں ہوں وہ ایک سو انیس بکریوں تک ایک بکری زکوٰۃ میں دے گا اور جس کے پاس ۳۰ سے ۳۹ گائے ہوں وہ ایک سالہ بچھڑی زکوٰۃ میں دے گا' اسی طرح جانوروں کا بھی نصاب ہے' تاہم یہ نصاب ۲ ہجری میں مدینہ منورہ میں مقرر کیا گیا ہے اور تفصیل سے زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی ہے' لیکن اجمالی طور پر زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں بھی فرض تھی کیونکہ سورۂ مزمل مکہ میں نازل ہوئی اور وہ ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور اس میں بھی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ (المزمل: ۲۰)

اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے ہو اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

اور زیرِ تفسیر سورت الذّٰرِیٰت بھی مکی سورت ہے' اس لیے الذّٰرِیٰت: ۱۹ میں بھی ان کے مالوں میں زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ کی وہ تفصیلات نہیں ہیں جو ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں ہیں بلکہ اس سے مراد مطلقاً صدقات اور خیرات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔

سائل اور محروم کی تعبیرات

اس آیت میں سائل اور محروم کا ذکر فرمایا ہے' سائل اور محروم کی حسب ذیل تعبیریں بیان کی گئیں ہیں:

(۱) سائل سے مراد ہے: سوال کرنے والا اور بولنے والا' یعنی ناطق اور انسان اور محروم سے مراد ہے: غیر ناطق جان دار' کیونکہ انسان اپنے مال سے جانوروں پر خرچ کرے تو اس پر بھی اس کو اجر ملتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص ایک راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت زور کی پیاس لگی' اس نے ایک کنواں دیکھا تو وہ اس میں اتر گیا' اس نے اس کنویں سے پانی پیا اور پھر کنویں سے

باہر آ گیا' پھر اس نے ایک کتے کو ہانپتے ہوئے دیکھا وہ پیاس کی وجہ سے کیچڑ کھا رہا تھا' اس شخص نے دل میں سوچا: اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس لگی ہوئی ہے جس طرح مجھے پیاس لگی ہوئی تھی' وہ پھر کنویں میں اترا اور اس نے اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر لیا پھر کتے کو پانی پلایا' اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ نیکی قبول فرمالی اور اس کو بخش دیا' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم کو ان جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہر تر جگر والے کے ساتھ نیکی کرنے کا اجر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۴' سنن ابوداؤد: ۲۵۵۰)

اور جب جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا بھی اجر ملتا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ متقین کے مالوں میں سوال کرنے والے انسانوں کا بھی حق ہے اور جو ضرورت مند جانور سوال نہیں کر سکتے' ان کا بھی ان متقین کے مالوں میں حق ہے اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں بھی جانوروں پر اپنا مال خرچ کرنے کی دلیل ہے:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ (طٰہٰ: ۵۴) تم خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔

(۲) دوسری تعبیر یہ ہے کہ سائل سے مراد ہے: وہ ضرورت مند جو اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہے اور محروم سے مراد ہے: وہ ضرورت مند جو اپنی ضرورت کا سوال نہیں کرتا اور سوال نہ کرنے کی وجہ سے اس کے حال سے ناواقف لوگ اس کو غنی اور خوشحال سمجھتے ہیں اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۷۳)

صدقات کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں' وہ زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے' ان کے حال سے ناواقف لوگ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مال دار گمان کرتے ہیں' تم ان کے چہرے کو دیکھ کر (قیاس سے) ان کے فقر کو پہچان سکتے ہو' وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے' تم جس قدر مال خرچ کرو گے تو اللہ اس کو جاننے والا ہے ۝

سو محروم سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی عزت نفس اور خودداری کو قائم رکھنے کے لیے سوال نہیں کرتے۔ اسی طرح اس آیت میں فرمایا ہے:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ (الحج: ۳۶) (قربانی کے گوشت سے) تم خود بھی کھاؤ' اور اس مسکین کو بھی کھلاؤ جو سوال نہیں کرتا اور اس مسکین کو بھی کھلاؤ جو سوال کرتا ہے۔

یعنی محروم اور سائل دونوں کو کھلاؤ۔

(۳) زیر تفسیر آیت میں یہ اشارہ ہے کہ متقین بہت زیادہ عطا کرتے ہیں' جو سوال کرتے ہیں ان کو بھی عطا کرتے ہیں اور جو سوال نہیں کرتے ان کو بھی عطا کرتے ہیں۔

اور اس آیت میں سائل کو محروم پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ سائل کی ضرورت کا تو اس کے سوال سے پتا چل جاتا ہے اور جو سوال نہیں کرتا اس کی ضرورت کا قیاس اور قیافہ سے پتا چلتا ہے یا کسی کے بتانے سے' اس لیے اس کی ضرورت مخفی ہے' اور سائل کی ضرورت ظاہر ہے اور ظاہر خفی پر مقدم ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سائل سے مراد اس کو زکوٰۃ ادا کرنا ہو اور محروم سے مراد اس کو صدقات ادا کرنے ہوں اور زکوٰۃ صدقات پر مقدم ہے اس لیے پہلے سائل کا ذکر فرمایا اور پھر محروم کا ذکر فرمایا۔

نیز اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص سائل اور محروم کو عطا کرتا ہے تو وہ ان پر کوئی احسان نہیں کرتا' بلکہ اس کے مال میں ان کا حق تھا جو ان حق داروں کو ادا کر رہا ہے' اور اگر ان کا حق ان کو ادا نہیں کرے گا تو وہ ظالم اور گناہ گار ہو گا' اللہ تعالیٰ جس کو اس کی ضرورت سے زیادہ کوئی چیز دیتا ہے تو وہ زیادتی دوسروں کے حقوق کی وجہ سے ہوتی ہے' گائے' بکری اور اونٹنی کا دودھ لوگ پیتے ہیں اس لیے ان میں ان کی ضرورت سے زیادہ دودھ رکھا ہے اور حرام جانوروں کا دودھ کوئی انسان نہیں پیتا' اس لیے ان میں اتنا ہی دودھ رکھا ہے جو ان کے بچوں کی ضرورت کے لیے کافی ہو۔

اسلام میں سوال کرنے کی شرعی حیثیت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سائل کے حق کا ذکر فرمایا ہے' اس کے علاوہ حسب ذیل آیات میں بھی سائلین کا ذکر فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (المعارج: ٢٥۔ ٢٤)

اور جن کے مالوں میں مقرر حصہ ہے ۝ سوال کرنے والوں کے لیے اور سوال سے رکنے والوں کے لیے ۝

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ: ١٠)

اور رہا سائل تو آپ اس کو مت جھڑکیں ۝

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ . (البقرہ: ١٧٧)

اور جو شخص مال سے محبت کے باوجود قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال عطا کرے۔

لیکن ان تمام آیات میں مال عطا کرنے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ سوال کرنے والوں کو مال عطا کریں یا مال عطا کرنے والوں کو یہ ترغیب دی ہے اور مال عطا کرنے والوں کی تحسین فرمائی ہے اور ضرورت مندوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی ضرورت کے لیے لوگوں سے سوال کریں بلکہ ان لوگوں کی تحسین فرمائی ہے جو ضرورت کے باوجود لوگوں سے سوال نہیں کرتے بلکہ سوال کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھتے ہیں حتیٰ کہ جو شخص ان کے احوال سے ناواقف ہو وہ ان کے متعلق یہ گمان کرتا ہے وہ غنی اور خوش حال ہیں جیسا کہ البقرہ: ٢٧٣ میں گزر چکا ہے اور اس کے علاوہ بہ کثرت احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال سے رکنے کی ہدایت دی ہے۔

سوال نہ کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنا مال زیادہ کرنے کے لیے لوگوں سے سوال کیا وہ صرف انگاروں کا سوال کر رہا ہے' خواہ سوال کم کرے یا زیادہ کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٤١' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨٣٨)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٧٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٤٠' سنن نسائی رقم الحدیث: ٢٥٨٥' مسند احمد ج ٢ ص ١٥)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گڑگڑا کر سوال نہ کرو' اگر تم نے مجھ سے کسی ایسی چیز کا سوال کیا جس کو میں دینا ناپسند کرتا ہوں' پھر میں تم کو وہ چیز دے دوں تو اس میں برکت نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٣٨' سنن نسائی رقم الحدیث: ٢٥٩٣' سنن دارمی رقم الحدیث: ١٦٤٤' مسند احمد ج ٤ ص ٩٨)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی

لے پھر لکڑیوں کا گٹھا اپنی کمر پر لاد کر لائے اور ان لکڑیوں کو فروخت کرے اور اس سے اللہ اس کے چہرے کو سوال سے محفوظ رکھے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۷۱' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۳۶)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھ کو عطا فرمایا' میں نے آپ سے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا' پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: اے حکیم! یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے' جو اس مال کو سخاوت نفس (استغناء) سے لے گا تو اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص اپنے آپ کو گرا کر اس مال کو لے گا تو اس میں برکت نہیں دی جائے گی اور وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے' حضرت حکیم بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اب میں آپ کے بعد کسی کے مال کو کم نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں دنیا سے چلا جاؤں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۳۵' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۴۶۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۶۰۱' ۱۴۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر صدقہ کا ذکر فرما رہے تھے اور سوال سے رکنے کا' آپ نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے' اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۴۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۶۷)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما رہے تھے اور میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو اس کو عطا کیجئے' آپ نے فرمایا: اس کو لے لو اور اس سے مال دار بنو اور اس کو صدقہ کر دو' تمہارے پاس جب مال اس حال میں آئے کہ تم اس کو طلب کرنے والے ہو نہ اس کے لیے اپنے آپ کو گرانے والے ہو تو اس مال کو لے لو اور جو مال اس طرح نہ ہو تو اس کے لیے اپنے آپ کو نہ تھکاؤ۔

سوال کرنے کے جواز اور عدم جواز کا معیار

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں کسی شخص کے ذمہ رقم کا کفیل بن گیا تھا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ سے اس سلسلہ میں سوال کیا' آپ نے فرمایا: تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آ جائے پھر ہم تمہیں اس میں سے دینے کا حکم دیں گے' پھر فرمایا: اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین شخصوں میں سے کسی ایک شخص کے لیے جائز ہے (۱) وہ شخص جو کسی شخص کی طرف سے (جائز ادائیگی) کا کفیل ہو' اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ وہ کفالت کی رقم کو حاصل کر لے (۲) جس شخص پر کوئی ناگہانی آفت آ جائے' جس کی وجہ سے اس کے سارے مال کا نقصان ہو جائے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے تاکہ اس کی گزر اوقات کا سبب مہیا ہو جائے (۳) وہ شخص جو فاقے سے ہو اور اس کی قوم کے تین معتبر شخص اس کے فاقہ زدہ ہونے کی گواہی دیں' اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں بھی سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ سوال کر کے کھائے گا تو وہ حرام کھائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۴۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۸۰' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۶۷۸' مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے پاس اتنی رقم نہ ہو جس سے وہ ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے یا اس کے گھر میں اتنا اثاثہ نہ ہو جس کو فروخت کر کے وہ ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے اور اس پر ایک دن فاقہ کا گزر جائے' اس کے لیے

اتنی رقم کا سوال کرنا جائز ہے جس سے وہ ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے یا اس کے پاس ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا نہ ہو تو وہ اپنی ستر پوشی کے لیے رقم کا سوال کر سکتا ہے' باقی اس حدیث میں جو ارشاد ہے کہ اس کی قوم کے تین معتبر آدمی اس کے فاقہ زدہ ہونے کی گواہی دیں' یہ شرط بہ طور استحباب ہے ضروری نہیں ہے یا یہ شرط اس شخص کے لیے ہے جس کا جھوٹا اور بہانہ ساز ہونا لوگوں کے درمیان معروف ہو۔

فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے صرف ایک دن کی خوراک ہو اور وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لیے کمانے پر قادر ہو' اس کے لیے زکوٰۃ لینا اور اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے' لیکن اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی نہ ہو اور وہ کمانے پر قادر نہ ہو اس کے لیے ایک دن کی خوراک کی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بغیر ضرورت کے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ١٠٨٨ھ لکھتے ہیں:

اس شخص کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے جس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو یا وہ ایک دن کی خوراک کمانے پر قادر ہو' مثلاً وہ صحت مند اور توانا ہو اور کسی قسم کا کام کر سکتا ہو اور اگر اس کے سوال پر دینے والے کو اس کا علم ہو تو وہ بھی گناہ گار ہوگا کیونکہ وہ ایک حرام کام پر اس کی مدد کر رہا ہے اور اگر اس کو کپڑے کی ضرورت ہو تو اس کا سوال کرنا جائز ہے یا وہ شخص جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے کمانے پر قادر نہ ہو یا علم دین حاصل کرنے کی وجہ سے وہ کمانے پر قادر نہ ہو پھر بھی اس کا سوال کرنا جائز ہے۔

علامہ شامی نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور اس کی تائید میں دیگر فقہاء کی عبارات پیش کی ہیں۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ٣ ص ٢٧٦' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٩ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (بہت) نشانیاں ہیں O اور خود تمہارے نفسوں میں بھی (نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے؟ O اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O پس آسمان اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے (جیسا کہ) تمہارا کلام کرنا (برحق ہے) O (الذّٰریٰت: ٢٣۔٢٠)

موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی زمین میں نشانیاں

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے احوالِ آخرت بیان فرمائے' اس کے بعد کی آیتوں میں مؤمنوں کے احوالِ آخرت بیان فرمائے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر عقائد کا ذکر فرمایا اور ان عقائد میں اہم عقیدہ' انسانوں کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے' اور اللہ تعالیٰ بار بار مختلف پیراؤں سے اس پر دلائل قائم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو زندہ کر دے اور ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں ایسی نشانیاں ہیں جو حیات بعد الموت پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ علامات حسب ذیل ہیں:

(١) ہم دیکھتے ہیں کہ موسمِ خزاں میں درختوں کے تمام پتے جھڑ جاتے ہیں اور وہ بالکل سوکھ جاتے ہیں پھر جیسے ہی موسمِ بہار آتا ہے تو وہ درخت پھر ہرے بھرے ہو جاتے ہیں اور اس کی شاخیں پتوں سے لد جاتی ہیں اور ہر سال اسی طرح ہوتا ہے اور ہر سال درختوں کی موت اور اس کے بعد حیات کا عمل جاری رہتا ہے۔

(٢) ہم دیکھتے ہیں کہ برسات کے موسم میں پانی اور کیچڑ میں مینڈک اور دیگر حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں اور برسات کا موسم گزرنے کے بعد وہ سب مر کر مٹی ہو جاتے ہیں اور اگلے سال برسات کے موسم میں اسی مٹی سے پھر پیدا ہو جاتے

ہیں اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔

(۳) خشک سالی کی وجہ سے زمین مردہ ہو جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس مردہ زمین پر بارش نازل فرما کر اس کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح رواں دواں رہتا ہے

سو جو خدا مردہ درختوں کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے' بارش کے موسم میں مینڈکوں اور حشرات الارض کو مارتا ہے اور زندہ کرتا رہتا ہے' بنجر اور مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا رہتا ہے وہ مردہ انسانوں کو کیوں زندہ نہیں کر سکتا' کیا زمین میں ان نشانیوں کو دیکھ کر حیات بعد الموت پر یقین نہیں آتا؟

(۴) کفارِ مکہ اپنے تجارتی سفروں میں جن علاقوں سے گزرتے ہیں ان میں پچھلی امتوں کے کافروں پر عذاب کے آثار انہیں نہیں دکھائی دیتے' کیا ان آثارِ عذاب سے یہ پتا نہیں چلتا کہ جو کفار موت کے بعد دوسری زندگی کے منکر تھے ان کو کیسے عذاب نے آ لیا؟

اس آیت میں فرمایا ہے: اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (بہت) نشانیاں ہیں O اس آیت میں یقین رکھنے والوں کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت اور حیات بعد الموت پر یقین رکھنے والے ہی ان نشانیوں میں غور و فکر کر کے اپنے یقین کو پختہ کرتے ہیں اور ان کو اپنے ایمان پر مزید بصیرت حاصل ہوتی ہے' رہے کفار اور منکرین تو وہ تو صاف صاف دلائل اور کھلے کھلے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی نشانیاں

الذّٰریٰت: ۲۱ میں فرمایا: اور خود تمہارے نفسوں میں بھی (نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے؟ O

اس آیت کا معنی ہے: زمین میں اور خود تمہارے نفسوں میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: جو شخص زمین میں سفر کرے وہ زمین میں غور و فکر کرنے والی چیزیں اور عبرت انگیز مناظر دیکھتا ہے' اور جو شخص اپنے آپ میں غور و فکر کرے' وہ جان لیتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

(۲) السائب بن یزید نے کہا: انسان ایک سوراخ سے کھاتا اور پیتا ہے اور اس کا فضلہ دو مختلف سوراخوں سے نکلتا ہے' اور انسان اگر صرف دودھ پیے تو اس دودھ کا رقیق فضلہ ایک جگہ سے خارج ہوتا ہے اور اس کا ٹھوس فضلہ دوسری جگہ سے خارج ہوتا ہے اور اس کے جوہر مصفّٰی سے اس کے پورے جسم اور بدن کا قوام تیار ہوتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرت اور حکمت کی بہترین نشانی ہے۔

(۳) ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر تم کو سماعت اور بصارت اور دھڑکتا ہوا دل دے کر جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔

(۴) حسن بصری نے کہا: تمہاری جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہے اور قوت کے بعد ضعف طاری ہوتا ہے اور سیاہ بالوں کے بعد سفید بال آ جاتے ہیں (اور تمہارے یہ تغیرات تمہارے حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور ہر حادث کا کوئی محدث اور خالق ہوتا ہے تو ضرور تمہارا بھی کوئی خالق ہے اور ضرور وہ خالق قدیم اور واجب ہے' تمہاری طرح حادث اور ممکن نہیں ہے اور ضرور وہ خالق واحد ہے کیونکہ قدیم اور واجب متعدد نہیں ہو سکتے)۔

(۵) اسی طرح تمہاری تخلیق کے مراحل کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے پہلے تم کو نطفہ بنایا' پھر جما ہوا خون بنایا' پھر گوشت کا ٹکڑا

بنایا' پھر اس میں ہڈیاں پہنائیں' پھر اس پتلے میں روح پھونک دی' پھر تخلیق کے بعد تمہارے مختلف رنگ بنائے' مختلف شکلیں اور صورتیں بنائیں اور تمہیں زبانیں اور بولیاں سکھائیں' تمہیں دل اور دماغ دیئے' تمہیں عقلیں عطا کیں اور ان عقلوں میں مختلف صلاحیتیں رکھیں اور تمہیں حسین وجمیل صورتیں عطا کیں اور تمہیں تمام مخلوق سے فزوں تر اور اشرف اور افضل بنایا اور ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی خلاقی اور اس کی وحدانیت کے بہت دلائل اور بہت نشانیاں ہیں۔

عالم کبیر کی نشانیوں کے مقابلہ میں عالم صغیر کی نشانیاں

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ. عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاقِ عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں بھی۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۵۳)

انسان عالم صغیر ہے اور یہ جہان عالم کبیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر عالم صغیر میں بھی نشانیاں رکھی ہیں اور عالم کبیر میں بھی نشانیاں رکھی ہیں اور عالم کبیر میں جو نشانیاں ہیں وہی نشانیاں عالم صغیر میں ہیں:

(۱) سورج اور چاند میں نور رکھا ہے جس سے وہ بالذات دکھائی دیتے ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کی آنکھوں میں نور رکھا ہے جس سے وہ دیکھتی ہیں۔

(۲) زمین میں خاک اور مٹی ہے اور انسان کا جسم بھی موت کے بعد بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جاتا ہے۔

(۳) عالم کبیر میں پانی ہے' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم میں رطوبات ہوتی ہیں۔

(۴) عالم کبیر میں ہوا ہے اور اس کے مقابلہ میں نفس کا سانس لینا ہے۔

(۵) عالم کبیر میں حرارت والی آگ ہے اور اس کے مقابلہ میں انسان کا پتا ہے جس میں صفرا ہے جس میں حرارت ہوتی ہے۔

(۶) اور زمین میں پانی کی نہریں جاری ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کی شریانیں اور رگیں ہیں جن میں خون جاری ہوتا ہے۔

(۷) عالم کبیر میں سمندر ہے اس کے مقابلہ میں انسان کا مثانہ ہے جس میں پیشاب جمع رہتا ہے۔

(۸) عالم کبیر میں پہاڑ ہیں جو زمین کی میخیں ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کی ہڈیاں ہیں۔

(۹) عالم کبیر میں درخت ہیں جن کی شاخیں اور پتے ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کے اعضاء ہیں جو شاخوں اور پتوں کی طرح حرکت کرتے ہیں۔

(۱۰) عالم کبیر میں گھاس ہے اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کے بال ہیں۔

عالم کبیر اور عالم صغیر دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور وہی دونوں کا خالق واحد ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين.

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۱۹۱)

آسمان میں مخلوق کے رزق کی تفسیریں

الذّٰریٰت: ۲۲ میں فرمایا: آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O

سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: رزق سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہیں' مثلاً بارش اور برف وغیرہ' بارش کے پانی سے کھیتیاں اگتی ہیں اور بارش کا پانی پی کر مخلوق زندہ رہتی ہے اور برف سے چشمے قائم رہتے ہیں۔

حسن بصری جب بادل کو دیکھتے تو کہتے تھے: اللہ کی قسم! اس میں تمہارا رزق ہے' لیکن تم اپنے گناہوں کی وجہ سے اس

رزق سے محروم کر دیئے جاتے ہو۔

ابن کیسان نے کہا: یعنی آسمان کے رب کے ذمہ تمہارا رزق ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. روئے زمین کے ہر چوپائے (جاندار) کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ (ھود: ٦)

سفیان ثوری نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: اللہ کے نزدیک آسمان میں تمہارا رزق ہے' ایک قول یہ ہے کہ آسمان میں تمہارے رزق کی تقدیر ہے اور جو بھی تمہارا رزق مقدر ہے وہ ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔

نیز فرمایا: اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' عام ازیں کہ تم سے ثواب اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہو یا تم کو قیامت اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہو۔

الذّٰریٰت: ٢٣ میں فرمایا: پس آسمان اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے (جیسا کہ) تمہارا کلام کرنا (برحق ہے) ○

اللہ تعالیٰ کی خبر کے برحق ہونے کو انسان کے کلام کے برحق ہونے سے تشبیہ کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر اس بات کو مؤکد فرمایا کہ اس نے جو حیات بعد الموت اور آسمان میں مخلوق کے رزق ہونے کی خبر دی ہے وہ ضرور سچی اور برحق ہے' پھر اس کی مثال دی جس طرح تمہارا کلام اور گفتگو کرنا برحق ہے۔

اور باقی حواس کی بجائے بولنے کی مثال دی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی حواس کے مدرکات میں اشتباہ ہو جاتا ہے' مثلاً جب انسان دوڑتی ہوئی ٹرین یا بس میں بیٹھا ہوا ہو تو اس کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ وہ ساکن ہوتے ہیں' اسی طرح قوت ذائقہ کے مدرکات میں اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً پیلیا کے مریض کو میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے' اسی طرح خوشبو اور بدبو کے فرق کا پتا نہیں چلتا' بعض لوگوں کو کم سنائی دیتا ہے' صرف قوت گویائی ایسی طاقت ہے جس میں خلل نہیں ہوتا' رہے گونگے انسان تو ان میں یہ قوت ہی نہیں ہوتی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

بعض حکماء نے کہا ہے کہ جس طرح انسان صرف اپنی زبان سے کلام کر سکتا ہے اور اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی زبان سے کلام کرے' اسی طرح ہر انسان صرف اپنا رزق کھاتا ہے اور اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کا رزق کھا سکے۔

حسن بصری نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کر دے جن کے لیے خود اللہ عزوجل نے قسم کھا کر ایک بات فرمائی اور انہوں نے اس کی تصدیق نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آسمان اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ٢٤٩١٩' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو اس کا رزق اس کا پیچھا کرے گا جیسا کہ موت اس کا پیچھا کرتی ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ٧ ص ١٢٩_١٢٨' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ٥٠٩٢' حلیۃ الاولیاء ج ٧ ص ٩٠_ ج ٨ ص ٢٤٦)

خالد کے دو بیٹے حبۃ اور سواء رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس وقت آپ کوئی کام کر رہے تھے' ہم نے اس کام میں آپ کی مدد کی' آپ نے فرمایا: جب تک تمہارے سر ہل رہے ہیں تم رزق سے

مایوس نہ ہو' کیونکہ جب انسان اپنی ماں سے پیدا ہوتا ہے تو اس کے اوپر کوئی کپڑا نہیں ہوتا' پھر اللہ اس کو رزق دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۵)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ

(اے رسول مکرم!) کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟O جب وہ ان کے پاس آئے

فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ

تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے (بھی) جواب میں کہا: سلام (اور دل میں سوچا:) یہ اجنبی لوگ ہیں O پھر چپکے سے اپنے گھر

بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ

گئے پس بھنا ہوا فربہ بچھڑا لے آئے O سو بچھڑا ان کے سامنے رکھ کر کہا: کیا تم نہیں کھاتے؟O پھر ابراہیم کو ان سے خوف

مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ

محسوس ہوا' انہوں نے کہا: آپ ڈریئے مت! اور ان کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی O پھر ان کی بیوی چیختی ہوئی

فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ

آگے بڑھی اور اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر کہا: (میں تو) بڑھیا (اور) بانجھ ہوں O انہوں نے کہا: آپ کے رب نے اسی

قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

طرح فرمایا ہے بے شک وہی بہت حکمت والا' بے حد علم والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟O جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے (بھی) جواب میں کہا: سلام (اور دل میں سوچا:) یہ اجنبی لوگ ہیں O پھر چپکے سے اپنے گھر گئے پس بھنا ہوا فربہ بچھڑا لے آئے O سو بچھڑا ان کے سامنے رکھ کر کہا: کیا تم نہیں کھاتے؟O پھر ابراہیم کو ان سے خوف محسوس ہوا' انہوں نے کہا: آپ ڈریئے مت اور ان کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی O پھر ان کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر کہا: میں تو بڑھیا (اور) بانجھ ہوں O انہوں نے کہا: آپ کے رب نے اسی طرح فرمایا ہے' بے شک وہی بہت حکمت والا' بے حد علم والا ہے O (الذّٰریٰت: ۳۰۔ ۲۴)

حضرت ابراہیم کے پاس فرشتوں کا مہمان ہونا

ان آیتوں میں یہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی بدکار قوم پر عذاب دینے کے لیے بھیجے تھے' وہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستی سدوم میں جانے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے' کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے' وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اجنبی شکل وصورت میں

گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی ضیافت کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لے آئے' جب انہوں نے کھانے سے ہاتھ روکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خوف زدہ ہوئے کہ یہ میرا نمک کیوں نہیں کھا رہے؟ کہیں یہ مجھے کوئی نقصان تو نہیں پہنچانا چاہتے' تب انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے ہیں اور انہوں نے آپ کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دی' اور بعد میں بتایا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب پہنچانے کے لیے آئے ہیں' اس کی تفصیل بعد والی آیتوں میں آئے گی۔

ان آیات کی مفصل تفسیر ہم ھود: ۷۳۔۶۹ ''تبیان القرآن'' ج ۵ ص ۵۹۳۔۵۸۴ میں بیان کر چکے ہیں' وہاں ملاحظہ فرمائیں' اس تفسیر کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد اور ان کی بشارت میں مختلف اقوال (۳) فرشتوں کے سلام کے الفاظ (۴) سلام کے متعلق احادیث (۵) جن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور جن لوگوں کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں یا مکروہ ہے (۶) سلام کرنے کے شرعی الفاظ اور اس کے شرعی احکام اور مسائل (۷) اسلام میں مہمان نوازی کی حیثیت (۸) مہمان نوازی کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح (۹) مہمان نوازی کے متعلق مذاہبِ فقہاء (۱۰) مہمان نوازی کے وجوب کے متعلق احادیث (۱۱) مہمان نوازی کے وجوب کے دلائل کے جوابات (۱۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی وجوہ (۱۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مہمانوں کے فرشتے ہونے کا علم تھا یا نہیں (۱۴) پچھلی امتوں میں بھی کھانے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنا مشروع تھا (۱۵) حضرت سارہ کے ہنسنے کی وجوہ (۱۶) ''یا ویلتی'' کا معنی اور ترجمہ (۱۷) اہل بیت کے مصداق کی تحقیق۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے عذاب سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسلی دینے کی طرف اشارہ ہے کہ پچھلی امتوں میں بھی کفار انبیاء علیہم السلام کے پیغام کی تکذیب کرتے تھے' تب ہی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے فرشتے بھیجے گئے' اس لیے اگر آپ کی قوم کے کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں' اور ان فرشتوں کو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا تا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت افزائی ہو اور ان کا مقام اور مرتبہ ظاہر ہو۔

ان فرشتوں کے متعلق فرمایا: یہ ابراہیم کے معزز مہمان ہیں حالانکہ واقع میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان نہ تھے' لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ ان کو اپنا مہمان گمان کیا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب نہیں کی اور ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہمان ہی قرار دیا اور اس میں یہ بتایا ہے کہ صادق وہ ہوتا ہے جس کا کلام واقع کے مطابق ہو اور صدیق وہ ہوتا ہے کہ واقع اس کے کلام کے مطابق ہو جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صدیق تھے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ (مریم: ۴۱) بے شک ابراہیم صدیق (بہت سچے) نبی تھے ○

اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے سفر میں ایک شخص کے متعلق فرمایا: ''کن ابا خیثمة'' تو ابا خیثمہ ہو جا تو وہ ابا خیثمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۹)

ان فرشتوں نے کہا: ہم کو مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے' وہ مجرم قوم حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں میں تھی' پھر ان فرشتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیوں بھیجا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تکریم کے لیے تھا' تا کہ ان کو پہلے سے معلوم ہو جائے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں میں عذاب آنے والا ہے اور وہ ناگزیر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت بدکار قوم تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتی تھی اور ان

آیتوں میں ذکر ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی' اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ. (الصّٰفّٰت: ۱۱۲) اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق کی بشارت دی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ

ابراہیم نے کہا: تو اے رسولو! تمہارا کیا مقصد ہے؟O فرشتوں نے کہا: بے شک

اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾

ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیںO تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیںO

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ

جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیںO سو ہم نے اس بستی میں سے ان سب کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَ

نکال لیا جو ایمان والے تھےO تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان گھر نہ پایاO اور

تَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ

ہم نے اس بستی میں درد ناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھیO اور موسیٰ (کے واقعہ)

مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى

میں (ہماری نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان کو واضح دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجاO تو اس نے اپنی قوت کے بل بوتے پر

بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ

منہ موڑا اور کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہےO پس ہم نے اس کو اور اس کے پورے لشکر کو پکڑ لیا پھر ہم نے ان سب کو سمندر میں

فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾

پھینک دیا اس وقت وہ خود کو ملامت کر رہا تھاO اور قوم عاد میں (بھی حیرت انگیز نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر رحمت سے خالی آندھی بھیجیO

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ

جو کسی چیز کو نہیں چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتیO اور قوم ثمود میں

ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ

(بھی عبرت انگیز نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا کہ تم ایک عارضی مدت تک فائدہ اٹھالو O تو انہوں نے اپنے رب کے حکم

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ

سے سرکشی کی تو ان کو ایک ہولناک کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے O پس وہ نہ کھڑے ہو سکتے

قِیَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ

تھے اور نہ کسی سے مدد حاصل کر سکتے تھے O اور اس سے پہلے قوم نوح میں (بھی عبرت کی

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾

نشانی ہے) بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O

ع ۲۳ ۲ ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابراہیم نے کہا: تو اے رسولو! تمہارا کیا مقصد ہے؟O فرشتوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں O تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں O جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں O سو ہم نے اس بستی میں سے ان سب کو نکال لیا جو ایمان والے تھے O تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان گھر نہ پایا O اور ہم نے اس بستی میں دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی O

(الذّٰریٰت: ۳۷۔۳۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مکالمہ

ابتداء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان فرشتوں کو اجنبی شکل وصورت میں دیکھ کر گھبرا گئے تھے' پھر جب ان سے گفتگو ہوئی اور انہوں نے آپ کی گھبراہٹ دور کرنے کے لیے کہا کہ آپ کو ہم سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور حضرت ابراہیم کو خوش کرنے کے لیے ان کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں سے پوچھا کہ اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ مہمان اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ ھود میں جو اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو بیان فرمایا ہے اس میں یہ ارشاد ہے کہ فرشتوں نے بتایا:

اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (ھود: ۷۰) ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے O

اور یہاں پر اس آیت کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ قصہ پوری بسط اور تفصیل کے ساتھ سورۂ ھود میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

الذّٰریٰت: ۳۲ میں فرمایا: فرشتوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں O

ھود: ۷۰ میں فرمایا تھا: ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں' یہاں اسلوب بدل کر فرمایا: ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں' اور جس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام ہدایت دینے کے لیے گئے وہ مجرموں اور بدکاروں کی بستی تھی اور اس کو سورۂ ھود میں قوم لوط جو فرمایا ہے وہ محض اس مناسبت سے ہے کہ آپ وہاں تبلیغ کرنے اور ہدایت دینے کے لیے گئے تھے۔

الذّٰریٰت: ۳۴۔۳۳ میں فرمایا: تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں O جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں O

ایک قول یہ ہے کہ وہ پتھر سیاہ اور سفید دھاری دار تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ سیاہ اور سرخ دھاری دار تھے' ایک قول یہ ہے کہ وہ پتھر عذاب نازل کرنے کے لیے معروف تھے' ایک قول یہ ہے کہ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس شخص کو جا کر وہ پتھر لگنا تھا' وہ بہ ظاہر دیکھنے میں پتھر تھے لیکن درحقیقت وہ مٹی سے بنے ہوئے تھے۔

ایمان اور اسلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی

الذّٰریٰت: ۳۶۔۳۵ میں فرمایا: سو ہم نے اس بستی سے ان سب کو نکال کیا جو ایمان والے تھے O تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان گھر نہ پایا O

یعنی جب ہم نے قومِ لوط کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ہم نے اس بستی سے ان کی قوم میں سے ایمان والوں کو باہر نکال لیا' تاکہ مؤمنین ہلاک نہ ہوں تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان گھر نہ پایا O اور اس گھر میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیاں تھیں اور اس کے علاوہ وہاں مسلمانوں کا اور کوئی گھر نہیں تھا' پہلی آیت میں فرمایا ہے: ہم نے اس بستی سے ایمان والوں کو نکال لیا تھا اور دوسری آیت میں فرمایا ہے: ان کے علاوہ وہاں مسلمانوں کا اور کوئی گھر نہ تھا' ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان واحد ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام متغایر ہیں' وہ آیت یہ ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا (الحجرات: ۱۴)

اعراب نے کہا: ہم ایمان لے آئے' آپ کہیے: تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں تغایر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ایمان کا اصطلاحی معنی مراد ہے اور وہ یہ ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو خبریں اور جو احکام لے کر آئے اور جو اللہ کا کلام لے کر آئے اس کی تصدیق کرنا اور اس کو ماننا اور قبول کرنا اور یہی اسلام کا بھی اصطلاحی معنی ہے' لیکن الحجرات: ۱۴ میں اسلام کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس کا لغوی معنی مراد ہے اور وہ اطاعت ظاہرہ ہے' یعنی اے منافقو! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہیں کی بلکہ تم نے ان کی ظاہراً اطاعت کی ہے اور زیر تفسیر آیت الذّٰریٰت: ۳۶۔۳۵ میں ایمان اور اسلام کا اصطلاحی معنی مراد ہے اور وہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

الذّٰریٰت: ۳۷ میں فرمایا: اور ہم نے اس بستی میں دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نشانی باقی رکھی O

اس نشانی سے مراد وہ آثارِ عذاب ہیں جو دشتِ لوط میں بکھرے ہوئے ہیں' جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصہ تک باقی رہے اور یہ نشانی بھی ان ہی مسلمانوں کے لیے ہے جو اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ وہی وعظ اور نصیحت کا اثر قبول کرتے ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ (کے واقعہ) میں (ہماری نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان کو واضح دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا O تو اس نے اپنی قوت کے بل بوتے پر منہ موڑا اور کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O پس ہم نے اس کو اور اس کے پورے لشکر کو پکڑ لیا پھر ہم نے ان سب کو سمندر میں پھینک دیا اس وقت وہ خود کو ملامت کر رہا تھا O (الذّٰریٰت: ۴۰۔۳۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اس سے مراد ان کا عصا اور ید بیضاء ہے اور ان کے دیگر معجزات ہیں' ''رکن'' کا معنی لشکر اور قبیلہ ہے یا وہ قوت جس کی وجہ سے انسان اپنے مقابل سے مزاحمت کر سکے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر فرشتوں کی طلب میں ان کی قوم کے بدکاروں نے دھاوا بولا تو انہوں نے کہا تھا:

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ○ (ھود:۸۰) لوط نے کہا: کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست حمایتی کی پناہ میں آتا○

اس آیت میں بھی ''رکن'' کے معنی قوت والا حمایتی ہے۔

جب فرعون دلائل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب نہ دے سکا تو اس نے حضرت موسیٰ کے متعلق کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے جو اتنے زبردست بادشاہ کے خلاف محاذ آرائی کر رہا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں پھینک دیا' اور مرتے وقت اس نے ایمان لانے کا اظہار کیا لیکن جب انسان عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا ایمان مقبول نہیں ہوتا' فرعون سمندر میں غرق ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو آج تک سلامت رکھا ہوا ہے اور اس میں قیامت تک کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ (یونس:۹۲) پس آج ہم تیری لاش کو محفوظ رکھیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لیے عبرت کی نشانی ہو۔

اس کی لاش آج بھی مصر کے عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ہے' مصر پر غیر مسلموں کا بھی اقتدار رہا لیکن اس کی لاش کو کوئی خراب نہ کر سکا اور یہ قرآن مجید کی صداقت پر انمٹ دلیل ہے۔

قوم عاد کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم عاد میں (بھی عبرت انگیز نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر رحمت سے خالی آندھی بھیجی○ جو کسی چیز کو نہیں چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔ (الذّٰریٰت: ۴۲۔۴۱)

غور و فکر کرنے والوں کے لیے قوم عاد میں بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں' یہ بہت دراز قد اور بہت مضبوط اور قوی ہیکل لوگ تھے' ان کو اپنی جسامت' طاقت اور قامت پر بہت گھمنڈ تھا' انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بنائے ہوئے تھے' حضرت ھود علیہ السلام ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے لیکن یہ اپنی طاقت کے زعم میں یہ سمجھتے تھے کہ ان کو کچھ نہیں ہوگا' تب اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت تند و تیز آندھی بھیجی' وہ آندھی بادلوں کو اڑا رہی تھی' درختوں کو گرا رہی تھی' یہ آندھی مسلسل آٹھ دن رات تک چلتی رہی اور اس نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا' اس آندھی کا نام دبور ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری صبا سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰)

جو ہوا مشرق سے مغرب کی طرف چلے اس کو صبا کہتے ہیں اور جو ہوا مغرب سے مشرق کی طرف چلے اس کو دبور کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۱)

اس آیت میں ''رمیم'' کا لفظ ہے' جب گھاس سوکھ کر چور چور ہو جائے تو اس کو ''رمیم'' اور ''ھشیم'' کہتے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو چیز بوسیدہ ہو کر ہلاک ہو جائے اس کو ''رمیم'' کہتے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: جن پتھروں کو

کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے ان کو" رمیم " کہتے ہیں۔قطرب نے کہا:" رمیم " کا معنی راکھ ہے' جو ہڈی بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے اس کو بھی " رمیم " کہتے ہیں' اور اس آیت کا معنی ہے: اس تند و تیز آندھی نے قوم عاد کے اجسام کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔

قوم ثمود کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم ثمود میں (بھی عبرت انگیز نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا کہ تم ایک عارضی مدت تک فائدہ اٹھالو O تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی تو ان کو ایک ہولناک کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے O پس وہ نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ کسی سے مدد حاصل کر سکتے تھے O (الذّٰریٰت: ۴۵۔۴۳)

اور قوم ثمود میں بھی عبرت کی نشانیاں ہیں' ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت اور توحید کا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا' اور ان کے مطالبہ پر ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکال کر حضرت صالح کی نبوت پر دلیل قائم کی گئی' ان سے کہا گیا تھا کہ اس اونٹنی کا احترام کریں مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ کر اس کو گرایا اور پھر اس کو قتل کر دیا' حضرت صالح نے ان کو عذاب کی وعید سنائی کہ تم تین دن اپنے گھروں میں گزار لو پھر تم کو عذاب سے ہلاک کر دیا جائے گا' تین دن کے بعد ان کو ایک کڑک نے آلیا اور وہ سب ہلاک کر دیئے گئے۔قرآن مجید میں " صاعقة " کا لفظ ہے' اس کی متعدد تفسیریں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی موت ہے' اور ایک قول ہے: اس کا معنی ہے: مہلک عذاب۔حسین بن واقد نے کہا: قرآن مجید میں جہاں بھی " صاعقة " کا لفظ آیا ہے اس کا معنی عذاب ہے اور اس کا معنی کڑک بھی ہے' جس وقت ان پر عذاب آیا وہ اس کو دیکھ رہے تھے اور وہ اس کے سامنے اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے' نہ اس کو برداشت کرنے کی اور نہ اس کو اپنے سے دور کرنے کی طاقت رکھتے تھے اور جس وقت وہ عذاب سے ہلاک ہو رہے تھے اس وقت وہ کسی سے مدد بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے یعنی ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے پہلے قوم نوح میں (بھی عبرت کی نشانی ہے) بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O (الذّٰریٰت: ۴۶)

یعنی قوم عاد کو کڑک کے عذاب نے پکڑ لیا اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو طوفان میں غرق کر دیا گیا۔حضرت نوح علیہ السلام کئی صدیوں تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور صرف اسی (۸۰) آدمی ان پر ایمان لائے' حضرت نوح علیہ السلام نے ایک وسیع و عریض کشتی بنائی اور ایمان والوں کو اپنے ساتھ اس کشتی میں بٹھا کر لے گئے۔

انبیاء علیہم السلام کے واقعات کی نشان دہی

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرشتوں کے ساتھ مباحثہ کا ذکر ہے' اس کی تفصیل ھود: ۷۴ میں ہے' دیکھئے " تبیان القرآن " ج ۵ ص ۵۹۴۔اور اس رکوع میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے اس کی تفصیل الاعراف: ۸۴۔۸۰ میں ہے' دیکھئے " تبیان القرآن " ج ۴ ص ۲۲۰۔۲۱۴۔

اور اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تفصیل الاعراف: ۱۴۷۔۱۰۳ میں ہے' دیکھئے " تبیان القرآن " ج ۴ ص ۳۳۳۔۲۴۸۔

اور اس رکوع میں قوم عاد کے واقعہ کا ذکر ہے' اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر الاعراف: ۶۵۔۷۲ میں ہے' دیکھئے " تبیان القرآن " ج ۴ ص ۲۰۷۔۱۹۹۔

اور اس رکوع میں قوم ثمود کے واقعہ کا ذکر ہے' اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر الاعراف: ۷۹۔۷۳ میں ہے' دیکھئے " تبیان

القرآن" ج ۴ ص ۲۱۳۔۲۰۹۔

اور اس رکوع کے آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے، اس کی تفصیل الاعراف: ۶۹۔۵۹ میں ہے، دیکھئے "تبیان القرآن" ج ۴ ص ۱۹۸۔۱۹۰۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا

اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قوت سے بنایا اور بے شک ہم ضرور وسیع بنانے پر قدرت رکھتے ہیں O اور زمین کو ہم نے فرش بنایا

فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

پس ہم کیسا اچھا فرش بنانے والے ہیں O اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ۚ

حاصل کرو O پس تم اللہ کی طرف بھاگو میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ۚ

اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ، میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا:

سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ۚ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ۚ

یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس قول کی وصیت کی تھی؟ (نہیں) بلکہ وہ سرکش لوگ تھے O

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ

پس (اے رسول مکرم!) آپ ان سے اعراض کریں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی O اور آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت کرنا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

مؤمنین کے لیے مفید ہے O اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں O

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

میں ان سے کسی رزق کو طلب نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں O بے شک اللہ ہی

هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا

سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہےO پس بے شک ظالموں کے لیے (عذاب کا

مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

ایسا) حصہ ہے' جیسے (عذاب کا) حصہ ان کے اصحاب کا ہے سو وہ (عذاب کی) جلدی نہ کریںO پس کفار کے

كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

لیے اس دن سے عذاب ہوگا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قوت سے بنایا' اور بے شک ہم ضرور وسیع بنانے پر قدرت رکھتے ہیںO اور زمین کو ہم نے فرش بنایا پس ہم کیسا اچھا فرش بنانے والے ہیںO اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت حاصل کروO (الذٰریٰت: ۴۹۔۴۷)

''اید'' کا معنی

اس آیت میں ''اید'' کا لفظ ہے' اس کا معنی قوت اور قدرت ہے یعنی ہم نے آسمان کو اپنی قوت اور قدرت سے بنایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اید'' ''ید'' کی جمع ہو اور اس کا معنی ہو: ہم نے آسمان کو (اپنے) ہاتھوں سے بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں کے ثبوت میں دو مذہب ہیں' ایک مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں اور وہ مخلوق کے ہاتھوں کی مثل نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس کے ہاتھوں کی کیا کیفیت ہے' یہ ائمہ اربعہ اور متقدمین کا مذہب ہے' اور متاخرین نے جب دیکھا کہ ان الفاظ کی وجہ سے مخالفینِ اسلام' اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جسمانی اعضاء ہیں اور جسمانی اعضاء کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آتا ہے تو انہوں نے ان الفاظ کی تاویل کی اور کہا: ہاتھوں سے مراد اس کی قدرت' اس کی قوت اور اس کا اقتدار ہے۔

اس آیت کا معنی ہے: ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے بہت وسیع بنایا ہے اور بے شک ہم آسمان کو اس سے بھی زیادہ وسیع بنانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ بے شک ہم اپنی مخلوق کے لیے رزق میں وسعت کرنے والے ہیں یا ہم آسمان سے بارش نازل کر کے رزق میں وسعت کرنے والے ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو آیات ذکر فرمائیں تھیں ان سے مقصود حیات بعد الموت اور حشر پر ثبوت فراہم کرنا تھا اور اس آیت میں بھی حشر کے ثبوت پر دلیل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار آسمان کو بنایا ہے تو وہ دوسری بار آسمان کو کیوں نہیں بنا سکتا؟ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ (یٰسٓ: ۸۱)

جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا ہے کیا وہ دوبارہ ان کی مثل بنانے پر قادر نہیں ہے۔

آسمانوں کی بناء کو متعدد بار ذکر کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے بنانے کا متعدد بار ذکر فرمایا ہے' مثلاً فرمایا: '' وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا O'' (الشمس: ۵) '' اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ''

(النزعٰت: ۲۷) ''جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً'' (الغافر: ۶۴) ''بناء'' کا معنی ہے: عمارت یا کسی چیز کو تعمیر کرنا۔

امام رازی فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمان کی بناء (عمارت) قیامت تک قائم رہے گی' اس کی کوئی چیز ساقط ہو گی نہ اس کا کوئی جز معدوم ہوگا' اس کے برخلاف زمین میں تغیر اور تبدّل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ فرش (بستر) کو کبھی لپیٹ دیا جاتا ہے اور کبھی پھیلا دیا جاتا ہے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے اور آسمان اس چھت کی طرح ہے جو محکم اور ثابت رہتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے:

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ (النبا: ۱۲) اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے O

اور رہی زمین تو اس کا بعض حصہ سمندر بن جاتا ہے اور بعد میں وہ پھر خشکی کا ٹکڑا بن جاتا ہے اور تم دیکھتے ہو کہ آسمان انسانوں کے سروں کے اوپر مضبوط گنبد کی طرح بنا ہوا ہے اور زمین وسیع سطح کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور ''بناء'' کا لفظ آسمان کے لائق ہے جس کو بلندی پر بنایا گیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۙ (النزعٰت: ۲۸) اللہ نے آسمان کی بلندی اونچی کی پھر اس کو ہموار بنایا O

بعض حکماء نے کہا ہے کہ آسمان روحوں کا مسکن ہے اور زمین اعمال کی جگہ ہے اور مسکن اس کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی کوئی بناء ہو۔

الذّٰریٰت: ۴۸ میں فرمایا: اور زمین کو ہم نے فرش بنایا پس ہم کیسا اچھا فرش بنانے والے ہیں O

ہم نے پانی کے اوپر زمین کا فرش بچھا دیا اور اس کو پھیلا دیا اور ہم کیا خوب فرش بچھانے والے ہیں۔

الذّٰریٰت: ۴۹ میں فرمایا: اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا بنایا اور اس کا کوئی جوڑا نہیں

ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: ہم نے ہر چیز کی دو مختلف صنفیں بنائیں جیسے انسان کی دو صنفیں ہیں: مذکر اور مؤنث اور پھلوں کی دو صنفیں ہیں: میٹھے اور کھٹے۔

مجاہد نے کہا: دو صنفیں جیسے مذکر اور مؤنث' سورج اور چاند' رات اور دن' نور اور ظلمت' میدان اور پہاڑ' جنات اور انسان' خیر اور شر' صبح اور شام اسی طرح مختلف ذائقوں کے پھل' مختلف رنگوں کے پھول اور مختلف خوشبوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی دو مختلف صنفیں بنائیں تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ چیزوں کا خالق زوج نہیں ہے فرد ہے اور اس کی صفات دو مختلف صنفوں پر مشتمل نہیں ہیں کہ اس میں حرکت اور سکون ہو یا روشنی اور اندھیرا ہو یا اٹھنا اور بیٹھنا ہو یا ابتداء اور انتہاء ہو' سو اس کی صفات میں تضاد نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم بھی ہے اور قہار اور جبار بھی ہے اور ان صفات میں تضاد ہے' اسی طرح وہ مارتا بھی ہے اور زندہ بھی کرتا ہے اور ان صفات میں بھی تضاد ہے' وہ رزق تنگ بھی کرتا ہے اور کشادہ بھی کرتا ہے اور ان صفات میں بھی تضاد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تضاد ان دو صفات میں ہوتا ہے جو بیک وقت ایک محل میں جمع نہ ہو سکیں' جیسے سفید اور سیاہ ایک کپڑا بیک وقت سفید اور سیاہ نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ بیک وقت رحیم اور قہار ہے اور بیک وقت مارتا ہے اور جلاتا ہے' بیمار کرتا ہے اور شفا دیتا ہے' رزق تنگ کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے۔

پھر فرمایا: تاکہ تم نصیحت حاصل کرو' یعنی تم غور اور فکر کر کے یہ جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تو اس کا کوئی جوڑا نہیں ہے کیونکہ اگر اس کا بھی کوئی جوڑا ہوتا اور ہر جوڑا مخلوق ہے تو وہ بھی مخلوق ہوتا خالق نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تم اللہ کی طرف بھاگو میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ' میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس قول کی وصیت کی تھی؟ (نہیں!) بلکہ وہ سرکش لوگ تھے O پس (اے رسول مکرم!) آپ ان سے اعراض کریں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہو گی O اور آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت کرنا مؤمنین کے لیے مفید ہے O (الذّٰریٰت: ۵۵۔۵۰)

اللہ کی طرف بھاگنے کے محامل

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ پچھلی امتوں کے کفار انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے اور ان کے پیغام کو مسترد کرتے تھے' تو اللہ تعالیٰ ان کے اوپر عذاب نازل کرتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ اے نبی صلی اللہ علیک وسلم! آپ اپنی قوم سے یہ کہیے کہ پس تم اللہ کی طرف بھاگو میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں' اس آیت کے مفسرین نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) اپنے گناہوں اور ترک عبادت سے اس کی اطاعت اور عبادت کی طرف بھاگو۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اپنے گناہوں سے اس کی طرف توبہ کے لیے بھاگو یا بُرے کام چھوڑ کر نیک کاموں کی طرف بھاگو۔

(۳) الحسین بن الفضل نے کہا: اللہ سے غافل کرنے والی ہر چیز سے احتراز کر کے اللہ کی طرف آؤ۔

(۴) ابوبکر الوراق نے کہا: شیطان کی اطاعت سے بھاگ کر رحمٰن کی اطاعت کی طرف آؤ۔

(۵) جنید بغدادی نے کہا: شیطان گناہ اور گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے تم اس کی دعوت کو مسترد کر کے اللہ کے احکام کی اطاعت کی طرف بھاگو وہ تم کو شیطان کے بہکانے سے محفوظ رکھے گا۔

(۶) ذوالنون مصری نے کہا: جہل سے علم کی طرف بھاگو اور کفر سے شکر کی طرف بھاگو۔

(۷) عمرو بن عثمان نے کہا: اپنے نفسوں کی خواہشات سے اللہ سبحانہٗ کے احکام کی طرف بھاگو اور اپنی تدبیر پر اعتماد نہ کرو' اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف بھاگو۔

(۸) سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: اللہ کے ماسوا سے اللہ کی طرق بھاگو' یعنی ہر اس چیز سے بھاگو جو اللہ کی اطاعت اور عبادت سے غافل اور منحرف کرتی ہے اور ہر اس چیز کے ساتھ رہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی طرف راغب اور متوجہ کرتی ہے۔

اور فرمایا: میں تمہارے لیے اس چیز کی طرف سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اس کے بھی دو محمل ہیں: ایک یہ ہے کہ اگر تم کفر اور شرک سے باز نہ آئے تو میں تم کو اللہ کے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں' دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار اور مشرکین کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تلوار سے ڈرا رہا ہے کہ اگر تم نے کفر اور شرک کو نہ چھوڑا تو پھر ہمارے نبی تلوار اٹھا کر تمہارے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

الذّٰریٰت: ۵۲ میں فرمایا: اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے O

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ جس طرح قریش مکہ نے آپ کی تکذیب کی ہے اور آپ کو جادوگر یا دیوانہ کہا ہے اسی طرح پہلی امت کے کافروں نے بھی اپنے رسولوں کو جادوگر یا دیوانہ کہا ہے' سو آپ ان کے سب وشتم سے ملول نہ ہوں۔

الذّٰریٰت: ۵۳ میں فرمایا: کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس قول کی وصیت کی تھی؟ (نہیں!) بلکہ وہ سرکش لوگ تھے○

کیا پہلی امتوں نے بعد میں آنے والی امتوں کو وصیت کی تھی کہ تم بھی اپنے زمانہ کے رسولوں کو جادوگر یا دیوانہ کہنا' یہ تعجب آفریں جملہ ہے' اس کے بعد اس جملہ کی نفی کی' نہیں! ایسا نہیں ہوا' انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت نہیں کی' بلکہ یہ تمام کفار ایک ہی سرشت کے لوگ تھے' اور یہ سب کفر وشرک میں حد سے گزر گئے تھے۔

کفار کو تبلیغ کرنے سے منع کرنے کی توجیہ

الذّٰریٰت: ۵۴ میں فرمایا: پس (اے رسول مکرم!) آپ ان سے اعراض کریں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور نوع کی تسلی دی گئی ہے' کیونکہ آپ کی لگاتار تبلیغ اور نصیحت کے باوجود کفار ایمان نہیں لا رہے تھے تو ممکن تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خیال فرماتے کہ شاید میری تبلیغ میں کوئی خامی اور کمی ہے' اس وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے' پھر آپ اور زیادہ کوشش کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے اور کفر وشرک کی خرابیوں پر زیادہ آگاہ اور متنبہ کرتے اور اپنے آرام کے وقت کو بھی اس کوشش میں صرف کر دیتے' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ایمان کی تبلیغ میں جس قدر کوشش کرنی چاہیے تھی وہ آپ کر چکے ہیں' اور اب آپ ان سے اعراض کر لیں تو آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی' ان کا کفر اور شرک پر جمے رہنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ آپ نے ان کو پوری تبلیغ نہیں کی' بلکہ اس کی وجہ ان کا عناد اور ان کی ہٹ دھرمی ہے' سو ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی' بلکہ ان کو ہی ملامت کی جائے گی کہ انہوں نے حق بات سننے سے اپنے کانوں کو بہرا کر لیا اور اپنے دل ودماغ کے دروازے بند کر لیے۔

مؤمنین کے لیے آپ کی بار بار نصیحت کا مفید ہونا

الذّٰریٰت: ۵۵ میں فرمایا: اور آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت کرنا مؤمنین کے لیے مفید ہے○

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: آپ ان سے اعراض کیجئے' یعنی ان کفار اور مشرکین سے اعراض کیجئے جو ضدی اور ہٹ دھرم ہیں اور اس آیت میں بتایا ہے کہ مؤمنین کے لیے آپ کا نصیحت کرنا مفید ہے' ہر چند کہ مؤمنین ایمان لا چکے ہیں لیکن ان کو نصیحت کرنے سے ان کا ایمان اور زیادہ قوی اور مستحکم ہوگا اور ان کو اپنے اسلام لانے پر اور زیادہ بصیرت اور شرح صدر حاصل ہوگا جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ (الفتح: ۴)

وہی ہے جس نے مؤمنین کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا تا کہ ان کو اپنے ایمان کے ساتھ مزید ایمان حاصل ہو۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ○ (التوبہ: ۱۲۴)

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے؟ رہے وہ لوگ جو مؤمن ہیں تو اس سورت نے (بہر حال) ان کے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ (اس سورت کے نازل ہونے سے) خوش ہو رہے ہوتے ہیں○

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ○ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیتا ہے اور ان کو (مزید) تقویٰ عطا فرماتا ہے ○ (محمد:۱۷)

جب آپ بار بار مؤمنوں کو ہدایت دیں گے اور نصیحت کریں گے تو یہ ہدایت اور نصیحت مؤمنوں کے لیے ان کے ایمان میں ثابت قدم رہنے اور تاحیات ایمان پر برقرار رہنے کی موجب ہوگی اور یہ قرآن بعد میں آنے والے مؤمنوں کی نسلوں میں تواتر کے ساتھ منقول ہوتا رہے گا تو بعد کے مؤمنوں کے لیے بھی آپ کی ہدایت اور نصیحت ان کے ایمان میں تقویت کا باعث ہوگی اور ان کے ایمان کے دوام کا موجب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○ میں ان سے کسی رزق کو طلب نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں ○ بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے ○ (الذّٰریٰت:۵۸-۵۶)

''الا لیعبدون'' کے معانی اور محامل

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ میں نے تمام جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں' بلکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن جنات اور انسانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ وہ اس کی عبادت کریں گے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ میں نے ان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں' اس آیت میں ہر چند کہ جنات اور انسانوں کا ذکر بہ طریق عموم فرمایا ہے لیکن اس سے مراد خصوص ہے اور اس کا معنی ہے: جنات اور انسانوں میں سے جو اہل سعادت ہیں ان کو میں نے صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھ کو واحد مستحق عبادت مانیں اور میں ان کے ظہور کے زمانوں میں اپنے رسولوں کو بھیج کر ان کی زبانوں سے اپنی عبادت کے جو طریقے بتاؤں ان کے مطابق میری عبادت کریں اور میرے رسولوں کی اطاعت کریں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جو بچے اور دیوانے ہیں وہ عبادت کے مکلف نہیں ہیں' حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ ان کو بھی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ. اور بے شک ہم نے بہت زیادہ جنات اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔ (الاعراف:۱۷۹)

اس آیت کا بھی اسی طرح یہ معنی ہے کہ جن جنات اور انسانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ وہ اس کا کفر کریں گے اور اللہ کے علاوہ دوسروں کو بھی عبادت کا مستحق مانیں گے اور ان کو تخلیق میں اور عبادت میں اس کا شریک قرار دیں گے' ان کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں صرف جنات اور انسانوں کو اختیار دیا ہے اور عمل کی آزادی دی ہے اور اس کو ازل میں علم تھا کہ کون کون اپنے اختیار سے اس کی عبادت کرے گا اور کون کون اپنے اختیار سے شرک اور کفر کرے گا اور باقی مخلوق تکوینی اور غیر اختیاری طور پر اس کی عبادت کرتی ہے' پس الذّٰریٰت: ۵۵ میں ان اہل سعادت جنات اور انسانوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے ان کے حسن اختیار کی وجہ سے عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور الاعراف: ۱۷۹ میں ان اہل شقاوت جنات اور انسانوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے ان کے سوء اختیار کی وجہ سے جہنم کے لیے پیدا فرمایا۔

(۲) اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے واحد مانیں' قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُمِرُوۡٓا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (التوبہ: ۳۱) ان (یہودیوں اور عیسائیوں) کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ واحد معبود کی پرستش کریں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف واحد معبود کی پرستش کریں تو پھر یہودی اور عیسائیوں کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اس حکم کی مخالفت کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو یہ حکم جبراً نہیں دیا گیا تھا بلکہ ان کو اس حکم پر عمل کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ (الکشف والبیان ج ۶ ص ۱۲۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

(۳) علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ خوشی یا ناخوشی سے صرف میری عبادت کریں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

(۴) مجاہد نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں۔

علامہ ثعلبی نے کہا: یہ قول اس لیے حسن ہے کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں میں اس کی تائید ہے:

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ . (الزخرف: ۸۷) اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (ان کو پیدا کیا ہے)۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۙ (الزخرف: ۹) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب ہے اور بہت علم والا ہے ○

رہا مؤمن تو وہ اللہ تعالیٰ کو مصائب میں اور خوش حالی میں یاد کرتا ہے اور رہا کافر تو وہ اللہ کو صرف مصائب میں یاد کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا غَشِيَهُمۡ مَّوۡجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ (لقمان: ۳۲) اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں ○

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۲۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حدیث ''کنت کنزًا مخفیا'' کی تحقیق

(۵) اسی قول کے موافق علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

اس آیت میں جو فرمایا ہے: تاکہ وہ میری عبادت کریں' اس کا معنی ہے: تاکہ وہ مجھے پہچان لیں اور اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اس کی عبادت کرنے کا سبب ہے' سو آیت میں مسبب کا ذکر ہے اور اس سے سبب کا ارادہ فرمایا ہے اور یہ مجاز مرسل ہے' اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کی وہ معرفت معتبر ہے جو اس کی عبادت سے حاصل ہو نہ کہ وہ معرفت جو بغیر عبادت کے حاصل ہو جیسا کہ فلاسفہ عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرتے ہیں اور یہ عمدہ قول ہے' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ جنات اور انسانوں کو پیدا نہ کرتا تو اس کی معرفت حاصل نہ ہوتی' اس کے وجود کی معرفت حاصل ہوتی نہ اس کی توحید کی' اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۳۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کا متن حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس طرح ذکر کیا ہے:

میں ایک غیر معروف خزانہ تھا' میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں' سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا میں نے انہیں اپنی پہچان کرائی' پس انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ حافظ سیوطی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔
(الدرر المنتثرہ رقم الحدیث: ۳۵۵ ص ۲۲۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ محمد بن عبد الرحمان سخاوی متوفی ۹۰۲ ھ لکھتے ہیں:
ابن تیمیہ نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے اور اس کی کوئی سند معروف نہیں ہے' صحیح نہ ضعیف۔ علامہ زرکشی اور ہمارے شیخ نے بھی اسی طرح تحقیق کی ہے۔ (المقاصد الحسنہ رقم الحدیث: ۸۳۸ ص ۳۳۲)
ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ ھ علامہ سخاوی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
لیکن اس حدیث کا معنی صحیح ہے اور یہ اس آیت سے مستفاد ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○" (الذریت: ۵۶) میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے۔ (الاسرار المرفوعۃ رقم الحدیث: ۶۹۸ ص ۱۷۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ ھ)
علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔
(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۱۳۲' مکتبۃ الغزالی' دمشق)
علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ اس حدیث کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
علامہ سید نور الدین سمہودی نے "الانوار السنیہ" میں اس حدیث کا ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

کنت کنزًا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت ھذا الخلق لیعرفونی فبی عرفونی.	میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا' پس میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے اس مخلوق کو پیدا کیا تا کہ وہ مجھے پہچانے سو میری وجہ سے اس نے مجھ کو پہچان لیا۔

اور "المقاصد الحسنۃ" میں "کنت کنزًا لا اعرف" کے الفاظ ہیں' اور اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ خفاء میں کسی کی طرف نسبت کا معنی ہے' پس ضروری ہے کہ اس میں ایک ذات مخفی ہو اور ایک وہ ذات ہو جس سے وہ مخفی ہے اور جب کوئی مخلوق نہیں تھی تو وہ ذات نہیں تھی جس سے وہ مخفی ہو لہٰذا اخفاء متحقق نہیں ہوگا۔
اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ خفاء موجودات خارجیہ سے ہے' کیونکہ اشیاء کا وجود خارجی سے پہلے وجود ذہنی نہیں ہوتا' پس گویا کہ اللہ سبحانہٗ موجوداتِ خارجیہ سے مخفی اور غیر معروف تھا' پھر اس نے چاہا کہ کسی موجود خارجی میں اس کی معرفت حاصل ہو تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا کیونکہ اس مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول خود اس مخلوق کے وجود کی فرع ہے' پھر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے واسطے سے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور یہ تجلیات ان میں ان کی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہیں۔
اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ خفاء سے مراد اس کا لازمی معنی ہے کہ اللہ عزوجل کی معرفت کسی کو بھی حاصل نہیں تھی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ سخاوی نے "مخفیا" کی جگہ "لا اعرف" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔
اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ "مخفیا" کو باب افعال سے پڑھا جائے اور اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے یعنی اللہ بہت زیادہ ظاہر تھا اور جب کوئی چیز شدت ظہور میں ہو تو جہالت کو واجب کرتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کے لیے حجاب ہو جائے اور پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ آفتاب کے شدید

ظہور کی وجہ سے اکثر لوگ اس کو نہیں دیکھ سکتے؟ ہاں! جب اس پر بادلوں کا حجاب آ جائے تو اس کو دیکھ لیتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر "کنز" کے اطلاق کے جواز کی کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام دیلمی نے اپنی "مسند" میں حضرت انس سے روایت کیا ہے: "کنز المؤمن ربه" مومن کا خزانہ اس کا رب ہے (اسی طرح ایک حدیث میں ہے):

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک سفر میں فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمہاری رہ نمائی اس چیز پر نہ کروں جو "کنز من کنوز الجنة" ہے؟ (جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے!) میں نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: کہو: "لاحول ولا قوة الا بالله"۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۴)

ہم "الا لیعبدون" کے معانی اور محامل بیان کر رہے تھے اس کے ضمن میں حدیث "کنت کنزًا مخفیًا" کی تحقیق آ گئی اب ہم پھر اصل مبحث کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

"الا لیعبدون" کے بقیہ معانی اور محامل

(۶) عکرمہ نے کہا کہ "الا لیعبدون" اپنے معنی پر محمول ہے' یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت اور میری اطاعت کریں تاکہ میں عبادت گزاروں کو ثواب عطا کروں اور منکروں کو سزا دوں۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷۵)

عبودیت کا اصل معنی عاجزی کرنا اور تذلل اختیار کرنا ہے۔ اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے کہ انسان ان تمام اقوال اور افعال کو اختیار کرے جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہو اور ان سے راضی ہو' اور ان تمام اقوال اور افعال کو ترک کر دے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ان طریقوں سے عاجزی اور تذلل کو اختیار کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اور محض اپنی عقل سے کسی طریقہ کو اختیار نہ کرے۔

(۷) حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام ابن شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوالجوزاء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

میں ان کو رزق دیتا ہوں اور میں ان کو کھانا کھلاتا ہوں اور میں نے ان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۳۸۔ رقم الحدیث: ۳۵۶۴۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری عبادت کرنے کے لیے فارغ ہو' میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے ہاتھوں کو مشغول رکھوں گا اور تیرے فقر کو دور نہیں کروں گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۸)

امام طبرانی نے "مسند الشامیین" اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اور جن اور انس (قیامت کی) عظیم خبر ہیں' پیدا میں کرتا ہوں اور یہ عبادت میرے غیر کی کرتے ہیں' رزق میں دیتا ہوں اور یہ شکر میرے غیر کا ادا کرتے ہیں۔

(الدرالمنثور ج ۷ ص ۵۴۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

جب جنات اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو ان میں سے اکثر کے عبادت ... نہ کرنے کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں تو پھر چاہیے تھا کہ سب اس کی عبادت کرتے' حالانکہ بعض اس کی عبادت کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر اختیار کے جبراً عبادت کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا بلکہ ان کو عمل کرنے یا نہ کرنے کی آزادی دی ہے' اور ان سب کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' سو جو عبادت کریں گے' وہ اجر اور ثواب پائیں گے اور جو اس کے خلاف کریں گے وہ سزا کے مستحق ہوں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عمل کرو' ہر انسان کے لیے اسی چیز کو آسان کیا جائے گا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد ج ا ص ۸۲) اور یہ صرف جنات اور انسانوں کی خصوصیت ہے کہ ان کو عمل کرنے کی آزادی عطا کی ہے ورنہ تمام کائنات غیر اختیاری طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے۔

جنات اور انسانوں کی وجہ تخلیق بیان کی گئی ہے' باقی کائنات کی وجہ تخلیق کیوں نہیں بیان کی گئی؟

دوسرا سوال یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف جنات اور انسان کا خالق تو نہیں ہے' وہ تو تمام کائنات کا خالق ہے' پھر صرف جنات اور انسانوں کو ذکر کیوں فرمایا کہ اس نے ان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں سے صرف جنات اور انسانوں کو یہ خصوصیت عطا کی ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اس کی عبادت اور اطاعت کریں' ورنہ کائنات کا ذرہ ذرہ تکوینی اور جبری طور پر اس کی اطاعت کر رہا ہے' بادل اسی کے حکم سے بارش برساتے ہیں' سورج اور چاند' ستاروں کا طلوع اور غروب اسی کے حکم سے ہوتا ہے' کیا پہاڑ' کیا دریا اور کیا سمندر سب اسی کی اطاعت میں سرنگوں ہیں' حتیٰ کہ ہر انسان خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر اس کا پیدا ہونا' مرنا' جینا' بیمار اور صحت مند ہونا' فقیر یا تونگر ہونا اسی کے حکم سے ہے' جو انسان اپنے اختیار سے اس کی اطاعت نہیں کرتے ان کے جسم کے تمام اعضاء اسی کے حکم سے کام کر رہے ہیں' ان کا معدہ کھانا ہضم کرتا ہے' جگر خون بناتا ہے' ان کا مثانہ اور بڑی آنت فضلہ خارج کرتے ہیں' ان کاموں میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے' ہر انسان کے اندرونی اعضاء یہ تمام کام صرف اللہ عزوجل کے حکم سے کر رہے ہیں' اسی لیے فرمایا ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (مریم: ۹۳) — آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز رحمٰن کی عبادت گزار اور اطاعت شعار ہے ۝

رہا یہ سوال کہ اس آیت میں جنات کو پہلے ذکر فرمایا ہے اور انسان کو بعد میں اس کا کیا سبب ہے؟ تو اس کا سبب ظاہر ہے جنات کو واقع میں انسانوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اس لیے ان کا ذکر بھی انسان سے پہلے کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہونے میں فقہاء اسلام کے مذاہب

اس آیت میں جو فرمایا ہے: میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات اور انسانوں کو پیدا کرنے کی علت اور ان کی تخلیق کا سبب اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور یہی ان کو پیدا کرنے کی غرض ہے' اس وجہ سے متکلمین کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی غرض ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔

علامہ محمد السفارینی حنبلی متوفی ۱۱۸۸ھ اس مسئلہ کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض مالکیہ اور شافعیہ اور ظاہریہ اور اشعریہ اور جہمیہ کا یہ مختار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے اور شیخ ابن تیمیہ' ابن القیم اور شیعہ اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال کی علت اور حکمت ہوتی ہے' اسی طرح اللہ سبحانہٗ جو حکم دیتا ہے اس کی بھی علت اور غرض ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہونے کے ثبوت میں شیخ ابن تیمیہ کے دلائل

شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ اکثر اہل سنت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی علت اور حکمت کی بناء پر ہوتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت آیات میں اللہ تعالیٰ کے افعال کی علت اور حکمت بیان کی گئی' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ (المائدہ: ۳۲)

اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جس نے کسی شخص کو بغیر کسی شخص کے قتل کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ (الحشر: ۷)

کفار سے جنگ کے بغیر ان کا جو مال (فئی) ان کی بستیوں سے تمہارے ہاتھ آ جائے' سو وہ مال اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا' اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے' تاکہ یہ مال (صرف) تمہارے دولت مندوں کے درمیان گردش کرتا نہ رہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ ؕ (البقرہ: ۱۴۳)

اور پہلے آپ جس قبلہ پر تھے ہم نے اس کو صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ ان لوگوں میں سے کون رسول کا (سچا) پیروکار ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے۔

اور ان آیت کی اور بہت نظائر ہیں اور اللہ تعالیٰ حکیم ہے' اس نے احکام کو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے مشروع فرمایا ہے' اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوں اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ حکمت اور مصلحت کے مطابق کام کرے اور معتزلہ کے اپنے مؤقف پر حسب ذیل دلائل ہیں:

اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہونے کے ثبوت میں معتزلہ کے دلائل

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۠ (الجاثیہ: ۲۱)

کیا جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے یہ بہت بُرا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں ○

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فاسقین اور صالحین کی موت اور حیات ایک جیسی کر دینا بہت قبیح اور بُرا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے قبیح ہونے کی وجہ سے یہ کام نہیں کرتا' اس سے معلوم ہوا کہ جو کام قبیح ہو اور حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو' اس سے اجتناب کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اسی طرح کا استدلال اس آیت سے بھی کیا گیا ہے:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ۝ (القیامۃ: ۳۶)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا ○

اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر انکار کیا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ انسان کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا' اللہ اس کو کسی چیز کا حکم دے گا نہ کسی چیز سے منع کرے گا' اس کو ثواب دے گا نہ اس کو سزا دے گا' ایسا گمان کرنا باطل ہے' اور اللہ اس بات سے بلند ہے کہ وہ ایسا کام کرے کیونکہ یہ کام اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے اور یہ کام اس قدر قبیح ہے کہ اس کی نسبت اس حکیم مطلق کی طرف کرنا جائز نہیں ہے' اسی طرح اس آیت میں ارشاد ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ○ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے (المؤمنون: ۱۱۵) اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے○

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس گمان سے بلند و برتر قرار دیا ہے کہ وہ انسان کو بے مقصد اور بے کار پیدا کرے اور چونکہ ایسا کرنا بہت قبیح ہے اور اس کی حکمت کے منافی ہے اس لیے ایسے فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے اور جس طرح ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمت اور مصلحت کے خلاف کوئی کام کرے اسی طرح عقل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ (لوامع الانوار البہیۃ ج ۱ ص ۲۸۶۔ ۲۸۵ ملخصاً' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

شیخ ابن تیمیہ اور معتزلہ کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

علامہ محمد السفارینی حنبلی متوفی ۱۱۹۸ھ نے شیخ ابن تیمیہ حنبلی اور معتزلہ کی طرف سے جو دلائل فراہم کیے ہیں ان سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس حکمت اور مصلحت کے مطابق فعل کا کرنا واجب ہے' بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ○ اللہ جو کچھ کرتا ہے' اس سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا (الانبیاء: ۲۳) جائے گا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا○

اگر اللہ پر کسی کام کا کرنا واجب ہوتا تو اس کام کے ترک کرنے یا اس کے خلاف کرنے پر اس سے سوال کرنا جائز ہوتا' حالانکہ اللہ سبحانہٗ کے کسی فعل پر اس سے سوال کرنا جائز نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ فعال مطلق ہے اس کے افعال کسی حکمت اور مصلحت کے پابند نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ○ (الحج: ۱۸) بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے○

نیز شیخ ابن تیمیہ اور معتزلہ نے جو دلائل قائم کیے ہیں ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے' یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان افعال کی کوئی غرض بھی ہوتی ہے' حکمت اور مصلحت اور غرض میں یہ فرق ہے کہ حکمت اور مصلحت فعل پر مترتب ہوتی ہے' مقدم نہیں ہوتی اور غرض فعل پر مقدم ہوتی ہے اور فاعل کو اس فعل پر ابھارتی ہے اور اس غرض سے فاعل کو اس فعل سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور کوئی کمال حاصل ہوتا ہے اور اس فائدہ اور اس کمال کا حصول ہی اس کی غرض ہوتی ہے' ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے اور تمام کمالات اس کو بالفعل حاصل ہیں اور اسے کسی کمال کے حصول کے لیے کوئی فعل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں اور اس کے افعال کی کوئی غرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض نہ ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فعل کسی غرض کے لیے نہیں ہوتا ورنہ لازم آئے گا کہ وہ اس غرض سے کمال حاصل کرے حالانکہ وہ فی نفسہ کامل ہے' پس یہ بات کس طرح صحیح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا فعل کسی غرض اور کسی علت کی وجہ سے ہے؟ اور معتزلہ نے اس کے انکار میں بہت مبالغہ کیا ہے' ان کا استدلال اس سے ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بعض افعال کے بعد "لام" کا ذکر ہے اور "لام" تعلیل اور علت کے لیے آتا ہے' جیسے الذّٰریٰت: ۵۶ میں ہے: "الا لیعبدون" یعنی جنات اور انسانوں کو عبادت کی غرض سے پیدا کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض آیات میں لام کا علت کے لیے ہونا صحیح نہیں ہے' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ. آفتاب کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک نماز قائم کیجئے۔
(بنی اسرائیل: ۷۸)

اور آفتاب ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک کا وقت نماز پڑھنے کی علت اور غرض نہیں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ. اے نبی! (مسلمانوں سے کہیے:) جب تم اپنی عورتوں کو
(الطلاق: ۱) طلاق دو تو ان کو ان کی عدت (کے شروع) میں طلاق دو۔

اور عدت کی ابتداء کا وقت طلاق دینے کی علت اور غرض نہیں ہے اور یہ بالکل واضح ہے۔ یہاں پر لام مقارنت کے لیے ہے' یعنی اس وقت میں نماز پڑھو جو آفتاب ڈھلنے کے مقارن ہو اور اس وقت میں طلاق دو' جو عدت کے ابتدائی وقت کے مقارن ہو۔

اسی طرح الذّٰریٰت: ۵۶ کا معنی ہے: میں نے جنات اور انسانوں کو اس وقت میں پیدا کیا ہے جو ان پر عبادت کو فرض کرنے کے مقارن تھا اور جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں پر تعلیل حقیقی مراد نہیں ہے اور غرض کا معنی معتبر نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منافع سے مستغنی ہے اس لیے اس کا کوئی فعل ایسا نہیں ہو سکتا جس کی منفعت اس کی طرف راجع ہو یا اس کے غیر کی طرف راجع ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ بغیر کسی واسطے کے غیر تک منفعت پہنچا دے پھر اس کو کسی فعل کے واسطے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جو آیات اس پر دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی غرض پر مبنی نہیں ہوتے وہ بہت زیادہ ہیں' بعض ان میں سے یہ ہیں:

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ. (الرعد: ۲۷) اللہ جس میں چاہے گمراہی پیدا کر دیتا ہے۔

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ. (الرعد: ۱۶) اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراہیم: ۲۷) اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ۝

يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ (المائدہ: ۱) اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ حکم دیتا ہے ۝

اور اس مبحث پر سیر حاصل گفتگو کرنا متکلمین کا مذہب ہے نہ کہ مفسرین کا۔
(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۹۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض نہ ہونے پر علامہ تفتازانی کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض نہیں ہیں اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) اگر اللہ تعالیٰ کسی غرض کے لیے کوئی فعل کرے تو وہ اپنی ذات میں ناقص ہوگا اور اس غرض سے کمال حاصل کرے گا۔

(۲) اگر ممکنات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی غرض ہو تو وہ غرض ابتداءً حاصل نہیں ہوگی بلکہ اس فعل کے پیدا کرنے کے بعد اس کے واسطے سے حاصل ہوگی اور یہ باطل ہے کیونکہ ہر چیز ابتداءً اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

(۳) اگر ہر فعل کی کوئی غرض ہو اور اس میں مخلوق کا کوئی نفع ہو تو کفار کو جو اللہ تعالیٰ دائمی عذاب دے گا تو اللہ تعالیٰ کے اس فعل میں بھی کسی کا نفع ہونا چاہیے حالانکہ اس میں کسی کا کوئی نفع نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی اس کے بعد لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ بعض افعال کی غرض ہوتی ہے جیسے احکام شرعیہ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں جیسے حدود اور کفارات کا واجب ہونا اور نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دینا اور اس طرح کے اور محرمات کی وجوہات اور بعض قرآن مجید کی نصوص سے بھی بعض افعال کی اغراض ثابت ہیں مثلاً یہ آیات ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت: ۵۶)
اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں ○

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ. (المائدہ: ۳۲)
اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ. (الاحزاب: ۳۷)
پس جب زید نے اس عورت سے غرض پوری کر لی تو ہم نے اس عورت کو آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنوں پر (اپنے لے پالکوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں) تنگی نہ رہے۔

اور اسی وجہ سے قیاس بھی حجت شرعیہ ہے کیونکہ اس میں دو حکموں کے درمیان علت مشترک ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانی نے جس قاعدہ کو حق لکھا ہے وہ حق نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی کوئی غرض نہیں ہوتی علامہ تفتازانی نے جو مثالیں دی ہیں وہ حکمت اور مصلحت کی مثالیں ہیں اور غرض اور حکمت میں فرق کو ہم معتزلہ کے رد میں ذکر کر چکے ہیں۔

اس کے بعد علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان کو مکلف کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس کے لیے ثواب پیش کیا جائے کیونکہ جب تک انسان پُرمشقت احکام پر عمل کر کے ثواب کا استحقاق ثابت نہ کر لے اس کو ثواب عطا کرنا حسن نہیں ہے اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. (النساء: ۱۳)
جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس کو اللہ ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔

(۲) اس پر سب کا اجماع ہے کہ مکلف کرنے کی اس کے سوا اور کوئی غرض نہیں ہے۔

(۳) بغیر کسی منفعت کے استحقاق کے پُر مشقت احکام کا مکلف کرنا اضرار اور ظلم ہے اس لیے اس کی جزاء میں منفعت پیش کرنا ہی وجہ حسن ہے اور یہ دلائل مردود ہیں اوّل: اس لیے کہ اعمال کی جزاء اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ عقلاً یہ بات کیسے درست ہوگی کہ ایک کلمہ پڑھنے کی وجہ سے انسان دائمی جنت کا مستحق ہو جائے؟ اور ثانی: اس لیے کہ اجماع کا دعویٰ غلط

ہے اور یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ مکلف کرنے کی غرض صرف ثواب عطا کرنا ہو؟ مکلف کرنے کی غرض آزمائش بھی ہو سکتی ہے اور یہ غرض بھی ہو سکتی یہ کہ بندہ اپنے رب کا شکر ادا کرے اور بھی کوئی غرض ہو سکتی ہے جو ہماری عقل میں نہ آئے' اور یہ سب گفتگو اس صورت میں ہے جب اللہ تعالیٰ کے افعال کی غرض تسلیم کر لی جائے حالانکہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض نہیں ہیں۔

(شرح المقاصد ج ۴ ص ۳۰۳۔۳۰۱ 'ملخصاً' منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض ہونے کے متعلق شارحین حدیث کا نظریہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس آیت (الذّٰریٰت: ۵۶) میں قدریہ کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ وہ اس آیت سے اس پر استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلّل بالاغراض ہونا واجب ہے' اور ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی ایک فعل کا کسی غرض پر مبنی ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل کسی غرض پر مبنی ہو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا اغراض پر مبنی ہونا' جائز ہے واجب نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلّل بالاغراض ہونا جائز ہے' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا اغراض پر مبنی ہونا اصلاً جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلّل بالاغراض ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فی نفسہٖ کمال نہ ہو بلکہ اس غرض کی بناء پر فعل کر کے اُس میں کمال آئے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ اور الذّٰریٰت: ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسان کی تخلیق کی غرض نہیں بیان فرمائی بلکہ حکمت بیان فرمائی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ احمد قسطلانی نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرح لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۵' بیروت' ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۱۰۳' بیروت)

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے مستغنی ہے اور سب اس کے محتاج ہیں

الذّٰریٰت: ۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان سے کسی رزق کو طلب نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا دیں O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ جنات اور انسان اپنے آپ کو رزق دیں اور نہ یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو کھانا دیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۵۳)

مگر یہ معنی ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ "وما ارید ان یطعمون" میں "ن" کے نیچے زیر ہے' اس کا معنی ہے: اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔ اس لیے اس آیت کا معنی ہے: میں ان سے کسی رزق کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ یہ ارادہ کرتا ہوں کہ یہ مجھے کھانا کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اس وہم کا ازالہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تو شاید اس سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی نفع حاصل ہو گا اس کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے کسی رزق کا ارادہ کرتا ہے اور نہ کھانے کا ارادہ کرتا ہے' رزق سے مراد عام ضروریات کی چیزیں ہیں خواہ وہ طعام ہوں یا کوئی اور چیز اور طعام سے مراد خاص رزق ہے جس سے انسان پیٹ بھرتا ہے۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ میرا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح مالک کا معاملہ اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ ہوتا ہے' کیونکہ مالک غلام اور نوکر کو اس لیے رکھتا ہے کہ وہ ان نوکروں سے اپنے کاروبار میں اور

ضروریاتِ زندگی کے حصول میں تعاون حاصل کرے' پس مالک یا تو اپنے تجارتی امور اپنے کارندوں کے حوالے کرتا ہے تاکہ وہ ان کو نفع کما کر لا کر دیں یا اس کی زمین میں غلہ اور اناج کاشت کر کے اس کو فراہم کریں یا اس کے کارخانے' مل یا فیکٹری کو چلائیں اور اس کو نفع لا کر دیں یا وہ ایندھن لانے والے کو رکھتا ہے یا باورچی کو رکھتا ہے جو اس کو کھانا پکا کر دیں اور اس طرح کے اور اسبابِ معیشت اور کاروبار اور روزگار کے حصول کے لیے ملازمین کو رکھتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا مالک ہے اس کو اپنے بندوں سے کسی قسم کے بھی کام یا فائدے کے حصول کی ضرورت نہیں ہے' اس لیے اس کا منشاء یہ ہے کہ اے میرے بندو! تم ان کاموں کو اختیار کرو اور ان اُمور میں مشغول رہو جو تمہاری دنیا اور آخرت میں تمہارے لیے مفید ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میرے لیے یا اپنے لیے رزق کی فراہمی میں کوشش کرو' میں تم سے اور تمہاری کاوشوں سے مستغنی ہوں اور میں محض اپنے فضل سے تم کو رزق دیتا ہوں اور تمہیں ان کاموں کی ہدایت دیتا ہوں جو تمہاری دنیا اور آخرت کی اصلاح کریں۔

(الکشاف ج ۴ ص ۴۰۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا ہے سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو' اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو' سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں' سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو' میں تم کو ہدایت دوں گا' اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو' سوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں' اے میرے بندو! تم سب برہنہ ہو' سوا اس کے جس کو میں کپڑے پہناؤں' اے میرے بندو! تم رات اور دن گناہ کرتے ہوں اور میں تمہارے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہوں' تم مجھ سے مغفرت طلب کرو' میں تمہاری مغفرت کروں گا' اے میرے بندو! تم مجھے ضرر پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے' کہ تم مجھے ضرر پہنچا سکو اور نہ تم مجھے نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہو کہ تم مجھے نفع پہنچا سکو' اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جنات اگر تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا' اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جنات اگر تم میں سب سے زیادہ بدکار شخص کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کوئی کمی نہیں ہوگی' اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور تمہارے جنات کسی ایک میدان میں کھڑے ہو کر سب مل کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو میرے پاس جو خزانہ ہے اس میں صرف ایسی کمی ہوگی جیسے کوئی شخص سوئی کو سمندر میں ڈبو کر نکال لے' اے میرے بندو! یہ صرف تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے شمار کرتا ہوں' پھر میں تمہیں ان اعمال کی پوری پوری جزاء دوں گا' پس جو شخص کسی خیر کو پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو شخص اس کے سوا کوئی چیز پائے وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۷)

الذّٰریٰت: ۵۸ میں فرمایا: بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے O

اس آیت میں "رزق" "قوت" اور "متین" کے الفاظ قابل تشریح ہیں:

"رزق" کے معانی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

"رزق" کا اطلاق اس عطا پر ہوتا ہے جو مسلسل ہو' خواہ وہ عطا دنیاوی ہو یا اخروی اور کبھی اس کا اطلاق نصیب اور حصہ پر

بھی ہوتا ہے اور کبھی رزق کا اطلاق اس غذا پر بھی ہوتا ہے جو اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے' کہا جاتا ہے: سلطان نے لشکر کو رزق عطا کیا اور علم عطا کرنے پر بھی رزق کا اطلاق کیا جاتا ہے' عطاء دنیوی پر رزق کا اطلاق ان آیات میں ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ. (المنافقون:١٠) ہم نے تم کو جو کچھ عطا کیا اس میں سے خرچ کرو' اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی ایک پر موت آئے۔

یعنی ہم نے تم کو مال' عزت' مرتبہ اور علم عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ○ (الواقعہ:٨٢) تم نے ہماری نعمتوں سے یہ حصہ لیا ہے کہ تم ہمیں جھٹلاتے ہو○

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ. (الذّٰریٰت:٢٢) اور آسمان میں تمہارا رزق ہے۔

اس سے مراد بارش ہے جس سے جان داروں کی حیات حاصل ہوتی ہے' اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ انسان کو رزق اس کے مقسوم اور اس کے حصہ کے اعتبار سے ملتا ہے۔

فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ. (الکہف:١٩) سو وہ اس سکہ کے عوض تمہارے پاس رزق لے آئے۔

اس آیت میں رزق سے مراد وہ کھانا ہے جو غذا بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ. (قٓ:١١۔١٠) کھجوروں کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں○ بندوں کی روزی کے لیے۔

اس آیت میں رزق سے مراد غذائیں ہیں اور اس کو عموم پر محمول کرنا بھی جائز ہے اور اس سے مراد طعام ہو اور لباس اور استعمال کی دوسری چیزیں ہوں اور یہ تمام چیزیں زمینوں سے حاصل ہوتی ہیں اور آسمان سے نازل ہونے والے پانی سے اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور عطاء اخروی پر رزق کا اطلاق ان آیات میں ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ○ (آل عمران:١٦٩) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردہ گمان مت کرو' بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے○

اس آیت میں رزق سے مراد وہ اخروی نعمتیں ہیں جو ان کو آخرت میں عطا کی جائیں گی۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○ (مریم:٦٢) ان کے لیے جنت میں صبح اور شام رزق ہوگا○

دنیا اور آخرت کی نعمتوں پر بہ طور عموم رزق کا اطلاق ان آیتوں میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ (الذّٰریٰت:٥٨) بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے○

اس آیت میں رزق کا عام معنی مراد ہے' رازق اس کو کہتے ہیں: جو رزق کا خالق اور رزق کا عطا کرنے والا ہو' رزق کا مسبب اللہ تعالیٰ ہے' انسان اللہ کے رزق کو پہنچانے کا ذریعہ اور ظاہری سبب ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر رازق کا اطلاق نہیں کیا جاتا' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○ (الحجر:٢٠) اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں روزی کے ذرائع بنا دیئے ہیں اور ان کے لیے (بھی) جن کے تم رازق نہیں ہو○

یعنی ان کے لیے جن کے لیے تم رزق کا سبب نہیں ہو اور نہ تمہارا ان کے رزق میں کوئی دخل ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ (النحل: ۷۳)

اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں سے انہیں بالکل رزق نہیں دے سکتے اور نہ اس کی کوئی طاقت رکھتے ہیں ۝

یعنی ان کے بناوٹی معبود کسی وجہ سے بھی رزق کا سبب نہیں ہیں' ظاہری سبب ہیں نہ باطنی۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۵۸۔۲۵۷' مکتبہ نزار مصطفی الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

رازق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ وہ تمام مخلوق کو رزق عطا فرماتا ہے' وہی رزق کو پیدا کرتا ہے اور تمام مخلوق کو رزق عطا کرتا ہے اور اُن تک پہنچاتا ہے' رزق کی دو قسمیں ہیں: ظاہری رزق اور باطنی رزق' ظاہری رزق وہ خوراک ہے جس سے بدن کی نشو و نما ہوتی ہے اور باطنی رزق قلب اور نفس کی غذا ہے جیسے معارف اور علوم' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. (ھود: ۶)

زمین کے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے رحم کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے' وہ کہتا ہے: اے میرے رب! یہ نطفہ ہے' اے میرے رب! یہ جما ہوا خون ہے' اے میرے رب! یہ گوشت کا ٹکڑا ہے' پھر جب اللہ اس کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: اس کو مذکر بناؤں یا مؤنث؟ بدبخت بناؤں یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟ س کی مدت حیات کتنی ہے؟ پھر اس کی ماں کے پیٹ میں یہ سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۶)

(لسان العرب ج ۶ ص ۱۴۶' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

قوت کے معانی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قوت کبھی قدرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ. (البقرہ: ۶۳)

ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس کو قوت سے پکڑ لو۔

اور کبھی کسی چیز میں جس چیز کی صلاحیت ہوتی ہے اس کو قوت کہتے ہیں' جیسے کہتے ہیں: کھجور کی گٹھلی بالقوہ کھجور کا درخت ہے' اور قوت کا استعمال کبھی بدن میں ہوتا ہے اور کبھی قلب میں ہوتا ہے اور کبھی معاون میں ہوتا ہے اور کبھی قدرتِ الٰہیہ میں ہوتا ہے' بدن میں قوت کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ط. (حٰم السجدۃ: ۱۵)

قوم عاد نے کہا: ہم سے زیادہ بدنی قوت والا کون ہے؟

قلب میں قوت کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط. (مریم: ۱۲)

اے یحییٰ! اس کتاب کو (دل کی) قوت سے پکڑ لیں۔

خارجی معاون میں اس کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً. (ھود: ۸۰)

(لوط نے کہا:) کاش! میرے پاس تم سے مقابلہ کے لیے

کوئی خارجی معاون ہوتا۔

یعنی میرے پاس کوئی لشکر ہوتا یا میری حمایت میں کوئی مضبوط قبیلہ ہوتا۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ○ (الذریت:۵۸) بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے○

یعنی اللہ کی قوت تمام مخلوق کی قوتوں سے زیادہ ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۴۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

''متین'' کا معنی

علامہ راغب حسین متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''متین'' صفت مشبہ کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: مضبوط اور محکم' ریڑھ کی ہڈی کے دائیں اور بائیں حصہ کو'' متین'' کہا جاتا ہے' اس سے ''متن'' فعل بنالیا گیا ہے' یعنی اس کی پشت مضبوط اور قوی ہوگئی۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۹۶)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''متن'' کا معنی ہے: سخت ہونا' ریڑھ کی ہڈی کی دونوں جانبوں کو بھی ''متن'' کہتے ہیں۔

(القاموس ص ۱۲۳۳' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس بے شک ظالموں کے لیے (عذاب کا ایسا) حصہ ہے جیسے (عذاب کا) حصہ ان کے اصحاب کا ہے سو وہ (عذاب کی) جلدی نہ کریں○ پس کفار کے لیے اس دن سے عذاب ہوگا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے○

(الذریت: ۶۰۔۵۹)

''ذنوب'' کا معنی

اس آیت کا معنی ہے: کفار مکہ کے لیے بھی عذاب کا ایسا حصہ ہے جیسے پچھلی امتوں کے کافروں کے لیے عذاب کا حصہ تھا۔

اس آیت میں ''ذنوب'' کا لفظ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے اس کا معنی لکھا ہے:

''ذنب الدابة'' اس کا معنی ہے: سواری کی دم' اور اس کو متاخر اور رذیل چیز سے تعبیر کیا جاتا ہے' کہا جاتا ہے: ''ھم اذناب القوم'' وہ قوم کے رذیل لوگ ہیں اور ''ذنوب'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں: جس کی دم لمبی ہو' جس ڈول کی دم ہو اس کو بھی ''ذنوب'' کہتے ہیں اور ''ذنوب'' سے حصہ کا بھی استعارہ کیا جاتا ہے جیسے اس لفظ سے ڈول کا استعارہ کیا جاتا ہے' جیسے الذریت: ۵۹ میں ہے (ذنوب کا معنی حصہ ہے)' اصل میں ''ذنب'' کا معنی ہے: کسی چیز کی دم کو پکڑنا اور اس کا استعمال ہر اس فعل میں کیا جاتا ہے جس کا انجام نقصان دہ ہو' اسی وجہ سے بُرے انجام کو ''ذنب'' کہتے ہیں اور چونکہ گناہ کا انجام بھی بُرا ہوتا ہے اس لیے گناہ کو بھی ذنب کہتے ہیں اور ''ذنب'' کی جمع ''ذنوب'' ہے۔

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ (آل عمران: ۱۱) پس اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۴۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

''ذَنْب'' اور ''ذَنَب'' کا لفظی اور معنوی فرق

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم' ابن منظور متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

''ذَنْب'' کا معنی ہے: اثم' جرم اور معصیت اور اس کی جمع ''ذنوب'' ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا:

''وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ'' (الشعراء:۱۴) اس سے مراد آل فرعون کے اس شخص کا قتل ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھونسا مارا تھا۔

اور ''ذَنَب'' معروف ہے (یعنی دم) اور اس کی جمع ''اذناب'' ہے ''ذَنَب الفرس'' گھوڑے کی دم کی شکل کا ایک ستارہ ہے ''ذَنَب الثعلب'' لومڑی کی شکل کی ایک جڑی بوٹی ہے۔ (لسان العرب ج۶ ص ۴۵ 'دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

خلاصہ یہ ہے کہ ''ذَنْب'' (ن پر جزم) اور ''ذَنَب'' (ن پر زبر) میں فرق ہے ''ذَنْب'' کا معنی گناہ ہے اور اس کی جمع ''ذنوب'' ہے اور ''ذَنَب'' کا معنی دم یا پچھلا حصہ ہے اور اس کی جمع ''اذناب'' ہے۔

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے' وہ لکھتے ہیں:

''ذَنَب'' دم والے پرندے کو کہتے ہیں: اس کی جمع ''اذناب'' ہے۔ (صحاح ج۱ ص ۱۲۸ 'دار العلم للملایین' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

''ذَنْب'' کا معنی ہے: جرم۔ (صحاح ج۱ ص۱۲۹)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''ذَنْب'' کا معنی ہے: اثم اور اس کی جمع ''ذنوب'' اور جمع الجمع ''ذنوبات'' ہے اور ''ذَنَب'' میں اگر نون پر حرکت ہو تو اس کا معنی پچھلا حصہ اور نچلے درجے کے لوگ ہیں اور اس کی جمع ''اذناب'' ہے۔ (القاموس ص ۸۵ 'مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ ''قاموس'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ذَنْب'' کا معنی ہے: جرم اور اثم' اور جب ''ذَنَب'' نون کی زبر سے ہو تو اس کا معنی معروف ہے یعنی دم یا کسی چیز کا پچھلا حصہ' اور شہاب الدین خفاجی نے ''عنایۃ القاضی'' میں لکھا ہے کہ ''ذنب'' (نون کی جزم) ذَنَب (نون کی زبر) سے ماخوذ ہے' جس کا معنی نچلا حصہ ہے اور ''شفاء'' میں مذکور ہے کہ یہ گھٹیا' خسیس اور رذیل چیز کے معنی سے ماخوذ ہے۔ علامہ خفاجی نے کہا ہے کہ کسی لفظ کا ماخوذ ہونا اشتقاق سے زیادہ وسیع دائرہ رکھتا ہے۔

(تاج العروس ج۱ ص ۲۵۴ 'دار احیاء التراث العربی' بیروت' مطبعہ خیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

معلوف لوئیس متوفی ۱۸۶۷ء لکھتے ہیں:

''ذَنَب'' کا معنی حیوان کا پچھلا حصہ ہے' جو معروف ہے' اس کی جمع ''اذناب'' ہے اور ''ذَنْب'' کا معنی جرم ہے اور اس کی جمع ''ذنوب'' ہے۔ (المنجد ۱ ص ۲۳۹ 'کتب خانہ ملی' ایران' ۱۳۷۹ھ)

امام لغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

''الذَّنَب'' کی جمع ''اذناب'' ہے اور ''الذَّنْب'' کا معنی ہے: اثم اور معصیت اور اس کی جمع ''ذُنُوب'' ہے اور ''ذَنُوب'' کا معنی ہے: پانی کا بھرا ہوا ڈول اور ہر چیز کا ایک حصہ۔ (کتاب العین ج۱ ص ۶۲۹ 'مطبوعہ باقری' ایران' ۱۴۱۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ لغت کے نزدیک ''ذَنْب'' (نون کی جزم) اور ''ذَنَب'' (نون پر زبر) دو الگ الگ لفظ ہیں اور یہ کہنا کہ ''ذَنْب''' ''ذَنَب'' سے ماخوذ ہے' محض بعض متاخرین کی نکتہ آفرینی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پس وہ (عذاب کی) جلدی نہ کریں۔

کیونکہ کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے:

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ اے محمد! آپ ہمارے پاس وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں' اگر آپ سچوں میں سے ہیں ○ (الاعراف:۷۰)

پھر غزوۂ بدر کے دن ان پر وہ دنیاوی عذاب آ گیا' جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ان کے لشکر کے ستر افراد قتل کیے گئے اور

ستر افراد قید کیے گئے اور اللہ تعالیٰ نے بہت جلد ان سے انتقام لے لیا اور ان میں سے جو کفر پر مر گئے ان کو دوزخ میں دائمی عذاب دیا جائے گا اور ان کے لیے ذلت اور رسوائی ہوگی۔

معصیت کا سبب دنیا سے محبت اور آخرت سے غفلت ہے

الذّٰریٰت: ۶۰ میں فرمایا: پس کفار کے لیے اس دن سے عذاب ہوگا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے O

ان کو جس دن کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہ یومِ بدر کا عذاب تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن کا عذاب تھا' کیونکہ قیامت آنے والی ہے اور جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ قریب ہوتی ہے۔

پس عقل والوں پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرنے میں اور اللہ سبحانہٗ کی طرف رجوع کرنے میں جلدی کریں' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریں کہ وہ معصیت سے آلودہ ہوں' کیونکہ موت کا کوئی پتا نہیں ہے کہ وہ کب آ جائے۔

جو لوگ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں وہ غور کریں تو ان پر منکشف ہوگا کہ ان کے گناہوں کا سبب دنیا کی زیب و زینت سے ٹوٹ کر محبت کرنا ہے اور آخرت سے غافل ہونا ہے' پس ضروری ہے کہ وہ اپنے دلوں سے دنیا کی محبت کا زنگ اتار دیں۔

سورت الذّٰریٰت کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۳ رجب ۱۴۲۵ھ/ ۲۰ اگست ۲۰۰۴ء بہ روز جمعہ سورۃ الذّٰریٰت کی تفسیر مکمل ہوگئی' اس کی ابتداء ۲۸ جولائی ۲۰۰۴ء کو کی تھی اور اس طرح تیئیس (۲۳) دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

بیماریوں کا میرے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اس کی تفسیر مکمل کرا دی' الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں' اور محض اپنے فضل سے میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے احباب اور تلامذہ کی مغفرت فرما دیں' خصوصاً اس تفسیر کے ناشر' کمپوزر' بائنڈر اور دیگر معاونین کی مغفرت فرمائیں' ہم سب کو صحت اور عافیت کے ساتھ ایمان پر قائم اور اسلام کے احکام پر عامل رکھیں اور دنیا اور آخرت کے مصائب' عذاب اور رسوائی سے محفوظ اور مامون رکھیں اور قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے شاد کام فرمائیں اور آپ کے وسیلہ سے جنت الفردوس کی نعمتیں اور اپنا دیدار عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین امام المرسلین شفیع المذنبین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وعلماء ملتہ واولیاء ملتہ وامتہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

نحمده ونصلی ونسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ الطّور

سورت کا نام

اس سورت کا نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے:

وَالطُّوْرِ ۙ (الطور:۱) (پہاڑ) طور کی قسم ○

سورۃ الذّٰریٰت اور سورۃ الطّور دونوں مکی سورتیں ہیں' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۲ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۵ ہے' یہ سورۂ نوح کے بعد اور سورۃ المؤمنین سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الطّور اور سورۃ الذّٰریٰت میں مناسبت

ان دونوں سورتوں میں توحید' حشر ونشر' احوالِ آخرت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات اور مشرکین کے عقائد فاسدہ کے ابطال کے متعلق آیات ہیں اور ان دونوں کی ابتدائی اور انتہائی آیات میں بھی مماثلت ہے۔

سورۃ الذّٰریٰت کی ابتدائی آیات میں سے ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ (الذّٰریٰت:۱۵) بے شک متقین جنتوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○

اور سورۃ الطّور کی ابتدائی آیات میں سے ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ ۙ (الطور:۱۷) بے شک متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے ○

سورۃ الذّٰریٰت کی آخری آیت ہے:

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ○ (الذّٰریٰت:۶۰) پس کافروں کو اس دن سے عذاب دیا جائے گا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ○

اور الطّور کی آخری آیات سے یہ آیت ہے:

اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا ۭ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِیْدُوْنَ ○ۭ (الطور:۴۲) کیا یہ کوئی سازش کرنا چاہتے ہیں' پس کفار ہی (اپنی) سازش کا شکار ہوں گے ○

سورۃ الطّور کے متعلق احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بیمار ہوں' آپ نے فرمایا: تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے سے طواف کر لو' پس میں نے جب طواف کیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی جانب کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ (نماز میں) پڑھ رہے تھے: '' وَالطُّوْرِ ۙ○ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ○ ''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۸۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۱۰)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ الطور پڑھتے ہوئے سنا جس وقت آپ ان آیتوں کو پڑھ رہے تھے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ۝ (الطور: ۳۷-۳۵)

آیا وہ بغیر کسی چیز کے ازخود پیدا ہو گئے ہیں یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ ۝ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں کرتے ۝ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہ ان خزانوں کے محافظ ہیں ۝

حضرت جبیر نے کہا: (ان آیات کو سن کر مجھے یوں لگتا تھا کہ) میرا دل سینے سے نکل کر اڑ جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۴ ' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۳ ' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۱۱ ' سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۸۷ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۲)

سورۃ الطور کے مشمولات

☆ مشرکین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور حشر ونشر کا انکار کرتے تھے ان کو اس عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو قیامت کے دن ان کو دیا جائے گا۔

☆ ان کی وعید کے مقابلہ میں مؤمنین صالحین کو اس اجر وثواب کی نوید سنائی گئی ہے جو ان کو آخرت میں عطا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمتیں عطا کیں ہیں ان کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

☆ مشرکین کو چیلنج دیا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید کی مثل نہیں لا سکتے۔

☆ مشرکین کہتے تھے کہ ان کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان کی ان خرافات کا رد کیا گیا ہے۔

☆ متعدد خداؤں کا رد کیا گیا ہے اور مشرکین جو عذاب کی وعید کا مذاق اڑاتے تھے اس کا ابطال کیا گیا ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کفار کو چھوڑ دیں اور ان کی دل آزار باتوں پر غم گین نہ ہوں' یہ عذاب ان پر دنیا میں بھی آئے گا اور آخرت میں بھی اور آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا اور آپ سے یہ وعدہ فرمایا کہ اللہ آپ کی تائید فرمائے گا اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کریں۔

اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے سورۃ الطور کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے بار الٰہ! تو اس عظیم کام میں میرا حامی و ناصر رہنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۵ رجب ۱۴۲۵ھ / ۲۲ اگست ۲۰۰۴ء

سورۃ الطور مکیۃ ۵۲ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتہا ۴۹ رکوعاتہا ۲

سورۃ الطور مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں انچاس آیتیں، دو رکوع ہیں

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَیْتِ

اور (پہاڑ) طور کی قسم ۝ اور اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ۝ جو باریک کھال کے کھلے ہوئے ورق میں ہے ۝ اور بیت المعمور

الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ

کی قسم ۝ اور بلند چھت کی قسم ۝ اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم ۝ بے شک آپ کے رب

رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸ یَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹ وَّ

کا عذاب ضرور واقع ہو گا ۝ اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے ۝ جس دن آسمان بہت کانپ رہا ہو گا ۝ اور

تَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا ۝۱۰ فَوَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝۱۱ الَّذِیْنَ

پہاڑ بہت تیزی سے چل رہے ہوں گے ۝ اس دن مکذبین کے لیے عذاب ہو گا ۝ جو بے ہودہ

هُمْ فِیْ خَوْضٍ یَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲ یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝۱۳

مشغلہ میں کھیل رہے ہیں ۝ جس دن ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل کر لایا جائے گا ۝

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۴ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا

یہی وہ دوزخ کی آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے ۝ کیا یہ جادو ہے؟ یا تم نہیں

تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا

دیکھ رہے ۝ اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ پھر خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو، یہ تمہارے لیے برابر ہے، تم کو ان ہی کاموں کی سزا دی

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ ۝۱۷ فٰكِهِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمْ

جا رہی ہے جو تم کرتے تھے ۝ بے شک متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے ۝ اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہو

رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝۱۸ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــٴًـۢا بِمَا كُنْتُمْ

رہے ہوں گے اور ان کا رب انہیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا ۝ (ان سے کہا جائے گا:) خوشی سے کھاؤ اور پیو یہ ان

وقف لازم

تَعْمَلُونَ ⑲ مُتَّكِـِٔينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ

نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم کرتے تھے O وہ صف بہ صف تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے؛ ہم ان کا نکاح کشادہ چشم

عِينٍ ⑳ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ

گوری عورتوں سے کر دیں گے O اور ایمان والوں کو اور ان کی اس اولاد کو جس نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم

ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ

ان کی اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ایمان والوں کے عمل سے کوئی کمی نہیں کریں گے ہر شخص اپنے اعمال

رَهِينٌ ㉑ وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ㉒ يَتَنَازَعُونَ

کے عوض گروی ہے O اور ہم ان کو ایسے پھل اور گوشت مسلسل عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ طلب کریں گے O وہ جنت میں شراب

فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ㉓ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ

کے جام کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ گناہ O اور ان کے خدام ان کے گرد پھر

كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ㉔ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ㉕

رہے ہوں گے گویا کہ وہ پوشیدہ موتی ہیں O اور وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کے احوال دریافت کریں گے O

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ㉖ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا

وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوف زدہ رہتے تھے O پس اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں دوزخ کے عذاب

عَذَابَ السَّمُومِ ㉗ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ㉘ ع

سے بچالیا O بے شک ہم اس سے پہلے اللہ ہی کو پکارتے تھے بے شک وہ بہت احسان فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (پہاڑ) طور کی قسم O اور اس کتاب کی قسم جو لکھی ہوئی ہے O جو باریک کھال کے کھلے ہوئے ورق میں ہے O اور بیت المعمور کی قسم O اور بلند چھت کی قسم O اور جوش مارتے ہوئے سمندر کی قسم O بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا O اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے O (الطور: ۸۔۱)

''الطور'' کا معنی اور مصداق

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ طور کے معنی میں لکھتے ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: سریانی زبان میں طور پہاڑ کا نام ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ طور زبیر ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ پیدا ہو اور جس پر سبزہ پیدا نہ ہو اس پہاڑ کو طور نہیں کہتے۔

پھر جس پہاڑ طور کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی' اس کے مصداق میں تین قول ہیں:

(۱) سدی نے کہا: یہ طور سیناء ہے (۲) ابن قتیبہ نے کہا: یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا (۳) کلبی نے کہا: یہ ایک غیر معروف پہاڑ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ پہاڑوں میں جو اللہ تعالیٰ نے نشانیاں رکھی ہیں ان کو یاد دلایا جائے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷۷۔۳۷۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی ۴۲۷ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہر پہاڑ طور ہے لیکن اللہ سبحانہ' کی مراد یہاں پہاڑ طور سے وہ پہاڑ طور ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ارضِ مقدسہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا' یہ پہاڑ مدین میں ہے اور اس کا نام زبیر ہے اور مقاتل بن حیان نے کہا: یہ دو پہاڑ ہیں' ایک کو طور تینا کہا جاتا ہے اور دوسرے کو طور زیتونا کہا جاتا ہے کیونکہ ایک پہاڑ تین (انجیر) اگاتا ہے اور دوسرا پہاڑ زیتون اگاتا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۲۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جمہور عرب کے نزدیک ہر پہاڑ کو الطور کہتے ہیں' اس سے مراد طور سینین ہے' جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا' اس کو طور سیناء بھی کہتے ہیں' اس نام سے جو پہاڑ مشہور ہے وہ مصر میں میدان تیہ کے قریب ہے۔

ابو حیان اندلسی نے سورۃ التین کی تفسیر میں کہا ہے کہ طور سینا شام میں ایک پہاڑ ہے اور یہ وہی پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ امام راغب نے نقل کیا ہے کہ یہ پہاڑ تمام روئے زمین کو محیط ہے اور یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ یہ جنت کا ایک پہاڑ ہے اور میرے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے' ابو حیان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ غیر معروف پہاڑ ہے اور میرا اعتماد اس پر ہے کہ یہ پہاڑ مصر میں ہے' اور اسی پہاڑ پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۴۲۔۴۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے مطلقاً یہ نہیں لکھا کہ طور وہ پہاڑ ہے جو تمام روئے زمین کو محیط ہے' جیسا کہ علامہ آلوسی نے لکھا ہے' بلکہ انہوں نے طور کے متعلق تین قول نقل کیے ہیں' پہلا قول یہ ہے کہ طور ایک مخصوص پہاڑ کا نام ہے' پھر لکھا ہے: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ہر پہاڑ کا نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ پہاڑ تمام روئے زمین کو محیط ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۰۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''کتاب مسطور'' کے معانی اور مصادیق

الطور: ۲ میں فرمایا: اور اس کتاب کی قسم جو لکھی ہوئی ہے O

اس سے مراد قرآن مجید ہے جس کو مؤمنین مصاحف میں سے پڑھتے ہیں اور فرشتے اس کو لوحِ محفوظ سے پڑھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌۙ○ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍۙ○ — بے شک یہ قرآن بہت عزت والا ہے O جو معزز کتاب میں درج ہے O (الواقعہ: ۷۸۔۷۷)

بعض مفسرین نے کہا: ''کتاب مسطور'' سے مراد تمام وہ کتابیں ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں اور ہر

کتاب باریک کھال یا جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں تھی' جس سے حاملین کتب اس کو پڑھتے تھے۔

کلبی نے کہا: اس کتاب سے مراد "تورات" ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے لکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی آواز سن رہے تھے۔

فراء نے کہا: اس سے مراد لوگوں کے صحائف اعمال ہیں' بعض وہ ہیں جو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے صحیفہ اعمال پکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اپنے بائیں ہاتھ سے اپنا صحیفہ اعمال پکڑے ہوئے ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۴۔۱۳)

اور ہم قیامت کے دن ہر انسان کے سامنے اس کا صحیفہ اعمال نکالیں گے جس کو وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا ۝ لے آج خود ہی اپنا اعمال نامہ پڑھ لے اپنا محاسبہ کرنے کے لیے آج تو خود ہی کافی ہے ۝

نیز فرمایا:

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ (التکویر: ۱۰)

اور جب صحائف اعمال کھول دیئے جائیں گے ۝

موت کے وقت صحائفِ اعمال لپیٹ دیئے جاتے ہیں' پھر قیامت کے دن حساب کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں' جنہیں ہر شخص دیکھ لے گا اور از خود پڑھ کر اپنا محاسبہ کرے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان میں فرشتوں کے لیے لکھ دیا ہے' وہ اس کتاب میں پڑھتے ہیں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل مؤمنین اور اولیاء اللہ کے دلوں میں لکھ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ . (المجادلہ: ۲۲)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔

کیونکہ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں ہے: ہر کتاب باریک کھال یا جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں تھی' یعنی ورق میں لکھنے کا ذکر ہے' مذکور الصدر آیت میں دل میں لکھنے کا ذکر ہے تو اس آیت میں قلب کو مجازاً ورق پر محمول کرنا پڑے گا۔

جو مرتب حروف لکھے ہوئے ہوں ان کو سطر کہا جاتا ہے' یعنی وہ کتاب جو باریک جھلی یا کھال میں لکھی ہوئی ہے۔

یہ تمام اقوال مرجوح اور غیر معتبر ہیں' صحیح بات یہی ہے کہ "**کتاب مسطور**" سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم عنقریب دلائل سے واضح کریں گے۔

الطور: ۳ میں فرمایا: جو باریک کھال کے کھلے ہوئے ورق میں ہے۔

"رق" کے معانی اور مصادیق میں اربابِ لغت کی تصریحات

اس آیت میں "رق" کا لفظ ہے' اس کے معانی کتب لغت میں حسب ذیل ہیں:

خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

"رقّ" کا معنی ہے: صحیفہ بیضاء' یعنی سفید ورق' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝" (الطور: ۳)۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''رقیق'' کے معنی ہیں: باریک' کہا جاتا ہے: ''ثوب رقیق'' یعنی باریک کپڑا'' رقیق القلب'' جس کا دل نرم ہو اور ''رَقّ'' کاغذ کے مشابہ اس چیز کو کہتے ہیں جس پر لکھا جا سکے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ'' (الطور: ۳)۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۶۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

''الرَّق'' کا معنی ہے: صحیفۃ بیضاء' وہ باریک جھلی یا کھال جس پر لکھا جا سکے' اسی معنی کے موافق قرآن مجید میں ہے: ''فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ'' (الطور: ۳) یعنی صحیفوں میں۔ فرّاء نے کہا ہے کہ اس سے مراد تمام اولادِ آدم کے اعمال نامے ہیں۔

(لسان العرب ج ۶ ص ۲۰۵' دار صادر' بیروت)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''الرَّق'' اس باریک کھال یا جھلی کو کہتے ہیں جس پر لکھا جا سکے اور صحیفہ بیضاء (سفید کاغذ) کو بھی کہتے ہیں۔

(القاموس ص ۸۸۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

''رَق'' کے معانی اور مصادیق میں مفسرین کی تصریحات

مفسرین اس کے حسب ذیل معانی لکھتے ہیں:

امام محمد بن جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے نقل کیا ہے' اس کا معنی ''کتاب'' ہے' اور مجاہد سے نقل کیا ہے اس کا معنی ''صحیفہ'' ہے۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۲۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

''رَق'' اس چیز کو کہتے ہیں جس پر لکھا جا سکے اور یہ وہ باریک کھال ہے جس پر مصحف کو لکھا گیا اور ''منشور'' کا معنی ہے: ''مبسوط'' یعنی کھلا ہوا' اس کے مصداق میں کئی اقوال ہیں: (۱) تورات (۲) لوحِ محفوظ (۳) مخلوق کے اعمال نامے۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۸۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

''رق'' وہ باریک کھال ہے جس پر لکھا جا سکے اور اس سے کتاب کا استعارہ کیا گیا ہے اور اس میں تنوین تعظیم کے لیے ہے' یعنی یہ بہت عظیم کھال ہے اور اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ یہ لوگوں کے درمیان معروف کتابوں میں سے نہیں ہے۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۰۶۔ ۶۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے' ہر چند کہ ''کتاب مسطور'' لفظ عام ہے لیکن یہاں پر عام کا ذکر کر کے اس سے خاص کا ارادہ کیا گیا ہے الخ اور جب اس سے مراد قرآن کریم ہو تو اس کا غیر متعارف ہونا اس لحاظ سے ہے کہ نقوش اور کتابت سے قطع نظر یہ کلام انسانوں کے کلام کی جنس سے نہیں ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۰۶۔ ۶۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں جن کتابوں اور تحریروں کو عرصۂ دراز تک محفوظ رکھنا مقصود ہوتا تھا ان کو ہرن کی باریک کھال پر لکھا جاتا تھا' کیونکہ اس زمانہ میں کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا' یہ کھال خاص طور پر باریک جھلی کی شکل میں تیار کی جاتی تھی اور اس کو عرف عام میں ''رَق'' کہا جاتا تھا' اہل کتاب عام طور پر تورات' زبور' انجیل اور دیگر صحف انبیاء کو اسی ''رق'' پر لکھا کرتے

تھے' تا کہ یہ کتابیں عرصہ دراز تک محفوظ رہ سکیں' اس آیت میں "رق منشور" سے مراد قرآن مجید ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے "کتاب مسطور" کی تفسیر میں لکھا ہے: اس سے مراد "تورات" ہے یا آسمانی کتاب یا مخلوق کے صحائف اعمال ہیں اور چوتھا قول یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے اور "رق منشور" کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ کتاب بالکل کھلی ہوئی ہے' اس میں کوئی خفاء نہیں ہے اور ہر شخص اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۹۹۔ ۱۹۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

امام رازی نے "رق منشور" کی جو تفسیر کی ہے کہ یہ کتاب بالکل کھلی ہوئی ہے اور اس کا ہر شخص مطالعہ کر سکتا ہے' اس سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ "کتاب مسطور فی رق منشور" سے مراد قرآن مجید ہے۔ نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ "کتاب مسطور" اور "رق منشور" میں تنوین تعظیم کے لیے ہے یعنی وہ بہت عظیم کتاب ہے اور اس کا معظم کتاب ہونا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن یا تورات سے کوئی ایک کتاب مراد ہو۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۴۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح ترین بات یہی ہے کہ "کتاب مسطور فی رق منشور" سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ جو کتاب آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظیم ہے اور جس کتاب کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے وہ قرآن مجید ہی ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاملِ قرآن تھے' حاملِ تورات نہ تھے اور جس کتاب کو آپ مشرکین کے سامنے پیش کر رہے تھے اور جس کتاب کی آپ تعلیم دے رہے تھے وہ تورات یا انجیل نہیں' قرآن کریم ہے' نیز تورات' انجیل اور زبور تو آپ کے زمانہ میں محرف اور مبدل ہو چکی تھیں' ان کی عظمت کی قسم کھانے کا کیا موقع تھا' اس لیے ہمارے نزدیک سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے:

یہاں کھلی کتاب سے مراد یہی مجموعہ کتب مقدسہ ہے جو اہل کتاب کے ہاں موجود تھا۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۱۶۲' لاہور' ۱۹۸۲ء)

اس سوال کا جواب کہ قرآن مجید حضور کی زندگی میں جمع اور مرتب نہیں ہوا تھا اس لیے ---- اس کا وجود مشکوک ہے

میرے فاضل دوست مولانا قاری عبد المجید شرق پوری (حال برسٹل) نے مجھ سے فون پر کہا کہ یہاں پر عیسائی سکالر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں جمع اور مرتب نہیں کیا گیا تھا' یہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مشورے سے جمع کیا گیا' اس وقت بھی یہ مختلف لغات پر پڑھا جاتا تھا' بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے صرف اس نسخہ کو باقی رکھا گیا جو لغت قریش پر تھا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کے پاس محفوظ تھا اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے پاس یہی قرآن مجید موجود ہے' اور اس قرآن مجید کے متعلق یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی قرآن مجید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا کیونکہ اس کی جمع اور ترتیب آپ کے وصال کے بعد ہوئی اور اس کی ترویج اور اشاعت تو آپ کی وفات کے بہت بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی ہے۔

قاری عبد المجید صاحب نے کہا: آپ عنقریب "فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝" (الطور: ۳) کی تفسیر میں پہنچنے والے ہیں' آپ اس اعتراض کا مکمل قلع قمع کریں اور اس آیت کی تفسیر میں سیر حاصل بحث کر کے یہ واضح کریں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا اور اس مسئلہ میں جس قدر شبہات ہیں ان کا ازالہ کریں۔

عیسائیوں کی موجودہ ''انجیل'' کا وجود خود مشکوک ہے

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا' اس کا ثبوت ہم بعد میں ذکر کریں گے' پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عیسائی حضرات کے نزدیک چار انجیلیں مستند' معروف اور مسلم ہیں جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ کلام مانتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا' حالانکہ ان انجیلوں کے مطالعہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا کلام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا' بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں نے حضرت علیہ السلام کی سوانح' ان کی سیرت اور ان کی داستانِ حیات لکھی ہے' جس میں کہیں کہیں الہامی جملے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح سے یہ فرمایا اور یہ فرمایا' ان میں سے بعض آیات کا قرآن مجید مصدق ہے اور اکثر کا مکذب ہے اور وہ جعلی اور وضعی آیات ہیں اور ان چاروں انجیلوں میں سے کوئی ایک انجیل بھی وہ نہیں ہے جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور ان میں سے کوئی انجیل بھی وہ انجیل نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' بہ جز چند آیات کے۔

مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی متوفی ۱۳۰۸ھ نے عربی میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے'' اظہار الحق'' جس میں عیسائیت کا رد بلیغ کیا ہے' اس کتاب کا عیسائی علماء اب تک جواب نہیں دے سکے' یہ کتاب اردو ترجمہ اور حواشی کے ساتھ شائع ہو چکی ہے' ہم اس کتاب سے وہ اقتباس پیش کر رہے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ انجیلوں میں کوئی انجیل بھی وہ نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' مولانا کیرانوی لکھتے ہیں:

اناجیلِ اربعہ کی اصلیّت

انجیل متی' لوقا' مرقس

آپ کو عنقریب مقصد ۳' شاہد ۱۵ میں معلوم ہوگا کہ قدماء مسیحیین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رائے کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی' مگر عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے وہ ناپید ہوگئی' موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے' مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی ان کے پاس موجود نہیں' یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکا' صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے' جو مخالف کے لیے حجت نہیں ہو سکتا اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند ثابت نہیں کی جاسکتی' مقدمہ کے نمبر ے میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ''میزان الحق'' کا مصنف بھی باوجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہو سکا' بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ'' غالب یہی ہے کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا'' مگر بغیر دلیل اس کا ظن و قیاس مردود ہے' اس لیے یہ ترجمہ واجب التسلیم نہیں ہے' بلکہ قابلِ رد ہے۔

انسائیکلوپیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

یہ انجیل ۴۱ء میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو کلدانی اور سریانی کے درمیان تھی لکھی گئی' لیکن موجودہ صرف یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو آج نسخہ موجود ہے' وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے۔

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:

جیروم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل مرقس کے آخری باب میں شک کرتے تھے اور بعض متقدمین کو انجیل لوقا باب ۲۳ کی بعض آیات میں شک تھا اور بعض متقدمین اس انجیل کے پہلے دو بابوں میں شک کرتے

تھے' یہ دونوں ابواب فرقہ مارسیونی[1] کے نسخہ میں موجود نہیں ہیں۔
محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے صفحہ پر انجیل مرقس کی نسبت کہتا ہے:
اس انجیل میں ایک عبارت قابلِ تحقیق ہے' جو آیت ۹ سے آخری باب کے ختم تک پائی جاتی ہے' اور کریسباخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت پر شک وتردد کا کوئی علامتی نشان بھی نہیں لگایا' حالانکہ اس کی شرح میں اس کے الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں۔
اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:
اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے' بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خارج کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔
اور کریسباخ فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں سے ہے' اگرچہ نورٹن ان کے نزدیک اس پایہ کا شخص نہیں ہے' مگر کریسباخ کا قول تو اُن پر یقیناً حجت ہے۔

انجیلِ یوحنا مستند نہیں' اُس کے دلائل

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو انجیل یوحنا کی جانب منسوب ہے' وہ اسی کی تصنیف ہے بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اُس کی تردید کرتی ہیں۔

پہلی دلیل

گزشتہ دور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور اُن کے بعد تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے۔ جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں باب ۴ کے اندر معلوم ہو چکا ہے اور مزید باب مقصد ۳ شاہد ۱۸ میں معلوم ہوگا۔ اسی انجیل سے قطعی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں اور جس چیز کی شہادت ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جا سکتی' تاوقتیکہ اُس پر کوئی مضبوط اور قوی دلیل نہ ہو۔

دوسری دلیل

اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ:
یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے۔
یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے کہ: یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے' اور ''اس کی شہادت'' (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں ''نعلم'' (ہم جانتے ہیں) کے الفاظ (صیغۂ متکلم کے ساتھ) کا استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں' جن کو اپنی طرف سے اس نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو عہد نامۂ قدیم کی کتابوں کو واجب التسلیم قرار نہیں دیتا اور دو خداؤں کا قائل ہے' ایک خالقِ خیر اور ایک خالقِ شر' اور عہد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھیجی ہوئی ہے' عہد جدید کے جن ابواب میں عہد قدیم کا تذکرہ ہے اُسے یا تو رد کر دیتا تھا یا اس میں تحریف کرتا تھا' اس فرقہ کا بانی مارسیون تھا' اس کی نسبت سے اسے مارسیونی کہتے ہیں۔ (ملخص از ازالۃ الشکوک ص ۱۹۳۔ ۱۹۲' بحوالہ لارڈنر وغیرہ) عربی میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے۔

تیسری دلیل

دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے' اس زمانہ میں آرینوس[1] جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ[2] کا شاگرد ہے' موجود تھا' اس نے منکرین کے جواب میں قطعی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سُنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے' اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا' اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ ارینوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنتا ہے اور نقل کرتا ہے اور اس عظیم الشان اور اہم معاملہ میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنتا اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے کہ اس نے سُنا ہو مگر بھول گیا ہو' کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں زبانی روایت کا بڑا اعتبار تھا اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا' مایوسی بیوس اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ ص ۲۱۹ میں آرینوس کا قول زبانی روایتوں کی نسبت یوں نقل کرتا ہے:

میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سُنے اور اپنے سینہ میں لکھے' نہ صرف کاغذوں پر اور عرصۂ دراز سے میری پُرانی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا رہتا ہوں۔

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہوگی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں بیان نہیں کیا' اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کیا' اور ان کے مقابلہ میں متقدمین اس کو ثابت نہیں کر سکے تو یہ انکار ہمارے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ نمبر ۱ کے جواب میں معلوم ہوگا کہ سلوس جو بت پرست مشرک علماء میں سے تھا' اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کیا تھا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تحریف کر ڈالی ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تحریف کی کہ مضامین قطعی بدل گئے۔

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیز کان[3] کا عالم ہے' چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے:

یہ بات محقق ہے کہ اس عہدِ جدید کو نہ تو مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے' بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا۔

تا کہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو سخت ایذائیں پہنچائیں تا کہ ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں' جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں۔

چوتھی دلیل

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء ج ۷ ص ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے:

---

[1] ارینوس (Irenacus) لیون کا مشہور بشپ اور عیسائیت کا مسلم الثبوت عالم جو ۱۳۰ء میں پیدا ہوا اور تقریباً ۱۸۴ء میں وفات پائی' بدعتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں' جن کا لاطینی ترجمہ تا حال پایا جاتا ہے۔ (برٹانیکا) ۱۲

[2] پولیکارپ (Polycarp) سمرنہ کا مشہور بشپ جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے' تقریباً ۶۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۵ء میں وفات پائی' بدعتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی معروف ہیں۔ ۱۲ ت

[3] عیسائیوں کا ایک فرقہ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت دی اور عبرانی پیغمبروں سے ہمکلام ہوا' معاذ اللہ سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے۔ یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو مانتا ہے' مگر ان میں الحاق و تحریف کا قائل ہے اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے' باقی کو چھوڑ دیتا ہے' مانی کیز اس فرقہ کا بانی ہے۔ (خلاصہ ماخوذ از ازالۃ الشکوک ص ۱۹۴' بحوالہ کتاب الاسناد از لارڈنر) ۱۲ تقی

اسٹاولن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلاشک وشبہ پوری انجیل یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔

ملاحظہ کیجئے اسٹاولن کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے اور کس طرح برملا کہہ رہا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب کا کارنامہ ہے۔

پانچویں دلیل

محقق برطشنیدر کہتا ہے کہ:

یہ ساری انجیل' اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے' اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں' بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے۔

چھٹی دلیل

مشہور محقق کروٹیس کہتا ہے کہ:

اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے' افساس کے گرجے نے اکیسواں باب' یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے۔

ساتویں دلیل

دوسری صدی عیسوی کے فرقہ وجین اس انجیل کے منکر تھے' اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے۔

آٹھویں دلیل

باب ۲ مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب ۸ کی ابتدائی ۱۱ آیات کا انکار' جمہور علماء نے کیا ہے اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیات سریانی ترجمہ میں موجود نہیں ہیں' اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو ان کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انہوں نے کہی ہے' لہٰذا سچی بات وہی ہے جو فاضل اسٹاولن اور برطشنیدر کہتے ہیں۔

نویں دلیل

اناجیلِ اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور واہیات بلاسند روایات کا رواج تھا' اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء ج ۴ قسم ۲ کے باب ۲ میں کہتا ہے کہ:

ہم کو مؤرخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معیّن ہیں' جن سے کسی معیّن چیز تک رسائی نہیں ہوسکتی اور مشائخ متقدمین نے واہیات روایتوں کی تصدیق کی' اور ان کو قلمبند کر ڈالا' بعد کے آنے والے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کر لیا اور یہ سچی جھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں' مدت مدید گزر جانے کی وجہ سے اب اُن کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہوگیا۔

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ:

پہلی انجیل ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۴۳ء یا ۴۸ء یا ۶۱ء یا ۶۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی۔ دوسری انجیل ۵۶ء اور اس کے بعد ۶۵ء تک کسی وقت میں اور غالب یہ ہے کہ ۶۰ء یا ۶۳ء میں تالیف ہوئی' تیسری انجیل ۵۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی' چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۸۹ء یا ۹۸ء میں تالیف ہوئی۔

خطوط و مشاہدات

اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ اور یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ یعقوب علیہ السلام کا رسالہ یہودا کا رسالہ مشاہداتِ یوحنا اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۱ (کے بعض جملوں) کی نسبت حوارئین کی جانب بلادلیل ہے اور یہ ۳۶۳ء تک مشکوک رہے اور بعض مذکورہ جملے مردود اور آج تک جمہور محققین کے نزدیک غلط ہیں جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد ۲ میں معلوم ہو جائے گا' یہ جملے سریانی ترجمہ میں قطعاً موجود نہیں ہیں' نیز عرب کے تمام گرجوں نے پطرس کے دوسرے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور یہودا کے رسالہ اور مشاہداتِ یوحنا کو رَد کیا ہے' اسی طرح ان کو سریانی گرجے ابتداء سے آج تک رَد کرتے آئے ہیں جیسا کہ عنقریب آئندہ اقوال میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء ج ۲ ص ۶ / ۲ '۲۰۷ میں کہتا ہے:

سریانی ترجمہ میں پطرس کا دوسرا رسالہ و یہودا کا رسالہ یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ اور مشاہداتِ یوساء انجیل یوحنا کے باب ۸ آیت ۲ لغایۃ ۱۱' اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۱' باب ۵' آیت ۷ بھی موجود نہیں ہیں۔

پھر سریانی ترجمہ کے مترجم نے ان چیزوں کو اس نے حذف کیا کہ وہ اس کے نزدیک ثابت اور معتبر نہ تھیں' چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے ص ۳۷ میں کہتا ہے کہ:

فرقہ پروٹسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجرس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کو جھوٹی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کر دیا:

رسالہ عبرانیہ' یعقوب کا رسالہ' یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ' یہودا کا رسالہ' مشاہداتِ یوحنا۔

ڈاکٹر پلس فرقۂ پروٹسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ:

تمام کتابیں یوسی بیوس کے عہد تک واجب التسلیم نہیں ہیں۔

اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ:

یعقوب کا رسالہ' پطرس کا دوسرا رسالہ' یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳' حواریوں کی تصنیفات نہیں ہیں' نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا' اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس کے رسالہ نمبر ۲' یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور یہودا کے رسالہ اور کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانا' یہی کچھ حالت عرب کے گرجوں کی تھی' مگر ہم تسلیم کرتے ہیں۔

لارڈنر اپنی تفسیر کی ج ۴ ص ۱۷۵ میں کہتا ہے کہ:

سرل اور اسی طرح اور شلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب المشاہدات کو تسلیم نہیں کرتے تھے' اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا جو اُس نے لکھی تھی۔

پھر ص ۳۲۳ میں کہتا ہے:

مشاہداتِ یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی' نہ اُس پر بار ہی بریوس نے یا یعقوب نے کوئی شرح لکھی' ایبڈ جسو نے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور رسالۂ یہودا اور مشاہداتِ یوحنا کو چھوڑ دیا ہے' یہی رائے دوسرے سریانیوں کی بھی ہے۔

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء ج ۷ ص ۲۰۶ میں ہے کہ:

روز نے اپنی کتاب کے ص ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پروٹسٹنٹ محققین' کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانتے اور پروبرا یوالڈ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب المشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہوسکتیں۔

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۷ باب ۲۵ میں کہتا ہے:

ڈیونیسیش کہتا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب المشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کردیا ہے اور اس کے رد میں مبالغہ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے' اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط ہے' اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہوسکتا ہے' نہ کوئی نیک شخص اور نہ کوئی عیسائی' اس کی نسبت یوحنا کی جانب درحقیقت ایک بددین اور ملحد شخص سرن تھسن نے کی ہے' مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں' جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے' مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا' اور زبدی کا بیٹا' یعقوب کا بھائی اور انجیل کا مصنف تھا' بلکہ اس کے برعکس محاورات وغیرہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہوسکتا' نہ اس کا مصنف' وہ یوحنا ہوسکتا ہے جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہے' کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے' بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے' شہر افسوس میں دو قبریں موجود ہیں' جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا ہے' عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں ہے' کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی پاکیزہ ہے' اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے' اس کے برعکس مشاہدات کی عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے' اس میں نامانوس اسلوب استعمال کیے گئے ہیں' نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا' نہ انجیل میں اور نہ رسالۂ عامہ میں' بلکہ اپنے کو متکلم یا غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے اور مقصود کو بغیر کسی تمہید کے شروع کرتا ہے' اس کے برعکس اس شخص نے باب ۱ میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ[۱] لکھا ہے جو اللہ نے اس کو اس لیے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عنقریب ہونا ضروری ہے' ظاہر کرے اور اس نے اپنے فرشتے کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کی۔

اور چوتھی آیت میں ہے کہ: یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام۔ آیت نمبر ۹ میں ہے: میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں تمہارا شریک ہوں۔

باب: ۲۲ آیت: ۸ میں لکھتا ہے کہ: میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور دیکھتا تھا۔ ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو ظاہر کیا ہے۔[۲]

یہ جواب تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا اظہار اپنی عادت کے خلاف اس لیے کیا ہے تاکہ اپنا تعارف کرائیں' کیونکہ اگر تعارف مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو متشخص اور متعین کرتی' مثلاً یہ کہتا کہ یوحنا بن زبدی یا یعقوب کا بھائی یا یوحنا اپنے رب کا محبوب مرید' وغیرہ وغیرہ' بجائے کسی خصوصی وصف ذکر کرنے کے ایک عام صفت تمہارا بھائی یا تمہارا شریکِ غم اور شریکِ صبر ذکر کرتا ہے' ہم یہ بات مذاق کے طور پر نہیں کہہ رہے

۱۔ یہ کتاب مکاشفہ باب اوّل آیت ۱ کی عبارت ہے۔ ۱۲ تقی

۲۔ یعنی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خط میں ہے مگر یہ شخص ظاہر کررہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحب انجیل نہیں کوئی اور ہے۔ ۱۲ تقی

ہیں‘ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت اور طرزِ کلام میں جوزبردست تفاوت پایا جاتا ہے اس کو واضح کریں۔

نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب ۳‘ باب ۳ میں تصریح کی ہے:

پطرس کا رسالہ نمبر ۱ سچا ہے‘ البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتبِ مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکا‘ مگر پولس کے ۱۴ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں اور کچھ لوگوں نے رسالہ عبرانیہ کو خارج کر دیا ہے۔

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ:

اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب‘ رسالہ یہودا اور پطرس کا رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ انجیل والوں کے لکھے ہوئے ہیں یا کسی دوسرے اشخاص کے جو انہی ناموں سے موسوم تھے اور یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ اعمال پولس اور باشتر اور مشاہداتِ پطرس اور رسالہ برنباا اور وہ کتاب جس کا نام انستیٹوشن حوارین ہے یہ سب جعلی اور فرضی کتابیں ہیں اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہداتِ یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار کرنا چاہیے۔

نیز اپنی تاریخ کی کتاب ۶‘ باب ۲۵ میں آریجن کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل کیا ہے:

وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے بشپ کلیمنٹ[1] نے لکھا ہے اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو لوقا نے ترجمہ کیا ہے۔

ارنیس بشپ لیس جو ۱۷۸ء میں گزرا ہے‘ اور ہپ پولیٹس جو ۲۲۰ء میں گزرا ہے اور روم کا بڑا پادری نوتیس جو ۲۵۱ء میں گزرا‘ انہوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے‘ ٹرٹولین[2]‘ کارتھیج کا بڑا پادری متوفی ۲۰۰ء کہتا ہے کہ یہ برنباا کا رسالہ ہے۔ روم کے پادری کیس متوفی ۲۱۲ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا‘ سائی پرن‘ کارتھیج کا لاٹھ پادری متوفی ۲۴۸ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا اور سریانی گرجا آج تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے‘ اسکالیجر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا‘ اس نے اپنا وقت ضائع کیا۔

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب ۲ باب ۲۳ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا ہے:

خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور فرضی ہے‘ مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا ہے اور یہی خیال ہمارا یہودا کے رسالہ کی نسبت بھی ہے‘ مگر بہت سے گرجوں میں اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے۔

تاریخ بائبل مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں کہا گیا ہے کہ:

کروٹیس کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہودا کا رسالہ اس پادری کا ہے جو ایڈرین کے دور سلطنت میں اور شلیم کا پندرھواں پادری تھا۔

اور یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۶‘ باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ:

آریجن نے انجیل یوحنا کی شرح کی ج ۵ میں کہا ہے کہ پولس نے تمام گرجوں کو کچھ نہیں لکھا‘ اور اگر کسی گرجے کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں۔

آریجن کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پولس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ اس کی تصنیف نہیں ہیں‘ بلکہ جعلی

---

[1] CLEMENT OF ROME ۱۵۰ء تا ۲۲۰ء۔ ۱۲

[2] Tertullian‘ یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے موسوم کیا اور اسے عہد عتیق کی کتابوں کی طرح الہامی سطح پر رکھا۔ (بائبل ہینڈ بک)

اور فرضی ہیں، جن کی نسبت اُس کی جانب کردی گئی ہے اور شاید دو چار سطروں کی مقدار ان رسالوں میں بھی پولس کے کلام کی موجود ہوگی' ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فاسٹس کا یہ قول کہ:

اس عہد جدید کو نہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک مجہول نام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور اُن کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا ہے۔

بالکل سچا اور درست ہے' جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس سلسلہ میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے' ادھر آپ کو فصل اوّل میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات ۳۶۳ء تک مشکوک اور مردود چلے آتے تھے اور جن کو نائس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا' پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶۴ء نے قبول کی سند دے دی' مگر کتاب مشاہدات اس مجلس میں بھی مردود و مشکوک ہی رہی' جو کارتھیج کی مجلس منعقدہ ۳۹۷ء میں تسلیم کر لی گئی' ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کر لینا حجت نہیں ہوسکتا' اوّل تو اس لیے کہ ہر مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استیر کے باب ۱۰ کی ۱۰ آیات کو' اور باب ۱۰ کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا اور کارتھیج کی مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طوبیا اور کتاب باردخ اور کتاب پند کلیسا اور کتاب المقابین کو تسلیم کیا تھا اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا۔

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا ضروری تھا' اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا' پھر تعجب ہے کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ ان کا فیصلہ ان ۶ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت تسلیم کرتا ہے اور دوسری کتابوں کے متعلق اُن کے فیصلہ کو رَد کر دیتا ہے' خصوصاً کتاب یہودیت کی نسبت' جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا۔

کتاب آستیر کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح مفید نہیں ہوسکتا کہ اُن کی اصل معدوم ہو گئی تھی' کیونکہ جیروم کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ اور طوبیا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقابین کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ اور کتاب پند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں اور ان کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے' اس لیے ان کے لیے لازم ہے کہ ان کتابوں کو تسلیم کر لیں جن کے اصل نسخے جیروم کو دستیاب ہوئے' اسی طرح اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ انجیل متی کو بھی تسلیم نہ کریں' کیونکہ اس کی اصل بھی گم ہو چکی تھی۔

دوسرے اس لیے کہ ہورن کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متقدمین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی اور وہ بے اصل اور واہیات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کر لیتے تھے اور لکھ لیتے تھے بعد میں آنے والے ان کی پیروی کرتے جاتے' تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہنچی ہوں گی اور انہوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کر لیا۔

تیسرے اس لیے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین و انتظامات ملکی کی طرح ہے' ملاحظہ فرمایئے۔

کتب مقدسہ کی حیثیت قوانین و انتظامات کی سی ہے

(۱) یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آرہا تھا اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں اور صحیح بھی یونانی ہے' اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے اور جو محرف تھا وہ صحیح اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دے دیا جاتا ہے' جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی

پڑتی ہے۔

(۲) کتاب دانیال ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آریجن نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کر دیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوشن[1] کا ترجمہ قبول کر لیا۔

(۳) ارس تیس کا رسالہ سولھویں صدی تک تسلیم شدہ چلا آ رہا تھا' جس پر سترہویں صدی میں اعتراضات کیے گئے اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پا گیا۔

(۴) لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پروٹسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے۔

(۵) پیدائش کی کتاب صغیر پندرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شمار کی جاتی تھی' پھر وہی سولھویں صدی عیسوی میں غلط اور جعلی قرار دے دی گئی۔

(۶) عزراء کی کتاب ۳ کو گریک گرجا آج تک تسلیم کیے جا رہا ہے' اور فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بنا رکھا ہے' سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلاف تسلیم کرتے رہے' اور ان کی کتب مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی' بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس[2] میں موجود ہے' مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے' ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا آہستہ آہستہ اعتراف کر لیں گے۔

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہو گیا ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہد عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی اور جب کبھی اس سلسلہ میں اُن پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہدِ عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی' اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے آپ کو باب ۲ کے مغالطہ نمبر ۲ کے جواب میں معلوم ہو جائے گی۔ (اظہار الحق مترجم ج ا ص ۲۷۰۳-۳۵۶' مکتبہ دار العلوم' کراچی' ۱۴۲۳ھ)'

قرآن مجید کی جمع اور ترتیب پر عیسائیوں کے اعتراض کا جواب

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید مسلمانوں کے سینوں میں متفرق طور پر موجود تھا اور بعض مسلمان اس کو لکھ لیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو بتلا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں لکھو اور یہ آیت فلاں سورت میں لکھو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں قرآن مجید نازل ہوتا رہا۔ مختلف سوالات کے جوابات میں مختلف آیات نازل ہوتی رہتی تھیں' اسی طرح مختلف غزوات میں اور مختلف حالات میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو بتا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت کی ہے اور یہ آیت فلاں سورت کی ہے' اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا قرآن مسلمانوں کے سینوں میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا اور جو صحابہ کاتبین وحی تھے وہ پورا قرآن مرتب کر کے لکھ چکے تھے اور انہوں نے اس کو مختلف اشیاء پر لکھا ہوا تھا' ہرن یا کسی اور جانور کی جھلی نما باریک کھال پر لکھا ہوا تھا یا اس زمانہ میں جس نوعیت کا' کاغذ دستیاب تھا اس کاغذ پر لکھا ہوا تھا' لیکن پورا قرآن کسی ایک جلد میں یا مصحف میں اس طرح موجود نہیں تھا جس طرح آج کل ایک جلد میں قرآن کریم موجود ہے' اس طرح پہلی بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور

[1] تھیوڈوشن (Theodotion) ایک عبرانی عالم تھا جس نے دوسری صدی عیسوی میں مروجہ عبرانی متن سے ایک ترجمہ تیار کیا تھا' یہ ترجمہ ہفتادی ترجمہ کے بعد پہلا ترجمہ ہے۔ ۱۲ ت

[2] کوڈکس (CODEX) انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں' اسکندریانوس کی روایت سے یہ نسخہ کوڈکس اسکندریہ کہلاتا ہے اور برطانیہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ (ہماری کتب مقدسہ ص ۳۵-۳۴)

خلافت میں حضرت عمر کے مشورہ سے ایک جلد میں اور ایک مصحف میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا' اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید جمع اور مرتب ہو چکا تھا اور اس سے عیسائیوں کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع اور مرتب نہیں ہوا تھا بلکہ اس کو آپ کے بعد آپ کے اصحاب نے باہمی مشورہ سے جمع اور مرتب کیا تھا' ہم پہلے اس پر دلائل پیش کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید جمع اور مرتب ہو چکا تھا' پھر اس کی وضاحت کریں گے کہ حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کو مختلف اجزاء سے اکٹھا کر کے ایک جلد میں اسی ترتیب کے مطابق جمع کیا گیا جو ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی اور پھر اس کی وضاحت کریں گے کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کو صرف لغتِ قریش پر باقی رکھا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے پہلے مکمل اور مترتب قرآن مجید حفظ ہو چکا تھا

اب ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں قرآن جمع اور مرتب ہو چکا تھا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ جواد تھے اور آپ رمضان کے مہینہ میں زیادہ جواد ہوتے تھے' جب آپ سے حضرت جبریل ملاقات کرتے تھے اور حضرت جبریل آپ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے اور آپ سے قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ جواد ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۷_ ۳۵۵۴_ ۳۲۲۰_ ۱۹۰۲_ ۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سال میں جتنا قرآن نازل ہوتا تھا آپ اس کا رمضان کی ہر رات میں حضرت جبریل علیہ السلام سے دور کیا کرتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ اس سال نازل ہونے والا تمام قرآن آپ کے سینہ مبارکہ میں جمع اور مرتب ہوتا تھا اور جس سال آپ کا وصال ہوا' اس سال تمام قرآن آپ کے سینہ میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا: بے شک جبریل ہر سال مجھ سے ایک مرتبہ پورے قرآن کا دور کرتے تھے اور اس سال انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ پورے قرآن کا دور کیا ہے اور اس سے میں یہی گمان کرتا ہوں کہ اب میری وفات ہونے والی ہے۔

(صحیح بخاری' تعلیقاً' کتاب فضائل القرآن' باب: ۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل ہر سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا انہوں نے آپ سے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا اور آپ ہر سال دس دن کا اعتکاف کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۸)

حضرت جبریل کے ساتھ قرآن مجید کے دَور کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل پورا نازل شدہ قرآن مجید پڑھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے اور دوسری بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نازل شدہ پورا قرآن مجید پڑھتے اور حضرت جبریل اس کو سنتے' اور جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال رمضان میں مکمل قرآن نازل ہو چکا تھا' سوا ایک آیت کے وہ یوم عرفہ کو نازل ہوئی: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ

لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا'' (المائدہ:۳) اور ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند (تین' سات یا نو) دن پہلے یہ آیت نازل ہوئی: ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ '' (البقرہ:۲۸۱)۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۴۰)

بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو آخری رمضان آیا اس میں آپ کے سینہ میں مکمل قرآن مجید جمع اور مرتب ہو چکا تھا' سوا ایک یا دو آیتوں کے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے' وہ یہ ہے:

حضرت اوس بن حذیفہ ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثقیف کے اس وفد میں حاضر تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا' آپ نے ہمیں اپنے ایک خیمہ میں ٹھہرایا اور آپ اپنے گھروں سے مسجد میں آتے جاتے وقت ہم سے ملاقات کرتے تھے (الیٰ قولہ) ایک رات آپ کافی دیر تک ہمارے پاس نہیں آئے' ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کو ہم سے ملنے میں کیوں دیر ہوگئی؟ آپ نے فرمایا: مجھے قرآن مجید کی حزب (قرآن مجید کی تلاوت کا مقرر کیا ہوا حصہ) کو مکمل کرنے کی وجہ سے تاخیر ہوگئی' سو میں نے ارادہ کیا جب تک میں اس حزب کو مکمل نہ کر لوں گھر سے نہ نکلوں' حضرت اوس بن حذیفہ نے کہا: پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے صبح تک باتیں کرتے رہے' ہم نے پوچھا: آپ لوگ قرآن مجید کی حزب کس طرح مقرر کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم تین سورتوں کو حزب قرار دیتے ہیں اور پانچ سورتوں کو اور سات سورتوں کو اور نو سورتوں کو اور گیارہ سورتوں کو اور تیرہ سورتوں کو اور مفصل کی حزب سورۂ قٓ سے لے کر ختم قرآن تک ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۹ طبع قدیم۔ ج ۲۶ ص ۸۹۔۸۸۔ رقم الحدیث: ۱۶۱۶۶ طبع جدید' ۱۴۱۹ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۰۲۔۵۰۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۵' الآحاد والمثانی رقم الحدیث: ۱۵۲۳' مشکل الآثار رقم الحدیث: ۱۳۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۹۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن مجید ہے اس میں سورتوں کی وہی ترتیب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اور حضرت اوس کی حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مفصل سورۂ قٓ سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے آخری رمضان میں دو بار قرآن مجید کا دور کرنے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۸) کی شرح میں لکھتے ہیں:

آخری رمضان میں مکمل قرآن نازل ہو چکا تھا ماسوا ان آیتوں کے جو اس رمضان کے بعد نازل ہوئیں اور ان میں سورۂ مائدہ کی وہ آیت ہے جو یوم عرفہ کے دن نازل ہوئی: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ '' (المائدہ:۳) اور یہ آیات بہت کم ہیں اس لیے ان کا دور نہیں کیا گیا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

صحابہ کرام کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل اور مترتب قرآن مجید حفظ ہو چکا تھا

ان حدیثوں میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل قرآن جمع اور مرتب ہو چکا تھا اور اسی کے موافق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت اصحاب کے سینوں اور ان کے مختلف صحیفوں میں قرآن مجید جمع اور مرتب تھا' اگرچہ کسی کے پاس یہ مجموعہ ایک جلد میں یک جا نہیں تھا۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ چار آدمیوں سے قرآن حاصل کرو(۱) عبد اللہ بن مسعود(۲) سالم(۳) معاذ(۴) ابی بن کعب۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۸۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث:۷۹۹۶)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' کتاب اللہ کی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر میں اس کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کتاب اللہ کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں اس کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اگر مجھے کسی کے متعلق یہ علم ہوتا کہ وہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہے تو میں ضرور اس تک پہنچتا خواہ مجھے اونٹ پر سوار ہو کر اس تک پہنچنا پڑتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۶۳)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کتنے لوگوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا؟ حضرت انس نے بتایا: چار آدمیوں نے اور ان سب کا تعلق انصار سے تھا(۱) حضرت ابی بن کعب (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) اور حضرت ابوزید۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۶۵' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث:۸۰۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف چار صحابہ کا جو ذکر کیا ہے یہ ان کے علم کے اعتبار سے ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید جمع کرنے والے صحابہ کی تعداد بہت زیادہ ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو چار صحابہ کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا وہ چار یہ ہیں: (۱) حضرت ابو الدرداء (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) اور حضرت ابوزید' حضرت انس نے کہا: ہم ان ہی کے علوم کے وارث ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۶۵' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۷۹۴)

حضرت انس نے پہلی روایت میں حضرت ابو الدرداء کی جگہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے۔

حضرت انس نے عہد رسالت میں صرف چار صحابہ کے حافظ قرآن ہونے کا ذکر کیا ہے' اس کا جواب

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے از راہِ فخر کہا کہ انصار کے قبیلہ اوس کے چار افراد نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اور بہت صحابہ نے قرآن مجید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع کیا تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صرف قبیلہ اوس کے چار صحابہ کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ قبیلہ اوس میں سے صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا تھا' ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کل صحابہ بہ شمول مہاجرین و انصار میں سے صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا تھا اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے قبیلہ اوس پر فخر کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ قاضی ابوبکر الباقلانی اور دیگر علماء نے حضرت انس کی اس حدیث کے اور جوابات بھی ذکر کیے ہیں' جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت انس نے جو کہا ہے کہ چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا ان کے قول میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ صحابہ میں سے اور کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا۔

(۲) حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ اور کسی نے جمیع وجوہ سے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا حتیٰ کہ اس میں آیات کی تمام قراءت کا بھی ذکر کیا ہو۔

(۳) ان چار کے علاوہ اور کسی نے اتنی جامعیت سے جمع نہیں کیا کہ ان آیات کا بھی ذکر کیا ہو جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور ان آیات کا بھی ذکر کیا ہو جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی' اور یہ جواب پہلے جواب کے قریب ہے۔

(۴) حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ ان چار نے بغیر کسی واسطے کے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سن کر قرآن مجید جمع کیا' اس کے برخلاف قرآن مجید کو جمع کرنے والے دوسرے صحابہ نے بعض آیات کو آپ سے بلاواسطہ سنا اور بعض آیات کو بالواسطہ سنا۔ (میں کہتا ہوں کہ قبیلہ اوس سے وابستہ صحابہ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپ سے بلاواسطہ قرآن سنا ہوگا لیکن ہجرت سے پہلے مکہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان کو تو انہوں نے آپ سے بلاواسطہ نہیں سنا تھا۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۵) یہ چار صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور آپ سے حصول تعلیم کے درپے تھے اس لیے یہ مشہور ہو گئے اور دوسرے وہ صحابہ جنہوں نے آپ کی زندگی میں قرآن مجید جمع کیا تھا ان کا حال دوسرے سے مخفی رہا' حالانکہ واقع میں انہوں نے بھی آپ کی حیات میں قرآن مجید جمع کیا تھا' اس لیے حضرت انس نے صرف ان چار صحابہ کا ذکر کیا' دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرے صحابہ نے ریاکاری کے خطرہ اور شدتِ اخلاص کے جذبہ سے خود اپنی کاوشوں کو مخفی رکھا اور اس لیے حضرت انس ان کے کام پر مطلع نہ ہو سکے اور جب وہ ریاکاری کے خطرہ سے مامون ہو گئے تو پھر انہوں نے اپنی کاوشوں سے لوگوں کو مطلع کر دیا۔

(۶) حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ ان چار صحابہ نے لکھ کر قرآن مجید کو جمع کر لیا تھا اور دوسرے صحابہ نے مکمل قرآن مجید کو حفظ کر کے اپنے سینوں میں جمع کر لیا تھا اور ان چار صحابہ نے مکمل قرآن مجید کو حفظ بھی کیا اور اس کو لکھ بھی لیا (لیکن اس کو ایک جلد اور ایک مصحف میں نہیں جمع کیا' یہ منتشر اوراق' باریک کھالوں' کھجور کے درخت کی چھالوں اور سنگ مرمر کے پتلے تختوں میں محفوظ تھا' اس کو ایک مصحف اور ایک جلد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں محفوظ کیا گیا)۔

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ان چار صحابہ کے سوا اور کسی صحابی نے یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل قرآن مجید کو جمع کر لیا ہے کیونکہ یہ کام اسی وقت مکمل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی جب آخری آیت نازل ہوئی اور ہو سکتا ہے کہ جب آخری آیت یا اس کے قریب آیت نازل ہو اس وقت قرآن مجید جمع کرنے والے صحابہ میں سے یہی چار صحابہ موجود رہے ہوں اگرچہ دوسرے مواقع پر دوسرے جمع کرنے والے صحابہ حاضر رہے ہوں۔

تحقیق یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقصد انصار کے دوسرے قبیلہ خزرج کے سامنے اظہار فخر کرنا تھا کہ ہمارے قبیلہ اوس کے چار صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع کیا ہے اور دیگر مہاجرین اور انصار سے اس وصف کی نفی کرنا ان کا مقصد نہ تھا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۳۔ ۶۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ عسقلانی کے تتبع سے ان صحابہ کی تعداد کا بیان جن کو عہد رسالت میں مکمل اور مترتب قرآن مجید حفظ تھا

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

بہ کثرت احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی قرآن مجید حفظ تھا کیونکہ ہجرت سے پہلے انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی ہوئی تھی اور اس مسجد میں نماز میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے اور یہ اس پر محمول ہے کہ قرآن مجید کی جس قدر سورتیں اور آیات نازل ہوتی تھیں ان کو حضرت ابوبکر اس مسجد میں بلند آواز سے پڑھتے تھے' کیونکہ حضرت ابوبکر اس پر شدید حریص تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید حاصل کر کے اس کو یاد کریں جب کہ وہ آپ کے ساتھ مکہ میں مقیم تھے اور پھر اکثر اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ان کے پاس آتے رہتے تھے اور ''صحیح مسلم'' میں یہ حدیث ہے کہ جو شخص قوم میں سب سے زیادہ قرآن کو یاد رکھنے والا ہو وہ قوم کی امامت کرائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۳)

اور یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی جگہ حضرت ابوبکر نماز پڑھاتے تھے کیونکہ ان کو سب سے زیادہ قرآن مجید حفظ تھا اور حدیث میں ہے:

امام ابن ابی داؤد نے ''المصاحف'' میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے: مصاحف کا سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر کا ہے' ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۵)

نیز حضرت علی نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر نے ترتیبِ نزول کے مطابق قرآن مجید کو جمع کیا اور امام نسائی نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' میں نے قرآن مجید کو جمع کیا اور میں نے ساری رات میں قرآن مجید ختم کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ایک مہینہ میں قرآن مجید کو ختم کرو۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۳۹۶)

اور حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور سالم مولیٰ ابوحذیفہ بھی قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے اور یہ سب مہاجرین میں سے تھے۔

ابوعبید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قراء کو جمع کیا ہے اور جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا ان کو شمار کیا ہے' ان میں ان صحابہ کا شمار کیا ہے:

مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت عبداللہ بن السائب' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن الزبیر اور خواتین میں سے حضرت عائشہ' حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ نے قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع کیا' لیکن ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کو مکمل کیا اور اس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان کیے ہوئے حصر پر اعتراض نہیں ہوتا اور امام ابن ابی داؤد نے ''کتاب الشریعۃ'' میں مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس الداری اور حضرت عقبہ بن عامر کو بھی شمار کیا ہے اور انصار میں سے حضرت عبادۃ بن الصامت اور حضرت معاذ جن کی کنیت ابوحلیمہ تھی اور حضرت مجمع بن حارثہ اور حضرت فضالۃ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد وغیرہم کو شمار کیا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کو جمع کیا ہے اور جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری بھی ہیں' ان کا ذکر ابوعمرو دانی نے کیا ہے اور بعض متاخرین نے ان قراء میں حضرت

عمرو بن العاص' حضرت سعد بن عباد اور حضرت ام ورقہ کا بھی شمار کیا ہے۔

حضرت انس کی حدیث کے مزید جوابات اور عہدِ رسالت میں مزید حفاظِ قرآن کا ذکر

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

''صحیح البخاری''، رقم الحدیث: ۵۰۰۴ میں مذکور ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا: حضرت ابوالدرداء' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید۔

یہ حدیث ''صحیح البخاری''، رقم الحدیث: ۵۰۰۳ کے دو وجوں سے مخالف ہے' اوّل اس کے کہ اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صیغہ حصر کے ساتھ چار کا ذکر کیا ہے اور ثانی اس وجہ سے کہ اس میں حضرت ابی بن کعب کے بجائے حضرت ابوالدرداء کا ذکر کیا ہے' حصر کا جواب تو ہم پہلے کئی وجوہ سے ذکر کر چکے ہیں اور ائمہ نے اس قول کا انکار کیا ہے۔ امام مازری نے کہا: حضرت انس نے اپنے علم کے اعتبار سے ان چار صحابہ میں حصر کیا ہے ورنہ واقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید جمع کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی' ورنہ صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ مختلف شہروں میں پھیل چکے تھے' حضرت انس رضی اللہ عنہ ان سب کا احاطہ کیسے کر سکتے تھے؟ یہ حصر تب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے الگ الگ تمام صحابہ سے ملاقات کی ہو اور ہر صحابی نے ان کو یہ بتایا ہو کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور یہ چیز عادۃً انتہائی بعید ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہ کثرت صحابہ نے قرآن مجید کو جمع اور حفظ کیا تھا' اس پر دلیل یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر قرّاء صحابہ شہید کر دیئے گئے اور یہ سب قرآن مجید کے حافظ اور جامع تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بیر معونہ میں ستر قاریوں کو کفار نے قرآن مجید سیکھنے کے لیے بلایا تھا اور پھر ان سب کو شہید کر دیا تھا اور حضرت انس نے خصوصیت کے ساتھ قبیلہ اوس کے ان چار صحابہ کا ذکر کیا ہے' کیونکہ ان کا ان کے ساتھ ایسا شدید تعلق تھا جو دوسروں کے ساتھ نہیں تھا یا ان کے ذہن میں ان ہی چار کا نام تھا دوسروں کا نہیں تھا۔

''صحیح البخاری''، رقم الحدیث: ۵۰۰۴ کی رقم الحدیث: ۵۰۰۳ سے دوسری مخالفت یہ ہے کہ اس میں حضرت انس نے حضرت ابی بن کعب کے بجائے حضرت ابوالدرداء کا ذکر کیا ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح نہیں ہوسکتیں' ان میں سے کوئی ایک حدیث ہی صحیح ہوگی اور امام بیہقی نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ صحیح وہ حدیث ہے جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے اور حدیث: ۵۰۰۴ جس میں ان کے بجائے حضرت ابو الدرداء کا ذکر ہے وہ صحیح نہیں ہے اور امام داؤدی نے کہا: حضرت ابوالدرداء کا ذکر محفوظ نہیں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت انس نے یہ حدیث دو مختلف اوقات میں بیان کی ہو ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا اور ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء کا ذکر کیا اور امام ابن ابی داؤد نے محمد بن کعب قرظی کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انصار میں سے پانچ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا: (۱) حضرت معاذ بن جبل (۲) حضرت عبادہ بن الصامت (۳) حضرت ابی بن کعب (۴) حضرت ابوالدرداء (۵) اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم' اس حدیث کی سند حسن ہے' اس پر شاہد یہ حدیث ہے: شعبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چھ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا' ان میں حضرت ابوالدرداء' حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت بھی تھے۔ اور ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''صحیح البخاری''، رقم الحدیث: ۵۰۰۴ کی بہرحال اصل ہے' ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کا یہ گمان ہو کہ

بہ شمول حضرت ابوالدرداء ان چار نے عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تو حضرت انس نے اس کے رد میں مبالغہ کرتے ہوئے کہا کہ ان چار کے سوا عہد رسالت میں اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور حضرت انس کا یہ حصر ادعائی ہے ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ ان چار کے سوا اور کسی نے عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۴۔ ۶۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے "فتح الباری" کی مذکور الصدر بحث کا خلاصہ لکھا ہے' اس کے بعد لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بہ کثرت صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا جن کو منضبط کرنا اور منحصر کرنا بہت مشکل ہے اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ بیر معونہ میں ستر قرّاء اور حفاظ صحابہ کو شہید کر دیا گیا اور جنگ یمامہ میں بھی ستر صحابہ کو شہید کر دیا گیا؟ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۲۲۔ ۳۲۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت انس کی حدیث کے حافظ عینی کی طرف سے جوابات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ان چار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۳)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس نے ان چار صحابہ میں حصر کیا ہے' حالانکہ ان کے علاوہ بھی اور بہت صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن مجید جمع کیا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ چار کا لفظ عدد ہے اور عدد میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا اور اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس حدیث کے اور متعدد جوابات ہیں' جو درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید کو اس کی جمیع وجوہ کے ساتھ یعنی اس کی لغات' اس کے حروف' اس کی قراءت اور اس کے اسباب نزول کے ساتھ ان چار کے علاوہ اور کسی نے جمع نہیں کیا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بلاواسطہ سن کر ان چار کے سوا اور کسی نے عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا۔

(۳) ان چاروں نے اس کا اظہار کیا اور قرآن مجید کی تعلیم اور تلقین کے درپے ہو گئے۔

(۴) ان چاروں نے آپ کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کر کے لکھ لیا تھا خواہ ایک مصحف میں یا متعدد صحائف میں۔

(۵) ابوبکر بن العربی نے کہا: حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ انہوں نے منسوخ شدہ آیات کو جمع نہیں کیا تھا۔

(۶) الماوردی نے کہا: حضرت انس کی مراد یہ تھی کہ ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن جمع کرنے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

(۷) اور ان چار کے علاوہ جن صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا انہوں نے ریاکاری کے خطرہ سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا اور ان چار کے نفوس اپنے اخلاص پر مطمئن تھے اس لیے انہوں نے اس کا اعلان کر دیا تھا۔

(۸) ان چاروں نے قرآن مجید حفظ کر کے اپنے سینوں میں جمع کیا اور صحیفوں میں لکھ بھی لیا اور باقی صحابی نے کسی ایک چیز پر اکتفاء کیا تھا۔

(۹) زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ان چار کے سوا باقی قرآن جمع کرنے والے صحابہ کا علم نہیں تھا۔

حافظ عینی کے تتبع سے عہد رسالت میں حفاظ قرآن کی تعداد

ان چار صحابہ کے علاوہ جنہوں نے عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کیا وہ خلفاء راشدین ہیں' ابوعمرو نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے بھی قرآن مجید جمع کیا تھا اور محمد بن کعب قرظی نے کہا: نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عبادہ بن الصامت' حضرت ابوایوب خالد بن زید نے قرآن مجید جمع کیا تھا' اس کو ابن عساکر نے ذکر کیا ہے اور الدانی سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور مجمع بن جاریہ نے بھی آپ کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کیا اور ابوعبید بن سلام نے ایک طویل حدیث میں ذکر کیا ہے کہ قیس بن صعصعہ عمرو بن زید انصاری بدری نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا تھا' ان میں حضرت سعد بن عبید النعمان الاوسی ہیں اور امام ابن الاثیر نے کہا: جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت قیس بن السکن' حضرت ام ورقہ بنت نوفل اور ایک قول ہے بنت عبد اللہ بن الحارث بھی ہیں اور ابوعبیدہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قرّاء کا ذکر کیا ان میں مہاجرین میں سے چار خلفاء کو شمار کیا اور حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت ابوہریرہ' حضرت عبد اللہ بن السائب کو اور چار عبادلہ کو (حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت ابن الزبیر اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص) اور خواتین میں سے حضرت عائشہ' حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ اور امام ابن ابی داؤد نے ذکر کیا ہے کہ مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس الداری اور حضرت عقبہ بن عامر اور انصار میں سے حضرت معاذ جن کی کنیت ابوحلیمہ ہے اور حضرت فضالۃ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو میں قرآن مجید جمع کر چکا تھا اور اس وقت میری عمر دس سال تھی اور اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا وہ اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی عدد اور کوئی شمار ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۔ ۳۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وفات سے پہلے حفظِ قرآن پر مزید احادیث اور صحابہ کے لیے بھی

امام ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑوں کے ٹکڑوں یا کاغذوں پر قرآن مجید کو لکھ کر جمع کر رہے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام کے لیے خوشی ہو' ہم نے پوچھا: کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: کیونکہ رحمان کے فرشتے ان کے اوپر اپنے پَر پھیلائے ہوئے ہیں۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۳۰۔ ۲۲۹ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۲۹۰۱ طبع جدید' ۱۴۲۰ھ' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۰' الترغیب ج ۴ ص ۶۳' المشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۲۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۵۱۶)

امام ابوعبد اللہ حاکم نیشاپوری اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا اور اس حدیث میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ قرآن مجید کو صرف ایک مرتبہ جمع نہیں کیا' بلکہ پہلی بار قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جمع کیا گیا' پھر دوسری بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دَور میں جمع کیا گیا اور تیسری بار حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان کے دورِ خلافت میں جمع کیا گیا۔ امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے (پہلی بار قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کو مختلف لغات پر منتشر اوراق میں جمع کیا گیا' ایک جلد اور ایک مصحف میں جمع نہیں کیا گیا' دوسری بار قرآن مجید کو ایک جلد میں جمع کیا گیا لیکن اس کو مختلف لغات پر پڑھا جاتا تھا اور تیسری بار اس کو صرف لغتِ قریش پر جمع کیا گیا اور اسی پر قائم رکھا گیا اور باقی لغات کی قراءت کو محو کر دیا گیا)۔ (وضاحت از مصنف)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے پوچھا: تم کون سی قراءت کے متعلق یہ گمان کرتے

ہو کہ وہ آخری قراءت ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ حضرت زید بن ثابت کی قراءت ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے اور جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کو دو بار قرآن سنایا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی آخری قراءت تھی۔ امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۳۰ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۲۹۰۳ طبع جدید المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کو جمع اور حفظ کر لیا تھا۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مرتبہ قرآن سنایا گیا پس صحابہ کہتے تھے کہ ہماری قراءت ہی وہ آخری قراءت ہے جو رسول اللہ کو سنائی گئی تھی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۳۰۔ رقم الحدیث: ۲۹۰۴)

امام حاکم نیشاپوری نے کہا: یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے موافق صحیح ہے اور اس کا بعض امام مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے' لیکن ان دونوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ صحابہ کرام نے پورے قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ترتیب کے ساتھ جمع اور حفظ کر لیا تھا۔

وفات سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکمل قرآن مجید کا لکھا ہوا ہونا

امام ابن ابی عاصم متوفی ۲۸۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثقیف کے کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے مجھ سے کہا: تم ہمارے سامان اور سواریوں کی حفاظت کرو' میں نے کہا: اس شرط پر کہ تم فارغ ہونے کے بعد میرا انتظار کرنا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اپنی ضروریات کے متعلق سوال کیا' پھر وہ باہر آ گئے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے آپ سے مصحف (قرآن مجید کا مترتب لکھا ہوا نسخہ یا کتاب) کا سوال کیا جو آپ کے پاس موجود تھا تو آپ نے مجھے وہ عطا فرما دیا' تاہم یہ مصحف ایک جلد میں نہیں تھا' اس کے متعدد اجزاء تھے۔

امام ابوبکر بن ابی عاصم نے کہا: یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مصاحف میں جمع ہو چکا تھا۔

(الاحاد والمثانی ج ۳ ص ۱۹۱۔ رقم الحدیث: ۱۵۲۸' المعجم الکبیر ج ۹ ص ۵۳۔ رقم الحدیث: ۸۳۹۳۔ ج ۹ ص ۴۰۔ رقم الحدیث: ۸۳۵۶' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام رجال صحیح کے رجال ہیں ماسوا عباد کے اس کی بھی توثیق کی گئی ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷۱)

امام ابو عاصم نے کہا: درج ذیل حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید مصاحف میں جمع ہو چکا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصاحف کو لے کر دشمن کی زمین کی طرف سفر نہ کرو۔

یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید مصاحف میں لکھ کر جمع کیا جا چکا تھا۔ (الاحاد والمثانی ج ۳ ص ۱۹۱' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۹)

مذکور الصدر احادیث کی وضاحت

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل قرآن' مجموع اور مترتب محفوظ تھا جس کا آپ نے اپنی زندگی کے آخری سال میں حضرت جبریل علیہ السلام سے دوبار دور کیا اور آپ کے پاس یہ مجموع اور مترتب متعدد صحائف میں لکھا ہوا محفوظ بھی تھا' لیکن یہ ایک جلد میں محفوظ نہیں تھا اور یہ لکھے ہوئے اجزاء بھی آپ کی وفات سے کچھ پہلے معرضِ وجود میں آئے اور شروع سے قرآن مجید کو ایک مصحف یا ایک جلد میں اس لیے محفوظ نہیں کیا گیا کیونکہ قرآن مجید کا بہ تدریج نزول ہوا ہے اور تیئس سال میں قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا' نیز اس کی بعض آیات کی تلاوت منسوخ بھی ہوتی رہتی تھیں ان وجوہات کی بناء پر قرآن مجید کا ابتداء نبوت میں مجموعہ محفوظ کرنا ممکن نہ تھا' صحابہ کرام قرآن مجید کو حفظ کرتے رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں جب قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا تو ان گنت صحابہ مکمل قرآن مجید کو حفظ کر چکے تھے اور مکمل قرآن مجید متعدد مصاحف اور منتشر اوراق میں لکھا بھی جا چکا تھا جیسا کہ ''الاحاد والمثانی'' کی احادیث سے ظاہر ہو چکا ہے اور ''صحیح البخاری' صحیح مسلم'' کی احادیث اور ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' کے تتبع اور ان کی تصریحات سے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ بے شمار صحابہ مکمل قرآن مجید کے حافظ تھے اور جب جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے ستر قرآن مجید کے حفاظ صحابہ شہید ہو گئے تو اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ مکمل قرآن مجید کو لکھ کر ایک مصحف یا ایک جلد میں محفوظ کر لیا جائے تاکہ بہ وقت ضرورت اس کی نقول فراہم کی جا سکیں' لیکن اس کو بنیاد بنا کر عیسائیوں کا یہ اعتراض غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید مجموع اور مرتب نہ تھا اس کو بعد میں صحابہ نے جمع کیا اور ترتیب دی۔

صحابہ کرام نے جو حضرت ابوبکر کے عہد میں قرآن مجید جمع کیا اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کو ایک مصحف اور ایک جلد میں جمع کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبید بن السباق بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب اہل یمامہ کو قتل کیا گیا (یمامہ مدینہ کے مشرق کے وسط میں ہے اور مکہ سے سولہ مرحلہ پر ہے' اسی جگہ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا' حضرت ابوبکر نے حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں مسیلمہ اور اس کے متبعین کو قتل کرنے کے لیے ایک لشکر بھیجا' اس جنگ میں ستر قرآن کے حافظ صحابہ اور بارہ سو عام مسلمان شہید ہوئے بالآخر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا) تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا' اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ کے دن بہت قرآن مجید کے حفاظ شہید ہو گئے اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر مختلف جنگوں میں حفاظِ قرآن شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت سارا حصہ جاتا رہے گا اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے حضرت عمر سے کہا: ہم اس کام کو کیسے کریں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے۔ پھر حضرت عمر مجھ سے مسلسل اس کام کے لیے کہتے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو کرنے کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میری رائے حضرت عمر کی رائے کے موافق ہو گئی' حضرت زید بن ثابت نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: آپ جوان اور عقل مند آدمی ہیں' ہم آپ پر کوئی تہمت نہیں لگاتے' آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھتے رہتے تھے' آپ قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کر لیجئے' حضرت زید بن ثابت نے کہا: اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ

پر اس قدر دشوار نہ ہوتا جتنا مجھ پر یہ حکم دشوار تھا کہ میں قرآن مجید کو جمع کروں' میں نے کہا: آپ لوگ اس کام کو کیسے کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! یہ اچھا کام ہے' پھر حضرت ابوبکر مجھ سے مسلسل یہ بات کہتے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کام کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا' میں قرآن مجید کو کھجور کے درخت کی چھال' سنگ مرمر کے پتلے اور چپٹے تختوں (اور کپڑوں کے ٹکڑوں اور کاغذوں اور باریک کھالوں اور اونٹ کی چوڑی ہڈیوں سے) اور مسلمانوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کرتا رہا حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت مجھے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی (جن کی تنہا شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے قائم مقام قرار دیا تھا) وہ آیت یہ ہے: "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" الیٰ آخر الآیۃ (التوبہ: ۱۲۹۔۱۲۸) پھر یہ مجموعی صحیفہ حضرت ابوبکر کے پاس رہا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی' پھر حضرت عمر کی حیات میں ان کے پاس رہا' پھر حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۶۹۱)

اس حدیث کے راوی عبید بن السباق کی توثیق

یہ حدیث عبید بن السباق سے مروی ہے' ان کے متعلق بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں' لیکن ایسا نہیں ہے ہم ان کی توثیق کے متعلق ماہرین اسماء رجال کی توثیق پیش کر رہے ہیں:

حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزی التوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

عبید بن السباق الثقفی المدنی کا امام ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۳۰۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حضرت زید بن ثابت' حضرت جویریہ ام المؤمنین' حضرت اسامہ بن زید' حضرت سہل بن حنیف اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے اور علماء اہل مدینہ سے ہیں۔ (تاریخ اسلام ج ۶ ص ۱۴۸' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے' العجلی نے کہا: یہ مدنی تابعی ثقہ ہیں' امام مسلم نے ان کا تابعین اہل مدینہ کے طبقہ اولیٰ میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۵۹۔ رقم الحدیث: ۴۵۳۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ تابعی ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۵۰۴' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے لکھا ہے: عبید بن السباق ثقہ ہیں۔ (کتاب الثقات ج ۵ ص ۱۳۳)

التوبہ: ۱۲۸ کا صرف حضرت خزیمہ کے پاس ملنا' کیا تواتر کی شرط کے خلاف نہیں ہے؟

اس حدیث میں دوسری بحث یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ التوبہ: ۱۲۹۔۱۲۸' صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا' اس پر اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات تو تواتر سے ثابت ہوتی ہیں تو صرف حضرت خزیمہ کی شہادت سے ان دو آیتوں کا قرآن ہونا کس طرح ثابت ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کو قرآن مجید کی تمام آیات معلوم اور حفظ تھیں لیکن جو صحابہ کرام قرآن مجید کو مصحف میں جمع کر رہے تھے انہوں نے مصحف میں قرآن مجید کی آیات کو درج کرنے کا یہ ضابطہ مقرر کیا تھا کہ جس

آیت کے متعلق کم از کم دو صحابہ یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا وہ اس آیت کو مصحف میں درج کرتے تھے' الاحزاب: ۲۳ کو لکھوانے کے متعلق حضرت خزیمہ بن ثابت کے علاوہ اور کوئی گواہی نہیں ملی اور چونکہ حضرت خزیمہ کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا تھا اس لیے صحابہ نے ان کی گواہی پر اس آیت کو سورۃ الاحزاب میں درج کرلیا' واضح رہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت تواتر سے ثابت ہے یعنی اس کے قرآن ہونے کے متعلق ہر دور میں اتنے لوگوں نے خبر دی ہے کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے' لیکن یہاں پر یہ مسئلہ نہیں تھا کہ یہ آیت قرآن مجید میں ہے یا نہیں۔ اس کا قرآن مجید میں ہونا تو انہیں تواتر سے معلوم تھا' مسئلہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوایا ہے اور سورۃ الاحزاب میں درج کرایا ہے یا نہیں؟ سو اس پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ گواہ تھے' الاحزاب: ۲۳ کی طرح سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتیں بھی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے مصحف میں درج کی گئیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا تو میں نے قرآن مجید کو جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ جب میں سورۂ توبہ کے آخر میں پہنچا تو '' لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ '' (التوبہ: ۱۲۹۔۱۲۸) مجھے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی اور ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملی۔ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی کو جو دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے' اس کی وجہ دو واقعات ہیں جن کا ذکر آ رہا ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کو دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام کرنے کا سبب

محمد بن عمارہ' حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مہلت طلب کی کہ گھوڑے کی قیمت لے کر آئیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی قیمت لینے کے لیے سرعت کے ساتھ گئے' اس اعرابی کے نزدیک تاخیر ہوگئی' دوسرے لوگ اس اعرابی کے سامنے اس گھوڑے کی قیمت لگانے لگے' ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں' پھر اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر آپ اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں تو فبہا ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں' آپ نے اس اعرابی کی بات سن کر فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا: نہیں! خدا کی قسم! میں نے آپ کو یہ گھوڑا نہیں فروخت کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں' اس اعرابی نے کہا: اچھا پھر آپ گواہ لائیں' حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو فروخت کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ سے پوچھا: تم کس بنیاد پر یہ گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیونکہ میں آپ کی (ہر بات کی) تصدیق کرتا ہوں' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۰۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۶۱' الطبقات الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۸۴' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۵۶۶۱ طبع جدید' مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۳۶۶ طبع قدیم' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۷۳۰' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۰' المستدرک ج ۲ ص ۱۸' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴۶' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۷۰۴۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۰۳۸' الاصابہ رقم الحدیث: ۲۲۵۶' اسد الغابہ رقم الحدیث: ۱۴۴۶)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض کا تقاضا کر رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو قرض ادا کر چکا ہوں' یہودی نے کہا: آپ گواہ لائیں' اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری آ گئے' انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو قرض ادا کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کو کیسے علم ہوا؟ انہوں نے کہا: میں اس سے بہت بڑی خبروں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں' میں آسمان کی خبروں میں آپ کی تصدیق کرتا

ہوں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتیں قرار دیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۵۸۵۔ ۱۵۶۶۳ طبع جدید' مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۳۶۶۔ ج ۱۱ ص ۳۳۵ طبع قدیم)

حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں صرف لغت قریش پر قرآن مجید کو باقی رکھنا اور باقی نسخوں کو جلا دینا

جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا تھا کہ پہلے متعدد لغات پر قرآن مجید کو پڑھنے کی اجازت تھی لیکن ہر وہ شخص جو کسی ایک لغت پر قرآن مجید پڑھتا تھا جب وہ دوسرے شخص سے کسی اور لغت کے تلفظ پر قرآن کو سنتا تو وہ اس کی تغلیط کرتا اور وہ دوسرا شخص اس پہلے شخص کے تلفظ کی تغلیط کرتا اور یوں مسلمان ایک دوسرے کی قراءت کی تکذیب کرتے' اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس قراءت پر قرآن کو باقی رکھا جو لغت قریش پر تھا اور حضرت حفصہ کے گھر محفوظ تھا اور باقی لغات کے نسخوں کو محو کر دیا گیا' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' وہ اس وقت اہل شام سے آرمینیہ اور آذربائی جان کی فتح کے سلسلہ میں اہل عراق سے جہاد میں مشغول تھے' اس وقت حضرت حذیفہ مسلمانوں کے قرآن پڑھنے میں اختلاف سے گھبرا گئے' حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا: اے امیر المؤمنین! اس سے پہلے کہ یہ امت یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں مختلف ہو جائے آپ اس کا تدارک کر لیجئے' پھر حضرت عثمان نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ قرآن مجید کا وہ نسخہ ہماری طرف بھیجیں' ہم اس کو دوسرے مصاحف میں نقل کریں گے پھر آپ کو یہ نسخہ واپس بھیج دیں گے' حضرت حفصہ نے وہ نسخہ حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا' حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت' حضرت عبداللہ بن الزبیر' حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمان بن الحارث بن ہشام سے کہا کہ وہ اس نسخہ کو مصاحف میں نقل کریں اور حضرت عثمان نے تین قریشین کی جماعت سے کہا: جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن کے کسی لفظ میں اختلاف ہو جائے تو اس کو لغت قریش کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن مجید لغت قریش کے مطابق نازل ہوا ہے' سو انہوں نے ایسا ہی کیا' حتیٰ کہ جب انہوں نے اس نسخہ کو مصاحف میں نقل کر لیا تو حضرت عثمان نے وہ مستعار لیا ہوا نسخہ یا مصحف حضرت حفصہ کو واپس کر دیا اور تمام صوبوں اور بڑے شہروں میں اس مصحف کی نقلیں بھیج دیں اور حکم دیا کہ اس نسخہ کے مطابق مصاحف لکھیں اور ان کے ماسوا جو قرآن مجید کے سابقہ نسخے ہیں ان کو جلا دیا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۷)

بقیہ مصاحف کو جلانے کی توجیہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سابقہ مصاحف کو جلانے کا جو حکم دیا تھا اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام بڑے شہروں میں حضرت حفصہ کے مصحف کی نقول بھجوا دیں تو کہا: میں نے اس اس طرح کیا اور اپنے سابقہ مصحف کو مٹا دیا' سو تم بھی اپنے اپنے سابقہ مصاحف کو محو کر دو اور محو اس سے عام ہے کہ ان سابقہ کاغذات کو دھویا جائے یا جلا دیا جائے' اکثر روایات میں جلانے کا ذکر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے ان کاغذات کو دھویا گیا ہو پھر جلا دیا گیا ہو تا کہ سابقہ اوراق کا بالکل نام و نشان نہ رہے' قاضی عیاض نے حتمی طور پر کہا ہے کہ انہوں نے پہلے ان کاغذات کو دھویا پھر جلا دیا تا کہ سابقہ قراءت کا کوئی نام و نشان نہ رہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ عینی حنفی نے لکھا ہے کہ جب مصحف کے اوراق بہت پرانے ہو جائیں اور استفادہ کے قابل نہ رہیں تو ان کو کسی

پاک جگہ پر دفن کر دیا جائے۔

جمع قرآن کے متعلق حرف آخر

ملا علی سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اسی وقت قرآن مجید کو جمع کیا جب ان کے نزدیک دلیل قطعی سے قرآن مجید کے الفاظ ثابت ہو گئے اور دلیل ظنی سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان الفاظ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا۔

الحارث المحاسبی نے ''فہم السنن'' میں کہا ہے کہ قرآن مجید کو لکھنا حادث (نیا کام) نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو لکھنے کا حکم دیتے تھے' لیکن وہ لکھا ہوا ایک جا نہیں تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو یک جا کیا' گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں مکمل قرآن مجید کے منتشر اور متفرق اوراق مل گئے' پھر کسی جمع کرنے والے نے ان اوراق کو جمع کر کے ایک دھاگے کے ساتھ باندھ دیا تاکہ ان میں سے کوئی ورق ضائع نہ ہو جائے اور ان کاغذوں' کپڑوں اور باریک کھالوں پر جو لکھا ہوا تھا وہی صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا کیونکہ وہ ابتداء سے نازل ہونے والے قرآن کو حفظ کر رہے تھے اور انہوں نے تیئس سال سے لگا تار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا مشاہدہ کیا تھا' اس لیے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ اس میں کوئی غلط چیز شامل ہو گی' ہاں اس کا خطرہ تھا کہ اس میں سے کوئی چیز رہ نہ جائے اس لیے انہوں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ قرآن مجید کو جمع کیا۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۲۹-۲۸ ملخصاً' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

الطور: ۴ میں فرمایا: اور بیت المعمور کی قسم ○

''البیت المعمور'' کا معنی اور اس کی تاریخ

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اور ان کے شارح علامہ احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ اسماعیل بن محمد قونوی متوفی ۱۱۹۵ھ ''بیت المعمور'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''البیت المعمور'' کا لفظی معنی ہے: آباد شدہ گھر' اس سے مراد کعبہ ہے' کیونکہ لوگ اس کا قصد کرتے ہیں اور حج کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں نے اس کو آباد کیا ہے۔ قاضی بیضاوی نے سورۂ توبہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے: زمین میں میرے گھر مساجد ہیں اور ان کی زیارت کرنے والے ان کو آباد کرنے والے ہیں' اور اس کو آباد کرنے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس کو قندیلوں اور فرش سے مزین کیا جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''البیت المعمور'' ساتویں آسمان میں ہے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک بار داخل ہوتا ہے وہ دوبارہ قیامت تک نہیں داخل ہوتا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۶۸)

امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ اور یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ ہر آسمان میں زمین کے کعبہ کے مقابل ایک بیت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''البیت المعمور'' آسمان میں ہے اس کو ''الضراح'' (دور اور بلند) کہتے ہیں' یہ ''بیت الحرام'' کی مثل اور اس کی سیدھ میں ہے' اگر وہ اوپر سے گرے تو کعبہ کے اوپر گرے گا اس میں ہر روز ایسے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جنہوں نے اس سے پہلے اس کو نہیں دیکھا اور اس کی آسمان میں ایسی حرمت ہے جیسی مکہ کی حرمت ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۸۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے اسحاق بن بشر ابو حذیفہ وہ متروک الحدیث ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۴' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

قاضی بیضاوی نے آل عمران کی تفسیر میں کہا ہے کہ "البیت المعمور" کعبہ کی جگہ پر تھا اس کا نام "الضراح" تھا' فرشتے اس کا طواف کرتے تھے' جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا حج (قصد) کریں اور اس کا طواف کریں اور جب طوفانِ نوح آیا تو اس کو چوتھے آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہاں فرشتے اس کا طواف کرتے تھے' اور حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ "البیت المعمور" ساتویں آسمان میں ہے یہ اس کے منافی نہیں ہے' کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ہر آسمان میں کعبہ کے مقابل ایک بیت ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں جو کعبہ کی جگہ "البیت المعمور" تھا اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور وہ چوتھے آسمان میں ہے' اسی طرح امام ازرقی نے "تاریخ مکہ" میں لکھا ہے' لیکن یہ عبارت قاضی بیضاوی کی اس تحریر کے خلاف ہے کہ "البیت المعمور" کو طوفانِ نوح کے وقت چوتھے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا' اور ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی اور روایت ہو' نیز "البیت المعمور" بھی متعدد ہیں۔

(عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۰۶' حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۲۳۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

"البیت المعمور" کے مصداق اور اس کے مقام کے متعلق احادیث' آثار اور مفسرین کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ "البیت المعمور" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الماوردی نے بیان کیا ہے کہ "البیت المعمور" چوتھے آسمان میں ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چوتھے آسمان میں لے جایا گیا سو ہمارے لیے "البیت المعمور" کو بلند کیا گیا پس وہ کعبہ کی سیدھ میں تھا اگر وہ گرے تو کعبہ پر گرے گا' اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جب وہ اس سے نکل آئیں تو پھر دوبارہ داخل نہیں ہوتے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

القشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "البیت المعمور" آسمانِ دنیا میں ہے۔

ابوبکر الانباری نے کہا: ابن الکواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ "البیت المعمور" کیا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ایک بیت (گھر) ہے' اس کو "الضراح" کہا جاتا ہے' "آسمان میں ایک گھر ہے اور وہی "البیت المعمور" ہے' اس کے معمور (آباد) ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کو فرشتوں نے بھر رکھا ہے۔

المہدوی نے کہا: "البیت المعمور" عرش کے موازی اور محاذی ہے اور "صحیح مسلم" میں حضرت مالک بن صعصعہ سے معراج کی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میرے لیے "البیت المعمور" بلند کیا گیا جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے "البیت المعمور" کی طرف اپنی پشت سے ٹیک لگائی ہوئی تھی اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ نہیں آتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے پندرہ بیت ہیں' سات آسمانوں میں ہیں اور سات زمینوں میں ہیں اور کعبہ ہے اور یہ تمام بیت کعبہ کے بالمقابل ہیں۔

حسن بصری نے کہا: "البیت المعمور" کعبہ ہے اور یہ "البیت الحرام" ہے جو لوگوں سے آباد ہے' اللہ تعالیٰ اس میں ہر سال چھ لاکھ آدمی بھر دیتا ہے اور اگر لوگ کم ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کمی کو فرشتوں سے پوری کر دیتا ہے اور یہ وہ پہلا بیت

(گھر) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے زمین پر رکھا۔

الربیع بن انس نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں ''البیت المعمور'' کعبہ کی جگہ پر تھا' پھر جب حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس کا حج کرنے کا حکم دیا' سو لوگوں نے اس کا انکار کیا اور نافرمانی کی پھر جب طوفانی لہریں بلند ہوئیں تو ''البیت المعمور'' کو زمین سے اٹھا کر آسمانِ دنیا پر اسی کی مقابل جگہ پر رکھ دیا گیا' پھر ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کو آباد کرتے ہیں پھر وہ اس میں دوبارہ نہیں آئیں گے حتیٰ کہ صور پھونک دیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ''البیت المعمور'' کی جگہ کعبہ کو گھر بنا دیا' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ○ (الحج:۲۶)

اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے البیت (عبادت کا گھر) بنانے کی جگہ مقرر کردی کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور قیام کرنے والوں کے لیے اور رکوع کرنے والوں کے لیے اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا○

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفانِ نوح کی ویرانی کے بعد سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ سب سے پہلی مسجد جو زمین پر بنائی گئی وہ مسجد حرام ہے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۰)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۵۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الطور: ۵ میں فرمایا: اور بلند چھت کی قسم○

اس بلند چھت سے مراد آسمان ہے' آسمان کو چھت اس لیے فرمایا کہ وہ زمین کے لیے ایسا ہے جیسے گھر کے لیے چھت ہوتی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ (الانبیاء: ۳۲) ہم نے ہی آسمانوں کو محفوظ چھت بنایا ہے۔

الطور: ۶ میں فرمایا: اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم○

''البحر المسجور'' کے معنی اور مصداق میں اقوالِ مفسرین

اس آیت میں ''مسجور'' کا لفظ ہے یہ ''سجر'' سے بنا ہے' ''سجر'' کا معنی ہے: تنور کو ایندھن سے گرم کرنا' ''سجر الماء النھر'' کا معنی ہے: پانی کا دریا کو بھرنا' ''سجر البحر'' کا معنی ہے: سمندر کا جوش مارنا' ''سجر الماء'' کا معنی ہے: پانی جاری کرنا' ''سجر التنور'' کا معنی ہے: تنور کو ایندھن سے بھر کر گرم کرنا۔ (المنجد اردو ص ۴۵۷)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''سجرت التنور'' کا معنی ہے: تنور کو آگ سے بھڑکایا' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ (التکویر: ۶) اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے○

ایک قول یہ ہے کہ سمندر کا پانی زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور اس میں آگ بھڑکا دی جائے گی۔

ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ○ (المؤمن: ۷۲) اور پھر کفار دوزخ کی آگ میں جلائے جائیں گے○

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: "المسجور" کا معنی ہے: "الموقد" (جلایا گیا) حدیث میں ہے: سمندر قیامت کے دن آگ بن جائے گا۔

قتادہ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: "المملوء" (بھرا ہوا) یعنی قیامت کے دن سمندر آگ سے بھرا ہوا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا: جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا: سمندر میں حضرت علی نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ وہ صادق ہے اور یہ آیات تلاوت فرمائیں: "وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝" (الطور: ۶) "وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝" (التکویر: ۶)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سمندر کے پانی سے اس لیے وضو نہیں کیا جاتا کہ وہ جہنم کا ایک طبقہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "المسجور" اس حوض کو کہتے ہیں جس کا پانی خشک ہو گیا ہو ایک عورت حوض سے پانی بھرنے کے لیے گئی تو کہنے لگے: "الحوض مسجور" حوض کا پانی خشک ہو چکا ہے۔

ابومکین کہتے ہیں: میں نے عکرمہ سے "البحر المسجور" کا معنی پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ عرش کے نیچے سمندر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ عرش کے نیچے بہت گاڑھا پانی ہے اس کو "بحر الحیوان" کہتے ہیں پہلے صور کے چالیس سال بعد اس سے بارش ہو گی اور لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۵۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سمندر کا سفر صرف وہی شخص کرے جو حج کرنے والا ہو یا عمرہ کرنے والا ہو یا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۹ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ سمندر تہ در تہ ہے اور سمندر کی آفتوں کا اس میں سفر کرنے والوں تک پہنچنے کا خطرہ ہے اور جو شخص آگ کے قریب ہو اس کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ سمندر کی آفات ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار آ رہی ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی کسی فانی غرض کے لیے سمندر کے سفر کو اختیار کرنا بے وقوفی اور جہالت ہے کیونکہ اس میں جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور جان کو خطرہ میں ڈالنا صرف اللہ کے قرب کو حاصل کرنے کے لیے محمود ہے۔

(حاشیۃ ابن التجید علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۲۳۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ فی الحال سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن ان میں آگ بھڑک اٹھے گی اور حضرت علی کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اس جگہ ہوگی جیسا کہ "صحیح بخاری" اور "جامع ترمذی" کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے۔

عذاب کی وعید پورا کرنے پر دلائل

الطور: ۸۔۷ میں فرمایا: بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا O اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے O

یہ آیت قسم کا جواب ہے یعنی پہاڑ طور اور لکھے ہوئے قرآن "البیت المعمور" بلند چھت اور بھڑکائے ہوئے سمندر

کی قسم! اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کو عذاب کی جو وعید سنائی ہے وہ ضرور پوری ہوگی اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ پہنچا تا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں بات کروں' میں آپ کے پاس گیا' اس وقت آپ اپنے اصحاب کو مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور آپ کی آواز مسجد سے باہر آ رہی تھی' اس وقت آپ پڑھ رہے تھے: ''**والطور' الٰی قولہ' ان عذاب ربک لواقع مالہ من دافع**'' گویا ان آیتوں نے میرا دل چیر ڈالا اور اس وقت سب سے پہلے میرے دل میں اسلام داخل ہوا اور میں عذاب نازل ہونے کے خوف سے اسی وقت اسلام لے آیا اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ (اگر میں اسلام نہ لایا تو) میں عذاب نازل ہونے سے پہلے یہاں سے اٹھ سکوں گا۔

ہشام بن حسان بیان کرتے ہیں کہ میں اور مالک بن دینار حسن بصری کے پاس گئے' وہاں اس وقت ایک شخص یہ آیات پڑھ رہا تھا' جب وہ اس آیت پر پہنچا: ''**ان عذاب ربک لواقع**'' تو حسن بصری اور ان کے اصحاب رونے لگے اور مالک بن دینار غش کھا کر گر پڑے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۲۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

پہاڑ طور' لکھی ہوئی کتاب (قرآن مجید) ''**البیت المعمور**'' وغیرہ عذاب کے وقوع پر اس لیے دلالت کرتے ہیں کہ یہ اُمور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال' اس کی حکمت' اس کی خبروں کے صدق اور بندوں کے اعمال کے علم اور ضبط پر دلالت کرتے ہیں تا کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جزاء دے اور بدکار بندوں کو سزا دے سکے۔

علامہ خفاجی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بلند آسمان اور پہاڑ اور سمندر اس کی قدرت کے کمال پر دلالت کرتے ہیں اور یہ امور اس کی حکمت کے کمال پر بھی دلالت کرتے ہیں کیونکہ ان مصنوعات میں اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب حکمتیں ہیں اور حجاج بیان کرتے چلے آئے ہیں کہ کعبہ اور بیت اللہ حج کرنے والوں' عمرہ کرنے والوں' نمازیوں اور اعتکاف کرنے والوں سے بھرا ہوا رہتا ہے' یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے صادق ہونے کی دلیل ہے اور صحائفِ اعمال میں اور لوحِ محفوظ میں تمام انسانوں کے اعمال محفوظ اور منضبط ہیں جن کی بناء پر جزاء اور سزا دی جائے گی اور آپ کے رب کا وہ عذاب واقع ہوگا جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۰۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن آسمان بہت کانپ رہا ہوگا○ اور پہاڑ بہت تیزی سے چل رہے ہوں گے○ اس دن مکذبین کے لیے عذاب ہوگا○ جو بے ہودہ مشغلہ میں کھیل رہے ہیں○ جس دن ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل کر لایا جائے گا○ یہی وہ دوزخ کی آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے○ کیا یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھ نہیں رہے○ اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ' پھر خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو○ یہ تمہارے لیے برابر ہے' تم کو ان ہی کاموں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے○

(الطور: ۱۶۔۹)

قیامت کی کیفیات

الطور: ۹ میں ''**تمور**'' کا لفظ ہے اس کا مصدر ''**مور**'' ہے' اس کا معنی ہے: لرزنا' کانپنا' گھومنا' چکر لگانا اور حرکت کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آسمان قیامت کے دن اپنی چیزوں سمیت کانپ رہا ہوگا اور لرز رہا ہوگا۔

الطور: ۱۰ میں فرمایا: اور پہاڑ بہت تیزی سے چل رہے ہوں گے○

مقاتل نے کہا: پہاڑ جس جگہ پر نصب ہیں وہاں سے اکھڑ کر چلیں گے حتیٰ کہ زمین کے ہموار ہو جائیں گے۔ قرآن مجید

میں ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط (النمل: ۸۸)

(اے مخاطب!) تو پہاڑوں کو دیکھ کر یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ (قیامت کے دن) وہ بھی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی ریزہ ریزہ کر کے روئی کے گالوں کی طرح اڑا دینے پر قادر ہے۔

کفار کے عذاب کے احوال

الطور: ۱۲۔۱۱ میں فرمایا: اس دن مکذبین کے لیے عذاب ہوگا O جو بے ہودہ مشغلہ میں کھیل رہے ہیں O

اس آیت کے شروع میں "ویل" کا لفظ ہے جو شخص عذاب میں ہلاک ہونے والا ہو اس کے لیے "ویل" کا لفظ کہا جاتا ہے۔

نیز فرمایا: وہ کھیل رہے ہیں یعنی وہ باطل کام میں تردد کر رہے ہیں اور ان کا تردد اور تفکر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب میں غور وفکر کرنا ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ دنیا کی رنگینیوں اور اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل کرنے والی چیزوں میں مشغول ہیں اور وہ قیامت کے دن کی پرسش اعمال اور حساب وکتاب اور جزاء اور سزا کو یاد نہیں کرتے۔

الطور: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: جس دن ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل کر لایا جائے گا O یہی وہ دوزخ کی آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے O

یعنی ان کو بہ زور جہنم کی طرف دھکا دیا جائے گا۔ جہنم کے محافظین ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق میں اپنے ہاتھ ڈال کر ان کو کھینچیں گے اور ان کی پیشانیوں کو ان کے قدموں کے ساتھ باندھ دیں گے پھر ان کو گھسیٹ کر منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیں گے پھر ان سے محافظین کہیں گے: یہی وہ دوزخ ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

الطور: ۱۵ میں فرمایا: کیا یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھ نہیں رہے O

یہ سوال ان کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے کیا گیا ہے یعنی جس دوزخ کو اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو یہی وہی ہے جس کو تم دنیا میں دیکھ نہیں سکتے تھے اور نہ اس کے متعلق سوچ سکتے تھے۔

الطور: ۱۶ میں فرمایا: اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ پھر خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو یہ تمہارے لیے برابر ہے تم کو ان ہی کاموں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے O

دوزخ کے محافظین ان سے یہ بات کہیں گے کہ اب تم دوزخ میں داخل ہو کر اس کی گرمی کو چکھو خواہ تم اس عذاب کو برداشت کر سکو یا نہ کر سکو خواہ تم اس عذاب پر آہ وفغاں کا اظہار کرو اور بے چینی اور بے قراری کا اظہار کرو یا صبر وسکون کے ساتھ اس عذاب کو برداشت کرو تمہیں کوئی چیز نفع نہیں دے گی اور تم کو تمہاری بداعمالیوں کی سزا مل کر رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے O اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہو رہے ہوں گے اور ان کا رب انہیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا O (ان سے کہا جائے گا:) خوشی سے کھاؤ اور پیو یہ ان نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم کرتے تھے O وہ صف بہ صف تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے ہم ان کا نکاح کشادہ چشم گوری عورتوں سے کر دیں گے O (الطور: ۲۰۔۱۷)

متقین کے درجات

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کی آخرت کے احوال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں مؤمنین اور متقین کی آخرت کے احوال بیان فرمائے ہیں اور عتاب کے بعد ثواب کا ذکر فرمایا ہے تا کہ ترہیب کے بعد ترغیب اور خوف کے بعد رجاء کا امر مکمل ہو جائے' متقین کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ کفر اور شرک کو ترک کرنے والے ہوں' دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ گناہ ہائے کبیرہ کو ترک کرنے والے ہوں' تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ گناہ ہائے صغیرہ کو ترک کرنے والے ہوں' چوتھا درجہ یہ ہے کہ وہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کاموں کو ترک کرنے والے ہوں اور پانچواں درجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس طرح منہمک اور مستغرق ہوں کہ اس کے ماسوا کو ترک کر دیں اور تمام نیک کاموں کو اس کی اور اس کے رسول معظم کی محبت میں ڈوب کر کریں اور جنت ہر چند کہ عیش اور سرور کی جگہ ہے لیکن باغ میں رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باغ کی نعمتوں اور لذتوں سے فیض یاب بھی ہو کیونکہ باغ کا محافظ بھی باغ میں ہوتا ہے لیکن وہ باغ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز نہیں ہوتا' اس لیے فرمایا کہ متقین جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے یعنی جنت کی نعمتوں سے لذت حاصل کر رہے ہوں گے۔

الطور: ۱۸ میں فرمایا: اپنے رب کی نعمتوں سے خوش ہو رہے ہوں گے اور ان کا رب انہیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا O

اس آیت میں ''فاکھین'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: وہ خوش ہو رہے ہوں گے اور جنت کی نعمتوں سے محظوظ ہو رہے ہوں گے'' فاکھۃ'' پھلوں اور میووں کو کہتے ہیں' اس کا معنی یہ بھی ہے کہ ان کو بہ کثرت پھل اور میوے حاصل ہوں گے اور ان کے خوش ہونے کی دو وجہیں ہیں: ایک وجہ تو ان کو جنت اور نعمتوں کا ملنا ہے اور دوسری وجہ ان کا دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنا ہے۔

الطور: ۲۰۔۱۹ میں فرمایا: ان سے کہا جائے گا: خوشی سے کھاؤ اور پیؤ یہ ان نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم کرتے تھے O وہ صف بہ صف تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے' ہم ان کا نکاح کشادہ چشم گوری عورتوں سے کر دیں گے O

اللہ تعالیٰ آخرت میں متقین کو جو نعمتیں عطا فرمائے گا ان آیتوں میں ان نعمتوں کے اسباب کا ترتیب وار ذکر فرمایا ہے' سب سے پہلے انسان کو رہنے کی جگہ اور مسکن کی ضرورت ہوتی ہے اور آخرت میں متقین کا مسکن جنت ہے' اس لیے پہلے متقین کے لیے جنتوں کا ذکر فرمایا' پھر پیٹ بھرنے کے لیے کھانے پینے کی اور لیٹنے کے لیے بستر اور بچھونے کی ضرورت ہوتی ہے پھر لذت اندوزی کے لیے بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان چاروں چیزوں کا ترتیب وار ذکر فرمایا' مسکن کے لیے جنتوں کا ذکر فرمایا اور کھانے پینے کے لیے'' فاکھین '' پھلوں اور میووں کا ذکر فرمایا اور بستر کے لیے'' سرر '' تختوں کا ذکر فرمایا اور بیویوں کے لیے'' حور عین'' حوروں کا ذکر فرمایا۔ اور یہ فرمایا کہ وہ خوشی کے ساتھ کھائیں گے اور پئیں گے' اس میں یہ بتایا کہ ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں دنیاوی خرابیاں نہیں ہوں گی' ان کے کھانے پینے کی چیزیں دیر تک رکھنے سے باسی اور بدبودار نہیں ہوں گی' وہ چیزیں کبھی ختم نہیں ہوں گی' ان کو زیادہ مقدار میں کھانے سے بدہضمی نہیں ہو گی' نہ ان کے کھانے سے کوئی بیماری ہو گی' کھانے کے حصول میں کوئی مشقت اور تھکاوٹ ہو گی نہ کوئی گناہ ہو گا' گوشت اور سبزیوں کو پکانا اور گلانا نہیں پڑے گا' کھانے اور پینے کے بعد بول و براز اور بدبودار ریح کا عارضہ نہیں ہو گا۔

نیز فرمایا: یہ تمہارے ان نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے' یہ نیک کام درحقیقت جنت میں دخول کا سبب نہیں ہیں' جنت میں تو اللہ سبحانہٗ اپنے فضل سے داخل فرمائے گا اور یہ نیک اعمال جنت میں داخل ہونے کا ظاہری اور صوری

سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مؤمنوں پر احسان ہے کہ اس نے ان کو ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی' قرآن مجید میں ہے:

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ (الحجرات:۱۷) بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ وہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت دیتا ہے۔

کافروں کی جزاء اور مؤمنوں کی جزاء میں امام رازی کی نکتہ آفرینی

امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے:

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (التحریم:۷) تم کو صرف اُس عمل کی جزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے ○

اور مؤمنین کے متعلق فرمایا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الطور:۱۹) خوشی سے کھاؤ اور پیو یہ ان نیک کاموں کی جزاء ہے جو تم کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مؤمنوں دونوں کی جزاء کا ذکر فرمایا ہے' کیا ان جزاؤں میں کوئی فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں بہت زیادہ فرق ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) کفار کی جزاء کے ساتھ "انما" کا ذکر فرمایا ہے جو حصر کا کلمہ ہے یعنی ان کو صرف یہی جزاء دی جائے گی' اس کے برخلاف مؤمنوں کی جزاء کے ساتھ "انما" نہیں فرمایا کیونکہ مؤمن کو اللہ تعالیٰ صرف اس کے عمل کی جزا نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل سے اس کو اس کے عمل کے استحقاق سے بہت زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر جو احسان فرمائے گا وہ صرف جنت میں کھلانے پلانے کا احسان نہیں ہوگا۔

(۲) مؤمنوں کے متعلق فرمایا ہے: "بما کنتم" یعنی تمہارے نیک اعمال کے سبب سے اور کافروں کے متعلق فرمایا ہے: "ماکنتم" یعنی تم کو بعینہ تمہارے اعمال کی جزاء دی جائے گی اور مؤمنوں کے متعلق جو فرمایا ہے اس کا معنی ہے: تم کو تمہارے اعمال کے سبب سے دائماً جزاء ملتی رہے گی۔

(۳) کفار کے متعلق جزاء کا ذکر ہے اور مؤمنوں کے متعلق فرمایا: "بما کنتم تعملون" کفار کے ساتھ جزاء کا ذکر کرکے یہ ظاہر فرمایا کہ کفار کو جو کچھ جزاء دینی تھی وہ دے دی جائے گی اور بس' کیونکہ جزاء کا مطلب یہی ہوتا ہے اس کا جو کچھ معاوضہ تھا یہی ہے اور مؤمنوں کے ساتھ جزاء کا ذکر نہیں فرمایا یعنی ان کو ان کے نیک اعمال پر بہت زیادہ اجر ملتا رہے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ مؤمنوں کو ثواب عطا کرنے کے ذکر میں بھی جزاء کا ذکر فرمایا ہے' جیسا کہ یہ آیت ہے:

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الاحقاف:۱۴) یہ اہل جنت ہیں جو ہمیشہ جنت میں رہیں گے یہ ان کے ان نیک اعمال کی جزاء ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے ○

اس کا جواب یہ ہے کہ مؤمنوں کے لیے جہاں بھی جزاء کے لفظ کا ذکر کیا ہے وہ غائب کے صیغہ سے ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان کا اجر دائمی ہوگا اور منقطع نہیں ہوگا اور مؤمنوں کے لیے خطاب کے صیغہ کے ساتھ جزاء کا ذکر نہیں ہے جب کہ کافروں کے لیے خطاب کے صیغے کے ساتھ جزاء کا ذکر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۰۷-۲۰۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی نکتہ آفرینی پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے مؤمن اور کافر کی جزاء میں تین وجوہ سے فرق کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر اور مؤمن دونوں کی جزاء کو اجر وثواب پر محمول کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے پہلے فرق کی وجہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ کافر کو صرف اس کے عمل کی جزاء دی جائے گی اور مؤمن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے عمل سے زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور دوسرے فرق کی وجہ میں ذکر کیا کہ کافر سے فرمایا: تم کو بعینہٖ تمہارے اعمال کی جزاء دی جائے گی اور مؤمن کے متعلق "بما کنتم" فرمایا ہے یعنی تم کو تمہارے اعمال کے سبب سے دائماً جزاء ملتی رہے گی اور تیسرے فرق کی وجہ میں یہ ذکر کیا کہ کافر کو جو جزاء دینی تھی وہ دے دی جائے گی اور بس! اور مؤمن کو اجر وثواب ملتا رہے گا۔

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے کیونکہ کافر کے لیے جب جزاء کا لفظ قرآن میں آتا ہے تو وہ اجر وثواب کے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ سزا اور عذاب کے معنی میں ہوتا ہے اس کے برخلاف مؤمن کے لیے جزاء کا لفظ قرآن مجید میں اجر وثواب کے معنی میں ہوتا ہے' کافر کے لیے جزاء کا لفظ سزا اور عذاب کے معنی میں ہوتا ہے' اس کی مثال حسب ذیل آیتوں میں ہے:

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۗ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الطور: ۱۶)
اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ پھر خواہ تم صبر کرو یا نہ کرو' یہ تمہارے لیے برابر ہے' تم کو ان ہی کاموں کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۖ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (التحریم: ۷)
آج تم عذر پیش نہ کرو' تم کو صرف ان ہی کاموں پر سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے ○

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○ (یونس: ۱۳)
ہم اسی طرح مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں ○

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ (الانعام: ۱۳۸)
عنقریب اللہ ان مشرکوں کو ان کے افتراء کی سزا دے گا ○

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○ (یونس: ۵۲)
پھر ظالموں سے کہا جائے گا: اب تم دائمی عذاب چکھو تم کو صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم دنیا میں کرتے تھے ○

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ. (الاحقاف: ۲۰)
آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی اس سبب سے کہ تم تکبر کرتے تھے۔

نیز امام رازی نے دوسرے فرق کے بیان میں کہا ہے کہ مؤمنوں کے لیے فرمایا ہے: "بما کنتم" اور کافروں کے لیے فرمایا ہے: "ما کنتم" یہ بھی صحیح نہیں ہے' الانعام: ۱۳۸ میں کافروں کے لیے بھی فرمایا ہے: "سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○" اور الاحقاف: ۲۰ میں فرمایا ہے: "فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ"۔

امام رازی نے تیسرے فرق کے بیان میں یہ کہا ہے کہ مؤمنین کے لیے جزاء کا ذکر خطاب کے صیغہ کے ساتھ نہیں ہے' یہ درست ہے لیکن یہ تینوں فرق اس بنیاد پر ہیں کہ کفار کو بھی آخرت میں ان کے (نیک) اعمال پر اجر دیا جائے گا جب کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے' کفار کو آخرت میں ان کے کسی عمل پر کوئی اجر نہیں دیا جائے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ (الفرقان: ۲۳)
اور کافروں نے اپنے زعم میں جو بھی (نیک) کام کیے ہم اس کا قصد کر کے اس کو فضا میں بکھرے ہوئے غبار کے باریک ذرے

بنا دیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والوں کو اور ان کی اس اولاد کو جس نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ایمان والوں کے عمل سے کوئی کمی نہیں کریں گے' ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ گروی ہے O اور ہم ان کو ایسے پھل اور گوشت مسلسل عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ طلب کریں گے O وہ جنت میں شراب کے جام کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ کوئی گناہ O ان کے خدام ان کے گرد پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ پوشیدہ موتی ہیں O (الطور: ۲۴۔۲۱)

مؤمنوں کے ایمان کی وجہ سے ان کی نابالغ اولاد کو جنت میں داخل کرنے کے متعلق احادیث' آثار اور اقوالِ تابعین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الطور: ۲۱ کے معنی میں چار روایات ہیں:

(۱) النحاس نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مؤمن کی اولاد کو اس کے ساتھ جنت کے درجہ میں بلند کرے گا' خواہ مؤمن کی اولاد کا عمل اس سے کم ہوتا کہ اولاد کو اپنے ساتھ جنت میں دیکھ کر مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' پھر حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل مؤمن کی اولاد کو مؤمن کے ساتھ اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا خواہ اس کی اولاد کا عمل اس کے برابر نہ ہوتا کہ اولاد کی وجہ سے مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۶۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۴۸۔۱۲۲۴۹۔۱۲۲۴۰۔۱۲۲۴۱۔۱۲۲۴۲)

ابوجعفر نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع روایت ہے اور اسی طرح واجب ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس اس کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روایت کر سکتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں اللہ عزوجل کے فعل کی خبر دی ہے۔

زمخشری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے انواع واقسام کی خوشیاں جمع کر دے گا' مؤمنین خود کامیاب ہو کر جنت میں پہنچیں گے' پھر ان کا کشادہ چشم حوروں سے نکاح کر دیا جائے گا اور جنت میں وہ اپنے دیگر مؤمن بھائیوں سے مانوس ہوں گے اور ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ جنت کے اسی درجہ میں ہوگی۔

المہدوی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے ساتھ اس کی نابالغ اولاد کو ملا دے گا۔

ذریت کا اطلاق چھوٹی اور بڑی اولاد دونوں پر ہوتا ہے' اگر ذریت سے مراد یہاں نابالغ اولاد ہو تو ''بایمان'' دونوں مفعولوں سے حال ہوگا اور اس کا وہی معنی ہوگا جو ہم پہلے کر چکے ہیں اور اگر ذریت سے مراد بڑی اولاد ہو تو ''بایمان'' دونوں فاعلوں سے حال ہوگا اور اس کا معنی ہوگا کہ مؤمنوں کی جو اولاد ایمان لانے میں ان کی پیروی کرے گی وہ ان کے ساتھ جنت میں ہوگی۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اس آیت میں ایمان والوں سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں اور ذریت سے مراد تابعین ہیں' اور ان سے ایک اور روایت یہ ہے کہ اگر آباء کا درجہ بلند ہو تو اللہ تعالیٰ ابناء کو آباء کے درجہ میں رکھ دے گا اور اگر ابناء کا درجہ زیادہ بلند ہو تو اللہ تعالیٰ آباء کو ابناء کے درجہ میں رکھ دے گا' پھر آباء ذریت کے لفظ میں داخل ہو جائیں گے جیسا کہ اس آیت میں آباء ذریت میں داخل ہیں:

وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ (یٰسٓ: ۴۱)

اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کے آباء کو (یعنی نسل انسانی کے آباء کو) بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ۝

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان میں سے ایک شخص اپنے ماں باپ' اپنی بیوی اور اپنی اولاد کے متعلق سوال کرے گا' تو اس سے کہا جائے گا: انہوں نے وہ درجہ نہیں پایا جو تمہیں حاصل ہے' پس وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اپنے لیے بھی عمل کیا ہے اور ان کے لیے بھی عمل کیا ہے' پھر یہ حکم دیا جائے گا کہ ان کو اس کے درجے کے ساتھ ملا دیا جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۴۸' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۴۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الرحمان بن غزوان' ضعیف راوی ہے۔)

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان والدین کے متعلق سوال کیا جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے آپ نے فرمایا: وہ دونوں دوزخ میں ہیں' جب آپ نے میرے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو فرمایا: اگر تم ان کی جگہ دیکھ لو تو تم ان سے بغض رکھوگی' انہوں نے سوال کیا: میری جو اولاد آپ سے ہوئی ہے؟ فرمایا: وہ جنت میں ہے' پھر فرمایا: بے شک مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں ہے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ (الطور: ۲۱)

اور ایمان والوں کو اور ان کی اس اولاد کو جس نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ایمان والوں کے عمل سے کوئی کمی نہیں کریں گے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۰۷۷' المعجم الکبیر ج ۱۶ ص ۲۳' علامہ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۱۳)

یعنی ہم اولاد کی عمر کم ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کریں گے اور نہ اولاد کو آباء کے ساتھ ملانے کی وجہ سے آباء کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی کریں گے اور ''ھم'' کی ضمیر ایمان والوں یعنی آباء کی طرف راجع ہے۔

ابن زید نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: ہم ایمان والوں کے ساتھ ان کی نابالغ اولاد کو ملا دیں گے جو ابھی عمل کرنے کی عمر کو نہیں پہنچے اور ''ھم'' کی ضمیر ذریت کی طرف راجع ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ گروی ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اہل دوزخ کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کو دکھایا کہ اہل جہنم اپنے اعمال کے ساتھ ہیں اور اہل جنت اپنی نعمتوں کے ساتھ ہیں' اس لیے فرمایا: ہر شخص اپنے اعمال کے ساتھ گروی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۶۳۔ ۶۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مؤمنوں کی بالغ اور کافر اولاد ان کے ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگی

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

باپ کی شفقت اپنی اولاد پر جس طرح دنیا میں بہت زیادہ ہوتی ہے اسی طرح آخرت میں بھی اس کی شفقت اولاد پر بہت زیادہ ہوگی' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا دل اس طرح خوش کیا کہ وہ آباء کو جنت میں اولاد سے الگ نہیں کرے گا بلکہ ان کو جنت میں جمع کر دے گا' اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر بیٹا بڑا ہو کر کافر ہو جائے تو پھر باپ کی شفقت

کا تقاضا کیوں پورا نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کا رشتہ ایمان کی وجہ سے قائم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' (الحجرات:۱۰)۔

مؤمنین آپس میں بھائی ہیں' سو جب بیٹا کفر کو اختیار کرے تو اس کا مسلمان شخص سے ولدیت اور شفقت کا رشتہ منقطع ہو گیا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جب اسلام نہیں لایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ . (ھود:۴۶)

فرمایا: اے نوح! وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے' اس کے اعمال نیک نہیں ہیں۔

اولاد پر شفقت کرنے کی ترغیب

اس آیت میں آباء کے لیے یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنی اولاد پر شفقت کو ترک نہ کرے اور یہ بہت بُری بات ہے کہ انسان اپنے دوستوں کے ساتھ عیش و عشرت میں وقت گزارے اور اپنے احباب کو خوب کھلائے اور پلائے اور اس کی اولاد فاقے کر رہی ہو اور جب کہ انسان جنت میں حوروں کے ساتھ داد عیش دے رہا ہو پھر بھی وہ اپنی اولاد کو اپنی نعمتوں میں شریک کرتا ہے تو اس کو دنیا میں بھی اپنی اولاد کو فراموش نہیں کرنا چاہیے تو اس فاسق شخص کے متعلق تمہارا کیا گمان ہوگا جو اپنے مال کو حرام کاموں اور ناجائز عیاشیوں میں صرف کرے اور اس کی اولاد بھیک مانگ رہی ہو؟ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنی اولاد کو حلال مال کا وارث بنائے تو اس کے اس عمل کو صدقہ میں شمار کیا جاتا ہے' اسی وجہ سے بیمار آدمی کو صرف اس کے تہائی مال میں صدقہ اور خیرات کی اجازت دی گئی ہے اور باقی دو تہائی مال کو وارثوں کے لیے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دنیا کا دارالاسباب اور آخرت کا دارالمسببات ہونا

نیز اس آیت میں فرمایا: ان کی جس اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی۔

خواہ مؤمنوں کی اولاد نے ان کی مثل نیک کام نہ کیے ہوں' ہم پھر بھی ان کی اولاد کو جنت میں ان کے درجہ میں داخل کر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنوں کی اولاد کو بغیر نیک اعمال کے اور بغیر کسی سبب ظاہر کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا جب کہ دنیا میں اعم اور اغلب طور پر بغیر سبب کے کوئی کام نہیں ہوتا' یہی وجہ ہے کہ ہم کو بغیر سبب کے رزق نہیں ملتا' طعام کے حصول کے لیے ہم کو زمین میں ہل چلانا' بیج ڈالنا' کھیت میں پانی ڈالنا اور دیگر اسباب فراہم کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر ہم روٹی پکا سکتے ہیں' آسمان سے روٹیاں نہیں برستیں اور جنت میں ہم کو کوئی کام کیے بغیر نہ صرف روٹی' سالن بلکہ اور بھی بہت انواع و اقسام کی کھانے پینے کی نعمتیں ملیں گی' اس سے معلوم ہوا کہ یہ دنیا دارالاسباب ہے اور آخرت میں ان اسباب کے مسببات مرتب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد کو ایمان میں اپنے آباء کے تابع کیا ہے اور آباء کو اولاد کے کفر میں ان کے تابع نہیں کیا' اسی وجہ سے اگر کوئی کافر اسلام لے آئے تو اس کی نابالغ اولاد کو بھی مسلمان قرار دیا جاتا ہے اور اگر معاذ اللہ کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی نابالغ اولاد کو مرتد نہیں قرار دیا جاتا۔

نیز فرمایا ہے: ہم ان مؤمنوں کے عمل میں کوئی کمی نہیں کریں گے' یعنی مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کم عملوں پر اپنے فضل سے جو زیادہ اجر عطا فرمایا تھا وہ اسی طرح اپنے حال پر باقی رہے گا اور آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو جنت میں ان کے درجہ میں داخل کرنے سے ان کے عمل اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

نابالغ اولاد کا بھی اپنے مسلمان ماں باپ کو جنت میں لے جانا اور کسی شخص کو اس کے غیر کے عمل سے فائدہ پہنچنا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور احادیث میں یہ بھی ہے کہ نابالغ اولاد کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو وہ اس مسلمان کو جنت میں داخل کر دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ان بچوں پر رحمت اور اس کا فضل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۰۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خواتین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں وعظ کرنے کے لیے ایک دن مقرر کر دیجئے' سو آپ نے ان کو وعظ کیا اور فرمایا: جس عورت کے بھی تین (نابالغ) بچے فوت ہو گئے' وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گے' ایک عورت نے کہا: اگر دو ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: دو بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۴۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۵۸۹۷)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے' حضرت ابوہریرہ نے کہا: وہ بچے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۰۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے بھی تین (نابالغ) بچے فوت ہوں گے وہ دوزخ میں صرف اللہ کی قسم پوری کرنے کے لیے داخل ہوگا' امام بخاری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے: "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا" (مریم:۷۱) تم میں سے ہر شخص دوزخ میں داخل ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۳۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۶۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۸۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نیک بندے کا جنت میں مرتبہ بلند فرماتا ہے' وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! مجھے یہ مرتبہ کیسے مل گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہاری اولاد کے استغفار کرنے کی وجہ سے۔

حافظ ابن کثیر نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۶۶' دارالفکر' بیروت) شیخ قنوجی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح البیان ج ۶ ص ۴۳۵)

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۶ ص ۳۵۶۔ رقم الحدیث:۱۰۶۱۰' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۹۶۔ ج ۳ ص ۳۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۶۶۰' مسند البزار رقم الحدیث:۳۱۴۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۵۱۰۴' سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۹۔ ۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے (۱) صدقۂ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۸۸۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۶۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۳۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲)

قرآن مجید کی اس آیت (الطور:۲۱) اور مذکور الصدر احادیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ انسان کو اس کے غیر کا عمل بھی فائدہ پہنچاتا ہے اسی وجہ سے مسلمان اپنے رشتہ داروں کو اپنے نیک اعمال کا ثواب پہنچاتے ہیں' اس کی زیادہ تحقیق اور تفصیل ہم

ان شاء اللہ النجم: ۳۹ میں بیان کریں گے۔

جنت کے پھلوں اور گوشت کی صفات

الطور: ۲۲ میں فرمایا: اور ہم ان کو ایسے پھل اور گوشت مسلسل عطا کرتے رہیں گے جن کو وہ طلب کریں گے O

اس آیت میں "امددنھم" مذکور ہے اس کا مادہ "مد" ہے "مد" کا معنی ہے: کھینچنا "امداد" کا استعمال اکثر پسندیدہ چیزوں میں ہوتا ہے اور "مد" کا استعمال ناپسندیدہ چیزوں میں ہوتا ہے۔

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

"امداد" کا معنی ہے: موت کو مؤخر کرنا' کسی دوسری جماعت سے تمہاری مدد کرنا' عطا کرنا' فریاد رسی کرنا۔

(القاموس المحیط ص ۳۱۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت ۱۴۲۴ھ)

اس کے بعد اس آیت میں "فاکھۃ" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: ہر قسم کے پھل اور میوے "ولحم" اس کا معنی ہے: گوشت۔

یعنی خواہ وہ صراحۃً طلب نہ کریں جن کھانے پینے کی چیزوں کی ان کو خواہش ہوگی وہ ہم ان کو عطا کرتے رہیں گے اور ہم ان کو وقتاً فوقتاً ہر قسم کی نعمتیں عطا کرتے رہیں گے' اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ہم ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں کریں گے' اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید ان کو بہ قدر استحقاق اجر ملتا رہے گا اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ہم ان کو بہت زیادہ اجر دیتے رہیں گے جو ان کے اعمال سے کہیں زیادہ ہوگا ان کو بہ کثرت پھل عطا کریں گے' وہ ایک پھل کھا چکیں گے تو اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا اور ہر پھل کا ذائقہ الگ الگ ہوگا۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے: جب تم جنت میں کسی پرندے کو کھانے کی خواہش کرو گے تو وہ بھنا ہوا پرندہ تمہارے سامنے آجائے گا' ایک قول یہ ہے کہ وہ پرندہ اس کے سامنے گر جائے گا وہ اس کا بھنا ہوا گوشت کھائے گا' پھر وہ پرندہ اڑتا ہوا دریا میں چلا جائے گا۔

(روح البیان ج ۹ ص ۲۳۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اہل جنت کے مخمور ہونے کی کیفیات

الطور: ۲۳ میں فرمایا: وہ جنت میں شراب کے جام کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ کوئی گناہ O

اس آیت میں "کاس" کا لفظ ہے "کاس" شراب کے برتن کو کہتے ہیں اور ہر وہ برتن جو کسی مشروب سے بھرا ہوا ہو اس کو "کاس" کہتے ہیں' اس میں فرمایا ہے: وہ اس پر جھپٹ رہے ہوں گے' یعنی مؤمنین' ان کی بیویاں اور ان کے خدام ان مشروبات کو لا رہے ہوں گے۔

اس شراب کے متعلق فرمایا: اس میں کوئی بے ہودگی نہیں ہوگی یعنی اس شراب کے پینے کے بعد ان پر نشہ طاری نہیں ہوگا' ان کی عقل ماؤف نہیں ہوگی اور وہ ہوش وخرد سے بے گانے نہیں ہوں گے کہ اس شراب کو پی کر وہ اول فول باتیں کریں اور نہ وہ کوئی گناہ کا کام کریں گے اور نہ اس کے نشہ میں جھوٹ بولیں گے۔

اہل جنت شراب پی کر ایسے کام نہیں کریں گے جن کی وجہ سے ان کو گناہ کی طرف منسوب کیا جائے' جیسا کہ عام لوگ دنیا میں شراب پی کر جھوٹ بولتے ہیں' گالیاں دیتے ہیں' فحش کام کرتے ہیں اور اہل جنت' جنت کی شراب پی کر حکمت کی باتیں کریں گے اور عمدہ کلام کریں گے کیونکہ ان کی عقلیں اور ہوش وحواس قائم ہوں گے جس طرح دنیا میں اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی

محبت اور معرفت کے نشہ میں مخمور ہوتے ہیں اور وہ معارف اور حقائق کی باتیں کرتے ہیں۔ علامہ بقلی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جس شراب کے پیالوں کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا: وہ اس شراب کے پیالوں پر جھپٹ رہے ہوں گے' اس کا معنی ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے مزید قرب کے شوق میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہوں گے اور وہ شراب ایسی ہے جیسی دنیا میں اہل اللہ معرفت کی شراب پیتے ہیں اور جو بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے والے ہوتے ہیں ان کا حال عام دنیا داروں کی طرح نہیں ہوتا اور کبھی اہل معرفت خواب مین کھاتے پیتے ہیں اور اس کھانے پینے کی طاقت اور توانائی وہ بیداری میں بھی اپنے جسم میں محسوس کرتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزے رکھے تو صحابہ نے بھی وصال کے روزے رکھنے شروع کر دیئے اور وہ ان پر دشوار ہو گئے تو آپ نے ان کو وصال کے روزے (جن میں نہ افطار ہے نہ سحر) رکھنے سے منع فرمایا' انہوں نے کہا: آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل نہیں ہوں' مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۶۰)

اس سے مراد یہ ہے کہ کھانے پینے کا جو ثمرہ ہوتا ہے وہ آپ کو حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ثمرہ یہ ہے کہ آپ کو بھوک اور پیاس نہ لگے اور کھانے اور پینے سے جو قوت اور توانائی حاصل ہوتی ہے وہ آپ کو حاصل ہو جائے۔ اسی طرح بعض اہل اللہ بھی خواب میں کھاتے پیتے ہیں اور بیداری میں اس کھانے پینے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اور ان کو بھوک پیاس نہیں لگتی' جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن (کامل) کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۸۔۵۰۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے سو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی ہوگا' لوگوں پر یہ بات دشوار ہوئی تو آپ نے فرمایا: مسلمان کا خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

غلمان کی صفات اور ان کے مصادیق

الطور: ۲۴ میں فرمایا: ان کے خدام ان کے گرد پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ پوشیدہ موتی ہیں O

یعنی وہ خدام پھلوں' میووں' کھانے پینے کی چیزوں اور دیگر تحائف لے کر اہل جنت کے گرد پھر رہے ہوں گے اور اس کی دلیل ان آیات میں ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ (الزخرف: ۷۱) — ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا۔

يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ O (الصّٰفّٰت: ۴۵) — ان کے گرد شراب کا جام گردش میں لایا جائے گا O

بہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں غلمان سے مراد اہل جنت کے خدام ہیں' ایک قول یہ ہے کہ غلمان سے مراد ان کے وہ بچے ہیں جو ان سے پہلے جنت میں پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بچوں سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دوسروں کے بچوں کو اللہ تعالیٰ اہل جنت کا خادم بنا دے گا' اور ایک قول یہ ہے کہ غلمان سے مراد وہ بچے ہیں جو جنت

میں پیدا کیے گئے اور ان کی جسامت اور نشو ونما میں اضافہ نہیں ہوگا' وہ اسی طرح رہیں گے اور بڑے نہیں ہوں گے۔
اور وہ غلمان اپنی خوب صورتی اور چمک دمک میں ایسے ہوں گے جیسے صدف (سیپی) میں موتی ہوتا ہے اور ''مکنون'' کا معنی ہے: وہ ہر قسم کے شر سے محفوظ ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ (الواقعہ: ۱۷) ان کے گرد ایسے لڑکے گردش کریں گے جو ہمیشہ لڑکپن میں رہیں گے ۝

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین کی اولاد ہے اور وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے' جنت میں کسی کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوگی اور نہ خدمت کی ضرورت ہوگی' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اہل جنت بہت شان وشوکت سے رہیں گے اور ان کے لیے خدام کا ہونا ان کی عزت افزائی کے لیے ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں سے ادنیٰ درجہ کا وہ شخص ہوگا جو اپنے خدام میں سے کسی خادم کو آواز دے گا تو اس کے ایک ہزار خادم ''لبیک لبیک'' کہیں گے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۸۳ 'الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۲۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں سے ہر شخص کی خدمت میں ایک ہزار غلام ہوں گے اور ہر غلام اپنے مالک کے حکم پر عمل کرنے کے لیے کمربستہ ہوگا۔

حسن بصری نے اس آیت کی تلاوت کر کے کہا: صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! جب اہل جنت کے خدام موتیوں کی طرح چمک دار ہوں گے تو مخدوم کے حسن کا کیا عالم ہوگا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ایک شخص نے کہا: یا نبی اللہ! یہ خادم کا حال ہے تو مخدوم کی کیا شان ہوگی۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۲۹۴ 'داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کے احوال دریافت کریں گے ۝ وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوف زدہ رہتے تھے ۝ پس اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا ۝ بے شک ہم اس سے پہلے اللہ ہی کو پکارتے تھے' بے شک وہ بہت احسان فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (الطور: ۲۸۔۲۵)

اہل جنت کا باہمی مکالمہ

حضرت ابن عباس نے فرمایا: الطور: ۲۵ میں جو ایک دوسرے سے حال پوچھنے کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ قبروں سے نکلیں گے تو ایک دوسرے سے اس کا حال دریافت کریں گے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت میں ایک دوسرے سے حال معلوم کریں گے اور کہیں گے کہ وہ دنیا میں اپنی عاقبت کے متعلق بہت فکر مند اور پریشان رہتے تھے اور انہوں نے دنیا میں بہت محنت' مشقت اور تھکاوٹ میں وقت گزارا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خوف کو ان سے دور کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے یہ دریافت کریں گے کہ انہوں نے آخرت کے اس عظیم الشان مرتبہ کو کیسے پالیا؟

الطور: ۲۶ میں فرمایا: وہ کہیں گے: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں خوف زدہ رہتے تھے ۝
یعنی دنیا میں ہمیں اللہ کے عذاب کا خوف رہتا تھا' ہم اپنے گناہوں سے ڈرتے تھے' نہ جانے کس خطا پر گرفت کی جائے' کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں دوزخ میں ڈال دیا جائے' خدا جانے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی یا نہیں اور ہماری

مغفرت ہو سکے گی یا نہیں؟

الطور: ۲۷ میں فرمایا: (وہ کہیں گے:) پس اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیاO

یعنی اللہ سبحانہٗ نے ہماری مغفرت کر دی اور ہم کو جنت عطا کر دی اور دنیا میں ہمیں گناہوں سے توبہ کرنے اور نیک کام کرنے کی توفیق دی۔ اس آیت میں ''سموم'' کا لفظ ہے' ''سموم'' دوزخ کا ایک نام ہے اور دوزخ کا طبقہ ہے اور ''سموم'' گرم ہوا کو بھی کہتے ہیں۔

الطور: ۲۸ میں فرمایا: (وہ کہیں گے:) بے شک ہم اس سے پہلے اللہ ہی کو پکارتے تھے' بے شک وہ بہت احسان فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہےO

یعنی ہم دنیا میں یہی کہتے تھے کہ بے شک وہ ہماری خطاؤں اور تقصیرات کو معاف فرما دے گا' اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝۲۹ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

سو آپ نصیحت کرتے رہیے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنونO یا وہ (کفار) کہتے ہیں کہ

شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝۳۰ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ

یہ شاعر ہیں ہم ان پر مصائب زمانہ (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیںO آپ کہیے: تم انتظار کرتے رہو' میں بھی تمہارے

الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝۳۱ؕ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝۳۲ۚ

ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوںO آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیںO

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ۚ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ

یا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی طرف سے قرآن کو گھڑ لیا ہے' بلکہ وہ ایمان نہیں لا رہےO اگر وہ سچے ہیں تو اس قرآن سے

اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝۳۴ؕ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۳۵ؕ

ایسی کوئی بات (آیت) بنا کر لے آئیںO کیا وہ بغیر کسی سبب کے پیدا ہو گئے یا وہ خود خالق ہیںO

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝۳۶ؕ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ

کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے' بلکہ وہ یقین نہیں کرتےO کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے

رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝۳۷ؕ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ

ہیں یا وہی (ان پر) حاکم ہیںO کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ سن لیتے ہیں تو ان سننے والوں کو

مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ

چاہیے کہ وہ اس پر کوئی واضح دلیل پیش کریں O کیا اس (اللہ) کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے ہیں! O کیا آپ ان

اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں O یا ان کے پاس غیب ہے سو وہ لکھ رہے ہیں O

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ

یا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں سو کفار خود اپنے دھوکے کا شکار ہیں O کیا اللہ کے سوا کوئی

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا

اور ان کی عبادت کا مستحق ہے، اللہ اس سے پاک ہے جس کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O اور اگر وہ آسمان کا کوئی

مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى

ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو وہ کہیں گے کہ یہ تو اوپر تلے بادل ہیں O سو آپ ان کو (ان کے حال پر)

يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ

چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس دن کو پالیں جس میں ان کو بے ہوش کر دیا جائے گا O جس دن ان کی سازش ان کے

كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا

کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O اور بے شک ان ظالموں کے لیے اس عذاب (آخرت)

دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ

کے علاوہ ایک اور عذاب ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O اور (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب

رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ

کے حکم پر ثابت قدم رہیں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں O اور

مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

رات کے ایک حصہ میں بھی اس کی تسبیح کریں اور (صبح کو) ستاروں کے چھپنے کے وقت O

ع ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ نصیحت کرتے رہیے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون O یا وہ (کفار) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان پر مصائبِ زمانہ (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں O آپ کہیے کہ تم انتظار کرتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں O یا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی طرف سے قرآن کو گھڑ لیا ہے بلکہ وہ ایمان نہیں لا رہے O اگر وہ سچے ہیں تو وہ اس قرآن ایسی کوئی بات (آیت) بنا کر لے آئیں O (الطّور: ۳۴۔۲۹)

آپ کو کاہن اور مجنون کہنے کا رد

یہ بات معلوم ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر نزولِ عذاب سے ڈرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ O (قٓ: ۴۵)　　آپ ان کو قرآن سے ڈرائیے جو میری وعید سے ڈرتے ہیں O

اس لیے فرمایا: سو آپ نصیحت کرتے رہیے کیونکہ آپ کی نصیحت ٹھوس حقائق اور سچی خبروں پر مبنی ہے آپ کی نصیحت میں اٹکل پچو پر مشتمل اور جھوٹی باتیں نہیں ہیں جیسی باتیں کاہن اور مجنون کرتے ہیں کاہن وہ ہوتے ہیں جو بغیر وحی کے غیب کی اور مستقبل کی باتیں محض اندازے اور اٹکل پچو سے بیان کرتے ہیں اور مجنون وہ ہوتے ہیں جو بے تکی اور اول فول باتیں کرتے ہیں اور آپ پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وحی نازل ہوتی ہے اور آپ کاہن یا مجنون نہیں ہیں۔

اس آیت میں عقبہ بن ابی معیط اور ولید بن مغیرہ کا رد ہے انہوں نے آپ کو مجنون کہا تھا اور شیبہ بن ربیعہ نے آپ کو ساحر کہا تھا۔

''ریب المنون'' کا معنی اور آپ کو شاعر کہنے کی توجیہ

الطّور: ۳۰ میں فرمایا: یا وہ (کفار) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان پر مصائبِ زمانہ (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں O

''ریب المنون'' کا معنی ہے: حوادثِ روزگار یا موت۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سورۃ الطّور کی اس آیت کے سوا قرآن میں ہر جگہ ''ریب'' کا معنی شک ہے اور اس آیت میں ''ریب المنون'' کا معنی موت ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ ''ریب المنون'' کا معنی حوادثِ روزگار ہے۔ اصمعی نے کہا: ''المنون'' کا معنی ہے: رات اور دن کیونکہ رات اور دن یعنی وقت کا گزرنا عمر کو کم کرتا ہے اور اجل کو قریب لاتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: دہر کو منون کہتے ہیں کیونکہ دہر ضعف لانے والا ہے اور ''منون'' کا معنی ضعف ہے کمزور رسی کو ''حبل منین'' کہتے ہیں۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار آپ کو کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں وہ آپ کو شاعر اس لیے کہتے تھے کہ عرب شعر کی ایذاء سے پرہیز کرتے تھے اور اپنی زبانوں کو اشعار کہنے سے بچاتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک شعر دائماً باقی رہتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم ان سے معارضہ نہیں کرتے کہیں وہ شعر کی قوت سے ہم پر غالب نہ آ جائیں ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم صبر کرتے ہیں اور ان کی موت کا انتظار کرتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا دین برحق ہے اور میں جس شریعت کو لے کر آیا ہوں وہ قیامت تک باقی رہے گی کفار نے کہا: اس طرح نہیں ہے یہ تو صرف شاعر ہیں اور ہمارے بتوں کی مذمت میں یہ جو کچھ

کہتے ہیں وہ محض اشعار ہیں اور ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہے اور ہمارے بتوں کو بُرا کہنے کی وجہ سے عنقریب ان پر مصائب ٹوٹ پڑیں گے' سو ہم ان پر آنے والے مصائب کا انتظار کر رہے ہیں۔

الطور: ۳۱ میں فرمایا: آپ کہیے کہ تم انتظار کرتے رہو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O

کافروں کو آپ کی موت کا انتظار کرنے کا حکم دینے کی توجیہ

آپ کی موت کا انتظار کرنا یا آپ پر مصائب آنے کا انتظار کرنا حرام ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی موت یا آپ پر مصائب کے انتظار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا یہ حکم اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس پر عمل کریں بلکہ یہ حکم زجر و توبیخ اور تہدید کے لیے ہے' جیسے مالک اپنے ملازم سے غضب ناک ہو کر کہے: تو جو دل چاہے کر' میں تجھ سے غافل نہیں ہوں اور یہ امر توہین کرنے کے لیے ہے جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں فلاں شخص سے تمہاری شکایت کر دوں گا' تو وہ جواب میں کہے: جا! جا کر کر دے شکایت۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس کو شکایت کرنے کا حکم دے رہا ہے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس فلاں شخص کو کیا سمجھتا ہوں' وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے اور اس کلام سے اس کا مقصد اس فلاں شخص کی تحقیر اور توہین کرنا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں' اس کا معنی یہ ہے کہ میں بھی تمہارے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہا ہوں اور کفار اور مشرکین جنگِ بدر اور دیگر غزوات میں ہلاک کر دیئے گئے۔ اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میری موت کا انتظار کرتے رہو اور میں تم پر عذاب آنے کا انتظار کر رہا ہوں اور اگر ''ریب المنون'' کا معنی حوادثِ زمانہ ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ پر حوادث کے آنے کا انتظار کرتے رہو اور میں تمہاری توقع پوری نہ ہونے کا انتظار کر رہا ہوں کیونکہ میرا اعتقاد ہے کہ دہر اور زمانہ کے حوادث میں کوئی تاثیر نہیں ہے اور مؤثر صرف اللہ عزوجل ہے اور اس کے سوا کوئی مؤثر نہیں ہے۔

''احلام'' کا لغوی اور عرفی معنی

الطور: ۳۲ میں فرمایا: آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں O

اس آیت میں ''احلام'' کا لفظ ہے' یہ ''حلم'' کی جمع ہے۔ امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

جب انسان کا نفس غضب کے وقت جوش میں آئے اس وقت غصہ کو ضبط کرنے اور نفس کو کنٹرول میں رکھنے کو ''حلم'' کہتے ہیں اور اس کی جمع ''احلام'' ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ . (الطور: ۳۲) یا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں۔

کہا گیا ہے کہ ''احلام'' کا معنی عقول ہے لیکن اس کی توجیہ یہ ہے کہ حلم کا سبب عقل ہے اور عقل والے غصہ کے وقت عقل سے کام لیتے ہیں سو اس آیت میں ذکر مسبّب کا ہے اور اس سے ارادہ سبب کا کیا ہے یعنی عقل کا' اس اعتبار سے ''احلام'' کا معنی عقول ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۷۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ ''احلام'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''احلام'' ''حلم'' کی جمع ہے اور اس کا معنی عقل ہے اور عقل ہی انسان کو ضبط اور کنٹرول میں رکھتی ہے' لہٰذا عاقل اس بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے جو اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا اور حلم بھی عقل کے آثار سے ہے اور حلم انسان کے وقار اور اس

کے ثبات کے آثار سے ہے' نیز عقل کا معنی منع کرنا ہے' اسی وجہ سے دیات کو عقول کہا جاتا ہے کیونکہ دیت انسان کو ایسی جارحیت کے ارتکاب سے روکتی ہے اور منع کرتی ہے جس کے ارتکاب کے بعد انسان کو بعد میں تاوان ادا کرنا پڑے اور اس میں ایک لطیف معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ حلم اصل لغت میں اس خواب کو کہتے ہیں جو سونے والا دیکھتا ہے پھر اس کو انزال ہو جاتا ہے اور اس پر غسل لازم آتا ہے اور یہ بلوغ کا سبب ہے اور اسی وقت انسان مکلف ہوتا ہے اور گویا کہ اللہ تعالیٰ اپنی لطیف حکمت سے اس کی شہوت کو عقل کے ساتھ مقرون کر دیتا ہے اور جب اس کی شہوت کا ظہور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عقل کو کامل کر دیتا ہے سو عقل کی طرف حلم سے اشارہ کیا' تاکہ معلوم ہو جائے کہ عقل کامل انسان کو بُرے کاموں سے ڈرانے والی ہے اور عقل ہی کی وجہ سے انسان مکلف ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۱۴۔ ۲۱۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی یہ تحقیق کہ کفار کی عقلیں نہیں ہیں اور اس پر مصنف کا تبصرہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ''احلامھم'' سے مراد ان کے اذہان ہیں کیونکہ کافر کو عقل نہیں دی جاتی' اس لیے کہ اگر اس کی عقل ہوتی تو وہ ایمان لے آتا' کافر کو صرف ذہن دیا جاتا ہے اور وہ اس پر حجت ہے اور ذہن فی الجملۃ علم کو قبول کرتا ہے اور عقل علم کی تمیز رکھتی ہے اور مقداروں کا اندازہ کرتی ہے اور امر اور نہی کی حدود کا ادراک کرتی ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: فلاں نصرانی شخص کتنا عقل مند ہے' آپ نے فرمایا: چپ کرو! کافر میں کوئی عقل نہیں ہوتی' کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی:

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ (الملک: ۱۰)　　کفار نے کہا: اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے ○

حکیم ابوعبداللہ ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ڈانٹا' پھر فرمایا: چھوڑو! عاقل وہ شخص ہے جو اللہ کی اطاعت کے ساتھ عمل کرے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۶۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کفار کی عقل نہیں ہوتی اور الطور: ۳۲ میں کفار کی عقل کا ثبوت ہے' پھر ان کی عقل کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ اگر کفار کی عقل نہ ہوتی تو ان کو مکلف کرنا صحیح نہ ہوتا' اگر ان کی عقل نہ ہوتی تو وہ کس چیز سے تدبر اور تفکر کرتے اور کس چیز سے مکر اور سازشیں کرتے؟ اور الملک: ۱۰ میں کفار کی عقل کی نفی نہیں ہے' بلکہ عقل کے تقاضے پر عمل کرنے کی نفی ہے' گویا کافروں نے کہا: اگر ہم غور سے سنتے اور عقل کے تقاضے پر عمل کرتے تو دوزخی نہ ہوتے۔ اور حکیم ترمذی کی روایات بعض اوقات بے اصل یا موضوع ہوتی ہیں اور بر تقدیر تسلیم ان میں مطلق عقل کی نفی نہیں ہے بلکہ عقل سلیم کی نفی ہے۔

نیز قرآن مجید میں کفار کے متعلق ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۔ (الاعراف: ۱۷۹)　　ان کے قلوب (عقول) ہیں لیکن وہ ان سے سمجھتے نہیں ہیں۔

اور منافقین کے متعلق ہے:

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (الفتح: ۱۵)　　بلکہ وہ (منافقین) بہت کم سمجھتے ہیں ○

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کفار اور منافقین کی عقلیں ہیں لیکن وہ ان سے بالکل کام نہیں لیتے یا بہت کم کام لیتے ہیں' اور

اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل نہ دی ہوتی تو ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام نہ ہوتی' قیامت کے دن کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم تجھ پر اور تیرے رسول پر اس لیے ایمان نہیں لائے کہ ہمارے پاس عقل تھی ہی نہیں' اس لیے علامہ قرطبی کا یہ نقل کرنا صحیح نہیں ہے کہ کفار کی عقل نہیں ہوتی۔

کفار کے ہذیان کا محرک ان کی عقل ہے یا ان کی سرکشی

اس آیت میں فرمایا ہے: آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں۔ اس حکم سے مراد کیا ہے اور اس میں کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) کافروں کے اقوال اور افعال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں تو اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ آیا ان کی عقلیں انہیں بت پرستی کا حکم دیتی ہیں یا وہ لوگ سرکش ہیں' یعنی اپنی سرکشی سے بت پرستی کرتے ہیں۔

(۲) انہوں نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا کہ آپ کاہن اور شاعر ہیں یا مجنون ہیں تو اس قول کا حکم ان کی عقلوں نے دیا تھا یا یہ اپنی سرکشی سے ایسا کہتے ہیں۔

(۳) کفار نے کہا تھا کہ ہم آپ کی موت کا یا آپ پر مصائب روزگار کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں تو اس قول کا حکم ان کی عقلوں نے دیا یا انہوں نے اپنی سرکشی سے ایسا کہا۔

''تقوّل'' کا معنی

الطور: ۳۳ میں فرمایا: یا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی طرف سے قرآن کو گھڑ لیا ہے بلکہ وہ ایمان نہیں لا رہے O

یعنی کفار نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور شاعر کہا تھا اس سے ان کا یہی مطلب تھا کہ آپ نے قرآن مجید کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے' اس آیت میں ان کے اسی قول کا رد ہے۔

اس آیت میں ''تقوّله'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''تقوّل'' ہے' اس کا معنی ہے: تکلف سے کوئی بات کہنا اور اس کا زیادہ استعمال جھوٹی بات کہنے میں ہوتا ہے' ''فلان تقول علیه'' فلاں شخص نے اس پر جھوٹ باندھا۔

کفار اپنے کفر اور عناد کی وجہ سے آپ پر جھوٹ باندھنے کی تہمت لگا رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کے ثبوت میں فرمایا تھا کہ اگر یہ قرآن کسی انسان کا کلام ہے تو تم بھی انسان ہو تم اس کی نظیر بنا کر لے آؤ' اور تمام دنیائے عرب اس کی نظیر لانے سے عاجز رہی بلکہ پوری دنیا آج تک اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں قرآن مجید میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ معجزات ہیں

الطور: ۳۴ میں فرمایا: اگر وہ سچے ہیں تو وہ اس قرآن ایسی کوئی بات (آیت) بنا کر لے آئیں O

یعنی اگر تمہارے زعم کے مطابق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں تو تمہارے اندر بھی بڑے بڑے شعراء اور بلغاء اور بہت زیرک کاہن موجود ہیں' جو فی البدیہہ بڑے بڑے خطبے دیتے ہیں اور قصائد کہتے ہیں سو تم بھی اس قرآن مجید کی مثل کوئی بات یا کوئی آیت لے کر آ جاؤ' یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ بہ کثرت معجزات پیش کرتے تھے جن کا کفار اور مشرکین خود مشاہدہ کرتے تو چاہیے یہ تھا کہ وہ بعد میں آنے والوں لوگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور صداقت کو بیان کرتے' اس کے برعکس انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور حق کو ماننے کے بجائے اس کا انکار کیا۔

بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: تم اس قرآن کی مثل کوئی بات یا آیت لے آؤ' تو یہ امر تعجیز کے لیے ہے'

یعنی اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان کو یہ حکم دیا ہے کہ تم ضرور قرآن مجید کی مثل کوئی بات لے آؤ' کیونکہ وہ اس کی مثل کوئی چیز لا ہی نہیں سکتے' اس لیے اس آیت کا مقصد ان کے عجز کو ظاہر کرنا ہے۔ امام رازی نے اس سے اختلاف کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کی تکذیب کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً یہ نہیں فرمایا کہ اس کی مثل کوئی آیت لاؤ' بلکہ فرمایا: اگر تم سچے ہو تو اس کی مثل کوئی بات لے کر آؤ' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے مقصود ان کے کذب کو ظاہر کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ وہ قرآن مجید کو شعر و شاعری قرار دینے کے دعویٰ میں جھوٹے ہیں اور قرآن مجید میں جو حکم کفار کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے دیا گیا ہے اس کی مثال یہ آیت ہے:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدائی کے مدعی نمرود کی خدائی کو باطل کرنے کے لیے فرمایا:

فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ (البقرہ: ۲۵۸)

بے شک اللہ سورج کو مشرق کی جانب سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب کی جہت سے نکال کر دکھا تو اس کافر کے ہوش اُڑ گئے۔

ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید معجز ہے' اس کی کسی ایک سورت یا کسی ایک بات کی مثل لانے کا چیلنج دیا گیا' اسلام کے مخالفین دنیا میں بہت زیادہ ہیں اور علوم و فنون میں بھی دن بہ دن ترقی ہو رہی ہے' اس کے باوجود کوئی بڑے سے بڑا مخالف آج تک قرآن مجید کی کسی سورت بلکہ کسی آیت کی بھی مثل نہیں لا سکا' اسلام کو جھٹلانے کے لیے اگر وہ ایسا کر سکتے تو ضرور کر لیتے اور جب اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ایسا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ قرآن اپنے بے نظیر ہونے کے دعویٰ میں سچا ہے اور یہ جھوٹے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ○ (الحجر: ۹)

بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ○

یعنی ہم قرآن مجید کی حفاظت کرنے والے ہیں کہ اس میں سے کوئی چیز کم نہیں ہو گی اور چودہ سو سال گزر چکے ہیں' قرآن مجید سے آج تک کوئی آیت کم نہیں ہوئی اور یہ قرآن مجید کا دوسرا معجزہ ہے:

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ○ (حم السجدۃ: ۴۲)

قرآن مجید میں باطل (غیر قرآن) نہ سامنے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے یہ (قرآن) بے حد حکمت والے اور بہت کمالات والے کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ○

یعنی قرآن مجید میں کسی غیر قرآن الفاظ کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا اور چودہ سو سال گزر چکے ہیں آج تک قرآن مجید میں کسی لفظ کا اضافہ نہیں ہو سکا اور یہ قرآن مجید کا تیسرا معجزہ ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی چھ ہزار سے زیادہ آیات ہیں اور ہر آیت میں تین معجزے ہیں' نہ کسی آیت کی مثل کوئی بنا سکتا ہے' نہ کسی آیت سے کوئی کمی کی جا سکتی ہے' نہ کسی آیت میں کوئی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ایک قرآن مجید میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ معجزات ہیں' دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے ساتھ جاتے رہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت اور آپ کی شریعت کا چونکہ قیامت تک ماننا ضروری ہے اس لیے آپ کے معجزات بھی قیامت تک قائم اور ثابت ہیں' نیز اگر کسی یہودی یا عیسائی کو حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت اور ''تورات'' اور ''انجیل'' میں شک ہو جائے تو اس کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے اور ان کی اصل زبان میں بھی ان کی کتابیں موجود نہیں کیونکہ یہ کتابیں عبرانی زبان میں نازل ہوئیں تھیں اور

عبرانی زبان اب دنیا میں موجود نہیں رہی اور جب ان کتابوں کا خود اپنا وجود ثابت نہیں ہے تو ان کتابوں سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے دنیا میں مبعوث ہونے اور ان کی نبوت اور رسالت کب ثابت ہو سکتی ہے؟ اور اگر خدانخواستہ کسی مسلمان کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی بعثت میں شک ہو جائے تو اس کے ازالہ کے لیے قرآن مجید میں اٹھارہ ہزار سے زائد دلائل اور معجزات موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ بغیر کسی سبب کے پیدا ہو گئے یا وہ خود خالق ہیں O کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین نہیں کرتے O کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہی (ان پر) حاکم ہیں O کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ سن لیتے ہیں تو ان سننے والوں کو چاہیے کہ وہ اس پر کوئی واضح دلیل پیش کریں O کیا اس (اللہ) کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے ہیں! O کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں O یا ان کے پاس علم غیب ہے سو وہ لکھ رہے ہیں O یا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں سو کفار خود اپنے دھوکے کا شکار ہیں O کیا اللہ کے سوا کوئی اور ان کی عبادت کا مستحق ہے؟ اللہ اس سے پاک ہے جس کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O

(الطور: ۴۳-۳۵)

اللہ کی اطاعت اور عبادت نہ کرنے پر مشرکین کو ملامت

حضرت ابن عباس نے فرمایا: (الطور: ۳۵) کا معنی ہے: کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے ان کو پیدا کیا ہے؟ ابن عطاء نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہو گئے ہیں اور وہ جمادات کی طرح ہیں ان میں عقل نہیں ہے اور اللہ کی ان پر کوئی حجت نہیں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں۔

ابن کیسان نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا وہ بغیر کسی مقصد کے عبث پیدا کیے گئے ہیں اور ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟

یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کر لیا ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مانتے ہیں اور نہ ان پر عمل کرتے ہیں اور جب وہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (الزخرف: ۸۷)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے) تو پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں O

پس جب وہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کو پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے تو پھر وہ یہ اقرار کیوں نہیں کرتے کہ ان کی عبادت کا مستحق صرف وہی واحد لاشریک ہے اور وہ یہ اقرار کیوں نہیں کرتے کہ وہ ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور ان سے دنیا کے اعمال کا حساب لے گا۔

الطور: ۳۶ میں فرمایا: کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین نہیں کرتے O

واقع میں ایسا نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ وہ حق کا یقین نہیں کرتے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک لہ ہونے کا یقین نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے محامل

الطور: ۳۷ میں فرمایا: کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہی (ان پر) حاکم ہیں O

یعنی کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے مستغنی ہیں اور اس

کے احکام سے اعراض کرتے ہیں؟
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ کے رب کے خزانوں سے مراد ہے: بارش اور رزق کے خزانے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے رب کی رحمت کے خزانے۔ عکرمہ نے کہا: نبوت کے خزانے' یعنی کیا آپ کے رب کا پیغام پہنچانے اور اس کی رسالت کے خزانے ان کے پاس ہیں کہ یہ جس کو چاہیں رسول بنائیں اور جس کو چاہیں رسول نہ بنائیں؟ خزانہ اس کوٹھڑی کو کہتے ہیں جس میں انواع و اقسام کے مختلف ذخائر جمع کر کے رکھے جاتے ہیں اور جو چیزیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہیں اس میں ہر جنس کی چیزیں ہیں اور ان کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

''المسیطر'' کا معنی

نیز اس آیت میں فرمایا: ''المسیطرون'' حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی ہے: جبر کرنے والے' نیز اس کا معنی ہے: کسی چیز کو باطل کرنے والے' اور اس کا معنی ہے: ''المتولون'' کسی چیز میں تصرف کرنے والے اور اس کے منتظم' عطاء نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا وہ آپ کے رب کے خزانوں پر تصرف کرنے والے ہیں؟ ابوعبیدہ نے صحاح سے نقل کیا ہے کہ کیا وہ آپ کے رب کے خزانوں پر مسلّط ہیں؟ یعنی ان خزانوں پر تصرف کرتے ہیں اور ان کا انتظام کرتے ہیں'' مسیطرون'' سے مراد وہ فرشتے ہیں جو لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی چیز کی حفاظت کرتے ہیں' یعنی کیا مشرکین لوحِ محفوظ کی حفاظت کرنے والے ہیں؟
الطور: ۳۸ میں فرمایا: کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ سن لیتے ہیں؟ تو ان سننے والوں کو چاہیے کہ وہ اس پر کوئی واضح دلیل پیش کریں O
یعنی کیا وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان تک چڑھنے کا کوئی ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے وہ آسمان تک پہنچ کر آسمان کی خبریں حاصل کر لیں گے اور علم غیب تک ان کی رسائی ہو جائے گی جیسا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعہ علم غیب حاصل کرتے ہیں اور اگر ان کا یہ دعویٰ برحق ہے تو وہ اس پر کوئی دلیل پیش کریں۔ اس آیت میں ''سُلَّم'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: سیڑھی۔

اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کو ثابت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے

الطور: ۳۹ میں فرمایا: کیا اس (اللہ) کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے ہیں O
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی حماقت پر متنبہ کیا ہے اور ان کو ڈانٹ پلائی ہے کہ تم اپنے لیے بیٹیوں کو باعث عار سمجھتے ہو اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں مانتے ہو اور جو لوگ اس حد تک حماقت کو پہنچے ہوئے ہوں ان سے یہ کب بعید ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور حشر ونشر کا انکار کر دیں۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی نفی اور مشرکین کے عقیدہ شرک کے باطل ہونے کی طرف بہت بلیغ اشارہ فرمایا ہے کہ کسی شخص کو اپنا شریک وہ شخص بناتا ہے جو اکیلا کوئی کام کرنے یا بنانے سے عاجز ہو اور اللہ سبحانہٗ ہر کام کو کرنے اور ہر چیز کو بنانے پر قادر ہے تو اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مشرکین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہم ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کے افعال میں شریک نہیں کہتے' ہم ان بتوں کی اس لیے تعظیم کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کا یہ جواب اس لیے باطل ہے کہ کسی شخص کے لیے بیٹوں اور بیٹیوں کو اس لیے پیدا کیا جاتا ہے کہ اس شخص کا فنا ہونا اور اس کا مرنا ممکن ہے' پس اگر توالد اور تناسل کا سلسلہ قائم نہ ہو تو پھر انسان کی نسل ختم ہو جائے گی اور اس کی نسل کو باقی رکھنے کے لیے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نسل انسانی کو قائم اور جاری رکھنے کے لیے توالد اور تناسل کو ذریعہ بنایا اور یہی وجہ ہے

کہ جنت میں اولاد پیدا ہونے کا سلسلہ نہیں ہوگا کیونکہ جنت دارالبقاء ہے اور وہاں لوگوں کے آباء پر موت نہیں آئے گی حتیٰ کہ لوگوں کی اولاد کو پیدا کیا جائے اور جب یہ واضح ہوگیا کہ اولاد اس صورت میں ہوتی ہے جب کسی شخص کی موت کا امکان ہو اور اللہ تعالیٰ تو حیّ اور قیوم ہے' اس پر موت نہیں آسکتی' قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ (القصص: ۸۸) اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن: ۲۷۔۲۶) زمین پر ہر ایک فنا ہونے والا ہے○ اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت اور عزت والی ہے○

اللہ سبحانہٗ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس پر موت نہیں آئے گی اور وہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس میں کوئی تغیر اور کسی قسم کے ضعف کا آنا ممکن نہیں ہے' اس لیے اس کو اولاد کی مطلقاً حاجت نہیں ہے جو اس کی قائم مقام ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں مانتے ہیں اور خود اپنے لیے بیٹے مانتے ہیں حالانکہ بیٹیوں کا وجود ان کے زیادہ لائق ہے' کیونکہ بیٹیوں کی کثرت اولاد کی کثرت کے لیے معاون ہوتی ہے' ایک مرد سے متعدد عورتوں کے ہاں اولاد ہوسکتی ہے اور متعدد مردوں سے ایک عورت حاملہ نہیں ہوتی کسی ایک مرد کے نطفہ سے ہی استقرار حمل ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ بالعموم بکری کو ذبح نہیں کیا جاتا' بکرے کو ذبح کرتے ہیں اور متعدد مادہ جانوروں سے افزائش نسل کے لیے ایک نر کافی ہوتا ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ نوع کی بقاء مذکر کی بہ نسبت مؤنث سے زیادہ نفع آور ہوتی ہے تو پھر یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حیّ قیوم ہے اس کو فنا اور موت نہیں ہے اور اس کو اپنی نوع کی بقاء کے لیے کسی شخص کو حادث کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور ان مشرکوں کو موت آنے والی ہے اور اس جہان کے جانداروں کی بقاء زیادہ تر مؤنث سے ہوتی ہے تو یہ کس قدر حماقت کی بات ہے کہ یہ مشرکین مؤنث سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ان کو مؤنث کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کو ثابت کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ مؤنث سے مستغنی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مادی اجر کے سوال کی نفی کی ہے

الطور: ۴۰ میں فرمایا: کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس تاوان کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں○

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی اجر طلب نہیں کیا' حالانکہ قرآن مجید کی ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۚ (الشوریٰ: ۲۳) آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے اس کے سوا کوئی اجر نہیں طلب کرتا کہ تم اللہ کے قرب سے محبت رکھو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں اور ان دونوں آیتوں سے مراد واحد ہے' کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں تم سے ایسا کوئی اجر طلب نہیں کر رہا جس سے مجھے دنیا میں کوئی فائدہ پہنچے' میں تو تم سے یہ طلب کرتا ہوں کہ تم اللہ کے قرب کو حاصل کرنے سے محبت رکھو اور اللہ تعالیٰ کے کامل بندے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کامل بندے وہ ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور وہ اللہ سے کلام کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کامل بنانے کے لیے بھیجتا ہے' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی چاہتے ہیں کہ وہ بندوں کو اللہ کے قریب کر دیں اور یہ وہ مادی اجر نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے نفی کرائی ہے' اس آیت کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے الشوریٰ: ۲۳' تبیان القرآن کی دسویں جلد میں کی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرنے کی وجہ سے کفار کی مذمت

الطور: ۴۱ میں فرمایا: یا ان کے پاس علم غیب ہے سو وہ لکھ رہے ہیں O
قتادہ نے کہا: جب مشرکین نے یہ کہا کہ ہم ان کی موت کا یا ان پر زمانے کے حوادث کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جس سے ان کو معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کب وفات پائیں گے یا آپ اپنی تبلیغِ رسالت کے مشن میں کامیاب ہوں گے یا ناکام۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ان کے پاس لوحِ محفوظ ہے جس میں وہ دیکھتے رہتے ہیں پھر لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔
قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے: کیا ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے وہ فیصلہ کر رہے ہیں؟
امام رازی نے کہا: اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ کیا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں پہنچ گئے ہیں اور ان کو غیب کا علم ہو گیا ہے' حتیٰ کہ یہ آپ سے مستغنی ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے آپ کی ہدایت اور نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔
الطور: ۴۲ میں فرمایا: یا وہ کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں سو کفار خود اپنے دھوکے کا شکار ہیں O
اس سے مراد وہ سازش ہے جو کفار نے آپ کو قتل کرنے کے لیے دارالندوۃ میں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ ان کی سازش کا وبال ان پر ہی پڑے گا۔

(الفاطر: ۴۳)

انہوں نے دارالندوۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ان پر الٹ دیا اور غزوۂ بدر میں ستر کافر قتل کر دیئے گئے۔
اس کا ایک معنی یہ کیا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک آ جائے گا اور ان کو اس کی توقع ہو گی نہ اس کا علم ہو گا۔
الطور: ۴۳ میں فرمایا: کیا اللہ کے سوا کوئی اور ان کی عبادت کا مستحق ہے' اللہ اس سے پاک ہے جس کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شریک سے اپنی تنزیہہ بیان فرمائی ہے جس طرح اس سے پہلے بیٹیوں سے اپنی تنزیہہ بیان فرمائی تھی۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو وہ کہیں گے: یہ تو اوپر تلے بادل ہیں O سو آپ ان کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس دن کو پالیں جس میں ان کو بے ہوش کر دیا جائے گا O جس دن ان کی سازش ان کے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O اور بے شک ان ظالموں کے لیے اس عذاب (آخرت) کے علاوہ ایک اور عذاب ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O اور (اے رسولِ مکرم!) آپ اپنے رب کے حکم پر ثابت قدم رہیں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں O اور رات کے ایک حصہ میں بھی اس کی تسبیح کریں اور (صبح کو) ستاروں کے چھپنے کے وقت O (الطور: ۴۹۔۴۴)

کفارِ مکہ کے مطلوبہ معجزات محض ضد بازی اور کٹ حجتی کے لیے تھے

کفارِ مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ وہ آپ کی نبوت کو اس وقت مانیں گے جب ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیا

جائے گا' اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ؁ اگر آپ سچوں میں سے ہیں تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیجئےO (الشعراء: ۱۸۷)

اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا یا آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں جیسا کہ آپ کا گمان ہے۔ (بنی اسرائیل: ۹۲)

کفار یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی ضد' عناد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض ان پر آسمان گرا دیا جائے تو وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے' اگر وہ واقعی اپنے مطالبہ میں مخلص ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد معجزات پیش کیے' خود قرآن مجید اتنا عظیم معجزہ ان کے پاس آ چکا ہے اس کے بعد چاہیے تھا کہ وہ ایمان لے آتے لیکن وہ ایمان نہیں لائے' اس سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ مطالبہ کہ ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیئے جائیں محض کٹ حجتی اور ضد بازی کے لیے تھا۔

کفار کو ان کے حال پر چھوڑنے کے حکم کی توجیہ

الطور: ۴۵ میں فرمایا: سو آپ ان کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس دن کو پالیں جس میں ان کو بے ہوش کر دیا جائے گاO

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون سے دن کی طرف اشارہ ہے؟ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ان کی موت کا دن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنگ بدر کا دن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد پہلے صور پھونکنے کا دن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن ان پر ایسا عذاب آئے گا جو ان کی عقلوں کو زائل کر دے گا۔

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں کفار کو ان کے حال پر چھوڑنے کا حکم دیا گیا اور امر وجوب کے لیے آتا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا کہ آپ کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے اور ان کو تبلیغ نہ فرماتے حالانکہ آپ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کفار کو تبلیغ فرماتے رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں امر کسی عمل کو واجب کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ تہدید کے لیے اور مامورین سے اظہار بیزاری کے لیے ہے' جیسے کسی شخص کا ملازم نافرمان ہو اور کوئی شخص اس کو نصیحت کرے تو وہ شخص اس نصیحت کرنے والے سے کہے: اس کو چھوڑو یہ عنقریب اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتے گا۔

اور بعض نے کہا: یہ آیت' آیت قتال سے منسوخ ہے۔

الطور: ۴۶ میں فرمایا: جس دن ان کی سازش ان کے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گیO

جو شخص کسی کے خلاف سازش کرتا ہے' اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ اس سازش سے اس کو فائدہ پہنچے گا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف جو سازشیں کی ہیں ان سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ آخرت میں ان کو عذاب ہوگا اور جن بتوں کی یہ دنیا میں عبادت کرتے رہے وہ آخرت میں ان کے کسی کام نہ آسکیں گے۔

الطور: ۴۷ میں فرمایا: اور بے شک ان ظالموں کے لیے اس عذاب (آخرت) کے علاوہ ایک اور عذاب ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتےO

ان ظالموں کے لیے عذاب آخرت کے علاوہ جو ایک اور عذاب ہے اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا: وہ

دنیا کے مصائب ہیں اور درد اور تکلیف والی بیماریاں ہیں اور مال اور اولاد کے نقصانات ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بھوک' پیاس اور قحط سالی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد قتل کیا جانا ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ ان پر جو مصائب آ رہے ہیں وہ درحقیقت عذاب ہے۔

کس علم کا حصول فرض عین ہے اور کس علم کا حصول فرض کفایہ ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعض لوگ جانتے ہیں کہ عذاب آخرت کے علاوہ ایک اور عذاب بھی ہے لیکن وہ اس عذاب سے بچنے کے لیے کوئی کوشش نہیں کرتے کہ بُرے اعمال کو ترک کر دیں اور نیک اعمال سے خود کو مزین کریں اور اکثر لوگ کفر اور شرک پر جمے رہتے ہیں' وہ عذابِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ دنیاوی عذاب کو مانتے ہیں اور نہ عذاب آخرت کو مانتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اس عذاب کو جانتا اور مانتا ہو اور اس کے تقاضے پر عمل نہ کرے وہ اور جاہل دونوں برابر ہیں' لہٰذا صاحبِ عقل پر لازم ہے کہ وہ علومِ آخرت کو حاصل کرے اور ان کے تقاضے پر عمل کرے۔

علماء نے کہا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علم ہے جو بہ قدر ضرورت ہو اور ایک شریعت کے اصول اور فروع کا مکمل علم ہے' جو علم بہ قدر ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان کے پاس ضرورت سے زائد مال نہ ہو اور اس پر زکوٰۃ اور حج فرض نہ ہو اور اس پر صرف نماز اور روزہ فرض ہو تو وہ نماز اور روزے کا علم حاصل کرے' یعنی نماز کے فرائض' واجبات' سنن اور آداب کیا ہیں' وضو کے فرائض' سنن اور آداب کیا ہیں اور کن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے اور کن سے نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح قرآن مجید کو بہ قدر ضرورت یاد کرے' ہر بالغ شخص پر اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور جب وہ نکاح کرے تو نکاح اور طلاق کا علم حاصل کرے تاکہ بعد میں بیوی کو تین طلاقیں دے کر پچھتاتا نہ پھرے' بیوی' بچوں اور ماں باپ کے حقوق کا علم حاصل کرے' ان کی کفالت کے لیے کسبِ معاش کرے تو حلال اور حرام پیشوں اور جائز اور ناجائز تجارت کا علم حاصل کرے تاکہ لقمہ حرام کھانے اور کھلانے سے محفوظ رہ سکے' اور اگر وہ مال دار ہو اور اس پر زکوٰۃ اور حج فرض ہو جائے تو ان کا علم حاصل کرے' غرض وہ زندگی کے جس شعبہ سے وابستہ ہو اس شعبہ سے متعلق جو اسلام کی ہدایات ہیں ان کا علم حاصل کرنا اس پر فرض عین ہے اور تمام شعبوں سے متعلق اسلام کی مکمل ہدایات اور شریعت کے تمام اصول اور فروع کا علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض عین نہیں ہے' البتہ فرض کفایہ ہے' شہر میں ایسے کم از کم ایک عالم کا ہونا فرض کفایہ ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے ہر شعبہ سے متعلق شخص رہنمائی حاصل کر سکے اور اگر شہر میں ایک عالم بھی ایسا نہ ہو تو تمام شہر والے گناہ گار ہوں گے۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے عذابِ قبر کا ثبوت

آخرت کے عذاب سے پہلے جو ظالموں کو عذاب ہو گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد عذاب قبر ہے۔

ملحدین' رافضی اور معتزلہ عذاب قبر کو نہیں مانتے' قرآن مجید میں صراحۃً عذاب قبر کا ثبوت ہے:

اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ۝ (المؤمن: ۴۶)

یہ وہ آگ ہے جس پر صبح اور شام آل فرعون کو پیش کیا جاتا ہے' اور قیامت کے دن بھی ان کو آگ پر پیش کیا جائے گا (اے فرشتو!) آل فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کر دو ۝

آل فرعون کو جس آگ پر صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے وہ آگ قبر میں ہے اور یہ عذاب قبر کا واضح ثبوت ہے' اس کے بعد

قیامت کے دن ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کرنے کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں عذابِ قبر پر تیسری دلیل یہ ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا: آل فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو' معلوم ہوا کہ ان کو نفس عذاب دنیا میں دیا جا چکا ہے اور وہ عذاب قبر ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں بھی عذابِ قبر کا ذکر ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذابِ قبر کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا: ہاں عذابِ قبر برحق ہے' حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد جب بھی میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۳۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۰۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۸۵۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذ بك من عذاب القبر ومن عذاب النار ومن فتنة المحيا والممات ومن فتنة المسيح الدجال.

اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۹۸۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۹۰۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو صبح اور شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہو تو اہل جنت سے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہو تو اس سے کہا جاتا ہے: یہی تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ اللہ سبحانہٗ تجھے دوبارہ زندہ کر کے قیامت کے دن اٹھائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۶۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۰۷۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۶۷۵۱ طبع قدیم' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۳۹۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۵۸۲۹)

شیطان کا قبر میں آ کر مؤمنوں کو بہکانا

ہم نے اس حدیث سے پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر سے اور زندگی اور موت کے فتنوں سے پناہ طلب کی ہے' موت کے فتنوں میں سے یہ بھی ہے' جس کو علماء نے ذکر کیا ہے کہ قبر میں سوال اور جواب کے وقت شیطان قبر میں آ کر مؤمن کو بہکاتا ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی روایت کرتے ہیں:

سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے: جب مومن سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان اس کی قبر میں داخل ہوتا ہے اور کسی صورت کو بنا کر اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ تیرا رب میں ہوں۔

امام حکیم ترمذی کہتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کی تحقیق کی تو ہم کو اس سلسلہ میں احادیث مل گئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت فرماتے تھے: اے اللہ! اس کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھنا۔

(نوادر الاصول ج ۴ ص ۱۹۲' دار الجیل' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حکیم ترمذی نے اس مسئلہ میں جن احادیث کا ذکر کیا' وہ درج ذیل ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا جب انہوں نے میت کو لحد میں رکھ دیا تو انہوں نے کہا:

بسم الله وفی سبیل الله وعلی ملة رسول الله۔ — اللہ کے نام سے اور اس کے راستے میں اور رسول اللہ کے دین پر۔

پھر یہ دعا کی:

اللھم اجرھا من الشیطان ومن عذاب القبر اللھم جاف القبر عن جنبیھا وصعد روحھا ولقھا منک رضوانا۔ — اے اللہ! اس میت کو شیطان سے پناہ میں رکھ اور عذابِ قبر سے پناہ میں رکھ' اے اللہ! اس کی قبر کو اس کے پہلوؤں سے دور رکھ' اس کی روح کو چڑھا اور اس کو اپنی رضا کی تلقین فرما۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٥٥٣' سنن بیہقی ج ٤ ص ٥٥' المسند الجامع ج ١٠ ص ٢٣٠۔٢٢٩)

کلبی نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا: تم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا یہ تمہاری رائے ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

اس کی سند کا ایک راوی حماد بن عبد الرحمٰن کلبی ضعیف ہے اور اس کا شیخ الاوری مجہول ہے' تاہم فضائل اعمال میں احادیث ضعیفۃ الاسانید معتبر ہوتی ہیں۔

حکیم ترمذی نے اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے:

حضرت عبد اللہ بن محمد بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لائے' آپ ان کے جنازہ کے آگے چل رہے تھے' پھر آپ ان کی قبر میں داخل ہوئے' پھر آپ نے ان کو دیکھ کر ان کی قبر میں رکھا' سو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے' یہ دیکھ کر آپ کے اصحاب بھی رونے لگے' حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی رو رہے ہیں' حالانکہ آپ رونے سے منع فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! آنکھ روتی ہے اور دل میں تکلیف ہوتی ہے اور ہم وہ بات نہیں کہتے جس سے رب ناراض ہوتا ہے' پھر آپ نے ان کو دفن کر دیا' پھر آپ نے فرمایا: کوئی شخص پانی لے کر آئے تو ہم ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکیں' پھر پانی لایا گیا تو آپ نے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کے نام سے اور شیطان رجیم کی پناہ سے تمہاری تدفین کو ختم کرتا ہوں۔ (نوادر الاصول ج ٤ ص ١٦٣۔ ١٦٢' دار الجیل' بیروت' ١٤١٢ھ)

عذابِ قبر کے اسباب

(١) پیشاب کی نجاست سے احتراز نہ کرنا اور چغلی یا غیبت کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے' آپ نے فرمایا: ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی چیز کے سبب عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا بہت دشوار ہو' ان میں سے ایک شخص پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔ (ایک روایت میں ہے: دوسرا غیبت کرتا تھا) پھر آپ نے درخت کی شاخ کے دو ٹکڑے کیے اور ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا: جب تک یہ شاخیں نہیں سوکھیں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٢١٦' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٩٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢١۔٢٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٣٤٧' سنن دارمی رقم الحدیث:٧٣٩' مسند احمد ج ١ ص ٢٢٥' سنن بیہقی ج ١ ص ١٠٤)

(٢) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے: غیبت' چغلی اور پیشاب کی نجاست سے نہ بچنے کی وجہ سے۔ (اثبات عذاب القبر للبیہقی رقم الحدیث:٢٦٢' دار الجیل' بیروت' ١٤٠٧ھ)

(۳) امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ عمرو بن شرحبیل سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص فوت ہو گیا' اس کے پاس فرشتے آئے اور کہا: ہم تمہیں اللہ کے عذاب سے سو کوڑے ماریں گے' پھر اس کی نماز' روزے اور جہاد کا ذکر کیا گیا' پھر کہا: اس کے عذاب میں تخفیف کر کے دس کوڑے مارو' پھر ان سے تخفیف کا سوال کیا حتیٰ کہ ایک کوڑا رہ گیا' فرشتوں نے کہا: ہم تمہیں ایک کوڑا ماریں گے' اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں' پھر اس کو ایک کوڑا مارا جس سے اس کی قبر جلنے لگی اور وہ شخص بے ہوش ہو گیا' جب وہ شخص ہوش میں آیا تو اس نے پوچھا: تم نے مجھے کس گناہ کی وجہ سے کوڑا مارا ہے؟ فرشتوں نے کہا: تم نے ایک دن پیشاب کیا' پھر وضوء کیے بغیر نماز پڑھ لی اور تم نے ایک شخص کو فریاد کرتے ہوئے سنا اور اس کی فریاد رسی نہیں کی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۹۴۔ ۵۹۳۔ رقم الحدیث: ۱۸۵۰ طبع جدید' مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۸۷ طبع قدیم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے وضو نماز پڑھنے سے اور کسی فریادی کی مدد نہ کرنے سے بھی عذاب قبر ہوتا ہے۔

جن صورتوں میں عذابِ قبر سے نجات ملتی ہے

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ ''تبارك الذي بيده الملك'' پڑھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس سے عذاب قبر روک لیتا ہے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس سورت کو مانعہ کہتے تھے۔

(عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۷۱۶' ص ۲۱۵' مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۲)

(۲) حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رات کو سونے سے پہلے ''الم تنزيل السجدة'' کو پڑھا وہ عذاب قبر سے نجات پالے گا اور قبر کے سوال و جواب کرنے والوں سے محفوظ رہے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۶۸۴)

حضرت خالد بن معدان نے کہا کہ ''الم تنزيل'' قبر میں اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی ہیں' وہ کہتی ہے کہ اے اللہ! اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو تو مجھے اس کی شفاعت کرنے والا بنا دے اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو تو مجھے اس کتاب سے مٹا دے وہ ایک پرندے کی طرح اپنے پر پھیلا کر اس کی شفاعت کرتی ہے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتی ہے اور سورۃ ''تبارك الذي'' بھی اس کی مثل ہے اور حضرت خالد ہر رات ان دونوں سورتوں کو پڑھتے تھے۔

(۳) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر مرنے والے کا عمل ختم ہو جاتا ہے سوا اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں سرحد کی حفاظت کرنے والا ہو' اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ فتنہ (عذاب) قبر سے محفوظ رہے گا (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۴' المعجم الکبیر ج ۱۸۔ رقم الحدیث: ۸۰۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴' سنن سعید ابن منصور رقم الحدیث: ۲۴۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۲۸۷' مسند احمد ج ۶ ص ۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۹ ص ۳۷۴۔ رقم الحدیث: ۲۳۹۵۱ طبع جدید' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مر گیا' اس کو فتنہ قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو قیامت کی دہشت سے مامون رکھا جائے گا اور اس کو صبح اور شام جنت سے رزق دیا جائے گا اور قیامت تک اس کے صحیفہ اعمال میں سرحد کی حفاظت کرنے کا اجر لکھا جاتا رہے گا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۲۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۵۸' شعب الایمان رقم الحدیث:

۹۸۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۶۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۶۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۵ ص ۱۳۷ رقم الحدیث: ۹۲۴۴ طبع جدید' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیماری میں مرا وہ شہادت کی موت مرا' اس کو فتنہ قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو صبح اور شام جنت سے رزق دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۴۵' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو جائے اللہ سبحانہ' اس کو فتنہ قبر سے محفوظ رکھے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۴' مشکل الآثار رقم الحدیث: ۲۷۷' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۷۳' اثبات عذاب القبر للبیہقی رقم الحدیث: ۱۵۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۱۳' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۵۵۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹' مسند احمد ج ۱۱ ص ۱۴۷ رقم الحدیث: ۶۵۸۲ طبع جدید' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

(۶) حضرت مقدام بن معدی کرب الکندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کے پاس شہید کے لیے چھ انعام ہیں: (۱) اس کا جب پہلی بار خون نکلے گا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی (۲) وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا (۳) اور اس کو ایمان کا حلہ پہنایا جائے گا (۴) اور بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا نکاح کر دیا جائے گا (۵) اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا (۶) اس کو قیامت کی بڑی دہشت سے مامون رکھا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۵۵۹' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۵۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۹۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث ج ۲۰ رقم الحدیث: ۶۲۹' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۲۵۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۸ ص ۴۱۹' رقم الحدیث: ۱۷۱۸۲ طبع جدید' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ سات قسم کے مسلمانوں کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا (۱) جو شخص ہر رات کو سورۃ ''تبارک الذی'' کی تلاوت کرے (۲) جو شخص ہر رات کو سورۃ ''الم تنزیل'' کی تلاوت کرے (۳) جو شخص مسلمان ملک کی سرحد کی حفاظت کرتا ہوا مر جائے (۴) جو شخص کسی بیماری میں مر جائے (۵) جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب فوت ہو (۶) جو شخص اللہ کی راہ میں شہید ہو (۷) جس مسلمان کی قبر پر درخت کی شاخ کو گاڑ دیا جائے (۸) آٹھویں صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس مسلمان کو کسی نیک مسلمان کے جوار میں دفن کر دیا جائے تو توقع ہے کہ اس نیک مسلمان کی برکت سے وہ بھی عذاب قبر سے محفوظ رہے' کیونکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم نیک مسلمانوں کے قرب اور جوار میں موت کی دعا کریں' قرآن مجید میں ہے:

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ (آل عمران: ۱۹۳) — ہم کو نیک مسلمانوں کے قرب میں موت عطا فرما ۝

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۱) — مجھے اسلام پر موت عطا فرما اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دے ۝

کسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرنا

الطور: ۴۸ میں فرمایا: اور (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب کے حکم پر ثابت قدم رہیں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں ۝

رب کے حکم اور اس کے فیصلہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو توحید کا پیغام پہنچانے اور دین اسلام کے احکام کی تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کو بجالائیں اور اس حکم کی تعمیل میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا ہو ان کو برداشت کریں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کے کلام کو سن رہے ہیں' ہم آپ کی حفاظت کر رہے ہیں اور ہم آپ کو کفار کے شر اور ان کی ایذاء سے محفوظ رکھیں گے اور کوئی شخص آپ کو قتل کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔

نیز فرمایا: اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔ اس آیت میں قیام کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ نماز میں قیام کریں تو کہیں: "سبحانك اللهم وبحمدك" اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' سعید بن جبیر اور سفیان ثوری وغیرہم نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی مجلس سے اٹھے تو یہ کہے: "سبحان الله وبحمده" یا کہے: "سبحانك اللهم وبحمدك" اگر وہ نیک مجلس تھی تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرنے سے تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہوگا اور اگر وہ بُری مجلس تھی تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرنے سے اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں اس نے بہت شور و شغب کیا اور اس نے مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ کلمات پڑھے:

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك الا غفرله ما كان فی مجلسه ذالك.	اے اللہ! تو پاک ہے تیری تمام صفات کامل ہیں' میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں تجھ سے توبہ اور استغفار کرتا ہوں تو اس مجلس میں اس نے جو کچھ کہا تھا اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۳۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ پڑھتے تھے:

رب اغفرلی وتب علی انك انت التواب الغفور.	اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما' بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا' بہت مغفرت فرمانے والا ہے۔

یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۶)

نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت نماز سنت کی تحقیق

الطور: ۴۹ میں فرمایا: اور رات کے ایک حصہ میں بھی اس کی تسبیح کریں اور (صبح کو) ستاروں کے چھپنے کے وقت ○

ق: ۴۰ میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے' وہاں پر اس آیت کے آخر میں "وادبار السجود" تھا اور یہاں "ادبار النجوم" ہے۔

حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت جابر اور حضرت انس نے فرمایا: اس سے مراد نماز فجر سے پہلے دو رکعت پڑھنا ہے' یہ دو رکعت نماز سنت مؤکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے' یہی وجہ ہے کہ ایک سفر سے واپسی میں آپ نے صحابہ کے ساتھ اخیر شب میں پڑاؤ ڈالا اور کسی کی بھی آنکھ نہیں کھلی اور سورج نکل آیا تو آپ نے کچھ دور جا کر نمازِ فجر پڑھنے سے پہلے یہ دو رکعت

نماز پڑھی' حالانکہ نفل کی قضاء نہیں ہوتی' اس لیے اس آیت میں اس نماز کے لیے امر کا صیغہ وارد ہے کیونکہ یہ نماز بھی حکماً واجب ہے اور بعض علماء نے کہا: یہ دو رکعت نماز پہلے فرض تھی اور جب پانچ نمازوں کا حکم آیا تو اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اب اس نماز کا پڑھنا مستحب ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجر سے پہلے دو رکعت نماز "ادبار النجوم" ہے اور مغرب کے بعد دو رکعت نماز "ادبار السجود" ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۲۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفل نماز کی اس قدر حفاظت نہیں کرتے تھے جتنی فجر سے پہلے دو رکعت نماز کی حفاظت کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجر کی دو رکعت نماز دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۲۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۱۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۸' المستدرک رقم الحدیث: ج ۱ ص ۳۰۶' مسند احمد ج ۶ ص ۵۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۱)

سورۃ الطور کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲ شعبان ۱۴۲۵ھ/ ۱۸ نومبر ۲۰۰۴ء کو بہ روز ہفتہ' سورۃ الطور کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۲ اگست ۲۰۰۴ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح ایک ماہ ستائیس دن میں یہ تفسیر مکمل ہو گئی۔ الہ العلمین! آپ باقی ماندہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اس تفسیر کو قبول عام عطا فرمائیں اور میری مغفرت فرما دیں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ النجم

سورت کا نام

اس سورت کا نام النجم ہے' اس سورت کی پہلی آیت سے اس کا نام ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (النجم:۱) روشن ستارے کی قسم! جب وہ اوپر سے نیچے گرا O

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مکی ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ پہلی سورت ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ میں اعلان فرمایا' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۳ ہے' اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن کو از خود بنالیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم نازل فرمائی' جس میں یہ آیات ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:۳-۴) وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے O وہ صرف وہی کہتے ہیں جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے O

سورۃ النجم کے متعلق احادیث اور ان کی شرح

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی اور آپ کے ساتھ وہاں موجود سب لوگوں نے سجدہ کیا' سوا ایک بوڑھے شخص کے' اس نے کچھ کنکریاں یا مٹی ہاتھ میں لی اور ان کو اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھ لیا' اور کہا: مجھے یہ کافی ہے' پھر میں نے اس شخص کو دیکھا وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۰۶)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ نے لکھا ہے کہ اس بوڑھے شخص کا نام امیہ بن خلف تھا' یہ جنگ بدر میں کافروں کی طرف سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا' امام ابو اسحاق نے ''سیرت ابن اسحاق'' میں لکھا ہے کہ اس کا نام الولید بن المغیرہ تھا' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۳۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا' اس وقت وہاں پر جتنے بھی لوگ تھے سب نے سجدہ کیا' سوا ایک شخص کے' اس نے کچھ کنکریاں یا مٹی اٹھا کر اپنے چہرے پر رکھ لی اور کہا: مجھے یہ کافی ہے۔ بعد میں' میں نے دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کا سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں نے اور جن اور انس نے سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۷۱)

علامہ بدرالدین عینی حنفی "صحیح البخاری" رقم الحدیث: ۱۰۷۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

مخرمہ بن نوفل نے روایت کیا ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل مکہ کے سامنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا' اور یہ نماز کے فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے' حتیٰ کہ جب آپ سجدۂ تلاوت کی آیت تلاوت کرتے تو مسلمان سجدہ کرتے تھے حتیٰ کہ رش کی وجہ سے بعض اوقات مسلمان سجدہ نہ کر سکتے' قریش کے سرداروں میں سے الولید بن مغیرہ اور ابوجہل بن ہشام وغیرہما اس وقت طائف میں تھے' جب وہ مکہ میں آئے تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا: تم اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ رہے ہو۔ (المعجم الکبیرج ۲۰ ص ۵۔ رقم الحدیث: ۲)

نیز علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھا: " اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ " (النجم: ۲۰۔ ۱۹) اور مشرکین نے اپنے خداؤں کا ذکر قرآن میں سنا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ ان کے خداؤں کی مدح ہے اس لیے انہوں نے بھی سجدہ کر لیا اور بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ ان آیات کے بعد مشرکین نے یہ سنا:

تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى. یہ مرغانِ بلند بانگ ہیں اور بے شک ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ خود مشرکین نے یہ کہا تھا' انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں حضور ان کے بتوں کے ذکر کے بعد ان کی مذمت نہ کریں' اس لیے انہوں نے بتوں کے ذکر کے بعد فوراً یہ کلمات پڑھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھے تھے اور ابلیس نے آپ کی زبان سے یہ کلمات کہلوا دیئے تھے اور یہ قول قطعاً باطل ہے' اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان کو مسلط کر دے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابلیس وغیرہ سے معصوم رکھا ہے' اسی طرح یہ قول بھی باطل ہے کہ ابلیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مشابہ آواز میں یہ کلمات کہے' کیونکہ جب شیطان نیند میں آپ کی مشابہت اختیار نہیں کر سکتا' جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا' اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے' کیونکہ شیطان میرے مشابہ نہیں ہو سکتا اور نہ میری مثل بن سکتا ہے' حالانکہ نیند میں انسان مکلف نہیں ہوتا تو وہ بیداری میں آپ کی آواز کے مشابہ آواز کیسے بنا سکتا ہے؟ اور یہ چیز اتنی محال ہے کہ مومن کا قلب اس کو قبول نہیں کر سکتا اور اس روایت کی تمام اسانید منقطع اور معلول ہیں اور اس حدیث کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔

ان روایات پر جرح کرنے کے بعد علامہ عینی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس روایت کو کسی صحیح اور ثقہ راوی نے روایت نہیں کیا' اس کو ان مؤرخین اور مفسرین نے ذکر کیا ہے جو ہر صحیح اور ضعیف چیز کا ذکر کر دیتے ہیں ان لوگوں میں غلط اور صحیح میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی' یہ لوگ اندھیرے راستوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر اجماع منعقد ہے اور اس پر بھی کہ اس قسم کی رذیل بات سے آپ منزہ ہیں اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو قریش مسلمانوں پر زبردست طعن و تشنیع کے حملے کرتے اور یہود اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حجت بنا لیتے جیسا کہ منافقین کی عادت اور مشرکین کے عناد سے ظاہر ہے' کیا واقعۂ معراج کی بناء پر اعتراض نہیں کیے گئے تھے' حتیٰ کہ بعض ضعیف مسلمان اس وجہ سے مرتد ہو گئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۴۶۔ ۱۴۳' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

سورۃ النجم کے اہداف اور اغراض

☆ اس سورت میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام اور خبریں پہنچاتے ہیں آپ اس میں صادق ہیں' آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے' آپ وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی فرماتا ہے۔

☆ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام کی وساطت سے آپ تک پہنچی ہے۔

☆ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے انتہائی قرب بیان فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہوئے جتنی دو کمانیں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں یا اس سے بھی زیادہ یا جس طرح ایک کمان کے دوسرے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔

☆ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے اس طرح بے حجاب دیکھا کہ آپ کی نظر بہکی نہ حد سے بڑھی۔

☆ اس میں مشرکین کے بتوں کی خدائی کو باطل کیا گیا ہے۔

☆ اس میں مشرکین کے اس قول کو باطل کیا گیا ہے کہ لات' عزیٰ اور منات اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

☆ اس میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور حشر و نشر کو ثابت کیا گیا ہے

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جن امتوں نے اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور اس کے نتیجہ میں ان پر جو عذاب آیا اس کا بیان کر کے اہل مکہ کو ڈرایا گیا۔

☆ یہ قرآن انبیاء سابقین علیہم السلام پر نازل شدہ کتب اور صحائف کا مصدق ہے اور اس کا ذکر ان صحائف میں بھی ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ کی توفیق اور تائید سے سورۃ النجم کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' رب العالمین! میرے اس کام کو صرف اپنی رضا کے لیے رکھنا اور اس میں مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا اور غلط اور باطل سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور اس تفسیر کے لیے میرے سینہ کو کشادہ کر دینا اور اس کتاب کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھنا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا وسید المرسلین محمد وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ
دار العلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۳ شعبان ۱۴۲۵ھ/ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۴ء

سورۃ النجم مکیۃ ۲۳ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آیاتھا ۶۲ رکوعاتھا ۳

سورۃ النجم مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں باسٹھ آیات تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى (۱) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (۲) وَمَا يَنْطِقُ

روشن ستارے کی قسم! جب وہ زمین کی طرف اترا○ تمہارے آقا (محمد) نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا اور نہ (کبھی) راہ (راست) کے بغیر چلے○ وہ

عَنِ الْهَوٰى (۳) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى (۴) عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (۵) ذُو

اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے○ ان کا کہا ہوا وہی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے○ سخت قوتوں والے نے ان تک علم پہنچایا○

مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى (۶) وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى (۷) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (۸) فَكَانَ

بہت زبردست نے پھر اللہ نے استواء فرمایا○ اس وقت وہ (نبی یا جبریل) آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھے○ پھر وہ (اللہ نبی سے)

قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى (۹) فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى (۱۰) مَا كَذَبَ

زیادہ قریب ہوا پھر زیادہ قریب ہوا○ تو وہ (نبی اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ○ پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی

الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (۱۱) أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (۱۲) وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى (۱۳)

طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی○ (آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا○ کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (۱۴) عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى (۱۵) إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ

ہو جو انہوں نے دیکھا○ بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا○ سدرۃ المنتہٰی کے نزدیک○ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے○ جب

مَا يَغْشٰى (۱۶) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۱۷) لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ

سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا○ (آپ کی) نظر نہ کج ہوئی نہ بہکی○ بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں

الْكُبْرٰى (۱۸) أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى (۱۹) وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى (۲۰)

سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا○ کیا تم نے لات اور عزیٰ کو (بہ غور) دیکھا؟○ اور اس تیسری ایک اور دیوی منات کو○

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى (۲۱) تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (۲۲) إِنْ هِيَ إِلَّا

کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں○ پھر تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے○ یہ صرف وہ نام ہیں

جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان پر کوئی دلیل نازل نہیں کی'
یہ (مشرکین) صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی اور بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ضرور ہدایت
آ چکی ہےO کیا انسان کے لیے وہ کچھ ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟O پس اللہ ہی آخرت اور دنیا کا مالک ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: روشن ستارے کی قسم جب وہ زمین کی طرف اتراO تمہارے آقا (محمد) نے نہ (کبھی سیدھا) راستہ گم کیا اور نہ کبھی راہ (راست) کے بغیر چلےO وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتےO ان کا کہا ہوا وہی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہےO (النجم: ۴۔۱)

''نجم'' کے معانی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

نجم اصل میں طلوع ہونے والے ستارے کو کہتے ہیں اس کی جمع نجوم ہے اور نجم زمین پر پھیلنے والی بیل کو بھی کہتے ہیں' وقت کے ایک مقرر حصہ اور قسط کو بھی نجم کہتے ہیں' ستاروں کے علم میں غور وفکر کرنے کو بھی نجم کہتے ہیں اسی سے منجم (نجومی) بنا ہے' نجم ستارے کے طلوع ہونے کو بھی کہتے ہیں' عرب ثریا کو بھی نجم کہتے ہیں (وہ سات ستارے جو ایک دوسرے کے نزدیک ہیں ان کو ثریا کہتے ہیں' ان کو سات ستاروں کا جھمکا بھی کہتے ہیں)۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ (الصفت: ۸۸) — پس اس نے ستاروں کے علم میں نظر کی' یعنی غور کیاO

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ (النجم: ۱) — روشن ستارے کی قسم! جب وہ زمین کی طرف اتراO

اس سے مراد ستارہ ہے اور ستارے کے اترنے کا ذکر کیا ہے کیونکہ ستارے کے طلوع کا معنی خود النجم میں موجود ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ثریا ہے اور عرب جب مطلقاً نجم کا لفظ بولیں تو اس سے ثریا کا ارادہ کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید مراد ہے جو کہ قسط وار اور بہ تدریج نازل ہوا ہے اور ''ھوی'' سے مراد قرآن مجید کا نزول ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ (الواقعہ: ۷۵) — پس میں ستاروں کے گرنے یا قرآن کے بہ تدریج نازل ہونے کی قسم کھاتا ہوںO

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (الرحمٰن: ۶) — زمین پر کھڑے ہوئے درخت اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں دونوں سجدہ کرتی ہیںO

(المفردات ج ۲ ص ۶۲۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد المعروف ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

نجم کا معنی کسی چیز کا ظہور اور خروج ہے' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی:

سراج من النار یظهر فی اکتافهم حتی ینجم فی صدورهم۔ آگ کا شعلہ منافقین کے کندھوں میں ظاہر ہوگا اور ان کے سینوں سے نکلے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰ مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۰ طبع قدیم)

نجم کا معنی ستارہ ہے اور اس کی جمع نجوم ہے اور کبھی اس سے مراد ثریا ہوتا ہے اور عرب ثریا کو ستاروں کا علم (نام) قرار دیتے ہیں اور جب وہ مطلقاً نجم کہیں تو اس سے مراد ثریا ہوتا ہے' درج ذیل حدیث میں ثریا کا اطلاق اسی معنی پر ہے۔

ما طلع النجم قط وفی الارض عاهة الا رفعت۔ جب بھی ثریا طلوع ہوتا ہے تو زمین سے پھلوں کی آفت اٹھالی جاتی ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۸ طبع قدیم' مشکل الآثار ج ۳ ص ۹۲)

اور اس کا معنی قسطوں میں کسی چیز کا دینا ہے' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

واللہ لا ازیدك علی اربعة الاف منجمة۔ اللہ کی قسم! میں تم کو قسط وار چار ہزار سے زیادہ نہیں دوں گا۔

(النہایہ ج ۵ ص ۲۰-۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے "المفردات" اور "النہایہ" کی عبارات کو جمع کر دیا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۰۳ دار صادر' بیروت' ۲۰۰۲ء)

"النجم" کے معانی اور محامل میں مفسرین کے اقوال

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: "والنجم اذا هوی" کا معنی ہے: ثریا کی قسم! جب وہ فجر کے وقت نیچے اترے اور عرب ثریا کو نجم کہتے ہیں' ہر چند کہ وہ تعداد میں کئی ستارے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سات ستارے ہیں' ان میں سے چھ ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے' اس سے لوگوں کی آنکھوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ قاضی عیاض نے "شفاء" میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثریا میں گیارہ ستارے دیکھے تھے۔

مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ اس کا معنی ہے: اور قرآن کی قسم! جب وہ نازل ہوا' کیونکہ قرآن مجید قسط وار بہ تدریج نازل ہوا ہے۔

فراء اور حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: ستاروں کی قسم! جب وہ ڈوب جائیں اور نجوم کو نجم سے تعبیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حسن بصری سے یہ بھی روایت ہے کہ ستاروں کی قسم! جب وہ جھڑ جائیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کے ساتھ شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپ کی ولادت سے پہلے بہ کثرت ستارے ٹوٹنے لگے' پس بہت عرب خوف زدہ ہو گئے' ان کے ہاں ایک نابینا کاہن تھا وہ گھبرا کر اس کے پاس گئے' جو ان کو مستقبل کی خبریں بتاتا تھا' اس نے کہا: بارہ بروج کو دیکھو اگر ان میں سے کوئی برج ٹوٹ گیا ہے تو اب دنیا ختم ہونے والی ہے' اور اگر ان میں سے کوئی برج نہیں ٹوٹا ہے تو دنیا میں ایک بہت بڑا واقعہ ہوگا' سو تم دیکھو کیا رونما ہوتا ہے' پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہی وہ امر عظیم تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "والنجم اذا هوی" یعنی یہ ستارہ ہے جو نیچے اترا ہے یہ ستارہ اس نبوت کا ہے جو اب ظاہر ہوئی ہے۔

اور جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے کہا: اس کا معنی ہے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم! جب وہ شب معراج کو

آسمان سے زمین پر آئے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عتبہ بن ابی لہب جس کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی تھیں' اس نے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور کہا: میں ضرور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور ان کو ایذاء پہنچاؤں گا' اس نے کہا: اے محمد! میں ''والنجم اذا ھوی'' اور ''دنی فتدلی'' کا انکار کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر تھوک دیا اور آپ کی صاحب زادی آپ کی طرف بھیج کر ان کو طلاق دے دی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے' اس موقع پر ابو طالب بھی تھے' انہوں نے غم گین ہو کر کہا: اے بھتیجے! اس دعا سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟ عتبہ نے جا کر اپنے باپ کو یہ خبر دی' پھر وہ شام کی طرف چلے گئے اور ایک جگہ ٹھہرے' ان کے پاس گرجا سے ایک راہب آیا اور کہا: اس زمین میں درندے آتے ہیں' ابولہب نے اپنے اصحاب سے کہا: اے قریش کی جماعت! ہماری مدد کرو کیونکہ آج رات مجھے اپنے بیٹے پر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ضرر کا خطرہ ہے' پھر انہوں نے اپنے اردگرد اپنے اونٹوں کو بٹھا لیا اور عتبہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا' پھر شیر آ کر سب کے چہروں کو سونگھتا رہا حتیٰ کہ عتبہ پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۸۱-۳۸۳' تفسیر امام عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۰۲۔ رقم الحدیث: ۳۰۲۱' دارالمعرفۃ' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۳' دارالفکر' الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۳۵' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۰۹۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۷۸' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۶۳' الکشاف ج ۴ ص ۴۱۹' روح البیان ج ۹ ص ۲۴۹' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۱۱' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو اشعار میں نظم کیا ہے جس کو تفصیل سے ''الکشف'' اور ''الجامع لاحکام القرآن'' میں'' دلائل النبوۃ'' رقم الحدیث: ۲۲۰ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔)

''النجم'' کی تفسیر میں مرغوب اور پسندیدہ اقوال اور ان کی توجیہات اور نکات

''النَّجْم'' سے ثریا کو مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ آسمان کے ستاروں میں ثریا سب سے زیادہ روشن اور سب سے زیادہ واضح ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت معجزات اور دلائل کے اعتبار سے نبیوں میں سب سے زیادہ روشن اور واضح ہیں' نیز اواخر خریف میں جب عشاء کے وقت ثریا کا ظہور ہوتا ہے تو زمین سے پھلوں کی آفات دور ہو جاتی ہیں اور پھل پک جاتے ہیں' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا تو دلوں کی بیماریاں دور ہو گئیں اور ایمان اور عرفان کے پھل پک کر تیار ہو گئے' اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی ثریا ہے۔

النجم سے آسمان کے ستارے مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ ستاروں سے سمندر' جنگلوں اور ریگستانوں میں راستے کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر اور شرک کے اندھیروں میں صحیح راستہ کی ہدایت حاصل ہوتی ہے' اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی آسمان کے ستارے ہیں۔

النجم سے ستاروں کو رجم کرنا اور ان سے شیاطین کو آسمانوں سے بھگانا یعنی شہاب ثاقب مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ جس طرح شہاب ثاقب سے شیاطین کو آسمانوں سے دور کیا جاتا ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے زمین پر لوگوں سے شیاطین کو دور کیا جاتا ہے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی شہاب ثاقب ہے۔

النجم سے قرآن مجید مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ قرآن مجید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے صدق پر دلالت کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

یٰسٓ ۞ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ (یٰس: ۴-۱)

یٰس ۞ قرآن حکیم کی قسم ۞ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں ۞ سیدھے راستے پر قائم ہیں ۞

اور یہاں فرمایا: قرآن کی قسم! جو قسط وار نازل ہوا' تمہارے آقا اور پیغمبر نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا اور نہ کبھی بے راہ چلے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی قسط وار ہے۔

النجم کا معنی زمین پر پھیلنے والی بیل مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ ان بیلوں کے پھلوں سے جسم کی تقویت اور نشو ونما ہوتی ہے اور آپ کی تعلیمات سے روح کی تقویت اور نشو ونما ہوتی ہے۔

علامہ ابوعبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ' علامہ محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ ھ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے النجم کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے:

امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ النجم سے مراد ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم! جب وہ شب معراج آسمان سے زمین پر آئے اور یہ اس لیے مناسب ہے کہ اس آیت کے بعد والی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے قرب ''دنا فتدلی'' اور اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر ہے' جس کا تعلق شب معراج سے ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۸۷' البحر المحیط ج ۱۰ص ۹' روح البیان ج ۹ص ۲۴۹' روح المعانی جز ۲۷ص ۷۰)

نیز علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ ''اذا ھوی'' سے یہ مراد ہو کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج لامکان تک ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسم کھا کر یہ بتایا کہ آپ راہِ راست سے گم ہونے اور راہِ راست کے بغیر چلنے کے شائبہ سے بھی مبرا' منزہ اور پاک ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۷ص ۷۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

النجم: ۲ میں فرمایا: تمہارے آقا (محمد) نے نہ (کبھی سیدھا) راستہ گم کیا اور نہ کبھی راہ (راست) کے بغیر چلے O

ضلال کے متعدد معانی

اس آیت میں ''ضلّ'' کا لفظ ہے یہ ''ضلال'' سے ماخوذ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ اس کے معنی کے بیان میں لکھتے ہیں: ''ضلال'' کا معنی ہے: راہِ راست سے تجاوز کرنا' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ (یونس: ۱۰۸)

جو شخص راہِ راست پر چلے تو اس کا یہ چلنا اسی کے لیے مفید ہے اور جو شخص راہِ راست سے تجاوز کرے تو اس کے اس تجاوز کا وبال اسی پر ہے۔

راہِ راست سے ہر قسم کے تجاوز کو ضلال کہا جاتا ہے' خواہ یہ تجاوز عمداً ہو یا سہواً' معمولی تجاوز ہو یا زیادہ کیونکہ وہ سیدھا راستہ جو پسندیدہ اور مرغوب اور محبوب ہو' اس پر چلنا بہت مشکل اور دشوار ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

استقیموا ولا تحصوا.

تم ہر معاملہ میں راہِ راست پر رہو اور تم ہر معاملہ میں راہِ راست کا احاطہ نہ کرسکو گے۔

(مسند احمد ج ۵ص ۲۷۷' سنن کبریٰ ج ۱ص ۸۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۹۴' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

بعض حکماء نے کہا ہے کہ ہمارا کسی نہ کسی وجہ سے گم راہ ہونا' بہت سی صورتوں میں ہے کیونکہ تیر کو عین ہدف پر مارنا راہِ راست ہے اور اگر وہ ہدف سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر ہو جائے تو یہ ضلال ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے آپ کو دیکھ کر کہا: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے (یعنی آپ کے سفید بال ظاہر ہو گئے) آپ نے فرمایا: مجھے سورۂ ھود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷) خصوصاً سورۂ ھود کی اس آیت نے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ . (ھود: ۱۱۲)

جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے سو آپ ہر عمل میں راہِ راست

پر رہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی طرف ضلال کی نسبت کرنے کے معانی اور محامل

اور جب کہ ضلال کا معنی ہے: راہ راست کو ترک کرنا خواہ یہ ترک عمداً ہو یا سہواً' کم دفعہ ہو یا زیادہ دفعہ تو جس شخص سے بھی خطا ہو' اس کے لیے ضلال کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے' اسی وجہ سے ضلال کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی کی گئی ہے اور کفار کی طرف بھی' ہر چند کہ دونوں کے ضلال میں زمین اور آسمان کا فرق ہے' اسی وجہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (الضحیٰ:۷) آپ کو از خود راہِ راست پر نہ پایا سو آپ کو راہِ راست پر گامزن کیا ۝

(اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ بعض اُمور میں آپ کو سہو اور نسیان سے راہِ راست پر نہ پایا سو آپ کو راہِ راست پر چلایا' جیسے امت کی تعلیم اور تشریع کے لیے آپ کو ظہر یا عصر کی نماز میں سہو ہوا اور آپ نے چار رکعت کی بجائے دو رکعت نماز پڑھا دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۰) اور ایک مرتبہ ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھا دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۲۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۳۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۹۱) پھر آپ نے سلام پھیر کر سجدہ کیا اور ہمیں یہ تعلیم دی کہ تم بھی ایسی صورت میں سجدہ سہو کر کے نماز کی اصلاح کرنا' اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اپنی محبت میں مستغرق اور وارفتہ پایا اور آپ کو امت کی طرف غیر متوجہ پایا تو آپ کو امت کی اصلاح' ہدایت اور تبلیغ اور تشریع کی طرف متوجہ کیا' اس معنی کی طرف اشارہ علامہ راغب کی اگلی عبارت میں آ رہا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان کے بیٹوں نے کہا:

اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ (یوسف:۹۵) بے شک آپ (یوسف کی اسی) پرانی محبت میں ہیں ۝

اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝ (یوسف:۸) بے شک ہمارا باپ (یوسف) کی محبت میں واضح طور پر راہِ راست سے متجاوز ہے ۝

اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت شدید محبت تھی جس کو انہوں نے ضلال سے تعبیر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

وَاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ (الشعراء:۲۰) اور میں سہو کرنے والوں میں سے ہوں ۝

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ۔ (البقرہ:۲۸۲) دو گواہی دینے والی عورتوں میں سے ایک بھول جائے۔

ایک اور اعتبار سے ضلال کے معانی

ایک اور اعتبار سے ضلال کی دو قسمیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت میں کوئی شخص راہِ راست پر نہ ہو (۲) احکامِ شرعیہ اور عبادات میں کوئی شخص راہِ راست پر نہ ہو۔

ضلال (۱) کی مثال اس آیت میں ہے:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ (النساء:۱۳۶) جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور روز قیامت

کے ساتھ کفر کرے تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو گیا○

اور ضلال (۲) کی مثال یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا○ (النساء: ۱۶۷)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستہ (پر چلنے) سے روکا' بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے○

ضلال کا معنی غفلت بھی ہے۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى○ (طٰہٰ: ۵۲)

موسیٰ نے کہا: اس کا علم میرے رب کے پاس اس کتاب میں ہے جس سے میرا رب نہ غافل ہے اور نہ بھولتا ہے○

ضلال کا معنی باطل بھی ہے:

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ○ (الفیل: ۲)

کیا اللہ نے کافروں کی سازش کو باطل نہیں کر دیا○

اضلال (گمراہ کرنا) کا معنی یہ ہے کہ اس کا فاعل ضلال کا سبب ہو جیسے اس آیت میں ہے:

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ (النساء: ۱۱۳)

ان منافقین کی ایک جماعت نے آپ کو ضرور گمراہ کرنے کا قصد کر لیا تھا۔

یعنی منافقین آپ کے سامنے بنو ابیرق کی چوری کی تہمت دوسروں پر ڈال رہے تھے تا کہ آپ سے ظالمانہ فیصلہ کرا دیں اور ظالمانہ فیصلہ گم راہی کا سبب ہے۔

اللہ کی طرف اضلال کی نسبت کرنے کے دو معنی

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کے اضلال کی نسبت ہو تو اس کے دو معنی ہیں: (۱) انسان ضلال کا سبب مہیا کرے یعنی اس کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کے اندر ضلال کو پیدا کر دے' اور آخرت میں اس کو جنت کے بجائے دوزخ کی طرف چلا دے' یعنی اس کو جنت سے بھٹکا دے اور گم راہ کر دے اور اللہ تعالیٰ کا یہ اضلال (گم راہ کرنا) حق اور عدل ہے' پس ایسے انسان پر یہ حکم لگانا کہ اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا اور جنت کے راستہ سے بھٹکا دیا' برحق ہے اور کسی اعتراض کا موجب نہیں ہے' جیسے فرمایا:

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ○ (المؤمن: ۷۴)

اسی طرح اللہ کافروں میں گمراہی پیدا فرماتا ہے○

(۲) اور اللہ کی طرف انسان کے اضلال کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی جبلت (فطرت) پر پیدا کیا ہے' وہ جس راستہ کو پسند کرتا ہے خواہ وہ راستہ اچھا ہو یا بُرا ہو (ایمان ہو یا کفر' نیکی ہو یا بدی) وہ اس راستہ کو اچھا سمجھتا ہے اور اس راستہ سے محبت کرتا ہے تو وہ انسان کی فطرت میں اس راستہ کو لازم کر دیتا ہے اور اس کو اس راستہ سے پھیرنا اور ہٹانا مشکل ہوتا ہے اور گویا اس راستہ کی اس کے اوپر مہر لگ جاتی ہے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ عادت انسان کی طبیعت ثانیہ ہے اور انسان کے اندر یہ قوت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو اللہ نے انسان کے اندر اس کے اختیار کی بناء پر پیدا کیا ہے' اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل کے متعلق

باتیں کر رہے تھے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ خبر سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دینا اور جب یہ خبر سنو کہ کسی شخص نے اپنی عادت بدل دی ہے تو اس کی تصدیق مت کرنا کیونکہ وہ اسی وصف پر لازم رہتا ہے جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳)

اور جب یہ قاعدہ اس طرح ہے تو جس فعل کا کوئی سبب ہو اس فعل کی اس سبب کی طرف نسبت کرنا صحیح ہے' پس کہا جائے گا کہ اس کافر کو اللہ تعالیٰ نے گم راہ کر دیا' نہ اس طریقہ سے جیسا کہ جاہل کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو گم راہ کر دیا تو اس میں اس کا کیا قصور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو گم راہ کرتا ہے جو از خود گم راہی کو اختیار کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کافر اور فاسق کو گم راہ کرتا ہے' مومن کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ اس نے خود مومن کو گم راہ کرنے کی نفی فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ. (التوبہ: ۱۱۵) اور اللہ کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ ایک قوم کو ہدایت دینے کے بعد اسے گم راہ کر دے۔

دلوں پر مہر لگانے کے ثبوت میں یہ آیات ہیں:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ. (البقرہ: ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء: ۱۵۵) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے

(المفردات ج ۲ ص ۳۹۰ - ۳۸۸ ملخصا وموضحا ومخرجا' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ضلال کی دو آیتوں میں تعارض کا جواب

جب ضلال کے متعدد معانی معلوم ہو گئے تو اب پھر یہ اشکال نہیں رہے گا کہ النجم میں فرمایا ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (النجم: ۲) تمہارے آقا (محمد) نے نہ (کبھی سیدھا) راستہ گم کیا اور نہ کبھی راہ (راست) کے بغیر چلے

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحیٰ: ۷) اللہ نے آپ کو (از خود) راہِ راست پر نہ پایا سو آپ کو راہِ راست پر گامزن کیا

ہم نے جو اس آیت کا معنی کیا ہے اس سے اس کا النجم: ۲ سے تعارض نہیں رہا اور اس کے دوسرے محامل یہ ہیں:

(۲) اللہ نے آپ کو بعض اُمور میں سہو اور نسیان سے راہِ راست پر نہ پایا سو آپ کو راہِ راست پر چلایا۔

(۳) اللہ نے آپ کو اپنی محبت میں مستغرق اور وارفتہ پایا سو آپ کو امت کی ہدایت اور اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔

اس کے باقی محامل ان شاء اللہ ہم الضحیٰ: ۷ میں بیان کریں گے۔

''صاحب'' کے معنی

اس آیت میں ''صاحبکم'' کا لفظ ہے' صاحب اس کو کہتے ہیں جو کسی کے ساتھ لازم رہے خواہ وہ انسان ہو یا حیوان ہو' مکان ہو یا زمان ہو اور اس کی مصاحبت خواہ بدن کے ساتھ ہو یا توجہ اور التفات کے ساتھ ہو' عرف میں صاحب کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے جو کسی کے ساتھ بہ کثرت لازم رہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہ کثرت لازم رہتے

تھے' اس لیے ان پر آپ کے صاحب کا اطلاق ہے:

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ. (التوبہ:۴۰) جب نبی اپنے صاحب سے کہہ رہے تھے: تم غم نہ کرو۔

صاحب اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کا مالک اور آقا ہو اور اس پر تصرف کرنے کا مالک ہو' اس معنی کے لحاظ سے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صاحب کا اطلاق ہے' تمہارے آقا (محمد) نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا صاحب فرمایا ہے' اس پر تنبیہ کرتے ہوئے تم ان کی مصاحبت اور مجلس میں رہے ہو اور تم نے ان کا تجربہ کیا ہے اور ان کے ظاہر اور باطن کو پرکھا ہے اور اس میں کوئی خلل نہیں پایا' اس لیے فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۚ (التکویر:۲۲) اور تمہارے صاحب اور آقا مجنون نہیں ہیں ○

کسی شخص کے متبعین کو بھی اس کے اصحاب کہا جاتا ہے' اسی اعتبار سے زندگی میں آپ کے متبعین کو آپ کے اصحاب کہا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا:

عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۖ (طٰہٰ:۱۲۱) آدم نے اپنے رب کی (بہ ظاہر) معصیت کی اور (بہ ظاہر) راہِ راست کے بغیر چلے ○

اور آپ کے متعلق فرمایا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ (النجم:۲) تمہارے آقا (محمد) نے نہ کبھی سیدھا راستہ گم کیا نہ کبھی راہِ راست کے بغیر چلے ○

''غوی'' کے معنی

''الغی'' کا معنی ہے: اعتقاد فاسد کی وجہ سے جاہل ہونا' کبھی انسان جاہل محض ہوتا ہے' اس کا کوئی اعتقاد صحیح ہوتا ہے نہ اعتقاد فاسد ہوتا ہے اور کبھی وہ اعتقاد فاسد کی وجہ سے جاہل ہوتا ہے' اس دوسری قسم کو ''الغی'' کہتے ہیں۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ. (الاعراف:۲۰۲) شیاطین کے بھائی کافروں کو فاسد اعتقاد (گمراہی) میں کھینچتے ہیں۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ (مریم:۵۹) سو وہ عنقریب عذاب میں داخل ہوں گے ○

اس آیت میں ''الغی'' کا اطلاق عذاب پر کیا گیا ہے کیونکہ عذاب ''الغی'' کا اثر ہے۔

اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۗ. (ھود:۳۴) (اے کافرو!) بے شک اللہ تمہیں تمہارے فاسد اعتقاد کی سزا دینا چاہتا ہے۔

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۖ (طٰہٰ:۱۲۱) آدم نے بہ ظاہر معصیت کی پس وہ غوی ہوئے ○

اس آیت میں ''فغوی'' کا معنی ہے: پس آپ نے ناواقفیت کا کام کیا' ایک قول ہے: پس آپ نے نقصان اٹھایا' ایک قول ہے: پس آپ کا عیش اور آپ کی پرلطف عشرت جاتی رہی۔

(''غوی'' کے جتنے معنی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ''مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ'' (النجم:۲) میں ان سب کی نفی کر دی۔) (المفردات ج ۲ ص ۴۷۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

''ھوی'' کے معنی

النجم: ۳ میں فرمایا: وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتےO
''الھوی'' کا معنی ہے: نفس کا شہوت کی طرف مائل ہونا' اس کا اطلاق عموماً اس شخص پر کیا جاتا ہے جس کا نفس شہوت کی طرف مائل ہو''الھاویہ'' دوزخ کو کہتے ہیں کیونکہ ''ھوی'' کی اتباع کے نتیجہ میں انسان دوزخ میں جا گرتا ہے''الھُوِیُّ'' کا معنی ہے: بلندی سے نیچے گرنا'' فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝'' (القارعہ: ۹) اس کا ٹھکانا دوزخ ہے' اس کا معنی خالی بھی ہے:
وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ (ابراہیم: ۴۳) اور (قیامت کے دن) کفار کے دل خالی اور اُڑے ہوئے ہوں گےO
(المفردات ج ۲ ص ۷۱۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى . (ص: ۲۶) اور آپ خواہشِ نفس کی پیروی نہ کریں۔
اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النجم: ۳) اور آپ خواہشِ نفس سے کلام نہیں کرتےO
آپ کا نفس باطل شہوات کی طرف مائل نہیں تھا' آپ کے نفس کی اپنی کوئی خواہش نہیں تھی' آپ وہی چاہتے تھے جو اللہ چاہتا تھا' آپ کی رضا اللہ کی مرضی تھی اور اللہ کی رضا آپ کی مرضی تھی۔

آیاتِ سابقہ سے ارتباط

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: ''ما ضل'' آپ نے کبھی راہِ راست کو ترک نہیں کیا' پھر فرمایا: ''وما غوی'' آپ کبھی راہِ راست کے خلاف نہیں چلے' خلوت میں نہ جلوت میں' ایامِ طفولیت میں نہ ایامِ شباب میں' اور جب اللہ سبحانہٗ نے آپ کو مبعوث کیا اور لوگوں کی طرف رسول بنایا اور اپنا پیغام دے کر بھیجا تو وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے' وہ پہلے پاکیزہ اور پارسا تھے اور اب ھادی اور رہ نما ہیں' وہ بچپن کے کھیل کود اور فضول لہو ولعب سے پاک رہے اور شباب کی مستیوں اور عیاشیوں سے دور رہے اور کبھی اپنے دامن کو بُرے کاموں اور بُری باتوں سے آلودہ نہ ہونے دیا اور جب خود اپنی شخصیت اور سیرت میں کامل ہو گئے تو اوروں کو کامل بنانے کے لیے اللہ نے آپ کو رسول بنایا اور اپنا پیغام دے کر بھیجا اور جب اللہ کا پیغام پہنچانے لگے تو وہی حکم دیا جو اللہ کا حکم تھا' جو اللہ کا منشاء اور اس کی مرضی تھی' آپ کی رسالت کو منوانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کمالات عطا کیے۔ مہر و ماہ کو آپ کی جنبشِ لب کے تابع کر دیا' آپ پر قرآن مجید بہ طور معجزہ نازل کیا جس کی نظیر لانے سے آج ساری دنیا عاجز ہے' جس میں کوئی اضافہ یا کمی کوئی ثابت نہ کر سکا' کسی مکتب میں نہیں گئے' کسی سے پڑھا نہیں' اس کے باوجود ایسی علوم آفریں گفتگو کی جس کے اسرار و رموز آج تک بیان کیے جا رہے ہیں' صالح نظامِ حیات کے لیے جامع دستور بنایا جو قیامت تک زندگی کے ہر شعبہ کے لیے کفیل ہے' اپنے کسی کمال کے متعلق یہ نہیں کہا: یہ میری کاوش ہے' ہر کمال کے متعلق یہی کہا: یہ اللہ کی عطا ہے' جو حکم دیا اس پر عمل کر کے دکھایا بلکہ اس سے زیادہ کر کے دکھایا' اپنی پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں صرف کیا اور اپنی مرضی کو رضائے الٰہی میں ڈھالا تب ہی تو فرمایا: وہ راہِ راست سے ہٹے نہیں صراطِ مستقیم کے خلاف چلے نہیں اور اپنی خواہش سے نطق نہیں کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی تحقیق

النجم: ۴ میں فرمایا: ان کا کہا ہوا وہی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہےO
وحی کا لغوی معنی ہے: لکھنا' اشارہ کرنا اور کلام خفی' اور وحی کا اصطلاحی معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جس کو وہ اپنے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرماتا ہے۔

اس آیت میں ان مشرکین کا رد ہے جو قرآن مجید کو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو شعر و شاعری کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا: یہ قرآن اور آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کی وحی ہے' شعر و شاعری نہیں ہے اور وحی عام ہے خواہ وحی جلی ہو یا وحی خفی ہو' اور وحی خفی میں احادیث بھی داخل ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ابوعلی جبائی اور اس کا بیٹا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے قائل نہیں ہیں' وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ بھی نطق کیا وہ وحی ہے اور جو اجتہاد سے ہو وہ وحی نہیں ہوتا' پس وہ آپ کا نطق اور آپ کا کہا ہوا نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اجتہاد کو جائز قرار دیا ہے اس لیے آپ کا اجتہاد بھی وحی ہے' یعنی وحی خفی ہے اور آپ کا اپنی خواہش سے کلام نہیں ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر اجتہاد بھی وحی ہوتا ہے تو مجتہدین جو اپنے قیاس سے مسائل استنباط کرتے پھر وہ بھی وحی کہلائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ آپ اجتہاد کریں اور دوسرے مجتہدین کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی۔ قاضی بیضاوی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر آپ کا اجتہاد وحی کے سبب سے ہوگا خود وحی نہیں ہوگا' صاحب الکشف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا: جب تمہارے ظن کے مطابق کوئی حکم ہو تو وہ میرا حکم ہے' یعنی ہر وہ چیز جس کو میں تمہارے دل میں ڈالوں وہ میری مراد ہے' پھر آپ کا اجتہاد حقیقۃً وحی ہوگا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: میرے نزدیک ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىO'' (النجم: ۳) اپنے عموم پر ہے' کیونکہ امام یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے قائل ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے جو حکم دیتے ہیں وہ اپنی خواہش سے دیتے ہیں' آپ کی شان اس سے بہت بلند ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا اجتہاد وحی کے واسطے سے ہوتا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۴۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں مذاہب فقہاء

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں وہ امور بھی داخل ہیں جو اجتہاد سے صادر ہوئے اور یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے۔

معتزلہ میں سے ابوعلی اور ابو ہاشم نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد سے عبادت نہیں کرتے تھے۔

(الاحکام للآمدی ج ۴ ص ۱۳۴)

بعض معتزلہ نے کہا: آپ کے لیے جنگوں میں اجتہاد کرنا جائز تھا اور دین کے احکام میں اجتہاد کرنا جائز نہیں تھا۔

جو ائمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے قائل ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے بالعموم فرمایا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۝ (الحشر: ۲) پس اے بصیرت والو! قیاس کرو۝

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ صاحبِ بصیرت تھے اور آپ سب سے زیادہ قیاس کی شرائط پر مطلع تھے اور اس کو جانتے تھے کہ قیاس میں کیا چیزیں واجب ہیں اور کیا جائز ہیں' پس آپ دوسروں کی بہ نسبت قیاس کرنے میں اگر راجح نہیں تو کم از کم مساوی ضرور ہیں لہٰذا آپ بھی قیاس کرنے کے حکم میں داخل ہیں' سو آپ بھی قیاس کرنے والے ہیں ورنہ آپ کی عصمت پر حرف آئے گا۔

(۲) جب آپ کا ظن غالب یہ ہو کہ اصل میں حکم کسی وصف (علت) پر مبنی ہے اور جب آپ کو علم ہو کہ فرع میں وہ وصف موجود ہے تو ضروری ہے کہ آپ یہ گمان کریں کہ فرع میں بھی اصل کی طرح اللہ کا حکم ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ قیاس پر عمل کریں۔

(۳) نص صریح کی بہ نسبت اجتہاد کے موافق عمل کرنا زیادہ مشکل اور دشوار ہے تو اس میں زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

افضل العبادات احمزھا. جو عبادت زیادہ دشوار ہو وہ زیادہ افضل ہے۔

(النہایہ ج ۱ ص ۴۲۲' الاسرار المرفوعۃ رقم الحدیث: ۲۰۸' المقاصد الحسنۃ ص ۸۹' کشف الخفاء ص ۱۵۵)

اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد پر عمل نہ کریں جب کہ آپ کی امت نے اجتہاد پر عمل کیا ہے تو اس باب میں امت آپ سے افضل ہوگی اور یہ جائز نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اجتہاد پر ہی عمل کریں کیونکہ یہ افضل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد اس وقت کیا جائے جب اس مسئلہ میں نص موجود نہ ہو' اس لیے ہر مسئلہ اور ہر معاملہ میں اجتہاد نہیں ہو سکتا' دوسرا جواب یہ ہے کہ وحی کا درجہ اجتہاد سے اعلیٰ ہے' لہٰذا جب آپ کے لیے وحی کا حصول ممکن ہے تو آپ کے لیے حصولِ وحی کی صورت میں اس پر عمل کرنا افضل ہے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

العلماء ورثۃ الانبیاء. علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶)

پس ضروری ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کیا ہو' ورنہ مجتہدین اور مفتیان کرام اجتہاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث نہیں ہوں گے۔

(۵) بہ کثرت احکام اور سنن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں (جیسے وضو میں کلی کرنا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈالنا وغیرہ اسی طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا' قیام میں ہاتھ باندھنا' سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا' زکوٰۃ میں نصاب کی مقدار اور حج میں تلبیہ پڑھنا' طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا اور اسی طرح حدود اور قصاص اور روزوں اور دیگر احکامِ شرعیہ کی تفصیلات ہیں) اگر تمام احکام وحی سے ثابت ہوں اور آپ کے اجتہاد سے کوئی حکم ثابت نہ ہو تو پھر بعض احکام آپ کی سنت کس طرح قرار پائیں گے؟

(المحصول ج ۴ ص ۱۳۶۶' موضحاً و مخرجاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابن امیر الحاج التوفی ۸۷۹ھ' علامہ ابن ہمام حنفی التوفی ۸۶۱ھ کی ''التحریر'' کی شرح میں لکھتے ہیں:
متاخرین فقہاء احناف کا مختار مذہب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں پہلے وحی نازل ہونے کا انتظار کریں اور جب انتظار کی مدت ختم ہو جائے اور وحی نازل نہ ہو تو پھر آپ اس میں اجتہاد کریں اور آپ اجتہاد سے جو حکم دیں گے وہ وحی کی طرح قطعی ہوگا۔ اس کے برخلاف دوسرے مجتہدین کے اجتہاد سے جو حکم ثابت ہو وہ ظنی ہوتا ہے کیونکہ ان کا اجتہاد خطاء کا احتمال رکھتا ہے اور آپ کا اجتہاد خطاء کا احتمال نہیں رکھتا اور اگر بالفرض اس میں خطاء ہو تو آپ کو اس پر برقرار نہیں رکھا جائے گا' بلکہ متنبہ کر دیا جائے گا۔ (التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳۹۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطاء اجتہادی میں مصنف کی تحقیق

محققین کا یہی مذہب ہے کہ آپ کے اجتہاد میں خطاء نہیں ہوتی اور شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ آپ کا اجتہاد وحی کے قائم مقام ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جن صورتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ آپ کی اجتہادی خطاء تھی جیسے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرنا یا فجر کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھنا یا شہد کو اپنے اوپر طبعاً حرام قرار دینا' یہ چیزیں بہ ظاہر صورۃً خطا تھیں تاکہ امت میں اجتہادی خطاء کا نمونہ ہو اور یہ چیزیں حقیقۃً خطا نہیں تھیں ورنہ بعد میں فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرنا ممنوع قرار دیا جاتا اور جنگ میں کفار سے شکست یا کسی ناگہانی مصیبت میں قنوتِ نازلہ پڑھنا بعد میں ممنوع ہوتا اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ قسم کھا کر یہ کہے کہ میں فلاں چیز کو نہیں کھاؤں گا یا کہے کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث

جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا ہے' انہوں نے حضرت یعلیٰ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب آپ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس وقت تک جواب نہیں دیا جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی' لیکن بہ کثرت ایسی احادیث ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ وحی کے بغیر فی الفور سائل کے جواب دیئے اور یہ جوابات آپ کے اجتہاد پر قوی دلیل ہیں اور حضرت یعلیٰ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ وحی سے احکام حاصل کرتے تھے' لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ہر حکم وحی سے حاصل کرتے تھے اور اجتہاد بالکل نہیں کرتے تھے' جب کہ آپ نے بہ کثرت سوالات کے جوابات میں فی الفور احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن یہ خبر دی گئی کہ خزاعہ نے بنولیث کے ایک شخص کو اپنے مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا ہے' جس کو بنولیث نے قتل کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: بے شک اللہ نے مکہ میں قتل کو بند کر دیا ہے اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کو مسلط کر دیا ہے۔ سنو! مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ سنو! وہ میرے لیے دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال ہوا ہے اور سنو! یہ وہی ساعت ہے' نہ اس کے کانٹوں کو اکھاڑا جائے گا' نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی' ماسوا اعلان کرنے والے کے' اور جن لوگوں کا کوئی شخص قتل کیا گیا ہو' اس کو دو اختیار ہیں: یا تو وہ دیت لے لے یا قصاص لے لے۔ یمن کے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! مجھے یہ لکھ کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ابوفلاں کے لیے یہ لکھ دو۔ قریش کے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! اذخر (ایک قسم کی گھاس) کا استثناء فرمائیے'

کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں میں اور قبروں میں رکھتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوا اذخر کے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۸، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۵۔ ۲۸۷۴، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذخر کے استثناء کا سوال کیا گیا اور آپ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے اس کا استثناء کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ محرم کیا پہنے؟ آپ نے فرمایا: محرم قمیص پہنے نہ عمامہ نہ شلوار نہ ٹوپی نہ زعفران یا سرخ رنگ سے رنگا ہوا کپڑا اگر اس کو نعلین نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو (اوپر سے) کاٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۳۲)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں وحی کی طرف مراجعت کیے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے محرم کے لباس کے متعلق حکم شرعی بیان فرمایا۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں اور وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور نہ کسی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں۔ (الممتحنہ: ۱۲) اور نیکی کے کاموں میں سے نوحہ کی ممانعت بھی تھی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آل فلاں کا استثناء کر دیجئے کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی تو میرے لیے بھی ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا آل فلاں کے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں حضرت ابوبردہ بن نیار نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بکری کا گوشت ہے (یعنی قربانی نہیں ہے کیونکہ وہ نماز عید کے بعد ہے) انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس چھ ماہ کا بکرا ہے آپ نے فرمایا: تم اس کی قربانی کر لو تمہارے علاوہ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۶۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹۷۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۱۔ ۲۸۰۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۶۳، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۸۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۰۷ طبع جدید)

ان دونوں حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر استثناء بیان فرمایا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں خوشی سے سرشار تھا تو میں نے روزے کے باوجود بوسہ لے لیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج میں نے بہت سنگین کام کیا ہے میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ! اگر تم روزے کی حالت میں پانی سے کلی کر لو تو! (دارمی میں ہے:) میں نے کہا: تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا آپ نے فرمایا: تو اس سے کیسے ہوگا؟

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۵، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۷۲۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً قیاس سے حکم شرعی بیان فرمایا ہے اور روزے میں بوسہ لینے کو کلی کرنے پر قیاس فرمایا ہے اور یہ آپ کے اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! مال دار لوگ تو اجر و ثواب لے گئے' وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال سے صدقہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے تمہارے لیے صدقہ کا سبب مہیا نہیں کیا؟ ہر بار ''سبحان اللہ'' کہنا صدقہ ہے' ہر بار ''الحمد للہ'' کہنا صدقہ ہے اور ہر بار ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنا صدقہ ہے' اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص کا جماع کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی شخص محض شہوت سے جماع کرے' پھر بھی اس کا یہ عمل صدقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ! اگر تم میں سے کوئی شخص حرام محل میں شہوت پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح جب وہ حلال محل میں شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۴۹۴' مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۸۔۱۶۷)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیاس اور اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی' پھر وہ فوت ہوگئی۔ اس کا بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا حق ادا کرو' وہ ادائیگی کے زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی قوی دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر ہم نے ''تبیان القرآن'' ج ۳ ص ۴۸۲۔۴۷۸ میں بھی بحث کی ہے اور ''شرح صحیح مسلم'' ج ۳ ص ۲۷۸۔۲۶۸ میں بھی بحث کی ہے۔ ان دونوں مقامات کی ابحاث لائق مطالعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سخت قوتوں والے نے ان تک علم پہنچایا O بہت زبردست نے پھر اللہ نے استواء فرمایا O اس وقت وہ (نبی یا جبریل) آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھے O پھر وہ (اللہ' نبی سے) قریب ہوا' پھر زیادہ قریب ہوا O تو وہ (نبی' اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار (قریب) ہو گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ O پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی O (آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا O (النجم: ۱۱۔۵)

حضرت جبریل کی شدید قوت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریل کو دوبارہ دیکھنا

النجم: ۶۔۵ میں فرمایا: سخت قوتوں والے نے ان تک علم پہنچایا O بہت زبردست نے۔ تمام مفسرین کی تصریح کے مطابق اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں۔ حضرت جبریل امین کی شدت اور قوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اپنے ایک پر کے اوپر اٹھا لیا پھر ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان تک لے گئے' حتیٰ کہ آسمان والوں نے مرغوں کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں' پھر ان تمام بستیوں کو پلٹ کر زمین پر پھینک دیا اور ان کی شدت کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ ابلیس' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارضِ مقدسہ کی کسی گھاٹی میں کلام کر رہا ہے انہوں نے اپنے پر سے پھونک مار کر سرزمین ہند کے دور دراز پہاڑ پر پھینک دیا' اور ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ قوم ثمود جو بہت جسیم اور بہت طاقت ور تھی ان کی ایک چیخ سے وہ ہلاک ہوگئی اور یہ ان کی قوت تھی کہ وہ آسمان سے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے اور پلک جھپکنے سے پہلے واپس آسمان پر پہنچ جاتے اور ان کی عقل کی عظمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام انبیاء علیہم السلام کی وحی پر امین بنایا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۰۔۷۹)

اس کے بعد اللہ نے استواء فرمایا یعنی اپنی شان کے مطابق عرش پر جلوہ فرما ہوا' یہ حضرت حسن بصری کی تفسیر ہے۔
اور ربیع بن انس' فرّاء' سعید بن میتب اور سعید بن جبیر نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک علم پہنچانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آسمان کے بلند مقام پر پہنچے اور پھر اپنی صورت میں قائم ہو گئے جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو بار دیکھا ہے' ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے ان سے ان کی اصل صورت میں دیکھنے کا سوال کیا تو انہوں نے آسمان کے کنارے کو بھر لیا اور دوسری بار اس وقت جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آسمان پر چڑھے اس وقت وہ افق اعلیٰ پر تھے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۴۷' مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۷' کتاب العظمۃ ج ۲ ص ۷۹۱)

النجم: ۷ میں فرمایا: اس وقت وہ (نبی یا جبریل) آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھے۔
علامہ علی بن حبیب ماوردی متوفی ۴۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) سدی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر دیکھا۔
(۲) عکرمہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر دیکھا۔

اور ''افق اعلیٰ'' کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) مجاہد نے کہا کہ اس سے مراد آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ ہے (۲) قتادہ نے کہا: اس سے مراد صبح کے طلوع ہونے کی جگہ ہے (۳) ابن زید نے کہا: اس سے مراد آسمان کے کناروں میں سے کوئی ایک کنارہ ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو اصل صورت میں دیکھا اور ان کے چھ سو پر تھے' ہر پر نے افق کو بھر لیا تھا اور ان سے موتی' یاقوت اور جواہر جھڑ رہے تھے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

''دنا فتدلّٰی'' کی ضمیروں کے مرجع کے متعلق مفسرین کے اقوال

النجم: ۷ میں فرمایا: پھر وہ (اللہ نبی سے) قریب ہوا' پھر زیادہ قریب ہوا O
اس آیت میں ''دنا'' اور ''فتدلّٰی'' کے الفاظ ہیں' ''دنا'' کے معنی ہیں: قریب ہوئے اور ''فتدلّٰی'' کے متعلق ابن قتیبہ نے کہا ہے: اس کا معنی بھی ہے قریب ہوئے' کیونکہ ''تدلّی'' قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے اور الزجاج نے کہا: ''دنا'' کا معنی ہے: قریب ہوئے اور ''فتدلّٰی'' کا معنی ہے: پس زیادہ قریب ہوئے اور دوسرے ائمہ نے کہا: ''تدلّی'' کا اصل معنی ہے: کسی چیز کے قریب نازل ہونا' پس اس کو قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

''دنا'' اور ''فتدلّٰی'' کی ضمیروں میں اختلاف ہے کہ کون کس کے قریب ہوا؟ علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:
مقاتل نے کہا: رب العزت عزوجل شب معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے' پھر زیادہ قریب ہوئے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قرظی نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے۔

حسن بصری اور قتادہ نے کہا: حضرت جبریل جب زمین سے افق اعلیٰ پر مستوی ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل ہوئے۔
مجاہد نے کہا: حضرت جبریل اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے' پس وہ دو کمانوں کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔
علامہ ابن جوزی نے کہا: ان اقوال میں قول مختار مقاتل کا ہے کیونکہ اس کی تائید میں "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی حدیث ہے۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۶۶۔۶۵' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)
علامہ ابن جوزی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

ودنا الجبار رب العزة فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنی.

اور جبار رب العزت آپ کے قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار قریب' بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ عزوجل کے قریب ہونے کے محمل کے متعلق محدثین اور مفسرین کی تصریحات

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علماء نے اس حدیث سے اشکال کو زائل کیا ہے' قاضی عیاض نے "الشفاء" میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو قریب ہونے کی اضافت کی گئی ہے اس سے زمان اور مکان اور جگہ کا قرب مراد نہیں ہے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ اور آپ کے شرف والے درجہ کو ظاہر کرنا مراد ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سے مانوس کرنا اور آپ کا اکرام کرنا مراد ہے' اور اس کی وہی تاویل کی جائے گی جو درج ذیل احادیث میں کی گئی ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے یعنی اترتا ہے' جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں اور کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اس کو عطا کروں اور کون مجھ سے استغفار کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۸)
علامہ ابوالحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اہل بدعت نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نازل ہونا اور اترنا جسم ہونے کا تقاضا کرتا ہے سو اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات تو قرآن مجید میں بھی ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ (الفجر: ۲۲)

آپ کا رب خود آ جائے گا اور فرشتے صف بہ صف آ جائیں گے ۝

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ . (البقرہ: ۲۱۰)

وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ خود ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور اس کے فرشتے آ جائیں۔

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ . (النحل: ۲۶)

پس اللہ ان عمارتوں کی بنیادوں پر آیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی نسبت ہے اور آنے اور اترنے دونوں میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ آنا اور اترنا دونوں انتقال اور حرکت کا تقاضا کرتے ہیں جو جسم کے خواص میں سے ہے' پس ان آیات میں آنے کا وہ معنی کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور وہ ہے متوجہ ہونا' اس طرح جس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف اترنے کی نسبت ہے' اس کا معنی بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۳ ص ۱۳۹۔۱۳۷' ملخصاً' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

اسی طرح یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں' اگر وہ میرا تنہائی میں ذکر کرے تو میں اس کا تنہائی میں ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ میرا جماعت میں ذکر کرے تو میں جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جو میرے ایک بالشت قریب ہو تو میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میرے ایک ہاتھ قریب ہو تو میں اس کے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۵ ص ۲۰۵۔۲۰۴۔رقم الحدیث: ۹۳۵۱' طبع مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

کہ''ثم دنا'' سے مراد قرب معنوی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ اس کے نزدیک اپنے نبی علیہ السلام کا کتنا عظیم مرتبہ ہے اور''تدلی'' کا معنی زیادہ قرب کو طلب کرنا ہے اور''قاب قوسین'' کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لطیف محل عطا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی وضاحت کرنا' آپ کی دعا کو قبول کرنا اور آپ کے درجہ کو بلند کرنا۔

(فتح الباری ج ۱۵ ص ۴۵۶' ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جبار رب العزت کے قریب ہونے سے مراد قرب معنوی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا مرتبہ ہے اس کو ظاہر کرنا ہے' اور''تدلّی'' کا معنی ہے: زیادہ قرب کو طلب کرنا اور''قاب قوسین'' سے مراد آپ کی دعاؤں کو قبول کرنا اور آپ کے درجہ کو بلند کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۵۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی نے بھی اس حدیث کی یہی تاویل کی ہے اور الماوردی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے''ثم دنا'' کی تفسیر میں فرمایا کہ رب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوا اور''فتدلی'' کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ کی طرف اپنے احکام نازل کیے۔

(النکت والعیون للماوردی ج ۵ ص ۳۹۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت)(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۶۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے''صحیح بخاری'' میں یہ حدیث مروی ہے: الجبار رب العزت قریب ہوا' پس زیادہ قریب ہوا حتیٰ کہ آپ اللہ سے دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے قریب ہوئے پس دو کمانوں کی مقدار ہو گئے۔
جعفر بن محمد نے کہا کہ آپ کو آپ کے رب نے خود سے قریب کیا حتیٰ کہ آپ اپنے رب سے دو کمانوں کی مقدار قریب

ہو گئے۔
اور جعفر بن محمد نے کہا: اللہ کے قرب کی کوئی حد نہیں ہے اور بندوں کا قرب محدود ہے۔ نیز انہوں نے کہا: کیا تم نے دیکھا کہ حضرت جبریل اللہ کے قرب سے کیسے حجاب میں تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے قریب ہوئے حتیٰ کہ آپ کے دل میں معرفت اور ایمان کو رکھا گیا' پھر آپ سکون قلب سے وہاں تک قریب ہوئے جہاں تک اللہ نے آپ کو قریب کیا اور آپ کے دل سے ہر قسم کا شک اور تردد زائل ہو گیا۔
قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے یا آپ کو اپنی طرف قریب کرنے کا معنی اس طرح نہیں ہے جو جگہ اور مسافت کا قرب ہو بلکہ جیسا کہ ہم نے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے اللہ کے قرب کی کوئی حد (تعریف) نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کے عظیم مرتبہ' بلند درجہ' آپ کی معرفت کے انوار اور اللہ تعالیٰ کے غیب اور اس کی قدرت کے اسرار کے مشاہدہ کو ظاہر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے آپ سے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کو مانوس کیا جائے اور آپ کا اکرام کیا جائے۔
اور آپ اللہ سے دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے زیادہ قریب ہوئے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتہائی قرب اور لطیف محل عطا کیا' آپ کو واضح معرفت عطا کی اور محبت سے آپ کی دعاؤں کو قبول کیا اور آپ کے مطالبہ کو پورا کیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۵۹۔ ۱۵۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)
علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:
حسن بصری حلف اٹھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اپنے نزدیک بلند کیا اور ''تدلّی'' کا معنی یہ ہے کہ اس نے آپ کو بالکلیہ جانب قدس میں جذب کر لیا اور اسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہونا کہتے ہیں۔
ہم نے جو ''دنا'' کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے یعنی اللہ آپ کے قریب ہوا' اس کی دلیل ''صحیح بخاری'' کی وہ حدیث ہے کہ جبار رب العزت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۰ 'ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)
نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:
معظم صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ جو آپ کے قریب ہوا یا آپ اس کے قریب ہوئے اس سے قرب کا وہ معنی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور آپ کی شان کے لائق ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

''فکان قاب قوسین'' کا معنی اور قریب ہونے والے کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف اور قول مختار کا تعین

النجم: ۸ میں فرمایا: تو وہ (نبی' اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار (قریب) ہو گئے' بلکہ اس سے بھی زیادہ۔
اس آیت میں ہے: ''قاب قوسین'' ''قاب'' کا معنی ہے: مقدار اور ''قوسین'': ''قوس'' کا تثنیہ ہے' ''قوس'' کا معنی ہے: کمان اور اس میں تین مضاف محذوف ہیں اور اس کا معنی ہے: وہ دو کمانوں کی مقدار کی مسافت کی مثل قریب ہو گئے' یہ اس کا ظاہری معنی ہے اور اس سے مراد ہے: اللہ کا اپنے نبی کو انتہائی قرب عطا کرنا ہے اور اس سے قرب مسافت مراد نہیں ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۴۔ ۸۳ 'ملخصاً)
اور اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ کون کس کے قریب ہوا؟ علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ

میں تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت جبریل امین اللہ عزوجل کے قریب ہوئے۔

(۲) محمد بن کعب نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے قریب ہوئے۔

(۳) حضرت جبریل امین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ' قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۹۱۱ھ کا مختار یہ ہے کہ حضرت جبریل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے (یعنی ان کا مختار تیسرا قول ہے)۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۳۹' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۷۔۶' روح البیان ج ۹ ص ۲۵۷)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے یا حضرت جبریل امین کے قریب ہوئے (ان کا مختار دوسرا قول ہے)۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی دوسرے قول کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ حسن بصری کی روایت ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۸۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ' علامہ قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ اور قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ کا بھی یہی مختار ہے' جیسا کہ ان کی تصریحات گزر چکی ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین اور محدثین کا مختار دوسرا قول ہے۔

''قاب قوسین'' سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا معاملہ واحد ہے

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ آیت محاورہ عرب کے موافق ہے کیونکہ دو سردار جب ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ہیں تو وہ اپنی دونوں کمانوں کو ملاتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے ہتھیار ایک ہیں' اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا تو وہ دونوں اس کے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۳۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت سے یہ واضح کر دیا گیا کہ اللہ اور رسول کا معاملہ واحد ہے' اللہ تعالیٰ کی رضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے' رسول اللہ سے بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے' رسول اللہ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہے' رسول کا حکم اللہ کا حکم ہے' رسول اللہ کا منع کرنا اللہ کا منع کرنا ہے' رسول اللہ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے' اور رسول اللہ کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے' آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے اور آپ کا فعل اللہ کا فعل ہے' قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کا معاملہ واحد ہونے پر قرآن مجید کی آیات

(۱) مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

اس آیت میں یہ واضح تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

(۲) اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ (الفتح: ۱۰) بے شک جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کر رہے تھے وہ اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔

اس آیت میں یہ صاف بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اور آپ سے خریدنا' اللہ سے بیعت کرنا اور

اللہ سے خریدنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ صحابہ کے ہاتھوں پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۳) یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ (الفتح:۱۰) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے' یعنی آپ کی قوت' عطا اور مدد' اللہ تعالیٰ کی قوت' عطاء اور مدد ہے۔

(۴) وَ مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ (الانفال:۱۷) آپ نے (حقیقۃً) کنکریاں نہیں ماریں جب آپ نے (ظاہراً) کنکریاں ماری تھیں' لیکن اللہ نے کنکریاں ماریں تھیں۔

اس آیت میں یہ واضح تصریح ہے کہ آپ کا فعل اللہ کا فعل ہے

ستر نقباء (انصار) نے مدینہ سے آکر مکہ کی گھاٹی میں اپنی جانوں اور مالوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جنت کے عوض فروخت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خریدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۵) اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ (التوبہ:۱۱۱) بے شک اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خریدنا' اللہ سبحانہ' کا خریدنا ہے۔

منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا ایمان ظاہر کر کے اپنے زعم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۶) یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ ۚ (البقرہ:۹) وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا تو غیر متصور ہے کیونکہ اللہ سبحانہ' عالم الغیب ہے اور منافق بھی اللہ کو مانتے تھے' اس لیے اس کا معنی ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں' پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے۔

(۷) اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ (الاحزاب:۵۷) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں' اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا تو محال ہے' اس لیے اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہے' لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا اس آیت میں الگ سے صراحۃً ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز پہلے سے ضمناً سمجھ آرہی تھی اس کو صراحۃً ذکر کر کے مؤکد کیا گیا ہے۔ اصطلاح میں اس کو "تصریح بما علم ضمناً" کہتے ہیں۔

بعض نومسلم صحابہ نے جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرنے کا مشورہ' مالِ دنیا کی طمع میں دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو ان کی آخرت کے اعتبار سے قبول کیا تھا کہ ان میں سے بعض قیدی خود ایمان لے آئیں گے اور بعض کی اولاد اسلام قبول کر لے گی اور وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے' سو بعض نومسلم صحابہ کی رائے مالِ دنیا کی طمع سے تھی اور آپ کا اس رائے کو قبول کرنا قیدیوں کی آخرت کی وجہ سے تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۸) تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ (الانفال:۶۷) تم فدیہ سے متاع دنیا کا ارادہ کر رہے تھے اور اللہ آخرت کا ارادہ فرما رہا تھا۔

آخرت کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ آخرت کا ارادہ کر رہا تھا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اللہ کا ارادہ ہے۔

(۹) وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ۔ (التوبہ:۶۲) اور اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم اس کو راضی کرو۔

اس آیت میں اللہ اور رسول دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور ''یرضوہ'' میں ضمیر واحد ذکر کی ہے اور اس سے اس پر متنبہ فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا واحد ہے اور رسول کو راضی کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے۔

(۱۰) وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ ۔ (التوبہ:۷۴) ان منافقوں کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت میں بھی اللہ اور اس کے رسول دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور ''من فضلہ'' میں ضمیر واحد کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا فضل واحد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل کرنا اللہ ہی کا فضل فرمانا ہے۔

(۱۱) لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ (الحجرات:۱) اللہ اور رسول پر سبقت نہ کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو۔

اللہ پر سبقت کرنا اور اس سے آگے بڑھنا محال ہے' اس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور منع اس کام سے کیا جاتا ہے جس کا کرنا متصور ہو' اس لیے اللہ پر سبقت کرنے سے مراد ہے: اس کے رسول پر سبقت کرنا اور اس آیت میں یہ بتایا کہ رسول اللہ سے سبقت کرنا' اللہ تعالیٰ سے سبقت کرنا ہے' پھر تاکید کے لیے صراحۃً فرمایا کہ اس کے رسول سے سبقت نہ کرو۔

ہم نے یہ گیارہ آیات پیش کی ہیں جن سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ واحد ہے اور اسی چیز کو ''قاب قوسین او ادنٰی'' کی مثال سے واضح کیا ہے کہ دونوں کمانیں انتہائی قریب ہیں جس طرح دو قبیلوں کے سردار اپنی کمانوں کو ملا کر یہ بتاتے ہیں کہ ایک سے صلح دوسرے سے صلح ہے اور ایک سے جنگ دوسرے سے جنگ ہے اور ایک سے خیانت دوسرے سے خیانت ہے اور ایک سے معاہدہ دوسرے سے معاہدہ ہے اور ایک سے عہد شکنی دوسرے سے عہد شکنی ہے کیونکہ دونوں کے ساتھ معاملہ واحد ہے' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح اللہ تعالیٰ سے صلح کرنا ہے اور آپ سے جنگ کرنا اللہ سے جنگ کرنا ہے' آپ سے خیانت کرنا اللہ سے خیانت کرنا ہے' آپ سے معاہدہ کرنا اللہ سے معاہدہ کرنا ہے اور آپ سے عہد شکنی کرنا اللہ سے عہد شکنی کرنا ہے۔

اور ''قاب قوسین'' سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اس قدر قریب ہو گئے کہ دونوں میں کوئی فاصلہ نہ رہا' کیونکہ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہے اور آپ بے شمار کمالات کے باوجود اللہ کے عبد اور اس کے بندے ہیں' اس لیے ''قاب قوسین'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوس اور اللہ عزوجل کی قوس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول میں اس قدر قرب ہے کہ دونوں کے ساتھ معاملہ واحد ہے

''فکان قاب قوسین او ادنٰی'' میں جو اللہ اور اس کے رسول کا انتہائی قرب بتایا ہے ہم نے اس کو درج ذیل مثال سے واضح کیا ہے۔

''فکان قاب قوسین او ادنیٰ'' کی ایک تمثیل سے وضاحت

''قاب قوسین'' کی صورت:
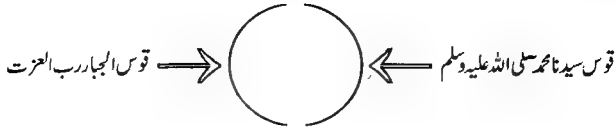
''او ادنیٰ'' کی صورت:
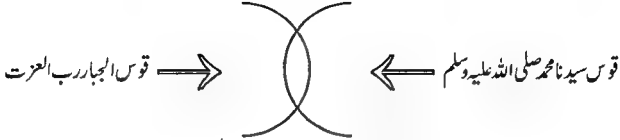
مفسرین اور محدثین نے اس آیت کا یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہو گئے جیسے ایک کمان کے دوسرے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں' بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اصل میں عبارت یہ ہے کہ ''کسقابی قوس'' لیکن اس معنی میں کافی تکلف کا دخل ہے''قاب'' کا معنی کمان کا سرا بھی ہوتا ہے۔

اس آیت کا یہ محمل نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فاصلہ نہ رہا' یا اللہ اور رسول گڈ مڈ ہو گئے جیسا کہ ہم کئی بار بتا چکے ہیں' بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوس کی تجلیات رب العزت کی قوس کے جلووں میں گم ہوگئیں اور آپ فنا فی الذات کے مرتبہ سے واصل ہو گئے' جیسا کہ علامہ آلوسی نے بعض اللہ والوں سے نقل کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۰) یا اس کا محمل آپ کا اللہ سے انتہائی قرب اور آپ کے مرتبہ کی تکریم اور آپ کے درجہ کی تعظیم کو بیان کرنا ہے جیسا کہ قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۵۹) یا اس کا محمل یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ کے ساتھ اور آپ کے ساتھ معاملہ واحد ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

''فاوحٰی الی عبدہ ما اوحی'' کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

النجم: ۱۰ میں فرمایا: پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) شب معراج اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بالمشافہ اور بلا واسطہ وحی کی۔

(۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ وحی کی جو ان کی طرف اللہ نے وحی کی تھی۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کی طرف وحی کی جو بھی وحی کی۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۶۷' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ ھ)

علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے موخر الذکر دو قول بیان کیے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۳)

امام رازی التوفی ۶۰۶ھ نے بھی مؤخر الذکر دو قول بیان کیے ہیں۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۴۱)
قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے صرف دوسرا قول ذکر کیا ہے۔(تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۷)
علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے تینوں قول ذکر کیے ہیں اور علامہ ابن جوزی کی طرح پہلے قول کو مقدم رکھا ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۵)
علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے صرف دوسرا قول ذکر کیا ہے۔(روح البیان ج ۹ ص ۲۵۷)
حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل نے آپ کی طرف وحی کی یا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے واسطے سے آپ کی طرف وحی کی۔(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۴)
علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے پہلے دو قول ذکر کیے ہیں اور مقدم پہلے قول کو رکھا ہے۔(البحر المحیط ج ۱۰ ص ۱۱)
علامہ الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے بھی پہلے دو قول ذکر کیے ہیں اور مقدم پہلے قول کو رکھا ہے۔
(معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۰۳)
علامہ ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے بھی پہلے دو قول ذکر کیے ہیں اور مقدم پہلے قول کو رکھا ہے۔(جامع البیان جز ۲۷ ص ۶۳)
ان اقوال میں ہمارا مختار پہلا قول ہے اور علامہ آلوسی کا بھی یہی مختار ہے' وہ لکھتے ہیں: علامہ طیبی نے کہا کہ اس آیت کو اس پر محمول کرنا کہ حضرت جبریل نے اللہ کے مقدس بندے پر وحی کی' اس سے ذوقِ سلیم انکار کرتا ہے کیونکہ یہ وحی بالواسطہ ہے اور دوسری وحی بلاواسطہ ہے جو تعظیم اور تکریم کی جہت سے ہے اور اس وحی سے آپ کو ایک مقام سے ترقی حاصل ہوگی۔
امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب اللہ کے حبیب' اللہ سے غایت قریب میں پہنچے تو آپ پر بہت زیادہ ہیبت طاری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ازالہ کے لیے آپ پر انتہائی لطف و کرم فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:
فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰىؕ (النجم: ۱۰) پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی O
گویا جو ہونا تھا وہ ہوا اور حبیب نے اپنے حبیب سے وہ کہا جو ایک حبیب دوسرے حبیب سے کہتا ہے اور آپ سے وہ راز کی باتیں کیں جو راز ایک حبیب اپنے حبیب سے کہتا ہے پس دونوں نے اس راز کو مخفی رکھا اور ان کے راز و نیاز پر کوئی بھی مطلع نہیں ہوا۔(روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شب معراج آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا قلب سے؟ اس مسئلہ میں متعدد اقوال اور قولِ مختار

النجم: ۱۱ میں فرمایا: آپ کے قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا O
علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اس آیت میں ''الفؤاد'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: دل اور دل کی تفسیر میں دو قول ہیں:
(۱) دل سے مراد ہے: صاحب دل' دل والا اور جسم کو دل سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ دل جسم کا قطب ہے اور اسی پر مدارِ حیات ہے۔
(۲) اس سے مراد خود دل ہے (یعنی ذہن اور دماغ) کیونکہ وہی تمام افکار' نظریات اور معتقدات کا محل ہے۔
اور قلب کی تکذیب نہ کرنے کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) آنکھوں نے جو کچھ دیکھا دماغ نے اس کے خلاف وہم پیدا نہیں کیا' جیسا کہ انسان دور سے ریگستان میں دوپہر کو چمکتی ہوئی ریت کو دیکھتا ہے تو دماغ میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ پانی ہے' حالانکہ وہ محض سراب ہے۔

(۲) آنکھوں نے جو کچھ دیکھا دماغ نے اس کا انکار نہیں کیا۔

اور آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی تفسیر میں پانچ قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو بیداری میں اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

(۲) سدی نے کہا: آپ نے خواب میں اپنے رب کو دیکھا جیسا کہ ''سنن ترمذی'' میں یہ حدیث ہے:

''انی نعست فاستثقلت نوما فرایت ربی فی احسن صورة. الحدیث'' مجھے نیند آئی' پھر گہری نیند آ گئی' پھر میں نے اپنے رب کو بہت حسین صورت میں دیکھا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۴۔ ۳۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸)

(۳) محمد بن کعب نے کہا: ہم نے سوال کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا ہے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○''۔ (النجم: ۱۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔

(جامع البیان جز ۲۷ ص ۶۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۴) حسن بصری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے جلال کو دیکھا اور ابو العالیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے دریا کو دیکھا اور میں نے دریا کے پار حجاب کو دیکھا اور میں نے حجاب کے پار نور کو دیکھا' میں نے اس کے سوا نہیں دیکھا۔

(۵) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دو بار دیکھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے سدرة المنتہیٰ کے پاس حضرت جبریل کو دیکھا' ان کے چھ سو پر تھے اور ان کے پروں سے جواہر' موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۱۳۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۷۴۸' الدر المنثور ج ۷ ص ۵۶۵)

علامہ ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اس کی تفسیر میں صرف پہلا اور پانچواں قول نقل کیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۶۸)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ نے جو دیکھا اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) آپ نے اپنے رب کو دیکھا (۲) آپ نے حضرت جبریل کو دیکھا (۳) آپ نے اپنے رب کی نشانیاں دیکھیں۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں:

پھر نصوص اس پر وارد ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے' پس آپ کی بصر آپ کے دل میں رکھ دی گئی تھی یا آپ نے اپنے رب کو اپنی بصر سے دیکھا اور آپ کا دل آپ کی بصر میں رکھ دیا گیا تھا اور یہ کیوں نہیں ہو سکتا کیونکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ بندہ کا دیکھنا اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے' بندہ کی قدرت سے نہیں ہوتا' پس جب اللہ تعالیٰ بصر کے ذریعہ سے کسی چیز کا علم پیدا کرتا ہے تو اس کو رویت کہتے ہیں اور جب وہ کسی چیز کا علم دل کے ذریعہ سے پیدا کرتا ہے تو

اس کو معرفت کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ کسی چیز کے علم کے لیے بصر میں مدرک پیدا کر دے جیسے وہ اس پر قادر ہے کہ کسی چیز کے علم کے لیے وہ قلب میں مدرک پیدا کر دے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہے اور ان کا اختلاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھنا ممکن ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۴۲۔۲۴۱ ملخصاً وموضحاً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی بصر کو آپ کے قلب میں رکھ دیا' حتیٰ کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھ لیا اور اس کو رؤیت قرار دیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رؤیت بصر سے حاصل ہوئی اور پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور ''صحیح مسلم'' میں ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے قلب سے دیکھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵) اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے اور دوسرا قول حضرت انس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک اور جماعت کا ہے۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم خلیل ہوں' حضرت موسیٰ کلیم ہوں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی رؤیت حاصل ہو؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ نور ہے میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا' وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸)

اور دوسری روایت میں ہے: میں نے نور کو دیکھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۷۔۸۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس مسئلہ میں ہمارا مختار یہ ہے کہ آپ نے شب معراج اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کے دل نے آپ کی آنکھوں سے دیکھنے کی تکذیب نہیں کی بلکہ تصدیق کی۔ اس پر دلائل ہم ان شاء اللہ اس بحث کے آخر میں النجم: ۱۸ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے ہو جو انہوں نے دیکھا O بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا O سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک O اس کے پاس جنت الماویٰ ہے O جب سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا O آپ کی نظر نہ کج ہوئی نہ بہکی O بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا O (النجم: ۱۸۔۱۲)

النجم: ۱۲ کا معنی ہے: کیا تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات میں جھگڑ رہے ہو کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا آپ کے اس قول میں شک کر رہے ہو؟

النجم: ۱۳ میں فرمایا: بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا O

شب معراج جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ رہے تھے تو آپ نے دوسری بار اللہ تعالیٰ کو دیکھا' کیونکہ جب آپ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش سے ان میں تخفیف کرانے کے لیے بار بار اپنے رب کے پاس جا رہے تھے اور واپس آ رہے تھے۔

سدرۃ المنتہیٰ کی تعریف‘ اس کے متعلق احادیث اور اس کی وجہ تسمیہ میں اقوال

النجم: ۱۴ میں فرمایا: سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک O

''سدرۃ'' بیری کا ایک درخت ہے اور اس کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں اور اس کا تنا ساتویں آسمان میں ہے اور سدرہ ساتویں آسمان اور اس سے اوپر والوں کے درمیان برزخ ہے‘ نیچے سے جو چیزیں اوپر چڑھتی ہیں وہ سدرہ سے اوپر نہیں جا سکتیں‘ اوپر سے جو چیزیں نیچے اترتی ہیں وہ سدرہ سے نیچے نہیں جا سکتیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جاتے ہوئے سدرہ سے اوپر گئے اور واپسی میں سدرہ سے نیچے بھی آئے‘ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مخلوق کی ایک حد ہے اور تمام مخلوق میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے‘ آپ جب نیچے سے اوپر گئے تو نیچے والوں کی حد توڑ دی اور جب اوپر سے نیچے آئے تو اوپر والوں کی حد توڑ دی۔ علامہ بوصیری نے کہا:

فان رسول اللہ لیس لہ حد فیعرب عنہ ناطق بفم

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی کوئی ایسی حد نہیں ہے جس کو کوئی بتانے والا اپنے منہ سے بتا سکے

(الزبدۃ العمدۃ ص ۵۹ 'جمعیت ملاء سکندریہ سندھ خیر پور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے اوپر کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ تھی جس پر مقام ہجر کے مٹکوں کے برابر بیر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے اور اس کے تنے سے دو ظاہری دریا نکل رہے تھے اور دو باطنی‘ میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کیسے دریا ہیں؟ انہوں نے کہا: دو باطنی دریا تو جنت میں ہیں اور دو ظاہری دریا فرات اور دجلہ ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴' سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۹)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا تو میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سدرہ کی ایک شاخ کے سائے میں ایک سوار سو سال تک سفر کرتا رہے گا یا ایک سو سوار اس کے سائے میں ہوں گے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۱)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی نے کہا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ میں نو اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نیچے کی تمام چیزوں کی انتہاء اس درخت پر ہوتی ہے اور اوپر کی تمام چیزوں کی انتہاء بھی اس درخت پر ہوتی ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمام نبیوں کے علوم کی انتہاء سدرہ پر ہو جاتی ہے اور اس کے پار کی چیزوں کا علم ان سے غائب ہے۔

(۳) ضحاک نے کہا کہ اعمال کے اوپر چڑھنے کی انتہاء سدرہ پر ہوتی ہے اور یہاں سے ان کو وصول کر لیا جاتا ہے۔

(۴) کعب نے کہا کہ ملائکہ اور عام انبیاء کی انتہاء سدرہ پر ہے۔

(۵) ربیع بن انس نے کہا کہ ارواح شہداء کی انتہاء سدرہ پر ہے (اس میں یہ اشکال ہے کہ شہداء کی روحیں جنت کی کیاریوں میں چرتی ہیں اور عرش کی قندیلوں میں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

(۶) قتادہ نے کہا کہ ارواح مؤمنین کی انتہاء سدرہ پر ہے۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے منہاج کے موافق چلنے والے ہر شخص کی انتہاء سدرہ پر ہے۔

(۸) کعب کا دوسرا قول ہے کہ اس درخت کی بلند شاخوں کی انتہاء حاملین عرش کے سروں کے اوپر ہے اور وہیں مخلوق کے علوم کی انتہاء ہوتی ہے' جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس درخت کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں اور اس کا تنا ساتویں آسمان میں ہے۔

(۹) جو سدرہ تک پہنچ گیا وہ اپنے کمالات کی انتہاء تک پہنچ گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''جنت الماویٰ'' کی تعریف میں متعدد اقوال

النجم: ۱۵ میں فرمایا: اس کے پاس جنت الماویٰ ہے O

الماویٰ کا معنی ہے: رجوع کرنے کی جگہ' پناہ حاصل کرنے کی جگہ' ٹھکانا۔

جنت الماویٰ کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: یہ وہ جنت ہے جس میں متقین جائیں گے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ جنت ہے جس میں ارواحِ شہداء ٹھہرتی ہیں۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جنت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام ٹھہرے تھے حتیٰ کہ آپ وہاں سے زمین پر آئے اور یہ جنت ساتویں آسمان میں ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جنت ہے جس میں تمام مؤمنین کی ارواح ٹھہرتی ہیں اور اس کو جنت الماویٰ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ارواحِ مؤمنین کا مسکن ہے اور یہ عرش کے نیچے ہے' پس وہ روحیں جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور اس کی خوشبو سے شاد کام ہوتی ہیں۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت حضرت جبریل اور میکائیل کا مسکن ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۹۰)

سدرہ کو ڈھانپنے والی چیزوں میں متعدد اقوال

النجم: ۱۶ میں فرمایا: جب سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا O

سدرہ کو کس چیز نے ڈھانپا؟ اس میں بھی حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم' ان کے اصحاب اور ضحاک نے کہا: وہ سونے سے بنے ہوئے پروانے ہیں' جیسا کہ ''صحیح مسلم'' میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرہ پر پہنچے تو اس کو سونے کے بنے ہوئے پروانوں نے ڈھانپ رکھا تھا' وہاں آپ کو تین چیزیں دی گئیں: آپ کو پانچ نمازیں دی گئیں' سورۂ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں اور آپ کی امت میں سے ہر اس شخص کو بخش دیا گیا جس نے شرک نہیں کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳)

(۲) حسن بصری نے کہا: سدرہ کو رب العلمین کے نور نے ڈھانپا پس وہ روشن ہوگئی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۷)

(۳) القشیری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کس چیز نے سدرہ کو ڈھانپ لیا؟ آپ نے فرمایا: سونے کے پروانوں نے' یعنی سونے کی دھات سے بنے ہوئے پروانوں نے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ سدرہ کو اللہ کے نور نے ڈھانپ لیا حتیٰ کہ اب کوئی اس کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۹۰)

(۴) ربیع بن انس نے کہا: سدرہ کو رب العلمین کے نور نے ڈھانپ لیا اور اس پر فرشتے ہیں جیسے پرندے درخت پر ہوتے

ہیں اور ابن زید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ سدرہ کو سونے سے بنے ہوئے پروانوں نے ڈھانپ رکھا ہے اور میں نے دیکھا کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰیO ''۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۸)

(۵) مجاہد نے کہا کہ اس سے مراد سبز رنگ کا تخت ہے' ان سے دوسری روایت ہے کہ رفرف کو سبز پرندوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سدرہ کو اللہ تعالیٰ کے امر نے ڈھانپ رکھا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۲)

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ملکوت کے دلائل نے سدرہ کو ڈھانپ رکھا ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کے لیے سدرہ کو کیوں خاص کیا گیا' کسی اور درخت کو کیوں نہیں اختیار کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سدرہ میں تین اوصاف ہیں: (۱) اس کا سایہ بہت لمبا ہے (۲) اس کا ذائقہ بہت لذیذ ہے (۳) اس کی خوشبو بہت نفیس ہے' پس یہ ایمان کے مشابہ ہے جو قول' عمل اور نیت کا جامع ہے' اس کا سایہ بہ منزلہ ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ ہیں' اس کا سایہ ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ کی نیت ہے اور اس کی خوشبو ایمان لانے کے بعد اس کا قول اور اظہار ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۶)

امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے بیری کے درخت کو کاٹ ڈالا' اللہ تعالیٰ اس کے سر کو جہنم میں نیچے کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۹)

امام ابوداؤد نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص بیری کے اس درخت کو جنگل میں بے فائدہ اور ظلماً کاٹ دے گا جس کے سائے میں مسافر اور جانور بیٹھتے ہیں' اللہ تعالیٰ دوزخ میں اس کے سر کو نیچے کر دے گا (سوچئے! جب عام بیری کے درخت کی یہ عظمت ہے تو سدرۃ المنتہیٰ کی عظمت کا کیا عالم ہوگا۔ سعیدی غفرلہٗ)

شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر ایک دلیل

النجم: ۱۷ میں فرمایا: آپ کی نظر نہ کج ہوئی نہ بہکیO

''مازاغ البصر'' کا معنی ہے: آپ کی نظر منحرف نہیں ہوئی' ابن بحر نے کہا: آپ کی نظر کم نہیں ہوئی ''وماطغٰی'' کا معنی ہے: آپ کی نظر حق سے متجاوز نہیں ہوئی' آپ کی نظر حد سے بڑھی نہیں' یعنی آپ کی نظر ادراک کرنے سے عاجز نہیں ہوئی اور نہ اس نے تخیل سے واقع کے خلاف زیادہ وہم کیا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۷)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دائیں بائیں نہیں ہوئی اور نہ زیادہ ہوئی اور نہ متجاوز ہوئی۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۷۱۔۷۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے فرمایا:

ظہورِ نور کے وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اِدھر اُدھر ہٹی' نہ نور سے متجاوز ہوئی' اس کے برخلاف جب کوئی شخص سورج کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر بے اختیار اِدھر اُدھر ہو جاتی ہے اور آپ نے اتنے عظیم نور کو دیکھا اور آپ کی نظر اِدھر اُدھر نہیں ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۴۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قونوی حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے سر کی آنکھ سے اور دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۲۸۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جنت اور اس کی زیب و زینت کی طرف مڑی اور نہ دوزخ اور اس کے ہولناک عذاب کی طرف گئی' بلکہ آپ صرف اللہ عزوجل کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہے۔

سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شب معراج اپنی ذات میں الوہیت کے دلائل کی طرف متوجہ ہوئی نہ اس رات کی عظیم نشانیوں کی طرف ملتفت ہوئی' بلکہ آپ صرف اپنے رب کی ذات کا مشاہدہ کرتے رہے اور اپنے رب کی صفات کا مطالعہ کرتے رہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو بیداری میں سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا کیونکہ اگر آپ نے اپنے رب کو اپنے قلب سے دیکھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا:

ما زاغ قلب محمد وما طغی. محمد کا قلب نہ بہکا نہ کج ہوا۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کی بصر نہ بہکی اور نہ کج ہوئی اور بصر سر کی آنکھ کو کہتے ہیں' اس سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں اپنے سر کی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھا۔

البقلی رحمہ اللہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دوبار دیکھا ہے اور یہ دوسری بار دیکھنے کا ماجرا ہے کیونکہ جب آپ نے پہلی بار اپنے رب کو دیکھا تو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہ تھا اس لیے وہاں یہ نہیں فرمایا کہ "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○" (النجم: ۱۷) آپ کی بصر ادھر اُدھر متوجہ ہوئی اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے سے متجاوز ہوئی بلکہ اسی کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہی اور جب آپ نے دوسری بار واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو آپ کے سامنے جنت' دوزخ اور دیگر عجیب و غریب نشانیاں بھی تھیں لیکن آپ اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ صرف اسی کی ذات کو ٹکٹکی باندھ کر لگاتار دیکھتے رہے۔ (روح البیان ج ۹ ص ۲۶۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

جن نشانیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج دیکھا

النجم: ۱۸ میں فرمایا: بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا ○

اپنے رب کی نشانیوں کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود نے کہا: آپ نے دیکھا کہ سونے سے بنے ہوئے پروانوں نے سدرہ کو ڈھانپ لیا تھا۔

(۲) حضرت ابن مسعود کا دوسرا قول ہے کہ آپ نے حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا کہ انہوں نے اپنے پروں سے افق کو گھیر لیا تھا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹۷)

(۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تیسرا قول ہے کہ آپ نے جنت کے رفرف (سبز رنگ کے تخت) کو دیکھا۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۷۱)

علامہ اسماعیل بن محمد حنفی قونوی متوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

آپ نے شب معراج ان علامات اور دلائل کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کی دوسری بلند صفات پر دلالت کرتی ہیں اور جن کو دیکھ کر دیکھنے والا متعجب ہوتا ہے' یعنی عالم ملک اور شہادت اور عالم الغیب اور جبروت۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۲۸۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

شبِ معراج کی نشانیاں دیکھنے سے امام رازی کا یہ استدلال کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت پر معراج کے قصہ کو ختم فرمایا اور اس قصہ کی ابتداء اس آیت سے کی تھی:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا۔ (بنی اسرائیل:۱)

سبحان ہے وہ ذات جو اپنے مقدس بندے کو راتوں رات رات کے ایک لمحہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی بعض نشانیاں دکھائیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا ہوتا تو یہی سب سے بڑی نشانی ہوتی، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا یہ سب سے بڑی نشانی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ احادیث میں ہے: حضرت جبریل سے بھی بڑے فرشتے ہیں، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس رات آپ نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا اور حضرت جبریل بھی ان بڑی نشانیوں میں داخل ہیں اگرچہ وہ سب سے بڑی نشانی نہیں ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۴۶، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے استدلال پر علامہ اسماعیل حقی کا تبصرہ

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ فرماتے ہیں:

فقیر یہ کہتا ہے کہ ان نشانیوں کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر مشتمل ہے جیسا کہ شیخ کبیر رضی اللہ عنہ نے "الفکوک" میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا صرف اس وقت مشکل ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کے مظاہر اور اضافات سے صرفِ نظر کر کے دیکھا جائے لیکن مظاہر میں اور حجابات مراتب میں اس کو دیکھنا ممکن ہے، جیسے آفتاب کو بالمشافہ دیکھنا مشکل ہے لیکن اس کو رقیق بادل کی اوٹ سے دیکھنا ممکن اور آسان ہے (ان کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دکھانا، اللہ تعالیٰ کو دکھانے پر مشتمل ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیات ملکوتیہ آیات ملکیہ پر فائق ہیں (یعنی اس کی صفات فرشتوں سے بلند ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ تمام مشاہد دکھائے تاکہ تمام مراتب اور مشاہد میں آپ کا مشاہدہ مکمل ہو جائے اور یہ محال ہے کہ ایک کریم دوسرے کریم کو دعوت دے اور ایک حبیب دوسرے حبیب کو اپنے محل میں بلائے اور خود اپنے حبیب سے چھپ جائے اور اس کو اپنا چہرہ نہ دکھائے۔

(روح البیان ج ۹ ص ۲۷۴، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام رازی کے استدلال پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ آیت کا معنی ہے: نشانی اور دلیل، اور جس طرح ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلیل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات خود بھی اپنی ذات اور صفات پر دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات میں خود اللہ تعالیٰ کی ذات کے داخل ہونے سے کیا چیز مانع ہے؟ وہ خود اپنی ذات پر سب سے بڑی نشانی ہے اور سب سے قوی دلیل ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اپنی نبوت کو پیش کیا تو یہ سب بغیر کسی دلیل اور معجزے کے آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے کیونکہ آپ کی نبوت پر سب سے بڑی دلیل خود آپ کی ذاتِ مقدسہ اور ان کے درمیان مکہ میں گزاری ہوئی چالیس سالہ حیات تھی' قرآن مجید میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کافروں سے' منکروں سے کہیے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس:۱۶)

آپ کہیے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر قرآن کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی خبر دیتا' بے شک میں تم میں اس (دعویٰ نبوت) سے پہلے عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں پس کیا تم عقل نہیں رکھتے (کہ میری گزاری ہوئی پاکیزہ زندگی میں میری نبوت پر استدلال کر سکو)○

سو جس طرح طلوعِ آفتاب وجودِ آفتاب پر دلیل ہے اور آپ کی ذات اور آپ کی زندگی آپ کی نبوت پر دلیل ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات خود اس کی ذات اور صفات پر دلیل ہیں' بلکہ سب سے قوی دلیل ہیں اور سب سے عظیم آیت ہیں' اور آپ کے رب کی آیتوں میں سب سے عظیم اور سب سے بڑی آیت خود اس کی ذات ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ (النجم:۱۸)

بے شک (اس نبی) نے اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا○

''الکبریٰ'' واحد مؤنث اسم تفضیل ہے' اور جس طرح ''اکبر'' کا معنی ہے: سب سے بڑا' اسی طرح ''کبریٰ'' کا معنی ہے: سب سے بڑی' یعنی سب سے بڑی آیت اور سب سے بڑی نشانی اور لاریب وہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی آیت ''کبریٰ'' یعنی سب سے بڑی نشانی کو دیکھا اور یہ معنی اس کو مستلزم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے رب کو دیکھا' اللہ امام رازی پر رحمتیں نازل فرمائے' نجانے ان ایسے نکتہ شناس اور ژرف بین پر یہ نکتہ کیسے مخفی رہا؟

اللہ تعالیٰ نے صراحۃً فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ . (الفرقان:۴۵) کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا۔

اور فرمایا: '' مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ '' (النجم:۱۷) یعنی اپنے رب کو دیکھتے وقت آپ کی نظر ادھر ادھر ہٹی' نہ اپنے رب کی رؤیت سے متجاوز ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ نور ہے میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۸)

دیدارِ الٰہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قدر ثقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ . (الحشر:۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کی دہشت سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

تو آپ کے سینہ بے کینہ کی عظمت کا کیا کہنا جس پر قرآن کی چھ ہزار سے زیادہ آیتیں نازل ہوئیں اور اس کی صحت و سالمیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اسی طرح قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ . (الاعراف: ۱۴۳)

اور جب موسیٰ وقت مقرر پر ہمارے پاس آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا' میں تیری طرف نظر کروں' (اللہ نے) فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے! لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو' اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے' پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کی تجلی کو نہ پہاڑ سہار سکا' نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت کر سکے تو ان کی آنکھوں کی ہمت کا کیا کہنا جنہوں نے اس کے جلووں کو اس طرح دیکھا کہ دکھانے والے نے بھی داد دی اور فرمایا: ''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○'' (النجم: ۱۷)۔

موسیٰ زھوش رفت بہ یک جلوہ صفات — تو عین ذات مے نگری ودر تبسمی

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی — آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

ان کے قلب پر آفرین ہو کہ جس کلام کے نزول کو پہاڑ سہار نہیں سکتا وہ پورا قرآن آپ پر نازل ہوا اور آپ کی بصارت پر مرحبا ہو کہ جس کے جلووں کو' کوئی برداشت نہیں کر سکتا اس ذات کو آپ نے بے خوف و خطر دیکھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى . (البقرہ: ۲۶۰)

اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چار مردہ پرندے زندہ کر کے دکھا دیا' پھر کیا وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا اور کہا: ''رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ'' (الاعراف: ۱۴۳) اے رب! مجھے اپنی ذات دکھا' میں تیری طرف نظر کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا سوال کیوں پورا نہیں کیا اور انہیں اپنی ذات کیوں نہیں دکھائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی صفت صدق کے مظہر ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء کو دیکھنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت احیاء (زندہ کرنے کی صفت) دکھا دی' اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے مظہر ہیں اگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو دیکھنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ ان کو وہ صفت دکھا دیتا' لیکن انہوں نے صفت کا مظہر ہو کر ذات کو دیکھنے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ذات نہیں دکھائی اور فرمایا: تم ہماری ذات کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے' تم میں وہ حوصلہ اور وہ قوتِ برداشت نہیں ہے کہ ہماری ذات کے جلووں کو سہار سکو' ہماری ذات کو تو صرف وہی دیکھ سکتا ہے جو ہماری ذات کا مظہر ہو اور ہماری ذات کا مظہر تو اس پوری کائنات میں صرف ایک ہی ہے اور وہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں تھی اور یہ حوصلہ نہیں تھا اور وہ اس کی ذات کے مظہر نہیں تھے' لیکن اللہ تعالیٰ ان میں یہ قوت پیدا تو کر سکتا تھا اور ان کو اپنی ذات کا مظہر بنا تو سکتا تھا' اس کا

جواب یہ ہے کہ یہ چیز اس کی قدرت میں تو تھی لیکن اس کی حکمت میں نہیں تھی کیونکہ اس کی صفات تو بہت ہیں اس لیے اس کی صفات کے مظہر تو بہت ہو سکتے ہیں' ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اس کی صفات کے مظہر ہو سکتے ہیں لیکن اس کی ذات واحد ہے اس لیے اس کی ذات کا مظہر بھی واحد ہوگا۔

مسلمان دنیا میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ دنیا میں یہ آنکھیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی ذات کو نہیں دیکھا جا سکتا اور جنت میں مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے' کیونکہ جنت میں مسلمانوں کے لیے خلود' دوام اور بقاء ہوگی' اب مسلمان بھی باقی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی باقی ہے اور باقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھا جا سکتا ہے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو جاگتے میں دیکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ ساری کائنات کی آنکھیں فنا کے لیے ہیں اور سرکار کی آنکھیں بقاء کے لیے ہیں۔

جن احادیث میں یہ تصریح ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے' میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

(الانعام: ۱۰۳)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ اس وقت ہوگا جب وہ اپنے اس نور سے تجلّی فرمائے گا جو اس کا خاص نور ہے (یعنی غیر متناہی نور)' آپ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے (ایک بار رب کے پاس جاتے ہوئے اور ایک بار آتے ہوئے)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۶۱۹)

طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: یہ اس وقت ہوگا جب وہ اس کیفیت کے ساتھ تجلّی فرمائے گا جس کے سامنے کوئی بصر قائم نہیں رہ سکتی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۶۱۹)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی طرف نظر سے دیکھا۔ عکرمہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نظر سے دیکھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ خاص کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل ہونے کے ساتھ خاص کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر سے دیکھنے کے ساتھ خاص کیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۴۰۳' مکتبۃ المعارف ریاض' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۹۶' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کی سند میں حفص بن عمر میمون ضعیف راوی ہے' لیکن فضائل اور مناقب میں ضعیف الاسانید روایات معتبر ہوتی ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ اس حدیث کی تائید میں قرآن مجید کی آیات اور ''صحیح مسلم'' اور ''سنن ترمذی'' کی احادیث ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ نور ہے جس نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸' الرقم المسلسل: ۴۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۲)

عبد اللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت کی ہوتی تو میں آپ سے ضرور سوال کرتا' حضرت ابوذر نے کہا: تم کس چیز کے متعلق سوال کرتے؟ انہوں نے کہا: میں آپ سے یہ سوال کرتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذر نے کہا: میں نے آپ سے یہ سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: میں نے نور کو دیکھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸' الرقم المسلسل: ۲۹۲)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا ہے ایک مرتبہ آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل سے۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۵۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

صحابہ کرام کا اس میں اختلاف رہا ہے کہ آیا شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگتے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے موافقین صحابہ کا یہ مؤقف ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابن مسعود اور ان کے موافقین کا مذہب یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا' البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ان سب کے نزدیک جائز ہے اور معتزلہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ ہم پہلے معتزلہ کے دلائل ذکر کر کے ان کا رد کریں گے' پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دلائل کا جواب ذکر کریں گے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے' وہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

رؤیت باری کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

تقریباً ہر دور کے علماء اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت (اس کا دکھائی دینا) دنیا اور آخرت میں ممکن ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے اس کا انکار کیا اور جمہور علماء اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممکن ہے اور دنیا میں یہ رؤیت صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معراج کی شب واقع ہوئی اور آخرت میں تمام انبیاء علیہم السلام اور مؤمنین کے لیے یہ رؤیت واقع ہوگی' میدانِ محشر میں بھی اور جنت میں بھی۔

منکرین رؤیت کے دلائل اور ان کے جوابات

معتزلہ اور دیگر منکرین رؤیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو چیز دکھائی دے' وہ دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس کے لیے ایک جانب اور جہت کا ہونا لازم آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا بھی انکار کر دو' کیونکہ دیکھنے والا بھی دکھائی دینے والی چیز کی جانب مخالف میں ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کا یہ قاعدہ ممکنات اور مخلوقات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے جانب اور مقابلہ کی شرط ہے' نہ دکھائی دینے کے لیے۔

منکرین رؤیت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے جس کا معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سلب عموم اور نفی شمول ہے عموم السلب اور شمول النفی نہیں ہے۔ یعنی ہر ہر آنکھ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے' نہ ہر ہر زمانہ میں دیکھنے کی نفی ہے' نہ ہر ہر مواقع پر دیکھنے کی نفی ہے' بلکہ بعض زمانہ میں بعض مواقع پر بعض لوگوں کے دیکھنے کی نفی ہے' سو دنیا میں دیکھنے کی نفی ہے اور آخرت کے

بعض مواقع میں جب اللہ تعالیٰ غضب اور جلال میں ہوگا' اس وقت اس کو دیکھنے کی نفی ہے اور کفار اور منافقین کے دیکھنے کی نفی ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور محشر میں اور جنت میں دیگر انبیاء علیہم السلام اور جملہ مؤمنین کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے۔

منکرین رؤیت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو بہ طور مذمت نقل کیا ہے اور اس مطالبہ پر عذاب نازل کیا:

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں تو تم کو (بجلی کی) کڑک نے پکڑ لیا اور تم (اس منظر کو) دیکھ رہے تھے ۝ (البقرہ: ۵۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی باتوں پر یقین کرنے کو ازراہِ عناد اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر معلق کر دیا تھا' اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔

منکرین رؤیت کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے: امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی' اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا: وہ کون سی باتیں ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: جس شخص نے یہ زعم کیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اس نے اللہ پر بہت جھوٹ باندھا۔ مسروق نے کہا: میں ٹیک لگائے ہوئے تھا' میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا: اے ام المؤمنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں' کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۝ (التکویر: ۲۳) — اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا ۝

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝ (النجم: ۱۳) — اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا ۝

حضرت عائشہ نے فرمایا: میں اس امت میں وہ سب سے پہلی خاتون ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا' آپ نے فرمایا: اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں' حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جس صورت پر پیدا کیا گیا' میں نے اس صورت پر ان کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا' ان کی عظیم خلقت نے آسمان سے زمین تک کی جگہ کو بھر لیا تھا۔ حضرت عائشہ نے (مسروق سے) فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیتیں نہیں سنیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ (الانعام: ۱۰۳)

آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ (الشوریٰ: ۵۱)

اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے' مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے جو کچھ اللہ چاہے' پہنچا دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۵۔ ۴۶۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۶۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۰۹۹)

السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۴۷)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا' جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل نہیں تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے' لیکن وہ آخرت میں رؤیت باری کا انکار نہیں کرتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل تھے اور جمہور علماء اسلام ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ الانعام کی جس زیر بحث آیت سے استدلال کیا ہے' اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں' نہ یہ کہ آنکھیں اس کا مطلقاً ادراک نہیں کرسکتیں۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ۝ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ۝ کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے○ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے○ (القیامۃ: ۲۳۔۲۲)

اس آیت میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی تصریح ہے:

کَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ۝ بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے○ (المطففین: ۱۵)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے اور یہ چیز ان کے لیے اسی وقت باعثِ حرمان ویاس ہوگی جب مسلمان اس دن اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں' کیونکہ اگر ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو اور نہ کافروں کو' تو پھر یہ چیز ان کے لیے باعثِ افسوس نہیں ہوگی۔

لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ (الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں اسی وقت ہوسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہو' کیونکہ اسی چیز کی نفی وجہ کمال ہوتی ہے جس کا ثبوت ممکن ہو' مثلاً ہوا' خوشبو اور آواز کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کی مدح اور تعریف میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ہوا' خوشبو اور آواز کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں' تو اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں' یہ اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف اسی وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہو۔ سو یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ (الاعراف: ۱۴۳) موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہ کرتے۔

وَلَکُمۡ فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ؕ۝ اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے○ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱)

نیک اور صاف دل لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ان کی ہر خواہش پوری فرمائے گا' سو یہ آیت جنت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو اس طرح کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴ ۷۴۳۴ تا ۷۴۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۲۱۱ طبع جدید، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸ طبع قدیم)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ (یونس: ۲۶) جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس سے بھی زیادہ۔

آپ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی نداء کرے گا کہ اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے وہ کہیں گے: کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: پھر حجاب کھول دیا جائے گا' آپ نے فرمایا: جنتیوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۳۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷، مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲-۳۳۳ طبع قدیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کا ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں' اپنی بیویوں اور اپنی نعمتوں اور اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہوگا جو صبح اور شام اس کے چہرے کی زیارت کرے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے ○ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے ○ (القیامہ: ۲۲-۲۳)

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن' صحیح' غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۳)

حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں' ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' سونے کا ہے اور ان لوگوں اور ان کے رب کے دیدار میں صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہے جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۸۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۷۷۸ طبع جدید' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۶' ۴۱۱ طبع قدیم' المستدرک ج ۱ ص ۸۰)

شبِ معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء امت کے نظریات

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ "صحیح مسلم" کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اور متاخرین کا اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں اختلاف رہا ہے۔ اکثر مبتدعین دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں اور اہل السنہ اور اہل السلف دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے جواز اور وقوع کے قائل ہیں۔ پھر اس میں بھی متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابوہریرہ' مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود' سلف صالحین اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور سلف صالحین کی ایک عظیم جماعت نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت موسیٰ کلام کے ساتھ خاص کیے گئے۔ حضرت ابراہیم خلت کے ساتھ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رؤیت کے ساتھ خاص کیے گئے' حضر ابوذر' کعب' حسن بصری اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن مسعود سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے' مشائخ کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اس کی نفی اور اثبات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے' لیکن یہ عقلاً جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً اور نقلاً جائز ہے' عقلی دلائل علم کلام میں ہیں اور نقلی دلائل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رؤیت کا سوال کرنا ہے' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ نیز احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ مؤمنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ (المفہم ج ۱ ص ۴۰۲-۴۰۱' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن الحارث نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے اور دیدار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو؟ پھر حضرت ابی بن کعب نے بہت بلند آواز سے کہا: اللہ اکبر! حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رؤیت اور کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابوعمر الطلمنکی نے اس قول کو عکرمہ سے روایت کیا ہے اور بعض متکلمین نے اس قول کو حضرت ابن مسعود سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور نقاش نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عباس کی حدیث کے مطابق کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ وہ بار بار کہتے رہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا سانس منقطع ہو گیا۔ شیخ ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت انس' حضرت ابن عباس' عکرمہ' ربیع اور حسن بصری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابوالعالیہ' قرظی اور ربیع بن انس کا یہ قول ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔ علامہ ابن عبد

البر نے امام احمد سے بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔ امام مالک بن انس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہیں دکھائی دیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی کو نہیں دیکھا جاسکتا اور جب مسلمان آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو باقی رہنے والی آنکھیں دی جائیں گی تو پھر باقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھ لیں گے۔ قاضی عیاض نے کہا: یہ عمدہ کلام ہے۔ اس دلیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی اس دنیا میں قدرت ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے' اتنی قدرت عطا فرمادے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بوجھ اٹھا سکے تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممتنع نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷ ص ۵۲۔۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رؤیت کے جوابات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ ''صحیح مسلم'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحبِ تحریر کا مختار یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا: اس مسئلہ میں بہت دلائل ہیں' لیکن ہمارا استدلال اس قوی حدیث سے ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رؤیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو؟ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! ایک معتمد سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ صحابہ کرام مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا ہے اور ان سے یہ سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! دیکھا ہے' اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت سے کوئی اثر نہیں پڑے گا' کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ نے فرمایا ہے: میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا' بلکہ انہوں نے خود قرآن مجید کی دو آیتوں سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور جب صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے قول کے خلاف ہو تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ رؤیت ثابت ہے تو اس روایت کو قبول کرنا واجب ہے کیونکہ یہ مسئلہ محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا اور اس میں ظنی دلائل کافی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے ظن اور اجتہاد سے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور معمر بن راشد نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زائد نہیں ہیں اور حضرت ابن عباس نے ایک چیز کو ثابت کیا ہے جس کی دوسروں نے نفی کی ہے اور مثبت روایت نافی پر مقدم ہوتی ہے (صاحبِ تحریر کا کلام ختم ہوا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے' کیونکہ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور یہ انہوں نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ کا استدلال صرف آیتوں سے ہے' پس سورۃ الانعام کی آیت: ۱۰۳ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ادراک بہ طور احاطہ کی نفی ہے اور سورۂ شوریٰ کی آیت: ۵۱ سے جو انہوں نے استدلال کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بلاحجاب رؤیت کی نفی نہیں ہے' بلکہ بلاحجاب کلام کی نفی ہے اور رؤیت کلام کو مستلزم نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اور دیدار کے وقت کلام نہ کیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں عام

قاعدہ بیان کیا ہے اور عام مخصوص البعض ہے اور دوسرے دلائل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عام قاعدہ سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۱ ص ۹۸۳۔۹۷۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ 'ریاض' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم نے لات اور عزیٰ کو بہ غور دیکھاO اور اس تیسری ایک اور دیوی منات کوO کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیںO پھر تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہےO یہ صرف وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان پر کوئی دلیل نازل نہیں کی' یہ مشرکین صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں' اور اپنی نفسانی خواہشوں کی' اور بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ضرور ہدایت آچکی ہےO کیا انسان کے لیے وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہےO پس اللہ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہےO (النجم: ۲۵۔۱۹)

بتوں کی پرستش کا ابطال اور توحید کا استحقاق

النجم کے آغاز سے لے کر النجم: ۱۸ تک اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت بیان کی اور شب معراج جو آپ پر اپنا خصوصی انعام اور اکرام فرمایا اور آپ کو اپنے قرب خاص سے نوازا اور اپنا دیدار عطا کیا' اس کا تفصیل سے بیان فرمایا۔ اس کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پیغام دے کر بھیجا تھا اس پیغام کا ذکر فرمایا اور وہ پیغام ہے شرک کا ابطال اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا احقاق' مشرکینِ مکہ لات' عزیٰ اور منات نام کی دیویوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے' اللہ تعالیٰ ان کے بطلان کو ظاہر فرماتا ہے کہ ان کو دیکھو تو سہی کیا یہی اس کائنات کو پیدا کرنے' پالنے اور رزق دینے میں اللہ سبحانہٗ کی شریک ہیں؟ ان دیویوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے پھر یہ تمہاری اور ساری کائنات کی خالق اور رازق کیسے ہوگئیں۔

لات' منات اور عزیٰ مؤنث کے صیغے ہیں اور لات میں ''تاء'' کو گول بنا کر ''لاۃ'' کی شکل میں نہیں لکھا گیا بلکہ ''تا'' کو مبسوط بنا کر ''لات'' کی شکل میں لکھا گیا تا کہ لکھنے میں اس کی لفظ ''اللہ'' کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

لات' عزیٰ اور منات کی تحقیق

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ ان اسماء کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لات' عزیٰ اور منات ان کے بتوں کے نام ہیں اور یہ مؤنثات ہیں' پس لات قبیلہ ثقیف کی دیوی کا بت ہے' اس کی طائف میں پرستش کی جاتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی نخلہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) میں پرستش کی جاتی تھی اور لات کا لفظ ''لوی'' سے بنا ہے' لات کا لفظ اصل میں ''لَوَیۃْ'' تھا' واو متحرک ماقبل مفتوح اس کو الف سے بدل دیا اور یا خلاف قیاس گر گئی تو یہ لات ہو گیا۔ ''لوی'' کا معنی ہے: کسی کی پرستش کرنا اور اس پر آسن جما کر بیٹھنا' یا کسی چیز کے گرد طواف کرنا' وہ اس دیوی کے بت کی پرستش کرتے تھے' اس کے پاس دھرنا مار کر بیٹھتے تھے' اس لفظ کو لام کی تشدید کے ساتھ ''اللّات'' بھی پڑھا گیا ہے اور ان کا زعم یہ تھا کہ ''اللّات'' ایک شخص کا نام تھا جو ستو میں گھی ملا کر حجاج کو پلاتا تھا (مگر از روئے قرآن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ لات کسی مرد کا نام نہیں' دیوی کا نام ہے۔) جب وہ مر گیا تو انہوں نے اس کی قبر کی پرستش کرنی شروع کر دی' پھر اس کا بت بنا لیا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔

اور عزیٰ اعز کی تانیث ہے' یہ ببول کا درخت تھا' مقام نخلہ میں قبیلہ غطفان کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ببول کے تین درخت تھے ان پر گنبد بنا ہوا تھا' اور چادریں چڑھی ہوئی تھیں' ان میں ایک جنیہ ظاہر ہوئی تھی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو اسے مسمار کرنے کے لیے بھیجا' حضرت خالد نے یہ درخت کاٹ ڈالے اور گنبد مسمار کر دیا اور واپس آ کر آپ کو اس کی اطلاع دی' آپ نے فرمایا: تم نے کچھ نہیں کیا' دوبارہ جاؤ' حضرت خالد جب دوبارہ گئے تو وہاں کے محافظوں اور خادموں نے بہت شور و غل کیا اور ''یا عزیٰ' یا عزیٰ'' کہہ کر اس کے نام کی دہائی دی' حضرت خالد نے دیکھا وہاں ایک برہنہ عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور وہ اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے' آپ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا' آپ نے فرمایا: یہی عزیٰ تھی' اب اس کی کبھی پرستش نہیں ہوگی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۱۱۔ ۱۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۴۷' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۰۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۷۷)

اور منات ایک بت تھا' یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسمار کرنے کے لیے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا' قبیلہ ہذیل اور خزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے' اس کو منات اس لیے کہتے ہیں کہ منی کے معنی قربانی کرنا ہے اور مشرکین اس کے استھان پر اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے اور اس سے بارش طلب کرتے تھے اور لات کو مسمار کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابو سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

(الکشاف ملخصاً و موضحاً و مخرجاً' ج ۴ ص ۴۲۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۸۰۔ ۲۷۸' ملخصاً)

بت پرستوں کی ظالمانہ تقسیم

النجم: ۲۲۔ ۲۱ میں فرمایا: کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں O پھر تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے O

اللہ تعالیٰ نے لات' العزیٰ اور منات کا ذکر کیا اور فرمایا: یہ وہ چیزیں ہیں جن کو تم نے دیکھ لیا ہے اور پہچان لیا ہے' تم ان کو اللہ سبحانہٗ کا شریک کہتے ہو' حالانکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت کے متعلق سن لیا ہے اور جان لیا ہے کہ فرشتے اس قدر بلند مخلوق ہونے کے باوجود سدرہ تک آ کر رک جاتے ہیں اور اس سے آگے ان کی رسائی نہیں ہے' پھر گویا کہ فرشتوں نے یہ کہا کہ بے شک کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مماثل یا اس کے قریب نہیں ہے' لیکن ہم نے ان چیزوں کو فرشتوں کی صورت پر بنایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' اس لیے ہم نے ان کے بت عورتوں کی صورت پر بنائے ہیں اور عورتوں کے ناموں کی طرح ان کے نام رکھے ہیں یعنی لات' منات اور عزیٰ' تب اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اللہ سبحانہٗ کے لیے بیٹیاں قرار دی ہیں' حالانکہ تم خود بھی جانتے ہو کہ بیٹیاں ناقص ہوتی ہیں اور بیٹے کامل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کامل عظمت والا ہے تو تم نے اس کی طرف ناقص کو کیسے منسوب کیا اور تم انتہائی حقیر اور ذلیل ہو کیونکہ تم پتھروں اور درختوں کی پرستش کرتے ہو جو کہ بجائے خود حقیر اور ذلیل ہیں' اس کے باوجود تم نے اپنے لیے بیٹے مانے' پس انتہائی کامل کی طرف ناقص کو منسوب کرنا اور انتہائی ناقص کی طرف کامل کو منسوب کرنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

مشرکین کے ظن کا باطل ہونا اور مجتہدین کے ظن کا صحیح ہونا

النجم: ۲۳ میں فرمایا: یہ صرف وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان پر کوئی دلیل نازل نہیں کی' یہ مشرکین صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی اور بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ضرور ہدایت آ چکی ہے O

یعنی بتوں کا نام تم نے لات اور منات رکھا ہے اور جن ببول کے درختوں کا نام تم نے عزیٰ رکھا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی پرستش کرنے پر کوئی دلیل نازل نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیج کر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی پرستش کرنا باطل ہے' تم

اپنے ان معبودوں کو مؤنث کہتے ہو حالانکہ یہ صرف عورتوں والے نام ہیں' حقیقت میں یہ مؤنث نہیں ہیں اور تم ان کو عبادت کا مستحق قرار دیتے ہو' حالانکہ یہ واقع میں عبادت کے مستحق نہیں ہیں' یہ صرف تمہارا ظن اور گمان ہے' اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوا کہ ظن اور گمان کی پیروی کرنا مشرکین کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ظن کی مذمت کی ہے' حالانکہ حدیثِ متواتر کے علاوہ تمام احادیث ظنی ہیں اور فقہاء مجتہدین کے اجتہاد کردہ مسائل بھی ظنی ہوتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین اس ظن کی اتباع کرتے تھے جس پر کوئی دلیل نہیں تھی اور ان کا ظن واقع کے خلاف ہوتا تھا' اس کے برخلاف احادیث اور مجتہدین کے قیاس کے ظنی ہونے کا یہ معنی ہے کہ وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ نہیں ہیں کہ ان کا انکار کفر ہو لیکن احادیث اور قیاس کے حجت ہونے پر قطعی دلائل ہوتے ہیں اور مشرکین کے ظن پر کوئی دلیل نہیں ہوتی اور ان کا ظن واقع کے خلاف اور باطل ہوتا ہے۔

مشرکین کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی وضاحت

اور فرمایا ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں' اللہ کے نبی اور رسول جو اللہ کا دین اور اس کی طرف سے احکامِ شرعیہ لاتے' مشرکوں کے نفسوں پر ان احکام کا بجالانا مشکل اور دشوار تھا اور جن بُرے کاموں مثلاً زنا' چوری' قتل اور خیانت وغیرہ سے رسول منع کرتے تھے ان سے رکنا بھی ان پر دشوار تھا' اس لیے وہ چاہتے تھے کہ کسی ایسی چیز کو اپنا خدا اور معبود قرار دے لیں جو انہیں کسی چیز کا حکم دے سکے اور نہ کسی بُرے کام سے منع کر سکے' پھر انہوں نے اپنی طرف سے اس کی عبادت کے طریقے فرض کر لیے کہ اس کے آگے سر جھکائیں' چڑھاوے چڑھائیں' جانوروں کی بھینٹ دیں اور مصائب میں اس کو پکاریں اور اپنی طرف سے عقیدہ گھڑ لیا کہ اگر بالفرض آخرت میں ان کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور عذاب پر پیش کیا گیا تو ان کے یہ باطل معبود ان کو اللہ کے پاس سفارش کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب ان کی نفسانی خواہشیں ہیں اور من گھڑت باتیں ہیں' ان کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

کفار کی تمناؤں کا پورا نہ ہونا اور دنیا اور آخرت میں ان کا خائب وخاسر ہونا

النجم: ۲۴ میں فرمایا: کیا انسان کے لیے وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے O

مشرکین یہ تمنا رکھتے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو' آخرت میں ان کی شفاعت کی جائے اور دنیا میں وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب اور آفات نازل ہوں اور دین اسلام مٹ جائے لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی' اسلام کا بول بالا ہوا اور ان کا منہ کالا ہوا۔

النجم: ۲۵ میں فرمایا: پس اللہ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے O

یعنی کفار اپنی خواہش سے اپنا معبود منتخب کرتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں اپنی بڑائی چاہتے ہیں لیکن دنیا اور آخرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ دنیا میں ان کو ناکام اور نامراد کرتا ہے اور آخرت میں ان کو عذاب دے کر رسوا کرے گا' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تبلیغ کی اور اسلام کی اشاعت کی تو مشرکین نے آپ کے مشن میں روڑے اٹکائے اور آپ کو دھمکیاں دیں اور کہا کہ اگر آخرت برپا ہوئی تو اس میں بھی ہم ہی سرخرو ہوں گے' پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور فرمایا: دنیا اور آخرت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے وہ آپ کو دنیا اور آخرت میں کامیاب اور سرفراز کرے گا اور مشرکین کو دنیا اور آخرت میں خائب وخاسر کرے گا۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جن کی شفاعت کسی کو بالکل فائدہ نہیں پہنچا سکتی سوا اس صورت کے کہ

اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰہُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَرۡضٰی ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ

اللہ جس کے لیے چاہے (شفاعت کی) اجازت دے اور اس (کی شفاعت) سے راضی ہو○ بے شک جو لوگ آخرت پر

بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۷﴾ وَ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ ؕ

ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام سے رکھتے ہیں○ انہیں اس کا بالکل علم نہیں ہے

اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ﴿۲۸﴾ ۚ

وہ صرف ظن (گمان) کی پیروی کرتے ہیں، اور بے شک ظن یقین سے مستغنی نہیں کرتا○

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ لَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۲۹﴾ ؕ

جو ہمارے ذکر سے پیٹھ پھیرے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے آپ اس سے اعراض کریں○

ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۙ

یہی ان کے علم کی انتہاء ہے، بے شک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا

وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اہۡتَدٰی ﴿۳۰﴾ وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۙ

اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں

لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَ یَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا

ہے، تاکہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنہوں نے بُرے کام کیے اور ان لوگوں کو اجر دے جنہوں نے

بِالۡحُسۡنٰی ﴿۳۱﴾ ۚ اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ

نیک کام کیے○ جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں،

اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ

ماسوا چھوٹے گناہوں کے، بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے، (اور) وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے، جب اس نے تم کو

وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ

مٹی سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں، پیٹ کے بچے تھے، سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو، اللہ

بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

متقین کو خوب جانتا ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جن کی شفاعت کسی کو بالکل فائدہ نہیں پہنچا سکتی' سوا اس صورت کے کہ اللہ جس کے لیے چاہے شفاعت کی اجازت دے اور اس (کی شفاعت) سے راضی ہوO بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھتے ہیںO انہیں اس کا بالکل علم نہیں ہے وہ صرف ظن (گمان) کی پیروی کرتے ہیں' اور بے شک ظن یقین سے مستغنی نہیں کرتاO سو جو ہمارے ذکر سے پیٹھ پھیرے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے' آپ اس سے اعراض کریںO یہی ان کے علم کی انتہاء ہے' بے شک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہےO (النجم: ۳۰۔۲۶)

کفار کے لیے فرشتوں کی شفاعت نہ کرنے کی توجیہ

النجم: ۲۶ میں اللہ سبحانہٗ نے ان کافروں اور مشرکوں کی مذمت کی ہے جو فرشتوں اور کافروں کی عبادت کرتے تھے اور اپنے زعم فاسد کے موافق یہ کہتے تھے کہ ان کی عبادت کرنے سے ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔ (الزمر: ۳) ہم ان کی صرف اسی لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی اس قدر عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بہت معظم اور مکرم مخلوق ہیں' اس کے باوجود از خود اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کی شفاعت نہیں کرسکتے ہیں' ہاں! جس کی شفاعت کی اللہ تعالیٰ اجازت دے اور جس کی شفاعت کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہ اس کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور ان ہی کی شفاعت کرنے سے راضی ہوگا اور کفار کی شفاعت کرنے کی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور نہ ان کی شفاعت کرنے سے راضی ہوگا۔

فرشتوں اور بتوں کے مؤنث ہونے پر دلائل

النجم: ۲۷ میں فرمایا: بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھتے ہیںO

اس سے مراد وہ کفار ہیں جو کہتے تھے کہ فرشتے اور لات' عزیٰ اور منات اللہ کی بیٹیاں ہیں' ان کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ مؤنث ہیں' حالانکہ ان کو اس کا کوئی علم نہیں ہے' کیونکہ وہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود نہ تھے اور نہ ان کو کسی رسول نے یہ بتایا کہ فرشتے مؤنث ہیں اور نہ انہوں نے کسی آسمانی کتاب میں یہ پڑھا ہے کہ فرشتے مؤنث ہیں تو پھر علم کا وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ فرشتے مؤنث ہیں اور اللہ سبحانہٗ کی بیٹیاں ہیں؟ اور رہے لات' منات اور عزیٰ تو لات' منات پتھر سے بنائی ہوئی دیوی کسی عورت کی مورت اور مجسمہ ہے اور عزیٰ ببول کا درخت ہے اور پتھر کا مجسمہ یا درخت مرد یا عورت نہیں ہوتے' مؤنث وہ ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں نر جاندار ہو۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کفار آخرت پر ایمان نہیں لاتے' حالانکہ اگر ان کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہ ہوتا تو وہ یہ کیوں کہتے کہ بت آخرت میں ہماری شفاعت کریں گے اور ہمیں اللہ کے قریب کردیں گے؟ اس کا جواب یہ

ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر بالفرض قیامت آئی اور حشر برپا ہوا تو یہ بت ہماری شفاعت کر دیں گے' اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى. (حم السجدۃ: ۵۰)

اور اگر ہم اس کو مصیبت پہنچنے کے بعد راحت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ ضرور کہے گا کہ اس رحمت کا میں مستحق تھا' اور میرے گمان میں قیامت قائم نہیں ہوگی اور اگر میں بالفرض اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تب بھی اس کے پاس میرے لیے انعام اور اکرام ہوگا۔

تصدیق کی اقسام اور کفار کے باطل عقائد پر ظن کے اطلاق کی توجیہ

النجم: ۲۸ میں فرمایا: وہ صرف ظن (گمان) کی پیروی کرتے ہیں' اور بے شک ظن یقین سے مستغنی نہیں کرتا○

یعنی مشرکین جو کہتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں یہ صرف ان کا ظن ہے اور بے شک ظن (حق) یقین سے مستغنی نہیں کرتا۔

اگر انسان کے ادراک میں مثلاً ثبوت کی جانب راجح اور غالب ہو لیکن عقل نفی کی جانب کو بھی مرجوحاً اور مغلوباً جائز قرار دے تو اس کو ظن کہتے ہیں اور اگر نفی کی مغلوب جانب بھی زائل ہو جائے تو اس کو جزم کہتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ دس معتبر آدمی یہ کہیں کہ ابھی ابھی ٹی۔وی پر خبر آئی ہے کہ اپوزیشن پارٹی کے لیڈر مولانا فضل الرحمان ہارٹ اٹیک سے فوت ہو گئے اور ایک آدمی یہ کہے کہ میں نے بھی ابھی خبریں سنی ہیں' اس میں ایسی کوئی خبر نہیں تھی تو ہمارا ظن غالب یہ ہوگا کہ مولانا فضل الرحمان فوت ہو گئے' لیکن ایک مرجوح اور مغلوب سا احتمال ہوگا کہ شاید اس آدمی کی خبر صحیح ہو اور ٹی۔وی پر یہ خبر نہ آئی ہو' سو یہ ظن ہے' پھر تھوڑی دیر بعد ہم اگلے بلیٹن میں خود ٹی۔وی پر یہ خبر سن لیں کہ مولانا فضل الرحمان فوت ہو گئے تو وہ مرجوح جانب بھی زائل ہو جائے گی اور ہمیں مولانا فضل الرحمان کے فوت ہونے پر جزم ہو جائے گا اور یہ تصدیق کی پہلی قسم ہے' پھر اگر یہ جزم واقع کے مطابق نہ ہو اور تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید مخطی کہتے ہیں' جیسے امام شافعی کے مقلد کو جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن جب اس کے خلاف احادیث پیش کی جائیں کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا جزم زائل ہو جائے گا اور اگر جزم واقع کے مطابق نہ ہو اور تشکیک مشکک سے بھی زائل نہ ہو تو اس کو جہل مرکب کہتے ہیں' جیسے ابوجہل کو یہ جزم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبی نہیں ہیں اور اس کا یہ جزم دلائل اور معجزات سے بھی زائل نہیں ہوا' اور اگر جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید مصیب کہتے ہیں' جیسے امام ابوحنیفہ کے مقلد کو یہ جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اگر کوئی شافعی اس کے خلاف بہ کثرت احادیث پیش کر دے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس کا جزم زائل ہو جائے گا اور اگر جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو تو اس کو یقین کہتے ہیں اور پھر اس کی تین قسمیں ہیں: اگر خبر صادق سے جزم حاصل ہوا ہو تو اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور اگر دیکھ کر مشاہدہ سے جزم حاصل ہوا ہو تو اس کو عین الیقین کہتے ہیں اور اگر تجربہ سے جزم حاصل ہوا ہو تو اس کو حق الیقین کہتے ہیں' ہم کو جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جزم ہے' یہ علم الیقین ہے اور صحابہ کو جو آپ کی نبوت پر جزم تھا یہ عین الیقین تھا اور خود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت پر جو جزم تھا وہ حق الیقین تھا' ہم نے جو تصدیق کی تعریفات بیان کی ہیں' اس کے اعتبار سے تصدیق کی حسب ذیل سات اقسام ہیں:

(۱) ظن (۲) تقلید مخطی (۳) جہل مرکب (۴) تقلید مصیب (۵) علم الیقین (۶) عین الیقین (۷) حق الیقین

اب سوال یہ ہے کہ آپ نے جو ظن کی تعریف کی ہے اس کے اعتبار سے اس میں جانب ثبوت پر بہ کثرت راجح دلائل ہیں اور کفار کو جو ظن تھا کہ فرشتے مؤنث ہیں اس ظن پر ایک بھی دلیل قائم نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں' تو یہ ظن

کیسے ہوا؟اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو جو اس بات کی تصدیق تھی کہ فرشتے مؤنث ہیں یہ دراصل جہل مرکب تھا کیونکہ ان کا ادراک جازم واقع کے خلاف تھا اور دلائل سے زائل نہیں ہوا اور اس پر ظن کا اطلاق مجازاً فرمایا ہے' اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی کفار کے عقائد اور ان کی تصدیقات پر ظن کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے اور اس سے مراد جہل مرکب ہے۔

النجم:۲۹ میں فرمایا: سو جو ہمارے ذکر سے پیٹھ پھیرے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے آپ اس سے اعراض کریں O

جو لوگ کسی بھی طریقہ سے اصلاح کو قبول نہ کریں ان کا آخری حل ان کے خلاف جہاد ہے

یعنی جو شخص ایمان لانے سے انکار کرے اور قرآن مجید کی دعوت کو مسترد کر دے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے' آپ بھی اس سے اعراض کریں اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں' علامہ قرطبی نے کہا: اب اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف اب جہاد کرنا واجب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کے طبیب ہیں اور آپ ترتیب اطباء کے موافق دلوں کا علاج کرتے ہیں اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے غذا اور پرہیز سے علاج کرتے ہیں' مثلاً کسی شخص کو شوگر کا مرض ہو جائے تو اگر اس کی شوگر معمولی ہے تو وہ غذا اور پرہیز سے اس کا علاج کرتے ہیں' وہ اس کو میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں سے پرہیز کراتے ہیں' وہ اسے کہتے ہیں کہ وہ چینی اور اس کی مصنوعات نہ کھائے' چاول اور سوجی نہ کھائے' زمین کے نیچے پیدا ہونے والی سبزیوں کو نہ کھائے' گھی اور مکھن وغیرہ نہ کھائے' اَن چھنے آٹے کی روٹی کھائے جس میں بھوسی کا عنصر زیادہ ہو' پھلوں میں صرف جامن کھائے اور میٹھے مشروبات نہ پئے اور تیز تیز چل کر صبح اور شام لمبی سیر کرے اگر اسی سے اس کی شوگر کنٹرول ہو جائے تو فبہا وہ اس کو دوا نہیں دیتے اور اگر اس کی شوگر زیادہ ہو اور صرف غذا میں رد و بدل سے اس کی شوگر کنٹرول نہ ہو اور ناشتہ سے پہلے 120mg اور کھانے کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد 210mg سے زیادہ ہو تو پھر اس کو منہ سے کھانے والی دوائیں استعمال کراتے ہیں اور اگر اس طریقہ سے بھی اس کی شوگر کنٹرول نہ ہو تو پھر اس کو انسولین کے انجکشن لگانے کی ہدایت کرتے ہیں اور اگر بد پرہیزی کی بناء پر اس کے مثلاً پیر میں زخم ہو جائے اور کسی طرح ٹھیک نہ ہو اور اس زخم کا زہر باقی ٹانگ میں سرایت کرنے لگے تو پھر اس کا آخری حل سرجری ہے اور اس کی باقی ٹانگ کو بچانے کے لیے ڈاکٹر اس کا پیر کاٹ دیتے ہیں۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاشرہ کے روحانی بیماروں کا علاج کرتے ہیں' پہلے آپ اسے بُرے کاموں اور فسق و فجور کو ترک کرنے اور فرائض و واجبات پابندی سے ادا کرنے کی ہدایت دیتے ہیں' پھر اس کو نفلی عبادات اور اوراد و وظائف پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور اگر اس سے اس کی اصلاح نہ ہو اور وہ قابل تعزیر جرائم کا ارتکاب کرے تو اس کو تنہائی میں توبہ اور استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اگر وہ بار بار جرائم کا ارتکاب کرے اور اللہ کی حدود کو توڑے تو پھر اس کے اوپر حد جاری کرتے ہیں' شراب پینے اور پاک دامن مسلمان عورت کو تہمت لگانے پر اسی (۸۰) کوڑے مارتے ہیں اور زنا کے ارتکاب پر سو کوڑے مارنے کا حکم دیتے ہیں' پہلی بار چوری کرنے پر اس کا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹ دیتے ہیں اور دوسری بار چوری کرنے پر اس کا بایاں پیر بھی کاٹنے کا حکم دیتے ہیں اور اگر وہ حد سے بڑھ جائے اور ڈاکے ڈالے اور معاشرہ کے دیگر افراد کے لیے خطرہ بن جائے یا مرتد ہو جائے تو پھر آخری حل یہ ہے کہ آپ اس کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت میں بتایا ہے کہ جو شخص ایمان لانے سے انکار کر دے اور قرآن مجید کی دعوت کو مسترد کر دے اور صرف دنیاوی زندگی کا ارادہ کرے اور قیامت' آخرت' حشر و نشر' حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کا مذاق اڑائے اور کسی بھی

طریقہ سے اصلاح اور نصیحت کو قبول نہ کرے اور اس کو اس کے حال پر برقرار رکھنے سے معاشرہ کے دیگر افراد کے بگڑنے کا خطرہ ہو یا اس سے دینی ضرر کا خطرہ ہو تو پھر اس کا آخری حل یہ ہے کہ آپ اس کے خلاف جہاد کریں اور آپ اس کو اور ایسے دیگر افراد کو قتل کر دیں۔

النجم: ۳۰ میں فرمایا: یہی ان کے علم کی انتہاء ہے' بے شک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے O

کفار کی بدعقیدگی کو ان کا مبلغ علم قرار دینے کی توجیہ

یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ان کا مبلغ علم اسی دنیا کے متعلق ہے' یہ لوگ صرف دنیاوی چیزوں کی طرف دیکھتے ہیں اور دین کے احکام سے یکسر غافل ہیں' ان کا مقصد حیات صرف اپنی پسندیدہ چیزوں کو کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پوری کرنے سے متعلق ہے' خواہ یہ مقاصد جائز طریقے سے پورے ہوں یا ناجائز طریقے سے اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر زندگی صرف یہی کچھ ہو تو پھر ان میں اور جانوروں میں کیا فرق ہے؟ ان کی عقلوں کی پستی اور ان کے علم کی انتہاء یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا فرشتوں کو اور بتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا یہ ان کے علم کی انتہاء ہے' اسی کو ان کے علم کی انتہاء طنزاً فرمایا ہے اور درحقیقت یہ ان کا جہل مرکب ہے' یعنی ایسا ادراک جو جازم ہے اور کسی طریقہ سے زائل نہیں ہوتا اور واقع کے مطابق نہیں ہے' جہل مرکب کی دوسری تعریف یہ ہے:

بر آنکس که نداند وبداند کے بداند — در جہل مرکب ابد الاباد بماند

"ہر وہ شخص جو کسی چیز کو جانتا نہ ہو اور سمجھتا یہ ہو کہ وہ اس کو جانتا ہے وہ ہمیشہ جہل مرکب میں گرفتار رہتا ہے" کیونکہ اس کی دو جہالتیں ہیں' ایک تو وہ اس چیز سے جاہل ہے' دوسرے اپنی جہالت سے جاہل ہے۔

مشرکین اس چیز سے جاہل تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا محال ہے اور اپنی اس جہالت سے بھی جاہل تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اور لات اور منات اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اپنی اس جہالت میں اس قدر غالی اور راسخ تھے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل سننے کے لیے تیار نہ تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جہل کو جو علم فرمایا ہے وہ طنزاً فرمایا ہے یا اس اعتبار سے کہ ان کا علم یہ کچھ ہے جو حقیقت میں جہل مرکب ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کو اس کی گمراہی پر جمے رہنے اور ڈٹے رہنے کی سزا دے گا' نیز فرمایا: اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے' اس کا معنی ہے: وہ اس کو ہدایت پر برقرار رہنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی جزاء دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' تاکہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنہوں نے بُرے کام کیے اور ان لوگوں کو اجر دے جنہوں نے نیک کام کیے O جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں' ماسوا چھوٹے گناہوں کے' بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے' اور وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے' جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں' پیٹ کے بچے تھے' سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو' اللہ متقین کو خوب جانتا ہے O (النجم: ۳۲۔۳۰)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت اور تمام معلومات کو محیط ہونے کا ذکر فرمایا تھا کہ اس کو تمام گم راہ

لوگوں کا علم ہے اور تمام نیکوکاروں کا بھی علم ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے شمول کا ذکر فرمایا ہے وہ تمام بُرے کام کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر ہے اور تمام نیک کام کرنے والوں کو اجر وثواب دینے پر قادر ہے اور اس کی قدرت کی دلیل یہ ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور کوئی چیز اس کی ملکیت سے باہر نہیں ہے۔

''اللّمم'' کا معنی

النجم: ۳۲ میں فرمایا: جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں' ماسوا چھوٹے گناہوں کے' بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔ الآیۃ

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: تاکہ اللہ ان لوگوں کو اجر دے جنہوں نے نیک کام کیے' اور اس آیت میں ان نیک کام کرنے والوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔

سب سے بڑا گناہ شرک ہے اور سب سے بڑی بے حیائی زنا ہے۔ اس کے بعد اس آیت میں ''لمم'' کا ذکر ہے' اس سے مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''لمم'' کا معنی ہے: معصیت کے قریب جانا اور اس کو گناہ صغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' ''المام'' کا معنی ہے: کسی چیز کے پاس آنا' اس کے قریب جانا اور کسی چیز کی قلت کو بھی ''المام'' کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۸۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن ابی بکر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں:

''لمّ اللہ شعثہ'' کا معنی ہے: اللہ نے اس کے منتشر اور پراگندہ امور کی اصلاح کر دی اور ان کو مجتمع کر دیا۔ سو اس کا معنی جمع کرنا اور اصلاح کرنا ہے۔ ''المام'' کا معنی ہے: کسی کے پاس جانا' ''ملمّ'' اس لڑکے کو کہتے ہیں جو بلوغت کے قریب ہو' حدیث میں ہے:

''وان مما ینبت الربیع یقتل او یلم'' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۶۵) موسم بہار میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو ہلاک کر دیتی ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتی ہے۔ اور ''لمم'' صغیرہ گناہوں کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''المام'' کا معنی ہے: معصیت کے قریب جانا اور معصیت کا ارتکاب نہ کرنا۔ اخفش نے کہا: گناہوں کے قرب کو ''لمم'' کہتے ہیں۔ ازہری نے کہا: ''الا اللمم'' کا معنی ہے: مگر وہ جو گناہ صغیرہ کے متقارب ہو۔ (مختار الصحاح ص ۳۵۱۔ ۳۵۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

''اللّمم'' کے متعلق احادیث

ہم نے جو ''لمم'' کے معنی بیان کیے ہیں' ان کے اعتبار سے ''لمم'' گناہ صغیرہ ہے' نیز اس آیت میں ''الفواحش'' کا لفظ ہے' یہ ''فاحشۃ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بے حیائی کے کام' اور قرآن مجید میں زنا کو فاحشہ فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۗ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○ اور زنا کے قریب نہ جاؤ' بے شک وہ بے حیائی کا کام اور بُرا راستہ ہے ○ (بنی اسرائیل: ۳۲)

لہٰذا زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اس سے کم درجہ کے یا اس کے قریب کے کام گناہ صغیرہ ہیں' اور اس کی تائید ان احادیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں مدینہ کے آخری حصہ میں ایک عورت کے ساتھ بغل گیر ہوا اور میں نے زنا کرنے کے علاوہ اس کے ساتھ باقی سب کچھ کیا اور اب میں یہاں حاضر ہوں' آپ میرے متعلق جو چاہیں فیصلہ فرمائیں' حضرت عمر نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ نے تمہارے جرم

پر پردہ رکھا تھا' کاش! تم بھی اپنے جرم پر پردہ رکھتے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوئی جواب نہیں دیا' پس وہ چلا گیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیچھے گئے اور اس شخص کو بلایا' پھر اس کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (ھود: ۱۱۴) دن کی دو طرفوں میں (فجر اور عصر میں) نماز پڑھئے' اور رات کے قریب (مغرب اور عشاء میں) بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: کیا یہ (صغائر کی نیکیوں سے مغفرت) خاص اس شخص کے واسطے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تم سب کے واسطے ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۷-۵۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۸' مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۵)

حضرت ابن مسعود' حضرت ابوسعید الخدری' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم اور مسروق نے کہا کہ زنا سے کم گناہ مثلاً اجنبی عورت کو بوسہ دینا' چھیڑ چھاڑ کرنا' اس کو دیکھنا اور اس سے بغل گیر ہونا ''لمم'' اور گناہ صغیرہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ ''لمم'' کے مشابہ اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے زنا کا حصہ اس کے اوپر لکھ دیا ہے' جس کو وہ لامحالہ پائے گا' پس آنکھوں کا زنا اجنبی عورت کو دیکھنا ہے اور زبان کا زنا اس کے متعلق بات کرنا ہے اور نفس (زنا کی) تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۲-۶۲۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۵۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷)

''صحیح مسلم'' کی روایت میں یہ اضافہ ہے: کانوں کا زنا' زنا کی بات سننا ہے' ہاتھوں کا زنا اجنبی عورت کو پکڑنا ہے اور پیروں کا زنا اس طرف جانا ہے۔ ''صحیح مسلم'' رقم الحدیث: ۲۶۵۷ اور حاکم کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ہونٹوں کا زنا اجنبی عورت کو بوسہ دینا اور آنکھوں کا زنا اجنبی عورت کو تلاش کرنا ہے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۵۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی مسلمان فرض نماز کا وقت پائے' پھر اس کا اچھی طرح وضو کرے اور اس نماز کو ظاہری آداب اور خشوع کے ساتھ پڑھے تو وہ نماز اس نماز سے پہلے کیے ہوئے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے جب تک کہ اس نے کبیرہ گناہ نہ کیا ہو اور یہ مغفرت ہر زمانہ میں ہوتی رہے گی۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کی نماز ان کے درمیان میں ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جاتی ہیں جب تک گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴' مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ بتاؤ! اگر تم میں سے کسی ایک شخص کا گھر دریا کے پاس ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو تم کیا کہتے ہو کہ اس کے جسم پر کوئی میل رہے گا؟ مسلمانوں نے کہا: اس کے جسم پر کوئی میل نہیں رہے گا' آپ نے فرمایا: یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے' اللہ سبحانہٗ ان کے سبب سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۶۱)

''اللمم'' کی تعریف میں صحابہ اور تابعین کے اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الا اللمم'' کا معنی یہ ہے کہ بندہ کوئی گناہ کرے پھر اس کو دوبارہ نہ کرے۔
زہری نے کہا کہ ''لمم'' کا معنی یہ ہے کہ وہ زنا کرے' پھر توبہ کرے پھر دوبارہ نہ کرے یا چوری کرے یا شراب پیئے پھر توبہ کرے پھر دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرے اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۶۔ ۱۳۵)

اور جب یہ (نیکوکار) بے حیائی کا کام کر گزریں' یا کوئی اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیں' تو وہ فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر توبہ کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہ معاف کر سکتا ہے اور جان بوجھ کر دوبارہ اس گناہ کو نہ کریں ○ تو ان کی جزاء ان کے رب کی طرف سے معافی ہے' اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے ○

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: ''اللمم'' شرک کے ماسوا گناہ ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس پر دنیا میں حد نہیں ہے اور نہ اس پر آخرت میں عذاب کی وعید ہے' یہ گناہ پانچ نمازوں سے معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ ابن زید' عکرمہ' ضحاک اور قتادہ کا قول ہے۔
کلبی نے کہا: ''اللمم'' کی دو قسمیں ہیں' ایک قسم ہر وہ گناہ ہے جس کی حد کا ذکر نہیں ہے اور نہ اس پر آخرت میں عذاب کا ذکر ہے اور دوسری قسم وہ گناہ کبیرہ ہے جس کا انسان بار بار ارتکاب کرتا ہے اور اس پر توبہ کرتا رہتا ہے۔
نفطویہ نے کہا: ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس کا ارتکاب کرنا انسان کی عادت نہ ہو۔
عطاء بن ابی رباح نے کہا: ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس کو انسان وقتاً فوقتاً کرے۔
سعید بن مسیب نے کہا: ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس کا دل میں خیال آئے' لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ دل میں آنے والے خیال کا کسی امت سے مواخذہ نہیں ہوا' ہاں! اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ ''اللمم'' وہ گناہ ہے جس کو انسان کرنا چاہے لیکن اس کا عزم مصمم نہ کرے یا عزم مصمم کرے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو پھر اس کی توجیہ ہو سکتی ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۰۰۔ ۹۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کی تعریفات اور اس سلسلہ میں احادیث

امام فخر الدین محمد بن رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ''اللمم'' کی تعریف میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:
(۱) وہ گناہ جس کو انسان قصداً نہ کرے اور نہ اس کو مؤکد کرے اور نہ اس کا عزم کرے۔
(۲) وہ جس کو کرنے کے بعد انسان فوراً نادم ہو۔
(۳) گناہ صغیرہ' وہ گناہ جو کسی بے حیائی کے کام پر مشتمل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۶۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)
امام رازی نے گناہ کبیرہ کی حسب ذیل تعریفات کی ہیں:
(۱) گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے صراحۃً عذاب کی وعید سنائی ہو۔
(۲) کبیرہ وہ گناہ ہے جس کو حلال جان کر کرنا کفر ہے۔

(۴) اصل یہ ہے کہ ہر معصیت کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت ہیں اور منعم کی مخالفت بہت بڑی بُرائی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی خطا اور نسیان کو معاف کر دیا ہے کیونکہ وہ ترک تعظیم پر دلالت نہیں کرتیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بندوں میں بہت ہوتی ہیں' جیسے ایک آدھ بار جھوٹ بولنا یا ایک دو مرتبہ غیبت کرنا' یا ایک دو بار اجنبی عورت کو دیکھنا' اسی طرح وہ بُرے کام جن کے بُرے ہونے میں شبہ ہے اور ہر زمانے میں ان سے اجتناب کرنے والے بہت کم ہیں' اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ موسیقی سننا فسق ہے اور اگر شہر والے عادۃً موسیقی نہ سنیں تو یہ فسق نہیں ہے' سو اگر اربابِ عقول اس کو ترکِ تعظیم نہ قرار دیں تو یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے' اسی طرح اوقات کے مختلف ہونے سے بھی احکام مختلف ہو جاتے ہیں جیسے نماز کے وقت کھیلنا کبیرہ ہے اور دوسرے وقت کھیلنا کبیرہ نہیں ہے' اسی طرح اشخاص کے مختلف ہونے سے بھی احکام مختلف ہو جاتے ہیں مثلاً متقی عالم جب کسی اجنبی عورت کا پیچھا کرے گا یا بہت زیادہ کھیل میں مشغول ہوگا تو یہ کبیرہ ہے۔ اور جب دلال یا باندیاں فروخت کرنے والا یا فارغ شخص ایسا کرے گا تو وہ کبیرہ نہیں ہے' اس بناء پر ہر گناہ کبیرہ ہے مگر جس گناہ کے متعلق مکلف کو یہ علم یا ظن ہو کہ وہ اللہ کے فضل سے اس گناہ سے نکل جائے گا یا اللہ اس کو معاف فرما دے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۷۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ایک تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔ گناہ کبیرہ کے متعلق حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ چیزیں حرام کر دی ہیں (۱) ماؤں کی نافرمانی کرنا (۲) حق چیز سے منع کرنا اور ناحق چیز کو طلب کرنا (۳) بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور یہ چیزیں مکروہ قرار دی ہیں: فضول بحث کرنا' بہ کثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۰۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ شریک کرنا (۲) کسی کو ناحق قتل کرنا (۳) ماں باپ کی نافرمانی کرنا' پھر فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑا کبیرہ نہ بتاؤں؟ آپ نے فرمایا: جھوٹ بولنا یا جھوٹی گواہی دینا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۷)

الکہف: ۴۹ ''تبیان القرآن'' ج ۷ ص ۱۲۵۔۱۲۱ میں ہم نے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی زیادہ تحقیق کی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔

یعنی جو اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ وسیع مغفرت والا ہے اور بعض اوقات وہ اپنے فضل محض سے بغیر توبہ کے بھی گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

نیز فرمایا: اور وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ الایۃ

انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کی توجیہ

امام ابوعبداللہ ترمذی نے کہا: جب زمین سے مٹی نکالی گئی تو ہم سب کو اس مٹی سے پیدا کیا گیا' پھر اس مٹی کو ہمارے آباء کی پشتوں میں رکھ دیا گیا' بعض مٹی سفید اور روشن تھی اور بعض کوئلہ کی طرح سیاہ تھی سو ہم کو ان ہی رنگوں پر پیدا کیا گیا۔

امام اوزاعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس رات تمام اولین اور آخرین میرے حجرے کے

سامنے پیش کیے گئے' کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! گزری ہوئی مخلوق بھی؟ فرمایا: ہاں! مجھ پر حضرت آدم اور ان کے ماسوا سب پیش کیے گئے' مسلمانوں نے پوچھا: اور وہ بھی جو اپنے آباء کی پشتوں میں اور اپنی ماؤں کے ارحام میں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ مٹی میں متمثل کر کے پیش کیے گئے اور میں نے ان سب کو اس طرح پہچان لیا جس طرح حضرت آدم نے تمام اسماء کو پہچان لیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۰۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں' پیٹ کے بچے تھے۔ الایۃ

انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کے متعلق احادیث

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم کو بلاواسطہ مٹی سے پیدا کیا ہے' اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے' وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے: اے رب! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی تو پھر کہتا ہے: اے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کا نشان کیسا ہے؟ اور اس کی موت کب ہوگی؟ اللہ فرماتا ہے: تم لوحِ محفوظ میں دیکھو۔ وہ لوحِ محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق' اس کا نشان' اس کی موت اور اس کا عمل لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا' وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ (طٰہٰ: ۵۵)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے ○

(الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۳۰۰' مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے عطاء خراسانی سے روایت کیا ہے کہ جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا' وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے: "منها خلقناکم"۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۳۰۲' مطبوعہ ایران)

حافظ ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۰' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ علی متقی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ خطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی میں دفن کیے جائیں گے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۷۳)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ہر انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ احادیث کے علاوہ اس مؤقف پر عقل سے بھی استدلال کیا گیا ہے' کیونکہ انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں خون سے بنتی ہیں اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا گوشت اور زمینی پیداوار (سبزیوں اور پھلوں) پر مشتمل ہوتی ہے اور حیوان کا گوشت بھی زمینی پیداوار سے بنتا ہے تو مآل زمینی پیداوار ہے اور زمینی پیداوار مٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ سو خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے' پھر اس طریقہ سے مٹی سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے متعدد اعضاء بنتے ہیں جو رنگ روپ اور صورت شکل میں مختلف ہوتے ہیں' مثلاً

قلب' دماغ' پھیپھڑے' جگر اور دیگر بڑی بڑی ہڈیاں' باریک شریانیں اور پٹھے وغیرہ اور ایک مادہ یعنی مٹی سے مختلف صورت وشکل اور مختلف طبائع اور حقائق کے اعضاء پیدا کرنا اور ایک مٹی سے دنیا کے متعدد اور مختلف رنگ ونسل کے انسان پیدا کرنا' صرف اسی کی تخلیق سے عمل میں آ سکتا ہے جو حکیم اور مدبّر اور قادر اور قیوم ہو۔ پھر ان مختلف انسانوں کی پیدائش ہزار ہا سال سے ایک ہی نظم اور ایک ہی طرز پر ہو رہی ہے اور انسان کی تخلیق کے اس سلسلہ کا نظم واحد پر ہونا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہ اللہ الواحد القہار ہے۔

خودستائی کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو' اللہ متقین کو خوب جانتا ہے۔ (النجم: ۳۲)

یعنی تم اپنی تعریف اور توصیف اور حمد وثناء نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا ریا کاری سے دور ہے اور تواضع اور خضوع اور خشوع کے قریب ہے' اللہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ اخلاص سے عمل کرتا ہے اور کون اللہ کے عذاب سے زیادہ ڈرتا ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ سبحانہٗ ہر نفس کو جانتا ہے کہ وہ اب کیا عمل کر رہا ہے اور آئندہ کیا عمل کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کی حمد وثناء نہیں کرتا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۱۰۲)

اس آیت میں مؤمنین کے لیے یہ رہ نمائی ہے کہ اے مؤمنو! اللہ تمہارے احوال کو بہت زیادہ جاننے والا ہے' وہ تمہاری پیدائش سے لے کر تمہاری موت تک کے تمام احوال سے واقف ہے سو تم ریا اور فخر سے یہ نہ کہو کہ میں فلاں سے بہتر ہوں اور میں فلاں سے زیادہ مخلص اور متقی ہوں کیونکہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہیں اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ تم حتمی اور قطعی طور پر یہ نہ کہو کہ میں نجات یافتہ ہوں کیونکہ تمہارے انجام کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

خودستائی عیب ہے اے خودستا

زید بن اسلم نے کہا: اس کا معنی ہے: اپنے آپ کو خامیوں اور عیوب سے بری نہ کرو۔

مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: تم گناہ نہ کرو اور تم کہتے ہو کہ ہم اطاعت کرتے ہیں۔ (الدرالمنثور ج ۷ ص ۵۸۰)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے کہا: میرا نام برہ (نیکی کرنے والی) رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو' اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے کہ تم میں سے کون نیکی کرنے والا ہے ۝ (النجم: ۳۲)

تم اس کا نام زینب رکھو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۳)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝۳۳ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝۳۴ اَعِنْدَهٗ

کیا پھر آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے پیٹھ پھیری؟ ۝ اور تھوڑا سا مال دیا اور روک لیا ۝ کیا اس کے

عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝۳۵ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝۳۶ وَ

پاس علم غیب ہے جو وہ دیکھ رہا ہے ۝ کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں ہوئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے ۝ اور

اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ

جو ابراہیم کے صحائف میں ہے جنہوں نے وفا کی O کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا O اور یہ کہ

لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ

ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا O اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھا جائے گا O پھر اس کو پورا پورا

الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ

عوض دیا جائے گا O اور یہ کہ آخر کار آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے O اور یہ کہ اسی نے ہنسایا اور

اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ

اسی نے رُلایا O اور یہ کہ اسی نے مارا اور اسی نے زندہ کیا O اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے

الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَ

پیدا کیے O نطفہ سے جب اس کو مادہ کے رحم میں ٹپکایا گیا O اور یہ کہ دوسری زندگی دینا اسی کے ذمہ ہے O اور

اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ

یہ کہ اسی نے غنی کیا اور مال دیا O اور یہ کہ شعریٰ (ستارے) کا وہی رب ہے O اور یہ کہ اس نے پہلی

عَادَا ۨ الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ

(قوم) عاد کو ہلاک کر دیا O اور (قوم) ثمود (میں سے) کسی کو باقی نہیں چھوڑا O اور ان سے پہلے قوم نوح (کے کافروں) کو

كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا

بے شک وہ سخت ظالم اور بہت سرکش تھے O اور (قوم لوط کی) پلٹائی ہوئی بستیوں کو اوپر سے نیچے پھینک دیا O تو (سنگریزوں

مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ

کی بارش نے) ان کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا O پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے

النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ

گا O یہ پہلے عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں O قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے O اللہ کے سوا

اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ

(وقت معین پر) اسے کوئی دکھانے والا نہیں ہے O تو کیا تم اس کلام پر تعجب کرتے ہو O اور

تَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا

تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O اور تم کھیل کود میں پڑے ہو O سو اللہ

لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ ع السجدۃ

کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا پھر آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے پیٹھ پھیری O اور تھوڑا سا مال دیا' اور روک لیا O کیا اس کے پاس علم غیب ہے جو وہ دیکھ رہا ہے O (النجم: ۳۵۔۳۳)

النجم: ۳۵۔۳۳ کے شانِ نزول کے متعلق اقوال

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

مجاہد اور ابن زید نے کہا: یہ آیت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اتباع کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا' تو بعض مشرکوں نے اس کو عار دلایا اور ملامت کی اور کہا: کیا تم اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ رہے ہو اور ان کو گم راہ قرار دے رہے ہو اور یہ گمان کر رہے ہو کہ وہ دوزخ میں ہوں گے' حالانکہ تم پر لازم تھا کہ تم ان کے دین کی مدد کرتے۔ ولید نے کہا: اگر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا تو مجھے اللہ کے عذاب کا خطرہ ہے' اس شخص نے کہا: اگر تم پر عذاب ہوا تو اس کو میں برداشت کروں گا بہ شرطیکہ تم مجھے اس قدر مال دو' ولید نے کہا: میں تم کو اتنا مال دوں گا' اس کے عوض تم میرا عذاب برداشت کر لینا' پھر ولید اپنے شرک پر برقرار رہا' پھر ولید نے اس سے جتنے مال کا وعدہ کیا تھا اس میں سے کچھ مال اس کو دیا اور پھر بخل کیا اور باقی مال دینے سے رک گیا' تو اس کی مذمت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یعنی اس نے اسلام لانے سے پیٹھ پھیری اور جتنا مال دینے کا وعدہ کیا تھا بخل کی وجہ سے وہ رک گیا اور اس نے جو سمجھا تھا کہ وہ مال دے کر عذاب سے بچ جائے گا تو کیا اس کے پاس علم غیب ہے جو وہ اپنی نجات کو دیکھ رہا تھا۔

عطاء بن یسار نے کہا: یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے اپنے گھر والوں سے کہا: میں اس شخص کے پاس جا کر اسلام لاتا ہوں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' جب وہ روانہ ہوا تو اس کو ایک کافر ملا اور اس نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس' شاید مجھے اس اقدام سے خیر ملے گی' اس کافر نے کہا: مجھے یہ سامان دے دو' اس کے عوض اسلام نہ لانے سے تمہیں جو عذاب ہوگا اس کو میں برداشت کروں گا' وہ شخص مان گیا پھر اس نے اس کافر کو کچھ سامان دیا اور باقی سامان دینے سے بخل کیا اور رک گیا۔

محمد بن کعب القرظی نے کہا: یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس نے کہا تھا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں' پھر اس نے آپ کے بعض اوصاف کریمہ بیان کیے' پھر بخل کی وجہ سے باقی اوصاف بیان کرنے سے رک گیا۔

سدی اور کلبی نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے اپنا مال خیرات کرنے کا ارادہ کیا پھر اپنے ماں شریک بھائی عبد اللہ بن ابی سرح کے منع کرنے سے رک گئے (ہوسکتا ہے یہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہو)۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۵۱۔ ۱۵۰ 'داراحیاء التراث العربی' بیروت '۱۴۲۱ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس روایت کا ذکر کر کے اس کا رد کر دیا ہے اور فرمایا ہے: یہ قول باطل ہے کیونکہ یہ متواتر ہے نہ مشہور ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جود و سخا اس کے خلاف ہے اس روایت کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۷۲ 'داراحیاء التراث العربی' بیروت '۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے باطل اور مردود ہونے کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ اس کو سدی اور کلبی نے روایت کیا ہے اور سدی اور کلبی کذاب اور وضاع راوی ہیں نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مدح کی ہے اور ان کی سخاوت کی احادیث معنیً متواتر ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کے بخل کے متعلق قرآن مجید میں آیات نازل ہوں؟ علاوہ ازیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں اور سابقین اولین کے متعلق قرآن مجید میں یہ بشارت ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبہ: ۱۰۰)

اور مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ۝

النجم: ۳۴ میں "اکدی" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: وہ پتھر کی طرح سخت نکلا' یہ لفظ "کدیہ" سے بنا ہے اس کا معنی ہے: سخت زمین' جب کنواں کھودا جائے اور اس میں کوئی ایسا پتھر نکل آئے جو کھودنے سے عاجز کر دے تو اس وقت کہتے ہیں: "قد اکدی" پھر اس کا استعمال اس شخص کے متعلق ہونے لگا جو کچھ مال دے کر رک جائے اور پورا مال نہ دے۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے: دینے سے رک جانا اور عطا کو منقطع کر دینا۔ زیر تفسیر آیت میں یہی معنی مراد ہے۔

(لسان العرب ج ۱۳ ص ۳۶ 'القاموس المحیط ص ۱۳۲۲ ' مختار الصحاح ص ۳۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں ہوئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے ۝ اور جو ابراہیم کے صحائف میں ہے جنہوں نے وفا کی ۝ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۝ اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا ۝ اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھا جائے گا ۝ پھر اس کو پورا پورا عوض دیا جائے گا ۝ اور یہ کہ آخر کار آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے ۝ (النجم: ۴۲۔۳۶)

مشرکین پر اللہ تعالیٰ کی حجت کی تقریر

یعنی جو شخص آپ سے روگردانی کر رہا ہے اور آپ کے پیغام پر ایمان نہ لانے کا دوسرے کافروں کو مشورہ دے رہا ہے اور یہ ضمانت دے رہا ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہ لانے کا اس کو عذاب ہوا تو اس عذاب کو وہ بھگت لے گا' کیا اس نے سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں لکھی ہوئی یہ خبر نہیں پڑھی کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھ لیا جائے گا' پھر اس کو پورا پورا عوض دیا جائے گا اور یہ کہ

آخر کار آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے۔

النجم: ۳۶ میں پہلے موسیٰ کے صحیفوں کا ذکر ہے اور اس کے بعد النجم: ۳۷ میں ابراہیم کے صحیفوں کا ذکر ہے' حالانکہ واقع میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت ہوئی' پھر اس کے کافی عرصہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی ہے' تو حضرت ابراہیم سے پہلے حضرت موسیٰ کا ذکر کس وجہ سے کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف یعنی ''تورات'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف سے زیادہ مشہور تھے' نیز یہودی مکہ مکرمہ میں آتے رہتے تھے اور ان کی زبانی مشرکینِ مکہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بہت زیادہ سنا تھا' اس لیے ان کی شہرت بھی مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ تھی اور مشرکینِ مکہ یہودیوں کی زبانی حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحائف کی ان آیات کو سنتے رہتے تھے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کو اس کا عوض ملے گا جو اس نے کیا اور مشرکین کے نزدیک یہ آیات مشہور و معروف تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی شہرت کو بنیاد بنا کر مشرکین کو سرزنش فرما رہا ہے کہ جب تمہیں یہ معلوم ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' پھر تم دوسرے شخص کی جگہ اس کا عذاب اٹھانے کی ضمانت کیوں دے رہے ہو؟

حضرت ابراہیم کے وفا کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوری طرح بجا لائے' نمرود کے سامنے پیغام پوری طرح سنایا' نمرود کی دھمکیوں سے نہیں ڈرے' توحید کا اعلان کرنے کی پاداش میں بے خطر آتش نمرود میں کود پڑے اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا وفا کیا' اپنے نوجوان بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے سے ذرا نہ ہچکچائے اور تادم آخر دین کی تبلیغ کرتے رہے اور اپنا مال' اپنی جان اور اپنی اولاد سب اللہ سبحانہٗ سے وفا میں نچھاور کر دی۔

''کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'' اس پر ایک سوال کا جواب

النجم: ۳۸ میں فرمایا: کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ایک شخص کو دوسرے کے گناہ میں پکڑ لیا جاتا تھا اور ایک شخص کو اپنے باپ اور اپنے بیٹے اور اپنے بھائی اور اپنے چچا اور اپنے ماموں اور اپنے عم زاد اور اپنے رشتہ دار اور اپنی بیوی کے قتل کرنے کے بدلہ میں قتل کر دیا جاتا تھا اور ان کے جرائم کے بدلہ میں اس کو سزا دی جاتی تھی تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۵۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کے زمانہ میں یہی ہوتا تھا کہ باپ کے جرم میں بیٹے کو اور ایک رشتہ دار کے جرم میں دوسرے کو پکڑ لیا جاتا تھا تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مبعوث ہو کر اس چلن کو ختم کر دیا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۰۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

کہا جاتا ہے کہ ایک حدیث اس آیت کے خلاف ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت تک جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون کے عذاب میں سے ایک حصہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قابیل) کو بھی دیا جائے گا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کے طریقہ کو ایجاد کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ قیامت تک ہونے والی قتل کی تمام وارداتوں کے بوجھ کا ایک حصہ قابیل پر بھی ہوگا اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی برائی اور گناہ کو ایجاد کیا تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی پر عمل کریں گے تو ان کے گناہوں کی سزا میں اس برائی کے ایجاد کرنے والے کا بھی حصہ ہوگا' کیونکہ وہ ان سب لوگوں کے لیے اس برائی کے ارتکاب کا سبب بنا تھا اور بعد کے لوگوں کی سزا میں کوئی کمی نہیں ہوگی' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کو ہدایت پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان متبعین کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی' تو اس کو اس گمراہی پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور ان متبعین کی سزاؤں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۳' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۰۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۱۷۱)

''کوئی شخص دوسرے کے جرم کی سزا نہیں پائے گا'' اس قاعدہ کے بعض مستثنیات

''کسی شخص کو دوسرے کے گناہ کی سزا نہیں ملے گی'' یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب وہ شخص دوسروں کو اس گناہ سے منع کرتا رہے' لیکن اگر کوئی شخص خود نیک ہو اور اس کے سامنے دوسرے گناہ کرتے رہیں اور وہ ان کو منع نہ کرے تو اس نیک شخص کو اس لیے عذاب ہوگا کہ اس نے ان دوسروں کو برائی سے نہیں روکا۔ قرآن مجید میں ہے:

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۷۹)

وہ ایک دوسرے کو ان بُرے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے' البتہ وہ بہت بُرا کام کرتے تھے ۝

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے یہ فرماتے ہوئے بیدار ہوتے: ''لا اللہ الا اللہ'' ''عرب کے لیے تباہی ہو' اس شر سے جو قریب آ پہنچا' یاجوج ماجوج کی رکاوٹ کے ٹوٹنے سے' آج روم فتح ہو گیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عقد بنایا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے' حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب برائیاں زیادہ ہو جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۴۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۰۸' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۹۰۶۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹۳)

اسی طرح اس قاعدہ سے بعض احکام بھی مستثنیٰ ہیں' مثلاً اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو خطاءً قتل کر دے یا اس کا قتل شبہ عمد ہو (قتل شبہ عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو سزا دینے کے قصد سے لاٹھی' کوڑے یا ہاتھ سے ضرب لگائے اور اس کا قصد قتل کرنا نہ ہو) تو اس کی دیت عاقلہ پر لازم آتی ہے' تاکہ اس کا خون رائیگاں نہ ہو' اب یہاں جرم تو ایک شخص نے کیا ہے اور اس کا تاوان اس کے عاقلہ ادا کریں گے۔ عاقلہ سے مراد مجرم کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جن کو عصبات کہتے ہیں' حدیث شریف میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا در آں حالیکہ وہ مضروبہ حاملہ تھی اور (اس ضرب سے) اس کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے ایک عورت بنولحیان کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتلہ کے عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ دار) پر مقتولہ کی دیت لازم کی' اور اس کے پیٹ کے بچہ کے تاوان

میں ایک باندی یا ایک غلام کا دینا لازم کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۔۴۳۱۴۔ ۱۶۸۲۔۳۷۔ ۳۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۶۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۱۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۴۲۔۴۸۳۷۔۴۸۳۶۔۴۸۲۲۔۴۸۲۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

ایصالِ ثواب کے عدم جواز پر معتزلہ کا استدلال اور اہل سنت کے جوابات

درج ذیل آیت سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اموات کے لیے ایصالِ ثواب جائز نہیں ہے اور اہل سنت نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے اور بھی بہت جوابات ہیں۔

النجم: ۳۹ میں فرمایا: اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیاO

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO'' (النجم: ۳۹) کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ. (الطور: ۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

پس اللہ تعالیٰ آباء کی نیکیوں کے سبب سے ان کی اولاد کو جنت میں داخل کر دے گا اور آباء کی سعی سے اولاد کو فائدہ ہوگا اور یوں النجم: ۳۹ کا حکم الطور: ۲۱ سے منسوخ ہو گیا۔

اور جن دیگر مفسرین نے یہ کہا کہ النجم: ۳۸ منسوخ ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

علامہ ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ النجم: ۳۹ الطور: ۲۱ سے منسوخ ہے کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آباء کی نیکیوں سے ابناء کو جنت میں داخل کر دیا اور عکرمہ نے کہا کہ ''**ان لیس للانسان الا ما سعی**'' کا حکم حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے لیے تھا اور رہی یہ امت تو اس کو اپنی سعی سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور دوسروں کی سعی سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اور اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

اور ربیع بن انس نے کہا کہ النجم: ۳۹ کا حکم کافر کے لیے ہے اور رہا مؤمن تو اس کو اپنی سعی سے بھی فائدہ ہوتا ہے اور دوسروں کی سعی سے بھی ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ کافر کے لیے آخرت میں کوئی خیر نہیں ہے اس کو اس کے اعمال کا اجر صرف دنیا میں ملتا ہے اور روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص پہنائی تھی تو جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے قمیص بھجوا دی تا کہ آخرت کے لیے اس کی کوئی نیکی نہ رہے جس پر ثواب عطا کیا جا سکے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۵۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حنبلی مفسرین کے جوابات

علامہ عبدالرحمٰن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا: حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحائف میں یہ آیت بھی مذکور تھی:

وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿ۙ۳۹﴾ (النجم:۳۹) اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا○

اس کا معنی یہ ہے کہ ہر انسان کو صرف اس کی کوشش کی جزاء ملے گی' اگر اس نے نیک عمل کیا ہے تو اس کو نیک جزاء ملے گی اور اگر اس نے بُرا عمل کیا ہے تو اس کو سزا ملے گی اور اس آیت کی تفسیر میں علماء کے آٹھ اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت ''وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ'' (الطور:۲۱) سے منسوخ ہے' اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کو آباء کی نیکیوں کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیا (رہا یہ اعتراض کہ یہ دونوں آیتیں خبر ہیں' اور نسخ انشاء میں ہوتا ہے اس کا جواب ہم الاحقاف:۹ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں' اس کا دوسرا جواب علامہ آلوسی کی عبارت میں آ رہا ہے)۔

(۲) عکرمہ نے کہا: یہ قاعدہ کہ ہر انسان کو صرف اس کے عمل کا عوض ملتا ہے' حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کی امتوں کے لیے تھا اور اس امت کو اپنی سعی کا اجر بھی ملتا ہے اور دوسروں کی سعی کا اجر بھی ملتا ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے فرمایا: تم اپنے فوت شدہ باپ کی طرف سے حج کرو۔

(۳) ربیع بن انس نے کہا: النجم:۳۹ میں انسان سے مراد کافر ہے' کیونکہ مؤمن کو اپنی سعی کا اجر بھی ملتا ہے اور دوسروں کی سعی کا بھی۔

(۴) الحسین بن الفضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کو صرف اس کی سعی پر اجر عطا فرمائے اور اس کے فضل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کو دوسرے کی سعی پر بھی اجر عطا فرمائے اور النجم:۳۹ صورت عدل پر محمول ہے۔

(۵) ابو بکر الورّاق نے کہا: اس آیت میں سعی کا معنی نیت ہے' یعنی انسان کو صرف اس کی نیت کا اجر ملتا ہے۔

(۶) الثعلبی نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر کو اس کی نیکیوں کا اجر صرف دنیا میں ملتا ہے' آخرت میں اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

(۷) علامہ زاغوانی حنبلی متوفی ۵۲۷ھ نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''لام'' بہ معنی ''علیٰ'' ہے' یعنی انسان کو صرف اسی عمل سے ضرر یا اسی عمل پر عذاب ہو گا جو اس نے خود کیا ہو' کسی اور کے بُرے عمل سے اس کو عذاب نہیں ہو گا' جیسا کہ النجم:۳۸ میں تصریح ہے۔

(۸) ہمارے شیخ علی بن عبید اللہ زاغوانی حنبلی متوفی ۵۲۷ھ نے اس آیت کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہر انسان کو اپنی سعی کے سبب سے اجر ملتا ہے اور اسباب مختلف ہوتے ہیں: (۱) اس کے رشتہ دار' اس کی اولاد اور اس کے دوست اس پر رحم کھا کر اسے اپنی عبادتوں کا ثواب پہنچاتے ہیں (۲) وہ دین کی خدمت کرتا ہے اور عبادت کرتا ہے' اس وجہ سے دین دار لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ ان کے ثواب پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے (علامہ عینی' علامہ طحطاوی اور علامہ شامی نے بھی اپنی کتب میں ان جوابات کو ذکر کیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۸۲' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شافعی مفسرین کے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ انسان کو صرف اپنی سعی کا اجر ملتا ہے' حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انسان کو دوسروں کی سعی کا بھی اجر ملتا ہے' مثلاً میت کے رشتہ دار اس کی طرف سے جو صدقہ کرتے ہیں

اور روزے رکھتے ہیں' یہ عبادات میت تک پہنچتی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اس انسان کی سعی کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ انسان اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا نیک سلوک کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انسان کو بغیر عمل کیے بھی اجر ملتا ہے' وہ ایک نماز پڑھتا ہے اور اس کو دس نمازوں کا اجر ملتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ . جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کے لیے اس کی دس مثالیں ہوں گی۔ (الانعام: ۱۶۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ اجر ملنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس زیر تفسیر آیت میں صورت عدل کا ذکر ہے۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہے اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سابقہ شریعتوں کا ذکر ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے ان کو منسوخ کر دیا' اب انسان کو اپنی سعی کا اجر بھی ملے گا اور دوسروں کی سعی کا بھی' لیکن یہ جواب باطل ہے اور سابقہ جواب کافی ہیں پھر نسخ کے قول کی کیا ضرورت ہے؟

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۲۷۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کا اس جواب کو باطل کہنا صحیح نہیں ہے' یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جو تفسیر قرآن میں دعاء رسول ہیں اور تمام مفسرین نے اس جواب پر اعتماد کیا ہے۔

مالکی مفسرین کے جوابات

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: یہ آیت الطور: ۲۱ سے منسوخ ہے اور چھوٹا بچہ قیامت کے دن اپنے باپ کے میزان میں ہوگا' اور اللہ تعالیٰ آباء کو ابناء کے لیے اور ابناء کو آباء کے لیے شفیع بنائے گا اور اس پر دلیل یہ آیت ہے:

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ (النساء: ۱۱) تمہارے باپ ہوں اور تمہارے بیٹے' تم ان کے متعلق از خود نہیں جانتے کہ ان میں سے کس کا نفع تمہارے زیادہ قریب ہے۔

اور اکثر اہل تاویل نے کہا ہے کہ یہ آیت غیر منسوخ ہے اور کسی شخص کا عمل دوسرے شخص کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس پر اجماع ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا (فقہاء احناف نے کہا ہے کہ میت کی قضاء نمازوں کا اس کی طرف سے اس کے ورثاء فدیہ دے سکتے ہیں اور حیلہ اسقاط کرنا بھی جائز ہے' اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ اس بحث کے آخر میں بیان کریں گے۔ سعیدی غفرلہ) اور امام مالک نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے روزے رکھنا' حج کرنا اور صدقہ کرنا بھی جائز نہیں ہے' (میں کہتا ہوں کہ روزوں کا فدیہ دینا بھی جائز ہے اور میت کی طرف سے حج کرنا اور صدقہ دینا بھی جائز ہے اور ان شاء اللہ ہم اس کو عنقریب دلائل کے ساتھ بیان کریں گے۔ سعیدی غفرلہ) البتہ امام مالک نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے حج کرنے کی وصیت کی اور فوت ہو گیا تو اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے اور امام شافعی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ میت کی طرف سے نفلی حج کرنا جائز ہے۔

باقی اس آیت کی تفسیر میں ربیع بن انس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت کفار کے لیے ہے اور مؤمن کو اس کے عمل کا ثواب بھی

پہنچتا ہے اور دوسرے کے عمل کا ثواب بھی پہنچتا ہے' میں کہتا ہوں کہ یہ کثرت احادیث اس قول پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن تک نیک اعمال کا ثواب پہنچتا ہے' خواہ وہ نیک اعمال اس مؤمن نے کیے ہوں یا کسی دوسرے نے اور صدقہ کا ثواب پہنچنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے' جیسا کہ ''کتاب مسلم'' کے شروع میں عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے' نیز حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال کے: علم نافع' صدقہ جاریہ اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶)

اور یہ محض اللہ کے فضل سے ہے جیسا کہ کسی عمل کے اجر کو بڑھا کر دگنا چوگنا کر دینا بھی اللہ کے فضل سے ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک عمل کی جزاء دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱)

اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور النجم: ۳۹ اللہ تعالیٰ کے عدل پر محمول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۰۶-۱۰۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حنفی مفسرین کے جوابات

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے جو صدقہ کیا جائے تو اس سے اس کو نفع پہنچتا ہے' نیز بعض اجلہ محققین نے کہا ہے کہ کتاب اور سنت سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ غیر کے عمل سے نفع حاصل ہوتا ہے اور یہ چیز اس ظاہر آیت کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے کے عمل سے نفع نہ پہنچنا بہ طریق عدل ہے اور نفع پہنچنا بہ طریق فضل ہے اور عکرمہ نے کہا: یہ حکم سابقہ امتوں میں تھا اور اس امت میں حکم یہ ہے کہ انسان کو اپنے عمل سے بھی نفع ہوتا ہے اور دوسرے کے عمل سے بھی نفع ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت الطور: ۲۱ سے منسوخ ہے۔ علامہ ابو الحیان اندلسی نے نسخ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نسخ خبر میں نہیں انشاء میں ہوتا ہے اور النجم: ۳۹ اور الطور: ۲۱ دونوں آیتیں خبر ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے النجم: ۳۹ میں یہ خبر دی ہے کہ دوسرے شخص کو اپنے عمل کا ثواب نہ پہنچایا جائے پھر ہماری شریعت میں اس کو جائز کر دیا سو اس کا مآل النجم: ۳۹ کی خبر کو حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے ساتھ مقید کرنا ہے نہ کہ اس کو منسوخ قرار دینا اور یہ اس حکم کی تخصیص ہے اس کا نسخ نہیں ہے۔

امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب اموات کو نہیں پہنچتا اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ امام ابن ہمام نے یہ کہا ہے کہ امام شافعی اور امام مالک عبادات بدنیہ محضہ کے ایصالِ ثواب کے قائل نہیں ہیں اور بعض علماء شافعیہ اور امام احمد بن حنبل اور فقہاء احناف مطلقاً ایصالِ ثواب کے جواز کے قائل ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۰۲-۱۰۱ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ایصالِ ثواب کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ بات کرتی تو کچھ صدقہ کرتی' پس اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا اس کو کوئی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۰-۱۳۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۱۷)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں کا انتقال ہو گیا' وہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا اور میں اس وقت موجود نہیں تھا' اگر میں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو اس کا نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: پس بے شک میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا مخراف نام کا کھجوروں کا باغ اُن پر صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۲۔ ۲۷۵۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۲)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کی ماں فوت ہو گئی اور انہوں نے ایک نذر مانی ہوئی تھی' آپ نے فرمایا: تم ان کی طرف سے ان کی نذر ادا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۲)

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی تو حضرت فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت حضرت فضل کی طرف دیکھنے لگی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کے چہرے کو دوسری طرف کر دیا' اس عورت نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج کرنا فرض کر دیا ہے اور میرا باپ بہت بوڑھا ہے' وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا' کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور اب وہ فوت ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کا قرض ادا کرتے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو اللہ کا قرض ادا کرو' وہ قرض کی ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۰۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۸۴۰)

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی پھر وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی' آیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرو' یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس قرض کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر تم اللہ کا قرض ادا کرو کیونکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۱۵' مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۶' عالم الکتب' بیروت)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگھوں والے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا' وہ مینڈھا لایا گیا تاکہ آپ اس کی قربانی کریں' پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! چھری لاؤ' پھر فرمایا: اس چھری کو پتھر سے تیز کرو' انہوں نے اس چھری کی دھار تیز کی' پھر آپ نے اس چھری کو پکڑ کر اس مینڈھے کو گرایا' پھر اس کو ذبح کرنے لگے' پھر یہ دعا کی: بسم اللہ! اے اللہ! اس کو محمد اور آل محمد اور امتِ محمد کی طرف سے قبول فرما' پھر اس کو قربان کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۷' الرقم المسلسل: ۵۰۰۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۲)

امام احمد نے اس حدیث کو تین مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان سندوں کے ساتھ یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۶ طبع قدیم‘ ج ۲۳ ص ۱۳۴‘ مؤسسۃ الرسالۃ‘ بیروت ۱۴۱۹ھ‘ المستدرک ج ۴ ص ۲۲۹‘ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۹۲‘ سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۶۸‘ مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۲ طبع قدیم‘ مسند احمد ج ۲۳ ص ۱۷۱‘ مؤسسۃ الرسالۃ‘ سنن الدارقطنی ج ۴ ص ۲۸۵‘ مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۵ طبع قدیم‘ مسند احمد ج ۲۳ ص ۲۶۷‘ مؤسسۃ الرسالۃ‘ المستدرک ج ۱ ص ۳۶۷‘ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۹۹‘ سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۴۶‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۱‘ الطحاوی ج ۴ ص ۱۷۷)

حضرت علی کی حضور کی طرف سے قربانی کی حدیث کی سند کی تحقیق

(۸) حنش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا‘ وہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے‘ میں نے ان سے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں‘ سو میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں (''ترمذی'' کی روایت میں ہے: میں اس قربانی کو کبھی ترک نہیں کروں گا)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۰‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۵‘ مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷ طبع قدیم‘ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۶‘ مؤسسۃ الرسالۃ‘ بیروت‘ ۱۴۲۰ھ‘ المستدرک ج ۴ ص ۲۳۰۔۲۲۹‘ سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۸۸)

امام ابوداؤد‘ امام ترمذی اور امام احمد کا سلسلہ سند اس طرح ہے: ''شریك عن ابی الحسناء عن الحکم عن حنش عن علی''۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث غریب ہے‘ ہم اس کو صرف شریک کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور بعض اہل علم نے میت کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دی ہے اور بعض نے اس سے منع کیا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک نے کہا: مستحب یہ ہے کہ اس جانور کا میت کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے اور اس کی قربانی نہ کی جائے اور اگر قربانی کر دی تو قربانی کرنے والا اس کو خود نہ کھائے اور اس پورے جانور کو صدقہ کر دے۔ محمد (امام بخاری) نے کہا: علی بن مدینی نے کہا: اس حدیث کو شریک کے علاوہ بھی راویوں نے روایت کیا ہے‘ میں نے ان سے پوچھا: ابوالحسناء کا نام کیا ہے؟ تو انہوں نے اس کو نہیں پہچانا اور امام مسلم نے کہا: اس کا نام حسن ہے۔ (سنن ترمذی ص ۶۳۱‘ دار المعرفہ بیروت‘ ۱۴۲۳ھ)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ ابوالحسناء کے متعلق لکھتے ہیں:

ابوالحسناء کوفی ہیں‘ ان کا نام حسن ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حسین ہے‘ امام ابوداؤد‘ امام ترمذی اور امام نسائی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں‘ ہمارے پاس ان کی حدیث سند عالی سے ہے‘ پھر انہوں نے اس حدیث کو اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۲۱ ص ۱۷۹‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۴ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۶۶‘ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

الحسن بن الحکم النخعی الکوفی ابراہیم‘ شعبی اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں‘ ابن معین نے کہا: یہ ثقہ ہیں‘ ابوحاتم نے کہا: یہ صالح الحدیث ہیں‘ ابن حبان نے ان میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بہ کثرت خطا کرتے تھے اور شدید وہمی تھے اور جب یہ کسی روایت میں منفرد ہوں تو مجھے وہ روایت پسند نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۳‘ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۶ھ)

علامہ شعیب الارنؤط اور ان کے شرکاء اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سند میں جو ابوالحسناء

ہے وہ الحسن بن الحکم نخعی ہے' اس کے باوجود انہوں نے "میزان الاعتدال" کے "باب الکنیٰ" میں اس کا نام ذکر نہیں کیا اور کہا ہے : وہ معروف نہیں ہے اور الحسن بن الحکم معروف ہے' اس سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور متعدد ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے اور نسائی کے علاوہ باقی اصحاب السنن نے اس سے حدیث کو روایت کیا ہے۔

(حاشیہ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حنش بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی' ایک مینڈھے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک مینڈھے کی اپنی طرف سے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں' پس میں آپ کی طرف سے ہمیشہ قربانی کرتا رہوں گا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا اور اس کی سند میں جو ابوالحسناء ہے وہ الحسن بن الحکم النخعی ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۲۳۰-۲۲۹' دار الباز' مکہ مکرمہ)

اس حدیث کے ذیل میں علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح ہے اور ابوالحسناء ہی حسن بن الحکم نخعی ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۲۳۰-۲۲۹' دار الباز' مکہ مکرمہ)

اس حدیث پر بعض لوگوں نے ضعف کا حکم اس لیے لگایا تھا کہ اس کی سند میں ابوالحسناء مجہول راوی ہے' الحمد للہ! ہم نے اس کی جہالت کو زائل کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ کی سند کی تحقیق

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک سعد کی ماں فوت ہو گئی' پس کون سا صدقہ افضل ہو گا؟ آپ نے فرمایا: پانی کا' پھر حضرت سعد نے کنواں کھودا اور کہا: یہ سعد کی ماں کا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۱)

دوسری سند سے یہ روایت ہے:

(۹) سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: کس چیز کا صدقہ آپ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۰-۱۶۷۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۹۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۸' المستدرک ج ۱ ص ۴۱۴' مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۵)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو سعید بن المسیب نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

علامہ ذہبی نے "ذیل المستدرک" میں اس پر تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے: نہیں یہ غیر متصل ہے' کیونکہ سعید بن المسیب کا حضرت سعد بن عبادہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ (المستدرک مع الذیل ج ۱ ص ۴۱۴)

امام ابوداؤد نے حدیث: ۱۶۸۰ میں اس کو دوبارہ روایت کیا ہے: "**عن الحسن عن سعد بن عبادہ**" یہ بھی منقطع ہے کیونکہ حسن بصری کا حضرت سعد سے سماع ثابت نہیں ہے' پھر امام ابوداؤد نے اس کو حدیث: ۱۶۸۱ میں مکرر روایت کیا ہے: "عن رجل عن سعد بن عبادہ" اور یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں "الرجل" مجہول ہے' لیکن یہ حدیث ان اسانید

کے مجموعہ کی وجہ سے حسن لغیرہ ہوگئی اور ابن المسیب کی مراسیل صحیح ہیں' اس لیے یہ حدیث لائق احتجاج اور صالح الاستدلال ہے۔

اس حدیث کی تائید میں امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ کی یہ صحیح السند روایت ہے:

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ بے شک میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی ہے' اگر میں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم پر پانی کا صدقہ لازم ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۵۷' مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۶۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸' بیروت)

ایصالِ ثواب کے متعلق بعض دیگر احادیث

(۱۱) حضرت سہل بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے' انہوں نے کوئی وصیت کی ہے نہ صدقہ' اگر میں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا وہ مقبول ہو گا؟ اور اُنہیں اس کا فائدہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگرچہ تم بکری کا جلا ہوا کھر صدقہ کرو۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۴۸۶' مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن کریب ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸)

(۱۲) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص نفلی صدقہ کر کے اُسے اپنے ماں باپ کی طرف سے قرار دیتا ہے تو اُنہیں بھی اُس صدقہ کا اجر و ثواب ملتا ہے اور اُس کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا کہ اس کو طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی خارجہ بن مصعب الضبی ضعیف ہے۔)

(۱۳) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے' وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے وصیت کی کہ اُس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں تو اُس کے بیٹے ہشام نے اپنے حصہ کے پچاس غلام آزاد کر دیئے' پھر اُس کے دوسرے بیٹے عمرو نے ارادہ کیا کہ بقیہ پچاس غلام آزاد کر دے' پھر انہوں نے سوچا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے باپ نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور ہشام نے اپنے حصہ کے پچاس غلام آزاد کر دیئے اور پچاس غلاموں کو آزاد کرنا باقی ہے' کیا میں اپنے باپ کی طرف سے اُن کو آزاد کر دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ مسلمان ہوتا پھر تم اُس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا تم اُس کی طرف سے صدقہ کرتے یا تم اُس کی طرف سے حج کرتے تو اُس کو ان عبادات کا ثواب پہنچتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۷-۳۸۶' سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۷۹' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۱ ص ۳۰۷' مؤسسۃ الرسالۃ)

''مسند احمد'' کے مخرج شعیب الارنؤط لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ۱۱ ص ۳۰۷)

علامہ سید محمود آلوسی نے بھی اس حدیث سے ایصالِ ثواب کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ البتہ اُن کی ذکر کردہ حدیث میں سو اونٹوں کی قربانی کرنے کا تذکرہ ہے اور ''مسند احمد'' میں بھی اسی طرح ہے۔ لیکن ''سنن ابوداؤد'' میں سو غلاموں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے' جیسا کہ ہم مکمل حدیث ذکر کر چکے ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۰۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کی: یارسول اللہ! میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے' اگر اچانک انتقال نہ ہوا ہوتا تو ضرور وہ صدقہ کرتیں اور کچھ دیتیں' تو کیا میرا اُن کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کرنا اُنہیں کفایت کرے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تم اُن کی طرف سے صدقہ کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۱)
اس حدیث پر امام ابوداؤد نے سکوت کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس حدیث پر امام ابوداؤد سکوت کریں اُس کی سند حسن ہوتی ہے۔

ہم نے جن احادیث سے ایصالِ ثواب کے جواز پر استدلال کیا ہے اُن میں سے چھ احادیث ''صحیح بخاری'' کی ہیں اور بعض میں اُن کے ساتھ امام مسلم بھی متفق ہیں۔ اور ایک حدیث ''صحیح مسلم'' اور ''ابوداؤد'' کی ہے۔ علاوہ ازیں چار احادیث ''سنن ابوداؤد'' کی ہیں اور یہ بھی صحیح لغیرہ اور حسن ہیں۔ اور تین احادیث امام طبرانی کی ہیں' جن میں سے دو احادیث سند ضعیف کے ساتھ ہیں اور حدیث ضعیف السند فضائل اعمال میں مقبول ہوتی ہے' خصوصاً جب اُس کی تائید میں احادیث صحیحہ ہوں اور امام طبرانی کی ایک روایت ہم نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کی ہے۔ اس کے بعد اب ہم ایصالِ ثواب کے مطلقاً جواز اور استحسان پر فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ کی عبارات پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق:

ایصالِ ثواب کے متعلق فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ کی تصریحات

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:
دوسرے کی طرف سے حج کرنے میں اصل یہ ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا دے' خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا کوئی اور عمل (مثلاً تلاوت قرآن اور اذکار)' یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک ثابت اور مقرر ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمئی رنگ کے خصی مینڈھے ذبح کیے' ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔ جب آپ نے ان مینڈھوں کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا تو یہ دعا پڑھی: ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○'' (الانعام: ۷۹) ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○'' (الانعام: ۱۶۳۔ ۱۶۲) اے اللہ! یہ تیری طرف سے اور تیرے لیے ہے' محمد کی طرف سے اور اس کی امت کی طرف سے' بسم اللہ واللہ اکبر پر آپ نے ان کو ذبح کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۷۹۵' سنن ترمذی: ۱۵۲۱' سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۱) آپ نے دو مینڈھوں میں سے ایک کی قربانی امت کی طرف سے کی ہے اور عبادات کئی اقسام کی ہیں: مالیہ محضہ مثلاً زکوٰۃ' بدنیہ محضہ مثلاً نماز' ان دونوں سے مرکب مثلاً حج اور قسم اوّل (مالیہ محضہ) میں نیابت مطلقاً جاری ہوتی ہے' خواہ حالت اختیار ہو یا حالت اضطرار ہو' کیونکہ نائب کے فعل سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور قسم ثانی (بدنیہ محضہ مثلاً نماز) میں نیابت جاری نہیں ہوتی کیونکہ اس میں مقصود ہے نفس کو مشقت میں ڈالنا اور وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا اور قسم ثالث (جو مال اور بدن سے مرکب ہو مثلاً حج) اس میں عجز کے وقت نیابت جاری ہوتی ہے کیونکہ اس میں مال کے کم ہونے سے مشقت حاصل ہوتی ہے اور جب انسان عاجز نہ ہو بلکہ قادر ہو کیونکہ اس میں نفس کو تھکانے کی مشقت نہیں ہے اور شرط یہ ہے کہ موت تک دائمی عجز رہے کیونکہ حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہوتا ہے اور حج نفل میں نیابت مطلقاً جائز ہے اور حالت قدرت میں بھی دوسرے کی طرف سے حج کرنا جائز ہے کیونکہ نفل کے باب میں وسعت ہے' پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ حج اس کا ہوگا جس کی طرف سے حج کیا ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خثعمی عورت سے فرمایا تھا: تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو اور امام محمد کا ایک قول یہ ہے کہ حج' حج کرنے والے کا ہوگا اور حج کرانے والے کے لیے مال خرچ

کرنے کا ثواب ہو گا کیونکہ یہ عبادت بدنیہ ہے اور عجز کی صورت میں مال خرچ کرنے کو عبادت کے قائم مقام قرار دیا ہے' جیسے روزہ میں فدیہ دینے کو روزے کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۹۷۔۲۹۶' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

فقہاء احناف میں سے علامہ شامی کی ایصالِ ثواب کے متعلق تصریحات

سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

معتزلہ ایصالِ ثواب کی نفی اس آیت سے کرتے ہیں: "وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿﴾" (النجم: ۳۹) لیکن یہ آیت یا منسوخ ہے یا مقید ہے' یعنی سابقہ امتوں کو یا کافر کو صرف اپنی سعی کا اجر ملے گا' سابقہ امتوں کے مؤمنوں کو آخرت میں اور کافر کو صرف دنیا میں' کیونکہ بہ کثرت ایسی احادیث مروی ہیں جو اس تقیید کا تقاضا کرتی ہیں۔

حجاج بن دینار روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: میرے ماں باپ ہیں جن کے ساتھ میں زندگی میں نیکی کرتا تھا' اب میں ان کی موت کے بعد کیسے ان کے ساتھ نیکی کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی اس طرح ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لیے روزہ رکھو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۷' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا' ایک شخص کہہ رہا تھا: شبرمہ کی طرف سے لبیک' آپ نے پوچھا: شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا: میرا بھائی ہے یا میرا رشتہ دار ہے' آپ نے پوچھا: کیا تم نے اپنا حج کر لیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پہلے اپنا حج کرو' پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۰۳' المنتقی لابن الجارود رقم الحدیث: ۴۹۹' مشکل الآثار ج ۳ ص ۲۲۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۰۳۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۴۰' سنن الدارقطنی ج ۲ ص ۲۶۷' سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۳۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا یا ان کا کوئی قرض ادا کیا وہ قیامت کے دن ابرار (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۵۹ طبع قدیم' سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۵۷۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے تو وہ حج اس کی طرف سے بھی قبول کیا جاتا ہے اور اس کے والدین کی طرف سے بھی اور ان کی روحیں آسمان میں خوش ہوتی ہیں اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی کرنے والا لکھا جاتا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۵۹ طبع قدیم' سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۵۷۳' دار الکتب العلمیہ' اس کی سند میں ایک راوی ابوسعید البقال ضعیف ہے' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۰۔۷۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے باپ اور ماں کی طرف سے حج کیا اس کا اپنا حج بھی ہو گیا اور اس کو دس حج کرنے کی فضیلت ملے گی۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۵۹ طبع قدیم۔ رقم الحدیث: ۲۵۷۶ طبع جدید' اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ اس پر جو حج فرض ہے وہ اس کو ادا کرنے کی نیت کرے پھر اس کا ثواب اپنے ماں باپ کو پہنچا دے۔)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے باپ پر قرض ہوتا اور تم اس کو ادا کرتے تو وہ قبول کیا جاتا؟ اُس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو۔

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۹ طبع قدیم۔رقم الحدیث: ۲۵۷۷ طبع جدید المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۰۰۱' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے "کبیر" اور "اوسط" میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرا اور اس نے گیارہ مرتبہ ''قل ھو اللہ احد'' پڑھا' پھر اس کا اجر اس قبرستان کے مردوں کو بخش دیا تو اس قبرستان کے جتنے مردے ہیں اتنی بار پڑھنے کا اس کو اجر ملے گا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۱۵۲' فضائل سورۃ الاخلاص للخلال ج ۱ ص ۱۰۲' التذکرہ للقرطبی ج ۱ ص ۱۲۸' شرح الصدور ص ۳۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قبرستان میں جا کر سورۂ یٰسں پڑھی (اور اس کا ثواب مُردوں کو پہنچایا) اللہ تعالیٰ اس دن ان کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے (اسی طرح جمعہ کے دن بھی یٰسں پڑھنے سے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے) اور قبرستان کے مردوں کی تعداد کے برابر پڑھنے والے کو نیکیاں عطا فرماتا ہے۔

اس کو امام خلال نے روایت کیا ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۳۷۳)

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۔۱۵۔۱۳۔۱۲' ملخصاً ومخرجاً وزائداً' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہم نے علامہ شامی کی ذکر کردہ ان احادیث کو ترک کر دیا' جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے اسی طرح اس حدیث کو بھی ترک کر دیا' جس کی سند میں کذاب راوی ہے اور سات عدد نئی احادیث ذکر کی ہیں' ان میں صرف ایک حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کو بھی اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس کی مؤید دوسری احادیث ہیں اور فضائل اعمال میں ضعیف السند احادیث معتبر ہوتی ہیں اور باقی احادیث صحیح لغیرہ اور حسن ہیں۔

ایصالِ ثواب کے متعلق فقہاء حنبلیہ میں سے علامہ ابن قدامہ کی تصریحات

علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص پر حج فرض ہو یا اس نے حج کی نذر مانی ہو اور وہ خود حج کرنے پر قادر ہو' اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا فرض حج یا نذر مانا ہوا حج کسی سے کرائے اور نفلی حج کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اس نے حجۃ الاسلام نہیں کیا تو وہ نہ خود نفلی حج کر سکتا ہے نہ کسی سے نفلی حج کرا سکتا ہے۔

(۲) اس نے حجۃ الاسلام کر لیا ہے تو وہ کسی سے نفلی حج کرا سکتا ہو خواہ وہ خود حج کر سکتا ہو یا عاجز ہو۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اگر وہ شخص خود حج کرنے سے عاجز ہو یا بہت بوڑھا ہو تو وہ کسی اور شخص سے حج کرا سکتا ہے۔

(المغنی ج ۳ ص ۹۳' ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص کے ماں باپ فوت ہو چکے ہوں یا حج کرنے سے عاجز ہوں' اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ان کی طرف سے حج کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورزین کو یہ حکم دیا: ''حج عن ابیك واعتمر'' اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو اور ایک عورت نے آپ سے سوال کیا کہ میرا باپ فوت ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو۔ امام احمد نے کہا: خواہ وہ اپنے ماں باپ کی طرف سے فرض حج کرے یا حج نفل کرے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرتا ہے تو وہ حج اس کی طرف سے اور اس کے ماں باپ کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے اور ان کی روحیں آسمان میں خوش ہوتی ہیں اور اللہ کے نزدیک وہ شخص نیکو کار لکھا

جاتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا یا ان کا قرض ادا کیا تو وہ قیامت کے دن نیکوکاروں میں اٹھایا جائے گا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے باپ یا اپنی ماں کی طرف سے حج کیا تو اس کا حج بھی ہو گیا اور اس کو دس حج کرنے کا ثواب ملے گا۔ یہ تمام احادیث ''سنن دارقطنی'' میں ہیں۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۰۲ ملخصاً' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شیخ ابن تیمیہ کے قرآن مجید سے ایصالِ ثواب کے ثبوت پر دلائل

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ سے سوال کیا گیا:

قرآن مجید میں ہے: ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝'' (النجم: ۳۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب ابن آدم مر جاتا ہے تو تین کے سوا اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' صدقہ جاریہ' وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور وہ نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱) کیا اس کا یہ تقاضا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے پاس نیک اعمال سے کوئی چیز نہیں پہنچتی؟

شیخ ابن تیمیہ نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ اس آیت میں اور اس حدیث میں یہ بات نہیں ہے کہ میت کو مخلوق کی دعاؤں سے نفع نہیں پہنچتا اور نہ یہ بات ہے کہ اس کی طرف سے جو نیک عمل کیے جائیں' وہ اس کو نہیں پہنچتے' بلکہ ائمہ اسلام اس پر متفق ہیں کہ میت کو ان چیزوں سے نفع پہنچتا ہے اور اس پر کتاب' سنت اور اجماع سے دلائل ہیں اور جو اس کی مخالفت کرے وہ اہل بدعت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (المؤمن: ۸-۷)

عرش کو اٹھانے والے فرشتے اور جو ان کے ارد گرد ہیں اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں' اور مؤمنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو نے ہر چیز کا اپنی مغفرت اور اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے' سو تو ان کو بخش دے جو توبہ کریں اور تیرے راستے کی اتباع کریں اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا ۝ اے ہمارے رب! تو ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں' بے شک تو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے مؤمنین کے لیے مغفرت کی' عذاب سے بچانے کی اور دخولِ جنت کی دعا کرتے ہیں اور فرشتوں کی یہ دعا بندہ کا عمل نہیں ہے اور اس سے بندہ کو نفع ہوتا ہے' پس واضح ہو گیا کہ انسان کو اس کے غیر کے عمل سے نفع پہنچا۔

اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (محمد: ۱۹)

آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لیے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم: ۴۱)

اے میرے رب! میرے لیے مغفرت فرما' اور میرے والدین کے لیے اور مؤمنوں کے لیے جس دن حساب ہوگا ۝

اور حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ (نوح: ۲۸)

اے میرے رب! میرے لیے مغفرت فرما' اور میرے والدین کے لیے اور جو مؤمن میرے گھر داخل ہو اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لیے۔

یہ نبیوں اور رسولوں کی دعائیں اپنی امتوں اور مؤمنوں کے لیے ہیں اور ان کی یہ دعائیں انسان کے اعمال کا غیر ہیں اور ان کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے گا اور ان سے انسان کو نفع ہوگا اور اس کی مغفرت ہوگی۔

شیخ ابن تیمیہ کے سنن متواترہ سے مالی صدقات اور عباداتِ بدنیہ کے ایصالِ ثواب پر دلائل

سنن متواترہ سے دوسروں کے اعمال کا نفع آور ہونا ثابت ہے جن کا انکار کفر ہے' مثلاً مسلمانوں کا میت کی نماز جنازہ پڑھنا اور نماز میں ان کے لیے دعا کرنا' اسی طرح قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا کیونکہ ان کے ثبوت میں احادیثِ متواترہ ہیں' بلکہ مرتکب کبائر کی شفاعت کا اہل بدعت کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا اور یہ ثابت ہے کہ آپ اہل کبائر کی شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت اللہ تعالیٰ سے دعا اور اس سے سوال کرنا ہے' پس یہ امور اور ان کی امثال قرآن اور سنن متواترہ سے ثابت ہیں اور ایسی چیزوں کا منکر کافر ہے اور ایسی چیزیں احادیثِ صحیحہ سے بہ کثرت ثابت ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میری ماں کا انتقال ہوگیا' اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میرا ایک باغ ہے اور میں آپ کو گواہ کرتا ہوں میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۵۵)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہوگیا اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو کچھ صدقہ کرتیں' پس اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو کیا اس سے ان کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۴)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرا باپ فوت ہوگیا اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی' اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا اس کو فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں!۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۰)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ العاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ وہ سو اونٹ ذبح کرے گا اور ہشام بن العاص نے اپنے حصہ کے پچاس اونٹ ذبح کر دیئے اور عمرو نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تمہارا باپ توحید کا اقرار کرتا پھر تم اس کی طرف سے روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے تو اس کو نفع ہوتا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲)

(۵) ''سنن دار قطنی'' میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ تھے' میں زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کرتا تھا' اب میں ان کی وفات کے بعد کیسے ان کے ساتھ نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا: اب ان کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لیے روزہ رکھو اور اپنے صدقہ کے ساتھ ان کے لیے صدقہ کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۷)

(۶) امام مسلم نے اپنی کتاب کے شروع میں ابواسحاق طالقانی سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن المبارک سے کہا: اے ابوعبدالرحمان! حدیث میں ہے کہ نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے ماں باپ کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لیے روزہ رکھو' عبداللہ بن مبارک نے کہا: اے ابواسحاق! یہ کس سے روایت ہے؟ میں نے کہا: یہ شہاب بن حراس کی حدیث ہے' انہوں نے کہا: وہ ثقہ ہے' میں نے کہا: وہ کس سے روایت کرتا ہے؟ انہوں نے کہا: حجاج بن دینار سے' انہوں نے کہا: وہ بھی ثقہ ہے' وہ کس سے روایت کرتا ہے؟ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے' انہوں نے کہا: اے ابواسحاق! حجاج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کئی سواریوں کی مسافت کو قطع کرنا ہے لیکن صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور واقعہ اسی طرح ہے جس طرح عبداللہ بن مبارک نے کہا' کیونکہ یہ حدیث مرسل ہے۔ (مقدمہ مسلم رقم الحدیث:۱۶)

اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صدقہ میت تک پہنچتا ہے' اسی طرح عباداتِ مالیہ جیسے غلام آزاد کرنا' ان کا اختلاف صرف اس چیز میں ہے کہ عباداتِ بدنیہ مثلاً نماز' روزہ اور تلاوتِ قرآن ان کو دوسرے کی طرف سے کرنا جائز ہے یا نہیں' جب کہ صحیح حدیث میں ہے:

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے ذمہ روزے تھے تو اس کا ولی (وارث) اس کی طرف سے وہ روزے رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۹۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۴۷)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' ایک عورت نے کہا: یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ نذر کے روزے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر اس کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو کیا اس کی طرف سے وہ قرض ادا کیا جاتا؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو پھر تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۹۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۴۷)

(۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: میری بہن کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ دو ماہ کے مسلسل روزے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا حق ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۹۵۳)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن بریدہ بن حصیب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: بے شک میری ماں فوت ہو گئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں' اگر میں اس کی طرف سے یہ روزے رکھ لوں تو آیا اس کی طرف سے یہ روزے ادا ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۴۹)

لہٰذا ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ میت کے ذمہ جو نذر کے روزے ہیں ان کو رکھا جائے گا اور وہ قرض کی ادائیگی کے

مشابہ ہیں اور ائمہ کا اس میں اختلاف ہے' اور جن کے پاس یہ احادیث پہنچ گئیں' انہوں نے اس میں اختلاف نہیں کیا' اس مسئلہ میں ان ائمہ کا اختلاف ہے جن کے پاس یہ احادیث نہیں پہنچیں (میں کہتا ہوں: ان ائمہ نے ان احادیث میں تاویل کی ہے اور روزہ رکھنے کے حکم سے روزہ کا فدیہ دینا مراد لیا ہے تاہم ان کے نزدیک بھی کسی کی طرف سے نفل روزہ اور نفل نماز پڑھنا جائز ہے خواہ جس کی طرف سے یہ نفلی عبادت ادا کی جائے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ سعیدی غفرلہٗ) اور رہا حج تو وہ سب کے نزدیک دوسرے کی طرف سے ادا کرنا کافی ہے' اور اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی' ابھی اس نے حج نہیں کیا تھا کہ وہ فوت ہوگئی' آیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے حج کرو' یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اللہ کا قرض ادا کرو' اللہ تعالیٰ قرض کی ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۸)

(۱۲) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا: یارسول اللہ! میری ماں فوت ہوگئی اور اس نے حج نہیں کیا' آیا اس کے لیے یہ کافی ہوگا کہ میں اس کی طرف سے حج ادا کردوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بخاری کی روایت میں ہے: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ایک عورت نے کہا: میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی' آیا اس کے لیے میرا حج کرنا کافی ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۹)

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی طرف سے حج فرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح نذر مانے ہوئے حج کو بھی میت کی طرف ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح فرض روزوں کو بھی میت کی طرف سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور جن کو حکم دیا ہے وہ بعض احادیث میں میت کی اولاد تھی اور بعض احادیث میں میت کا بھائی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو میت کے ذمہ قرض کے مشابہ قرار دیا ہے اور قرض ہر ایک کی طرف سے ادا کیا جا سکتا ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ کام بھی ہر شخص کر سکتا ہے اور اس میں اولاد کی تخصیص نہیں ہے' کیونکہ بعض احادیث میں آپ نے بھائی کو بھی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب' سنت اور اجماع علماء سے یہ واضح ہوگیا کہ میت کی طرف سے عبادات کو ادا کرنا اور ایصال ثواب کرنا جائز ہے اور " وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ " (النجم: ۳۹) اس کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح وہ حدیث بھی اس کے خلاف نہیں ہے جس میں یہ فرمایا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوا تین کے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۳۱) اور یہ حق ہے بلکہ یہی حق ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ اس کو دوسرے کے عمل سے فائدہ نہیں ہوگا جب کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس کی اولاد کی دعا سے اس کو فائدہ ہوگا۔

" وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ " (النجم: ۳۹) کے متعدد جوابات ہیں: (۱) یہ ہم سے پہلی شریعت کا حکم ہے (۲) یہ حکم حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کی امتوں کے ساتھ مخصوص ہے (۳) یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے (۴) انسان کی سعی سے مراد اس کا سبب ہے اور اس کے غیر کے اعمال کا بھی وہ سبب ہوتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت باقی نصوص کے مخالف نہیں ہے اور اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ غیر کے عمل سے اس کو نفع نہیں پہنچے گا۔ حدیث صحیح میں ہے:

(۱۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کے جنازہ پر گیا حتیٰ کہ اس کی نماز پڑھی' اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور جو تدفین تک جنازہ کے ساتھ رہا اس کو دو قیراط اجر ملے گا' پوچھا گیا:

قیراط کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: دو بڑے پہاڑوں کی مثل ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۲۵ ‘صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴۵)
اور اللہ تعالیٰ زندہ کی نماز پڑھنے سے میت پر رحم فرماتا ہے‘ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:
(۱۴) جو مسلمان بھی فوت ہو اور اس کی نمازِ جنازہ سو مسلمان پڑھیں‘ ایک روایت میں ہے: چالیس مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور ایک روایت میں ہے: تین صفیں نماز پڑھیں اور وہ اس کے لیے دعا اور شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایک روایت میں ہے: اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴۸۔ ۹۴۷)
پس اللہ تعالیٰ اس سعی کرنے والے کو ایک قیراط اجر دے گا اور اس کی سعی سے اس میت پر رحم فرمائے گا‘ اس کی دعا کے سبب سے اور اس کی طرف سے صدقہ کرنے کے سبب سے اور اس کی طرف سے روزہ رکھنے کے سبب سے اور اس کی طرف سے حج کرنے کے سبب سے۔
(۱۵) حدیث صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص بھی اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے دعا کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اس دعا کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کردیتا ہے اور جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے: تیرے لیے بھی ایسا ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۲)
پس یہ وہ سعی ہے جس سے مسلمان اپنے بھائی کو نفع پہنچاتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اس کو جزاء دے اور اس پر رحم فرمائے۔
ہر وہ چیز جس سے میت کو نفع ہوتا ہے یا زندہ کو نفع ہوتا ہے اور اس پر رحم کیا جاتا ہے‘ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نفع اس کی اپنی سعی سے ہو‘ کیونکہ مؤمنین کے کم سن بچے اپنے آباء کے ساتھ بغیر اپنی کسی سعی کے داخل ہوں گے اور جس طرح کوئی انسان کسی شخص کا قرض اپنی طرف سے ادا کردیتا ہے تو وہ بَری ہو جاتا ہے‘ اسی طرح جب کوئی شخص کسی کی طرف سے حج کرلے گا یا روزہ رکھ لے گا تو اس کا ذمہ بھی بَری ہو جائے گا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۷۴۔ ۱۷۰ ‘ملخصاً مخرجاً وموضحاً‘ دار الجیل‘ ریاض‘ ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ کے تلاوت قرآن سے ایصالِ ثواب پر دلائل

نیز شیخ ابن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ سے یہ سوال کیا گیا:
حسب ذیل مسائل میں ائمہ اور فقہاء کیا ارشاد فرماتے ہیں:
میت پر قرآن پڑھنے کا ثواب اس کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تلاوتِ قرآن کی اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ مستحق کے لیے اہل میت کا طعام کھانا جائز ہے یا نہیں؟ قبر پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟
شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے اس کے جواب میں لکھا:
الحمد للہ رب العٰلمین! مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا میت کو نفع ہوتا ہے اور اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیثِ صحیحہ مروی ہیں‘ ان میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باحوالہ گزر چکی ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرلیں‘ اسی طرح میت کو اس کی طرف سے حج کرنے‘ اس کی طرف سے قربانی کرنے‘ غلام آزاد کرنے اور دعا اور استغفار سے بھی نفع ہوتا ہے۔
اور رہا میت کی طرف سے نفل نماز پڑھنا اور روزے رکھنا اور تلاوتِ قرآن کرنا تو اس میں علماء کے دو قول ہیں:
(۱) امام احمد‘ امام ابوحنیفہ وغیرہما اور بعض اصحابِ شافعی وغیرہم کا مذہب یہ ہے کہ اس سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔
(۲) امام مالک اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس سے میت کو نفع نہیں ہوتا۔
رہا تلاوتِ قرآن پر اجرت دینا اور اس کا ثواب پہنچانا‘ اس میں ایک قول یہ ہے کہ دنیاوی مال کے عوض جو تلاوت کی گئی

ہے وہ قبول نہیں ہوگی نہ اس کا ثواب ہوگا' دوسرا قول یہ ہے کہ فقیر اور تنگ دست کا تلاوت قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور غنی اور خوش حال کا اجرت لینا جائز نہیں ہے اور یہ امام احمد کے مذہب کے موافق ہے' وہ کہتے ہیں کہ یتیم کا ولی جب فقیر ہو تو وہ یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے اور غنی کو اجتناب کرنا چاہیے اور یہ قول دوسرے قول سے زیادہ قوی ہے' پس جب فقیر اجرت لے گا تو وہ اس سے عبادت کرنے پر مدد حاصل کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اس کو اجر دے گا۔ پس جب کوئی شخص اس مال کو مستحق پر خرچ کرے گا تو وہ صدقہ میت کو مل جائے گا اور جب وہ اس سے قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی تعلیم پر اعانت کا قصد کرے گا تو یہ افضل اور احسن ہے' کیونکہ تعلیم قرآن پر اعانت کرنا اعمال میں سے سب سے افضل عمل ہے۔ (تلاوت قرآن پر اجرت لینے کے جواز میں' میں نے'' شرح صحیح مسلم'' ج ۷ ص ۱۰۶۹۔ ۱۰۶۶ میں مفصل بحث کی ہے اور کچھ یہاں بھی اس بحث کے اخیر میں ذکر کروں گا' ان شاء اللہ۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور قبروں پر دائماً تلاوت کرنا سلف میں معروف نہیں تھا' امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد نے اکثر روایات میں اس کو مکروہ کہا ہے' اور متاخر روایت میں اس کی اجازت دی ہے' جب ان کو یہ حدیث پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کو دفن کرنے کے بعد ان کی قبر پر سورۂ بقرہ کی شروع اور آخر کی آیات تلاوت کی جائیں اور بعض انصار نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی تدفین کے بعد ان کی قبر پر سورۂ بقرہ تلاوت کی جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۶۱۳' المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۲۰)

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۷۶۔ ۱۷۵' ملخصاً' دار الجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ حنبلی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ستر ہزار مرتبہ '' لا اِلٰہ الا اللہ '' پڑھے اور اس کا ثواب میت کو پہنچا دے تو اس سے میت کی دوزخ سے نجات ہوگی یا نہیں اور یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ اور جب انسان '' لا الہ الا اللہ '' پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچا دے تو میت کو اس کا ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے اس کے جواب میں کہا:

جب کوئی انسان ستر ہزار مرتبہ یا اس سے کم یا زیادہ مرتبہ '' لا الہ الا اللہ '' پڑھے گا اور میت کو اس کے ثواب کا ہدیہ کرے گا تو اس میت کو اس کا ثواب پہنچے گا اور یہ نہ کوئی حدیث صحیح ہے نہ ضعیف ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۸۰' دار الجیل' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا' آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے کہا کہ اپنی اماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں' حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا' یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے' اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ کی' مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے' آپ نے پھر سبب پوچھا' اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں' سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے کشف کی صحت تو مجھ کو اس حدیث سے معلوم ہوئی اور اس حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔ (تحذیر الناس ص ۴۵۔ ۴۴' مطبوعہ دار الاشاعت' کراچی)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ نے اکیس دلائل سے اس استدلال کو باطل کیا ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے نفع نہیں ہوتا اور قرآن اور سنت کے اکیس دلائل سے یہ واضح کیا ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے (ہم نے ان اکیس دلائل کو'' شرح صحیح مسلم'' ج ۲ ص ۹۳۰۔ ۹۲۹ میں ذکر کیا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

(فتح البیان ج ۶ ص ۴۶۶۔ ۴۶۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علماءِ غیر مقلدین میں سے شیخ ابن قیم جوزیہ کی ایصالِ ثواب پر تصریحات

شیخ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:
ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری ماں فوت ہوگئی ہے اور اس کے ذمہ روزوں کی نذر ہے اور نذر پوری کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا' آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۵۷۸)
صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہوگیا اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔

ایک جماعت نے کہا کہ یہ حدیث اپنے عموم اور اطلاق پر ہے اور ایک جماعت نے کہا: اس کی طرف سے نذر کے روزے رکھے جائیں' نہ فرض روزے اور ایک جماعت نے کہا: نذر کے روزے رکھے جائیں اور فرض روزے نہ رکھے جائیں۔ حضرت ابن عباس اور ان کے اصحاب اور امام احمد اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے اور یہی قول صحیح ہے' کیونکہ فرض روزے نماز کے قائم مقام ہیں اور جس طرح کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھ سکتا' اسی طرح کوئی شخص کسی کی طرف سے فرض روزے بھی نہیں رکھ سکتا اور نذر میں کسی چیز کو اپنے ذمہ لازم کرنا ہے' پس وہ بہ منزلہ قرض ہے' پس ولی جب نذر کی قضا کرے گا تو وہ قضا قبول کی جائے گی' جس طرح اس کی طرف سے قرض کی ادائیگی قبول کی جاتی ہے اور صرف معذور شخص کی طرف سے حج کی ادائیگی قبول کی جائے گی اور کسی شخص کی دوسرے شخص کی طرف سے توبہ نفع نہیں دے گی' نہ کسی شخص کا دوسرے کی طرف سے اسلام لانا نفع دے گا' نہ کسی اور فرض کا کسی کی طرف سے ادا کرنا نفع دے گا' جس شخص نے ان فرائض کی ادائیگی میں تفریط کی حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (اعلام الموقعین ج ۴ ص ۳۲۳' دارالحدیث' مصر)

حیلہ اسقاط کا بیان

میں کہتا ہوں کہ جس شخص کے ذمہ فرض نمازیں ہوں یا فرض روزے ہوں اور وہ ان کی ادائیگی سے پہلے مر جائے تو اس کی طرف سے نہ نماز پڑھی جائے گی نہ روزہ رکھا جائے گا' کیونکہ حدیث میں ہے:
حضرت عبداللہ بن عمر سے سوال کیا جاتا کہ آیا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے روزے رکھے یا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھے؟ انہوں نے فرمایا: کوئی کسی کی طرف سے روزے رکھے نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔

(موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۶۸۸' دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

لیکن چونکہ بہ کثرت احادیث صحیحہ میں یہ وارد ہے کہ جس شخص کے ذمہ فرض روزے ہوں اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے' اس لیے فقہاء احناف کے نزدیک روزوں اور نمازوں کا فدیہ دیا جائے اور ایک روزے اور ایک نماز کا فدیہ دو کلو گرام گندم یا اس کی قیمت ہے' اس کے روزوں اور نمازوں کا حساب کر کے اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مال سے فدیہ ادا کر دیا جائے' ورنہ کوئی شخص یا کئی اشخاص مل کر اپنی طرف سے تبرع اور احسان کر کے اس کا فدیہ ادا کر دیں' اگر فدیہ کی رقم بہت زیادہ ہو تو پھر حیلہ اسقاط کر لیا جائے' اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مثلاً کل فدیہ کی رقم دس ہزار روپے ہے اور ولی کے پاس صرف ایک ہزار روپیہ ہے تو وہ ایک ہزار روپیہ فقیر کو دے دے اور میت کے ذمہ سے اتنی نمازیں ساقط کر دے جن کا فدیہ ایک ہزار ہو' پھر فقیر وہ ایک ہزار روپے ولی کو ہبہ کر دے اور وہ پھر اس فقیر پر وہ ہزار روپیہ صدقہ کر دے اور میت کے ذمہ سے اتنی نمازیں ساقط کر دے اور یہ عمل دس بار دہرائیں تو میت کے ذمہ سے اتنی نمازیں ساقط ہو جائیں گی جن کا فدیہ دس ہزار روپے ہے یا دس آدمی بیٹھ جائیں' میت کا ولی ان میں سے ایک کو ایک ہزار روپیہ صدقہ کرے اور وہ آدمی

دوسرے شخص کو وہ ہزار روپیہ ہبہ کر دے اور وہ شخص اس رقم پر قبضہ کرے' تیسرے آدمی پر صدقہ کر دے' علیٰ ہٰذا القیاس' ان دس آدمیوں میں سے ہر شخص اس ہزار روپے پر قبضہ کر کے میت کی طرف سے دوسرے شخص پر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ میت کی طرف سے اتنا فدیہ قبول فرمائے اور اس سے نمازیں ساقط کر دے' یہ ایک حیلہ ہے اور اللہ سے امید رکھے کہ وہ اس کو قبول فرمائے گا۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی نور الایضاح ومراقی الفلاح ج ۲ ص ۳۲۔۳۰' مکتبہ غوثیہ کراچی)

ایصالِ ثواب کے متعلق علماء غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن بھوپالی کی تصریحات

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں: زندہ انسان' نماز' روزہ' تلاوتِ قرآن' حج اور دیگر عبادات کا جو ثواب میت کو ہدیہ کرتا ہے وہ میت کو پہنچتا ہے اور زندہ انسان کا اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے یہ عمل نیکی' احسان اور صلہ رحمی کے قبیل سے ہے اور تمام مخلوقات میں جس کو نیکی اور احسان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ میت ہے' جو تحت الثریٰ میں رہین ہے اور اب نیک اعمال کرنے سے عاجز ہے' پھر اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے عبادات کا ہدیہ پیش کرنا ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے' سو جو شخص میت کے لیے ایک دن کے روزے یا قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کا ہدیہ پیش کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو دس روزوں اور دس پاروں کا اجر عطا فرمائے گا اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی عبادات کو دوسروں کے لیے ہدیۂ پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان ان عبادات کا اپنے لیے ذخیرہ کرے' یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے کہا تھا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آپ پر صلوٰۃ پڑھنے میں صَرف کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے لیے کافی ہے' یہ وہ صحابی ہیں جو بعد کے تمام لوگوں سے افضل ہیں' پھر اس قول کا کیا جواز ہے کہ سلف صالحین نے فوت شدہ لوگوں کے لیے ایصالِ ثواب نہیں کیا؟ کیونکہ اس قسم کے ایصالِ ثواب کے لیے لوگوں کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ سلف صالحین نے ایصالِ ثواب نہیں کیا تھا تو اس سے ایصالِ ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ یہ مستحب ہے' واجب نہیں ہے اور ہمارے لیے ایصالِ ثواب کے جواز کی دلیل موجود ہے' خواہ ہم سے پہلے کسی نے ایصالِ ثواب کیا ہو یا نہ۔

شیخ ابن قیم نے ایصالِ ثواب کے دلائل میں سے دعاء استغفار اور نمازِ جنازہ کو پیش کیا ہے اور ان تمام کاموں کو سلف صالحین نے کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے اذان کے بعد فضیلت اور وسیلۃ (بلند درجہ) کی دعا کی جائے اور آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے اور یہ قیامت تک مشروع ہے اور ہم نے اپنے مشائخ اور قرابت داروں کو دعاء' تلاوتِ قرآن اور صدقات کا ثواب پہنچایا اور ہم نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے اس پر ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان تک ہمارا نفع پہنچا ہے۔ عبد الحق نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر سورۂ بقرہ پڑھی جائے' امام احمد پہلے ایصالِ ثواب کا انکار کرتے تھے' جب انہیں حضرت ابن عمر کے اس قول کا علم ہوا تو انہوں نے اس انکار سے رجوع کر لیا۔ امام ابن ابی شیبہ نے حجاج بن دینار سے مرفوعاً روایت کیا ہے: تم اپنی نمازوں کے ساتھ ماں باپ کی طرف سے نماز پڑھو اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے روزے رکھو اور اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے صدقہ کرو' حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مُردوں پر یٰسین پڑھو۔ اس کا ایک احتمال یہ ہے کہ انسان کی موت کے وقت پڑھو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کی قبر پر پڑھو۔ علامہ سیوطی نے کہا: جمہور نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور شیخ ابن قیم نے کئی دلائل سے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔ عبد الواحد مقدسی نے کہا: یہ احادیث مرفوعہ اور صالحین کی خواب میں بشارتیں ایصالِ ثواب کے جواز پر اور میت کو اس سے نفع پہنچنے پر دلالت کرتی ہیں' شیخ نے کہا: ہر چند کہ صرف صالحین کی بشارات دلیل نہیں بن سکتیں' لیکن یہ کثرت بشارات اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تھا: تمہارے خوابوں سے اس کی موافقت ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے۔
(السراج الوہاج ج ۲ ص ۵۵ 'مطبع صدیقی بھوپالی' ۱۳۲۰ھ)

ایصالِ ثواب کے متعلق علماء غیر مقلدین میں سے نواب وحید الزمان حیدر آبادی کی تصریحات

نواب وحید الزمان حیدر آبادی متوفی ۱۳۳۸ھ لکھتے ہیں:
اہل سنت کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مردوں کو زندوں کی سعی سے فائدہ پہنچتا ہے' اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جس ثواب کا سبب مردے نے اپنی زندگی میں مہیا کر دیا تھا (مثلاً اس کی صالح اولاد اور اس کے وہ احباب جن سے اس نے نیک سلوک کیا) اور دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان اس کے لیے دعا کریں اور استغفار کریں اور اس کی طرف سے صدقہ کریں اور حج کریں اور ہمارے اصحاب کا عباداتِ بدنیہ کے ایصالِ ثواب میں اختلاف ہے' مثلاً تلاوتِ قرآن کا ایصالِ ثواب اور اہل حدیث میں سے محققین کا مذہب یہ ہے کہ ہر عبادت بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے' مثلاً تلاوتِ قرآن کا اور عباداتِ مالیہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے مثلاً صدقہ کر کے اس کا ثواب میت کو ہدیہ کیا جائے تو اس کو یہ ثواب پہنچتا ہے اور امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ میت کی طرف ہر عبادت کا ثواب پہنچتا ہے خواہ وہ عبادت صدقہ ہو' نماز ہو' حج ہو' اعتکاف ہو یا تلاوتِ قرآن یا ذکر ہو یا کوئی اور عبادت ہو اور" وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ "(النجم: ۳۹) ایمان پر محمول ہے یعنی کسی انسان کو دوسرے انسان کا ایمان لانا نفع نہیں پہنچا سکتا' اگر وہ انسان خود ایمان نہ لایا ہو' یا اس آیت میں انسان سے مراد ابوجہل یا عقبہ یا ولید بن مغیرہ ہے یا یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے اور وہ یہ ہے: " وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ "(الطور: ۲۱) اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے اور حاجات کو پورا کرنے والا ہے اور ہمارے شیخ ابن القیم نے کہا کہ قرآن کی تلاوت بغیر اجرت کے کر کے اسے میت کو ہدیہ کرنے سے اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور یہ چیز ہر چند کہ متقدمین اور سلف صالحین میں معروف نہیں تھی لیکن دلیل کے تقاضے سے یہ جائز ہے کیونکہ جب حج' روزہ' دعا' استغفار اور صدقہ کا ثواب احادیثِ صحیحہ کی بناء پر میت کو پہنچتا ہے تو قرآن مجید کی تلاوت کے ثواب کے پہنچنے سے کیا چیز مانع ہے؟ ہاں! جب انسان نے اپنے لیے کوئی عمل کیا پھر بعد میں اس نے ارادہ کیا کہ وہ اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا دے تو یہ جائز نہیں ہے اور اس میں بھی ان کے دو قول ہیں۔ ہماری اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ بعض علماء (اسماعیل دہلوی) کا یہ کہنا باطل ہے کہ عباداتِ بدنیہ کا ایصالِ ثواب بدعت ہے' ہاں! تلاوت قرآن کے لیے جمع ہونا اور اس کے لیے دن معین کرنا بے شک بدعت ہے۔
(ہدیۃ المہدی ص ۱۰۸۔۱۰۷' مطبع صدیقی بھوپال' ۱۳۰۱ھ)

ایصالِ ثواب کے لیے انعقادِ محفل اور عرفی تعیین یوم پر دلائل

میں کہتا ہوں کہ اگر اس سے مراد بدعتِ حسنہ ہے تو یہ کلام صحیح ہے اور اگر اس سے مراد بدعت سیئہ ہے تو یہ کلام باطل ہے کیونکہ جو کام انفرادی طور پر کرنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے' وہ اجتماعی طور پر کرنا بدعت سیئہ کس دلیل سے ہو گا؟ یہ از خود شریعت بنانا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ عہد رسالت میں اور عہد ابوبکر میں اور حضرت عمر کی خلافت کے اوائل میں قیام رمضان (تراویح) انفرادی طور پر پڑھی جاتی تھی؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کے ساتھ تراویح شروع کرائی اور اب تک اس پر عمل ہو رہا ہے حتیٰ کہ غیر مقلدین کے ہاں بھی باجماعت تراویح پڑھی جاتی ہے اور نواب وحید الزمان نے تعیین یوم کو جو بدعت کہا ہے' اگر اس سے مراد تعیین شرعی ہے جیسے یکم شوال عید الفطر کے لیے معین ہے اور نو ذوالحجہ حج کے لیے معین ہے اور دس ذوالحجہ عید الاضحیٰ کے لیے معین ہے اور یہ تعیین صرف شارع علیہ السلام کی طرف سے ہوتی ہے' کوئی اس کو از خود معین نہیں کر سکتا تو پھر

یہ کلام درست ہے' اور اگر اس سے مراد تعیین عرفی ہے تو پھر نواب صاحب کا یہ کلام باطل ہے کیونکہ تعیین عرفی عہد رسالت سے لے کر آج تک ہو رہی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خواتین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کے معاملہ میں مرد ہم پر غالب آ گئے' آپ اپنی طرف سے ہمیں تعلیم دینے کے لیے ایک دن معین کر دیں' آپ نے ان سے ملاقات کے لیے ایک دن معین کیا اور اس دن میں ان کو وعظ کیا اور احکام بیان کیے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے:

من جعل لاھل العلم ایاما معلومة. جس شخص نے تعلیم دینے کے لیے ایام مخصوصہ معین کر دیئے۔

اور اس باب کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے:

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو نصیحت کرتے تھے' ایک شخص نے آپ سے کہا: اے ابو عبد الرحمان! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز نصیحت کیا کریں' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہر روز نصیحت اور وعظ کرنے سے مجھے صرف یہ چیز مانع ہے کہ میں تم کو اکتاہٹ میں ڈالنا ناپسند کرتا ہوں اور میں وعظ کرنے میں تمہارا اس طرح لحاظ کرتا ہوں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کرنے میں ہمارا لحاظ فرماتے تھے' اس خوف سے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۵)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود نے اپنے اس عمل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی ہے' جس طرح آپ صحابہ کو ہر روز وعظ نہیں کرتے تھے' بلکہ کسی ایک دن وعظ کیا کرتے تھے تاکہ صحابہ روز روز وعظ سننے سے اکتا نہ جائیں' اسی طرح حضرت ابن مسعود نے بھی اپنے وعظ کے لیے ایک دن معین کر لیا تھا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو وعظ اور تعلیم کے لیے جمعرات کا دن معین فرمایا تھا وہ شرعی تعیین نہیں تھی کہ جمعرات سے پہلے یا بعد کسی دن وعظ اور تعلیم جائز نہ ہو جیسے عید الاضحیٰ کے لیے دس ذوالحج معین ہے' نہ اس سے پہلے عید ہو سکتی ہے نہ اس کے بعد' بلکہ انہوں نے لوگوں کی سہولت کے لیے ایک دن معین کر دیا تھا کہ سب لوگ اس دن وعظ سننے اور حصول تعلیم کے لیے جمع ہو جائیں' جیسے لوگ دینی اور تبلیغی اجتماع کے لیے ایک تاریخ معین کر کے اشتہار چھاپ دیتے ہیں یا دینی مدارس میں داخلہ کے لیے اور امتحانات کے لیے اور نتائج کے لیے اور تقسیم اسناد اور دستار بندی کے لیے ایک تاریخ معین کر دیتے ہیں' اگرچہ اس سے پہلے اور بعد کی تاریخوں میں بھی یہ اُمور جائز ہوتے ہیں اور جیسے دینی مدارس میں ختم بخاری کے لیے پیشگی ایک تاریخ معین کر دی جاتی ہے اور جب ختم بخاری کے لیے ایک تاریخ معین کرنا جائز ہے تو ختم قرآن کے لیے تدفین کے دوسرے روز (جس کو عرف میں سوئم کہتے ہیں) یا چالیسویں روز کی تاریخ معین کرنا کیوں جائز نہیں' جب کہ ان تاریخوں سے پہلے یا بعد بھی سوئم اور چالیسویں کی تقریبات منعقد کرنا جائز ہے اور اس سے پہلے اور بعد یہ تقریبات ہوتی بھی ہیں' خود میں نے اپنی والدہ مرحومہ کا سوئم چوتھے روز کیا اور چہلم چالیس دن سے پہلے کیا' سو ان تاریخوں میں ان تقریبات کا کرنا ضروری نہیں ہے' صرف سہولت سے لوگوں کے اجتماع کے لیے عرفاً ایک تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے۔

تعیین عرفی کے ثبوت میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! مجھے یہ بتاؤ کہ اسلام میں تمہارا کون سا ایسا عمل ہے جس کے مقبول ہونے کی تمہیں زیادہ توقع ہے؟ کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتیوں سے چلنے کی آواز سنی' حضرت بلال نے کہا: میں نے اسلام لانے کے بعد کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کے مقبول ہونے کی مجھے زیادہ توقع ہو' ماسوا اس کے کہ میں رات اور دن کے جس وقت میں بھی وضو کرتا ہوں تو اس وضو کے ساتھ اتنی نماز پڑھتا ہوں جو میرے لیے مقدر کی گئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۵۸)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ (نفلی) عبادت کو ادا کرنے کے لیے اپنے اجتہاد سے وقت مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت بلال نے اپنے اجتہاد سے وضو کرنے کے بعد نماز پڑھنے کو مقرر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا۔ علامہ ابن جوزی نے کہا کہ اس حدیث میں وضو کرنے کے بعد نماز پڑھنے کی ترغیب ہے تاکہ وضو کرنا اپنے مقصود سے خالی نہ رہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۴۵' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور آج تک امت مسلمہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس سنت کے مطابق وضو کے بعد دو رکعت نماز سنت الوضو پڑھ رہی ہے اور جب اپنے اجتہاد سے نفلی عبادت کے لیے وقت مقرر کرنا جائز ہے تو اسی اصول پر ایصالِ ثواب کے لیے سوئم اور چہلم' غوثِ اعظم کے ایصالِ ثواب کے لیے گیارھویں اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بارھویں تاریخ کو مقرر کرنا جائز ہے اور ان تاریخوں میں ان تقریبات کو منعقد کرنا ضروری نہیں ہے' ان تاریخوں سے پہلے اور بعد بھی یہ تقریبات منعقد ہو سکتی ہیں اور ہوتی بھی ہیں' لیکن لوگوں کو جمع کرنے کے لیے کسی نہ کسی تاریخ کو معین تو کرنا ہوگا' عہد صحابہ اور عہد تابعین میں ایصالِ ثواب کی تقریبات منعقد نہیں ہوتی تھیں' تو نہ ہوتی ہوں لیکن جب دلائل سے ان تقریبات کا معین دن میں منعقد کرنا جائز ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے' عہد صحابہ اور تابعین میں دینی مدارس میں سالانہ تبلیغی جلسے بھی نہیں ہوتے تھے' ختم بخاری کی تقریبات بھی نہیں ہوتی تھیں' تاریخ معین کر کے منگنی' نکاح اور ولیمہ کی تقریبات بھی نہیں ہوتی تھیں اور یہ سب دینی کام ہیں اور ان کو کارِ ثواب سمجھ کر معین تاریخوں میں کیا جاتا ہے تو پھر صرف رشتہ داروں اور بزرگوں کے لیے ایصالِ ثواب کی تاریخوں کو کیوں ہدف اعتراض بنایا جاتا ہے؟

ایصالِ ثواب کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں: میت کی طرف سے قرضوں کو ادا کرنا' صدقات کرنا اور دیگر تمام عبادات معتبر ہیں۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۴۱۳)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے ایصالِ ثواب کے ثبوت میں احادیث بیان کیں اور اس کے بعد لکھا: ان احادیث اور آثار کے علاوہ بہ کثرت احادیث اور آثار ہیں جو حد تواتر تک پہنچتے ہیں اور ان سے ایصالِ ثواب ثابت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی عبادت کا ثواب دوسروں کو پہنچاتا ہے اس سے دوسروں کو نفع ہوتا ہے اور یہ چیز تواتر سے ثابت ہے۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۹' مکتبۃ الحجاز' کراچی)

علماء دیوبند کا اب بھی یہ معمول ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے برسی اور سوئم کی محفلیں منعقد کرتے ہیں: اس سلسلہ میں روزنامہ جنگ' کراچی اور روزنامہ ایکسپریس' کراچی کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیں:

ملتان: اعظم طارق کی برسی کے اجتماع میں دھماکا' ۴۱ جاں بحق

(روزنامہ جنگ' کراچی' جمعہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۸ اکتوبر ۲۰۰۴ء؛ صفحہ اوّل)

مولانا اعظم طارق کی برسی پر کالعدم ملت اسلامیہ کا اجتماع ختم ہوتے ہی زوردار دھماکے سے ۔۔ افراتفری پھیل گئی

(روزنامہ ایکسپریس' جمعہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۸ اکتوبر ۲۰۰۴ء؛ صفحہ اوّل)

مفتی جمیل اور مولانا نذیر کے لیے ایصالِ ثواب کا اعلان

مفتی جمیل اور مولانا نذیر کے لیے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی آج ہوگی

کراچی (اسٹاف رپورٹر) جامعہ علوم اسلامیہ' علامہ بنوری ٹاؤن کے ناظم امور قاری محمد اقبال کے مطابق ممتاز علمائے کرام مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی پیر کو جامعہ علوم اسلامیہ' بنوری ٹاؤن میں صبح گیارہ بجے ہوگی۔ (روزنامہ جنگ' کراچی' ص ۱۶' پیر ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

بنوری ٹاؤن میں مفتی جمیل اور نذیر تونسوی کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی

قرآن خوانی صبح گیارہ بجے شروع ہوئی' شہداء کے لیے بلندی درجات کی دعا کی گئی۔

کراچی (وقائع نگار) عالمی تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماؤں مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کے ایصالِ ثواب کے لیے بنوری ٹاؤن میں صبح گیارہ بجے قرآن خوانی ہوئی' اس موقع پر مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری' ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر نے سات ہزار سے زائد شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مفتی محمد جمیل خان نے ملک بھر میں دینی مدارس کا جال بچھا کر اسلام کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ (روزنامہ دن' کراچی' ص ۸' ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

مفتی جمیل اور نذیر تونسوی کے ایصالِ ثواب کے لیے بنوری ٹاؤن میں قرآن خوانی

اجتماع میں ۷ ہزار سے زائد افراد کی شرکت' شہداء کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ مقررین

کراچی (اسٹاف رپورٹر) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماؤں مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کے ایصالِ ثواب کے لیے بنوری ٹاؤں میں صبح گیارہ بجے قرآن خوانی ہوئی۔ اس موقع پر مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری اور ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر نے سات ہزار سے زائد شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے مفتی محمد جمیل خان اور مولانا نذیر احمد تونسوی کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ (روزنامہ امت' کراچی' ص ۱' ۲۶ شعبان ۱۴۲۵ھ/ ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

ایصالِ ثواب کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

فاتحہ دلاتے وقت کھانا سامنے رکھنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

اور وقت فاتحہ کھانے کے قاری کے پیش نظر ہونا اگر چہ بیکار بات ہے' مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں' جو اسے ناجائز و ناروا کہے' ثبوت اس کا دلیل شرعی سے دے' ورنہ اپنی طرف سے بحکم خدا و رسول کسی چیز کو ناجائز و ناروا کہہ دینا خدا و رسول پر افتراء کرنا ہے' ہاں! اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا' ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے لیکن نفس فاتحہ میں اس اعتقاد سے بھی کچھ حرف نہیں آتا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۹۵' سنی دار الاشاعت' ۱۳۹۴ھ)

ایصالِ ثواب کی تفصیل اور غنی کے کھانے کی تحقیق بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:
طعام تین قسم کا ہے ایک وہ کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز وممنوع ہے۔''لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور''اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں' دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصالِ ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے' فقراء اس کے لیے احق ہیں' اغنیاء کو نہ چاہیے' تیسرے وہ طعام کہ نذر ارواحِ طیبہ (اس نذر سے مراد ایصالِ ثواب کی نذر ہے' یہ نذر عرفی ہے' شرعی اور فقہی نذر مراد نہیں ہے کیونکہ وہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لیے حرام ہے' اس نذر عرفی کی مزید وضاحت عنقریب اعلیٰ حضرت کی دیگر عبارات سے پیش کی جائے گی' ان شاء اللہ۔ سعیدی غفرلہٗ) حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء و اغنیاء سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے' یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور وہ ضرور باعثِ برکت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۴' سنی دار الاشاعت' فیصل آباد)

گیارہویں شریف کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:
گیارہویں شریف جائز ہے اور باعثِ برکات اور وسیلہ مجربہ قضاء حاجات ہے اور خاص گیارہویں کی تخصیص عرفی اور مصلحت پر مبنی ہے جبکہ اسے شرعاً واجب نہ جانے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۴)

بزرگانِ دین کی نذر نیاز اور تیجہ و چالیسواں اور عرس کے متعلق لکھتے ہیں:
ایصالِ ثواب میں نذر اللہ نہ کہنا چاہیے' اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ ثواب اسے نذر کیا جائے' ہاں! نذر رسول کہنا صحیح ہے' معظمین کی سرکار میں جو ہدیہ نذر کیا جاتا ہے اسے عرف میں نذر کہتے ہیں' جیسے بادشاہوں کو نذر دی جاتی ہے' اولیاء کی نذر کے بہت ثبوت ہمارے ''فتاویٰ افریقہ'' میں ہیں' اور تازہ ثبوت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ ''انسان العین فی مشائخ الحرمین'' میں حال سید عبد الرحمٰن اوریسی قدس سرہٗ میں فرماتے ہیں: از اطراف دیار اسلام نذور برائے وے مے آورند (اسلامی ممالک کے اطراف سے سید عبد الرحمٰن کو نذریں پیش کرنے کے لیے لائی جاتی ہیں)۔
تیجہ' دسواں' چہلم وغیرہ جائز ہیں جب کہ اللہ کے لیے کریں اور مساکین کو دیں' اپنے عزیزوں کا ارواح کو علم ہوتا ہے اور ان کا آنا نہ آنا کچھ ضرور نہیں' فاتحہ کا کھانا بہتر یہ ہے کہ مساکین کو دے اور اگر خود محتاج ہے تو آپ کھائے' اپنے بی بی بچوں کو کھلائے' سب اجر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کے لیے حکم بھی دیا اور صحابہ نے ایصالِ ثواب کیا اور آج تک کے مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا' تخصیصات عرفیہ جب کہ لازم شرعی نہ سمجھی جائیں خدا نے مباح کی ہیں۔
اور عرس کہ منہیات شرعیہ سے خالی ہو اور شیرینی پر ایصالِ ثواب یہ سب جائز ہیں اور نزد قبر رکھنے کی ضرورت نہیں نہ اس میں جرم جب کہ لازم نہ جانے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۸۔ ۲۱۷' فیصل آباد)

تیجہ اور چالیسویں کو معین کرنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:
اموات مسلمین کو ایصالِ ثواب قطعاً مستحب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ'' تم میں سے جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے تو نفع پہنچائے۔ اور یہ تعینات عرفیہ ہیں' ان میں اصلاً حرج نہیں' جب کہ انہیں شرعاً لازم نہ جانے' یہ نہ سمجھے کہ انہیں دنوں ثواب پہنچے گا' آگے پیچھے نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۹' فیصل آباد)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں: تیجے و چالیسویں وغیرہ کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا' ہاں!

قرآن خوانی پر اُجرت لینی دینی منع ہے' اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دن کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں گے کام لیں گے اور یہ تنخواہ دیں گے پھر اس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے' اب یہ اُجرت بلاشبہ جائز ہے کہ اس کے مقابل ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن کے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۲)

قرآن خوانی کی اُجرت لینے کی توجیہات

مصنف کہتا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ نفس قرآن مجید پڑھنے کا معاوضہ نہ طے کیا جائے بلکہ خاص قیود کے بدلے معاوضہ لیا جائے' مثلاً فلاں جگہ' فلاں وقت' فلاں شخص کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے ان قیودات کا معاوضہ لے دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا نفس قراءت کی اجرت نہ لے بلکہ اس کو پڑھنے سے جو تھکاوٹ ہوتی ہے اس کے ازالہ کے لیے معاوضہ لے' تیسری صورت یہ ہے کہ وہ قراءت کا معاوضہ تو نہیں لیتا لیکن اس وقت وہ اگر کوئی کارِ معاش کرتا تو اس کو جو اُجرت ملتی وہ لیتا ہے' اسی تاویل سے صحابہ نے حضرت ابوبکر اور دیگر خلفائے راشدین کو کارِ خلافت اور امامت کی اجرت دی اور اسی تاویل سے نماز کی امامت کی اجر دی جاتی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قاری للہ فی اللہ قرآن مجید پڑھے اور پڑھوانے والا للہ فی اللہ بلا تعیین کچھ خدمت کر دے اور آج کل اسی کا رواج ہے' پانچویں وجہ یہ ہے کہ علامہ آلوسی اور دیگر علماء نے اس حدیث کے پیش نظر قرآن مجید کی تلاوت کی اجرت لینے کو جائز کہا ہے: ''ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ'' جن چیزوں پر اجرت لی جاتی ہے ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۷۳۷' صحیح مسلم: ۲۲۰۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا تیجہ اور چالیسویں کے کھانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

سوم' دہم و چہلم کا کھانا مساکین کو دیا جائے' برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی بات ہے۔
(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۳)

نیز سوئم کے کھانے اور کلمہ پڑھے ہوئے چنوں کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

یہ چیزیں غنی نہ لے فقیر لے اور وہ جو ان کا منتظر رہتا ہے' ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے' مشرک یا چمار (مردار خور) کو اس کا دینا گناہ' فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں اور لے لیے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے' یہ حکم عام فاتحہ کا ہے' نیاز اولیاء کرام طعام موت نہیں وہ تبرک ہے' فقیر و غنی سب لیں' جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذر شرعی نہ ہو' شرعی پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵' فیصل آباد)

حضرت خاتونِ جنت کی نیاز کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

اور حضرت خاتونِ جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا' یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں' انہیں اس سے باز رکھا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵)

کسی نے کہا: کوئی ایسی حدیث لکھ دیجئے جس سے ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فاتحہ دلائی تھی (اسی طرح سوئم' چہلم اور عرس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے)' اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعل ثواب سمجھتے ہیں کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بنائے یا بنوائے تھے؟ یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے' جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بے شک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ اور رسول

نے منع نہ فرمایا دوسرا کہ منع کرے گا اپنے دل سے شریعت گھڑے گا۔ "اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ۞ مَتَاعٌ قَلِیۡلٌ ۪ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۞" (النحل: ۱۱۷۔۱۱۶)۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۶ سنی دارالاشاعت فیصل آباد ۱۳۹۴ھ)

ایصالِ ثواب کے ثبوت پر برطانیہ سے موصول ہونے والے اعتراضات کے جواب

میں نے "شرح صحیح مسلم" ج ۴ ص ۵۱۰۔۴۹۹ میں ایصالِ ثواب کی بحث لکھی تھی لیکن چونکہ یہ مبحث اب تک "تبیان القرآن" میں نہیں آیا تھا اس لیے میں نے یہاں پر یہ مبحث ازسرِنو زیادہ تفصیل اور تحقیق سے لکھا اور "شرح صحیح مسلم" کے بعض آخری اقتباسات کو بھی اس مبحث کی تکمیل اور تتمیم کے لیے دوبارہ ذکر کیا' اس مبحث پر منکرین ایصالِ ثواب کی طرف سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ محترمہ ام السحر شمیم اختر نے شیفیلڈ برطانیہ سے مجھے بھجوائے' تاکہ "تبیان القرآن" میں ان کا جواب لکھ دوں۔ ہرچند کہ ان میں سے اکثر اعتراضات کے جوابات خود "شرح صحیح مسلم" میں آ چکے تھے' لیکن میں نے مناسب جانا کہ میں ان تمام اعتراضات کے جوابات لکھ دوں تاکہ ایصالِ ثواب کی یہ بحث مکمل طریقہ سے بے غبار ہو جائے' میں ان اعتراضات کو نمبروار نقل کر کے ان کے جوابات لکھ رہا ہوں' فاقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق' علیہ توکلت والیہ انیب۔

اس کا جواب کہ دوسرے کے عمل کے کام آنے کا ثبوت کہاں ہے؟

اعتراض ۱: ایک کا عمل دوسرے کے کام آ سکتا ہے اس کا ثبوت کہاں ہے؟

الجواب: الطور: ۲۱ میں یہ مذکور ہے کہ آباء کے ایمان کی وجہ سے ان کی نابالغ اولاد کو ان کے ساتھ جنت میں داخل کر دیا جائے گا' اس کی تفصیل اسی جلد میں الطور: ۲۱ کی تفسیر میں بھی ہے اور النجم: ۳۹ کی تفسیر میں بھی ہے اور "شرح صحیح مسلم" میں بھی قرآن مجید کی آیات' احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات سے واضح کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا عمل دوسرے مسلمان کے کام آتا ہے اور "وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۞" (النجم: ۳۹) کے وافی اور شافی جوابات دیئے گئے ہیں' دیکھئے! "شرح صحیح مسلم" ج ۲ ص ۹۳۲' ۹۲۸۔

اس کا جواب کہ زندہ کے لیے ایصالِ ثواب کیوں نہیں کیا جاتا؟

اعتراض ۲: زندہ شخص کے لیے دعا کرنا جائز ہے تو زندہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کیوں نہیں کیا جاتا؟ زندہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کی ممانعت کہاں ہے؟

الجواب: زندہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کی ممانعت نہیں ہے اور زندہ شخص کے لیے بھی دوسرا شخص عبادات انجام دیتا ہے' حج بدل کی احادیث اور اس مسئلہ میں فقہاء کی عبارات اس پر واضح دلیل ہیں' علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی صاحب ہدایہ' حنفی نے لکھا ہے کہ حج بدل میں شرط یہ ہے کہ جس پر حج فرض ہو وہ معذور ہو اور موت تک دائمی عجز رہے اور حج نفل میں نیابت مطلقاً جائز ہے اور حالت قدرت میں بھی دوسرے کی طرف سے حج کرنا جائز ہے' کیونکہ نفل کے باب میں وسعت ہے' مکمل عبارت اسی جلد میں مذکور ہے' اسی طرح علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی لکھا ہے' اس کی مکمل عبارت بھی اسی جلد کے اسی مبحث میں ہے' خود راقم الحروف نے اپنی والدہ کی حیات میں ان کی طرف سے عمرہ ادا کیا اور راقم الحروف کے دوست محترم طیب بھائی نے راقم الحروف کی طرف سے عمرہ کیا۔ نیز صالح بن درہم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایام حج میں ہم سے ایک شخص نے کہا: کیا تمہارے پہلو میں ابلۃ نام کی بستی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! اس شخص نے کہا: تم میں سے کون شخص اس بات کا ضامن ہے کہ مسجد عشاء میں میرے لیے دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے: یہ نماز ابوہریرہ کے لیے ہے' کیونکہ میں نے اپنے خلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ قیامت کے دن مسجد عشاء سے ایسے شہداء کو اٹھائے گا' جن کے ہم پلہ شہداء بدر کے سوا اور کوئی

نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۰۸) اس حدیث میں زندہ کے لیے ایصال ثواب کی واضح دلیل ہے۔

اس کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایصالِ ثواب کا کہاں ثبوت ہے؟

اعتراض ۳: وفات یافتہ افراد کے لیے عہدِ رسالت یا عہد خلفاء راشدین میں ایصالِ ثواب کی کوئی محفل منعقد ہوئی یا اجتماعی دعا کی گئی' جنگ یمامہ جیسے واقعات پیش آئے' کیا کسی نے اپنا عمل دوسرے کو دیا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ میں سے کسی نے ایصالِ ثواب کیا؟ ثبوت کیا ہے؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے زیادہ قوی آپ کا قول ہے' حتیٰ کہ جب آپ کے قول اور عمل میں تعارض ہو تو آپ کے قول کے مقابلہ میں عمل کو ترک کر دیا جاتا ہے اور جب کہ بہ کثرت احادیثِ صحیحہ میں آپ کے صریح ارشادات موجود ہیں کہ فلاں کی طرف سے صدقہ کرو اور فلاں کی طرف سے حج کرو اور فلاں کی طرف سے روزے رکھو تو پھر اس سلسلہ میں آپ کے اور صحابہ کے اعمال کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

نیز اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ و تابعین میں مساجد میں صرف فرض نمازیں پڑھی جاتی تھیں' سنن اور نوافل صرف گھروں میں پڑھے جاتے تھے' جب کہ اب مساجد میں سنن اور نوافل پڑھنے کا بھی رواج ہو گیا ہے۔ کیا مخالفین یہ بتا سکتے ہیں کہ اس رواج کا ثبوت کس حدیث میں ہے؟

نیز عہد رسالت میں اور عہد صحابہ و تابعین میں گھڑیوں کے حساب سے ایک معین وقت پر نمازیں نہیں پڑھی جاتی تھیں' جب مسلمان جمع ہو جاتے تھے' نماز پڑھ لیتے تھے' ہم سے تیجے اور چالیسویں کی تعیین کا سوال کرنے والے مخالفین کیا بتا سکتے ہیں کہ گھڑیوں کے حساب سے معین وقت پر نماز پڑھنے کا ثبوت کس حدیث میں ہے؟

اور اگر آپ کے صریح ارشادات کے باوجود معترض کی تسکین آپ کے عمل سے ہو سکتی ہے تو ہم "صحیح مسلم" اور بہ کثرت دیگر احادیث کے حوالوں سے بتا چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگھوں والے مینڈھے کی قربانی کی اور یہ دعا کی: اے اللہ! اس کو محمد اور آلِ محمد اور امتِ محمد کی طرف سے قبول فرما۔ اور صحابہ کے عمل کا ثبوت یہ ہے کہ ہم "سنن ابوداؤد" اور دیگر کثیر احادیث کے حوالوں سے یہ بتا چکے ہیں کہ حضرت علی ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے' ایک اپنی طرف سے اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔

اس سوال کا جواب ہم گزشتہ صفحات میں غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں کی طرف سے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی طرف سے بھی لکھ چکے اور مذکور الصدر احادیث کا "شرح صحیح مسلم" ج ۴ ص ۵۰۲۔۵۰۱ میں بھی ذکر ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی کی عبارت یہ ہے:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی عبادات کو دوسروں کے لیے ہدیۃً پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان ان عبادات کا اپنے لیے ذخیرہ کرے' یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے کہا تھا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آپ پر صلوٰۃ پڑھنے میں صرف کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے لیے کافی ہے' یہ وہ صحابی ہیں جو بعد کے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ پھر اس قول کا کیا جواز ہے کہ سلف صالحین نے فوت شدہ لوگوں کے لیے ایصالِ ثواب نہیں کیا؟ کیونکہ اس قسم کے ایصالِ ثواب کے لیے لوگوں کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ سلف صالحین نے ایصالِ ثواب نہیں کیا تھا تو اس سے ایصالِ ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ یہ مستحب ہے' واجب نہیں ہے اور ہمارے لیے ایصالِ ثواب کے جواز کی دلیل موجود ہے' خواہ ہم سے پہلے کسی نے ایصالِ ثواب کیا ہو یا نہ۔ (السراج الوہاج ج ۲ ص ۵۵)

اور اعلیٰ حضرت امام رضا فاضل بریلوی کی عبارت یہ ہے:

فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعلِ ثواب سمجھتے ہیں' کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بنائے تھے یا بنوائے تھے یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے' جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بے شک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ اور رسول نے منع نہ فرمایا' دوسرا کہ منع کرے گا اپنے دل سے شریعت گھڑے گا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۶)

نفلی عبادات کے لیے اپنے اجتہاد سے کوئی بھی وقت معین کیا جا سکتا ہے' لیکن یہ تعیین عرفی ہوتی ہے' تعیین شرعی کی طرح نہیں' جسے شارع نے مقرر کیا ہے اور مکلف اس کا پابند ہے اور اسی پر اجرِ کامل موقوف ہے۔ دیکھیے ''از روئے شرع'' نفلی روزہ ہر دن رکھا جا سکتا ہے' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۲) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کی اتباع میں حضرت عبد اللہ بن عمر بھی ہر ہفتے کو مسجد قباء جایا کرتے تھے' جب کہ مسجد قباء کی زیارت ایک نفلی عبادت ہے' جسے ہر روز کیا جا سکتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفتے کے دن کو اس کی زیارت کے لیے خاص کر لیا تھا' چنانچہ حدیث میں ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے دن مسجد قباء پیدل یا سواری پر جایا کرتے تھے' اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر بھی ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۳)

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں دوسرے کے لیے دعا کے ثبوت سے ایصالِ ثواب کا ثبوت لازم نہیں آتا

اعتراض ۴: آپ نے ''شرح صحیح مسلم'' (ج ۴ ص ۵۰۰) میں قرآن مجید کی ان آیات سے ایصالِ ثواب پر استدلال کیا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۴)

اور آپ کہیے: اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے ۝

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ. (الحشر: ۱۰)

اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔

دعا میں استدعا ہے' اپنا عمل کسی کو دیا نہیں جا رہا' اس لیے دعا کی آیات ایصالِ ثواب کے لیے دلیل نہیں بن سکتیں۔

الجواب: معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کا عمل دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اسی قاعدہ کی بنیاد پر وہ ایصالِ ثواب کی نفی کرتے ہیں' ہم نے بنی اسرائیل: ۲۴ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے والدین کے لیے حصولِ رحمت کی دعا کیجیے اور الحشر: ۱۰ میں یہ بتایا ہے کہ مؤمنین اپنے فوت شدہ بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں گویا ہمیں بھی ایسی دعا کرنے کی تلقین کی ہے' اگر آپ کی دعا سے آپ کے والدین کو رحمت حاصل نہ ہو اور مؤمنین کی دعا سے ان کے فوت شدہ بھائیوں کو مغفرت حاصل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اور اس کی تلقین عبث ہو گی۔ سو واضح ہو گیا کہ ایک مسلمان کے عمل سے دوسرے مسلمان کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس سے یہ قاعدہ باطل ہو گیا کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ نہیں ہوتا اور اسی قاعدہ کی بنیاد پر معتزلہ نے ایصالِ ثواب کی نفی کی تھی' پس ان آیات سے ایصالِ ثواب کی نفی کی بنیاد منہدم ہو گئی اور خصوصیت کے ساتھ ایصالِ ثواب کا ثبوت ان متعدد احادیث سے ہے جن کو ہم پیش کر چکے ہیں۔

اس کا جواب کہ ایصالِ ثواب کے کھانے سے اغنیاء کیوں کھاتے ہیں؟

اعتراض ۵: صدقہ غرباء کے لیے ہوتا ہے' امراء کے لیے نہیں ہوتا' لیکن عملاً امراء بھی ایصالِ ثواب کی دعوتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

الجواب: جو صدقہ فرض ہو جیسے نذرِ معین کا یا زکوٰۃ کا' اس کا کھانا امراء کے لیے جائز نہیں ہے اور نفلی صدقات جیسے سوئم اور چہلم میں صدقہ کا ثواب یا بزرگانِ دین کے عرس کا طعام اس کو سب کھا سکتے ہیں۔

اس کا جواب کہ قرآن اور حدیث میں بندوں کے اعمال میں دوسروں کے ہدیہ کیے ہوئے اعمال کا کیوں ذکر نہیں ہے؟

اعتراض ۶: قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کا حساب ہوگا' یہ کہیں نہیں ہے کہ تمہارے اعمال میں ان ہدیوں کو بھی دیکھا جائے گا جو تمہیں وفات کے بعد بھی وصول ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: ''وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ'' (البقرہ: ۱۳۹) اگر دوسرے کی نیکیاں بھی انسان کے اعمال میں ہوتیں تو قرآن میں ان کا ذکر بھی ہوتا۔

الجواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کے مرنے کے بعد تین کے سوا اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں: صدقہ جاریہ' وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور وہ نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱) اس نے اپنی زندگی میں جو اعمال از خود نہیں کیے تھے اس حدیث کی رُو سے قیامت تک کی یہ نیکیاں اس کے اعمال میں داخل ہوں گی۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اپنی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور جن لوگوں نے اس نیکی پر عمل کیا ان کا اجر بھی اس کو ملے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) سو جس نے اپنی اولاد کو نماز سکھائی' اس کی نمازوں کا اجر اس کو ملے گا اور جس نے اپنی اولاد کو صدقہ و خیرات کرنا سکھایا' ان کے صدقہ و خیرات کرنے کا بھی اجر اس کو ملے گا' جس نے دینی مسائل سکھائے' ان مسائل پر عمل کرنے والوں کا اجر اس کو ملے گا' جس نے کوئی دینی کتاب لکھی' اس کو پڑھ کر اس پر عمل کرنے والوں کا اجر اس کو ملتا رہے گا جب تک دنیا میں وہ کتاب باقی رہے گی۔

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو سلمہ کے ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد کیا کوئی ایسی نیکی ہے جو میں ان کے ساتھ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم ان کی نمازِ جنازہ پڑھو' ان کے لیے مغفرت طلب کرو' ان کی وفات کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو' جن رشتہ داروں کے ساتھ وہ نیکی کرتے تھے ان کے ساتھ نیکی کرو اور ان کے دوستوں کی تکریم کرو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴)

اولاد کی ان نیکیوں سے بھی ماں باپ کو نفع ہوگا اور یہ نیکیاں ماں باپ کے اعمال نامے میں درج ہوں گی' ہم نے تین حدیثیں بیان کی ہیں' جن کے اعتبار سے اولاد اور شاگردوں کی نیکیاں ماں باپ اور اساتذہ کے اعمال میں اور قارئین کی نیکیاں مصنفین کے اعمال ناموں میں درج ہوں گی تو کیا کسی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ میزان پر کسی شخص کو وہ نیکیاں ملیں گی جو اس کے لیے دوسروں نے کی ہیں اور کیا کسی حدیث میں اعمال نامے میں درج تمام مفصل نیکیوں کا ذکر ہے' حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ اس میں کسی شخص کی اپنی کی ہوئی نیکیوں کا تو ذکر ہے لیکن ان نیکیوں کا ذکر نہیں ہے جو کسی دوسرے نے اس کے لیے کیں تھیں اور کیا

ایصالِ ثواب کے ثبوت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام ارشادات کافی نہیں ہیں جن میں آپ نے کسی سے فرمایا: تم اپنی ماں کی طرف سے حج کرو' کسی سے فرمایا: تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو' کسی سے فرمایا: تم اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرو' اور کیا قرآن مجید میں یہ آیت نہیں ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ. (الطور: ۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

لہٰذا اب یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ اگر دوسروں کی نیکیاں انسان کے کام آتیں تو قرآن ان کو بھی ذکر کرتا۔

اور قرآن مجید میں یہ بھی ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ. (البقرہ: ۲۵۱)

اور اگر اللہ بعض لوگوں کی نیکیوں سے دوسرے بعض سے عذاب دور نہ کرتا تو زمین فاسد ہو جاتی۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا. (الحج: ۴۰)

اور اگر اللہ بعض لوگوں کے شر کو بعض لوگوں کی خیر سے دور نہ فرماتا تو راہبوں کے معبد' اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے' ضرور گرا دیئے جاتے۔

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اول الذکر آیت (البقرہ: ۲۵۱) کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں' ان ہی کی وجہ سے تم کو رزق دیا جاتا ہے' ان ہی کی وجہ سے تم پر بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شیخ محمد بن علی الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث روایت کی ہے: اللہ نماز پڑھنے والوں کے سبب سے بے نمازوں سے عذاب دور کر دیتا ہے اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب دور کر دیتا ہے اور زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے ان سے عذاب دور کر دیتا ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۶۰ ۴' دار الوفاء المنصورہ ۱۴۱۸ھ' فتح البیان ج ۱ ص ۳۶۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور "وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ" (البقرہ: ۱۳۹) اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جو شخص کسی کے تعلیم دینے یا اس کے نیک سلوک' اس کی پرورش اور اس کی محبت کی وجہ سے اس کی طرف سے نیک اعمال کرتا ہے' وہ درحقیقت اسی کے اعمال ہوتے ہیں کیونکہ وہ دوسرے کے نیک اعمال کا سبب ہوتا ہے۔

اس کا جواب کہ حضرت سعد نے اپنی ماں کے مال سے صدقہ کیا تھا اس لیے یہ ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں ہے

اعتراض ۷: جس حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا' وہ ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ انہوں نے اپنی ماں کے مال سے صدقہ کیا تھا یا ان کی خواہش سے صدقہ کیا تھا۔

الجواب: یہ حدیث پر افتراء ہے' کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت سعد نے اپنی ماں کے مال سے صدقہ کیا تھا یا ان کی

خواہش سے ان کی طرف سے ایسا کیا تھا' اگر منکرین کے پاس ایسی حدیث ہے تو پیش کریں ورنہ جھوٹی حدیث گھڑنے سے باز آئیں اور اس جھوٹ کا واضح قلع قمع اس حدیث سے ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا اور میں اس وقت موجود نہیں تھا' اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو اس کا نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: پس بے شک میں آپ کو گواہ کرتا ہوں میں میرا مخراف نام کا کھجوروں کا باغ ہے وہ ان پر صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۲' یہ حدیث ''شرح صحیح مسلم'' ج ۴ ص ۵۰۱ پر بھی درج ہے)

اس کا جواب کہ میت کی نذر پوری کرنا وارثوں پر لازم ہے اس لیے یہ ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں ہے

اعتراض ۸: جس حدیث میں وارث سے کہا گیا ہے کہ وہ میت کا قرض ادا کرے یا اس کی نذر پوری کرے وہ بھی ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں ہے کیونکہ میت کا قرض ادا کرنا اور اس کی نذر پوری کرنا وارثوں پر فرض ہے۔

الجواب: قرض ادا کرنا اور نذر پوری کرنا وارثوں پر اس وقت ضروری ہے جب اس نے ترکہ میں مال چھوڑا ہو' اور اگر اس نے ترکہ میں کوئی مال نہ چھوڑا ہو' پھر ان پر قرض ادا کرنا یا نذر پوری کرنا فرض نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی طرف سے نذر پوری کرنے کا مطلقاً حکم دیا ہے اور جب وارث اپنی طرف سے تبرع اور احسان کر کے اس کی نذر پوری کرے گا تو یہ خالص غیر کا عمل ہو گا جس سے میت کو نفع ہو گا اور یہ ایصالِ ثواب کی واضح دلیل ہے' نیز جب میت نے مال چھوڑا ہو اور وارث اس مال سے قرض ادا کرے یا نذر پوری کرے' تب بھی یہ عمل تو میت کا نہیں ہے' مال میت کا ہے لیکن عمل تو وارث کا ہے اور وارث کے اس عمل سے میت کو بہر حال نفع ہو گا اور اس صورت میں بھی یہ ایصالِ ثواب کی دلیل ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ اس حدیث کی سند کمزور ہے جس میں حضور کی طرف سے حضرت علی۔۔۔ کی قربانی کرنے کا ذکر ہے

اعتراض ۹: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کی حدیث ہے اس کی سند کا حال ''میزان'' میں قابل دید ہے' اس روایت کو قبول کرنے کے لیے چیتے کا دل چاہیے؟

الجواب: جی نہیں! اس روایت کو قبول کرنے کے لیے مسلمان کا دل کافی ہے' ''میزان الاعتدال'' میں اس سند کا جو حال ہے وہ ہم نے دیکھ لیا ہے' ''میزان الاعتدال'' کے مصنف علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی الحسن بن الحکم کے متعلق ابن معین نے کہا: وہ ثقہ ہیں اور ابوحاتم نے کہا: وہ صالح الحدیث ہیں' البتہ یہ بھی لکھا ہے کہ ابن حبان ان کو ناپسند کرتے تھے (اگر وہ ناپسند کرتے تھے تو کرتے رہیں!)۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۳) اور علامہ ذہبی نے ''تلخیص المستدرک'' میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۲۳۰-۲۲۹)

اس اعتراض کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کی طرف سے قربانی دینا گھر۔۔۔ کے سربراہ کی مثل ہے' یہ ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں

اعتراض ۱۰: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی آل اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کی تھی وہ بھی ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں ہے کیونکہ جب گھر کا سربراہ قربانی دیتا ہے تو وہ سب کی طرف سے قربانی ہو جاتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کے سربراہ تھے' اس لیے آپ نے ساری امت کی طرف سے قربانی کر دی۔ آپ کا یہ عمل امت کی دل جوئی کے لیے تھا یہ ایصالِ ثواب کی دلیل نہیں ہے۔

الجواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہمارا تعلق ایک گھرانے اور اس کے سربراہ کا سا نہیں ہے بلکہ ایک نبی اور اس کی امت کا ہے اور نبی کے ہر عمل میں امت کے لیے حسین نمونہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حسین نمونہ ہے۔ (الاحزاب:۲۱)

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آل اور امت کی طرف سے جو قربانی کی ہے اس میں ہمارے عمل کے لیے یہ نمونہ ہے کہ ہم بھی اپنے عزیزوں اور معاشرہ کے ان پس ماندہ افراد کی طرف سے قربانی کیا کریں جو از خود قربانی نہیں کر سکتے اور ان کے لیے ایصالِ ثواب کریں۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي ۔ آپ کہیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ (آل عمران:۳۱)

اس آیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنی قربانی کے ساتھ اپنے عزیزوں اور معاشرہ کے تنگ دست افراد کی طرف سے قربانی کریں اور ان کے لیے ایصالِ ثواب کریں۔

اس کا جواب کہ حضرت سعد بن عبادہ کی حدیث مرسل ہے' اس لیے حجت نہیں

اعتراض ۱۱: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات پندرہ ہجری میں ہوئی ہے' حسن بصری جو بے نظیر مدلس ہیں' ان کی وفات کے بعد تقریباً بائیس ہجری میں پیدا ہوئے' "موطأ امام مالک" میں حسن بصری نے حضرت سعد بن عبادہ سے یہ مرسلاً روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرنے کا سوال کیا۔ سو یہ روایت مدلس ہے اور نا قابلِ اعتبار ہے۔ "تہذیب التہذیب" اور "میزان الاعتدال" میں حسن بصری کے مدلس ہونے کا ذکر ہے۔

الجواب: ہم نے "موطأ امام مالک" کی مرسل روایت سے استدلال نہیں کیا بلکہ "صحیح بخاری" کی متصل السند تین روایتیں پیش کی ہیں' پہلی روایت "عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس ان سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ" سے شروع ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۷۶۱) اور دوسری روایت: "اخبرنی یعلٰی انہ سمع عکرمۃ مولی ابن عباس یقول انبانا ابن عباس ان سعد بن عبادہ" سے شروع ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۷۶۲)

اور تیسری متصل روایت یہ ہے: "عن ھشام عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم" الحدیث۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۷۶۰) ان تینوں روایات میں سے کسی روایت میں حسن بصری نہیں ہیں۔ نیز "سنن ابوداؤد" میں سعید بن میتب اور حسن بصری سے مرسل روایت ہے' جس کے متعلق ہم ایصالِ ثواب کے متعلق احادیث کے عنوان کے تحت بحث کر چکے ہیں۔ تاہم معترضین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حسن بصری بے نظیر مدلس تھے' ان کی روایات مرسل ہیں' مدلس نہیں ہیں۔

کیا حضرت حسن بصری فی الواقع مدلس تھے؟

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری کا پورا نام ہے: حسن بن ابی الحسن یسار بصری' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دو سالوں میں پیدا ہوئے' ان کی ماں کا نام خیرہ تھا اور وہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں' بعض اوقات ان کی ماں گھر میں

نہیں ہوتی تھیں اور یہ روتے تھے تو حضرت ام سلمہ ان کے منہ میں اپنا پستان دے دیتی تھیں' ان میں جو حکمت اور فصاحت تھی وہ اسی کی برکت سے تھی۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۲۹۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

نیز علامہ مزی نے لکھا ہے کہ ان کی ماں ان کو حضرت عمر کے پاس لے گئیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی: اے اللہ! اس کو دین میں فقہ عطا فرما اور لوگوں کے نزدیک اس کو محبوب بنادے۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۰۳)

امام احمد بن حنبل نے کہا: رجب ۱۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: اس وقت ان کی عمر اٹھاسی (۸۸) سال تھی۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۱۷)

''میزان الاعتدال'' کے مصنف علامہ شمس الدین ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بہت فضائل اور مناقب لکھے ہیں' وہ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری اپنے زمانہ کے اہل علم وعمل کے سردار تھے اور اہل بصرہ کے شیخ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۵۶)

یحییٰ بن معین نے کہا: انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے مرسلاً احادیث روایت کی ہیں' مثلاً حضرت علی' حضرت ام سلمہ' ان سے ان کا سماع نہیں ہے اور نہ حضرت ابوموسیٰ اور نہ حضرت ابن سریع سے اور نہ عمرو بن تغلب سے اور نہ حضرت عمران سے اور نہ حضرت ابی برزہ سے اور نہ حضرت اسامہ بن زید سے اور نہ حضرت ابن عباس سے اور نہ حضرت عقبہ بن عامر سے اور نہ حضرت ابوثعلبہ سے اور نہ حضرت ابوبکرہ سے اور نہ حضرت ابوہریرہ سے اور نہ حضرت جابر سے اور نہ حضرت ابوسعید سے اور دوسروں نے کہا: ان کا حضرت سلمہ بن المحبق' حضرت عباس اور حضرت ابی بن کعب سے بھی سماع نہیں ہے' قتادہ نے کہا: ان کا کسی بدری صحابی سے سماع نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۵۹۔۴۵۸)

حضرت حسن بصری نے کہا: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات میں جاتا تھا' اس وقت میں بالغ ہو چکا تھا اور جب باغیوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ حسن بصری' عثمان بن ابی العاص کے پاس گئے تھے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۶۱۔۴۶۰)

ابو بردہ نے کہا: میں نے حسن بصری سے زیادہ کوئی شخص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشابہ نہیں دیکھا۔

ابوقتادہ نے کہا: حسن بصری کو لازم رکھو' میں نے ان سے زیادہ کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشابہ نہیں دیکھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: حسن بصری سے سوال کرو کیونکہ ان کو (احادیث) حفظ ہیں اور ہم بھول گئے۔

قتادہ نے کہا: میں نے جب بھی حسن بصری کے علم کا دوسرے علماء سے تقابل کیا تو حسن بصری کو ان سے افضل پایا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۶۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ابو بلال نے کہا: جب قتادہ کے پاس حسن بصری کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: وہ علم میں غوطہ زن تھے' بلکہ وہ علم میں ہی پروان چڑھے اور اللہ کی قسم! خارجیوں کے سوا ان سے کوئی بغض نہیں رکھتا تھا۔

ہمام نے قتادہ سے روایت کیا کہ زمین کبھی ایسے سات لوگوں سے خالی نہیں رہی' جن کے سبب سے بارش ہوتی ہے اور جن کی برکت سے لوگوں سے مصائب دور کیے جاتے ہیں اور مجھے توقع ہے کہ حسن بصری بھی ان سات میں سے ایک ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۶۴)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: میں جنگ صفین کے ایک سال بعد بالغ ہوا' حضرت عثمان کی شہادت کے وقت ان کی عمر چودہ سال تھی' انہوں نے حضرت عثمان کو دیکھا' ان سے سماع کیا اور ان سے احادیث روایت کیں' اور انہوں نے حضرت عمران بن حصین سے' حضرت سمرہ بن جندب سے' حضرت ابوہریرہ سے' حضرت ابن عمر سے' حضرت ابن عباس سے' حضرت عمرو بن تغلب سے حضرت اسود بن سریع سے' جندب بن عبد اللہ سے اور صعصعہ بن معاویہ سے احادیث روایت کیں' اور حسن بصری جامع' عالم' عالی' رفیع' فقیہ' ثقہ' مامون' عابد' ناسک' کبیر العلم' فصیح اور جمیل تھے۔ ان کی جو روایات متصل ہیں اور ان سے روایت کی ہیں جن سے انہوں نے سماع کیا ہے وہ عمدہ اور حجت ہیں اور ان کی مرسل احادیث حجت نہیں ہیں (یہ محمد بن سعد کی رائے ہے' احناف اور مالکیہ کے نزدیک مرسل روایت مطلقاً مقبول ہے) اہل مکہ نے ان کی تعظیم کی اور مجاہد' عطاء' طاؤس اور عمرو بن شعیب نے کہا: ہم نے ان کی مثل کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۱۱۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے لکھا ہے:

یہ اپنے زمانہ میں بصرہ میں سید التابعین تھے' یہ فی نفسہ ثقہ تھے' علم اور عمل میں سردار تھے' بہت عظیم القدر تھے اور بہت تدلیس کرتے تھے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۸۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حسن بصری کو مدلس کہنا صحیح نہیں' دراصل یہ مرسل روایت بیان کرتے تھے' اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کا بھی ان کو مدلس کہنا صحیح نہیں ہے' وہ لکھتے ہیں:

حسن بصری ثقہ اور فقیہ تھے' ان کی مرسل روایات بہت ہیں اور وہ تدلیس کرتے تھے۔

(تقریب التہذیب ص ۱۶۶' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

العجلی نے کہا: وہ تابعی ثقہ ہیں اور رجل صالح ہیں' ابن حبان نے ان کا الثقات میں ذکر کیا ہے' انہوں نے ایک سو بیس صحابہ کو دیکھا' وہ تدلیس کرتے تھے' وہ اہل بصرہ میں سب سے زیادہ فصیح تھے' سب سے زیادہ حسین تھے' سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اور سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تدلیس کا لغوی اور اصطلاحی معنی

تدلیس کا لغوی معنی ہے: روشنی اور اندھیرے کا مختلط ہونا' بیچنے والے کا سودے کے عیب کو خریدار سے چھپانا' دھوکا دینا۔ سند میں تدلیس یہ ہے کہ محدث نے جس شیخ سے حدیث سنی ہو' اس شیخ کے کسی عیب کی وجہ سے اس کی طرف حدیث کا اسناد نہ کرے بلکہ اس سے اوپر کے شیخ کی طرف حدیث کا اسناد کرے جس کو اس نے دیکھا بھی ہو۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۲۸۶' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

اور تدلیس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

تدلیس الاسناد یہ ہے کہ محدث اپنے معاصر سے ایک حدیث روایت کرے جس سے اس نے اس حدیث کو نہ سنا ہو اور وہ یہ وہم ڈالے کہ اس نے اسی سے اس حدیث کو سنا ہے اور جس سے اس نے سنا ہے اس کے ضعیف یا اس کے کم عمر ہونے کی وجہ سے اس کی طرف اس حدیث کا اسناد نہ کرے تاکہ اس حدیث کی تحسین ہو۔

(تقریب النواوی مع تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳' مکتبہ علمیہ' مدینہ منورہ)

اور حدیث مرسل کی تعریف یہ ہے:

تابعی کبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا آپ نے یہ کام کیا۔ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۹۵)

واضح رہے کہ حدیث مرسل امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مطلقاً مقبول ہوتی ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اگر دوسرے قرائن سے مؤید ہو جائے تو مقبول ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

حضرت حسن بصری کے مدلس نہ ہونے پر دلائل

حضرت حسن بصری کے متعلق سب نے لکھا ہے کہ وہ عالم باعمل تھے اور اپنے زمانہ میں سب سے بڑے فقیہ اور سب سے زیادہ عبادت گزار تھے' سو ان کے متعلق یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ سند حدیث میں تدلیس کریں گے اور لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اپنی روایت کی نسبت اپنے شیخ الشیخ کی طرف کریں گے جس سے انہوں نے اس حدیث کو نہیں سنا ہو گا اور اپنے اس شیخ کی طرف اس حدیث کی نسبت نہیں کریں گے جس سے درحقیقت انہوں نے اس حدیث کو سنا ہو گا کیونکہ ان کے اس شیخ میں کوئی عیب ہو گا اور وہ اس حدیث کو رواج دینے کے لیے اس کی نسبت شیخ الشیخ کی طرف کر دیں گے تاکہ اس حدیث کا رواج ہو اور ظاہر ہے کہ یہ دھوکہ دہی ہے اور کسی متقی عالم دین سے ایسا کرنا متصور نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ایسے شخص سے جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فقیہ اور سب سے بڑا عابد ہو۔ لہٰذا حضرت حسن بصری کی طرف تدلیس کی نسبت کرنا باطل ہے' خواہ کسی نے بھی یہ نسبت کی ہو۔

البتہ حضرت حسن بصری کی مرسل روایات بہت ہیں اور حدیث مرسل وہ ہوتی ہے جس میں تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور درمیان میں کسی صحابی کو چھوڑ دے۔ علامہ ابوالحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے حسن بصری سے کہا کہ آپ ہم سے حدیث بیان کرتے ہیں اور کہتے تھے: "**قال رسول الله صلی الله علیه وسلم**" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) کاش! آپ یہ بھی بیان کرتے کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے؟ حسن بصری نے کہا: اے شخص! نہ ہم نے جھوٹ بولا ہے نہ ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو اصحاب تھے اور انہی میں سے کوئی شخص ہمیں نماز پڑھاتا تھا (یعنی اُن ہی صحابہ میں سے ہم نے احادیث سنی ہیں)۔

یونس بن عبید نے کہا کہ میں نے حسن بصری سے سوال کیا: اے ابوسعید! آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' حالانکہ آپ نے اُن کے زمانہ کو نہیں پایا۔ حسن بصری نے کہا: اے بھتیجے! تم نے مجھ سے اُس چیز کا سوال کیا ہے جو تم سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں کیا اور اگر میرے نزدیک تمہاری وہ وقعت نہ ہوتی جو ہے تو میں تمہیں نہ بتاتا' تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس زمانے میں ہوں اور یہ زمانہ حجاج کی عمل داری کا تھا اور ہر وہ حدیث جس میں تم مجھ سے یہ سنتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دراصل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے سنی ہوتی ہے' لیکن میں اُس زمانہ میں ہوں کہ حضرت علی کا نام زبان پر لانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۱۶' دار الفکر' بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن مدینی نے کہا کہ حسن بصری کی مرسلات جب اُن سے کوئی ثقہ راوی روایت کرے تو وہ صحیح ہیں اور بہت کم ایسا ہو گا کہ ان میں سے کوئی حدیث ساقط الاعتبار ہو۔ اور امام ابوزرعہ نے کہا کہ ہر وہ حدیث جس میں حسن بصری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں نے اس کی اصل ثابت پائی سوا چار احادیث کے اور امام محمد بن سعد نے کہا کہ حسن بصری

جامع' عالم' رفیع' فقیہ' ثقہ' مامون' عابد' ناسک' کثیر العلم' فصیح اور جمیل تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا روایت حدیث میں کتنا بلند مقام ہے اور منکرین حدیث نے ان کی بہ کثرت احادیث کو رد کرنے کے لیے یہ زہر پھیلایا ہے کہ وہ مدلس تھے اور ہم نے تفصیل سے اس کو اس لیے لکھا کہ عام لوگوں کو اس زہر آفرینی سے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو تو وہ دور ہو جائے اور حضرت حسن بصری کے دامن سے غبار ہٹ جائے اور قیامت کے دن حسن بصری ایسے فقیہ اور عابد و زاہد کے دامن سے گرد صاف کرنے کی وجہ سے ہمیں اُن کی شفاعت نصیب ہو اور ہماری مغفرت ہو:

احبّ الصالحین ولست منهم — لعل اللّٰه یرزقنی صلاحا

''میں صالحین سے محبت کرتا ہوں ہر چند کہ میں اُن میں سے نہیں ہوں' شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی صالحیت عطا فرما دے''۔

النجم: ۴۱۔۴۰ میں فرمایا: اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھا جائے گا O پھر اس کو پورا پورا عوض دیا جائے گا O

قیامت کے دن انسان کے گزشتہ اعمال دکھانے کی توجیہ

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان کا عمل سب کو دکھائے گا' پھر اس کے عمل کی اس کو پوری پوری جزاء دی جائے گی۔

اس آیت میں مؤمنین کے لیے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے نیک اعمال سب کو دکھائے گا تاکہ مؤمنین اپنی عزت افزائی سے خوش ہوں یا فرشتے اور تمام مخلوق قیامت کے دن مؤمنین کے نیک اعمال کو دیکھے گی اور اس سے مؤمنین خوش ہوں گے اور اپنے نیک اعمال پر فخر کریں گے اور کافر غم گین ہوں گے' کیونکہ ان کے بُرے اعمال کو ساری مخلوق دیکھے گی اور وہ رسوا ہوں گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو اعمال انجام دیئے جا چکے وہ گزرنے کے بعد فنا ہو گئے' ان کو کیسے دکھایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال کی جگہ حسین صورتیں دکھائی جائیں گی اور بُرے اعمال کی جگہ بُری اور ڈراؤنی صورتیں دکھائی جائیں گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو اور اس کے اعمال کو پیدا کرنے والا اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا' اسی طرح اس کے اعمال کو بھی دوبارہ پیدا کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سامنے اس کو بعید سمجھنا گم راہی اور جہالت کی بات ہے' کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کا پہلے کوئی تصور نہیں تھا' لیکن سائنس کی تیز رفتار ترقی کے باعث اب وہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہو چکی ہیں' پہلے یہ جاننے کا کوئی تصور نہیں تھا کہ خون کے ایک قطرہ میں کتنے ملی گرام گلوکوز ہے اور کتنے ملی گرام کولیسٹرول ہے' اب ایسی مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں جس سے ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ اس کے خون میں گلوکوز کی کتنی مقدار ہے اور کولیسٹرول کی کتنی مقدار ہے' خود میرے پاس ایسا میٹر ہے جس سے میں اپنا گلوکوز اور کولیسٹرول جانچتا رہتا ہوں' لیکن یہی بات اب سے آٹھ نو سو سال پہلے امام غزالی اور امام رازی کے زمانہ میں کہی جاتی تو اس پر کوئی یقین نہ کرتا۔ سائنس دان کہتے ہیں: ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں وہ آوازیں معدوم نہیں ہوئیں' وہ فضا میں موجود ہیں اور وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ گزشتہ آوازوں کو ریکارڈ کر کے لوگوں کو سنا سکیں اور جب گزشتہ آوازوں کو سنایا جا سکتا ہے تو پھر گزشتہ اعمال کو بھی دکھایا جا سکتا ہے' نیز یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ وڈیو کیمرے کے ذریعہ انسان کی آوازوں اور اس کے کاموں کو بعینہٖ اسی طرح دکھایا اور سنایا جاتا ہے تو جب انسان وڈیو کیمرے کے ذریعہ گزشتہ کام اور گزشتہ آوازیں دکھا اور سنا

سکتا ہے تو خالقِ کائنات وڈیو کیمرے کی وساطت کے بغیر انسان کے گزشتہ کام کیوں نہیں دکھا اور سنا سکتا' ہم اسباب اور واسطوں کے محتاج ہیں' خالق کائنات کسی سبب اور واسطے کے محتاج نہیں ہے۔

النجم: ۴۲ میں فرمایا: اور یہ کہ آخر کار آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے O

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے' کیونکہ ہر چیز کے سبب کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہو جاتی ہے' مثلاً زید کی پیدائش کا سبب اس کا باپ ہے' اور اس کے باپ کی پیدائش کا سبب اس کا باپ ہے اور اس کا سبب پھر اس کا باپ ہے اور یہ سلسلہ حضرت آدم تک پہنچے گا' اب سوال ہو گا کہ حضرت آدم کی پیدائش کا سبب کون ہے؟ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ ان کی پیدائش کا سبب ایسی ذات ہو جو فی نفسہٖ حادث اور ممکن نہیں ہے اور وہ ذات قدیم اور واجب ہے' وہ سب کے وجود کا سبب ہے اور اس کا سبب کوئی نہیں ہے کیونکہ وہ حادث اور ممکن نہیں ہے' قدیم اور واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ ذات واحد ہو کیونکہ اگر وہ ذات متعدد ہو تو ان متعدد ذوات میں قدم اور وجوب مشترک ہو گا اور چونکہ دو چیزیں بغیر باہم امتیاز کے نہیں ہو سکتیں اس لیے ہر ذات میں دو جز ہوں گے' ایک جز مشترک ہو گا اور ایک جز ممیز ہو گا' اور جس ذات کے دو جز ہوں وہ مرکب ہوتی ہے اور مرکب حادث اور ممکن ہوتا ہے' اس لیے جو ذات واجب اور قدیم ہو وہ واحد ہی ہو گی اور جو قدیم' واجب اور واحد ہو وہی اللہ عزوجل کی ذات ہے' اس لیے ہر چیز کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اور احادیث میں بھی اس دلیل کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا' فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا' حتیٰ کہ وہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا' جب وہ یہاں پر پہنچے تو تم شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور وہ رک جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سوال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب کوئی شخص ایسے سوال کو پائے تو وہ کہے کہ میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ اسی نے ہنسایا اور اسی نے رلایا O اور یہ کہ اسی نے مارا اور اسی نے زندہ کیا O اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے پیدا کیے O نطفہ سے' جب اس کو مادہ کے رحم میں ٹپکایا گیا O اور یہ کہ دوسری زندگی دینا اسی کے ذمہ ہے O اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور مال دیا O اور یہ کہ شعریٰ (ستارے) کا وہی رب ہے O اور یہ کہ اسی نے پہلی (قوم) عاد کو ہلاک کر دیا O اور (قوم) ثمود میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا O اور اس سے پہلے قوم نوح (کے کافروں) کو' بے شک وہ بہت ظالم اور بہت سرکش تھے O اور (قوم لوط کی) پلٹائی ہوئی بستیوں کو اوپر سے نیچے پھینک دیا O تو (سنگریزوں کی بارش نے) ان کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا O پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے گا O یہ پہلے عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں O قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے O اللہ کے سوا (وقت معین پر) اسے کوئی دکھانے والا نہیں ہے O تو کیا تم اس کلام پر تعجب کرتے ہو O اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O اور تم کھیل کود میں پڑے ہو O سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو O (النجم: ۶۲۔۴۳)

اللہ تعالیٰ کے ہنسانے اور رلانے کی توجیہات

ہر چند کہ انسان کسی سبب سے ہنستا ہے اور کسی سبب سے روتا ہے' لیکن یہ اسباب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہنستا ہے اور وہی رلاتا ہے' اس آیت میں اسباب ظاہرہ سے صرف نظر کر کے سبب حقیقی کی طرف اسناد فرمایا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر کے اس قول کا ذکر کیا کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے' اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں فرمایا کہ کسی کے رونے سے اللہ تعالیٰ مؤمن کو عذاب دیتا ہے' لیکن آپ نے یہ فرمایا تھا کہ بے شک اللہ کافر کے گھر والوں کے رونے سے کافر پر عذاب زیادہ کرتا ہے اور تمہارے لیے قرآن کی یہ آیت کافی ہے کہ'' کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔ (الفاطر: ۱۸' النجم: ۳۸) اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور اللہ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے ایسا خطبہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا' آپ نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اپنے چہروں کو چھپا لیا اور ان کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں' پھر ایک شخص نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: فلاں شخص ہے' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۱)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۹)

عطاء بن ابی مسلم نے اس کی تفسیر میں کہا: یعنی اس نے لوگوں کو خوش کیا اور غم زدہ کیا۔

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کو جنت میں ہنسایا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں رلایا۔

ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے زمین میں سبزہ اگا کر اس کو خوش کیا اور آسمان کو بارش برسا کر رلایا۔

ذوالنون مصری نے کہا: مؤمنین اور عارفین کو اپنی معرفت کے سورج سے ہنسایا اور کافروں اور بدکاروں کو ان کے گناہوں کی ظلمت سے رلایا۔

سہل بن عبد اللہ نے کہا: اطاعت گزاروں کو اپنی رحمت سے ہنسایا اور نافرمانوں کو اپنے غضب سے رلایا۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۵۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

النجم: ۴۶۔ ۴۴ میں فرمایا: اور یہ کہ اسی نے مارا اور اسی نے زندہ کیا O اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے پیدا کیے O نطفہ سے' جب اس کو مادہ کے رحم میں ٹپکایا O

موت اور حیات کی مختلف تعبیریں

یعنی اللہ نے موت اور حیات کے اسباب پیدا کیے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے کافر کو کفر کے ساتھ موت دی اور مؤمن کو ایمان کے ساتھ حیات دی' ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنے عدل سے

مارا اور اپنے فضل سے زندہ کیا' دینے سے منع کرنا اور بخل کرنا یہ موت ہے اور سخاوت اور خرچ کرنا حیات ہے' ایک قول یہ ہے کہ آباء پر موت طاری کی اور ابناء کو حیات دی' ایک قول یہ ہے کہ موت سے مراد خشک سالی اور قحط ہے اور حیات سے مراد فصلوں کی زرخیزی ہے' ایک قول یہ ہے کہ موت سے مراد نیند ہے اور حیات سے مراد بیداری ہے' ایک قول یہ ہے کہ مارنا دنیا میں ہے اور زندہ کرنا قیامت کے بعد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے نر اور مادہ پیدا کیے اور نطفہ سے مراد منی کا قطرہ ہے۔

النجم: ۴۸۔ ۴۷ میں فرمایا: اور یہ کہ دوسری زندگی دینا اسی کے ذمہ ہے O اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور مال دیا O

''اقنٰی'' کا معنی

یعنی قیامت کے بعد مردہ جسموں میں وہی روح ڈالے گا اور وہی جس کو چاہتا ہے خوش حال کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مال دیتا ہے۔

اس آیت میں ''اقنٰی'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''قنیہ'' ہے' اس کا معنی ہے: وہ مال جس کا ذخیرہ کیا گیا ہو' ایک قول ہے: ''اقنٰی'' کا معنی ہے: ''ارضی'' راضی کیا' اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رضا اور اطاعت کی دولت عطا کی' اور یہ سب سے بڑی خوش حالی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۳۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''قنٰی'' کا معنی ہے: مال حاصل کیا'' قناہ اللہ و اقناہ'' کا معنی ہے: اللہ نے اس کو راضی کیا۔

(القاموس المحیط ص ۱۳۲۶' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ابوزید سے روایت ہے کہ جس کو سو بکرے دیئے گئے' اس کو ''القنٰی'' دی گئی' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کو سکونت دی گئی اس کو اللہ نے غنی کر دیا اور ''قِنیة'' دی' اور سلیمان تیمی نے کہا کہ ''اغنی و اقنٰی'' کا معنی ہے: اللہ نے اس کو غنی کر دیا اور مخلوق کو اس کا محتاج کر دیا۔ سفیان نے کہا: اس کا معنی ہے: اس کو قناعت سے غنی کر دیا اور اس کو راضی کر دیا اور اخفش نے کہا: ''اقنٰی'' کا معنی ہے: اس کو فقیر اور محتاج کر دیا' ابن کیسان نے کہا: اس کو صاحب اولاد کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۱۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

''شعریٰ'' کا معنی اور مصداق

النجم: ۴۹ میں فرمایا: اور یہ کہ شعریٰ (ستارے) کا وہی رب ہے O

مجاہد نے کہا: شعریٰ ایک ستارہ ہے جو الجوزاء کے عقب میں ہے' زمانۂ جاہلیت میں مشرکین اس کی عبادت کرتے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۲۵۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ نے لکھا ہے: ''الشعریٰ'' ایک ستارہ ہے جو الجوزاء کے عقب سے طلوع ہوتا ہے' الغمیصاء اور العبور دو ستارے ہیں' ان میں سے ایک ''شعریٰ'' میں ہے' اس کا نام کلب الجبار ہے' قبیلہ خزاعة اس کی عبادت کرتا تھا' ان کا سردار ابوکبشہ تھا' اس نے اس ستارے کی عبادت کا طریقہ ایجاد کیا تھا اور قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوکبشہ کی مشابہت کی وجہ سے ابن ابی کبشہ کہتے تھے کہ جس طرح ابوکبشہ نے بتوں کی عبادت کے بجائے ستارہ ''شعریٰ'' کی عبادت کا طریقہ ایجاد کیا اسی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے طریقہ کی مخالفت کر کے' اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کا طریقہ ایجاد کیا۔ (الکشاف ج ۴ ص ۴۲۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

ابوسفیان نے کہا کہ ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھ کر جو کہنا تھا وہ کہا اور جب وہاں شور ہو گیا تو ہم لوگوں کو وہاں سے نکال دیا گیا' اس وقت میں نے اپنے اصحاب سے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے کا معاملہ بہت بڑھ چکا ہے' اب گوری چمڑی والوں کا بادشاہ بھی ان سے ڈرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۷)

النجم: ۵۵۔۵۰ میں فرمایا: اور یہ کہ اسی نے پہلی (قوم) عاد کو ہلاک کر دیاO اور (قوم) ثمود میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑاO اور اس سے پہلے قوم نوح (کے کافروں) کو' بے شک وہ بہت ظالم اور بہت سرکش تھےO اور (قوم لوط کی) پلٹائی ہوئی بستیوں کو اوپر سے نیچے پھینک دیاO تو (سنگریزوں کی بارش نے) ان کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیاO پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے گاO

سابقہ امتوں میں سے مکذبین پر عذاب نازل فرمانا

قوم عاد کی صفت ذکر فرمائی کہ وہ پہلی عاد ہے' کیونکہ وہ قوم ثمود سے پہلے تھی' ابن زید نے کہا کہ اس کو عاد اولیٰ اس لیے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جس قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا گیا وہ قوم عاد تھی اور امام ابن اسحاق نے کہا: عاد کی دو قومیں تھیں' پہلی قوم کو آندھی سے ہلاک کیا گیا اور دوسری قوم کو ایک زبردست چیخ کے عذاب سے ہلاک کیا گیا' ایک قول یہ ہے کہ عاد اولیٰ' عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح ہے' اور عاد ثانیہ عاد کی اولاد سے ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عاد ثانیہ وہ زبردست جسیم لوگ تھے جو حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھے۔

اور قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھے' ان کو ایک زبردست چیخ سے ہلاک کیا گیا' اغلب یہ ہے کہ یہی لوگ عاد ثانیہ تھے۔

اور عاد اور ثمود سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا گیا' ان کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بہت ظالم اور بہت سرکش تھے' کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے درمیان بہت طویل عرصہ تک قیام کیا' اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے' حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص اپنے بیٹے کو حضرت نوح کے پاس لے کر جاتا اور حضرت نوح کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے سے کہتا: ان سے بچ کر رہنا' یہ بہت جھوٹے ہیں' میرا باپ بھی مجھے ان کے پاس لے کر گیا تھا اور اس نے بھی مجھے یہی نصیحت کی تھی' ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر کفار مکہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں' ہر دور میں نبیوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو بلندی پر لے جا کر زمین پر الٹ کر پھینک دیا گیا تھا' حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو زمین کی بلندی سے پلٹ کر پھینک دیا تھا' پھر اوپر سے ان پر نشان زدہ کنکریاں برسائی گئیں' ان تمام واقعات کو سورۂ ھود میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

جب قریش مکہ' مکہ سے شام کا سفر کرتے تھے تو ان کو ان سابقہ امتوں پر عذاب کی نشانیاں نظر آتی تھیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے وہ شخص جو اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کرتا ہے تو اللہ کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرتا رہے گا" ان نشانیوں کو نعمتوں سے تعبیر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرنے والی نشانیاں بھی لوگوں کے لیے نعمت ہیں۔

النجم: ۶۲۔۵۶ میں فرمایا: یہ پہلے عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیںO قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہےO اللہ کے سوا (وقت معین پر) اسے کوئی دکھانے والا نہیں ہےO تو کیا تم اس کلام پر تعجب کرتے

ہو○ اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو○ اور تم کھیل کود میں پڑے ہو○ اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو○

ابن جریج اور محمد بن کعب نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں نذیر سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' یعنی جس طرح انبیاء سابقین اپنی اپنی امتوں کو عذاب آخرت سے ڈراتے رہے ہیں' اسی طرح اے قریشِ مکہ! میں بھی تم کو عذاب آخرت سے ڈرا رہا ہوں' اگر تم نے میری اطاعت کر لی تو فبہا ورنہ تم کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس سے پہلے کفار کو پہنچتا رہا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے اور جس طرح سابقہ کتابوں نے عذاب سے ڈرایا تھا اسی طرح قرآن مجید نے بھی آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

ابو مالک نے کہا: میں نے تم کو پچھلی امتوں کے جن واقعات سے ڈرایا ہے' اس کا ذکر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔

النجم: ۵۷ میں فرمایا: قریب آنے والی ساعت قریب آچکی ہے○

''ازفۃ'' کا معنی ہے: قریب آنے والی' یعنی اب قیامت کے وقوع کا وقت قریب آچکا ہے۔

النجم: ۵۸ میں فرمایا: اللہ کے سوا وقتِ معین پر اسے کوئی دکھانے والا نہیں ہے○

یعنی اللہ کے سوا کوئی اسے اپنے وقت سے مقدم یا مؤخر نہیں کر سکتا' قیامت کو ''غاشیۃ'' بھی فرمایا ہے کیونکہ وہ ہر چیز کو ڈھانپ کر اس کا احاطہ کرے گی۔ ''کاشفۃ'' کے آخر میں ''تا'' مبالغہ کے لیے ہے۔

النجم: ۵۹ میں فرمایا: تو کیا تم اس کلام پر تعجب کرتے ہو○

اس کلام سے مراد قرآن مجید ہے' پھر فرمایا: اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو○

یعنی تم قرآن مجید کی وعیدوں کا مذاق اڑاتے ہو' ہنستے ہو اور اس کی وعید سے خوف زدہ ہو کر روتے نہیں ہو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے نہیں تھے' صرف روتے تھے۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۵۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل الصفۃ نے کہا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پھر رونے لگے' حتیٰ کہ ان کی آنکھوں سے ان کے چہروں پر آنسو بہنے لگے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روتے ہوئے سنا تو آپ بھی رونے لگے تو پھر آپ کے رونے کی وجہ سے ہم اور روئے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خوفِ خدا سے رویا ہو وہ کبھی دوزخ میں داخل نہیں ہو گا اور جو شخص اللہ کی معصیت پر مصر ہو وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو گا اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے گا اور ایسی قوم لے آئے گا جو گناہوں پر استغفار کرے گی' اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور ان پر رحم فرمائے گا' بے شک وہ بہت مغفرت فرمانے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے اور میں ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کا چرچرانا برحق ہے' آسمان میں چار انگل بھی خالی جگہ نہیں' جس میں کوئی فرشتہ سر جھکائے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ میں نہ پڑا ہو اور اگر تم ان چیزوں کو جان لیتے جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور تم بستروں پر اپنی بیویوں سے لذت حاصل نہ کرتے اور تم جنگلوں میں نکل جاتے اور اللہ کو پکارتے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳)

النجم: ۶۱ میں فرمایا: اور تم کھیل کود میں پڑے ہو○

یعنی تم کھیل کود میں مشغول ہو اور قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے اعراض کر رہے ہو۔
عکرمہ نے بیان کیا کہ ''سمد'' کا معنی ہے: غنا' مشرکین جب قرآن مجید کو سنتے تو زور زور سے گاتے بجاتے تاکہ قرآن مجید کی تلاوت ان کو نہ سنائی دے۔
ضحاک نے کہا: ''سامدون'' کا معنی ہے: تکبر کرنے والے' جوہری نے ''صحاح'' میں لکھا ہے: جو شخص تکبر سے سر بلند کرے وہ ''سامد'' ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو لوگ نماز کے اوقات میں بیٹھے رہتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے اور نہ نماز کا انتظار کرتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: وہ امام کے کھڑے ہونے سے پہلے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
النجم: ۶۲ میں فرمایا: سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو O
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: اس آیت میں سجدہ سے مراد سجدۂ تلاوت ہے۔ سورۂ نجم کے تعارف میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت پر سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ وہاں پر موجود تمام مؤمنوں اور مشرکوں نے سجدہ کیا۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سجدہ سے مراد نماز کا سجدہ ہے' ان کے نزدیک یہ سجدہ عزائم سجود سے نہیں ہے اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے' اور صحیح پہلا قول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۱۴۔ ۱۱۳)

سورۃ النجم کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج بہ روز جمعرات' بعد از نمازِ عصر' مؤرخہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء' سورۃ النجم کی تفسیر ختم ہو گئی' اس سورت کو میں نے ۱۹ ستمبر کو شروع کیا تھا' اس طرح پچیس (۲۵) دن میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔
الہ العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی قرآن مجید کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں اور راقم الحروف' اس کے والدین' اس کے اساتذہ' احباب اور تلامذہ کی مغفرت فرما دیں' اس کتاب کو قیامت تک کے لیے مقبول اور وجۂ ہدایت بنا دیں اور اس کتاب کے مصنف' اس کے ناشر' معاونین اور تمام قارئین کی مغفرت فرما دیں۔
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین وازواجہ امہات المسلمین وعلی جمیع المسلمین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ القمر

سورت کا نام

اس سورت کا نام القمر ہے اور القمر کا ذکر اس آیت میں ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ (القمر:۱) قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا ○

چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا قیامت کی نشانی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے' شق القمر کے متعلق احادیث کا ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔

سورۃ القمر کا زمانہ نزول

جمہور کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے۔ مقاتل نے درج ذیل آیات کے متعلق کہا ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ○ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○ (القمر:۴۴-۴۶)

یا یہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہو گی ○ عنقریب اس جماعت کو شکست دے دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گی ○ بلکہ ان سے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت بہت سخت اور بہت کڑوی ہے ○

یہ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غزوۂ بدر کے دن نازل ہوئیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیات آپ پر پہلے نازل ہوئیں ہوں اور آپ نے صحابہ کے سامنے غزوۂ بدر کے دن ان کی تلاوت کی ہو۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۴ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۷ ہے' یہ سورت' الطارق کے بعد اور ص سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

شق القمر کے متعلق احادیث

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گواہ ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۸۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۱۵۵۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کوئی معجزہ دکھائیں تو پھر آپ نے ان کو چاند کا پھٹنا دکھا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۰۲)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ

کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف تھا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف تھا' لوگوں نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جادو کر دیا' پھر ان میں سے بعض لوگوں نے کہا: اگر انہوں نے ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں (یعنی مکہ سے باہر کے لوگوں) پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۹' مسند احمد ج ۴ ص ۸۱)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شق القمر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا' کیونکہ ''صحیح بخاری'' اور ''مسلم'' اور ''تفسیر ابن جریر'' میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ سلم سے سوال کیا کہ آپ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا' حتیٰ کہ انہوں نے حراء پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ہر طرف سے مکہ میں مسافرین آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کے متعلق احادیثِ صحیحہ بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے' ''شرح مواقف'' میں علامہ میر سید شریف نے لکھا ہے کہ یہ احادیثِ متواتر ہیں' اسی طرح علامہ سبکی نے ''مختصر ابن حاجب'' کی شرح میں لکھا ہے: اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا شق ہونا متواتر ہے' قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے اور احادیثِ صحیحہ میں اس کا بہ کثرت ذکر ہے۔

چاند کے شق ہونے کا واقعہ چاند کی چودھویں شب میں واقع ہوا' مشہور یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارکہ سے اشارہ کیا تو چاند شق ہو گیا لیکن میں نے اس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں دیکھا۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۱۷۔ ۱۱۳ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

البتہ امام ابونعیم الاصبہانی التوفی ۴۳۰ھ نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے' ان میں ولید بن مغیرہ' ابوجہل بن ہشام' العاص بن ہشام' العاص بن وائل' الاسود بن عبد یغوث' الاسود بن المطلب بن اسد بن عبد العزیٰ' زمعۃ بن الاسود' النضر بن الحارث وغیرہم تھے' پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں' اس کا نصف ابوقبیس (مکہ کا ایک پہاڑ) پر ہو اور اس کا نصف قعیقعان (مکہ کا دوسرا پہاڑ) پر ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم اس پر ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے اسی طرح دو ٹکڑے ہو گئے' ایک ٹکڑا ابوقبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء فرما رہے تھے: اے ابوسلمہ بن عبد الاسد اور اے الارقم بن ابی الارقم! گواہ ہو جاؤ۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۸۰۔ رقم الحدیث: ۲۰۹' دار النفائس' بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

شق القمر کی احادیث ''صحیح بخاری'' میں حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں' حضرت ابن عباس اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حضرت انس اس وقت مکہ میں حاضر نہیں تھے اور مدینہ میں اس وقت ان کی عمر چار یا پانچ سال تھی' سو ان کی احادیث مرسل ہیں اور اس پر محمول ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کے متعلق سنا تھا' اور ''دلائل النبوۃ'' میں جو حضرت ابن عباس کی حدیث ہے اس کی سند ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۷۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس کے علاوہ جن صحابہ سے شق القمر کی حدیث روایت ہے' انہوں نے ممکن ہے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شق القمر کو دیکھنے کی تصریح بھی کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۱)

واقعہ شق القمر پر اعتراضات کے جوابات

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے مکہ میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اور ان سے دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے منیٰ میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۶۹) اور ان میں تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ منیٰ بھی مکہ میں ہے' اس لیے ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

قدیم فلاسفہ نے چاند کے شق ہونے کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک چاند پہلے آسمان میں ہے اور آسمانوں میں خرق اور التیام محال ہے' اسی طرح ان کا شب معراج آسمان کے دروازوں کو کھلوانے پر بھی اعتراض ہے' اسی طرح انہوں نے قیامت کے دن سورج کے لپیٹے جانے پر بھی اعتراض کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہیں تو پہلے ان سے اسلام کے ثبوت پر مناظرہ کیا جائے گا اور اگر وہ مسلم ہیں تو جو چیز صریح قرآن سے ثابت ہے جیسے '' اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ '' (التکویر: ۱) اور '' اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ '' (القمر: ۱) اس کا انکار کرنے سے وہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر شق القمر ہوا ہوتا تو اس کو تمام دنیا کے لوگ دیکھتے اور اس کو نقل کرتے' اور اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ کے ساتھ مختص نہ ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ شق القمر رات کے وقت ہوا اور اس وقت اکثر لوگ سوئے ہوئے تھے اور اس زمانہ میں شاذ و نادر ہی لوگ آسمان کی طرف گھات لگا کر دیکھتے تھے اور کئی مرتبہ رات کو چاند گہن لگتا ہے اور بڑے بڑے ستارے ظاہر ہوتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ہی ان کو دیکھتے ہیں' اسی طرح چاند کا شق ہونا بھی رات کو وقوع پذیر ہوا' نیز ایک لحظہ کے بعد چاند کے دونوں ٹکڑے پھر جڑ گئے تھے' اس لیے اکثر لوگ اس کو نہیں دیکھ سکے اور چونکہ ایک لحظہ کے لیے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا' اس لیے کئی دیکھنے والوں نے اسے شدت حیرت کی وجہ سے نظر کے دھوکے پر محمول کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رات بعض علاقہ والوں کے لیے چودھویں ہو اور بعض دوسرے علاقہ والوں کے لیے وہ چودھویں رات نہ ہو۔

بعض لوگوں نے شق القمر کا اس لیے انکار کیا کہ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ عام لوگوں سے مخفی نہ رہتا کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا تعلق حس اور مشاہدہ سے ہے اور تمام لوگ اس کو دیکھ سکتے ہیں اور جو چیز عجیب و غریب ہو اس کو لوگ ضرور دیکھتے ہیں اور اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ ستاروں کے علم کی کتابوں میں ضرور درج ہوتا کیونکہ ان سب لوگوں کا اس کو ترک کرنے پر اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چاند کو شق کرنے کا واقعہ رات میں رونما ہوا' کیونکہ دن میں چاند کا ظہور نہیں ہوتا اور رات کو اکثر لوگ اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض صحرا میں سفر کرنے والے بیدار ہوتے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کسی اور کام میں مشغول ہوں' اور یہ واقعہ تو چشم زدن میں ہو گیا تھا اور یہ بہت بعید ہے کہ ستارہ شناس ہر وقت رصد گاہوں میں بیٹھ کر چاند کو تکتے رہیں اور کبھی غافل نہ ہوں اور یہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ واقعہ ہوا ہو تو اکثر لوگوں کو پتا نہ چلا ہو' اور اس واقعہ کو ان ہی لوگوں نے دیکھا جنہوں نے اس کے دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا اور یہ واقعہ تو صرف ایک لحظہ میں رونما ہو گیا تھا' اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ قرآن مجید کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ حد تواتر کو نہ پہنچے کیونکہ ہر نبی کا وہ معجزہ جو عامۃ الوقوع ہو اور اس کا ادراک حس اور مشاہدہ سے ہو سکتا ہو اور پھر قوم اس کی تکذیب کرے تو اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے اور

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے' اس لیے جس معجزہ کے ساتھ آپ نے دوسروں کو اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا وہ معجزہ عقلی تھا' اس لیے اس معجزہ کے ساتھ ان ہی لوگوں سے معارضہ کیا گیا جن کو زیادہ عقل اور فہم دی گئی تھی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ کسی ستارہ شناس نے اس کا اعتراف نہیں کیا کہ اس نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی ستارہ شناس نے یہ بھی نہیں کہا: اس نے چاند کے دو ٹکڑے نہیں دیکھے۔

اس واقعہ کو بہ کثرت صحابہ اور ان کے بعد تابعین نے روایت کیا ہے اور قرآن مجید میں اس کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے' اس کے علاوہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف میں لوگوں کو بھیجا تھا اور انہوں نے آ کر یہ خبر دی کہ انہوں نے چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا ہے کیونکہ مسافر رات کو چاند کی روشنی میں سفر کرتے تھے اور انہوں نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب آدمی کسی چیز کو قصداً دیکھنا نہ چاہے تو اس کو دیکھنے سے مانع بہت سی چیزیں ہو سکتی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے علاوہ تمام روئے زمین کے لوگوں کی نگاہوں کو اس واقعہ سے پھیر لیا ہو تا کہ یہ مشاہدہ اہل مکہ کے ساتھ خاص ہو جائے جیسا کہ اور بہت سے معجزات کے مشاہدہ کے ساتھ اہل مکہ خاص تھے اور دوسروں کو صرف ان کے بیان کرنے سے ان معجزات کا علم ہوا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ شق القمر کا معجزہ بہت عظیم معجزہ تھا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں ہے' کیونکہ یہ معجزہ اس عالم طبیعی سے خارج میں واقع ہوا اور کسی شخص کی دسترس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس معجزہ کی نظیر لا سکے لہٰذا اس معجزہ کے ساتھ نبوت کو ثابت کرنا بہت واضح ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸۱۔۵۸۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

سورۃ القمر کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کی توفیق پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اللہ العٰلمین! مجھے ایمان' اعمالِ صالحہ اور بدن کی صحت اور سلامتی کے ساتھ اس کے ترجمہ اور تفسیر میں وہی امور لکھنے کی ہدایت دینا' جو حق اور صواب ہوں اور غلط اور باطل باتوں سے بچائے رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۵۵ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۃ القمر مکی ہے　اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے　اس میں پچپن آیات، تین رکوع ہیں

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ

قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا○ اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور

يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٢ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ

کہتے ہیں: یہ تو وہ جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے○ انہوں نے تکذیب کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام

مُّسْتَقِرٌّ ۝٣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝٤ حِكْمَةٌ

اپنے وقت پر مقرر ہے○ بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں (شرک پر) سرزنش ہے○ (اس میں) انتہائی

بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝٥ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ

حکمت ہے سو ان کو عذاب سے ڈرانے نے کوئی فائدہ نہ دیا○ (اے نبی مکرم!) آپ ان سے اعراض کیجئے جس دن ایک

نُّكُرٍ ۝٦ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ

بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گا○ وہ خوف زدہ، آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ زمین پر پھیلے

مُّنْتَشِرٌ ۝٧ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٨

ہوئے ٹڈی دل ہیں○ وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے ہوں گے، کافر کہیں گے: یہ بہت سخت دن ہے○

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ

اس سے پہلے نوح کی قوم نے تکذیب کی سو انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی اور کہا: یہ دیوانہ ہے اور

ازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝١٠ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ

ان کو جھڑکا گیا○ سو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے○ سو ہم نے موسلا دھار بارش سے

بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝١١ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ

آسمانوں کے دروازے کھول دیئے○ اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لیے جمع ہو گئے جو

وقف لازم

قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا

ان کے (عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھی O اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا O جو ہماری آنکھوں کے

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾

سامنے چل رہی تھی ان کی سزا کے لیے جنہوں نے کفر کیا تھا O اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑا تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا

کوئی نصیحت قبول کرنے والا O عاد نے تکذیب کی تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O بے شک ہم نے ان

عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ

پر تیز و تند مسلسل چلنے والی آندھی منحوس دن میں بھیجی O جو ان کو اٹھا کر زمین پر

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ

اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں O پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O اور ہم

يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ ع

نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا O اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے O انہوں نے تکذیب کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام اپنے وقت پر مقرر ہے O بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں (شرک پر) سرزنش ہے O (اس میں) انتہائی حکمت ہے' سو ان کو عذاب سے ڈرانے نے کوئی فائدہ نہ دیا O (اے نبی مکرم!) آپ ان سے اعراض کیجئے' جس دن ایک بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گا O وہ خوف زدہ' آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ زمین پر پھیلے ہوئے ٹڈی دل ہیں O وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے ہوں گے' کافر کہیں گے: یہ بہت سخت دن ہے O

(القمر: ۸۔۱)

قیامت کے قریب آنے کے متعلق احادیث

القمر: ۱ میں فرمایا ہے: قیامت قریب آ گئی اور اس سے پہلے فرمایا تھا: قریب آنے والی ساعت قریب آ گئی ہے۔

(النجم: ۵۷) اور احادیث میں بھی قیامت کے قریب آنے کا ذکر ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مدت اتنی ہے جیسے عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کا وقت ہو۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۳‘ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۹۸‘ حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ "المعجم الصغیر" اور "المعجم الاوسط" کے راوی صحیح ہیں‘ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۱)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی مثل ساتھ ساتھ بھیجا گیا ہے‘ آپ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۸‘ حافظ الہیثمی نے کہا: "مسند احمد" کی سند صحیح ہے‘ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۲)

چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے متعلق ہم نے القمر کے تعارف میں احادیث لکھی ہیں اور چاند کے دو ٹکڑے ہونے پر اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں۔

مشرکین مکہ کا چاند کے دو ٹکڑوں کو دیکھ لینا

القمر: ۲ میں فرمایا: اور کافر اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیںO

اس آیت کے اس حصہ میں یہ دلیل ہے کہ مشرکین نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھ لیے تھے‘ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے‘ قریش نے کہا: یہ ابو کبشہ کے بیٹے کا جادو ہے‘ تم مسافروں سے سوال کرو‘ انہوں نے مسافروں سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: ہاں! ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں۔ (مسند ابوداؤد طیالسی رقم الحدیث: ۲۹۶) تب یہ آیت نازل ہوئی: اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

ہر شخص کا انجام اس کے اعمال کے اعتبار سے ہے

القمر: ۳ میں فرمایا: انہوں نے تکذیب کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام اپنے وقت پر مقرر ہےO

یعنی انہوں نے ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کی اور اپنی باطل خواہشوں کی پیروی کی اور ہر عمل کرنے والے کے عمل کے اعتبار سے اس کا ٹھکانا ہے‘ نیک عمل کرنے والوں کا ٹھکانا جنت میں ہے اور بُرے عمل کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں ہے۔

القمر: ۴ میں فرمایا: بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں (شرک پر) سرزنش ہےO

مشرکینِ مکہ کے پاس سابقہ امتوں کی ایسی خبریں آ چکی ہیں کہ جب وہ ایمان نہیں لائے تو انہوں نے کفر پر سرکشی اور ہٹ دھرمی کی اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر آسمانی عذاب آیا‘ اگر وہ ان خبروں پر غور کر لیتے تو اپنے کفر اور شرک سے باز آ جاتے۔

حکمت بالغہ کے محامل

القمر: ۵ میں فرمایا: (اس میں) انتہائی حکمت ہے‘ سو ان کو عذاب سے ڈرانے نے کوئی فائدہ نہ دیاO

یعنی اس قرآن میں انتہائی حکمت کی باتیں ہیں‘ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسولوں کو بھیجا اور توحید پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا اس میں انتہائی حکمت ہے اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر جو احکام نازل کیے ان میں انتہائی حکمت ہے‘ اور اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ قرب قیامت کی علامتوں میں

انتہائی حکمت ہے۔

اور یہ جوفرمایا ہے: ''سو ان کو عذاب سے ڈرانے نے کوئی فائدہ نہ دیا'' اس کے دو محمل ہیں:

(۱) عذاب سے ڈرانے والے جن رسولوں کو بھیجا گیا وہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں کو جبراً مؤمن بنا دیں' ان کو تو صرف تبلیغ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۔ (الشوریٰ:۴۸) پس اگر یہ آپ کی نصیحت سے روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو جبراً منوانے کے لیے نہیں بھیجا۔

آپ نے حکمت بالغہ کے ساتھ ان کو ہمارا پیغام پہنچا دیا اور اس آیت پر عمل کیا:

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۔ (النحل:۱۲۵) آپ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ ان کو اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے۔

(۲) آپ پر توحید کا پیغام پہنچانا جو فرض تھا اور اپنی رسالت پر معجزات کا اظہار جو فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا اور اہل مکہ نے آپ کی تکذیب کی اور تکذیب کرنے والوں پر جو آسمانی عذاب آتا ہے آپ نے اس سے ان کو ڈرایا اور اس سے انہوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور یہ حکمت بالغہ ہے' اس کے علاوہ آپ کے ذمہ کوئی اور چیز باقی نہیں ہے۔

بلانے والے کے مصادیق اور ناگوار چیز کے محامل

القمر:۶ میں فرمایا: (اے نبی مکرم!) آپ ان سے اعراض کیجئے' جس دن ایک بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گا O

جب کوئی شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے اور وہ اس کی نصیحت قبول نہیں کرتا تو وہ اس سے اعراض کر لیتا ہے' اسی اعتبار سے فرمایا: آپ ان سے اعراض کیجئے' اور یہ جو فرمایا: جس دن ایک بلانے والا ناگوار چیز کی طرف بلائے گا O اس بلانے والے کے متعلق مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں (۲) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں (۳) اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ قبروں سے نکلنے والے مردوں کو محشر کی طرف لے جائے۔

اور ناگوار چیز کے متعلق بھی کئی اقوال ہیں:

(۱) بلانے والا ان کو اس چیز کی طرف بلائے گا جس کا وہ دنیا میں انکار کرتے تھے' کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حشر ونشر کا انکار کرتے تھے۔

(۲) بلانے والا ان کو اس چیز کی طرف بلائے گا جو انجام کار ان کو دوزخ میں داخل کرنے کا باعث ہوگی اور وہ چیز ان کا حساب ہے یا حساب کے لیے محشر میں جمع ہونا ہے۔

قبر سے نکلنے والوں کی دو حالتیں

القمر:۷ میں فرمایا: وہ خوف زدہ' آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ زمین پر پھیلے ہوئے ٹڈی دل ہیں O

اس آیت میں خشوع کی نسبت بصر کی طرف کی ہے کیونکہ عزت اور ذلت کا دیکھنے والے کے دیکھنے کے انداز سے پتا چل جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ O (النّٰزعٰت:۹) جن کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی O

وَتَرٰىهُمۡ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا خٰشِعِيۡنَ مِنَ الذُّلِّ يَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِيٍّ ؕ (الشوریٰ: ۴۵) (اے مخاطب!) تو انہیں دیکھے گا ان کو دوزخ کے اوپر پیش کیا جائے گا وہ ذلت سے جھکے ہوئے ہوں گے اور کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ قبروں سے نکلتے وقت ٹڈی دل کی طرح ہوں گے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے:

يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ (القارعۃ: ۴) جس دن لوگ پروانوں کی طرح منتشر ہوں گے O

قبروں سے نکلنے والے انسانوں کی دو صفتیں ہوں گی' جس وقت وہ قبروں سے نکلیں گے تو وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے' ان پر وحشت طاری ہوگی' وہ ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہو جائیں گے' انہیں کچھ پتا نہیں چلے گا کہ وہ کس طرف جائیں' اس وقت وہ پروانوں کی طرح منتشر ہوں گے اور ان کی دوسری حالت ہوگی جب وہ بلانے والے کی آوازسنیں گے کہ وہ انہیں کس طرف بلا رہا ہے اور وہ اس طرف چلے جائیں گے اور اس وقت وہ ٹڈی دل کی طرح ہوں گے کیونکہ ٹڈیاں بھی کسی ایک سمت کا رخ کرتی ہیں۔

''مہطعین'' کا معنی

القمر: ۸ میں فرمایا: وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے ہوں گے' کافر کہیں گے: یہ بہت سخت دن ہے O

اس آیت میں ''مھطعین'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: دوڑتے ہوئے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: آگے بڑھتے ہوئے' قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: قصد کرتے ہوئے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: دیکھتے ہوئے۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: کسی آواز کی طرف کان لگاتے ہوئے اور یہ سب متقارب معانی ہیں ''ھطع'' اس وقت کہتے ہیں جب آدمی کسی چیز کو آگے بڑھ کر آنکھوں سے دیکھے اور پلک نہ جھپکائے اور ''اھطع'' اس وقت کہتے ہیں جب آدمی گردن موڑ کر سر نیچا کرے۔

اور قیامت کی ہولنا کیوں اور شدت کو دیکھ کر کافر کہیں گے: یہ دن بہت سخت ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

فَذٰلِكَ يَوۡمَئِذٍ يَّوۡمٌ عَسِيۡرٌ ۙ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ غَيۡرُ يَسِيۡرٍ ○ (المدثر: ۱۰۔۹) یہ بہت مشکل دن ہوگا O کافروں پر آسان نہیں ہوگا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس سے پہلے نوح کی قوم نے تکذیب کی' سو انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی اور کہا: یہ دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکا گیا O سو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے O سو ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے O اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لیے جمع ہو گئے جو ان (کے عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھی O اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا O جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی ان کی سزا کے لیے جنہوں نے کفر کیا تھا O اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑا' تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O (القمر: ۱۷۔۹)

حضرت نوح کو ہمارا بندہ کہنے اور تکذیب کا ذکر مکرر کرنے کی وجہ

القمر:۹ میں فرمایا: اس سے پہلے نوح کی قوم نے تکذیب کی' پس انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی O
اس آیت پر یہ سوال ہے کہ اس آیت میں تکذیب کرنے کا مکرر ذکر فرمایا ہے اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کے جواب میں امام رازی نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل مکہ نے چاند کے شق ہونے کے معجزہ اور توحید و رسالت کی دلیل ہونے کا انکار کیا اور اس سے پہلے نوح کی قوم نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا' پس انہوں نے ہمارے بندہ کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکا گیا' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی اور کہا: اللہ نے کوئی رسول نہیں بھیجا اور ان کے پیغامِ توحید کو جھٹلایا پس انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی جیسے ان کے غیر کی تکذیب کی' کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بتوں کی عبادت کرتی تھی اور جو بتوں کی عبادت کرتا ہے وہ رسول اور رسالت کا انکار کرتا ہے' کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ اس جہان کی پیدائش اور تربیت ستاروں کا کام ہے یہ اللہ کا کام نہیں ہے' خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے علی العموم رسولوں کی تکذیب کی اور بالخصوص حضرت نوح کی تکذیب کی' اس لیے دو مرتبہ ان کی تکذیب کا ذکر فرمایا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو ہمارا بندہ فرمایا' اسی طرح دیگر عباد صالحین کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف فرماتا ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''وَاذْكُرْ عَبْدَنَا'' (ص:۱۷) ہمارے بندہ (داؤد) کا ذکر کریں' اور حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا'' (یوسف:۲۴) بے شک وہ ہمارے بندوں میں سے ہیں' حالانکہ سارے انسان اللہ ہی کے بندے ہیں' خصوصاً ان بندوں کو ہمارا بندہ کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی عزت افزائی اور تشریف کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے: بیت اللہ اور ناقۃ اللہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اپنے آپ کو مغلوب فرمانے کی توجیہ

القمر:۱۰ میں فرمایا: سو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے O
حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے آپ کو حسبِ ذیل وجوہ سے مغلوب فرمایا:

(۱) کفار مجھ پر غالب آ گئے سو تو ان سے میرا بدلہ لے' یعنی وہ میرے عرصہ دراز کی تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لائے۔
(۲) کوئی نبی علیہ السلام اس وقت تک اپنی قوم کے خلاف دعاء ضرر نہیں کرتا جب تک اس کو ان کے ایمان لانے کی معمولی سی بھی امید ہو' پھر جب ایک مدت گزر جائے اور وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو جائے تو پھر ان کے خلاف دعاء ضرر کرتا ہے اور حضرت نوح ان کے ایمان لانے سے اس لیے مایوس ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ O آپ ان ظالموں کی مجھ سے سفارش نہ کریں' بے شک یہ غرق کیے جائیں گے O (المؤمنون:۲۷)

پس گویا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یوں دعا کی: اے میرے معبود! بے شک میرا نفس مجھ پر غالب آ گیا اور تو نے مجھے ان کے خلاف دعا کرنے کا حکم دیا ہے سو تو ان کو ہلاک کر دے' یعنی میں اپنی بشریت کے تقاضے سے مغلوب ہوں۔
اور تو میرا بدلہ لے' اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تیرا کفر کیا ہے اور تیری توحید کا انکار کیا ہے' لہٰذا تو اپنے لیے اور اپنے دین کی برتری کے لیے ان سے بدلہ لے۔

القمر:۱۱ میں فرمایا: سو ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے O

ایک بحث یہ ہے کہ اس آیت میں آسمان کے دروازوں سے مراد حقیقۃً آسمان کے دروازے ہیں یا یہ اطلاق مجازی ہے' سو اگر یہ مراد لیا جائے کہ حقیقۃً آسمان کے دروازے مراد ہیں تو اس میں بھی کوئی استبعاد اور اشکال نہیں ہے' کیونکہ آسمانوں کے دروازے ہیں اور اگر اس سے مجازاً مراد بادل لیے جائیں تب بھی درست ہے' جیسا کہ جب شدید بارش ہو تو کہا جاتا ہے کہ آسمان کے پرنالے بہہ رہے ہیں۔ نیز اس آیت میں ''ماء منهمر'' کے الفاظ ہیں' ''انهمار'' کا معنی ہے: زور سے پانی کا گرنا' یعنی بادلوں سے بہت زور اور شدت سے پانی برس رہا تھا۔

طوفان اور کشتی کی بناوٹ کی کیفیت

القمر: ۱۲ میں فرمایا: اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لیے جمع ہو گئے جو ان (کے عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھیO

اس آیت میں ''عیون'' کا لفظ ہے اس کا واحد ''عین'' ہے اور ''عین'' کا معنی آنکھ بھی ہے اور ''عین'' کا معنی چشمہ بھی ہے' یہاں اس سے مراد چشمہ ہے۔

اس آیت میں مراد یہ ہے کہ دونوں قسم کے پانی جمع ہو گئے' بارش کا پانی اور چشموں کا پانی' اوپر بادلوں سے پانی برس رہا تھا اور نیچے زمین سے چشمے ابل رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو ان (کے عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھی' اس میں نجومیوں کا رد ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ایک برج میں سات ستاروں کے جمع ہونے کی وجہ سے یہ عذاب آیا تھا۔

القمر: ۱۳ میں فرمایا: اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیاO

اس آیت میں ''دسر'' کا لفظ ہے' ''الدسر'' کا معنی ہے: کسی چیز کا دفع کرنا اور دھکا دینا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد کشتی کا اگلا حصہ ہے جس سے طوفان کی موجیں ٹکراتی تھیں' جوہری نے ''صحاح'' میں کہا ہے کہ ''دسر'' کا واحد ''دسار'' ہے اور اس سے مراد وہ رسے ہیں جن سے کشتی کے تختے باندھے جاتے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''دسر'' کا معنی میخیں ہے۔

القمر: ۱۴ میں فرمایا: جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی ان کی سزا کے لیے جنہوں نے کفر کیا تھاO

اللہ تعالیٰ کی صفات میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کا ذکر فرمایا ہے' ائمہ اربعہ اور دیگر متقدمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی آنکھیں بھی ہیں اور اس کے ہاتھ بھی ہیں' لیکن وہ ہماری طرح جسمانی اعضاء نہیں ہیں' بلکہ مخلوقات اور ممکنات میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (الشوریٰ: ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے جو ید' عین اور ساق وغیرہ کے الفاظ ہیں' ہم ان پر ایمان لاتے ہیں' ان کی نفی نہیں کرتے اور نہ ان میں کوئی تاویل کرتے ہیں' اس کے ہاتھ' آنکھیں اور پنڈلی ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں لیکن ممکنات اور مخلوقات میں ان کی کوئی مثال نہیں ہے' وہ جسم اور جسمانی اعضاء سے مبرأ' منزّہ اور پاک ہے۔

اور متاخرین علماء نے ان صفات میں تاویلات کیں' انہوں نے کہا: ''ید الله'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی قوت ہے' اور ''تجری باعيننا'' سے مراد ہے: وہ کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں چل رہی تھی۔

اس طوفان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سزا دی جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانتے تھے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اور جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے ان کو نجات دے دی۔

القمر: ۱۵ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑا' تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اس کشتی کو نشانی بنا کر چھوڑا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو ایک مدت تک بعینہا باقی رکھا' وہ کشتی جودی نام کے ایک جزیرہ پر ٹھہر گئی۔ '' وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ '' (ھود: ۴۴) وہ کشتی جودی پر ٹھہر گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے توحید پر ایمان لانے کی ترغیب کے لیے اور اپنی نافرمانی پر عذاب سے ڈرانے کے لیے فرمایا: تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

القمر: ۱۶ میں فرمایا: تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب پر تنبیہ کی ہے' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے مخاطبین نے تو وہ عذاب نہیں دیکھا پھر ان سے یہ کہنا کس طرح درست ہو گا کہ کیسا تھا میرا عذاب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس طوفان کا آنا پوری دنیا میں مشہور ہو چکا تھا اور اس شہرت کی بناء پر یہ فرمانا درست ہے کہ کیسا تھا میرا عذاب؟

اور فرمایا: کیسا تھا میرا ڈرانا' اس سے مراد ہے کہ رسولوں نے اللہ کے عذاب سے جو ڈرایا تھا اس کا انجام کیسا ہوا اور جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی ان پر عذاب آیا یا نہیں؟

قرآن مجید کے آسان ہونے کے محامل

القمر: ۱۷ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے' دنیا کی کسی کتاب کو حفظ کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا قرآن مجید کو حفظ کرنا آسان ہے۔

ایک دفعہ پنڈت رام چند حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے پاس گیا اور کہنے لگا: مجھے تمہارے '' قرآن مجید'' کے چودہ پارے حفظ ہیں' تم بتاؤ تمہیں ہمارا '' وید'' کتنا حفظ ہے؟ حضرت نے کہا: دوبارہ یہ بات نہ کہنا ورنہ بہت ذلیل ہو گے' اس نے کہا: تم باتیں نہ بناؤ اگر '' وید'' یاد ہے تو سناؤ' حضرت نے فرمایا: یہ تو میرے '' قرآن'' کا کمال اور اعجاز ہے کہ دشمن کے سینہ میں بھی چلا گیا اور یہ تمہارے '' وید'' کا نقص ہے کہ تمہیں خود بھی '' وید'' اتنا حفظ نہیں جتنا تمہیں '' قرآن'' حفظ ہے' یہ جواب سن کر پنڈت مبہوت ہو کر چلا گیا۔ اسی طرح '' تورات' زبور'' اور '' انجیل'' آسمانی کتابیں ہیں' لیکن دنیا میں ان میں سے کسی آسمانی کتاب کا کوئی حافظ نہیں ہے اور یہ صرف '' قرآن مجید'' کا اعجاز ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں اس کے بے شمار حافظ موجود ہیں۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید سے حصول نصیحت کو بہت آسان کر دیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں حکمت اور نصیحت کے بہت نکات ہیں۔

اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کو سن کر کانوں کو لذت ہوتی ہے اور اس میں علم آفریں نکات ہیں اور ان آیات کو سن کر خوف آخرت سے دل پگھل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عاد نے تکذیب کی تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈراناO بے شک ہم نے ان پر تیز وتند مسلسل چلنے والی آندھی منحوس دن میں بھیجیO جو ان کو اٹھا کر زمین پر اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیںO پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈراناO اور ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے' تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والاO (القمر: ۲۲۔۱۸)

ھود کی قوم کے بجائے عاد کا ذکر کرنے کی وجہ

القمر: ۱۸ میں فرمایا: عاد نے تکذیب کی اور یوں نہیں فرمایا کہ ھود کی قوم نے تکذیب کی' جیسے فرمایا تھا: نوح کی قوم نے تکذیب کی۔ (القمر: ۹' الشعراء: ۱۰۵) کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا کوئی عَلَم (نام) نہیں تھا' اس لیے اس قوم کی پہچان اور شناخت کے لیے اس کی حضرت نوح علیہ السلام کی طرف اضافت کی اور حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا عَلَم (نام) عاد تھا' اور علم سے جو تعریف اور پہچان حاصل ہوتی ہے وہ اضافت سے زیادہ قوی ہوتی ہے' مثلاً بیت اللہ کی بجائے کعبہ کہا جائے تو اس کی پہچان زیادہ قوی ہے' اسی طرح رسول اللہ کی جگہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جائے تو اس کی شناخت زیادہ قوی ہے' اس لیے یوں نہیں فرمایا کہ ھود کی قوم نے تکذیب کی بلکہ فرمایا: عاد نے تکذیب کی۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تھا: انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی' اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں تو کفار نے اپنے اپنے زمانہ میں ہر نبی کی تکذیب کی ہے مگر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کرنا زیادہ سنگین تھا کیونکہ ان کی قوم مسلسل ساڑھے نو سو سال تک ان کی تکذیب کرتی رہی' دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں عاد کا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے قصہ کے مقابلہ میں قدرے اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور دوسری مرتبہ جو فرمایا: تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا' یہ استفہام تعظیم کے لیے ہے۔

عاد پر آندھی کا عذاب بھیجنا

القمر: ۲۰۔۱۹ میں فرمایا: بے شک ہم نے ان پر تیز وتند مسلسل چلنے والی آندھی منحوس دن میں بھیجیO وہ ان کو اٹھا کر زمین پر اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیںO

اس آیت میں ''ریح صرصر'' کے الفاظ ہیں' قتادہ اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ بہت سخت ٹھنڈک والی آندھی تھی' ایک قول یہ ہے کہ وہ آندھی بہت گرج دار آواز کے ساتھ آئی تھی' اس کی تفصیل حٰمٓ السجدۃ: ۱۶ میں گزر چکی ہے' اور اس آیت میں فرمایا ہے: ''فی یوم نحس مستمر'' یعنی اس دن میں جو ان کے حق میں نحوست والا (بے برکت) ثابت ہوا' یا وہ خود اس دن کو منحوس کہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان پر آندھی کا عذاب بدھ کے دن آیا تھا اور وہ اس دن کو منحوس کہتے تھے' وہ اس مہینہ کا آخری دن تھا اور اس عذاب سے ان کے چھوٹے اور بڑے سب مر گئے' ''مستمر'' کا معنی ہے: دائم' یعنی ان پر وہ عذاب ان کے ہلاک ہونے تک جاری رہا۔

معین دنوں کے منحوس یا مبارک ہونے کی تحقیق

بعض روایات میں ہے کہ بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ایک قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ کر دیں اور فرمایا: بدھ کا دن ہمیشہ منحوس ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے' اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حیہ ہے' امام

دار قطنی نے کہا: یہ متروک ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۷۴)

اور بر تقدیر تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ بدھ کا دن کفار' فساق' فجار اور مفسدین پر منحوس ہوتا ہے اور مسلمانوں اور نیک لوگوں پر منحوس نہیں ہوتا' کیونکہ جن ایام میں عاد پر آندھی چل رہی تھی اور ان کو ہلاک کر رہی تھی ان ایام میں حضرت ھود علیہ السلام اور دیگر مؤمنین بھی موجود تھے اور ان کو ان ایام میں آندھی سے کوئی ضرر نہیں ہوا۔

پس واضح ہوا کہ یہ ایام صرف عاد کے حق میں منحوس تھے' انبیاء اور صالحین کے لیے منحوس نہیں تھے۔

نیز دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ (حٰم السجدۃ: ۱۶)

سو ہم نے ان پر تند و تیز آندھی منحوس ایام میں بھیج دی تا کہ انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھادیں۔

نیز عاد کے متعلق فرمایا:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ (الحاقۃ: ۷-۶)

اور عاد کو خوفناک آواز والی تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ۝ ان پر لگاتار سات راتیں اور آٹھ دنوں تک (اللہ نے) عذاب مسلط رکھا' سو تم دیکھتے یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں ۝

ان پر بدھ سے عذاب شروع ہوا اور اگلے بدھ تک جاری رہا اور ہفتہ کے تمام دنوں میں ان پر عذاب جاری رہا اور حٰم السجدۃ: ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام دنوں کو منحوس فرمایا' پس صرف بدھ کے دن کو منحوس قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں رہی' کیونکہ ان کے حق میں ہفتہ کے ساتوں دن منحوس (بے برکت تھے) اور تمام ایام کے منحوس ہونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے' پس واضح ہوگیا کہ یہ ایام صرف ان کے حق میں منحوس تھے نہ کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اتفاق سے کسی شخص کے گھر میں ہر منگل کے دن کوئی نہ کوئی مر جاتا ہو یا کسی شخص کو ہر منگل کے دن تجارت میں نقصان ہو جاتا ہو تو وہ منگل کے دن کو منحوس سمجھنے لگتا ہے' حالانکہ منگل کے دن کا منحوس اور بے برکت ہونا صرف ان لوگوں کے اعتبار سے ہے نہ کہ ساری دنیا کے لوگوں کے لیے' اسی طرح کسی اور شخص کے گھر میں ہر منگل کے دن ایک بیٹا پیدا ہوتا ہو اور ہر منگل کے دن اس کو تجارت میں غیر معمولی نفع ہوتا ہو تو وہ منگل کے دن کو سعد اور مبارک سمجھتا ہے' حالانکہ اس کا مبارک دن ہونا صرف اس کے اعتبار سے ہے' ساری دنیا کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دن کا سعد یا نحس ہونا ایک اضافی اور اعتباری چیز ہے اور کسی دن کے متعلق بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ منحوس ہو یا ہمیشہ مبارک ہو۔

القمر: ۲۲-۲۱ میں فرمایا: پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا ۝ اور ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ۝

رحمت کا غضب پر غالب ہونا

اس آیت کی تفسیر پہلے آ چکی ہے' امام رازی نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے' وہ یہ ہے کہ ''نذر'' کا لفظ ''نذیر'' کی جمع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے بہت بھیجے اور عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے' پس جہاں رحمت کا ذکر ہے وہاں جمع کا صیغہ ہے اور جہاں عذاب کا لفظ ہے وہ واحد ہے' پس عذاب کو واحد کے صیغے کے ساتھ ذکر کرنے اور ''نذیر'' کو جمع کے صیغہ کے ساتھ (نذر) ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ اس کا عذاب کم ہے اور اس کی رحمت بہت زیادہ ہے

اور اس کی رحمت اس کے عذاب پر غالب ہے" فبای آلاء ربکما تکذبان" میں "آلاء" جمع کا صیغہ ہے اور اس کا معنی نعمتیں ہیں اور اس آیت کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن میں تیس بار ذکر کیا ہے اور عذاب کا ذکر اس سورت میں صرف دو آیتوں میں ہے الرحمٰن: ۴۱ اور الرحمٰن: ۴۳ میں۔

اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا مختصر ذکر ہے اور ان کا تفصیلی ذکر سورۂ ہود میں ہے' زیادہ تفصیل سے جاننے کے لیے سورۂ ہود کی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوٓا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُۥٓ إِنَّآ

ثمود نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی O سو انہوں نے کہا: کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں! بے شک

إِذًا لَّفِى ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ أَءُلْقِىَ ٱلذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنۢ بَيْنِنَا بَلْ

پھر تو ہم ضرور گم راہی اور دیوانگی میں ہوں گے O کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے

هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ ٱلْكَذَّابُ ٱلْأَشِرُ ﴿٢٦﴾ إِنَّا

بلکہ وہ بہت بڑے جھوٹے' متکبر ہیں O عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے O ہم ان کی

مُرْسِلُوا۟ ٱلنَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَٱرْتَقِبْهُمْ وَٱصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ

آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں پس (اے صالح!) آپ (ان کے انجام کا) انتظار کیجئے اور صبر سے کام لیجئے O اور

أَنَّ ٱلْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا۟

آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم کیا ہوا ہے' ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہوگا O سو انہوں

صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ إِنَّآ

نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کونچیں کاٹ دیں O پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O بے شک

أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَكَانُوا۟ كَهَشِيمِ ٱلْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَ

ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے O اور

لَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۭ

بے شک ہم نے حصولِ نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O لوط کی قوم نے

بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّیْنٰهُمْ

عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی O بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آل لوط کے ہم نے ان

بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ

کو سحری کے وقت بچا لیا O یہ ہماری طرف سے احسان تھا اور ہم شکر کرنے والوں کو یونہی اجر دیتے ہیں O اور بے شک

اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ

لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں نے ان کے ڈرانے میں شک کیا O اور بے شک انہوں نے لوط سے

ضَیْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ

ان کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو O اور

صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾

بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصباح تباہ کر دیا O پس تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو O

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ ع

اور بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثمود نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی O سو انہوں نے کہا: کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں! بے شک پھر تو ہم ضرور گم راہی اور دیوانگی میں ہوں گے O کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے! بلکہ وہ بہت بڑے جھوٹے اور متکبر ہیں O عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے O

(القمر: ۲۶۔۲۳)

دنیا میں فقر اور تونگری حق اور باطل کا معیار نہیں

ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے انہوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی اور ان آیات کی تکذیب کی جن میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور یہ کہا کہ کیا ہم اپنی ہی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں اور اپنی پوری جماعت کے طریقہ کو چھوڑ دیں! پھر تو ہم ضرور گم راہی اور دیوانگی میں ہوں گے کیونکہ صرف ایک شخص کے طریقہ کی پیروی کرنا اور کثیر جماعت کے طریقہ کو چھوڑ دینا یہی صحیح اور درست راستہ سے بھٹکنا اور پاگل پن ہے۔

اس آیت میں "ضلال" کے بعد "سعر" کا لفظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "سعر" کا معنی جنون ہے جو اونٹنی پاگل ہو اس کو "ناقة مسعورة" کہتے ہیں نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا: "سعر" کا معنی عذاب ہے۔

اس کے بعد ثمود نے کہا: کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے یعنی آل ثمود میں صرف ان کو رسالت

کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے' حالانکہ آل ثمود میں (حضرت) صالح سے زیادہ خوش حال اور مال دار لوگ ہیں' پھر کہا: بلکہ وہ بہت بڑے جھوٹے' متکبر ہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ وہ اپنے دعویٰ کے مطابق رسول نہیں ہیں بلکہ وہ رسالت کا دعویٰ کر کے ناحق ہم پر اپنی بڑائی جتانا چاہتے ہیں۔ ''اشر'' کا معنی ہے: خوشی سے اترانے والا اور تکبر کرنے والا اور ایک قراءت میں لفظ ''اکشر'' ہے یعنی زیادہ شر والا اور زیادہ خبیث۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے''۔

کل کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ کل قیامت کے دن جب وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب دنیا میں ان کو عذاب دیا جائے گا اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ مکہ کے کافروں نے مسلمانوں پر اپنی برتری جتائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی اسی طرح رد فرمایا:

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ○ (مریم: ۷۳)

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں: بتاؤ ہم دو فریقوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے اور کس کی مجلس شان دار ہے ○

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ○ (مریم: ۷۵)

آپ کہیے: جو گم راہی میں ہوتا ہے اس کو رحمٰن خوب لمبی مہلت دیتا ہے' حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں گے جن کی وعید ان کو سنائی گئی تھی یا عذاب یا قیامت' پس عنقریب (اس وقت) ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون سا فریق بدتر مقام پر ہے اور کون سے فریق کا لشکر زیادہ کم زور ہے ○

قرآن کی آیات کے مقابلہ میں کفار مکہ فقراء مسلمین کا رؤساء مشرکین سے موازنہ کرتے تھے کہ دیکھو! ایک طرف عمار' بلال اور صہیب ہیں اور دوسری طرف نضر بن حارث اور عتبہ اور شیبہ ہیں' بتاؤ! ان میں کس کا بلند مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دنیا کا مال و دولت قابل فخر چیز نہیں ہے' جب قیامت کے دن تم دوزخ میں ہو گے اور فقراء مسلمین جنت میں ہوں گے پھر تم کو پتا چلے گا کہ کس کا مقام بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کی آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں پس (اے صالح!) آپ (ان کے انجام) کا انتظار کیجئے اور صبر سے کام لیجئے ○ اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم کیا ہوا ہے' ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہو گا ○ سو انہوں نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کونچیں کاٹ دیں ○ پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا ○ بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے ○ اور بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ○ (القمر: ۳۲-۲۷)

ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت

ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ اس چٹان سے زندہ اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے' حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے چٹان سے اونٹنی نکال دی تاکہ وہ حضرت

صالح علیہ السلام کا معجزہ ہو اور ان کے صدق پر دلیل ہو اور یہ اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش تھی کہ وہ اپنا فرمائشی معجزہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام سے فرمایا: "ہم ان کی آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں' آپ انتظار کیجئے اور صبر سے کام لیجئے"۔

ثمود اور اونٹنی کے درمیان پانی کی تقسیم

القمر: ۲۸ میں فرمایا: اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم کیا ہوا ہے' ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہو گاO

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جس دن ثمود پانی پیتے تھے اس دن اونٹنی بالکل نہیں پیتی تھی اور ان کو اپنا دودھ پلاتی تھی اور وہ بہت عیش و آرام میں تھے اور جس دن اونٹنی کی باری ہوتی تھی تو وہ سارا پانی پی جاتی تھی اور ان کے لیے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں بچتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم غزوۂ تبوک میں مقام حجر میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! معجزات کا سوال نہ کیا کرو' کیونکہ یہ صالح علیہ السلام کی قوم تھی جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے اونٹنی بھیج دے تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف اونٹنی بھیج دی' پس وہ اس راستہ سے آتی تھی اور اپنی باری پر ان کا تمام پانی پی جاتی تھی' اور اس دن وہ اس اونٹنی سے اتنا دودھ دوہ لیتے تھے جتنا وہ اس دن پانی پیتے تھے اور وہ اسی راستے سے واپس چلی جاتی تھی' پھر انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر ان کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا اور آسمان کے نیچے ان میں سے کوئی شخص نہیں بچا' سوا ایک شخص کے وہ اللہ کے حرم میں تھا' مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون شخص تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ ابو رغال تھا' جب وہ حرم سے نکلا تو اس پر بھی وہ عذاب آ گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۶ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ ص ۶۶۔ رقم الحدیث: ۱۴۱۶۰' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۴۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹۷' المستدرک ج ۲ ص ۳۴۱۔ ۳۴۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۶۵' شعیب الارنؤط نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔)

نیز اس آیت میں "محتضر" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کوئی شخص اس پر حاضر ہو جو اس کے لیے ہے۔ مقاتل نے کہا: پس اونٹنی پانی پر اپنی باری کے دن حاضر ہوتی اور جس دن ثمود پانی پر آتے' اس دن وہ غائب رہتی اور مجاہد نے کہا کہ ثمود جس دن پانی پر حاضر ہوتے' اس دن اونٹنی پانی پر نہیں جاتی تھی سو وہ پانی پیتے تھے اور جس دن اونٹنی پانی پر جا کر پانی پیتی' اس دن وہ اونٹنی کا دودھ دوہ کر اس کا دودھ پیتے تھے۔

ثمود کا اونٹنی کو ذبح کرنا

القمر: ۳۰۔ ۲۹ میں فرمایا: سو انہوں نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کونچیں کاٹ دیںO پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈراناO

یعنی انہوں نے اپنے ساتھی کو اس پر برانگیختہ کیا کہ وہ اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دے۔

امام محمد بن اسحاق نے کہا: پس وہ شخص اونٹنی کے آنے کے راستہ میں ایک درخت کی جڑ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا' پھر تاک کر اس کی پنڈلی کے پٹھوں میں تیر مارا' پھر تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور اس اونٹنی کو ذبح کر دیا اور اس اونٹنی کا بچہ پہاڑ کی چوٹیوں کی طرف بھاگ گیا اور وہیں غائب ہو گیا' پھر جب حضرت صالح علیہ السلام آئے اور انہوں نے دیکھا کہ اونٹنی کی

کونچیں کاٹ دی گئیں ہیں اور اس کو ذبح کر دیا گیا ہے تو وہ رونے لگے اور کہا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ دیا ہے' پس تمہیں اللہ سبحانہٗ کے عذاب کی بشارت ہو اور اس واقعہ کی پوری تفصیل سورۃ الاعراف میں بیان کی جا چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں' اس کا سرخ رنگ تھا اور اس کی نیلی آنکھیں تھیں اور اس کا نام قدار بن سالف تھا۔ القمر: ۳۰ کی تفسیر اس سے پہلی آیتوں میں گزر چکی ہے۔

ثمود پر عذاب کی کیفیت

القمر: ۳۲۔۳۱ میں فرمایا: بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑ بنانے والے کی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے O اور بے شک ہم نے حصولِ نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O

یہ حضرت جبریل کی چیخ تھی' اس کی تفصیل سورۂ ھود میں گزر چکی ہے' اس آیت میں ''ھشیم المحتضر'' کے الفاظ ہیں' ''حظیرۃ محظورۃ'' کے معنی میں ہے' اس کا لفظی معنی ہے: ممنوعہ چیز' رکاوٹ' یہ اس باڑ کو کہتے ہیں جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے' ''ھشیم'' کا معنی ہے: خشک گھاس یا کٹا ہوا خشک کھیت' اس آیت کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا چورا یا ریزہ ریزہ ہو گئے۔

القمر: ۳۲ کی تفسیر اس سے پہلی آیتوں میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوط کی قوم نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی O بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آل لوط کے ہم نے ان کو سحری کے وقت بچا لیا O یہ ہماری طرف سے احسان تھا' اور ہم شکر کرنے والوں کو یوں ہی اجر دیتے ہیں O اور بے شک لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں نے ان کے ڈرانے میں شک کیا O اور بے شک انہوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھو O اور بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصباح تباہ کر دیا O پس تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھو O اور بے شک ہم نے حصولِ نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا O

(القمر: ۴۰۔۳۳)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ

القمر: ۳۳ میں فرمایا: لوط کی قوم نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی O

یعنی جس طرح دیگر قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی' اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی حضرت لوط کی تکذیب کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کا بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھیجا تھا۔

القمر: ۳۴ میں فرمایا: بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آل لوط کے ہم نے ان کو سحری کے وقت بچا لیا O

اس آیت میں ''حاصب'' کا لفظ ہے' جوہری نے ''صحاح'' میں لکھا ہے: ''حاصب'' اس تیز ہوا کو کہتے ہیں جو کنکریاں برساتی ہے۔ (مختار الصحاح ص ۹۴) یعنی پہلے ان کی بستیوں کو پلٹ دیا گیا پھر ان پر کنکریوں کی بارش ہوئی۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ تیز ہوا نے ان پر کنکر برسائے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے فرشتوں سے ان پر نشان زدہ پتھر برسوائے' یا بھجوائے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ○ (الذّٰریٰت: ۳۲-۳۴)

فرشتوں نے کہا: بے شک ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے○ تاکہ ہم ان پر مٹی سے بنے ہوئے پتھر برسائیں○ جو پتھر آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں (یہ) ان کے لیے ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں○

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ ہوا جو کنکریاں اڑاتی اور برساتی ہے اس کو ''حاصب'' کہا جاتا ہے اس لیے اس آیت میں اس کا ہوا کی طرف اسناد فرمایا ہے اور چونکہ ہوا کو فرشتوں نے چلایا تھا اس لیے سورۃ الذّٰریت میں اس کا فرشتوں کی طرف اسناد فرمایا ہے اور فرشتوں نے ہوا کی کنکریوں پر نشان لگا دیئے تھے اور ہر شخص پر اسی کے حصہ کی کنکری جا کر لگتی تھی۔

آل لوط سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت لوط علیہ السلام کے دین پر تھے اور وہ صرف ان کی دو بیٹیاں تھیں' اللہ تعالیٰ نے سحری کے وقت ان کو بچا لیا تھا اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عذاب آنے سے پہلے اس بستی سے نکل گئی تھیں۔

القمر: ۳۵ میں فرمایا: یہ ہماری طرف سے احسان تھا اور ہم شکر کرنے والوں کو یوں ہی اجر دیتے ہیں○

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے مجرموں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل تھا اور ان کو اور ان کی بیٹیوں کو عذاب سے بچانا اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔

قوم لوط پر عذاب کی کیفیت

القمر: ۳۶ میں فرمایا: اور بے شک لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں نے ان کے ڈرانے میں شک کیا○

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس عذاب سے ڈرایا تھا جو انجام کار ان پر آ کر رہا' اور اللہ اور اس کے رسول کی وعید سچی ہوگئی۔

القمر: ۳۷ میں فرمایا: اور بے شک انہوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھو○

''راودوا'' کا معنی ہے: انہوں نے طلب کیا۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا بال احدکم فلیرتدلبوله موضعا.

جب تم سے کوئی شخص پیشاب کرے تو اس کے لیے جگہ کو طلب کرے (تلاش کرے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳)

علامہ خطابی نے کہا: یعنی کسی نرم اور سہل جگہ کو تلاش کرے جہاں پر پیشاب کرنے سے چھینٹیں نہ اڑیں۔

فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر آئے تھے' ان کی قوم کے اوباش لوگوں نے حضرت لوط سے کہا: ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کریں' اور وہ دروازہ توڑ کر حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں گھس گئے' حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے اوپر اپنا پر مارا' جس سے وہ سب اندھے ہوگئے' ایک روایت ہے کہ ان کی آنکھوں کی جگہ بالکل سپاٹ ہوگئی اور آنکھوں کی جگہ کوئی گڑھا نہ رہا' ایک قول یہ ہے کہ ان کی آنکھیں باقی رہیں لیکن ان کو نظر کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ عذاب چکھایا جس کی حضرت لوط علیہ السلام نے خبر دی تھی۔

القمر: ۳۸ میں فرمایا: اور بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصباح تباہ کر دیا○

یعنی وہ عذاب جو دنیا میں ان پر مسلسل جاری رہا اور اس عذاب میں ان کی بستی کے نچلے حصہ کو اوپر اور اوپر والے حصہ کو

نیچے کر دیا۔

القمر: ۳۹ میں فرمایا: پس تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھوO

یعنی وہ عذاب جس نے ان کو اندھا کر دیا تھا۔

القمر: ۴۰ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے حصولِ نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والاO

اس کی تفسیر پہلی آیتوں میں گزر چکی ہے۔

اس رکوع میں ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ مختصر طور پر ذکر فرمایا ہے اور سورۂ ہود میں اس کی بہت تفصیل ہے' جو'' تبیان القرآن'' کی پانچویں جلد میں ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ

اور بے شک آلِ فرعون کے پاس عذاب سے ڈرانے والے رسول آئےO انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کی تکذیب کی'

اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ

پس ہم نے ان کو غالب' بے حد قدرت والے کی شان سے پکڑ لیاO (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں

فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ

یا تمہارے پاس آسمانی کتاب میں نجات لکھی ہوئی ہےO یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت غالب رہے گیO عنقریب

وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى

ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گےO بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور

وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ

بہت تلخ ہےO بے شک مجرمین گمراہی اور عذاب میں ہیںO جس دن ان کو دوزخ

وقف لازم

فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ

میں اوندھا گھسیٹا جائے گا' (اور کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھوO بے شک ہم نے ہر چیز

خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ

اندازہ سے بنائی ہےO اور ہمارا کام تو بس ایک لحظہ کا ہے جیسے آنکھ جھپکناO اور بے شک

اَهۡلَكۡنَاۤ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَىۡءٍ فَعَلُوۡهُ فِى

ہم تم جیسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں' پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والاO اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے

الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيۡرٍ وَّكَبِيۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ

وہ سب' صحائف میں لکھا ہوا ہےO اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہےO بے شک متقین جنتوں

جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِىۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِيۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

میں اور دریاؤں میں ہوں گےO سچی عزت کے مقام میں بہت قادر بادشاہ کے پاس O

ع ۱۵ ۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک آل فرعون کے پاس عذاب سے ڈرانے والے رسول آئےO انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کی تکذیب کی' پس ہم نے ان کو غالب بے حد قدرت والے کی شان سے پکڑ لیاO (القمر: ۴۲۔۴۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مختصر قصہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو قبطیوں کے بادشاہ فرعون کے پاس آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا کہ اگر تم ایمان نہیں لائے تو تم کو دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا' انہوں نے ہمارے دیئے ہوئے ان تمام معجزات کا انکار کیا جو ہماری توحید اور ہمارے نبیوں کی رسالت پر دلالت کرتے تھے' وہ معجزات یہ تھے: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) خشک سالی اور قحط (۴) ان کے اموال کو تباہ و برباد کرنا (۵) طوفان (۶) ٹڈیاں نازل کرنا (۷) جوئیں نازل کرنا (۸) خون نازل کرنا (۹) اور مینڈک نازل کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ڈرانے والوں میں حضرت یوسف علیہ السلام' ان کے بیٹے' حضرت موسیٰ تک شامل ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ نے غالب بے حد قدرت والے کی شان سے پکڑ لیا' یعنی جس طرح چاہا ان کو سزا دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل قصہ سورۂ الاعراف' سورۂ ھود اور سورۂ طٰہٰ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے پاس آسمانی کتاب میں نجات لکھی ہوئی ہےO یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت غالب رہے گیO عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گےO بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہےO (القمر: ۴۶۔۴۳)

جنگ بدر میں کفار کی شکست کی خبر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو خطاب فرمایا ہے کہ تمہارے کافر سابقہ امتوں کے کفار سے مال و دولت اور جسمانی طاقت میں زیادہ بڑے ہیں یا تم نے سابقہ آسمانی کتابوں میں یا لوحِ محفوظ میں پڑھ لیا ہے کہ تم کو عذاب نہیں ہوگا' اس لیے تم اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہو یا تم کو اپنی عددی قوت اور اسلحہ کی زیادتی پر اتنا گھمنڈ ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ تم ناقابلِ تسخیر ہو اور تم کو شکست نہیں ہوگی' اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ عنقریب کفارِ مکہ شکست کھا جائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نہیں جانتا تھا کہ کافروں کی کون سی جماعت شکست کھائے گی' پھر میں نے دیکھا کہ جنگ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے دعا کر رہے تھے:

اے اللہ! بے شک قریش بڑے فخر اور تکبر کے ساتھ تیرے خلاف اور تیرے رسول کے خلاف جنگ کرنے آئے ہیں' پس تو ان کو ہلاک کر دے' پھر یہ آیت نازل ہوئی: "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝" ۔ (القمر: ۴۵)

(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۴۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۶۰۶۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۳۸۴' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۲۷)

اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کیونکہ آپ نے غیب کی خبر دی ہے اور اسی طریقہ سے واقع ہوا جس طرح آپ نے خبر دی تھی۔ حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں جس وقت بچی تھی اور کھیلتی تھی' اس وقت مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝ (القمر: ۴۶) بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ۝

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۶)

جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کی دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے دن اپنے خیمہ میں تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے: میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں' اے اللہ! اگر تو چاہے کہ آج کے بعد تیری کبھی عبادت نہ کی جائے (یعنی اگر مسلمانوں کی جماعت شکست کھا جائے) پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے اتنی دعا کافی ہے' آپ نے اپنے رب سے بہت زیادہ دعا کی ہے' اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے' پھر آپ یہ آیتیں پڑھتے ہوئے خیمہ سے باہر نکلے: "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝" ۔ (القمر: ۴۶۔۴۵)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۴۹۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۷۶' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۵۰' کتاب الاسماء والصفات ص ۱۴۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۷۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۷۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۹ طبع قدیم۔ ج ۵ ص ۱۶۵۔ رقم الحدیث: ۳۰۴۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمد بن بہادر الزرکشی متوفی ۷۹۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو زید کی روایت میں یہ دعا اس طرح ہے: اے اللہ! میں تجھ سے تیرے وعدہ کے پورا کرنے کا اور تیرے عہد کے ایفاء اور اتمام کا سوال کرتا ہوں اور یہ جو فرمایا ہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے۔ اس میں اللہ کے حکم اور اس کے فعل کو تسلیم کرنا ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ (تنقیح الزرکشی علی الجامع الصحیح ج ۳ ص ۱۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور اپنے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ تین سو انیس تھے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کی: اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر' اور تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا وہ عطا فرما: اے اللہ! اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو روئے زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی' آپ مسلسل یہ دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کی چادر آپ کے کندھے سے گر گئی' تب حضرت ابوبکر نے آپ کی چادر درست کی اور آپ سے لپٹ گئے اور کہا: آپ نے کافی دعا کر لی ہے' اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک مجرمین گم راہی اور عذاب میں ہیں ۝ جس دن ان کو دوزخ میں اوندھا گھسیٹا جائے گا' (اور کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھو ۝ بے شک ہم نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہے ۝ (القمر: ۴۹۔۴۷)

مسئلہ تقدیر

القمر: ۴۷ کا معنی ہے: کفار گم راہی اور دیوانگی میں ہیں' یا وہ دوزخ میں جل رہے ہیں۔
القمر: ۴۸ میں فرمایا: جس دن ان کو دوزخ میں اوندھا گھسیٹا جائے گا (اور کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھوO
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکینِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہوئے آئے' اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں: (ترجمہ) بے شک مجرمین گمراہی اور عذاب میں ہیںO جس دن ان کو دوزخ میں اوندھا گھسیٹا جائے گا' (اور کہا جائے گا:) دوزخ کا عذاب چکھوO بے شک ہم نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہےO (القمر: ۴۹۔۴۷)
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۰۔۲۱۵۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے' حتیٰ کہ عاجز ہونا اور قادر بھی تقدیر سے ہے۔'' صحیح مسلم'' رقم الحدیث: ۲۶۵۵ اور اس آیت میں بھی ہے: (ترجمہ) بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر (اندازہ) کے ساتھ پیدا کیا ہےO
(القمر: ۴۹)
اور اس آیت میں قدر (اندازہ) سے مراد معروف تقدیر ہے اور یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا اور اس کا فیصلہ کر دیا اور اس کا علم اور ارادہ اس چیز پر مقدم ہے اور اس آیت اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ تقدیر کا تعلق ہر چیز کے ساتھ ہے اور ہر چیز ازل میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھی اور اس نے اس کا ارادہ کیا ہوا تھا۔
(شرح نواوی علی صحیح مسلم ج ۱۰ ص ۶۷۱۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

تقدیر کے متعلق علماء اہل سنت کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:
اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر فرمایا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کو اشیاء کے بنانے سے پہلے اس کی مقدار اور اس کے احوال کا علم تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازل کے موافق اس چیز کو پیدا کیا' پس عالم علوی اور سفلی میں ہر چیز اس کے علم' اس کی قدرت اور اس کے ارادہ سے صادر ہوتی ہے اور اس میں مخلوق کو کوئی دخل نہیں ہے اور مخلوق کو صرف ایک قسم کا کسب حاصل ہوتا ہے اور مخلوق جو کسب کرتی ہے اور کام انجام دیتی ہے وہ ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق' اس کی قدرت اور اس کے الہام سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے' جیسا کہ قرآن اور سنت میں اس کی تصریح ہے اور منکرینِ تقدیر کا یہ قول باطل ہے کہ اعمال کو ہم خلق کرتے ہیں اور ہماری اجل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۳۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:
یعنی ہم نے ہر چیز کو تقدیر (اندازے) سے حکمت کے تقاضے پر مرتب کر کے پیدا کیا ہے یا ہر چیز کو اس کے وقوع سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے اور مقدر کر دیا ہے۔ (تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۴۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)
علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمود القونوی الحنفی المتوفی ۱۱۹۵ ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:
کیونکہ مخلوق اس معین اندازہ پر مبنی ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے جس حکمت پر تخلیق موقوف ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے کیونکہ علم کلام میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنی تخلیق میں حکمت کی رعایت رکھی ہے لیکن

حکمت کی رعایت اس پر واجب نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ حکمت اور مصلحت ہمیں معلوم ہو' کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ کفار کو پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے اور بدکاروں کے لیے دوزخ کو پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے' پس کفار اور دوزخ کو پیدا کرنے میں ضرور کوئی مصلحت ہے خواہ ہم کو وہ مصلحت معلوم نہیں ہے۔

علامہ بیضاوی کی دوسری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز کے واقع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے' پس مجرموں کی سزا کے متعلق بھی اس میں لکھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہمیں اس کا علم بھی ہے لیکن محض اس کے علم کی وجہ سے ان پر سزا واجب نہیں ہوگی' سزا تب واجب ہوگی جب وہ مجرم پیدا ہو جائیں گے اور اپنے اختیار سے کفر اور گناہ کبیرہ کریں گے' ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق قدیم ہے اور ان کے افعال کے وقوع کے ساتھ تعلق ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۳۳۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

تقدیر کے متعلق احادیث

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو اللہ کی تقدیر کا انکار کرتے ہیں' اگر وہ بیمار ہوں تو تم ان کی عیادت نہ کرنا اور اگر وہ مرجائیں تو تم ان کے جنازہ پر نہ جانا اور اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو تم ان کو سلام نہ کرنا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۲)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو فرقے ایسے ہیں کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے: مرجئہ اور قدریہ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۹' اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کہتے ہیں کہ نیکی اور بدی ہمارے اختیار میں ہے ان کو میری شفاعت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا' نہ میں ان سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہیں۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۰۷۴' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۳۸۸' اس حدیث کی سند غیر محفوظ ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس چیز پر عبد اللہ بن عمر قسم کھاتا ہے' وہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' اس کو ہمیں پیدا کرنے سے پہلے علم تھا کہ ہم اپنے اختیار اور ارادہ سے نیک کام کریں گے یا برے کام کریں گے' اسی اعتبار سے وہ ہم کو جزاء یا سزا دے گا' اس کے اسی علم سابق کا نام تقدیر ہے' گھڑی کا سیل بنانے والے انجینئر کو پیشگی علم ہوتا ہے' یہ سیل کتنی مدت تک کار آمد ہے اور اتنی مدت گزرنے کے بعد وہ سیل ختم ہو جاتا ہے اور دوا بنانے والے کیمسٹ کو پیشگی علم ہوتا ہے کہ یہ دوا کتنے عرصہ تک کار آمد رہے گی اور اس دوا کی شیشی پر اسی اعتبار سے اس کی میعاد ختم ہونے کی تاریخ لکھ دی جاتی ہے تو جب انجینئر کو سیل کی مدت کار کا پیشگی علم ہو سکتا ہے اور دوا بنانے والے کیمسٹ کو اس دوا کی مدت کار کا پیشگی علم ہو سکتا ہے تو خالق کائنات کو اس کائنات بنانے سے پہلے اس کا پیشگی علم کیوں نہیں ہوگا؟

مسئلہ تقدیر پر بہت شرح وبسط کے ساتھ ہم نے "شرح صحیح مسلم" ج ۷ ص ۲۶۹۔۲۶۰ میں لکھا ہے اور مسئلہ جبر وقدر پر بہت تفصیل کے ساتھ ہم نے الرعد: ۱۶ کی تفسیر میں "تبیان القرآن" ج ۶ ص ۷۶۔۷۱ میں لکھا ہے' جو قارئین اس مسئلہ کے

تمام پہلوؤں پر بحث دیکھنا چاہیں وہ ان مقامات کا مطالعہ کریں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہمارا کام تو بس ایک لحظہ کا ہے جیسے آنکھ جھپکناO اور بے شک ہم تم جیسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں' پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والاO اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب صحائف میں لکھا ہوا ہےO اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہےO بے شک متقین جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گےO سچی عزت کے مقام میں بہت قادر بادشاہ کے پاسO (القمر: ۵۵۔۵۰)
یعنی میں جس کام کا فیصلہ کر لیتا ہوں تو وہ آنکھ جھپکنے کی مثل بہت جلد ہو جاتا ہے' جوہری نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو خفیف نظر سے دیکھے تو کہا جاتا ہے: لَمَحَهٗ' اور اس کا اسم ''لمحة'' ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۵۰)
القمر: ۵۱ میں فرمایا: اور بے شک ہم تم جیسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیںO الایۃ
اس میں اہل مکہ کو ڈرایا ہے کہ پچھلی امتوں میں جو لوگ تمہاری طرح کافر تھے ہم ان کو اس سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں' سو تم بھی ان کے حال سے عبرت پکڑو اور کفر اور شرک سے باز آ جاؤ۔
القمر: ۵۲ میں فرمایا: اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب صحائف میں لکھا ہوا ہےO
یعنی پہلی امتوں نے جو کچھ نیک کام کیے تھے یا بُرے کام کیے تھے وہ سب لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں یا ان کے صحائف اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس میں بھی مسئلہ تقدیر پر دلیل ہے۔ یعنی لوحِ محفوظ میں وہ تمام کام پہلے سے لکھے ہوئے تھے جو کام انہوں نے اپنے اپنے وقت میں بعد میں کیے اور علم معلوم کے تابع ہے یعنی جو کچھ انہوں نے بعد میں کیا وہ پہلے سے لکھا ہوا ہے' ایسا نہیں ہے کہ جو کچھ پہلے سے لکھا ہوا تھا اسی کے مطابق انہوں نے کام کیے' کیونکہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا۔
القمر: ۵۳ میں فرمایا: اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہےO
یعنی ہر عمل کرنے والے کا کام خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا گناہ کبیرہ ہو' اس کے عمل کرنے سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے تاکہ اس کے کاموں پر جزاء یا سزا دی جائے۔
القمر: ۵۴ میں فرمایا: بے شک متقین جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گےO
اس سے پہلے کفار کا ذکر فرمایا تھا کہ مجرمین کو ان کے چہروں کے بل دوزخ میں گھسیٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کا مزا چکھو' اور اب متقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گے' وہ دریا پانی کے ہوں گے اور شراب طہور کے' اور شہد کے اور دودھ کے۔

''مقعد صدق'' کی تفسیر

القمر: ۵۵ میں فرمایا: سچی عزت کے مقام میں بہت قادر بادشاہ کے پاسO
سچی عزت کے مقام میں یعنی ایسی مجلس میں جس میں صرف سچی باتیں کی جائیں گی' نہ وہاں لغو بات ہوگی نہ گناہ کی بات ہوگی اور وہ جگہ جنت ہے' ایسے بادشاہ کے پاس جو ہر چیز پر قادر ہے۔
امام جعفر صادق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کی تعریف کی ہے' وہ صدق کی جگہ ہوگی سو اس جگہ صرف اہل صدق ہی ہوں گے۔
عبداللہ بن بریدہ نے کہا کہ اہل جنت ہر روز جبار تبارک وتعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گے اور اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے سامنے قرآن پڑھیں گے اور ہر انسان اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف مجالس میں بیٹھا ہوگا' وہ مجالس' موتی' یاقوت' زمرد'

سونے اور چاندی کی ہوں گی اور ان کی آنکھیں اور کسی چیز سے اتنی ٹھنڈی نہیں ہوں گی جتنی اللہ کے پاس حاضر ہونے سے ٹھنڈی ہوں گی' انہوں نے اس سے پہلے اتنی عظیم اور حسین چیز نہیں دیکھی ہوگی' پھر وہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر کے اپنی اپنی منزلوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔

خالد بن معدان بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ فرشتے قیامت کے دن مؤمنوں کے پاس آ کر کہیں گے: اے اولیاء اللہ! چلو' وہ کہیں گے: کہاں؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف' مؤمنین کہیں گے: تم ہمیں ہمارے مطلوب کے غیر کی طرف لے جا رہے ہو' فرشتے پوچھیں گے: تمہارا مطلوب کہاں ہے؟ مؤمنین کہیں گے: وہ سچی عزت کا مقام ہے بہت قادر بادشاہ کے پاس۔

سورۃ القمر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۷ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ/ ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۴ء بعد نماز عصر' سورۃ القمر کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو سورۃ القمر کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح آٹھ دن میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی اپنے فضل و کرم سے مکمل کرا دیں' اس تفسیر کو مقبول بنا دیں اور قیامت تک اس کو فیض آفریں رکھیں۔ اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور تلامذہ کی اور جملہ معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمائیں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک: ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ الرحمٰن

سورت کا نام

اس سورت کا نام الرحمٰن ہے' کیونکہ اس سورت کا پہلا لفظ الرحمٰن ہے' احادیث میں بھی اس سورت کا نام الرحمٰن آیا ہے' جس کو ان شاء اللہ ہم ابھی ذکر کریں گے' اس سورت کے نزول کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝ (الفرقان: ۶۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو' تو وہ کہتے ہیں: رحمٰن کیا ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس (کو سجدہ کرنے) کا آپ ہمیں حکم دے رہے ہیں؟ اور اس حکم نے ان کی نفرت میں مزید اضافہ کر دیا ۝

جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی' جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ یہ سورت سورۃ الحجر اور سورۃ النحل سے پہلے اور سورۃ الفرقان کے بعد نازل ہوئی ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۵ ہے۔

سورۃ الرحمٰن کے متعلق احادیث

عروۃ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس نے مکہ میں سب سے پہلے بہ آواز بلند قرآن مجید پڑھا' وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں' کیونکہ ایک دن صحابہ نے کہا کہ قریش نے آج تک کسی سے بہ آواز بلند قرآن مجید نہیں سنا' پس کون شخص ہے جو ان کو بلند آواز سے قرآن سنائے؟ حضرت ابن مسعود نے کہا: میں سناؤں گا۔ صحابہ نے کہا: ہمیں تمہارے متعلق خطرہ ہے' ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ان کو قرآن سنائے' جس کے پاس ان کے شر سے بچنے کے لیے مضبوط جتھا ہو' حضرت ابن مسعود نہیں مانے اور انہوں نے مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر پڑھا: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم. اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ '' (الرحمٰن: ۲۔۱) پر انہوں نے اپنی آواز بہت بلند کی' اس وقت قریش اپنی مجالس میں بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے کہا: ام عبد کے بیٹے! کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ وہی کلام پڑھ رہے ہیں جس کے متعلق (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ یہ کلام ان پر نازل کیا گیا ہے' پھر انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مارا پیٹا' حتیٰ کہ ان کا چہرہ سوج گیا۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۷۶' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۳۸' المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۸۷۔۶۷' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۳۔۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس گئے اور ان کے سامنے شروع سے آخر تک سورۃ الرحمٰن پڑھی' صحابہ خاموش رہے' آپ نے فرمایا: میں نے جنات سے ملاقات کی' تب یہ سورت جنات پر پڑھی تھی' انہوں نے تم سے اچھا جواب دیا تھا' جب بھی میں پڑھتا:

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ (الرحمٰن: ۱۳) (پس اے جنات اور انسانوں کے گروہ!) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

تو وہ کہتے: ''لا بشیء من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد'' اے ہمارے رب! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلائیں گے' پس تیرے لیے حمد ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۴' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کی ایک دلہن ہوتی ہے اور قرآن کی دلہن (سورۃ) رحمٰن ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۴۹۰۔ رقم الحدیث: ۲۴۹۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

النحاس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الرحمٰن مکہ میں نازل ہوئی۔

ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الرحمان مکہ میں نازل ہوئی۔

ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الرحمٰن مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۷ ص ۶۰۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الرحمٰن کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح سورۃ الرحمٰن کی آیات بھی چھوٹی چھوٹی ہیں اور ان کی تاثیر بہت قوی ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل ہیں اور نبوت اور وحی الٰہی پر دلائل ہیں' اور قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر ہے اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔

☆ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور آپ کو دنیا اور آخرت کی تمام چیزوں کی تعلیم دی' اور انسان کو یہ نعمت عطا فرمائی کہ وہ بیان کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتا ہے۔

☆ سورج' چاند' زمین پر اگی ہوئی بیلوں اور درختوں کو پیدا فرمایا' باغات میں پھلوں اور کھیتوں میں فصلوں کو پیدا فرمایا۔

☆ اس نے شیریں اور کھاری سمندر پیدا کیے اور اس میں سے موتیوں اور مرجان کو نکالا' جیسے زمین سے دانوں' فصلوں' پھولوں اور پھلوں کو نکالا۔

☆ پھر ایک دن یہ سارا جہان درہم برہم ہو جائے گا اور اللہ عزوجل کی ذات کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور ان کے علاوہ دنیا اور آخرت کی اور بہت نعمتوں کا ذکر فرمایا' جو اس کی قدرت اور وحدت پر دلالت کرتی ہیں۔

سورۃ الرحمان کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب! مجھ سے اس ترجمہ اور تفسیر میں وہ چیز لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو غلط اور باطل ہو اس سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' بلاک: ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۸ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ/ ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹ / ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الرحمٰن مکیۃ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آیاتہا ۷۸ رکوعاتہا ۳

سورۃ الرحمٰن مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھتر آیات، تین رکوع ہیں

اَلرَّحْمٰنُ ۝١ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝٢ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝٣ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝٤

رحمٰن نےO (اپنے رسول مکرم کو) قرآن کی تعلیم دیO انسان (کامل) کو پیدا کیاO اور ان کو (ہر چیز کے) بیان کی تعلیم دیO

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝٥ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝٦ وَالسَّمَآءَ

سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیںO اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اپنے تنے پر کھڑے ہوئے درخت سجدہ ریز ہیںO اور آسمان

رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝٧ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝٨ وَاَقِيْمُوا

کو بلند بنایا اور (عدل کی) ترازو بنائیO تاکہ تم تولنے میں بے انصافی نہ کروO اور انصاف

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝٩ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝١٠

کے ساتھ صحیح وزن کرو اور تول میں کمی نہ کروO اور اس نے لوگوں کے لیے زمین کو نیچے بنایاO

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝١١ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ

اس میں پھل ہیں اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں ہیںO اور بھوسے والا غلہ ہے اور

الرَّيْحَانُ ۝١٢ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٣ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

خوشبودار پھول ہیںO پس اے جن اور انس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟O اس نے انسان کو

صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝١٤ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝١٥

ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایاO اور جن کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیاO

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٦ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝١٧

سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟O وہی مشرقین کا رب ہے اور وہی مغربین کا رب ہےO سو تم دونوں

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٨ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝١٩ بَيْنَهُمَا

اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO اس نے (کھاری اور شیریں) دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیںO

بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا

ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ

ان سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اور سمندر

الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

میں پہاڑوں کی مانند اونچی چلنے والی کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رحمٰن نے O (اپنے رسول مکرم کو) قرآن کی تعلیم دی O انسان (کامل) کو پیدا کیا O اور ان کو (ہر چیز کے) بیان کی تعلیم دی O (الرحمٰن: ۴۔۱)

رحمٰن کا معنی اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونا

لفظ 'اللہ' اس ذات کا علم (نام) ہے جو واجب اور قدیم ہے اور تمام کائنات کا خالق اور رب اور مستحق عبادت ہے' بعض علماء نے کہا ہے کہ لفظ رحمٰن بھی اسی طرح اس ذات کا علم (نام) ہے' قرآن مجید میں ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) آپ کہیے کہ تم اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر' تم اس کو جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ الرحمٰن فی نفسہٖ صفت ہے' لیکن یہ لفظ اللہ کے ساتھ اس طرح مخصوص ہے کہ گویا کہ اس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر رحمٰن کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے' عبد اللہ اور عبد الرحمان نام رکھنا مستحب ہے اور جس کا نام عبد الرحمان ہو اس کو خالی رحمان کہنا جائز نہیں ہے' جس کا نام عبد الرحمٰن ہو بعض لوگ اس کو رحمان صاحب کہتے ہیں' یہ بھی اسی طرح جائز نہیں ہے' جس طرح کسی کو اللہ صاحب کہنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دو رحمتیں ہیں' ایک رحمت سابقہ ہے اور ایک رحمت لاحقہ ہے' رحمت سابقہ کے تقاضے سے اس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور رحمت لاحقہ کے تقاضے سے اس نے مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد ان کو رزق دیا اور دوسری وہ تمام نعمتیں دیں جن کی وجہ سے مخلوق کا اس دنیا میں گزر بسر ہو سکے' پس اللہ تعالیٰ رحمت سابقہ کے اعتبار سے رحمٰن ہے اور رحمت لاحقہ کے اعتبار سے رحیم ہے' اور چونکہ مخلوق کو پیدا کرنے میں وہ منفرد ہے اور واحد لاشریک ہے' اس لیے اس کا رحمان ہونا بھی منفرد ہے اور وہ رحمان ہونے میں واحد لاشریک ہے' اور اللہ کا معنی ہے: جو واجب اور قدیم ہو اور تمام مخلوق کی عبادت اور اطاعت کا مستحق ہو' اس اعتبار سے اللہ منفرد ہے اور واحد لاشریک ہے' اسی طرح رحمٰن کا معنی ہے: جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور اس اعتبار سے وہ رحمٰن ہونے میں منفرد ہے اور واحد لاشریک ہے' اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اللہ کہنا جائز ہے نہ رحمٰن کہنا جائز ہے' اور چونکہ بعض

نیک بندے بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور جو بے لباس ہوں ان کو لباس دیتے ہیں اور ضرورت مندوں کو خرچ دیتے ہیں' اس لیے ان کو رحیم کہنا جائز ہے' نیز رحمٰن کا معنی ہے: جو بالذات رحم کرے اور بلاغرض اور بلاعوض رحم کرے اور اللہ کے نیک بندے اگر کسی پر رحم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے رحم کرتے ہیں' بالذات رحم نہیں کرتے اور اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو دنیا میں اپنی تحسین کی غرض سے یا آخرت میں ثواب کے عوض دیتے ہیں' بلاغرض اور بلاعوض نہیں دیتے' اس لیے وہ رحیم تو ہو سکتے ہیں رحمٰن نہیں ہو سکتے' نیز رحمٰن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ حروف ہیں اس لیے رحمٰن میں رحیم کی بہ نسبت رحم کا زیادہ معنی ہے' اس لیے وہ دنیا میں کافروں اور مؤمنوں دونوں پر رحم فرماتا ہے اور آخرت میں صرف مؤمنوں پر رحم فرمائے گا' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں رحمٰن ہے اور آخرت میں رحیم ہے۔

رحمٰن نے جس کو قرآن کی تعلیم دی' اس کے محامل

الرحمٰن: ۲ میں فرمایا: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی O

''عَلَّمَ'' فعل متعدی ہے اور اس کا معنی اس وقت مکمل ہوگا جب اس کے مفعول کا ذکر کیا جائے کہ رحمٰن نے کس کو قرآن کی تعلیم دی' مفسرین نے اس کے حسب ذیل محامل ذکر کیے ہیں:

(۱) علامہ الماوردی التوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابن جوزی التوفی ۵۹۷ھ' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی التوفی ۷۵۴ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے: اس سے مراد ہے: رحمٰن نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تعلیم دی اور آپ نے اپنی تمام امت کو اس کی تبلیغ کی۔

(۲) دوسرا محمل یہ ہے کہ رحمٰن نے حضرت جبریل اور تمام فرشتوں کو قرآن کی تعلیم دی۔

(۳) تیسرا محمل یہ ہے کہ رحمٰن نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دی۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۴۲۳' زاد المسیر ج ۸ ص ۱۰۶' تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۳۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۰' البحر المحیط ج ۱۰ ص ۵۴' روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۵۰)

نیز علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے کہا: رحمٰن کیا چیز ہے؟ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہل مکہ نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک بشر تعلیم دیتا ہے اور وہ یمامہ کا رحمان ہے' اس سے ان کی مراد مسیلمہ کذاب تھی' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: ''الرحمن O علم القران O''۔

زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: رحمٰن نے یاد کرنے کے لیے اور پڑھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے' جیسا کہ فرمایا ہے: ''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ'' (القمر: ۱۷)۔

''انسان'' اور ''بیان'' کے محامل

الرحمٰن: ۴۔۳ میں فرمایا: انسان (کامل) کو پیدا کیا O اور ان کو (ہر چیز کے) بیان کی تعلیم دی O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ اور حسن نے بیان کیا: یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو ہر چیز کے اسماء کی تعلیم دی' اور ایک قول ہے: ان کو تمام لغات سکھا دیں' نیز حضرت ابن عباس اور ابن کیسان سے روایت ہے کہ انسان سے مراد یہاں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بیان سے مراد ہے: حلال اور حرام کا بیان اور ہدایت کا گم راہی سے بیان' ایک قول ہے: اس سے مراد ہے: ''ما کان وما یکون'' کا بیان کیونکہ آپ نے تمام اولین اور آخرین اور روزِ قیامت کی خبریں دی ہیں' ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے: خیر اور شر کا بیان' ربیع بن انس نے کہا: نفع دینے والی اور نقصان دینے والی چیزوں کا بیان۔

ایک قول یہ ہے کہ ''الانسان'' سے مراد ہے: جنس انسان اور اس سے تمام انسان مراد ہیں اور اس تقدیر پر بیان سے مراد ہے: کلام کرنا اور سمجھنا اور اسی خصوصیت کی بناء پر انسان کو تمام جانداروں پر فضیلت دی گئی ہے۔ سدی نے کہا: ہر قوم کو اس کی زبان سکھا دی جس زبان میں وہ بات کرتی ہے اور اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ قلم سے لکھنا سکھایا O انسان (کامل) کو وہ سب سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا O (العلق: ۵۔۴)

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۷۷، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۱، فتح القدیر للشوکانی ج ۵ ص ۱۷۴، فتح البیان ج ۶ ص ۴۹۴۔۴۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں O اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اپنے تنے پر کھڑے ہوئے درخت سجدہ ریز ہیں O اور آسمان کو بلند بنایا اور (عدل کی) ترازو بنائی O تاکہ تم تولنے میں بے انصافی نہ کرو O (الرحمٰن: ۸۔۵)

سورج اور چاند کے حساب سے چلنے میں مفسرین کے اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور ابو مالک نے کہا: سورج اور چاند اپنی اپنی مقررہ منازل میں ایک حساب سے چل رہے ہیں، وہ ان منازل سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ ان سے انحراف کرتے ہیں۔

ابن زید اور ابن کیسان نے کہا: ان کی گردش اور ان کی رفتار سے اوقات، مدتوں اور عمروں کا حساب کیا جاتا ہے اور اگر دن اور رات نہ ہوں اور سورج اور چاند نہ ہوں تو کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ وہ کیسے حساب کرے گا۔

سدی نے کہا: وہ اپنی مدت کے حساب سے چل رہے ہیں جیسے لوگ اپنی مدت عمر کے حساب سے جیتے ہیں اور جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی تو وہ ہلاک ہو جائیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ (الرعد: ۲) ہر ایک اپنی میعاد معین تک چل رہا ہے۔

اس کی زیادہ تفصیل یٰس: ۳۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

''النجم'' سے مراد بیلیں ہیں یا ستارے اور ان کے سجدہ کرنے کی توجیہ

الرحمٰن: ۶ میں فرمایا: اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اپنے تنے پر کھڑے ہوئے درخت سجدہ ریز ہیں O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: نجم ان نباتات کو کہتے ہیں جن کا تنا نہ ہو، جیسے انگور، خربوزے اور تربوز کی بیلیں۔

''نجم ینجم'' کا معنی ظاہر ہونا اور طلوع ہونا ہے اور ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کے سایوں کا سجدہ کرنا ہے۔ فراء نے کہا: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو درختوں اور بیلوں کا منہ سورج کی طرف ہوتا ہے، پھر ان کے سائے جھکتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کے سائے معدوم ہو جاتے ہیں۔ زجاج نے کہا: ان کے سجدوں سے مراد یہ ہے کہ ان کے سائے ان کے ساتھ ساتھ گھومتے رہتے ہیں۔

حسن اور مجاہد نے کہا: اس آیت میں نجم سے مراد آسمان کے ستارے ہیں اور ستاروں کے سجدوں سے مراد ان کا غروب ہونا ہے، درخت کے سجدہ کرنے سے مراد ان کے پھلوں کا جھکنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے مسخر کی ہوئی ہیں، سو تم نہ صابئین کی طرح ستاروں کی پرستش کرو اور نہ ہندوؤں کی طرح درختوں کی عبادت کرو۔

امام قشیری نے کہا: سجود سے مراد خضوع اور عاجزی کا اظہار ہے اور یہ حادث ہونے کی علامت ہے۔

النحاس نے کہا: سجود کا اصل معنی اطاعت اور فرماں برداری کرنا ہے اور اس کے حکم کے سامنے سر اطاعت خم کرنا ہے اور تمام جمادات اور نباتات اس کے احکام کی تعمیل کر رہے ہیں' اسی طرح حیوانات بھی غیر اختیاری طور پر اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔

میزان کے متعلق مفسرین کے اقوال

الرحمٰن: ۷ میں فرمایا: اور آسمان کو بلند بنایا اور (عدل کی) ترازو بنائیO

مجاہد' قتادہ اور سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے زمین میں عدل کو رکھا جس کا اس نے حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شریعت کو مقرر کرنا ہی عدل کا حکم دینا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ میزان رکھنے سے مراد قرآن مجید کو نازل کرنا ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ان تمام چیزوں کا بیان ہے جن سے عادلانہ معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

حسن اور قتادہ سے یہ بھی مروی ہے کہ میزان سے مراد ترازو ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت کی میزان ہے جس میں نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جائے گا۔

طغیان کا معنی

الرحمٰن: ۸ میں فرمایا: تاکہ تم تولنے میں بے انصافی نہ کروO

اس آیت میں ''الّا تطغوا'' کا لفظ ہے' یہ ''طغیان'' سے بنا ہے' اور ''طغیان'' کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا' پس جس نے کہا ہے کہ میزان سے مراد عدل ہے تو اس کے نزدیک طغیان سے مراد عدل سے تجاوز کرنا اور بے انصافی ہے اور جس نے کہا: عدل سے مراد ترازو ہے تو طغیان سے مراد کم تولنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: جس کے لیے تم وزن کرو تو اس سے خیانت نہ کرو اور جس نے کہا کہ میزان سے مراد حکم ہے تو اس کے نزدیک اس سے مراد تحریف ہے' یعنی اللہ کے احکام میں تحریف نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انصاف کے ساتھ صحیح وزن کرو اور تول میں کمی نہ کروO اور اس نے لوگوں کے لیے زمین کو نیچے بنایاO اس میں پھل ہیں اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں ہیںO اور بھوسے والا غلّہ ہے اور خوشبودار پھول ہیںO پس اے جن اور انس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO (الرحمٰن: ۱۳۔۹)

وزن صحیح کرنے کے حکم کی تکرار کی توجیہ

الرحمٰن: ۹ میں بھی انصاف کے ساتھ وزن کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ترازو کی ڈنڈی کو درستی کے ساتھ پکڑ کر رکھو اور انصاف سے وزن کرو۔

ابوعیینہ نے کہا: وزن درست کرنے کا تعلق ہاتھ کے ساتھ ہے اور انصاف کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔

مجاہد نے کہا: ''القسط'' کا معنی رومی زبان میں عدل ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ وزن قائم کرنے کا معنی اس طرح ہے جیسے کسی شخص نے کہا: فلاں شخص نے نماز قائم کی' یعنی نماز کو اس کے وقت میں پڑھ لیا' یا جیسے کسی نے کہا: لوگوں نے بازار کو قائم کیا' یعنی وہ وقت پر بازار میں گئے' سو اس کا معنی ہے: عدل کے ساتھ وزن کرنے کے معاملہ کو ترک نہ کرو۔

اور فرمایا ہے: اور تول میں کمی نہ کرو یعنی ناپ اور تول میں کمی نہ کرو' جیسے اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ. (ھود: ۸۴) — اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ نے کہا: اے ابن آدم! جس طرح تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ عدل کیا جائے سو تو بھی لوگوں

کے ساتھ عدل کر اور جس طرح تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ وفا کی جائے سو تو بھی لوگوں کے ساتھ وفا کر' کیونکہ عدل میں لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم قیامت کے دن اپنی نیکیوں میں کمی نہ کرو اور انجام کار یہ چیز قیامت کے دن تمہارے لیے باعثِ حسرت ہو اور وزن میں کمی نہ کرنے کو دوبارہ ذکر کیا ہے کیونکہ پہلی بار کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ وزن پورا کرو اور دوسری بار ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ عدل کرو نیز دوبارہ ذکر کرنے سے یہ آیات ایک وزن پر ہو گئیں۔

اعمال اور ان کی کیفیات کے وزن پر ایک اشکال کا جواب

قیامت کے دن جو میزان میں نیکیوں کا وزن کیا جائے گا' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ انسان کے نیک اعمال ٹھوس چیز تو ہیں نہیں اور نہ بُرے اعمال ٹھوس چیز ہیں کہ ایک پلڑے میں نیک اعمال رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں بُرے اعمال رکھ دیئے جائیں پھر ان کا وزن کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ اس انسان کی نیکیاں زیادہ ہیں یا گناہ زیادہ ہیں' نیز بعض نیک اعمال اخلاص سے کیے جاتے ہیں اور بعض نیک اعمال ریا کاری اور دکھاوے سے کیے جاتے ہیں اور اخلاص اور ریاء کیفیات ہیں' ان کا وزن کیسے ممکن ہوگا؟ وزن تو اس چیز کا کیا جاتا ہے جو کوئی مقدار والی چیز ہو اور کیفیات مقدار والی چیز نہیں ہیں' قدیم علماء نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ بندوں کے اعمال نامے ایک قسم کے رجسٹر ہیں اور ان میں ان سب چیزوں کا ان کی پوری کیفیات سے اندراج ہوگا اور دراصل وزن ان رجسٹروں کا کیا جائے گا اور وہ رجسٹر مقدار والی ٹھوس چیزیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نیک اعمال کے مقابلہ میں حسین صورت والے اجسام بنا دیئے جائیں گے اور بُرے اعمال کے مقابلہ میں بدصورت اجسام بنا دیئے جائیں گے اور جیسے جیسے نیکی اور بدی میں اضافہ ہوگا' اسی طرح ان کی خوب صورتی اور بدصورتی میں بھی اضافہ ہوگا۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے اب ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں کہ جن چیزوں کے وزن اور ان کی پیمائش کا پہلے کوئی تصور نہیں تھا اب ان کی پیمائش کا معلوم ہونا روزمرہ ہو گیا ہے' مثلاً کمرے میں کتنے درجہ مثبت یا منفی درجہ حرارت ہے' اب یہ آلات کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے' ہوا کا وزن جاننے کا پہلے کوئی ذریعہ نہ تھا' اب ہوا کا دباؤ بیرومیٹر کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے' آواز کی پیمائش کے بارے میں پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا' اب سونومیٹر کے ذریعہ آواز کی پیمائش ہو جاتی ہے' اسی طرح جسم میں کتنا درجہ حرارت ہے' پہلے اس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن اب تھرمامیٹر کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے' انسان کے خون کے ایک قطرہ میں کتنے ملی گرام گلوکوز ہے' کتنا کولیسٹرول ہے یہ گلوکومیٹر کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے' اسی طرح لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کے خون میں کتنا یورک ایسڈ ہے' کتنا یوریا ہے' کتنا کیلشیم ہے' کتنا ہیموگلوبین ہے' اس کے خون میں سرخ ذرات کتنے ہیں' سفید ذرات کتنے ہیں' اس کے خون میں کیا کیا بیماریاں ہیں' اس کو ایڈز ہے یا نہیں؟ ہیپاٹائٹس اے' بی' سی یا اور کوئی مہلک بیماری ہے یا نہیں؟ ملیریا' ٹائی فائیڈ ایسی تمام بیماریاں خون میں ہوتی ہیں اور اب سے سو سال پہلے ان کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا' لیکن اب میڈیکل سائنس کی روزافزوں ترقی کے باعث یہ چیزیں لیبارٹری ٹیسٹ سے معلوم ہو جاتی ہیں' سو جس طرح اب خون کے ٹیسٹ کے ذریعہ انسان کی صحت اور بیماری کا علم ہو جاتا ہے اس طرح کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میزان میں ایسی صفت پیدا کر دی ہو جس سے معلوم ہو جائے کہ انسان کے اعمال میں نیکیوں کی کتنی مقدار ہے اور برائیوں کی کتنی مقدار ہے اور نیک اعمال میں اخلاص کی کتنی مقدار ہے اور ریا کاری کی کتنی مقدار ہے' انسان نے جس عقل اور سائنس سے وزن اور پیمائش کے یہ آلات ایجاد کیے' وہ عقل اور سائنس اللہ ہی کی دی ہوئی ہے' جب وزن اور پیمائش میں مخلوق کی تجزیہ کاری کا یہ عالم ہے تو خالق کی تجزیہ کاری کا کیا عالم ہو

گا۔

''الانام' الاکمام' الحب' العصف ''اور'' الریحان'' کے معانی

الرحمٰن: ۱۰۔ ۱۲ میں فرمایا: اور اس نے لوگوں کے لیے زمین کو نیچے بنایاO اس میں پھل ہیں اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں ہیںO اور بھوسے والا غلہ ہے اور خوشبودار پھول ہیںO

اس آیت میں ''الانام'' کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: ''الناس''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد انسان اور جنات ہیں اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہر وہ جان دار ہے جو روئے زمین پر چل رہا ہو۔

اور فرمایا: اس میں ''فاکھۃ'' ہیں'' فاکھۃ'' کھانے کی اس چیز کو کہتے ہیں جس کو انسان پیٹ بھرنے کے بجائے لذت کے لیے کھاتا ہے' اور اس میں ''اکمام'' کا لفظ ہے' یہ لفظ ''کِمّ'' کی جمع ہے' جوہری نے کہا ہے کہ ''کِمّ'' اور ''کمامہ'' پھلوں کے شگوفوں کا غلاف اور ظرف ہے اور اس کی جمع ''اکمام'' ہے۔ (مختار الصحاح ص ۷ ۳۳)

اور فرمایا: ''الحَبّ' حَبّ'' گندم' جو اور ان کی امثال کو کہتے ہیں' اور ''العصف'' کا معنی ہے گندم اور جو وغیرہ سے جو چھلکا اترتا ہے اور ''ریحان'' کا معنی خوشبودار پھول ہے۔

''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کے مخاطبین

پھر فرمایا: پس اے جن اور انس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟O

اس آیت میں انسانوں اور جنات سے خطاب ہے' اگرچہ اس سورت میں پہلے جنات کا ذکر نہیں ہے' لیکن قرآن مجید کی اور سورتوں میں جنات کا ذکر آچکا ہے اور پورا قرآن مجید کتاب واحد ہے اور اس آیت کے بعد بھی جنات کا ذکر ہے: ''سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ۝'' (الرحمٰن: ۳۱) اور ''ثقلان'' سے مراد جن اور انس ہیں۔ اسی طرح اس کے بعد کی آیت ہے: ''یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ'' (الرحمٰن: ۳۳) نیز جن اور انسان دونوں مکلّف ہیں اور پورے قرآن میں مکلفین سے خطاب ہے۔ نیز علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے ''الکشاف'' ج ۴ ص ۴۴۴ میں' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ''تفسیر کبیر'' ج ۱۰ ص ۳۴۶ میں اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے ''روح المعانی'' جز ۲۷ ص ۱۵۹ میں لکھا ہے: اس آیت سے پہلے فرمایا ہے: ''وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ۝'' (الرحمٰن: ۱۰) اور ''انام'' کا لفظ جن اور انس دونوں کو شامل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس گئے اور ان کے سامنے شروع سے آخر تک سورۃ الرحمٰن پڑھی' صحابہ خاموش رہے' آپ نے فرمایا: میں نے جنات سے ملاقات کی' تب یہ سورت جنات پر پڑھی تھی' انہوں نے تم سے اچھا جواب دیا تھا' جب بھی میں پڑھتا:

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ (الرحمٰن: ۱۳) پس اے جنات اور انسانوں کے گروہ! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟O

تو وہ کہتے: ''لا بشیء من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد'' اے ہمارے رب! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلائیں گے' پس تیرے لیے حمد ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

''آلاء'' کا معنی اور ''الاء'' ''النعماء'' کا فرق

''اٰلاء'' کا لفظ ''اَلًی یا اِلًی'' کی جمع ہے اور اس کا معنی نعمت ہے۔

(القاموس ص ۱۲۶۰' تاج العروس ج ۱۰ ص ۲۱' لسان العرب ج ۱ ص ۱۴۳' النہایہ ج ۱ ص ۶۴' مختار الصحاح ص ۲۷)

حدیث میں ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تفکروا فی آلاء اللّٰہ ولا تفکروا فی اللّٰہ. اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر کرو' اور اللہ کی ذات میں غور وفکر نہ کرو۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۳۱۵' مجمع الزوائد ج۱ ص۸۱' الکامل لابن عدی ج۷ ص۲۵۵۶' الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۸۸)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی التوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کے ساتھ بغیر غرض اور بغیر عوض کے احسان کرنے اور نفع پہنچانے کا قصد کیا جائے اس کو نعمت کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات ص۱۶۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ "آلاء اللّٰہ" اور "نعماء اللّٰہ" دونوں ایک ہیں' مگر "آلاء" عام نعمت ہیں اور "نعماء" خاص نعمتیں ہیں اور یہ بھی کہ جاتا ہے کہ "آلاء" سے مراد نعمت ظاہرہ ہے اور وہ توحید ہے اور "نعماء" سے مراد نعمت باطنہ ہے اور وہ معرفت قلب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ اس نے تم کو اپنی تمام ظاہری و باطنی نعمتیں عطا کی ہیں۔

(لقمان: ۲۰)

(تفسیر السمرقندی' بحر العلوم ج۳ ص۳۰۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

ظاہری اور باطنی نعمتوں کا فرق اور ان کی تفاصیل

ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری اور باطنی نعمتوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ظاہری نعمت اسلام ہے اور باطنی نعمت یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے تمہاری بداعمالیوں پر پردہ رکھا ہوا ہے۔

(۲) ظاہری نعمت صحت اور تندرستی اور انسان کے محاسن اخلاق ہیں اور باطنی نعمت معرفت اور عقل ہے۔

(۳) محاسبی نے کہا: ظاہری نعمت دنیاوی نعمتیں ہیں اور باطنی نعمت اخروی نعمتیں ہیں۔

(۴) ظاہری نعمت وہ ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے' مثلاً انسان کا مال اور منصب اور مرتبہ' اس کا حسن و جمال اور عبادت اور اطاعت کی توفیق اور باطنی نعمت انسان کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کا علم اور اس پر حسن یقین اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے مصائب اور آفات کو دور کرنا ہے۔

(۵) مجاہد اور وکیع نے کہا: ظاہری نعمت فصاحت و بلاغت سے اور شیریں لہجے میں' ہنستے اور مسکراتے ہوئے کلام کرنا ہے اور باطنی نعمت دل کا صاف اور پاک ہونا ہے۔

(۶) نقاش نے کہا: ظاہری نعمت خوب صورت اور عمدہ لباس ہے اور باطنی نعمت گھر میں ضرورت اور آسائش کی چیزیں ہیں۔

(۷) ظاہری نعمت اولاد ہے اور باطنی نعمت نیک اور باعمل شاگرد ہے' یا دینی تصانیف ہیں۔

(۸) ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود اس کو عطا کی ہیں اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کو عطا کی ہیں۔

(۹) ظاہری نعمت اس کا علم ہے اور وہ عبادات ہیں جو وہ ظاہراً کرتا ہے اور باطنی نعمت اس کا عرفان ہے اور اس کی وہ عبادات ہیں جو وہ لوگوں سے چھپ کر کرتا ہے۔

(۱۰) ظاہری نعمت اس کی سلطنت اور اس کا اقتدار ہے اور باطنی نعمت اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار ہے۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۳۴۳۔ ۳۴۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۶۹ 'ملخصاً ومزیداً وموضحاً)

امام ابواسحاق احمد بن محمد الثعلبی النیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

(۱) ظاہری نعمت عبادات کی توفیق ہے اور باطنی نعمت اخلاص اور دکھاوے سے محفوظ رہنا ہے (۲) ظاہری نعمت زبان سے ذکر کرنا ہے اور باطنی نعمت دل سے ذکر کرنا ہے (۳) ظاہری نعمت قرآن کی تلاوت کرنا ہے اور باطنی نعمت قرآن کی معرفت ہے (۴) ظاہری نعمت دن کی روشنی ہے جس میں انسان کسبِ معاش کرتا ہے اور باطنی نعمت رات کا اندھیرا ہے جس میں وہ آرام کرتا ہے اور سکون سے سوتا ہے (۵) ظاہری نعمت زبان سے کلام کرنا ہے اور باطنی نعمت عقل سے تدبّر کرنا ہے (۶) ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد جو چیزیں ملیں وہ ظاہری نعمت ہے اور ماں کے پیٹ میں جو غذا اور دوسری چیزیں ملیں وہ باطنی نعمت ہے (۷) ظاہری نعمت شہادت ناطقہ ہے اور باطنی نعمت سعادت سابقہ ہے (۸) ظاہری نعمت گونا گوں عطائیں ہیں اور باطنی نعمت گناہوں کو معاف کرنا ہے (۹) ظاہری نعمت مشقت کا بوجھ کم کرنا ہے اور مرتبہ بلند کرنا ہے اور باطنی نعمت سینہ کھول دینا ہے (۱۰) ظاہری نعمت فتوحات عطا کرنا ہے اور باطنی نعمت مخالفین کو شکست دینا ہے (۱۱) ظاہری نعمت مال اور اولاد ہے اور باطنی نعمت ہدایت اور ارشاد ہے (۱۲) ظاہری نعمت درست بات کہنا ہے اور باطنی نعمت درست کام کرنا ہے (۱۳) ظاہری نعمت وہ امراض اور مصائب ہیں جن کو اللہ سبحانہٗ گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے اور باطنی نعمت دنیا اور آخرت میں اللہ عزوجل کا گناہوں پر مواخذہ نہ کرنا ہے (۱۴) ظاہری نعمت بندوں کے ساتھ نسبی اور سسرالی تعلق ہے اور باطنی نعمت اللہ عزوجل کے ساتھ سحری کے اوقات میں دعا اور مناجات کا تقرّب ہے (۱۵) ظاہری نعمت کامل مسلمانوں کا دنیا پر غلبہ اور تفوّق ہے' جس کا اس آیت میں ذکر ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (آل عمران: ۱۳۹)

اور تم ہی (دنیا پر) غالب اور فائق ہو گے بہ شرطیکہ تم (کامل) مومن ہو۝

اور باطنی نعمت نیکیوں میں سبقت کرنے والے مسلمانوں کا اللہ سبحانہٗ سے وہ خاص قرب ہے جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۝ (الواقعہ: ۱۱۔۱۰)

اور (نیکیوں میں) سبقت کرنے والے (درجات میں) سبقت کرنے والے ہیں۝ وہی لوگ (اللہ کا) قرب حاصل کیے ہوئے ہیں۝

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۳۲ 'ملخصاً وموضحاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

یہ اللہ سبحانہٗ کی عطا کی ہوئی چند ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ''لاتعدو لاتحصٰی'' ہیں اور حد و شمار سے باہر ہیں۔

''الآلاء'' اور ''النعماء'' دونوں مترادف ہیں اور ان میں ظاہری اور باطنی نعمتوں کا فرق کرنا صحیح نہیں

نیز علامہ سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ ''الآلاء'' کا معنی ہے: نعمتوں کا پہنچانا اور ''النعماء'' کا معنی ہے: مصائب کا دور کرنا' اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ لنجا (شل) ہو تو اس کو ''الآلاء'' تو حاصل ہے مگر ''النعماء'' حاصل نہیں ہے' اسی طرح گونگے کی زبان ہے' اسی طرح وہ آدمی جس کو عرق النساء یا گٹھیا ہو یا جو شخص عنین (نامرد) ہو' ان سب کو ''الآلاء'' تو حاصل ہیں لیکن ''النعماء'' حاصل نہیں ہیں' اور اکثر مفسرین نے ''الآلاء'' اور ''النعماء'' میں فرق نہیں کیا اور اس صورت میں یہ لکھا ہے کہ مصائب کو دور کرنا اور نعمت کو پہنچانا دونوں ''الآلاء'' ہیں۔

(تفسیر السمرقندی' بحر العلوم ج ۳ ص ۳۰۶۔۳۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ کتب لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ''الآلاء'' اور ''النعماء'' مترادف ہیں کیونکہ کتب لغت میں ''الآلاء'' کا معنی مطلقاً نعمت بیان کیا ہے اور اس کو ظاہری نعمت یا باطنی نعمت کے ساتھ مقید نہیں کیا' اسی طرح ''سنن ترمذی'' کی حدیث میں ہے کہ جنات نے ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' سن کر کہا: اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور انہوں نے نعمت کو ظاہری نعمت یا باطنی نعمت کے ساتھ مقید نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ ''الآلاء'' کا لفظ ظاہری نعمتوں اور باطنی نعمتوں دونوں کو شامل ہے' نیز اس سورت میں بھی اس پر دلیل ہے' کیونکہ دنیا کی نعمتیں ظاہری نعمت ہیں اور آخرت کی نعمتیں باطنی نعمت ہیں اور اس سورت میں دنیا کی نعمتوں کے بعد بھی ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کا ذکر ہے اور آخرت کی نعمتوں کے بعد بھی ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کا ذکر ہے' دنیا کی نعمتوں کے بعد اس کے ذکر کی مثال یہ ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: ۲۳۔۲۲)

ان دو سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

موتی اور مونگے دنیا کی نعمتیں ہیں اور ظاہری نعمتیں ہیں اور باطنی نعمتوں کے بعد اس کے ذکر کی مثال یہ ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: ۴۷۔۴۶)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے ○

اس آیت میں جنت کے ذکر کے بعد ''آلاء'' کا ذکر ہے اور جنت آخرت کی نعمت ہے اور باطنی نعمت ہے' سو اس سورت میں ظاہری اور باطنی دونوں نعمتوں پر ''آلاء'' کا اطلاق کیا گیا ہے' پس لغت' حدیث اور آیاتِ قرآن ہر طریقہ سے واضح ہو گیا کہ ''آلاء'' کا لفظ ظاہری اور باطنی دونوں نعمتوں کو شامل ہے اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ ''آلاء'' کا معنی ظاہری نعمتیں ہیں اور ''النعماء'' کا معنی باطنی نعمتیں ہیں' ان کا قول غلط اور باطل ہے۔

''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کو اکتیس بار مکرر ذکر کرنے میں کوئی حکمت ہے یا نہیں؟

اس سورت میں ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' کا اکتیس مرتبہ ذکر فرمایا ہے اور بار بار اس آیت کو ذکر کرنے کا فائدہ اس آیت کے معنی کو ذہنوں میں راسخ کرنا اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے' کیونکہ جو چیز اہم ہوتی ہے' اس کا بار بار ذکر کر کے اس کی تاکید کی جاتی ہے اور جس چیز کے ذکر میں لذت ہو اس کا بھی بار بار ذکر کیا جاتا ہے اور رب کی نعمتوں کے ذکر سے مسلمانوں کو لذت حاصل ہوتی ہے' اس لیے اس کا بار بار ذکر فرمایا' باقی رہا یہ سوال کہ اس کو خاص اکتیس بار کیوں ذکر فرمایا' اس سے کم یا زیادہ بار کیوں ذکر نہیں فرمایا؟ تو یہ اعداد توقیفی ہیں' اس لیے اس خاص عدد کی حکمت اور اس کے فائدہ کو جاننے کے لیے سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' جیسے قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں ہیں؟ اس کی توجیہ

میں دماغ لڑانے اور دور دراز کی مناسبتوں اور توجیہات کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
امام رازی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿ (عبس: ۳۱) اور اللہ نے میوے اور خودرو گھاس پیدا کی ○

''ابّ'' کے متعدد معانی ہیں' اس سے پہلی آیات میں زیتون کا اور کھجور کے درخت کا ذکر ہے اور اس آیت میں پھل کا ذکر ہے' اس کے بعد ''ابّ'' کا ذکر بہ ظاہر غیر مناسب معلوم ہوتا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ان الفاظ کے معانی جانتے ہیں' پھر اپنی لاٹھی اٹھا کر فرمایا: اللہ کی قسم! یہ تکلیف ہے' اور اے عمر! اگر تمہیں معلوم نہیں کہ ''الابّ'' کیا چیز ہے تو کوئی حرج نہیں ہے' جس چیز کا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو اور جس چیز کا بیان نہیں کیا گیا اس کو چھوڑ دو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۴۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اسی طرز پر حضرت عمر کی اتباع کرتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں اکتیس بار ''فبای الاء ربکما تکذبان'' کا ذکر ہے اور اکتیس بار ذکر کرنے کی توجیہ نہیں بیان کی' سو ہمیں بھی اس کی توجیہ اور اس کی تعداد کی وجہ تلاش کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہیے' تاہم بعض علماء نے اس تعداد کی وجہ بھی بیان کی ہے' خود امام رازی نے بھی اس کی تین وجہیں بیان کی ہیں لیکن وہ اس قدر واضح اور عام فہم نہیں ہیں' سب سے زیادہ آسان اور واضح توجیہ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے بیان کی ہے' ہم اس کو یہاں ذکر کر رہے ہیں:

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: ''برھان القرآن'' میں مذکور ہے کہ اس آیت کا اکتیس مرتبہ ذکر فرمایا ہے' ان میں سے آٹھ آیات وہ ہیں جو ان آیات کے بعد ذکر کی گئی جن میں اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب مخلوق اور بغیر سابقہ مثال کے اس کی تخلیق اور اس کی مخلوق کی ابتداء اور انتہاء کو بیان کیا گیا ہے' پھر سات آیات کو ان آیتوں کے بعد بیان فرمایا ہے' جن میں دوزخ کے عذاب اور اس کی ہولناکیوں کا بیان ہے کیونکہ دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں' اور ان آیتوں کے بعد ''آلاء'' کا ذکر اس لیے مستحسن ہے کیونکہ دوزخ کے خوف میں بھی نعمت ہے کیونکہ انسان دوزخ کے خوف سے گناہوں کو ترک کرتا ہے اور دوزخ اس لیے بھی نعمت ہے کہ دوزخ سے مسلمانوں کے دشمنوں کو عذاب دیا جائے گا' اور اس کو بہت بڑی نعمت میں شمار کیا جاتا ہے اور ان سات آیات کے بعد آٹھ مرتبہ اس آیت کو ان آیات کے بعد ذکر فرمایا جن آیات میں جنت کی صفات کا ذکر ہے' کیونکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں' اس کے بعد اس آیت کا مزید آٹھ بار ذکر فرمایا ہے کہ دو جنتیں اور ہیں' پس جو شخص پہلی آٹھ آیتوں پر ایمان لائے اور ان میں مذکور نعمتوں کا شکر ادا کرے اور پھر دوسری بار ان آیات کے تقاضوں پر عمل کرے جو جنت کی صفات میں ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو ان سات آیات میں ذکر کیے ہوئے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ (روح البیان ج ۹ ص ۳۴۷۔۳۴۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا○ اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○ وہی دونوں مشرقوں اور مغربوں کا رب ہے○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○ اس نے کھاری اور شیریں دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں○ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○ ان سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے○ اور سمندر میں پہاڑوں کی مانند اونچی چلنے والی کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں

کو جھٹلاؤ گے O (الرحمٰن: ۲۵-۱۴)

انسانوں اور جنات کی تخلیق کے اعتبار سے ان پر نعمت

الرحمٰن: ۱۶-۱۴ میں فرمایا: اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا O اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس سے پہلے اللہ سبحانہٗ نے عالم کبیر کی تخلیق کا ذکر فرمایا تھا جیسے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں' جن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلائل ہیں' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عالم صغیر کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور وہ حضرت انسان ہے اور تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ہیں۔

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان البلخی المتوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ''الانسان'' سے مراد حضرت آدم ہیں'' صلصال'' کا معنی ہے: وہ ریت جس کے ساتھ مٹی ملی ہوئی ہو' حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''صلصال'' کا معنی ہے: عمدہ قسم کی گیلی مٹی جب اس کا پانی سوکھ جائے اور وہ پھٹنے لگے اور جب اس کو ہلایا جائے تو وہ بجنے لگے'' الفخار'' کا معنی ہے: ٹھیکرا پکائے جانے سے پہلے' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضرت آدم روح پھونکے جانے سے پہلے کھوکھلے ٹھیکرے کی طرح تھے۔

اس کے بعد ''الجان'' کی تخلیق کا ذکر فرمایا: ''الجان'' سے مراد ابلیس ہے اور وہ جنات کا باپ ہے جیسے آدم انسانوں کے باپ ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ''الجان'' ''جن'' کا واحد ہے اور ''مارج'' کا معنی ہے: شعلہ' یعنی بالکل صاف آگ جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو' اور اس کا نام ''جان'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کے اس قبیلہ سے ہے جن کو ''جنّ'' کہا جاتا ہے' پس ''جن'' جمع ہے اور ''جآن'' واحد ہے اور اس کا پیدا کرنا بھی نعمتوں میں سے ہے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

پھر فرمایا: ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن: ۱۶) یعنی اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور جنات! تم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک نفس سے پیدا کیا' پس تم دونوں اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور ان دونوں کا ایک ایک نفس سے پیدا کرنا اس لیے نعمت ہے کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ انسانوں اور جنات کی اتنی عظیم کثرت وحدت کی طرف رجوع کرتی ہے' اسی طرح ہر کثرت کی انتہاء وحدت پر ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر بہت واضح دلیل ہے اور یہ تمام مکلفین پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ایمان لا کر دوزخ کے خلود سے نجات حاصل کریں اور جنت کی دائمی نعمتوں کے امیدوار بنیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مقصود تو یہ تھا کہ انسان کے اوپر نعمتوں کو گنوایا جائے پھر جنات کی تخلیق کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' میں انسانوں اور جنات دونوں سے خطاب ہے اور اس میں دونوں پر اپنی نعمتیں گنوانا مطلوب ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ انسان کی اصل میلی اور کثیف ہے یعنی مٹی اور جن کی اصل صاف اور لطیف ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جنات پر فضیلت دی تو یہ فضیلت انسان کی کسی ذاتی خصوصیت کی بناء پر نہیں ہے' محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کی وجہ سے ہے۔

دو مشرق اور دو مغرب بنانے میں انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت

الرحمٰن: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: وہی مشرقین کا رب ہے اور وہی مغربین کا رب ہے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

مشرق سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے اور مغرب سورج کے غروب ہونے کی جگہ ہے' ہر روز ایک نیا مشرق اور نیا مغرب ہوتا ہے' گرمیوں میں سورج ہر روز ایک درجہ پہلے طلوع ہوتا ہے اور سردیوں میں سورج ہر روز ایک درجہ بعد میں طلوع ہوتا ہے اور گرمیوں میں دن بڑے ہوتے رہتے ہیں اور سردیوں میں دن کم ہوتے رہتے ہیں اور گرمیوں میں انتہائی بڑا دن پندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات انتہائی کم نو گھنٹے کی ہوتی ہے اور سردیوں میں دن انتہائی کم نو گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات انتہائی بڑی پندرہ گھنٹے کی ہوتی ہے' سو ایک گرمیوں کا مشرق ہے جس میں سورج بہت پہلے طلوع ہوتا ہے اور ایک سردیوں کا مشرق ہے جس میں سورج بہت دیر سے طلوع ہوتا ہے' سو یہ گرمیوں اور سردیوں کے دو مشرق ہیں' اسی طرح گرمیوں اور سردیوں کے دو مغرب ہیں' ویسے تو ہر روز کے الگ الگ مشرق اور مغرب ہیں لیکن گرمیوں اور سردیوں کے دو مشرقوں اور مغربوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے' اس لیے ان کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

انسانوں اور جنات کے لیے دو مشرقوں اور دو مغربوں میں یہ خصوصی نعمت ہے کہ اگر ہر روز ایک ہی مشرق اور مغرب ہوتا اور سردیوں اور گرمیوں کا ایک ہی مشرق اور مغرب ہوتا اور ہمیشہ دن برابر ہوتے تو لوگ اس مسلسل یکسانیت کی وجہ سے اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے' نیز پھر سارے سال ایک ہی موسم رہتا اور اس میں تنوع نہ ہوتا اور جب موسمی تغیرات نہ ہوتے تو کاشت کاری صحیح نہ ہوتی' فصلیں نہ پکتیں' سارے سال ایک ہی قسم کے پھل ہوتے اور سردیوں اور گرمیوں کے الگ الگ پھل اور الگ الگ اناج نہ ہوتے اور انسان کی نشو و نما کے لیے اور اس کی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے مختلف موسموں کی مختلف غذائیں حاصل نہ ہوتیں۔

پھر فرمایا: ”فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O“ (الرحمٰن: ۱۸) یعنی اس میں انسانوں اور جنات کو یہ بتانا ہے کہ تم زمین کے مشارق اور مغارب میں سے جس جگہ پر بھی ہو تم اللہ تعالیٰ کے ملک اور اس کی سلطنت میں ہو' تم اسی کا رزق کھا رہے ہو اور تم جہاں بھی ہو اس کو تمہارا علم ہوتا ہے' وہی آفات اور مصائب میں تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تمہاری مدد کرتا ہے' سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

دو سمندروں کو ملانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت

الرحمٰن: ۲۱۔۱۹ میں فرمایا: اس نے (کھاری اور شیریں) دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں O ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

یعنی ان دونوں سمندروں کے پانی ایک دوسرے سے نہیں ملتے اور اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے اور نہ ایک پانی کا ذائقہ دوسرے پانی سے مختلط ہوتا ہے' یہ دو سمندر ایک بحر روم ہے اور ایک بحر فارس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ دوسرا بحر ھند ہے' اور ان کے درمیان جو آڑ ہے وہ جزیرۂ عرب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کو مخلوق کی منفعت کے لیے پیدا فرمایا ہے' پھر فرمایا: ”فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O“ (الرحمان: ۲۱) یعنی ان میں اللہ تعالیٰ کے لطف اور اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں' تاکہ تم ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لاؤ' پھر تم دونوں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں؟

موتی اور مونگے نکالنے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت

الرحمٰن: ۲۳۔ ۲۲ میں فرمایا: ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اللہ تمہارے لیے پانی سے موتی اور مونگوں کو اس طرح نکالتا ہے جس طرح زمین سے اناج' پھلوں اور پھولوں کو نکالتا ہے' اللہ تعالیٰ صرف میٹھے پانی سے موتی اور مونگوں کو نکالتا ہے اور اس آیت میں ان دونوں سمندروں کا ذکر ہے' حالانکہ ان میں سے صرف ایک سے موتی اور مونگے نکالتا ہے' کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ عرب دو مختلف جنسوں کا ذکر کرتے ہیں' پھر ان میں سے کسی ایک سے خبر دیتے ہیں اور جیسے اس آیت میں فرمایا ہے:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ. اے جنات اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے۔ (الانعام: ۱۳۰)

اس آیت میں جنات اور انسانوں دونوں میں سے رسولوں کے آنے کا ذکر فرمایا ہے' حالانکہ رسول ان میں سے صرف انسانوں میں سے آئے تھے' اسی طرح کھارے اور شیریں دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلنے کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ موتی اور مونگے صرف شیریں سمندر میں نکلتے ہیں۔

''لؤلؤ'' اور ''مرجان'' کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ''لؤلؤ'' چھوٹے موتی ہیں اور ''مرجان'' بڑے موتی ہیں اور اس کے برعکس بھی روایت ہے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ''مرجان'' سرخ سیپی کو کہتے ہیں۔

پھر فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن: ۲۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ موتی اور مونگے مخلوق کی منفعت کے لیے پیدا فرمائے ہیں'' سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دو سمندروں کو ملایا یعنی حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان سے موتی اور مونگے نکالے' یعنی حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۶۴)

سطح سمندر پر جہاز چلانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت

الرحمٰن: ۲۵۔ ۲۴ میں فرمایا: اور سمندر میں پہاڑوں کی مانند اونچی چلنے والی کشتیاں اسی کی ملکیت میں ہیں O سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

سمندر میں بہت بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں' جو پہاڑوں کی مانند بڑے بڑے نظر آتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمہارے سمندری سفر کے لیے کشتیاں اور جہاز پیدا کیے جو بہت وزنی ہیں اور حجم میں پہاڑ جتنے ہوتے ہیں اور وہ سمندر کے دوش پر چلتے ہیں جن سے تم تجارت اور دوسری اغراض کے لیے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں پہنچ جاتے ہو' اس میں تمہارے لیے بہت منفعت ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ لوہے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پانی میں ڈوب جاتا ہے اور اتنے بڑے بڑے دیوہیکل جہاز سمندر کی سطح پر سفر کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن: ۲۵) یعنی اس نے مخلوق کی منفعت کے لیے اتنے بڑے جہازوں کو سمندر میں رواں دواں رکھا' کیا تم اپنے رب کی اس عظیم نعمت کا انکار کر سکتے ہو کہ یہ اس کی دی ہوئی نہیں ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ

جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہےO اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور

وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْــَٔلُهٗ مَنْ فِي

بزرگی والا ہےO سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO اسی سے سوال کرتے ہیں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، وہ ہر آن نئی شان میں ہےO سو تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO اے جنات اور انسانوں کے گروہو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گےO سو تم دونوں

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ

اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO اے جنات اور انسان کے گروہو! اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ

اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا

آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ! تم جہاں

تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ

بھی جاؤ گے وہاں اسی کی سلطنت ہےO سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO (اے مکذبو!) تم پر

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

(روزِ قیامت) آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم اس کو دور نہ کر سکو گےO سو تم دونوں اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گاO

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْــَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ

سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گےO سو اس دن کسی گناہ گار کے گناہ کے متعلق

إِنسٌ وَلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ

سوال نہیں کیا جائے گا انسان سے نہ جن سے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O (اس دن) مجرمین

الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۴۱﴾

اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا O

فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۲﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا

پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرمین تکذیب کیا

الْمُجْرِمُونَ ﴿۴۳﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ

کرتے تھے O وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے O سو تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۵﴾

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے O اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور بزرگی والی ہے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اسی سے سوال کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں O وہ ہر آن نئی شان میں ہے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اے جنات اور انسانوں کے گروہو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O اے جنات اور انسانوں کے گروہو! اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ! تم جہاں بھی جاؤ گے وہاں اسی کی سلطنت ہے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O (الرحمٰن: ۳۴-۲۶)

تمام روئے زمین والوں کے ہلاک ہونے میں انسانوں کے لیے نعمت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرشتوں نے کہا: زمین والے ہلاک ہو گئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ. (القصص: ۸۸) — اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

تو فرشتوں کو اپنی ہلاکت کا بھی یقین ہو گیا۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۵)

اور تمام مخلوق کو فنا ہونے میں انسانوں اور جنات کے لیے یہ نعمت ہے کہ صرف وہ ہلاک نہیں ہوں گے بلکہ کائنات کی ہر چیز ہلاک ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان موت کے بعد دار تکلیف سے دار جزاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ O'' (الرحمٰن: ۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرماتا ہے تم اس پر توکل کرو اور لوگوں پر بھروسا نہ کرو وہ تم سے مصائب کے دور کرنے پر قادر نہیں ہیں کیونکہ وہ سب فانی ہیں اور ہلاک ہونے والے ہیں اور

مخلوق کی فنا کے بعد اللہ ہی باقی ہے' وہ تمہارے گناہوں سے درگزر کرتا ہے اور نیکیوں پر تمہاری مدد کرتا ہے پس تم اپنے ایسے رب کا کیسے انکار کرسکتے ہو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم پر یہ احسانات کیے؟

ہر روز نئی شان میں ہونے کے ضمن میں اللہ کی نعمتیں

الرحمٰن: ۳۰۔۲۹ میں فرمایا: اسی سے سوال کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں O الاٰیۃ

آسمان والے اللہ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں اور زمین والے اللہ سے رزق کا سوال کرتے ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: آسمان والے اللہ سے مغفرت کا سوال کرتے ہیں اور زمین والے اللہ سے مغفرت اور رزق کا سوال کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: فرشتے زمین والوں کے لیے رزق کا سوال کرتے ہیں۔

وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے' اس کی تفسیر میں یہ حدیث ہے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی شان سے یہ ہے کہ وہ گناہ معاف کرتا ہے اور غم کو دور کرتا ہے' ایک قوم کو سربلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو سرنگوں کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۲' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۳۰۱' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۶۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ گناہ معاف کرتا ہے اور غم کو دور کرتا ہے اور دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ (مسند البزار (کشف الاستار) رقم الحدیث: ۲۲۶۸)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ ہے کہ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے' وہ عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے' وہ رزق دیتا ہے اور رزق روک لیتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی شان سے دنیا اور آخرت دو دن ہیں' دنیا میں اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کو حکم دے کر اور کسی کام سے منع کر کے آزماتا ہے اور زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور عطا کرتا ہے اور روک لیتا ہے اور قیامت کے دن اس کی شان جزاء دینا ہے اور حساب لینا ہے اور ثواب اور عتاب دینا ہے اور لغت میں شان کا معنی عظیم کام ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے' اور بیمار کو تندرست کرتا ہے اور تندرست کو بیمار کر دیتا ہے' خوش حالی کو تنگ دست کر دیتا ہے اور تنگ دست کو خوش حال کر دیتا ہے' ذلیل کو عزت دار کر دیتا ہے اور عزت دار کو ذلیل کر دیتا ہے' فقیر کو غنی کرتا ہے اور غنی کو فقیر کر دیتا ہے۔

''کل یوم هو فی شان'' کے مسئلہ تقدیر سے تعارض کا جواب

عبداللہ بن طاہر نے الحسین بن المفضل کو بلا کر کہا: مجھے قرآن مجید کی تین آیتوں میں اشکال ہے' میں نے آپ کو ان کے حل کے لیے بلایا ہے' پہلی آیت یہ ہے کہ جب قابیل نے ھابیل کو قتل کر کے اس کی لاش کو دفن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿ (المائدہ: ۳۱)　پھر وہ ندامت کرنے والوں میں سے ہو گیا O

اور صحیح حدیث میں ہے کہ ندامت توبہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۲' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۰۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۶۹' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۳' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۱۲' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۲۹)

اور جب قابیل ھابیل کو قتل کر کے نادم ہو گیا تو اس نے توبہ کر لی پھر اس کو عذاب کیوں ہو گا؟

الحسین بن المفضل نے جواب دیا کہ قابیل ھابیل کو قتل کرنے پر نادم نہیں ہوا تھا' بلکہ اس کی لاش کو اٹھائے اٹھائے پھرنے پر نادم ہوا تھا' وہ ہابیل کی لاش اٹھائے اٹھائے پھر رہا تھا کہ اس لاش کو کیسے چھپائے' پھر جب اس نے ایک کوے کو زمین کھودتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا:

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ (المائدہ: ۳۱)

اس نے کہا: ہائے افسوس! کیا میں اس کوے کی طرح بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا' پھر وہ ندامت کرنے والوں میں سے ہو گیا ۝

عبداللہ بن طاہر نے کہا: میرا دوسرا اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ (الرحمٰن: ۲۹)

وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے ۝

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نیا کام کرتا ہے' حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جف القلم علی علم الله.

قلم تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۲)

پھر جب سب کچھ لکھا جا چکا ہے تو پھر ہر روز ایک نیا کام کرنے کا کیا مطلب ہے؟

الحسین بن المفضل نے جواب دیا کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ہر روز ایک نیا کام کرتا ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر روز ایک نئے کام کو ظاہر فرماتا ہے' لہٰذا اس آیت میں اور مسئلہ تقدیر میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

عبداللہ بن طاہر نے کہا: میرا تیسرا اشکال یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (النجم: ۳۹)

انسان کے لیے اسی عمل کا اجر ہے جو اس نے کیا ہے ۝

حالانکہ قرآن مجید کی آیات میں یہ صراحت ہے کہ ایک عمل کا دس گنا اجر ملتا ہے اور سات سو گنا اجر ملتا ہے اور اللہ جس کے لیے چاہے اس اجر کو دگنا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیتا ہے۔

الحسین بن المفضل نے کہا: انسان کے عمل کا اتنا ہی اجر دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور اس کا دگنا چوگنا اور بے حساب اجر دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

تب عبداللہ بن طاہر نے الحسین بن المفضل کے سر پر بوسہ دیا اور انعام واکرام سے نوازا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۵۳' موضحاً و مفصلاً مخرجاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝" (الرحمٰن: ۳۰) فرمایا' یعنی تم اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو' حالانکہ اسی سے تم اپنی حاجات کا سوال کرتے ہو۔

جن وانس کا حساب لینے اور ان کو اجر دینے میں اللہ کی نعمتیں

الرحمٰن: ۳۲-۳۱ میں فرمایا: اے جنات اور انسانوں کے گروہو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝

اس آیت میں "سنفرغ" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ہم عنقریب تمہارے لیے فارغ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا

شغل نہیں ہے جس سے وہ فارغ ہو‘ اس لیے اس کا مجازی معنی ہے: ہم عنقریب تمہیں جزاء دینے کے لیے اور تمہارا حساب کرنے کے لیے فارغ ہوں گے‘ اس میں ان کو عذاب سے ڈرایا ہے اور ان کو عذاب کی دھمکی دی ہے۔

امام احمد نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے‘ اس میں یہ مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ العقبہ میں انصار سے بیعت لی‘ تو شیطان نے چیخ کر کہا: اے گھروں والے! یہ مذمم ہے‘ یہ بنی قیلہ سے تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے بیعت لے رہا ہے‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ازب العقبۃ (شیطان کا نام) ہے‘ سن اے اللہ کے دشمن! میں عنقریب تیرے لیے فارغ ہوں گا یعنی تیرے مکر کو باطل کرنے کا قصد کروں گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۲)

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کفار اور فجار کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

اور اس آیت میں ''ثقلان'' کا لفظ ہے‘ اس سے مراد جن اور انس ہیں‘ ان کو ''ثقلین'' اس لیے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر یہی سب سے عظیم مخلوق ہیں کیونکہ تمام مخلوقات میں صرف یہی مکلّف ہیں یعنی صرف یہی تکلیف کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ ثِقل‘ خفت کا مقابل ہے‘ بوجھ‘ وزنی چیز۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۰۳) امام جعفر صادق نے کہا: ان کو ''ثقلین'' اس لیے فرمایا کہ یہ گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۸۶) امام مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: یعنی ہم عنقریب انسانوں اور جنات کا حساب لینے کا قصد کریں گے اور اس سے شیاطین کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ انہوں نے انسانوں اور جنات کو گمراہ کیا ہے‘ عرب دھمکی دینے کے لیے کہتے ہیں: میں عنقریب تمہارے لیے فارغ ہوں گا۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۶‘ دارالکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۲۴ھ)

اس کے بعد ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○'' (الرحمان: ۳۲) فرمایا‘ یعنی تم نے جو بُرے اعمال کیے ہیں وہ بھلائے نہیں جائیں گے اور نہ تمہارے اعمال کے ثواب کو روکا جائے گا اور تم نے جس پر ظلم کیا ہے اس کو انصاف دلایا جائے گا‘ پھر تم اللہ کی ان نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ تم کو اللہ نے یہ نعمتیں نہیں دی ہیں؟ سنو! یہ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں سو تم اس کا شکر ادا کرو‘ سو تم اس کا کیسے انکار کرو گے جو تمہارے اعمال کی جزاء دیتا ہے اور تمہاری نیکیوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرتا اور تمہارے دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کرتا ہے‘ پس یہ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں‘ تم اس کو واحد مانو‘ اس کا شریک نہ مانو اور اس کا شکر ادا کرو۔

پیشگی احوالِ قیامت بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

الرحمٰن: ۳۴۔ ۳۳ میں فرمایا: اے جنات اور انسان کے گروہو! اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ! تم جہاں بھی جاؤ گے‘ اسی کی سلطنت ہے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

ضحاک نے کہا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کو حکم دے گا تو وہ اپنی چیزوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتے اس کے کنارے پر کھڑے ہوں گے‘ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ زمین پر آئیں گے‘ پھر وہ زمین والوں کا احاطہ کریں گے‘ پھر اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کے ساتھ والے آسمان کے فرشتوں کو حکم دے گا تو وہ صف بہ صف کھڑے ہو جائیں گے‘ اسی طرح تیسرے‘ چوتھے‘ پانچویں‘ چھٹے اور ساتویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دے گا‘ پھر سب سے اونچے آسمان کا فرشتہ اتر کر جہنم کی طرف آئے گا اور اس کی پرجوش آواز اور چنگھاڑ کو سنے گا‘ پھر ہر آسمان کے کنارے پر فرشتوں کی صفوں کو دیکھے گا اور یہ اس آیت کا

مصداق ہے کہ اے جنات اور انسانوں کے گروہو! اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے کنارے سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ' تم جہاں بھی جاؤ گے' اسی کی سلطنت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۷ ص ۱۵۵)

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے: اس آیت کے تین محمل ہیں: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم آسمانوں اور زمینوں کا علم حاصل کر سکتے ہو تو کر لو۔

(۲) مقاتل بن سلیمان نے کہا: اگر تم آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ لو' تم جہاں بھی جاؤ گے تو موت تم کو پالے گی۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۴ ص ۳۰۶)

(۳) امام ابن جریر نے کہا: اگر تم آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل کر اپنے رب کو عاجز کر سکتے کہ وہ تم پر قدرت نہ پائے تو نکل جاؤ تم جہاں بھی جاؤ گے' اسی کا ملک' اسی کی سلطنت اور اسی کی قدرت میں ہو گے۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۱۷۷)

(زاد المسیر جز ۸ ص ۱۲۶' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○'' (الرحمٰن: ۳۴) یعنی یہ تم پر اللہ کی کتنی عظیم نعمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے قیامت کے احوال بیان کر دیئے تاکہ تم قیامت کے آنے سے پہلے توبہ کر لو اور اس کی طرف رجوع کر لو' سو تم ان نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مکذبو!) تم پر روزِ قیامت آگ کا خالص شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم اس کو دور نہ کر سکو گے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ سو اس دن کسی گناہ گار کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا' انسان سے نہ جن سے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا ○ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرمین تکذیب کیا کرتے تھے ○ وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ (الرحمٰن ۴۵-۳۵)

''شواظ'' اور ''نحاس'' کے معنی

''نحاس'' کا ایک معنی دھواں ہے اور دوسرا معنی پگھلا ہوا پیتل یا تانبا ہے' مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض قیامت کے دن کفار کہیں بھاگ کر گئے بھی تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ کر تمہیں واپس لے آئیں گے یا تمہارے سروں پر پگھلا ہوا تانبا یا پیتل ڈال کر تمہیں واپس لے آئیں گے اور تم اس عذاب کو دور نہیں کر سکو گے۔

اس آیت میں ''شواظ'' اور ''نحاس'' کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''شواظ'' کا معنی ہے: ایسی آگ جس میں دھواں نہ ہو اور ''نحاس'' اس دھوئیں کو کہتے ہیں: جس میں آگ نہ ہو اور ''نِحاس'' (زیر کے ساتھ) ''نحس'' کی جمع ہے اور ''نُحاس'' اس پگھلے ہوئے پیتل کو بھی کہتے ہیں جو ان کے سروں پر ڈالا جائے گا اور ''فلا تنصران'' کا معنی ہے: جن اور انس ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○'' (الرحمٰن: ۳۶) یعنی اس دن اللہ کے سوا تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا اور جب تم پر عذاب چھوڑا جائے گا تو اللہ کے سوا کوئی تمہاری حفاظت نہیں کر سکے گا' سو تم اس کی قدرت اور توحید کا کیسے انکار کر

سکتے ہو؟

آسمان کے پھٹنے اور اس کے سرخ ہو جانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور ”وردۃ“ اور ”دھان“ کے معنی

الرحمٰن: ۳۸-۳۷ میں فرمایا: پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس آیت میں ”وردۃ“ اور ”دھان“ کے الفاظ ہیں ”وردۃ“ کے معنی گلاب کی طرح سرخ ہیں اور ”دھان“ کے معنی تیل ہیں یعنی آسمان پھٹ کر آگ کی تپش سے پگھل جائے گا اور دوزخ کی آگ کی حرارت سے سرخ ہو جائے گا اور تیل کی طرح بہ رہا ہو گا۔ ابو عبید اور فراء نے ذکر کیا ہے کہ ”دھان“ کا معنی سرخ چمڑا ہے یعنی آسمان دوزخ کی آگ کی شدید تپش سے کچے چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ”فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O“ (الرحمٰن: ۳۸) یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے آسمان متغیر ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کو حساب کا حکم دے گا اور اس دن قیامت کی ہولناکیوں سے صرف اللہ تعالیٰ ہی تم کو نجات دے گا تو تم اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہ کرنے کا ایک آیت سے تعارض اور اس کے جوابات

الرحمٰن: ۴۰-۳۹ میں فرمایا: سو اس دن کسی گناہ گار کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا' انسان سے نہ جن سے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

ایک اور آیت میں بھی اسی طرح فرمایا ہے:

وَلَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ O (القصص: ۷۸) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایک اور آیت میں اس کے برعکس فرمایا ہے:

فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ O (الحجر: ۹۲) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے O

اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) عکرمہ نے کہا: قیامت کا دن بہت طویل ہو گا' پس کسی وقت اللہ تعالیٰ مجرموں سے سوال نہیں فرمائے گا اور دوسرے وقت میں سوال فرمائے گا۔

(۲) میدانِ محشر میں ان سے سوال کیا جائے گا اور جب ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا پھر ان سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

(۳) اللہ ان سے ان کے گناہوں کو جاننے کے لیے سوال نہیں کرے گا کہ تم نے کیا گناہ کیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ ان کے اعمال کو جاننے والا ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر سوال کرے گا کہ تم نے یہ کام کیوں کیے۔

(۴) ابو العالیہ نے کہا: غیر مجرم سے مجرم کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

(۵) پہلے مجرموں سے سوال کیا جائے گا اور جب ان کی زبان اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے تو پھر ان سے

سوال نہیں کیا جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ ہنسنے لگے' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں ہنسا تھا؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: میں بندے کے اپنے رب سے کلام پر ہنسا ہوں' بندہ کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھ کو ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ فرمائے گا: کیوں نہیں! بندہ کہے گا: آج میں اپنے خلاف اپنے نفس کے سوا کسی اور کو گواہی دینے کی اجازت نہیں دوں گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج تیرے خلاف تیرے نفس کی شہادت ہی کافی ہے اور لکھنے والے معزز فرشتوں کی گواہی کافی ہے' پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: تم کلام کرو' پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال بیان کریں گے' پھر وہ شخص اکیلے میں اپنے اعضاء سے کہے گا: دفع ہو جاؤ' میں تمہارے لیے ہی تو جھگڑتا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۹)

اور اس کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (یٰس: ۶۵)

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ○

(۶) مجرموں سے ان کے جرائم کے متعلق اس لیے سوال نہیں کیا جائے گا کہ کراماً کاتبین نے ان کے صحائف اعمال میں ان کے تمام جرائم کی فہرست تیار کر رکھی ہوگی۔

(۷) مجرموں سے ان کے جرائم کے متعلق اس لیے بھی سوال نہیں کیا جائے گا کہ ان کے جرائم کی علامتیں ان کے چہروں سے ظاہر ہوں گی:

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ○ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ○ (عبس: ۴۱۔۴۰)

اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ○ جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ○

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ (آل عمران: ۱۰۶)

رہے وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

مجرموں کے چہرے سیاہ ہوں گے' ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے' ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور ان کو پیشانی کے بالوں اور ان کے قدموں سے پکڑا ہوا ہوگا' پھر ان کے جرائم کے متعلق ان سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہوگی؟

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○" (الرحمٰن: ۴۰) یعنی جب وہ قیامت کے دن تمہیں ثواب عطا فرمائے گا اور تم کو اپنے فضل سے جنت میں داخل فرما دے گا پھر تم اللہ کی وحدانیت اور اس کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟ اور یہ نعمت ہے کہ اللہ نے تمہیں یہ بیان کر دیا کہ اللہ تمہارے اعمال جانتا ہے اور تمہیں گناہوں سے منع کرتا ہے اور تم سے درگزر فرماتا ہے سو تم اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

روزِ قیامت کی ہولناکیاں

الرحمٰن: ۴۲۔۴۱ میں فرمایا: (اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا ○ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

حسن نے کہا: ان کا چہرہ سیاہ ہوگا اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ (آل عمران:۱۰۶) اس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ (طٰہٰ:۱۰۲) ہم اس دن مجرمین کو اکٹھا کریں گے (دہشت کی وجہ سے) ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

فرشتے ان کو ان کی پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔

ضحاک نے کہا: ان کی پیشانیوں کو اور ان کے قدموں کو ان کی پیٹھوں کے پیچھے سے زنجیروں سے جکڑ دیا جائے گا پھر ان کی ٹانگوں اور پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' یہ اس لیے کیا جائے گا تا کہ ان کا عذاب زیادہ شدید اور زیادہ قبیح ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ فرشتے ان کو گھسیٹ کر دوزخ میں لے جائیں گے' دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو بالوں سے پکڑ کر منہ کے بل گھسیٹیں گے' تیسرا قول یہ ہے کہ ان کو بالوں سے پکڑ کر سر کے بل گھسیٹ کر لے جائیں گے۔

پھر فرمایا: ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝'' (الرحمٰن:۴۲) یعنی اگر تم ایمان لے آؤ تو اللہ ہی تم سے اس عذاب کو دور کر سکتا ہے' سو جب تم اس کو واحد مانو گے اور اس کی اطاعت کرو گے تو قیامت کی ان ہولناکیوں سے محفوظ رہو گے' پس تم اللہ کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

جہنم میں کفار کے گھومنے کی کیفیت

الرحمٰن: ۴۵۔ ۴۳ میں فرمایا: یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرمین تکذیب کیا کرتے تھے ۝ وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے ۝ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝

جب کفار دوزخ کے قریب ہوں گے تو ان سے دوزخ کے پہرے دار کہیں گے: یہ ہے وہ جہنم جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا دوزخ میں حال بیان فرمایا' ان کو پینے کے لیے کھولتا ہوا مشروب دیا جائے گا' ان پر بھوک مسلّط کی جائے گی اور ان کو کھانے کے لیے شجر زقوم کا پھل دیا جائے گا' (تھوہر کے درخت کا سخت کڑوا پھل جس کو اندرائن کہتے ہیں) وہ اس کو کھائیں گے تو وہ ان کے حلق میں پھنس جائے گا' پھر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ کھولتے ہوئے پانی کے پاس جاؤ' وہ اس کو پئیں گے تو وہ ان کے مونہوں کو جلا دے گا اور وہ پانی ان کے پیٹوں میں جوش کھا رہا ہوگا اور ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہوگا اس کو نکال کر باہر کر دے گا' پھر ان پر دوبارہ بھوک مسلّط کی جائے گی' پھر دوبارہ کبھی وہ تھوہر کے درخت کے پاس جائیں گے اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے پاس جائیں گے۔ (بحر العلوم ج ۳ ص ۳۰۹)

پھر فرمایا: ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝'' (الرحمٰن:۴۵) یعنی اگر تم اللہ کی توحید پر ایمان لاؤ اور اس کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرو تو اللہ سبحانہٗ ہی تم کو آخرت کے اس عذاب سے نجات دے گا' سو تم اللہ اور اس کے رسولوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟ نیز میں نے جو تم کو آخرت کے اس عذاب کی خبر دی ہے یہ بھی تمہارے لیے نعمت ہے تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے کفر اور اس کی نافرمانی سے باز آ جاؤ' پس تمہارے رب نے جو تم کو نعمتیں عطا کیں ہیں ان نعمتوں کا انکار اور ان کی ناشکری نہ کرو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے مصائب کو اور آخرت کے عذاب کو دور کرتا ہے اور اس کے بعد جو آیات ہیں ان میں یہ بتایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے' اس سے ڈرے اور اس کے خوف سے گناہوں کو ترک کر دے اور اس کی اطاعت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت کی بیش بہا نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں

تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

کو جھٹلاؤ گے ○ جو سرسبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا

ان جنتوں میں دو چشمے بہ رہے ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں

مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں ○ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ

(متقین) ایسے بستروں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر نفیس دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں جنتوں کے پھل

دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ

جھکے ہوئے ہوں گے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ ان جنتوں میں نیچی نظر رکھنے والی

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

بیویاں ہوں گی جن کو ان متقین سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون

تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○ اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا

کو جھٹلاؤ گے O وہ دونوں جنتیں سیاہی مائل سبز رنگ کی ہیں O پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ وَّ

ان جنتوں میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں O سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان جنتوں میں پھل

نَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾

اور کھجوریں اور انار ہیں O سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان جنتوں میں خوب صورت' خوب سیرت بیویاں ہیں O

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

سوتم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں جو خیموں میں باپردہ ہیں O پس

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان کو اس سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے نہ جن نے O پس تم

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾

دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O (متقین) سبز قالینوں اور نفیس بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے O

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾

پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O آپ کے رب کا نام بابرکت ہے جو بہت بزرگی والا اور بہت عزت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O جو سر سبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان جنتوں میں دو چشمے بہ رہے ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان جنتوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O متقین ایسے بستروں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے جن پر استر نفیس دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں جنتوں کے پھل جھکے ہوئے قریب ہوں گے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O ان جنتوں میں نیچی نظر رکھنے والی بیویاں ہوں گی جن کو ان متقین سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O (الرحمٰن: ۶۱-۴۶)

''ولمن خاف مقام ربه'' کا شانِ نزول اور اس بشارت کا ہر مؤمن کے لیے عام ہونا

اس سے پہلی آیات میں فساق' فجار اور کفار کو قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا تھا اور اس رکوع کی آیات مؤمنین اور صالحین کے لیے آخرت میں جو جنت کی نعمتیں تیار کی ہوئی ہیں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

الرحمٰن: ۴۶ کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا اور ڈر کر اس نے گناہ کو ترک کر دیا تو اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

مجاہد اور ابراہیم نخعی نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے خواہشِ نفس سے مغلوب ہو کر گناہ کا ارادہ کیا' پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد آئی اور اس نے اس کے خوف سے گناہ کو ترک کر دیا۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں جنتی نہ ہوں تو تجھ کو طلاق ہے' تو اگر اس نے اس سے پہلے کبھی زندگی میں گناہ کا ارادہ کیا تھا' پھر اس کو حیا آئی اور اس نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس گناہ کو ترک کر دیا تھا تو اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔

اس کو جو دو جنتیں ملیں گی تو ایک جنت اپنے رب سے ڈرنے کی وجہ سے ملے گی اور ایک جنت اپنی شہوت کے تقاضے سے گناہ کو ترک کرنے کی وجہ سے ملے گی۔

ضحاک نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کے متعلق نازل ہوئی ہے' ایک دن انہوں نے سخت پیاس میں دودھ پیا' جو ان کو بہت اچھا لگا' انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دودھ حلال نہیں تھا' تو پھر انہوں نے اس دودھ کی قے کر دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے تھے' آپ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے' تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۳۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۲۷ ص ۱۶۱' دارالفکر' بیروت)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: '' وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ '' (الرحمٰن: ۴۶) میں نے کہا: یا رسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو' خواہ چوری کی ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' ولمن خاف مقام ربه جنتان '' (جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں) میں نے کہا: یا رسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو' خواہ چوری کی ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا: '' ولمن خاف مقام ربه جنتان '' میں نے کہا: یا رسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو' خواہ چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ابوالدرداء کی ناک کو خاک آلودہ کرتے ہوئے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ شعیب الارؤط حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۶۸۳) (مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۳۱۲۔۳۱۱۔ رقم الحدیث: ۸۶۸۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۶۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۸۹' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۹۷۵' مشکل الآثار رقم الحدیث: ۴۰۰۰' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۸' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۶۱۳' الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۸۹' الدرالمنثور ج ۷ ص ۶۲۳' روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۷۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۷۴۲' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۰۴)

دو جنتوں کے مصداق میں احادیث اور آثار

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں' ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں' ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' سونے کا ہے' ان کے اور ان کے رب کو دیکھنے کے درمیان جنت عدن میں صرف اس کے چہرے پر کبریا کی چادر حائل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۶' سنن کبریٰ

للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۶۵‘ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۵)

امام مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

ان دو جنتوں سے مراد جنت عدن اور جنت نعیم ہے اور یہ صدیقین‘ شہداء‘ مقربین‘ سابقین کے لیے ہیں اور اس شخص کے لیے ہیں جس نے گناہ کا ارادہ کیا پھر اس نے اللہ عزوجل کے سامنے پیش ہونے کو یاد کیا‘ پھر اللہ سے ڈرا اور گناہ کو ترک کر دیا‘ سو اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ دو جنتیں کیا ہیں؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں کہ وہ دو جنتیں کیا ہیں‘ آپ نے فرمایا: وہ جنت کے وسط میں دو باغ ہیں‘ ہر باغ نور کے گھروں میں سے ایک گھر میں ہے‘ ان میں سے ہر باغ نعمت سے معمور ہے اس کے درخت اگے ہوئے ہیں‘ اس کے پتے سرسبز ہیں۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۰۸‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۲۴ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: ان دو جنتوں کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: ایک جنت انسانوں کی ہے اور ایک جنت جنات کی ہے۔

(۲) مقاتل نے کہا: ایک جنت عدن ہے اور ایک جنت نعیم ہے۔

(۳) عیاض بن تمیم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جنت کے باغات میں سے دو باغ ہیں۔

(۴) ایک جنت میں اس کا گھر ہے اور دوسری جنت میں اس کی ازواج اور اس کے خدام کا گھر ہے۔

(۵) ایک جنت اس کا مسکن ہے اور دوسری جنت اس کا باغ ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۳۸‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت)

ان دو جنتوں کے مصداق میں صحیح وہ قول ہے جس کو ہم نے ’’صحیح بخاری‘‘ اور ’’صحیح مسلم‘‘ کے حوالے سے ارشادِ رسالت بیان کیا ہے۔

زیر تفسیر آیت کے شانِ نزول میں ایک ضعیف روایت

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابو الشیخ نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیامت‘ میزان‘ جنت‘ دوزخ‘ صفوف ملائکہ‘ آسمانوں کے لپیٹے جانے‘ روئی کے گالوں کی طرح پہاڑوں کے اڑنے‘ سورج کے لپیٹے جانے اور ستاروں کے بے نور ہونے کے متعلق غور وفکر کیا تو کہا: کاش! میں سرسبز چارہ ہوتا اور کوئی جانور مجھے کھا لیتا اور میں پیدا نہ کیا جاتا تو یہ آیت نازل ہوئی: (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ)۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۷۹‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ‘ الدر المنثور ج ۷ ص ۶۲۲)

مطبوعہ ’’تفسیر امام ابن ابی حاتم‘‘ میں یہ حدیث مذکور نہیں ہے‘ البتہ امام ابو الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ نے اس کو روایت کیا ہے۔

کتاب العظمۃ ص ۳۰۵۔ رقم الحدیث: ۵۴‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۱۴ھ لیکن اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے‘ اس کا ایک راوی ہے: کنانہ بن جبلہ‘ ابن معین نے کہا: وہ کاذب ہے‘ السعدی نے کہا: شدید ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۱۵) دراصل علامہ آلوسی نے ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ کے حوالے ’’الدر المنثور‘‘ سے اٹھائے اور اپنی عادت کے مطابق حافظ سیوطی کا نام لیے بغیر ان کو نقل کر دیا اور اصل کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کی اور ہمارے زمانہ کے علماء ان کو خاتم المحققین کے

لقب سے ذکر کرتے ہیں۔

اللہ سے نہ ڈرنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ

اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ انسان اپنے بچوں' اپنے شاگردوں' مریدوں اور اپنے ماتحت لوگوں کے سامنے بے حیائی کے اور بُرے کام نہیں کرتا اور جب تنہا ہو اور صرف اللہ دیکھ رہا ہو تو وہ بے حیائی اور بُرائی کے کاموں سے باز نہیں آتا تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں اللہ کا اتنا خوف بھی نہیں ہے جتنا اپنے ماتحت لوگوں اور چھوٹوں کا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ۔ (المائدہ: ۴۴) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

اور یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے لوگوں کے ڈر سے بُرے کام چھوڑ بھی دیئے تو وہ اس کو کوئی انعام نہیں دیں گے' جب کہ اللہ کے ڈر سے اس نے گناہ اور بُرے کام چھوڑ دیئے تو اللہ نے اس سے بہت بڑے انعام کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (النازعات: ۴۱۔۴۰)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس (امارہ) کو (اس کی) خواہش سے روکا ۝ تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ۝

نیز فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں ۝

خوفِ خدا سے مرنے والے نوجوان کو دو جنتیں عطا فرمانا

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا' جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا' حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے' اس کا ایک بوڑھا باپ تھا' وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا' اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا' وہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھی' وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی' ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی' حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا' جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہو گئی' اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۝

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا' اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں' اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے' کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا' اس کے باپ نے پوچھا: اے بیٹے! تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا: خیر ہے' باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے پوچھا: اے بیٹے! تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے

ہوش ہو کر گر گیا' گھر والوں نے اس کو ہلایا جلایا لیکن وہ مر چکا تھا' انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا' صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمر اس کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا: تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ اس کے باپ نے کہا: رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو' پھر حضرت عمر اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے' حضرت عمر نے کہا: اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق ترجمہ عمرو بن جامع رقم الحدیث: ۱۱۴۔ ج ۱۹ ص ۱۹۱۔ ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر الاعراف رقم الحدیث: ۲۰۱۔ ج ۳ ص ۲۶۹' طبع دار الاندلس' بیروت' شرح الصدور ص ۱۳' طبع دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۴۳۴)

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا ہے:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عبادت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا' ایک عورت اس پر عاشق ہو گئی' وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں' اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا' پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا' اس کا چچا آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا' جب اس کو ہوش آیا تو اس نے کہا: اے چچا! حضرت عمر کے پاس جائیں' ان سے میرا سلام کہیں اور پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزاء ہے؟ اس کا چچا حضرت عمر کے پاس گیا' اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور جاں بحق ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: تمہارے لیے دو جنتیں ہیں' تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۴۶۹۔ ۴۶۸۔ رقم الحدیث: ۷۳۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

امام بیہقی کے حوالے سے اس حدیث کو حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۱۴۷ طبع قدیم۔ ج ۷ ص ۷۰۸' طبع جدید دار الفکر' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۳۵' روح المعانی ج ۲۷ ص ۱۱۶)

حافظ ابن عساکر نے جو حدیث تفصیلاً روایت کی ہے اس پر حافظ ابن کثیر نے بھی اعتماد کیا ہے اور اس کو اپنی تفسیر میں درج کیا ہے اور اس حدیث سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) گناہ کی ترغیب کے موقع پر اللہ کو یاد کر کے اس کے خوف سے گناہ کو ترک کر دینا دو جنتوں کے حصول کا سبب ہے۔

(۲) نیک مسلمان اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

(۳) نیک مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

(۴) کسی فوت شدہ مسلمان کی تعزیت کے لیے اس کے والدین اور اعزہ کے پاس جانا حضرت عمر کا طریقہ ہے۔

(۵) صاحب قبر سے کلام کرنا اور صاحب قبر کا جواب دینا' اس حدیث سے یہ دونوں امر ثابت ہیں۔

(۶) جن احادیث میں ہے کہ قبر والے ایسا جواب نہیں دیتے جن کو تم سن سکو' ان کا معنی یہ ہے تم ان کا جواب عادۃً نہیں سن سکتے۔

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○" (الرحمٰن: ۴۷) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ وہ تمہارے

ایک عمل کے بدلہ میں دو جنتیں عطا فرما رہا ہے تو تم اس کی وحدانیت کا' اس کی قدرت کا اور اس کے جود و کرم کا اور دیگر نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

''ذواتا افنان'' کا معنی

الرحمٰن: ۴۹۔ ۴۸ میں فرمایا: جو سرسبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○

اس آیت میں ''ذواتا افنان'' فرمایا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے: رنگ برنگ پھلوں والی دو جنتیں۔

مجاہد نے کہا: ''افنان'' کا معنی ہے: شاخیں' یہ ''فنن'' کی جمع ہے۔ عکرمہ نے کہا: ''افنان'' کا معنی ہے: شاخوں کا دیواروں پر سایہ۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○ ''(الرحمٰن: ۴۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے پھلوں اور سرسبز شاخوں والی جنت کا وعدہ کیا ہے' پھر تم اس کی نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

جنت کے چشموں کی کیفیت

الرحمٰن: ۵۱۔ ۵۰ میں فرمایا: ان جنتوں میں دو چشمے بہ رہے ہیں○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان دونوں جنتوں میں سے ہر ایک میں چشمے بہ رہے ہیں۔ نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان میں صاف شفاف پانی بہ رہا ہے' ان میں ایک چشمہ تسنیم ہے اور دوسرا چشمہ سلسبیل ہے' اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ چشمے دنیا کے چشموں سے دو گنے چوگنے بڑے ہیں' اس کی کنکریاں سرخ یاقوت اور سبز زمرد ہیں' اس کی مٹی کافور ہے' اس کی کیچڑ مشک ہے اور اس کے دو کنارے زعفران ہیں۔ عطیہ نے کہا: ان میں سے ایک پانی کا چشمہ ہے اور دوسرا شراب طہور کا ہے' وہ پینے والوں کی لذت کے لیے ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا: جنت کے یہ دو چشمے ان لوگوں کے لیے بہ رہے ہیں جن کی آنکھوں سے دنیا میں خوف خدا سے آنسو بہتے رہتے تھے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۹۰' الجامع لاحکام القرآن جز ۲۷ ص ۱۶۲)

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○ ''(الرحمٰن: ۵۱) یعنی ان چشموں کو جاری کرنا' محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی رحمت سے ہے' کیا تم پھر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے انکار کر سکتے ہو○

الرحمٰن: ۵۳۔ ۵۲ میں فرمایا: ان جنتوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○

ان میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں وہ تازہ بھی ہے اور خشک بھی ہے اور ہر پھل ذائقہ دار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دنیا کے جس پھل کا بھی ذائقہ تلخ اور کڑوا ہے' جنت میں اس پھل کا ذائقہ شیریں اور لذیذ ہوگا حتیٰ کہ جنت میں حنظل (اندرائن' کوڑتما) بھی میٹھا ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○ ''(الرحمٰن: ۵۲) اللہ نے تمہارے لیے ہر رنگ اور ہر ذائقہ کے پھل جنت میں رکھے ہیں' سو تم اس کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے؟

جنت کے بستروں اور پھلوں کی کیفیت

الرحمٰن: ۵۵۔ ۵۴ میں فرمایا: متقین ایسے بستروں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر نفیس دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں جنتوں کے پھل جھکے ہوئے قریب ہوں گے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ O

استر لحاف یا گدے کے نچلے حصے کو کہتے ہیں' جو عموماً معمولی کپڑے کا ہوتا ہے اور ابری اوپر والے حصہ کو کہتے ہیں' جو عموماً اچھے اور عمدہ کپڑے کا ہوتا ہے تو جنت کے بستروں کا جب استر دبیز ریشم کا ہو گا تو اس کی ابری کس شان کی ہو گی۔

''استبرق'' کا معنی ہے: دبیز اور موٹا دیباج' یہ ریشم کی ایک قسم ہے۔

سعید بن جبیر سے سوال کیا گیا کہ جب جنت کے بستروں کا استر ''استبرق'' کا ہوگا تو اس کی ابری کیسی ہوگی' انہوں نے کہا کہ اس کی ابری کی کیفیت کا اندازہ اس آیت سے کرو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ . کوئی شخص نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے۔ (السجدۃ: ۱۷)

اور جنت کے درختوں کے پھل اس قدر قریب ہوں گے کہ ان کو بیٹھے بیٹھے بھی توڑ سکیں گے اور لیٹے لیٹے بھی توڑ سکیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن: ۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت میں ایسے بلند بستر بنا دیئے ہیں جیسے بادشاہوں کے تخت ہوتے ہیں' پھر تم کس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟

انسان عورتوں کے ساتھ جنات کے جماع کرنے کے جواز میں مذاہب

الرحمٰن: ۵۷۔ ۵۶ میں فرمایا: ان جنتوں میں نیچی نظر رکھنے والی بیویاں ہوں گی جن کو ان متقین سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

یعنی ان ریشم کے بستروں میں بیویاں ہوں گی' ''قاصرات الطرف'' کا معنی یہ ہے کہ ان بیویوں کی نظریں اپنے شوہروں کے سوا اور کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کے شوہروں سے پہلے ان سے کسی انسان نے جماع کیا ہوگا نہ جن نے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جن بھی عورتوں کے ساتھ انسانوں کی طرح جماع کرتا ہے اور جن بھی جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے لیے جنیات ہوں گی۔ ضمرہ نے کہا: مؤمنین کے لیے ان میں سے بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی' پس اِنسیات انسانوں کے لیے ہوں گی اور جنیات جنات کے لیے ہوں گی۔

علامہ قشیری شافعی نے کہا ہے کہ مومن جنات کی جو حوریں ہوں گی ان کو اس سے پہلے کسی جن نے نہیں چھوا ہوگا' اور مؤمن انسانوں کی جو حوریں ہوں گی' ان کو اس سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا ہوگا کیونکہ دنیا میں بھی جن آدم کی بیٹیوں سے جماع نہیں کرتے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جائز ہے کہ جنات بناتِ آدم سے جماع کریں اور مجاہد نے کہا ہے کہ جب کوئی مرد ''بسم اللہ'' پڑھے بغیر جماع کرے تو اس کے آلہ کے ساتھ جن چمٹ جاتا ہے اور وہ بھی اس انسان کے ساتھ جماع کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بڑی آنکھوں والی حور کے ساتھ اس سے پہلے کسی انسان نے جماع کیا ہوگا نہ جن نے' اس سے تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ آدم زاد عورتوں کے ساتھ کبھی جن بھی جماع کرتے ہیں اور بڑی آنکھوں والی حوریں

اس عیب سے بَری ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تنزیہہ کی ہے اور طمث کا معنی جماع کرنا ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۶۵۔ ۱۶۴ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبدالرحمان علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا: ان کو اس سے پہلے کسی نے نہیں چھوا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو جنت میں پیدا کیا گیا ہے اور اس بناء پر یہ حور کی صفت ہے اور شعبی نے کہا: متقین کی یہ بیویاں دنیا کی وہ عورتیں ہوں گی جن کے پیدا ہونے کے بعد ان کو کسی انسان نے چھوا نہ کسی جن نے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جن عورت کے ساتھ انسان کی طرح جماع کرتا ہے۔
(زادالمسیر ج ۸ ص ۱۲۴ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں جن کے ذکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جن تو جماع نہیں کرتے؟ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ جن جماع کرتے ہیں اسی وجہ سے ان کی اولاد اور ذریات ہیں بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ وہ انسان عورتوں سے جماع کرتے ہیں یا نہیں اور مشہور یہ ہے کہ وہ انسان عورتوں سے جماع کرتے ہیں ورنہ جنات میں حسب اور نسب نہ ہوتا۔ اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۷۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

جنات کے جنت میں داخل ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

انسان عورتوں کو اس سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا اور مؤنث جن کو اس سے پہلے کسی مذکر جن نے نہیں چھوا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جن بھی جنت میں جماع کریں گے۔

اس عبارت کی شرح میں علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

''طمث'' کا معنی جماع کرنا ہے اور مس کرنے سے بھی یہی مراد ہے اور اصل میں ''طمث'' خون نکلنے کو کہتے ہیں اسی وجہ سے حیض کو بھی ''طمث'' کہا جاتا ہے اور کنواری عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کو بھی ''طمث'' کہتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ جماع کرنے سے بھی خون نکلتا ہے اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جنت کی حوروں کے ساتھ جب بھی جماع کیا جائے گا وہ کنواری ہوں گی اور اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جنات بھی جنت میں داخل ہوں گے اور وہ جماع بھی کریں گے کیونکہ وہ جنت میں نعمتوں کے ساتھ باقی رہیں گے جیسا کہ کافر جن دوزخ میں عذاب کے ساتھ باقی رہیں گے اور یہی صحیح قول ہے اور اس میں اس قول کا رد ہے کہ مؤمنین جنات کو ثواب نہیں ملے گا ان کی جزاء صرف یہ ہے کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے اور ان کو حساب کے بعد مٹی بنا دیا جائے جیسا کہ حیوانات کو مٹی بنا دیا جائے گا۔ (عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۵۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ھ ''بیضاوی'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جو یہ کہا ہے کہ جن بھی جنت میں جماع کریں گے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر جن جنت میں جماع نہ کریں تو پھر جنات پر کوئی احسان نہیں ہوگا حالانکہ اس آیت کے بعد فرمایا ہے: ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○'' (الرحمٰن: ۵۷) کہ انسانوں اور جنات دونوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں ایسی حوریں عطا فرمائے گا جو صرف اپنے شوہر کو دیکھنے والی ہوں گی ان کو ''قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ'' (الرحمٰن: ۵۶) اور ''حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ○'' (الرحمٰن: ۷۲) سے تعبیر فرمایا ہے۔ (حاشیہ ابن التمجید علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۳۷۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی القونوی متوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مؤمنین جن کو کوئی ثواب نہیں ملے گا' ان کی جزاء صرف یہ ہے کہ ان کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے اپنی قوم سے کہا:

یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (الاحقاف: ۳۱)

اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ میں رکھے گا ۝

اور جنات کے متعلق اس آیت میں یہ نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دائمی اجر و ثواب دے گا' اس لیے ہمارے امام نے جنات کے جنت میں داخل ہونے کے قول کو اختیار نہیں فرمایا۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۴۷۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ ائمہ ثلاثہ جو جنات کے جنت میں دخول کے قائل ہیں' ان کا استدلال الرحمٰن: ۵۶ اور الرحمٰن: ۷۲ کی صریح آیات سے ہے اور امام اعظم کا استدلال الاحقاف: ۳۱ سے ہے' جس میں جنات کے جنت میں داخل نہ ہونے کی صراحت نہیں ہے اور اس آیت میں اس کا ذکر نہ ہونے سے ان کے جنت میں دخول کی نفی نہیں ہوتی جب کہ الرحمٰن: ۵۶۔ ۵۷ میں ان کے جنت میں داخل ہونے کا ثبوت ہے' نیز عقل سلیم بھی اس کی مؤید ہے کیونکہ جنات کو احکام کا مکلّف کیا گیا ہے اور جب ان کو ان کے بُرے کاموں پر سزا ملے گی تو ان کو ان کے نیک کاموں پر جزاء بھی ملنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

علامہ ابوسعود محمد بن محمد حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

جنت میں جو انسان عورتیں ہیں ان کو ان کے شوہروں سے پہلے کسی انسان نے نہیں چھوا اور جنت میں جو جنیات ہیں ان کو اس سے پہلے کسی جن نے نہیں چھوا۔ (تفسیر ابی سعود ج ۶ ص ۱۸۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مجھ کو جو ظن غالب ہے وہ یہ ہے کہ انسانوں کو انسان بیویاں ملیں گی اور حوریں بھی ملیں گی اور جنات کو جنیات بیویاں ملیں گی اور حوریں بھی ملیں گی اور کسی انسان کو جنیہ نہیں ملے گی اور نہ کسی جن کو انسیہ ملے گی اور مومن خواہ انسان ہو خواہ جن ہو اس کو وہی حور ملے گی جو اس کی نوع کے لائق ہو اور اس کا نفس اس کی خواہش کرے اور اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن اپنی نوع کی مؤنث جنیہ سے جماع کرتے ہیں' جیسا کہ انسان اپنی نوع کی مؤنث انسان کے ساتھ جماع کرتے ہیں اور وہ جنت میں اپنی نعمتوں کے ساتھ اسی طرح باقی رہیں گے جس طرح کافر جن دوزخ میں اپنے عذاب کے ساتھ باقی رہیں گے۔ امام ابویوسف' امام محمد' ابن ابی لیلیٰ' اوزاعی اور اکثر ائمہ اور فقہاء کا یہی مذہب ہے' جیسا کہ علامہ عینی نے ''شرح بخاری'' میں ذکر کیا ہے کہ جنات کو ان کی اطاعت پر ثواب دیا جائے گا اور ان کی معصیت پر سزا دی جائے گی اور ان میں سے مؤمنین انسانوں کی طرح قیامت کے دن جنت میں داخل ہوں گے اور امام ابوحنیفہ سے اس مسئلہ میں تین روایات ہیں:

(۱) ان کو دوزخ سے نجات کے سوا اور کوئی ثواب نہیں ملے گا' پھر ان سے کہا جائے گا: مٹی بن جاؤ' جیسے باقی حیوانات سے کہا جائے گا۔

(۲) وہ جنت میں داخل ہوں گے' لیکن جنت میں ان کو کوئی نعمت نہیں ملے گی۔

(۳) جنات کی جزاء کے معاملہ میں توقف کرنا چاہیے۔ کردری نے کہا: اکثر روایات میں اسی طرح ہے اور ابواسحاق بن الصفار

کے ''فتاویٰ'' میں لکھا ہے کہ جنات نہ جنت میں ہوں گے نہ دوزخ میں' ان کی جزاء کا صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

امام مالک اور ایک جماعت سے منقول ہے کہ جنات جنت کے وسط میں ہوں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اصحاب الاعراف ہیں۔ ضحاک نے کہا: ان کو تسبیح اور ذکر کا الہام کیا جائے گا اور ان کو اس میں ایسی ہی لذت آئے گی جیسے ابن آدم کو جنت کی نعمتوں میں آتی ہے۔ الحارث المحاسبی نے کہا کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے' ہم ان کو دیکھ سکیں گے اور وہ ہم کو نہیں دیکھ سکیں گے اور یہ دنیا کے برعکس ہوگا۔ ابواسحاق ابراہیم بن الصفار نے اپنے ''فتاویٰ'' میں لکھا ہے کہ جنات کو جنت کی نعمتیں ملیں گی لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھیں گے' اسی طرح فرشتے بھی اللہ عزوجل کو نہیں دیکھیں گے' ماسوا حضرت جبریل علیہ السلام کے کیونکہ وہ ایک بار اللہ عزوجل کو دیکھیں گے۔

اور زیادہ صحیح اکثر ائمہ اور علماء کا مذہب ہے کہ اللہ عزوجل کو دیکھنے میں انسانوں اور جنات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۸۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ○'' (الرحمٰن: ۵۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری طبیعت کے موافق جنت میں تمہاری بیویاں بنائیں' انسانوں کے لیے انسان اور جنات کے لیے جنیہ' پس تم دونوں اپنے رب کی نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

جنت کی حوروں کا حسن و جمال

الرحمٰن: ۵۹۔ ۵۸ میں فرمایا: گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

اس آیت میں جنت میں متقین کی بیویوں (حوروں) کا حسن و جمال بیان فرمایا ہے کہ گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر حلوں کے پار سے نظر آئے گی' حتیٰ کہ اس کی پنڈلی کا مغز بھی نظر آئے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں' رہا یاقوت تو وہ (سرخ) پتھر ہے حتیٰ کہ اگر تم اس میں ایک دھاگا داخل کرو' پھر تم اس کو شفاف کرو تو وہ تم کو اس کے پیچھے سے نظر آئے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۹۶' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۵)

وہ سفید ہونے میں مرجان کی طرح ہوں گی اور شفاف ہونے میں یاقوت کی طرح ہوں گی۔

اس کے بعد فرمایا: ''فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ○'' (الرحمٰن: ۵۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت میں تمہاری بیویوں کو اس قدر حسین بنا دیا ہے کہ ان کو دیکھ کر تمہاری آنکھوں کو لذت حاصل ہوتی ہے۔

نیکی اور اس کی جزاء کی تفسیر میں احادیث اور آثار

الرحمٰن: ۶۱۔ ۶۰ میں فرمایا: نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے ○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ○

عکرمہ نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: ''لا الٰہ الا اللہ'' کی جزاء صرف جنت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے: جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر عمل کیا' اس کی جزاء صرف جنت ہے۔

ابن زید نے کہا: جس نے دنیا میں نیک کام کیے' اس کی جزاء صرف یہ ہے کہ اس کے ساتھ آخرت میں نیکی کی جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا

الْاِحْسَانُ ۞ ‘‘ (الرحمٰن: ۶۰) پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور رسول کو ہی اس کا زیادہ علم ہے' آپ نے بتایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس پر میں نے توحید کا انعام کیا ہے اس کی جزاء جنت کے سوا کیا ہے۔

(الاتحافات السنیۃ ص ۲۸۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: جس شخص پر میں نے اپنی معرفت اور توحید کا انعام فرمایا' اس کی جزاء صرف یہ ہے کہ میں اس کو اپنی رحمت سے اپنی جنت میں اور اپنی قدس کی بارگاہ میں رکھوں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۳۸' تاریخ اصبہان ج ۱ ص ۲۳۳)۔

امام جعفر صادق نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے: جس شخص پر میں نے ازل میں احسان کیا ہے اس کی جزاء صرف یہ ہے کہ میں ابد تک اس پر احسان فرماتا رہوں۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۹۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۶۶۔ ۱۶۵' زاد المسیر ج ۸ ص ۱۲۲)

اس کے بعد فرمایا: ’’ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۞ ‘‘ (الرحمٰن: ۶۱) یعنی تم اپنے رب کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ اس نے تمہاری نیکیوں کی جزاء میں تمہیں جنت عطا فرمائی اور یہ چیز تمہیں بیان فرما دی تاکہ تم مزید نیکیاں کرو اور مزید ثواب حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ وہ دو جنتیں سیاہی مائل سبز رنگ کی ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ ان جنتوں میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں ۞ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ ان جنتوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ ان جنتوں میں خوب صورت' خوب سیرت بیویاں ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں' جو خیموں میں باپردہ ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ ان کو اس سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے نہ جن نے ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ (متقین) سبز قالینوں اور نفیس بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ۞ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ آپ کے رب کا نام بابرکت ہے جو بہت بزرگی والا اور بہت عزت والا ہے ۞ (الرحمٰن: ۷۸۔ ۶۲)

دو مزید جنتوں کی نعمت

الرحمٰن: ۶۳۔ ۶۲ میں فرمایا: اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞

مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ ھ لکھتے ہیں:

وہ دو جنتیں جو مقربین' صدیقین اور شہداء کے لیے ہیں: یعنی جنت عدن اور جنت نعیم' ان کے علاوہ اور دو فضیلت والی جنتیں ہیں' یعنی جنت الفردوس اور جنت الماویٰ۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۱۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ ھ)

اس کے بعد فرمایا: ’’ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۞ ‘‘ (الرحمٰن: ۶۳) یعنی پہلے متقین کے لیے دو جنتوں کا ذکر کیا گیا' پھر ان کے علاوہ متقین کے لیے دو اور جنتوں کا ذکر کیا گیا' پس تم اپنے رب کے اس فضل اور کرم کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

جنت کے درختوں' چشموں اور پھلوں کی نعمت

الرحمٰن: ۶۵۔ ۶۴ میں فرمایا: وہ دو جنتیں سیاہی مائل سبز رنگ کی ہیں ۞ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ

گے O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ جنتیں گہرے سبز رنگ کی ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ سیاہ رنگ کی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: " فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O " (الرحمٰن:۶۵) یعنی تمہارے لیے دو جنتیں گہرے سبز رنگ کی بنائی ہیں اور سبز رنگ آنکھوں کو بھلا لگتا ہے تو تم اپنے رب کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

الرحمٰن: ۶۷۔۶۶ میں فرمایا: ان جنتوں میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ دو چشمے خیر اور برکت سے چھلک رہے ہوں گے' حضرت ابن مسعود اور حضرت انس نے فرمایا: جنت میں اولیاء اللہ کے گھروں میں مشک' عنبر اور کافور کے چھینٹے پڑ رہے ہوں گے' جیسے بارش کے قطرے برستے ہیں۔ سعید بن جبیر اور دیگر مفسرین نے کہا: ان کے گھروں میں انواع واقسام کے پھل برس رہے ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا: " فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O " (الرحمٰن:۶۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت میں تمہارے لیے دو چشمے بنا دیئے ہیں جو ہمیشہ جاری رہتے ہیں اور کبھی منقطع نہیں ہوتے' تم اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

الرحمٰن: ۶۹۔۶۸ میں فرمایا: ان جنتوں میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں O تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس سے پہلے الرحمان: ۱۱ میں کھجوروں اور پھلوں کا ذکر آ چکا ہے' اس آیت میں انار کا ذکر بھی فرمایا ہے اور انار دو قسم کا ہوتا ہے: ترش اور شیریں۔

اس کے بعد فرمایا: " فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O " (الرحمٰن:۶۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو اور جنتیں جو عطا فرمائی ہیں ان میں بھی پہلی دو جنتوں کی طرح انواع واقسام کے پھل ہیں تو تم اللہ سبحانہٗ کی ان نعمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

آیا جنت میں مؤمنوں کی بیویاں زیادہ حسین ہوں گی یا جنت کی حوریں؟

الرحمٰن: ۷۱۔۷۰ میں فرمایا: ان جنتوں میں خوب صورت' خوب سیرت بیویاں ہیں O سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس آیت میں " خیرات " کا لفظ ہے' یہ دراصل " خَیِّرات " تھا' تخفیف کے لیے ایک " یا " کو حذف کر دیا۔

سعید بن عامر نے کہا: اگر " خیرات حسان " میں سے کوئی ایک آسمان پر آ جائے تو تمام آسمان روشن ہو جائے گا اور سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔

" حسان " کا معنی ہے: جس کی صورت حسین ہو اور اس کے حسن کا کون اندازہ کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حسین فرمایا ہو۔

زہری اور قتادہ نے کہا: ان کے اخلاق بہت نیک اور عمدہ ہیں اور ان کی صورت بہت حسین ہے۔

ابو صالح نے کہا: وہ سب دوشیزہ اور کنواری ہیں۔

ترمذی نے کہا: " خیرات " کا معنی ہے: جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار کر لیا اور چن لیا اور اپنے اختیار سے ان کی تخلیق کو بہت حسین اور بہت عمدہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کے مقابلہ میں انسانوں کے اختیار کی کیا حیثیت ہے' وہ صرف اپنے شوہروں کو دیکھنے والی ہوں گی اور گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں بڑی آنکھوں والی حوروں کے جمع ہونے کی ایک جگہ ہے' وہ وہاں پر اپنی آواز بلند کریں گی' ایسی آواز کسی مخلوق نے نہیں سنی ہوگی' وہ کہیں گی: ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں' ہم کبھی ہلاک نہیں ہوں گی' ہم نعمتوں والی ہیں' ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی اور ہم اپنے (شوہروں سے) راضی ہونے والی ہیں' سو ہم ان سے کبھی ناراض نہیں ہوں گی' اس کے لیے مبارک ہو جو ہمارے لیے ہے اور ہم جس کے لیے ہیں۔

جس عورت کے متعدد شوہر ہوں وہ جنت میں کس شوہر کے پاس رہے گی؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے'' حُوْرٌ عِیْنٌ ۝ '' (الواقعہ:۲۲) بڑی آنکھوں والی حوریں' آپ نے فرمایا: '' حور '' کا معنی ہے: سفید اور '' عین '' کا معنی ہے: موٹی آنکھ والی' ان کی پلک کرگس کے پر کی طرح ہوگی۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: '' کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ '' (الرحمٰن:۵۸) گویا کہ وہ یاقوت اور مونگے کی مثل ہیں' آپ نے فرمایا: وہ اس طرح صاف اور شفاف ہوں گی جس طرح سیپی میں موتی ہوتا ہے' جس کو کسی نے نہ چھوا ہو۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: '' فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ '' (الرحمٰن:۷۰) ان میں نیک سیرت اور حسین حوریں ہیں' آپ نے فرمایا: ان کے اچھے اخلاق ہوں گے اور ان کے چہرے حسین ہوں گے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: '' کَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ ۝ '' (الصّفٰت:۴۹) آپ نے فرمایا: ان حوروں کی جلد (کھال) اس طرح رقیق اور باریک ہوگی جیسے انڈے کی وہ جلد ہوتی ہے جو اس کے چھلکے کے قریب ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: '' عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ '' (الواقعہ ۳۷) محبت کرنے والی ہم عمر' آپ نے فرمایا: یہ وہ عورتیں ہیں' جو اس دنیا میں بڑھاپے میں فوت ہوئیں' اللہ تعالیٰ انہیں بوڑھی ہونے کے بعد دوشیزہ اور کنواری بنا دے گا' آپ نے فرمایا: '' عربًا '' کا معنی ہے: عشق اور محبت کرنے والیاں اور '' اترابًا '' کا معنی ہے: ہم عمر۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آیا دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا بڑی آنکھوں والی حوریں؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی عورتیں' بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح ابری' استر سے افضل ہوتی ہے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: وہ ان کی نمازوں اور اللہ کے لیے ان کے روزوں کی وجہ سے' اللہ تعالیٰ ان کے چہروں پر نور پہنائے گا اور ان کے جسموں پر ریشم کا لباس پہنائے گا' ان کا رنگ سفید ہوگا اور ان کا لباس سبز رنگ کا ہوگا' وہ سونے کے زیورات پہنے ہوں گی' ان کی انگیٹھیاں موتی کی ہوں گی اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی' وہ کہیں گے: سنو! ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں' ہمیں کبھی موت نہیں آئے گی' ہم ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گی اور ہم کبھی خوف زدہ نہیں ہوں گی' سنو! ہم ہمیشہ قیام پذیر رہیں گی اور ہم کبھی سفر نہیں کریں گی' ہم ہمیشہ (اپنے شوہروں سے) راضی رہیں گی اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی' اس کو مبارک ہو جس کے لیے ہم ہیں اور وہ ہمارے لیے ہے۔

میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی عورت دنیا میں کبھی دو شوہروں سے عقد کرتی ہے' کبھی تین سے اور کبھی چار سے' پھر وہ فوت ہو جاتی ہے اور جنت میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کے وہ شوہر بھی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں' تو وہ جنت میں کون

سے شوہر کے پاس رہے گی؟ آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! اس کو اختیار دیا جائے گا اور وہ اس شوہر کو اختیار کرے گی جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے' وہ عورت کہے گی: اے میرے رب! یہ شخص دنیا میں میرے ساتھ سب سے اچھے اخلاق کے ساتھ رہا تھا' سو تو میرا اس سے نکاح کر دے' اے ام سلمہ! دنیا اور آخرت کی خیر اچھے اخلاق کے سبب سے ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۶۵' مکتبۃ المعارف' ریاض' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں سلیمان بن ابی کریمہ ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۲۰)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کے دنیا میں کئی شوہر رہے ہوں' وہ جنت میں اس شوہر کے پاس رہے گی جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے اور اس کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا' اس کے بعد اس عورت نے کسی اور شخص سے شادی کی تو وہ عورت اپنے بعد والے خاوند کو ملے گی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۵۴' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۲۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۵۷' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۶۷۳)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابوبکر بن ابی مریم ہے' وہ مختلط ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۰)

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ جو عورت جس خاوند کے نکاح میں فوت ہو گی وہ اسی خاوند کو ملے گی یا اس نے اپنے خاوند کے فوت ہونے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح نہ کیا ہو اور اسی حال میں وہ فوت ہو گئی ہو تو وہ اپنے اسی خاوند کو ملے گی۔

اور جس عورت نے کئی مردوں سے نکاح کیا اور سب نے اس کو طلاق دے دی اور جب وہ فوت ہوئی تو وہ کسی کے نکاح میں نہ تھی تو اس کو جنت میں اختیار دیا جائے گا کہ جس مرد کے اس کے ساتھ سب سے اچھے اخلاق رہے ہوں وہ اس سے نکاح کر لے۔

حوروں کے متعلق سید مودودی کے انوکھے نظریہ پر بحث و نظر

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اس بحث میں ایک بہت عجیب و غریب بات لکھی ہے' وہ حوروں کے متعلق لکھتے ہیں:

رہی حوریں تو وہ اپنے کسی حسن عمل کے نتیجہ میں خود اپنے استحقاق کی بناء پر جنتی نہیں بنیں گی' بلکہ اللہ تعالیٰ جنت کی دوسری نعمتوں کی طرح انہیں بھی اہل جنت کے لیے ایک نعمت کے طور پر جوان اور حسین و جمیل عورتوں کی شکل دے کر جنتیوں کو عطا کر دے گا' تاکہ وہ ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن بہر حال یہ جن و پری کی قسم کی مخلوق نہ ہوں گی' کیونکہ انسان کبھی صحبت ناجنس سے مانوس نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اغلب یہ ہے کہ یہ وہ معصوم لڑکیاں ہوں گی جو نابالغی کی حالت میں فوت ہو گئیں اور ان کے والدین جنت کے مستحق نہ ہوئے کہ وہ ان کی ذریت کی حیثیت سے جنت میں ان کے ساتھ رکھی جائیں۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۷۳' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' اپریل ۱۹۸۲ء)

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ''اغلب یہ ہے'' کے ساتھ جو حوروں کی طبع زاد تعریف کی ہے وہ صحیح نہیں ہے' پہلی بات تو یہ ہے کہ نابالغ لڑکیوں پر معصوم کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے' نابالغ بچے غیر مکلف ہوتے ہیں معصوم نہیں ہوتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نابالغ لڑکیاں تو قیامت' حشر و نشر اور حساب کتاب کے بعد جنت میں جائیں گی' جب کہ حوریں تو اب بھی جنت میں موجود ہیں' پھر نابالغ لڑکیوں کو حوریں قرار دینا کس طرح درست ہو گا؟ حوریں اب بھی جنت میں ہیں' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت دنیا میں اپنے خاوند کو ایذاء پہنچاتی ہے تو بڑی آنکھوں والی حور جو جنت میں اس کی بیوی ہوتی ہے' وہ اس عورت سے کہتی ہے: اللہ تجھے ہلاک کر دے' یہ شخص دنیا میں تیرے پاس عارضی طور پر ہے اور عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہماری طرف آئے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۱۴' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۲)

حوروں کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ وہ آدم زاد نہیں ہوں گی' لیکن انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ انسانوں کی جنس سے حوریں بنائے گا اور جنات کے لیے جنات کی جنس سے حوریں تخلیق فرمائے گا' جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔

ایک بحث یہ ہے کہ جنت کی حوریں زیادہ حسین وجمیل ہیں یا دنیا کی (مؤمنہ) عورتیں' ایک قول یہ ہے کہ حوریں زیادہ حسین وجمیل ہیں' کیونکہ قرآن اور سنت میں ان کا بہت زیادہ حسن وجمال بیان کیا گیا ہے' حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے جنازہ پر یہ دعا پڑھی: (عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے دعا میں فرمایا:)

اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما اور اس کو معاف کر دے اور اس کو عافیت میں رکھ اور اس کی اچھی مہمانی کر اور اس کی قبر کو وسیع فرما اور اس کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور اس کو گناہوں سے اس طرح پاک اور صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے پاک اور صاف کر دیا جاتا ہے اور دنیا کے گھر سے اس کو اچھا گھر عطا فرما اور دنیا کے اہل سے اس کو اچھے اہل عطا فرما اور دنیا کی بیوی سے اس کو اچھی بیوی عطا فرما اور اس کو قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳)

حبان بن ابی جبلہ نے کہا کہ دنیا کی عورتوں میں سے جو جنت میں داخل ہو جائیں گی' ان کو دنیا میں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے بڑی آنکھوں والی حوروں پر فضیلت دی جائے گی۔

حسن بصری نے کہا کہ قرآن مجید میں جن بڑی آنکھوں والی حوروں کا ذکر کیا گیا ہے' یہ وہ مؤمنات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی ازواج ہیں اور عام مؤمنین کی ازواج ہیں' ان کو آخرت میں زیادہ حسین صورت پر پیدا کیا جائے گا۔

اور مشہور یہ ہے کہ بڑی آنکھوں والی حوریں دنیا کی عورتوں کی جنس سے نہیں ہیں' ان کو صرف جنت میں پیدا کیا گیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ (الرحمٰن: ۴۷) اور حوروں کو ان کے شوہروں سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہے نہ جن نے ۝

اور دنیا کی اکثر عورتیں وہ ہیں جن سے پہلے جماع کیا جا چکا ہے اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتیں جنت میں سب سے کم سکونت رکھنے والی ہیں' پس ہر جنتی شخص کو اس کی دنیاوی بیوی نہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بڑی آنکھوں والی حوروں کا وعدہ فرمایا ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ جنت کی حوریں دنیا کی مؤمنات سے مختلف ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۷۰۔۱۶۹' الکشف والبیان ج ۹ ص ۱۹۴)

جنت کی حوریں دنیا کی عورتوں سے مختلف ہوں گی' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر حلوں کے پار سے نظر آئے گی' حتیٰ کہ اس کی ہڈی کا مغز بھی دکھائی دے گا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (الرحمٰن: ۵۸) گویا کہ وہ حوریں یاقوت اور مونگے کی مثل ہوں گی ۝

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۳)

اس کے بعد فرمایا: '' فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○ '' (الرحمٰن: ۴۷) یعنی ان چاروں جنتوں میں سے ہر جنت میں تمہیں بہترین بیوی ملے گی' جس کا حسن و جمال اور اس کا اخلاق اور کردار بے مثال ہوگا' پھر تم اپنے رب کے اس احسان کا کیسے انکار کرسکو گے اور کیوں کر اس کا شکر ادا نہ کرو گے؟

''مقصورات'' اور خیموں کے معانی

الرحمٰن: ۷۳۔ ۷۲ میں فرمایا: بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں جو خیموں میں باپردہ ہیں○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○

یعنی جنت کی حوروں کو ان کی عزت اور کرامت کی وجہ سے خیموں میں باپردہ رکھا گیا ہے۔

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت میں ''مقصورات'' کا لفظ ہے اور اس کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: وہ اپنی نظریں صرف اپنے شوہروں پر مرکوز اور ان ہی میں منحصر رکھیں گی اور اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور مرد کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھیں گی۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ اپنے گھروں میں محصور رہیں گی' راستوں میں نہیں گھومیں گی۔

(۳) زید بن الحارث اور ابو عبیدہ نے کہا: وہ پردہ دار اور محفوظ ہوں گی' شوقین مزاج نہیں ہوں گی۔

(۴) حسن بصری نے کہا: وہ قصور یعنی محلات میں رہنے والی ہوں گی۔

اور خیموں کے متعلق تین قول ہیں: (۱) ابن بحر نے کہا: خیموں سے مراد گھر ہیں (۲) سعید بن جبیر نے کہا: جنت سے باہر ان کے خیمے لگائے جائیں گے' جیسے خانہ بدوشوں کے خیمے ہوتے ہیں (۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے خیمے کھوکھلے موتی ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۷۶۲)

(النکت والعیون ج ۵ ص ۴۴۳۔ ۴۴۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر مسلمان کو ایک نیک سیرت حور ملے گی اور ہر نیک سیرت حور کے لیے ایک خیمہ ہوگا' اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہوں گے' جن سے ہر روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیے اور تحفے آئیں گے' جو اس سے پہلے نہیں آئے تھے اور وہ نیک سیرت والی بیویاں نہ اترانے والی ہوں گی' نہ شوہر کی نافرمانی کرنے والی ہوں گی اور نہ ان کے منہ اور ان کے جسم سے بدبو آئے گی' وہ بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۷۶۳۔ ج ۱۰ ص ۳۳۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: '' فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○ '' (الرحمٰن: ۷۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نیک سیرت اور پاکیزہ حوریں خیموں میں مستور اور محفوظ رکھی ہیں سو تم اپنے رب کی اس نعمت کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟

الرحمان: ۷۵۔ ۷۴ میں فرمایا: ان کو اس سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے نہ جن نے○ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے○

''رفرف'' اور ''عبقری'' کے معانی

اس کی تفسیر الرحمٰن: ۵۶ میں گزر چکی ہے۔

الرحمٰن: ۷۶-۷۷ میں فرمایا: (متقین) سبز قالینوں اور نفیس بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے O پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے O

اس آیت میں "رفرف" کا لفظ ہے' علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

"رفرف" کا معنی بستر یا پردہ ہے' معراج کی شب جو آپ نے "رفرف" دیکھا وہ سبز رنگ کا قالین تھا' زمخشری نے کہا ہے کہ ریشم وغیرہ کے خوب صورت اور باریک کپڑے کو "رفرف" کہا جاتا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۲۲۱' الفائق ج ۲ ص ۵۰)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

"رفرف" بکھرے ہوئے پتوں کو کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے: "علی رفرف خضر" اس سے مراد خاص قسم کا سبز کپڑا (قالین) ہے جس کو سبز رنگ کی وجہ سے قالین کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' ایک قول یہ ہے کہ خیمہ کی ایک جانب جو کپڑا لٹکا ہوا ہوتا ہے اس کو "رفرف" کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۶۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ بستر کے اوپر سونے کے لیے جو کپڑا بچھایا جاتا ہے اس کو محابس کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا: سبز کپڑوں کو "رفرف" کہتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: اس سے مراد بچھونا ہے۔ جبائی نے کہا: اس کے معنی بلند بستر ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد جنت کے باغات ہیں' لمبے چوڑے کپڑے کو بھی "رفرف" کہتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۹۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ عمدہ قسم کے کپڑے کو "رفرف" کہتے ہیں' خواہ وہ قالین ہو یا چاندنی ہو یا غالیچہ ہو۔

اس آیت میں "رفرف خضر" کے بعد "عبقری حسان" کے الفاظ ہیں' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ جنات کی جگہ ہے' ہر وہ چیز جو غیر معمولی ہو انسان ہو یا حیوان ہو یا کپڑا ہو' اس کو غیر معمولی ہونے کی وجہ سے عبقر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے فرمایا: میں نے عمر کی طرح "عبقری" کوئی نہیں دیکھا' جس نے ان کی طرح حیرت انگیز کام کیا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۳)

"عبقری حسان" کا معنی ہے: جنت کے بچھونے غیر معمولی خوب صورت تھے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

"عبقری" کی اصل یہ ہے کہ عربوں کا گمان تھا کہ عبقر ایک بستی ہے' جس میں جن رہتے تھے' پس جب عرب کوئی غیر معمولی چیز دیکھتے یا کوئی ایسا کام دیکھتے جس کا کرنا بہت مشکل اور دشوار ہو یا بہت دقیق ہو تو وہ کہتے تھے کہ یہ کسی "عبقری" کا کام ہے' پھر وہ قوم کے سردار کو "عبقری" کہنے لگے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۱۵۸-۱۵۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن ابوبکر رازی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں:

عبقر' عنبر کے وزن پر ہے' یہ وہ جگہ ہے جس کے متعلق عربوں کا گمان تھا کہ یہ جنات کی سرزمین ہے' پھر وہ عبقر کی طرف ہر اس چیز کو منسوب کرتے تھے جو بہت قوت والا' بہت مہارت والا اور بہت حیرت انگیز کام کرے اور وہ اس شخص کو عبقری کہتے

تھے۔ (مختار الصحاح ص ۲۴۷ 'داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو سب سے کامل ہو اس کو "عبقری" کہتے ہیں اور سردار کو اور ہر اس چیز کو جس سے اوپر اور برتر کوئی چیز نہ ہو اور بہت طاقت ور کو اور بچھونے کی ایک قسم کو۔ (القاموس المحیط ص ۴۳۵ 'موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس کے بعد فرمایا: "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝" (الرحمٰن: ۷۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنی عزتیں اور کرامتیں عطا کی ہیں تو کیا تم اس کی ان نعمتوں کا انکار کر سکتے ہو؟

اللہ کے نام کی برکت کا معنی اور اس کی رحمت کے تقاضے

الرحمٰن: ۷۸ میں فرمایا: آپ کے رب کا نام بابرکت ہے جو بہت بزرگی والا اور بہت عزت والا ہے ۝

اس نام سے مراد وہ نام ہے جس نام کے ساتھ اس سورت کو شروع کیا ہے' یعنی رحمان اور یہ بتایا ہے کہ رحمان نے انسانوں اور جنات کو پیدا کیا اور تمام انسانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وہ ہر روز مخلوق کی ایک نئی حالت اور نئی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے' پھر قیامت اور اس کے ہولناک امور کا ذکر فرمایا اور مجرموں کے لیے دوزخ کا ذکر کیا' پھر متقین کے لیے جنت کا ذکر فرمایا اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ یہ رحمان کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے اے انسانو! تم کو اور جنات کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمانوں اور زمینوں کو اور جنت اور دوزخ کو پیدا کیا اور یہ سب نعمتیں جو اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے پیدا کی ہیں یہ اس کے نام رحمٰن کا تقاضا ہے' پھر اس لیے اس نے اس نام کی مدح فرمائی کہ یہ نام بابرکت ہے' جو بہت بزرگی اور بہت عزت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں کا ذکر اس آیت پر ختم کیا: "وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝" (الرحمٰن: ۲۷) اور آخرت کی نعمتوں کو اس آیت پر ختم کیا: "تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝" (الرحمٰن: ۷۸) اس میں یہ اشارہ ہے کہ اصالۃً اور بالذات جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے وہ صرف اللہ عزوجل ہے' دنیا اور اس کی ساری نعمتیں فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں اگرچہ دائمی اور باقی ہیں لیکن وہ خود بہ خود دائمی اور باقی نہیں ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے باقی کرنے اور دائمی بنانے سے دائمی اور باقی ہیں۔

"تبارك" کا لفظ "برکت" سے ماخوذ ہے' "برکت" کا معنی دوام اور ثبوت ہے' یعنی اللہ کا نام دائم ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے' نیز "برکت" کا لفظ خیر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی ہر قسم کی خیر اللہ کے نام میں ہے اور "برکت" کا معنی بلندی بھی ہے' یعنی اللہ کا نام بہت بلند ہے اور اسم کا لفظ ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ جس کا نام بلند ہے اس کی ذات کی بلندی کا کیا عالم ہوگا یا جس کے نام میں خیر ہے اس کی ذات میں کس قدر خیر ہوگی یا جس کے نام میں برکت اور دوام ہے' اس کی ذات کی برکت اور دوام کا کیا عالم ہوگا' تبھی تو فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۔ (الملک: ۱) بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں تمام کائنات کا اقتدار ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝ (المؤمنون: ۱۴) سو بابرکت ہے وہ ذات جو سب سے عمدہ تخلیق کرنے والی ہے ۝

سورۃ الرحمٰن کا اختتام

آج بہ روز جمعرات ۲۰ رمضان ۱۴۲۵ھ/ ۴ نومبر ۲۰۰۴ء سورۃ الرحمٰن کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ ۸ رمضان کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح بارہ دنوں میں اس کی تکمیل ہوگئی' فالحمد للہ رب العٰلمین۔

الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور اس تفسیر کو قیامت تک مسلمانوں میں مقبول' مرغوب اور فیض آفریں بنادیں' مخلصین اور محبین کے لیے اس کو موجب استقامت بنائیں اور مخالفین کے لیے اس کو موجب ہدایت بنادیں۔ میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے احباب اور میرے تلامذہ کی مغفرت فرمائیں' اس کتاب کے ناشر' کمپوزر' مصحح' دیگر معاونین' قارئین اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائیں' مجھے نیکی' صحت وسلامتی کے ساتھ تاحیات اسلام پر قائم رکھیں اور ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں' ارذل عمر اور مخلوق کی احتیاج سے محفوظ رکھیں اور ناگہانی آفتوں سے مامون رکھیں' آخرت میں ہر قسم کے عذاب اور شرمندگی سے بچائیں اور عزت اور سرخروئی عطا فرمائیں' مرنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا وسید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ الطاھرین واصحابہ الراشدین وازوجہ امھات المؤمنین وعلٰی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' بلاک: ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الواقعۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورت کی پہلی آیت سے اس سورت کا نام ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ (الواقعہ: ۲-۱)

جب قیامت واقع ہو جائے گی ○ (تو) اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا ○

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کو قیامت' حشر و نشر' حساب و کتاب اور جنت دوزخ کی خبریں سناتے تھے تو کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ سب خیالی اور فرضی باتیں ہیں' ان میں سے کسی کا وقوع نہیں ہوگا' قیامت واقع ہوگی نہ حساب و کتاب ہوگا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ جب قیامت واقع ہو جائے گی تو پھر اس کے وقوع کو جھٹلانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اس سورت میں ایک آیت ہے:

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (الواقعہ: ۷۹)

اس قرآن کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں ○

حضرت عمر کو جب معلوم ہوا کہ ان کی بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں' وہ ان کے گھر گئے' وہ اس وقت حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے' جب حضرت عمر آئے تو انہوں نے قرآن مجید کے اوراق چھپا دیئے' حضرت عمر نے اپنی بہن اور بہنوئی کو مار مار کر لہولہان کر دیا' پھر جب دل میں رحم آیا تو بہن سے کہا: لاؤ! مجھے وہ اوراق دکھاؤ' تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ ان کی بہن نے کہا: میں تم کو وہ اوراق نہیں دوں گی' تم ان کو چھونے کے اہل نہیں ہو' تم غسل جنابت نہیں کرتے اور پاک نہیں ہوتے اور اس قرآن کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے تھے۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۴۳-۱۴۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ سورت واقعہ نبوت کے چھٹے سال کے لگ بھگ نازل ہوئی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۶ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۶ ہے۔

سورۃ الواقعہ کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الواقعہ مکہ میں نازل ہوئی۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابو فاطمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے گئے' حضرت عثمان نے پوچھا: آپ کو کس چیز سے تکلیف ہے؟ فرمایا: اپنے گناہوں سے' پوچھا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا: اپنے رب کی رحمت کو' پوچھا: ہم آپ کے لیے طبیب کو بلائیں؟ فرمایا: طبیب ہی نے مجھے بیماری میں مبتلا کیا ہے'

پوچھا: میں آپ کو کچھ وظیفہ دینے کا حکم دوں؟ فرمایا: آپ اس سے پہلے مجھے منع کر چکے ہیں' اب مجھے اس کی حاجت نہیں ہے' کہا: پھر آپ اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ پیش کرنے دیں' فرمایا: میں نے ان کو ایسی چیز سکھا دی ہے جب وہ اس کو پڑھ لیں گے تو پھر وہ کسی چیز کے محتاج نہیں ہوں گے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے ہر رات سورۂ واقعہ پڑھی وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہوگا۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۴۹۱' رقم الحدیث: ۲۴۹۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر رات سورۂ واقعہ پڑھی وہ کبھی فاقے سے نہیں رہے گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۴۹۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی عورتوں کو سورۂ واقعہ سکھاؤ' کیونکہ یہ خوشحال کرنے والی سورت ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۰۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے' آپ نے فرمایا: (سورۂ) ھود' الواقعۃ' المرسلات' عم یتساء لون اور اذا الشمس کوّرت نے بوڑھا کر دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے جس طرح آج کل تم نمازیں پڑھتے ہو' لیکن آپ بہت تخفیف سے نمازیں پڑھتے تھے' آپ کی نماز اس طرح ہوتی تھی جیسے تمہاری مختصر نماز ہوتی ہے' آپ فجر کی نماز میں سورۃ الواقعہ اور اس جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۷۲۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۵۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۸۱۳' المستدرک ج ۱ ص ۲۴۰' سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۱۹' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۴ قدیم' مسند احمد ج ۳۴ ص ۵۰۴۔ رقم الحدیث: ۲۰۹۹۵)

سورۃ الواقعہ کے مشمولات

☆ سورۃ الواقعہ کی ابتداء میں بیان فرمایا ہے کہ جب قیامت آئے گی تو زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' پھر جو لوگ حساب کے لیے پیش ہوں گے' ان کی تین قسمیں ہوں گی: (۱) اصحاب الیمین (جن کا اعمال نامہ ان کے سیدھے ہاتھ میں ہوگا) (۲) اصحاب الشمال (جن کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا) (۳) السابقین (نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے والا یا بڑھ چڑھ کر نیکی کرنے والے)' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ان میں سے ہر فریق کی آخرت کے دن کیا جزاء ہوگی۔

☆ یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت' اس کی تخلیق' اس کی قدرت کے کمال پر دلائل قائم کیے گئے ہیں' اور انسان کی تخلیق' زمین کی پیداوار' بارش کے برسنے اور ایندھن میں جلانے کی قوت سے انسان کے دوبارہ پیدا ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید کا ذکر اس سے پہلی کتابوں میں بھی تھا اور یہ کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا اور کوئی چھو نہیں سکتا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں اور بدکاروں کی جزاء اور سزا کا ذکر فرمایا ہے اور شرک اور کفر پر زجر و توبیخ کی ہے۔

سورۃ الواقعہ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الواقعہ

کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت پر قائم رکھنا اور وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو بات باطل ہو اور غلط ہو اس سے مجتنب رکھنا اور اس کے رد کا حوصلہ اور ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک:۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ/ ۵ نومبر ۲۰۰۴ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الواقعۃ مکیۃ ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ آیاتہا ۹۶ رکوعاتہا ۳

سورۃ الواقعہ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھیانوے آیات، تین رکوع ہیں

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ

جب قیامت واقع ہو جائے گی O (تو) اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا O وہ پست کرنے والی

رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾

بلند کرنے والی ہوگی O جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی O اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ

پس وہ منتشر غبار ہو جائیں گے O اور تم لوگوں کے تین گروہ ہو جائیں گے O سو دائیں طرف والے کیا ہی

مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۹﴾

اچھے ہیں دائیں طرف والے O اور بائیں طرف والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ

اور آگے بڑھنے والے ہی آگے بڑھنے والے ہیں O وہی (اللہ کے) مقربین ہیں O وہ نعمت والی جنتوں میں ہیں O بڑا گروہ

مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾

پہلے لوگوں سے ہے O اور تھوڑے پچھلے لوگوں سے ہیں O وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے O

مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾

ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے O ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے O

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا

مٹکوں اور جگوں اور شراب کے لبریز جاموں کے ساتھ O جس سے نہ ان کے سر میں

وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا

درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو O ان کے پسندیدہ پھل O اور پرندوں کا وہ گوشت

يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءً

جس کو وہ چاہیں O اور بڑی آنکھوں والی حوریں O جیسے چھپے ہوئے موتی O (یہ) ان (نیک)

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا

کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے O وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات O مگر ہر طرف

سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ

سے سلام سلام کی آواز O اور دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے O وہ بے کانٹوں

مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾

کی بیریوں میں ہوں گے O اور تہ بہ تہ کیلوں میں O اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں O اور چھلکتے ہوئے پانی میں O

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾

اور بہ کثرت پھلوں میں O جو نہ کبھی ختم ہوں گے نہ ان سے منع کیا جائے گا O اور اونچے بستروں میں O

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ

ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے O ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا O محبت کرنے والیاں ہم عمر O جو دائیں

الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾

طرف والے لوگوں کے لیے ہیں O

ع ۱ ۴۸ ۱۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب قیامت واقع ہو جائے گی O (تو) اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا O وہ پست کرنے والی بلند کرنے والی ہوگی O جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی O اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O پس وہ منتشر غبار ہو جائیں گے O (الواقعہ: ۶-۱)

سورۃ الواقعہ اور سورۃ الرحمٰن کی باہمی مناسبت

سورۃ الواقعہ کی سورۃ الرحمٰن سے حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ کی متعدد نعمتوں کا بیان تھا اور ان نعمتوں کی تکذیب سے منع فرمایا تھا اور ان نعمتوں کے شکر کا مطالبہ فرمایا تھا اور اس سورت الواقعہ میں شکر کرنے والے کی جزاء کا اور کفرانِ نعمت کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرنے والوں کی سزا کا بیان ہے۔

(۲) اُس سورت میں ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' فرما کر بار بار تنبیہ فرمائی تھی اور اس سورت میں بھی قیامت کے دن

اعمال کے بدلہ کا ذکر کر کے تنبیہات فرمائی ہیں۔

(۳) سورۃ الرحمٰن میں زیادہ تر رحمت کا ذکر ہے اور سورۃ الواقعہ میں زیادہ ترہیب کا ذکر ہے اور دونوں سورتیں اللہ تعالیٰ کے اسم کی تنزیہ اس کی عظمت اور شان اس کی غالب سلطنت اور کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

قیامت کا وقوع اور اس کا جھوٹ نہ ہونا

الواقعہ: ۳۔۱ میں فرمایا: جب قیامت واقع ہو جائے گی O (تو) اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہو گا O وہ پست کرنے والی بلند کرنے والی ہوگی O

اس سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت واقع ہو گی یا زلزلہ واقع ہو گا تو ہر شخص اس کا اعتراف کرے گا اور کوئی شخص اس کا انکار اور اس کی تکذیب نہیں کر سکے گا اور معاندین جو قیامت کا انکار کرتے تھے ان کا انکار باطل ہو جائے گا کفار دوزخ کے نچلے طبقات میں پڑے ہوں گے اور مؤمنین جنت کے بلند درجات میں ہوں گے اس وقت اوپر کی چیزیں نیچے اور نیچے کی چیزیں اوپر ہو جائیں گی پہاڑ زمین کی طرح پست ہوں گے اور زمین پہاڑوں کی طرح بلند ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی O اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O اس میں یہ اشارہ ہے کہ زمین بہت تیزی سے حرکت کر رہی ہوگی اور پہاڑ پھٹ رہے ہوں گے۔

الواقعہ: ۲ میں فرمایا ہے: "لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ O" اس کے متعدد محمل ہیں:

(۱) "کاذبة" "عاقبة" کی طرح مصدر ہے اور "کاذبة" کا معنی کذب ہے یعنی اس کے وقوع کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا۔

(۲) قیامت کی ہیبت کی وجہ سے اس دن قیامت کے متعلق کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا۔

(۳) اگر کوئی شخص قیامت کے متعلق جھوٹ بولتا اور اس دن یہ کہتا کہ کوئی قیامت نہیں ہوئی اور کوئی واقعہ نہیں ہوا تو وہ بہت بڑا جھوٹا ہوتا اور اس عظیم واقعہ کو دیکھ کر کوئی جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا۔

(۴) زجاج حسن اور قتادہ نے کہا: اس دن قیامت کو کوئی رد نہیں کر سکے گا۔

(۵) الثوری اور الکسائی نے کہا: اس دن قیامت کے وقوع کو دیکھ کر کوئی شخص قیامت کی تکذیب نہیں کر سکے گا اور کوئی شخص قیامت کو جھٹلا نہیں سکے گا اور ہر شخص قیامت کی تصدیق کرے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ قیامت کا وقوع ایک حتمی اور شدنی چیز ہے اس میں کوئی مذاق نہیں ہے۔

پست اور بلند کرنے کے محامل

نیز فرمایا: وہ پست کرنے والی بلند کرنے والی ہوگی O

عکرمہ مقاتل اور سدی نے کہا: اس کی آواز قریب والوں کے لیے پست ہوگی اور دور والوں کے لیے بلند ہوگی یعنی اس کی آواز قریب اور بعید ہر کسی کو سنائی دے گی۔

سدی نے کہا: وہ متکبرین کو پست کر دے گی اور متواضعین کو بلند کر دے گی۔

قتادہ نے کہا: وہ ایک قوم کو اللہ کے عذاب میں سرنگوں کر دے گی اور دوسری قوم کو اللہ کی اطاعت کی وجہ سے سربلند کرے گی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اللہ کے دشمنوں کو دوزخ میں پست کرے گی اور اولیاء اللہ کو جنت میں

بلند کرے گی۔

محمد بن کعب نے کہا: جو لوگ دنیا میں سر بلند تھے ان کو پست کر دے گی اور جو لوگ دنیا میں سرنگوں تھے ان کو بلند کر دے گی۔

ابن عطاء نے کہا: کسی کو عدل سے نیچا کر دے گی اور کسی کو فضل سے بالا کر دے گی۔

سر بلندی اور پستی عربی میں جگہ اور مکان کے اعتبار سے بھی مستعمل ہوتی ہے اور عزت اور ذلت کے اعتبار سے بھی مستعمل ہوتی ہے' اور اس آیت میں اس کا استعمال دونوں اعتبار سے ہے۔

''رُجَّت' بُسَّت اور ھباءً منبثًا'' کے معنی

الواقعہ: ۴ میں فرمایا: جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی O

اس آیت میں ''رجت'' کا لفظ ہے' ''رجّ'' ''یرجّ'' کا معنی ہے: تحریک دینا' زلزلہ لانا' جس اونٹنی کا کوہان بہت بڑا ہو اس کو ''ناقۃ رجاء'' کہتے ہیں۔

کلبی نے کہا: جب اللہ تعالیٰ زمین کی طرف وحی کرے گا تو وہ مارے خوف کے لرزنے لگے گی' پھر زمین پر بنی ہوئی ہر چیز منہدم ہو جائے گی اور اس پر نصب پہاڑ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے' اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ زمین پر بار بار زلزلہ آئے گا۔

الواقعہ: ۵ میں فرمایا: اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O

اس آیت میں ''بُسّت'' کا لفظ ہے' یہ ''بَسّ'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: آٹے یا ستو کو گھی یا زیتون کے تیل میں لتھیڑ دیا جائے' یہاں مراد یہ ہے کہ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر چورا چورا ہو جائیں گے اور اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گے۔

عطیہ نے کہا: جس طرح ریت اور مٹی بچھی ہوئی ہے' اسی طرح پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ریت اور مٹی کی طرح ہو جائیں گے۔ ''بسّ'' کا معنی چلانا اور ہنکانا بھی ہے' یعنی پہاڑوں کو اپنی جگہ سے چلایا اور ہنکایا جائے گا۔

الواقعہ: ۶ میں فرمایا: پس وہ منتشر غبار ہو جائیں گے O

اس آیت میں ''الھباء المنبث'' کے الفاظ ہیں' ''الھباء'' کے معنی ہیں: غبار اور ''المنبث'' کے معنی ہیں: بکھرا ہوا اور منتشر' یعنی چوپایوں' مثلاً گھوڑوں اور گدھوں کے دوڑنے سے غبار اڑتا ہے' پھر بکھر جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کفار کے اعمال کو بھی اسی طرح بکھرے ہوئے غبار کی طرح کر دے گا۔

مجاہد نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح دیوار کے کسی سوراخ یا روشن دان سے سورج کی روشنی اندر آتی ہے تو سورج کی شعاعیں منتشر غبار کی صورت میں کمرے کے اندر آتی ہیں سو اسی طرح پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم لوگوں کے تین گروہ ہو جائیں گے O سو دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے O اور بائیں طرف والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O اور آگے بڑھنے والے ہی آگے بڑھنے والے ہیں O وہی (اللہ کے) مقربین ہیں O وہ نعمت والی جنتوں میں ہیں O (الواقعہ: ۱۲۔۷)

''اصحاب المیمنہ' اصحاب المشئمہ'' اور ''السابقون'' کے معانی اور ان کی وجہ تسمیہ

اللہ تعالیٰ نے آخرت میں لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں اور ان میں سے ہر ایک کے احوال بیان فرمائے اور ان میں

سب سے پہلے ''اصحاب المیمنہ'' یعنی دائیں طرف والوں کا ذکر فرمایا' اس سے مراد جنتی لوگ ہیں' ان کو ''اصحاب المیمنۃ'' اس لیے فرمایا ہے کیونکہ ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوگا یا اس وجہ سے کہ ان کا نور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (الحدید: ۱۲)

قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا' آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' یہی بڑی کامیابی ہے ۝

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تین قسمیں کی ہیں' یہ اس کی دلیل ہے کہ اس پر رحمت کا غلبہ ہے' کیونکہ انسان کی چار جانبیں ہیں' دائیں' بائیں' آگے اور پیچھے۔ دائیں جانب' بائیں جانب کے مقابل ہے اور پیچھے کی جانب آگے کی مقابل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ دائیں جانب والے نجات یافتہ ہیں' جن کو ان کے صحائف اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں اور ان کے برخلاف بائیں جانب والے ہیں جن کو ان کے صحائف اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے' ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے تیسری قسم کا ذکر فرمایا جو سابقین ہیں' جن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور وہ تمام مخلوق پر سبقت کریں گے' خواہ وہ دائیں جانب والے ہوں یا بائیں جانب والے ہوں' یہ لوگ دائیں جانب والوں میں سے بہت بلند مرتبہ کے ہوں گے' یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقربین میں سے ہوں گے' یہ دوسرے مؤمنوں کے متعلق بات کریں گے اور ان کی شفاعت کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں بائیں جانب والوں کا ذکر نہیں فرمایا' جو بائیں جانب والوں میں زیادہ شریر ہوں اور ان پر زیادہ غضب ہو' کیونکہ بائیں جانب والے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقہور اور اس کی رحمت سے زیادہ دور ہیں اور یہ تین قسمیں اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ. (الفاطر: ۳۲)

پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں' اور بعض وہ ہیں جو درمیانہ روی پر ہیں اور بعض وہ ہیں جو بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرنے والے ہیں اور نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آگے بڑھنے والے ہی آگے بڑھنے والے ہیں' یعنی جو دنیا میں نیکیوں میں آگے بڑھنے والے تھے' وہی آخرت میں درجات جنت میں آگے بڑھنے والے ہیں۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ دائیں جانب والے اللہ تعالیٰ کے مقرب نہیں ہوں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرب کے بہت درجات ہیں اور سابقین انتہائی قرب میں ہوں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سابقین جنت کے قریب پہنچ چکے ہوں گے اور ابھی اصحاب الیمین جنت کی طرف کے راستے میں ہوں گے' کیونکہ اصحاب الیمین سے آسان حساب لیا جائے گا اور مقربین سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا' جس وقت اصحاب الیمین اللہ کے قرب کے راستہ پر ہوں گے اس وقت مقربین اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوں گے' یا جس وقت اصحاب الیمین

بڑی آنکھوں والی حوروں تک پہنچیں گے' اس وقت مقربین نعمت والی جنتوں اور اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور اللہ کے قرب کے مراتب غیر متناہی ہیں' جب اصحاب الیمین قرب کے ایک مرتبہ میں ہوں گے تو سابقین اس مرتبہ سے گزر کر اس سے اگلے قرب کے مرتبہ میں ہوں گے اور اصحاب الیمین سیر الی اللہ میں ہوں گے اور سابقین سیر فی اللہ میں ہوں گے۔

نعمت والی جنتوں کے دو مرتبہ ہیں' ایک مرتبہ ان کی جسمانی لذتوں کا ہے اور دوسرا مرتبہ روحانی لذتوں کا ہے کیونکہ سابقین کو اللہ تعالیٰ کے غایت قرب سے انتہائی لذت اور کرامت حاصل ہوگی۔

''اصحاب المیمنہ'' کے مصادیق

زید بن اسلم نے کہا: ''اصحاب المیمنۃ'' وہ لوگ ہیں جن کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب سے نکالا گیا تھا اور ''اصحاب المشئمۃ'' وہ لوگ ہیں جن کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے نکالا گیا تھا۔

ابن جریج نے کہا: ''اصحاب المیمنۃ'' نیک کام کرنے والے لوگ ہیں اور ''اصحاب المشئمۃ'' بُرے اور قبیح کام کرنے والے لوگ ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے شب معراج کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ہم آسمانِ دنیا پر پہنچے تو وہاں ایک شخص تھا جس کی دائیں طرف بھی ایک مخلوق تھی اور بائیں طرف بھی ایک مخلوق تھی' جب وہ دائیں طرف دیکھتا تو ہنستا تھا اور جب وہ بائیں طرف دیکھتا تو روتا تھا' اس نے (مجھ کو دیکھ کر) کہا: نیک نبی اور نیک بیٹے کو مرحبا (خوش آمدید) ہو' میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آدم علیہ السلام ہیں اور جو مخلوق ان کی دائیں جانب اور بائیں جانب ہے وہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں' جو دائیں جانب والے ہیں وہ اہل جنت ہیں اور جو بائیں جانب والے ہیں' وہ اہل دوزخ ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۱۴)

''السابقون'' کے مصادیق

اور ''السابقون السابقون'' کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سابقین وہ ہیں' جب ان کو حق دیا جائے تو وہ اس کو قبول کرلیں اور جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ اس کو عطا کردیں اور لوگوں پر وہ حکم کریں جو اپنے اوپر حکم کرتے ہیں۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: وہ انبیاء ہیں۔ حسن اور قتادہ نے کہا: وہ ہر امت میں سے ایمان کی طرف سبقت کرنے والے لوگ ہیں۔

عکرمہ نے کہا: یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ۔ سابقین اور اولین مہاجرین اور انصار میں سے۔

(التوبہ: ۱۰۰)

مجاہد وغیرہ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد کی طرف سبقت کرتے ہیں اور نماز کے لیے لوگوں میں سب سے پہلے روانہ ہوتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو پانچ نمازوں کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: جو جہاد کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: جو توبہ اور نیکی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ○ (المومنون: ۶۱) یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے اور ان کی طرف سبقت کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ نے سابقین کے متعلق فرمایا ہے: یہی لوگ مقربین ہیں' یعنی جو لوگ اللہ کی اطاعت کی طرف سبقت کرتے ہیں' وہی اس کے قرب اور اس کی رحمت کی طرف سبقت کرتے ہیں۔

سبقت کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ سبقت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سبقت کا اصل معنی ہے: چال اور رفتار میں کسی سے آگے نکلنا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ○ (النّزعٰت: ۴) پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والے فرشتوں کی قسم! ○

اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ . (یوسف: ۱۷) ہم ایک دوسرے سے دوڑنے میں آگے نکلنے میں لگ گئے۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ . (یوسف: ۲۵) وہ دونوں دروازے کی طرف (ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کے لیے) دوڑے۔

اور کبھی مجازاً دوڑنے کے علاوہ محض پہل اور پیش قدمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ. (الاحقاف: ۱۱) اور کافروں نے مؤمنوں سے کہا: اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ ایمان لانے میں ہم سے پہل نہ کرتے۔

اور کبھی یہ لفظ فضیلت کو جمع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ (الواقعہ: ۱۰) دنیا میں اعمالِ صالحہ میں پہل کرنے والے ہی' آخرت میں جنت اور ثواب کی طرف پہل کرنے والے ہیں ○

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۴' مطبوعہ نزارِ مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

جوہری نے کہا ہے کہ دوڑ میں مقابلہ کرنے والوں کے لیے جس نیزے کو گاڑ دیا جاتا ہے اس کو سَبَق کہتے ہیں۔

(مختار الصحاح ص ۱۷۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بڑا گروہ پہلے لوگوں سے ہے ○ اور تھوڑے پچھلے لوگوں سے ہیں ○ وہ (زر و جواہر سے) مرصّع تختوں پر ہوں گے ○ ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے ○ (الواقعہ: ۱۶۔ ۱۳)

''ثُلّة'' کا معنی اور مصداق

الواقعہ: ۱۳ میں ''ثُلّة'' کا لفظ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

''ثُلّة'' کا معنی ہے: انبوہ کثیر' بہت بڑی جماعت' اصل میں ''ثُلّة'' اون کے گچھے کو کہتے ہیں اور کثرتِ اجتماع کی مناسبت سے بہت بڑی جماعت کے لیے ''ثُلّة'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۰۵' مکتبہ نزارِ مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

''ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○'' (الواقعہ: ۳۹) گزشتہ امتوں کے سابقین کی بہت بڑی جماعت'' وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○'' (الواقعہ: ۴۰) سے مراد ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سابقین۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی' ان میں سے سیدنا محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی امت کی اسی (۸۰) صفیں ہوں گی اور باقی امتوں کی چالیس صفیں ہوں گی اور گزشتہ امتوں کے سابقین اور مقربین اس امت کے سابقین اور مقربین کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوں گے' اس لیے فرمایا: '' ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ '' (الواقعہ:۳۹) اور اس امت کے سابقین ان کی بہ نسبت بہت کم ہوں گے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۱۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا چوتھائی ہو گے' ہم نے کہا: اللہ اکبر! آپ نے پھر فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا تہائی ہو گے' ہم نے کہا: اللہ اکبر! پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے' ہم نے کہا: اللہ اکبر! پھر آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے مقابلہ میں ایسے ہو گے جیسے سفید بیل میں کالے بال ہوتے ہیں یا کالے بیل میں سفید بال ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲' صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۸۹' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۶۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۳۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۲۸۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حسن بصری نے کہا: '' ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ '' (الواقعہ:۱۳) اس سے مراد ہے: گزشتہ امتوں کے سابقین کی جماعت اور '' قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ '' (الواقعہ:۱۴) اس سے مراد ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سابقین' ان کو قلیل اس لیے فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین بہت زیادہ تھے اور ان کی امتوں میں ایمان کی طرف سبقت کرنے والے بھی بہت زیادہ تھے' اس لیے ان کا عدد ہماری امت کے سابقین سے زیادہ ہو گیا۔

'' قلیل من الاٰخرین اور ثلۃ من الاٰخرین '' میں تعارض کا جواب

اس کے بعد فرمایا ہے: '' ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ '' (الواقعہ:۳۹) اور '' ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ '' (الواقعہ:۴۰) اور بہ ظاہر یہ تعارض ہے' کیونکہ الواقعہ: ۱۴ میں فرمایا تھا کہ آپ کی امت کے سابقین قلیل ہیں اور الواقعہ: ۴۰ میں فرمایا ہے کہ آپ کی امت کے سابقین کثیر ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ الواقعہ: ۱۴۔۱۳ کا تعلق سابقین سے ہے اور الواقعہ: ۴۰۔۳۹ کا تعلق اصحاب الیمین سے ہے' یعنی آپ کی امت کے سابقین تو گزشتہ امتوں سے کم ہوں گے' لیکن آپ کی امت کے اصحاب الیمین یعنی عام مؤمنین کی تعداد بہت زیادہ ہو گی اور گزشتہ امتوں کے مؤمنین اور ہماری امت کے مؤمنین دونوں کے بڑے گروہ ہوں گے' لیکن ہماری امت کا گروہ گزشتہ امتوں کے گروہ سے بہت بڑا اور بہت زیادہ ہو گا' جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

'' موضونۃ '' کا معنی

الواقعہ: ۱۵ میں فرمایا: وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے ۝

اس آیت میں '' موضونۃ '' کا لفظ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کا مادہ '' الوضن '' ہے' اس کا معنی ہے: زرہ بننا' اور ہر مضبوط بناوٹ کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۸۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

'' وضن '' کا معنی ہے: کسی چیز کو دوہرا تہرا بنانا' چمڑے پر دھاگوں سے کسی چیز کو بنانا' زرہ کو مضبوطی سے بُننا' کسی چیز کو جواہر سے مرصع کرنا۔ (القاموس المحیط ص ۱۲۳۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سونے کے تاروں سے بنی ہوئی کوئی چیز' موتی اور یاقوت سے بنی ہوئی جالی'
حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے' اس کا معنی ہے: ''مصفوفة'' یعنی وہ تخت قطار در قطار ہوں گے۔
تفاسیر میں ہے کہ وہ تخت سونے کے سرکنڈوں سے بنے ہوں گے اور ان میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے۔
الواقعہ :۱۶ میں فرمایا: ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے O
یعنی وہ سابقین ایک دوسرے کے سامنے متقابل ہوں گے' ان کی ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی' دوسری تفسیر یہ ہے کہ مؤمنین' ان کی بیویاں اور ان کے اہل تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے O مشکوں اور جگوں اور شراب لبریز جاموں کے ساتھ O جس سے نہ ان کے سر میں درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو O ان کے پسندیدہ پھل O اور پرندوں کا وہ گوشت جس کو وہ چاہیں O اور بڑی آنکھوں والی حوریں O جیسے چھپے ہوئے موتی O یہ ان (نیک) کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے O وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات O مگر ہر طرف سے سلام سلام کی آواز O (الواقعہ: ۲۶۔۱۷)

''ولدان'' اور ''غلمان'' کے معانی اور مصادیق

الواقعہ: ۱۷ میں ''ولدان مخلدون'' کے الفاظ ہیں' ''ولدان'' ''ولید'' کی جمع ہے' ان کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ مؤمنین کے کم عمر بچے ہیں' لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس سے پہلے الطور: ۲۱ میں گزر چکا ہے کہ مؤمنوں کے کم سن بچوں کو ان ہی کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا اور بعض مؤمنوں کی اولاد ہی نہیں ہوگی تو دوسرے مؤمنوں کی کم سن اولاد کو ان کی خدمت پر کیسے مامور کیا جائے گا اور اس میں ان بچوں کے باپ کی بھی خفت ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کفار کے کم سن بچے ہوں گے اور اس قول میں کوئی خرابی نہیں ہے اور ''مخلدون'' کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ رہیں گے یا ان پر موت اور فنا نہیں آئے گی' یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسی کیفیت پر ہمیشہ برقرار رہیں گے اور ہمیشہ کم سن رہیں گے' وہ بڑے ہوں گے نہ ان کی ڈاڑھی آئے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۹۳)

ان کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت بھی ہے:

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ O (الطور: ۲۴)

اور ان (جنتیوں) کے گرد کم عمر لڑکے پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتی ہیں O

اہل جنت کی خدمت کے لیے نوعمر خدام دیئے جائیں گے جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی اور رعنائی میں وہ ان موتیوں کی طرح ہوں گے جس کو ڈھک کر رکھا جاتا ہے' مبادا کسی کا ہاتھ لگنے سے ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے۔

عکرمہ نے کہا ہے کہ ان لڑکوں کو اللہ تعالیٰ نے ولادت کے معروف طریقہ کے بغیر جنت میں ایک عمر پر پیدا کیا ہے' یہ جنت میں گھومتے رہتے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حسن بصری نے کہا: یہ مسلمانوں کے وہ بچے ہیں جو کم عمر میں فوت ہو جاتے ہیں' ان کی کوئی نیکی ہوگی نہ گناہ۔

سلمان فارسی نے کہا: یہ مشرکین کے نابالغ بچے ہیں جو اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

حسن بصری نے کہا: ان کی نہ کوئی نیکی ہوگی جس کی ان کو جزاء دی جائے اور نہ ان کا کوئی گناہ ہوگا جس کی ان کو سزا دی

جائے' ان کو اس جگہ رکھا جائے گا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اہل جنت کو مکمل خوشی اور راحت پہنچائی جائے اور جب انسان کے آگے اور پیچھے خدام گھوم رہے ہوں تو اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۸۴)

اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں اس طرح پیدا کیا ہے جس طرح بڑی آنکھوں والی حوروں کو جنت میں پیدا کیا ہے' نہ وہ مریں گے' نہ بوڑھے ہوں گے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۴۱)

اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت ہی میں پیدا کیا ہوتا کہ وہ اہل جنت کی خدمت کریں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۱۹۹)

''اکواب' اباریق' کاس'' اور ''معین'' کے معانی اور مصادیق

الواقعہ: ۱۸ میں فرمایا: مشکوں اور جگوں اور شراب سے لبریز جاموں کے ساتھ O

اس آیت میں ''اباریق'' کا لفظ ہے' یہ ''ابریق'' کی جمع ہے' دراصل یہ فارسی کا لفظ ہے' اس کو عربی بنایا گیا ہے' اصل میں یہ لفظ ''آب ریز'' تھا یعنی وہ برتن جس سے پانی یا کوئی مشروب گرایا جائے' جیسے لوٹا یا جگ۔ (مختار الصحاح ص ۴۲' موضحاً)

اور اس میں ''اکواب'' کا لفظ ہے' یہ لفظ ''کوب'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: کوزے' آب خورے اور گلاس' پانی پینے کا وہ برتن جس میں پکڑنے کے لیے دستہ نہ ہو۔ (مختار الصحاح ص ۳۳۸' موضحاً)

اور ''کاس'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: شراب سے بھرا ہوا جام' شراب کے جام کو بھی کہتے ہیں' اس کی جمع ''کئوس'' ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۲۷' موضحاً)

''معین'' کا معنی ہے: جاری چشمہ۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۱۱) یہاں مراد ہے: جنت میں شراب کے جاری چشمے۔

امام رازی نے لکھا ہے: ''اکواب'' سے مراد بڑے پیالے ہیں جن میں پکڑنے کے لیے دستے نہ ہوں (میں کہتا ہوں: اس سے مراد شراب کے مٹکے لینا زیادہ مناسب ہے) اور ''اباریق'' سے مراد ہے: پانی کے وہ برتن جن کا دستہ ہو اور اس کی سونڈ (ٹونٹی) بھی ہو' اس سے مراد لوٹے یا جگ ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۹۳)

یعنی جنت کی شراب کے چشموں سے شراب نکال کر مٹکوں میں رکھی جائے گی اور اس سے جگ یا لوٹے بھرے جائیں گے' پھر اس شراب کو جاموں یا گلاسوں میں انڈیل کر ولدان اور غلمان اہل جنت کو پیش کریں گے۔

الواقعہ: ۱۹ میں فرمایا: جس سے نہ ان کے سر میں درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو O

''صداع'' کا معنی ہے: سر میں درد ہونا اور ''نزف'' کا معنی ہے: عقل کا ماؤف ہو جانا۔

یعنی جنت کی شراب میں صرف لذت ہوگی' اس کے پینے سے سر میں درد ہوگا' نہ عقل میں کوئی کمی آئے گی نہ عقل خراب ہوگی نہ ان کو نشہ ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خمر (انگور کی شراب) میں چار وصف ہوتے ہیں' اس سے نشہ آتا ہے' سر میں درد ہوتا ہے' قے ہوتی ہے اور پیشاب آتا ہے اور جنت کی شراب ان تمام خرابیوں سے پاک ہوگی۔

جنت کے پرندوں کی کیفیت

الواقعہ: ۲۱۔۲۰ میں فرمایا: ان کے پسندیدہ پھل O اور پرندوں کا وہ گوشت جس کو وہ چاہیں O

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کوثر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ دریا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے (جنت میں) عطا فرمایا ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے' شہد سے

زیادہ میٹھا ہے اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں سے زیادہ لمبی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک یہ بہت بڑی نعمت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو کھانا بہت اچھا ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک پرندہ ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں وہ آ کر ایک جنتی شخص کے پیالے پر بیٹھ جائے گا پھر اپنے پر جھاڑے گا تو اس کے ہر پر سے سفید رنگ کے برف کے ذرات اور اولے نکلیں گے جو مکھن سے زیادہ ملائم اور برف سے زیادہ میٹھے ہوں گے اور اس کا کوئی رنگ پرندے کے مشابہ نہیں ہوگا پھر وہ پرندہ اڑ کر چلا جائے گا۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۴ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۸۶۔ ۱۸۵ کنز العمال ج ۱۴ ص ۴۶۳۔ ۴۶۲)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں اونٹ کی جسامت کے پرندے ہیں وہ ایک جنتی شخص کے پاس آئیں گے اور پھر چلے جائیں گے اور گویا کہ اس سے کچھ کم نہیں ہوگا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جنت کے پرندوں میں سے کسی پرندے کو کھانے کی خواہش کرے گا وہ پرندہ بھنا ہوا اس کے ہاتھ میں آ جائے گا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک شخص اونٹ کے برابر پرندے کو کھانے کی خواہش کرے گا وہ پرندہ اس کے دستر خوان پر آ کر گر جائے گا اس کو دھواں چھوئے گا نہ آگ وہ اس سے سیر ہو کر کھائے گا پھر وہ پرندہ اڑ جائے گا۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۱۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حوروں کا حسن اور جمال

الواقعہ: ۲۳۔ ۲۲ میں فرمایا: اور بڑی آنکھوں والی حوریں ○ جیسے چھپے ہوئے موتی ○

ابراہیم نخعی نے کہا: بڑی آنکھوں والی حوروں سے اہل جنت کا نکاح کر دیا جائے گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے متعلق بتایئے: "حُوْرٌ عِیْنٌ ○" (الواقعہ: ۲۲) آپ نے فرمایا: وہ سفید رنگ کی حوریں ہوں گی جن کی آنکھیں موٹی موٹی اور کشادہ ہوں گی۔ (المعجم الاوسط ج ۳ ص ۲۷۸ الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی آنکھوں والی حوروں کو زعفران سے پیدا کیا گیا ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۱ ص ۹۵ جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۸۰۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا اس کا بہتر بیویوں سے نکاح کر دیا جائے گا دو بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی اور ستر بیویاں اس کو دوزخیوں کی میراث سے ملیں گی ان میں سے ہر بیوی محل شہوت ہوگی اور ان سے اپنی خواہش پوری کرنے میں اہل جنت کو کسی قسم کا ضعف اور تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۷ الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی شخص کو اتنی اور اتنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کی قوت دی جائے گی۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: اس کو سو عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کی طاقت دی جائے گی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں نور چمک رہا ہو گا' مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کس چیز کا نور ہو گا؟ آپ نے فرمایا: حور اپنے شوہر کو دیکھ کر ہنسے گی تو اس کے دانتوں سے روشنی پھوٹے گی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۶۳' الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۵)

ان حوروں کے متعلق فرمایا: وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گی' یعنی ان کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہو گا اور نہ ان پر گردوغبار پڑا ہو گا' سو وہ سیپ میں چھپے ہوئے موتی سے زیادہ صاف اور شفاف ہوں گی اور ان کے جسم کی ہر جانب سے ان کا حسن چمک رہا ہو گا۔

آخرت کی تمام نعمتوں کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے

الواقعہ: ۲۴ میں فرمایا: یہ ان (نیک) کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے O

جنت میں داخل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس کا سبب بندے کا ایمان لانا ہے اور جنت میں حور و غلمان کا ملنا اور کھانے پینے کی لذیذ چیزیں' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور اس کا سبب بندے کے نیک اعمال ہیں اور جنت میں دوام اور خلود یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس کا سبب بندے کی یہ نیت ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان پر قائم رہے گا۔ لیکن یہ سب ظاہری اسباب ہیں' حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے' بندہ اسی کے فضل کے سبب سے ایمان لاتا ہے' اسی کے فضل سے نیک اعمال کرتا ہے اور اسی کے فضل سے ایمان اور اعمال صالحہ پر قائم رہتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا O (النساء: ۸۳)

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند افراد کے سوا تم سب افراد شیطان کے پیروکار بن جاتے O

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ O فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ O يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ O كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ O يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ O لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ O فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O (الدخان: ۵۷-۵۱)

بے شک متقی لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے O جنتوں میں اور چشموں میں O وہ باریک اور موٹے ریشم کا لباس پہنے آمنے سامنے ہوں گے O ایسا ہی ہو گا ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی زوجیت میں دے دیں گے O وہ وہاں پر ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے O وہ پہلی موت کے سوا جنت میں اور کسی موت کا مزا نہیں چکھیں گے' اور اللہ نے انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالیا O (انہیں یہ سب نعمتیں) آپ کے رب کے فضل سے (ملیں) یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

الواقعہ: ۲۴ میں آخرت کی ان نعمتوں کی نسبت مسلمانوں کے نیک اعمال کی طرف کی ہے اور الدخان: ۵۱-۵۷ میں ان نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کی طرف کی ہے اور اول الذکر سبب ظاہری ہے اور ثانی الذکر سبب حقیقی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو بھی نہیں' سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۶' مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۲)

اس مضمون کو ہم نے زیادہ تفصیل کے ساتھ "تبیان القرآن" ج ۴ ص ۱۴۳-۱۴۱ میں لکھا ہے۔

لغو اور گناہ کی باتوں کے مصادیق

الواقعہ: ۲۶۔ ۲۵ میں فرمایا: وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات ○ مگر ہر طرف سے سلام سلام کی آواز ○

اس آیت میں ''لغو'' کا لفظ ہے' وہ کوئی لغویات نہیں سنیں گے' لغویات سے مراد ہے: ایسا کلام جو عبث اور بے فائدہ ہو' جو لائق شمار نہ ہو یا کھیل کود کی باتیں' جن کو سننے سے محض وقت ضائع ہو اور گناہ کی بات سے مراد ہے: جھوٹ' چغلی اور فحش باتیں۔

مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: لڑائی جھگڑے' گالم گلوچ' جھوٹی قسمیں اور گناہ پر ابھارنے والی باتیں۔

وہ اس میں سلامتی کی باتیں سنیں گے اور نیکی کی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی باتیں سنیں گے' وہ جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو کلام کی ابتداء سلام سے کریں گے' اور ایک دوسرے کو خوش آمدید اور مرحبا کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے ○ وہ بے کانٹوں کی بیریوں میں ہوں گے ○ اور تہ بہ تہ کیلوں میں ○ اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں ○ اور چھلکتے ہوئے پانی میں ○ اور بہ کثرت پھلوں میں ○ جو نہ کبھی ختم ہوں گے نہ ان سے منع کیا جائے گا ○ اور اونچے بستروں میں ○ ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے ○ ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا ○ محبت کرنے والیاں ہم عمر ○ جو دائیں طرف والے لوگوں کے لیے ہیں ○ (الواقعہ: ۳۸۔ ۲۷)

جنت کی بیریوں' کیلوں اور درختوں کی صفات

الواقعہ: ۲۷ میں اصحاب الیمین کا دوبارہ ذکر فرمایا ہے' اس سے مراد سابقین ہیں۔ الواقعہ: ۸۔ ۱۲ میں ان کی تفسیر آ چکی ہے' ان کا دوبارہ ذکر ان کی شان کو ظاہر کرنے کے لیے اور اس مرتبہ کے حصول کی ترغیب کے لیے فرمایا ہے۔

الواقعہ: ۲۸ میں فرمایا: وہ بے کانٹوں کی بیریوں میں ہوں گے ○

سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیہاتیوں سے اور ان کے سوالات سے نفع پہنچاتا ہے' ایک دن ایک اعرابی نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! اللہ عزوجل نے جنت کے ایک ایسے درخت کا ذکر فرمایا ہے جو ایذاء پہنچانے والا ہے' اور میرا یہ گمان نہیں تھا کہ جنت کا کوئی درخت جنتی کو ایذاء پہنچائے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کون سا درخت ہے؟ اس نے کہا: وہ بیری کا درخت ہے' اس میں اذیت دینے والے کانٹے ہوتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ''فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ○'' (الواقعہ: ۲۸) وہ بے کانٹوں کی بیریوں میں ہوں گے' اللہ تعالیٰ ان کے کانٹوں کو کاٹ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا کر دے گا' ان کانٹوں میں پھل اگیں گے اور ہر پھل سے بہتر (۷۲) ذائقے نکلیں گے اور ان میں سے کسی کا رنگ دوسرے سے نہیں ملے گا۔

علامہ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۷۶ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۷۸ طبع جدید' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۳' الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۵۵۱۱)

الواقعہ: ۲۹ میں فرمایا: اور تہ بہ تہ کیلوں میں ○

کیلے کے درخت کو ''طلح'' کہتے ہیں' اس کا واحد ''طلحۃ'' ہے اور ''منضود'' کے معنی ہیں: تہ بہ تہ۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الطلح'' سرزمین حجاز میں بہت بڑا درخت ہوتا ہے' اس میں بہت زیادہ کانٹے ہوتے ہیں اور ''منضود'' کا معنی یہ

ہے کہ اس درخت میں تہ بہ تہ پھل ہیں' ان دونوں درختوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عرب ان درختوں کو بہت پسند کرتے تھے' جن کا سایہ بہت لمبا اور بہت گھنا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ درخت دنیاوی درخت کے مشابہ ہو گا لیکن اس میں کانٹوں کے بجائے بہت شیریں پھل ہوں گے' اہل یمن کیلے کے درخت کو ''الطلح'' کہتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

الواقعہ: ۳۱۔ ۳۰ میں فرمایا: اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں O اور چھلکتے ہوئے پانی میں O

جنت کے درختوں کے سائے ہمیشہ قائم رہیں گے' کبھی ختم نہیں ہوں گے' تمام جنت سائے والی ہے' وہاں دھوپ نہیں ہو گی اور وہاں اس طرح کا وقت ہو گا جیسے صبح کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے' اس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا اور اس کے سائے کو منقطع نہیں کر سکے گا اور اگر چاہو تو یہ آیات پڑھو:

وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ۙ﴿۳۰﴾ وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ﴿۳۱﴾ (الواقعہ: ۳۱۔ ۳۰) اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں O اور چھلکتے ہوئے پانی میں O

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۸)

''مسکوب'' کا لفظ ''سکب'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: پانی بہانا۔

الواقعہ: ۳۳۔ ۳۲ میں فرمایا: اور بہ کثرت پھلوں میں O جو نہ کبھی ختم ہوں گے' نہ ان سے منع کیا جائے گا O

یعنی وہ پھل اس طرح کم مقدار اور کم تعداد میں نہیں ہوں گے جس طرح دنیا میں ہوتے تھے اور کسی وقت میں بھی وہ پھل منقطع نہیں ہوں گے' جس طرح دنیا میں گرمیوں کے پھل سردیوں میں نہیں ہوتے اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں نہیں ہوتے' دنیا میں بعض اوقات پھلوں کے حصول سے درختوں میں لگے ہوئے کانٹے مانع ہوتے ہیں' بعض اوقات باغ کی چار دیواری مانع ہوتی ہے' بعض دفعہ حفاظت کے چوکیدار مانع ہوتے ہیں' بعض اوقات وہ پھل اس قدر مہنگے ہوتے ہیں کہ انسان کی قوتِ خرید سے باہر ہوتے ہیں' بعض اوقات انسان کی بیماریاں بعض پھلوں کے کھانے سے مانع ہوتی ہیں' جنت میں کسی بھی وقت کسی بھی پھل کو کھانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو گی۔

اہل جنت کی بیویوں کی صفات

الواقعہ: ۳۴ میں فرمایا: اور اونچے بستروں میں O

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وَّ فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ ﴿ؕ۳۴﴾'' (الواقعہ: ۳۴) کی تفسیر میں فرمایا: ان بستروں کی اونچائی اتنی ہو گی جتنی زمین سے آسمان تک کی اونچائی ہے اور وہ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں بستروں سے مراد اہل جنت کی بیویاں ہیں' کیونکہ وہ بستر ان بیویوں کا محل ہو گا اور اس آیت کا معنی ہے کہ حسن اور جمال اور فضل و کمال میں ان بیویوں کا مرتبہ بہت بلند ہو گا۔

الواقعہ: ۳۶۔ ۳۵ میں فرمایا: ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے O ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا O

یعنی ہم نے بڑی آنکھوں والی حوروں کو دنیا کے معروف طریقہ ولادت کے بغیر پیدا کیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنو آدم کی عورتیں ہیں' یعنی ہم نے ان کو دوبارہ از سر نو پیدا کیا اور ہم نے ان کو نوجوانی اور شباب کے حال میں لوٹا دیا اور ہم نے بوڑھی خواتین اور بچیوں کو از سر نو جوان اور دوشیزہ بنا دیا۔

الواقعہ: ۳۸۔۳۷ میں فرمایا: محبت کرنے والیاں ہم عمر○ جو دائیں طرف والے لوگوں کے لیے ہیں○
اس آیت میں ''عربا'' کا لفظ ہے' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ سب عربی میں کلام کریں گی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ سب ہم عمر ہوں گی' وہ سب کنواری اور دوشیزہ ہوں گی' اور یہ سب نعمتیں دائیں طرف والے مسلمانوں کے لیے ہوں گی۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ

(دائیں طرف والوں کا) بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا○ اور ایک بڑا گروہ بعد کے لوگوں میں سے ہوگا○ اور بائیں طرف

مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾

والے کیسے برے ہیں بائیں طرف والے○ وہ گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے○ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے○

لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوْا

جو نہ ٹھنڈا ہو گا نہ فرحت بخش○ بے شک وہ اس سے پہلے بہت نعمتوں میں تھے○ اور وہ گناہ

يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا

کبیرہ پر اصرار کرتے تھے○ اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾

اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا○ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی؟○

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ

آپ کہیے: بے شک تمام اوّلین اور آخرین○ ضرور مقرر دن کے وقت پر جمع کیے

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ

جائیں گے○ پھر بے شک تم اے گمراہو جھٹلانے والو!○ تم ضرور تھوہر

مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ

کے درخت سے کھانے والے ہو○ پھر اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہو○ پھر اس پر

عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ

کھولتے ہوئے پانی کو پینے والے ہو○ پس تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو گے○ یہ قیامت کے دن

الدِّيْنِ ؕ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ؕ﴿۵۸﴾

ان کے لیے ضیافت ہےO ہم نے تم کو پیدا کیا ہے سو تم کیوں تصدیق نہیں کرتےO بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو منی (رحم میں) ٹپکاتے ہوO

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ

کیا اس سے تم (انسان کی) تخلیق کرتے ہو یا ہم تخلیق کرنے والے ہیںO ہم ہی نے تمہارے درمیان موت

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ۙ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ

(کا وقت) مقدر فرما دیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیںO کہ ہم تمہارے بدلے میں تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں ازسرنو اس طرح

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پیدا کر دیں جس کو تم بالکل نہیں جانتےO اور بے شک تم پہلی پیدائش کو خوب جانتے ہو تو کیوں سبق حاصل نہیں کرتےO

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ؕ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾

بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہوO اس کو (حقیقت میں) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیںO

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤO کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیاO

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ؕ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ

بلکہ ہم تو محروم ہو گئےO بھلا بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہوO کیا تم نے

اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ

اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیںO اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو)

اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ؕ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ

سخت کڑوا بنا دیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟O بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہوO کیا اس کے لیے

اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً

درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیںO ہم نے اس کو نصیحت بنایا

وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝۷۳ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝۷۴

اور مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز O سو آپ اپنے رب کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (دائیں طرف والوں کا) بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا O اور ایک بڑا گروہ بعد کے لوگوں میں سے ہوگا O اور بائیں طرف والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O وہ گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے O اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے O جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش O بے شک اس سے پہلے وہ بہت نعمتوں میں تھے O اور وہ گناہ کبیرہ پر اصرار کرتے تھے O اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا O اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی؟ O آپ کہیے: بے شک تمام اوّلین اور آخرین O ضرور مقرر دن کے وقت پر جمع کیے جائیں گے O پھر بے شک تم اے گم راہو جھٹلانے والو! O تم ضرور تھوہر کے درخت سے کھانے والے ہو O پھر اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہو O پھر اس پر کھولتے ہوئے پانی کو پینے والے ہو O پس تم پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو گے O یہ قیامت کے دن ان کے لیے ضیافت ہے O (الواقعہ: ۵۶-۳۹)

دائیں طرف والوں کے لیے بشارتیں

الواقعہ: ۳۹ میں فرمایا: (دائیں طرف والوں کا) بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا O

ابو العالیہ' مجاہد' عطاء بن ابی رباح اور ضحاک نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ گزشتہ امتوں میں سے دائیں طرف والوں کا بڑا گروہ ہوگا۔

الواقعہ: ۴۰ میں فرمایا: اور ایک بڑا گروہ بعد کے لوگوں میں سے ہوگا O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ دونوں گروہ اس امت میں سے ہوں گے' اس امت میں سے متقدمین کا بھی ایک بڑا گروہ دائیں طرف والوں میں سے ہوگا اور اس امت کے متاخرین میں سے بھی ایک بڑا گروہ دائیں طرف والوں میں سے ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں بڑے گروہ میری امت میں سے ہوں گے۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۳۸۷' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۹)

بائیں طرف والوں کے لیے وعیدیں

الواقعہ: ۴۲-۴۱ میں فرمایا: اور بائیں طرف والے کیسے بُرے ہیں بائیں طرف والے O وہ گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے O

دائیں جانب والوں کی فضیلت کے بعد بائیں جانب والوں کی مذمت کی آیات ہیں' کافروں' منافقوں اور مشرکوں کو بائیں جانب والے فرمایا' کیونکہ ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں ہوں گے۔

الواقعہ: ۴۲ میں ''سموم'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گرم ہوا' جیسے دنیا میں لو چلتی ہے' یہ گرم ہوا بدن کے مسامات میں داخل ہو جاتی ہے' یہاں اس سے مراد دوزخ کی آگ کی سخت گرمی اور تپش ہے اور اس آیت میں ''حمیم'' کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے: کھولتا ہوا پانی' جب دوزخ کی آگ ان کے جسموں کو جلا دے گی تو یہ کھولتے ہوئے پانی کی پناہ میں آئیں گے جیسے دنیا میں انسان آگ سے گھبرا کر پانی کی طرف دوڑتا ہے' تاکہ آگ کی گرمی کا توڑ پانی سے کرے اور وہ کھولتا ہوا پانی ایسا ہوگا:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ۝ (محمد:۱۵) ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا پس وہ ان کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا۝

الواقعہ: ۴۳ میں فرمایا: اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۝

وہ گرم ہوا کی شدت یا دوزخ کی آگ کی تپش سے سائے کی طرف دوڑیں گے' جیسے دنیا میں انسان دھوپ کی تپش سے گھبرا کر سائے کی طرف جاتا ہے اور دوزخیوں کا سایہ سیاہ دھواں ہوگا' اس آیت میں "یحموم" کا لفظ ہے' لغت میں "یحموم" کا معنی ہے: شدید سیاہ' ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ "حمم" سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: کوئلہ۔ ضحاک نے کہا: دوزخ کی آگ سیاہ ہے' اس کے رہنے والے سیاہ ہیں اور اس کی ہر چیز سخت سیاہ ہے۔

الواقعہ: ۴۴ میں فرمایا: جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش۝

بلکہ وہ دھواں گرم ہوگا جو جہنم کے کناروں سے نکل رہا ہوگا' نہ اس کا منظر دل کش ہوگا نہ اس میں کوئی خیر ہوگی۔

الواقعہ: ۴۵ میں فرمایا: بے شک اس سے پہلے وہ بہت نعمتوں میں تھے۝

یعنی وہ اس سخت عذاب کے اس لیے مستحق ہوئے کہ وہ اس سے پہلے بہت نعمتوں میں تھے' لیکن انہوں نے اس کا شکر ادا نہیں کیا۔

الواقعہ: ۴۶ میں فرمایا: اور وہ گناہ کبیرہ پر اصرار کرتے تھے۝

یعنی وہ شرک پر تھے اور بار بار وعظ اور نصیحت کے باوجود شرک کو ترک نہیں کرتے تھے۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: وہ بڑے بڑے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے تھے۔ اصرار کا معنی ہے: گناہ پر گناہ کرنا اور توبہ نہ کرنا' وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوں گے اور بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے' یہ ان کے وہ بڑے بڑے گناہ ہیں جن سے وہ تائب نہیں ہوتے تھے۔

الواقعہ: ۴۷ میں فرمایا: اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۝

یعنی وہ مر کر دوبارہ زندہ کیے جانے کو بہت بعید سمجھتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے۔

الواقعہ: ۴۸ میں فرمایا: (اور وہ کہتے تھے:) کیا ہمارے باپ دادا کو بھی؟۝

گویا ان کے نزدیک یہ امر بہت بعید تھا۔

الواقعہ: ۵۰۔ ۴۹ میں فرمایا: آپ کہیے: بے شک تمام اوّلین اور آخرین۝ ضرور مقرر دن کے وقت پر جمع کیے جائیں گے۝

اوّلین سے مراد ہے: کفار مکہ کے آباء واجداد اور آخرین سے مراد ہے: خود کفار مکہ اور مقرر دن سے مراد ہے: قیامت کا دن۔

الواقعہ: ۵۱ میں فرمایا: پھر بے شک تم اے گمراہو جھٹلانے والو!۝

گم راہو سے مراد ہے: راہ ہدایت سے بھٹکنے والو اور توحید کے بجائے شرک کا اعتقاد رکھنے والو! اور جھٹلانے والو سے مراد ہے: قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیے جانے کی تکذیب کرنے والو!۔

الواقعہ: ۵۲ میں فرمایا: تم ضرور تھوہر کے درخت سے کھانے والے ہو۝

اس آیت میں "زقوم" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: تھوہر کا درخت' اس کی خوراک مہلک ہوتی ہے' یہ جہنم کے ایک درخت کا

نام ہے' یہ بہت بدصورت درخت ہے اور اس کا ذائقہ بھی بہت کڑوا ہے' سورۃ الصّٰفّٰت میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

الواقعہ: ۵۳ میں فرمایا: پھر اسی سے پیٹوں کو بھرنے والے ہو O

یعنی زقوم کے کڑوے اور مہلک پھلوں سے اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہو۔

الواقعہ: ۵۴ میں فرمایا: پھر اس پر کھولتے ہوئے پانی کو پینے والے ہو O

زقوم کے کڑوے پھل کھانے کے بعد جب پیاس لگے گی تو پھر تم کھولتے ہوئے پانی کو پیو گے' جو جوش سے ابل رہا ہوگا' یہ پانی دراصل دوزخیوں کی پیپ ہوگا' ان کا گمان ہوگا کہ اس سے پیاس بجھے گی' جب کہ اس پانی کے پینے سے ان کو مزید اذیت اور عذاب ہوگا۔

الواقعہ: ۵۵ میں فرمایا: پس تم پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہو گے O

اس آیت میں ''ھیم'' کا لفظ ہے۔عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: بیمار اونٹ' ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ اونٹ جس کو پیاس کی بیماری ہو۔

الواقعہ: ۵۶ میں فرمایا: یہ قیامت کے دن ان کے لیے ضیافت ہے O

اس آیت میں ''نزل'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: مہمان کو کھلانے کے لیے جو خصوصی کھانا تیار کیا جاتا ہے' سو جو کفار اور مشرکین قیامت کے منکرین ہیں ان کی مہمانی کے لیے یہ کھانے اور پینے کی چیزیں تیار کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے تم کو پیدا کیا ہے سو تم کیوں تصدیق نہیں کرتے O بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو منی (رحم میں) ٹپکاتے ہو O کیا اس سے تم (انسان کی) تخلیق کرتے ہو یا ہم تخلیق کرنے والے ہیں O ہم ہی نے تمہارے درمیان موت (کا وقت) مقدر فرما دیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں O کہ ہم تمہارے بدلے میں تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں از سر نو اس طرح پیدا کر دیں جس کو تم بالکل نہیں جانتے O اور بے شک تم پہلی پیدائش کو خوب جانتے ہو تو کیوں سبق حاصل نہیں کرتے O بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو O اس کو (حقیقت میں) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کر دیں' پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ O کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا O بلکہ ہم تو محروم ہو گئے O بھلا بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو O کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں O اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو) سخت کڑوا بنا دیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ O بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو O کیا اس کے لیے درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں O ہم نے اس کو نصیحت بنایا اور مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز O سو آپ اپنے رب عظیم کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے O (الواقعہ: ۵۷-۷۴)

تخلیق انسان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حشر ونشر پر استدلال

تم جو عورتوں کے رحموں میں منی ٹپکاتے ہو بتاؤ کہ اس سے تم انسان کی تخلیق کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں اور جب تم نے یہ جان لیا کہ ہم ہی انسانوں کے خالق ہیں تو تم اس کو مانتے کیوں نہیں اور اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے اور جب تم اللہ تعالیٰ ہی کو خالق مانتے ہو تو پھر اس کو واحد کیوں نہیں مانتے؟ تم دیکھتے ہو کہ ہمیشہ سے انسان کی تخلیق ایک طرز اور ایک طریقہ سے ہو رہی ہے' ہمیشہ عورتیں بچہ جنتی ہیں' کبھی کسی مرد سے بچہ پیدا نہیں ہوا اور ہمیشہ مکمل بچہ استقرار حمل کے نو ماہ بعد پیدا ہوتا ہے اور ہمیشہ آگے کے راستہ سے سر کے بل بچہ پیدا ہوتا ہے' کبھی پیچھے کے راستہ سے یا پیروں کے بل بچہ پیدا نہیں ہوتا' کیا نظامِ تخلیق کی یہ وحدت پکار پکار کر یہ نہیں بتا رہی کہ اس نظامِ تخلیق کا خالق بھی واحد ہے؟ کیونکہ اگر اس نظام کے متعدد خالق ہوتے تو اس

نظام میں یہ وحدت اور یکسانیت نہ ہوتی اور یہ نظام حادث ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اس کا خالق حادث نہ ہو' ورنہ وہ بھی انسان کی طرح مخلوق ہوگا' خالق نہیں ہوگا' اس لیے ضروری ہوا کہ اس نظام کا خالق حادث اور ممکن نہ ہو' بلکہ قدیم اور واجب ہو اور قدیم اور واجب کا متعدد ہونا محال ہے۔ کیونکہ اگر وہ متعدد ہوں تو ہر قدیم اور واجب میں دو جز ہوں گے' ایک جز نفسِ وجوب اور قدم ہوگا اور وہ سب تیں میں مشترک ہوگا اور دوسرا جز ممیز ہوگا' جس کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں گے اور جو حقیقت دو جزءوں سے مرکب ہو' وہ اپنے اجزاء کی طرف محتاج ہوتی ہے اور جو اپنے وجود میں محتاج ہو' وہ ممکن اور حادث ہوتا ہے' واجب اور قدیم نہیں ہوتا' اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان کا خالق واحد ہو' متعدد نہ ہو' نیز جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک بار پیدا کر دیا تو وہ ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا' پھر تم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے کا اور حشر ونشر کا کیوں انکار کرتے ہو؟

تخلیق کے مراحل سے مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال

الواقعہ: ٦۰ میں فرمایا: ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقدر فرما دیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں O

اس آیت سے بھی اس پر استدلال فرمایا ہے کہ جو تم کو مارنے پر قادر ہے وہ تم کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور فرمایا: ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔

الواقعہ: ٦۱ میں فرمایا: کہ ہم تمہارے بدلہ میں تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں از سر نو اس طرح پیدا کر دیں جس کو تم بالکل نہیں جانتے O

یعنی اگر ہم تمہارے مرنے کے بعد تمہاری جنس سے اور لوگ پیدا کرنا چاہیں تو ہمیں اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور ہم تمہارے مرنے کے بعد تمہاری شکل وصورت کو تبدیل کر دیں' مؤمن کے چہرے کو سفید بنا دیں اور کافر کے چہرے کو سیاہ اور بدہیئت بنا دیں یا مؤمنوں کی روحوں کو پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیں' جن کا تمہیں ابھی علم نہیں ہے۔

الواقعہ: ٦۲ میں فرمایا: اور بے شک تم پہلی پیدائش کو خوب جانتے ہو تو کیوں سبق حاصل نہیں کرتے! O

تم کو اپنی تخلیق کے مراحل کا علم ہے' پہلے تم مٹی تھے' پھر نبات بنے' پھر سبزی اور گوشت کی صورت میں غذا بنے' پھر نطفہ کی صورت میں تھے' پھر جمے ہوئے خون کی صورت میں' پھر گوشت کی بوٹی کی صورت میں آئے تو لحیم بنے' پھر تمہیں ہڈیوں کا لباس پہنایا گیا تو عظیم بنے' پھر چار ماہ گزرنے کے بعد تم میں روح پھونکی گئی تو حی بنے' تم پہلے بلکہ نہ تھے' پھر بہ تدریج تم کو شکل وصورت دی اور اپنی ماں کے پیٹ سے تم پیدا ہوئے' تم خاک اور مٹی تھے' پھر ماں کے پیٹ میں آئے تو جنین کہلائے' وضع حمل ہوا تو ولید کہلائے' پھر دودھ پیتے بچے (رضیع) بنے' پھر ہلکی غذا کھانے لگے تو فطیم بنے' پھر تم پر بچپنا آیا تو صبی کہلائے' چلنے پھرنے اور بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچے تو غلام کہلائے' بلوغت کے قریب ہوئے تو مراہق کہلائے' پھر بالغ ہوئے' نوجوانی میں شاب اور فتیٰ کہلائے' نشوونما کی تکمیل ہوئی تو رجل کہا گیا' تیس سال کی پختہ عمر کو پہنچے تو کہول کہلائے' عقل کامل ہوئی اور چالیس سال کی عمر ہوئی تو شیخ بنے' ساٹھ سال سے ستر سال کی عمر ہوئی تو شیخ فانی ہوئے' موت قریب آئی تو حظیر بنے اور جب موت آ گئی تو میت کہلائے' نہلایا گیا تو غسیل بنے' کفن پہنایا گیا تو مکفون ہوئے' جنازہ اٹھایا گیا تو محمول ہوئے' دفن کیا گیا تو پھر دفین ہوئے' اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد جب گوشت پوست گل گیا' ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں تو رمیم کہلائے اور مرور زمانہ کے بعد پھر خاک اور مٹی ہو گئے' اس نے تمہیں خاک اور مٹی سے بنایا تھا' پھر دوبارہ ان مراحل کے بعد خاک اور مٹی بنا دیا اور جس نے تمہیں ایک بار خاک اور مٹی سے بنایا ہے وہ دوبارہ تم کو خاک اور مٹی سے کیوں نہیں بنا سکتا؟

الواقعہ: ۶۴ ۔ ۶۳ میں فرمایا: بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو○ اس کو (حقیقت میں) تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں○

حیات بعد الموت پر ایک اور دلیل

اس آیت میں حشر و نشر پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک اور دلیل ہے' یعنی یہ بتاؤ کہ تم جو زمین میں کاشت کرتے ہو اور بیج بوکر آجاتے ہو' پھر اس بیج سے غلہ تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں' تم نے تو زمین میں ہل چلا کر صرف بیج ڈالا ہے' پھر اس بیج کو پھاڑ کر سبز کونپل کس نے نکالی؟ پھر اس نرم و نازک کونپل میں یہ توانائی کس نے رکھی کہ وہ زمین کے سینے کو شق کر کے اس سے باہر نکل آئی؟ پھر اس کونپل کو تناور پودے کا روپ کس نے دیا؟ اس کی نشو و نما کے لیے سورج کی شعاعیں' چاند کی روپہلی کرنیں کس نے مہیا کیں؟ اس کو سینچنے کے لیے آسمان سے پانی کس نے نازل کیا؟ اس کی بالیدگی کے لیے ہواؤں کو کس نے رواں دواں رکھا؟ پھر بتاؤ کہ کھیتوں سے غلہ اور باغوں سے پھل پیدا کرنے والا کون ہے؟ ہم ہیں یا تم ہو!

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں' ایک یہ کہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے سبزہ زاروں اور مرغ زاروں کو پیدا کیا' پھولوں کو کھلایا' پھلوں میں رنگ و روپ اور ذائقہ پیدا کیا' درختوں کو کھڑا کیا' فصلوں میں غلہ مہیا کیا تاکہ لوگ غذا اور خوراک حاصل کر سکیں اور ان نعمتوں پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کریں' دوسری بات یہ ہے کہ جو اس پر قادر ہے کہ ایک بیج سے درخت پیدا کرتا ہے' پھر اسی درخت سے ایسا غلہ اور اناج اور پھل اور پھول پیدا کرتا ہے' جن میں ایسے ہزاروں بیج ہوتے ہیں اور ان بیجوں سے پھر کھڑی فصل پیدا کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے' وہ اس پر کیوں قادر نہیں ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد پھر تم کو دوبارہ پیدا کر دے؟

اس آیت سے ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ ''افرء یتم ما تحرثون'' میں بندوں کے فعل کا ذکر ہے' کیونکہ ''تحرثون'' کے معنی ہیں: زمین میں بیج ڈالنا' ہل چلانا اور کھیتی باڑی کرنا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے بلکہ بندوں کا فعل ہے' جب کہ ''الزرع'' یعنی بیج سے غلہ یا پھل اُگانا یہ اللہ کا فعل ہے' بندوں کا فعل نہیں ہے اور ''تحرثون'' میں اسناد مجاز عقلی نہیں ہے' البتہ سورۂ الفتح میں جو ''الزرّاع'' فرمایا ہے اور بندوں کی طرف ''زرع'' کی نسبت کی ہے یہ اسناد مجازِ عقلی ہے۔

حرث (کھیتی باڑی کرنا) مخلوق کی صفت ہے اور زرع (اگانا) اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا خاصہ ہے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حرث (کھیتی باڑی کرنے اور کاشت کرنے) کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے اور زرع (اگانے) کی نسبت اپنی طرف کی ہے' کیونکہ کاشت کرنا بندوں کا فعل ہے اور ان کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اور زرع (اگانا) اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کے اختیار سے صادر ہوتا ہے' اس میں بندوں کا کوئی اختیار نہیں ہے' بندے بیج کو کاشت کریں' لیکن اللہ تعالیٰ فصل اگانا نہ چاہے تو کچھ نہیں اگتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ''زرعت'' (میں نے اگایا ہے) اس کو یہ کہنا چاہیے: ''حرثت'' (میں نے کھیتی باڑی کی ہے) کیونکہ ''الزارع'' (اگانے والا) صرف اللہ تعالیٰ ہے' حضرت ابوہریرہ نے کہا: کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ○ (الواقعہ: ۶۴) آیا تم اس کو (حقیقت میں) اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں○

ہر وہ شخص جو زمین میں تخم ریزی کرے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ یہ آیت پڑھے:

اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ؕ (الواقعہ:۶۳) بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (بہ ظاہر) کاشت کرتے ہو O

پھر یہ کہے کہ بلکہ اللہ ہی الزارع ہے اور وہی حقیقت میں اگانے والا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر یہ دعا کرے: اے اللہ! ہمیں اس کاشت کا ثمر عطا فرما اور اس کے ضرر کو ہم سے دور رکھ۔ (مسند البزار:۱۲۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۲۳' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۷' سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۳۸' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۰۰) اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۹۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے خاص افعال کا مخلوق کی طرف نسبت کرنے کا جواز

الواقعہ: ۶۴ سے واضح ہو گیا کہ الزارع (اگانے والا) حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور الزرع (اگانا) اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' لیکن اس کے باوجود قرآن مجید میں مخلوق کو بھی زارع (اگانے والا) فرمایا گیا ہے:

كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ . (الفتح:۲۹) اس کھیتی کی مثل جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس کو مضبوط کیا تو وہ تناور پودا ہو گیا' پھر وہ اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اگانے والوں کو اچھا لگنے لگا۔

اللہ تعالیٰ حقیقت میں اگانے والا ہے اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کسان مجازاً اگانے والے ہیں اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی اور خاص افعال کی مخلوق کی طرف نسبت کرنا جائز ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اسی اعتبار سے داتا' مشکل کشا' کارساز اور حاجت روا کہا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ حقیقی داتا' کارساز اور حاجت روا ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے مشکل کشا اور حاجت روا ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ حقیقی زارع ہے اور کسان اس کی دی ہوئی طاقت سے زرّاع' زارعین اور اگانے والے ہیں' لیکن وہابی فکر کے حاملین اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور جب مسلمان انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو داتا اور حاجت روا کہتے ہیں تو ان پر جھٹ شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

سید مودودی کے نزدیک شرک کی تعریف

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O'' (الرحمٰن:۳۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہر شخص جو کسی نوعیت کا شرک کرتا ہے' دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کی تکذیب کرتا ہے' کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت نے میری بیماری دور کر دی' اصل میں یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ شافی نہیں ہے بلکہ وہ حضرت شافی ہیں' کسی کا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا' حقیقت میں یہ کہنا ہے کہ رازق اللہ نہیں ہے بلکہ وہ بزرگ رازق ہیں' کسی کا یہ کہنا کہ فلاں آستانے سے میری مراد بر آئی' گویا دراصل یہ کہنا ہے کہ دنیا میں حکم اللہ کا نہیں بلکہ اس آستانے کا چل رہا ہے' غرض ہر مشرکانہ عقیدہ اور مشرکانہ قول آخری تجزیہ میں صفاتِ الٰہی کی تکذیب ہی پر منتہی ہوتا ہے' شرک کے معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی دوسروں کو سمیع و بصیر' عالم الغیب' فاعل مختار' قادر و متصرف اور الوہیت کے دوسرے اوصاف سے متصف قرار دے رہا ہے اور اس بات کا انکار کر رہا ہے کہ اکیلا اللہ ہی ان صفات کا مالک ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۶۲' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۲ء)

مخلوق کو سمیع و بصیر' فاعل مختار اور قادر کہنے کا جواز اور ان کا شرک نہ ہونا

اس عبارت میں سید مودودی نے دوسروں کو سمیع و بصیر کی صفت سے متصف قرار دینے کو بھی شرک لکھا ہے' جب کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ﷺ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا۝ (الدھر: ۲)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا' ہم اس کو آزماتے ہیں' پس ہم نے انسان کو سمیع بصیر بنادیا۝

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے شرک کی جو تعریف کی ہے اس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ بھی مشرک قرار پاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

نیز اس عبارت میں سید مودودی نے دوسروں کو فاعل مختار کی صفت سے متصف کرنے کو بھی شرک لکھا ہے' حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بندے فاعل مختار ہیں' مجبور محض نہیں ہیں اور بندوں کو مجبور ماننا جبریہ کا عقیدہ ہے اور یہ باطل عقیدہ ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

وللعباد افعال اختيارية يثابون بها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية لا كما زعمت الجبرية انه لا فعل للعبد اصلًا.

(شرح عقائد نسفی ص ۶۴' مطبوعہ کراچی)

اور بندوں کے اختیاری افعال ہوتے ہیں' اگر وہ افعال اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوں تو ان کو ان افعال پر ثواب دیا جائے گا اور اگر وہ افعال معصیت ہوں تو ان پر سزا دی جائے گی اس کے برخلاف جبریہ کا زعم ہے کہ بندوں کا بالکل فعل نہیں ہوتا۔

نیز اس عبارت میں سید مودودی نے بندوں کو قادر قرار دینے کو بھی شرک کہا ہے' حالانکہ اگر بندے فعل کرنے یا نہ کرنے پر قادر نہ ہوں تو وہ جمادات کی طرح ہوں گے اور ان کو مکلف کرنا صحیح نہ ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (البقرہ: ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی وسعت کے مطابق مکلف فرماتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف بھی قدرت کا اسناد فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ (المائدہ: ۳۴)

(آخرت میں ڈاکوؤں کو عذاب ہوگا) ماسوا ان کے جو تمہارے ان پر قادر ہونے سے پہلے توبہ کرلیں۔

سید مودودی نے جو دوسروں کو قادر قرار دینے کو شرک کہا ہے' اس اعتبار سے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی مشرک قرار پاتا ہے۔

سید مودودی کی شرک کی تعریف سے معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ کا بھی مشرک ہونا

اس عبارت میں سید مودودی نے الوہیت کے دوسرے اوصاف سے متصف قرار دینے کو بھی شرک کہا ہے' مزید یہ لکھا ہے کہ یہ اس بات کا انکار ہے کہ اکیلا اللہ ہی ان صفات کا مالک ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں الوہیت کی یہ صفت مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ولی اور نصیر (کارساز اور مددگار) ہے:

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا۝ (النساء: ۴۵)

اور اللہ کا ولی (کارساز) ہونا کافی ہے اور اللہ کا نصیر (مددگار) ہونا کافی ہے۝

وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۝ (الاحزاب: ۱۷)

اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی ولی (کارساز) پائیں گے اور نہ نصیر (مددگار)۝

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کو بھی ولی اور نصیر کی صفت سے متصف فرمایا ہے:

(۱) اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ؕ۝ (النساء: ۷۵)

(مظلوم بندے دعا کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات عطا فرما اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی (کارساز) بنادے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے نصیر

(مددگار) بنادے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مظلوم بندوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ولی اور نصیر کے حصول کی دعا کریں اور اگر مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی صفت سے موصوف ہونا اور ولی اور نصیر ہونا شرک ہوتو لازم آئے گا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ شرک کی ترغیب دے رہا ہے (العیاذ باللہ) اور یہ بہ جائے خود شرک ہے۔

نیز حضرت زکریا اپنے لیے بیٹے کی دعا کرتے ہوئے ایسی صفت والے بیٹے کی دعا کرتے ہیں جو ولی (کارساز) ہو:

(۲) فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا O (مریم:۵) — پس تو مجھے اپنے پاس سے ولی (کارساز) عطا فرما O

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں:

(۳) وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا O (بنی اسرائیل:۸۰) — اور آپ کہیے: اے میرے رب! مجھے سچائی کی جگہ داخل فرما اور مجھے سچائی کی جگہ باہر لا اور میرے لیے اپنے پاس سے غالب نصیر (مددگار) بنادے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت نصیر کے حامل کے حصول کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر اللہ کی صفت کو دوسرے کے لیے ماننا شرک ہوتو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شرک کرنے کا حکم دے رہا ہے اور یہ بجائے خود شرک ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت رؤف ورحیم ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (البقرہ:۱۴۳) — بے شک اللہ لوگوں پر شفقت کرنے والا مہربان ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے اس صفت کے ساتھ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی متصف فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۴) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (التوبہ:۱۲۸) — بے شک ضرور تمہارے پاس تم میں سے معظم رسول آ گئے' جن پر تمہاری مشقت کے کام گراں ہیں' وہ تمہاری آسانی پر حریص ہیں اور مومنوں پر رؤف رحیم (شفیق' مہربان) ہیں O

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صفت رؤف رحیم کے ساتھ متصف کیا ہے اور الدھر:۲ میں عام انسانوں کو اپنی صفت سمیع بصیر کے ساتھ متصف کیا ہے' لہٰذا سید مودودی کی شرک کی تعریف کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی مشرک قرار پایا۔ (نعوذ باللہ من ذالك)

اسی طرح متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلیم (بردبار) ذکر فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ O (البقرہ:۲۲۵' المائدہ:۱۰۱) — اور اللہ بہت بخشنے والا حلیم (بردبار) ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حلیم کی صفت کے ساتھ متصف کیا' قرآن مجید میں ہے:

(۵) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ O (التوبہ:۱۱۴) — بے شک ابراہیم ضرور بہت نرم دل' حلیم (بردبار) ہیں O

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی حلیم کی صفت کے ساتھ متصف فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۶) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ O (الصّٰفّٰت:۱۰۱) — سو ہم نے ابراہیم کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی O

اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو اپنی صفت حلیم کے ساتھ متصف کیا ہے' اس لیے سید مودودی

کی شرک کی تعریف سے اللہ تعالیٰ بھی معاذ اللہ مشرک قرار پایا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت شکور (بہت قدر دان) ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (التغابن: ۱۷) اور اللہ بہت قدر دان' حلیم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی شکور کی صفت کے ساتھ متصف فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۷) ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳) اے ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا' بے شک نوح شکور بندے تھے ۝

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت علیم ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۱۱۵) بے شک اللہ وسعت والا' علیم ہے ۝

اور قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے آپ کو علیم کی صفت کے ساتھ متصف فرمایا ہے:

(۸) قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ (یوسف: ۵۵) یوسف نے (مصر کے بادشاہ سے) کہا: آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے (یعنی مجھے اس ملک کا وزیر خزانہ بنا دیں) بے شک میں حفاظت کرنے والا' علیم ہوں ۝

اسی طرح متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کریم بیان فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے: حضرت سلیمان نے کہا:

فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝ (النمل: ۴۰) پس بے شک میرا رب غنی کریم ہے ۝

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی صفت کریم کے ساتھ متصف فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۹) وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ (الدخان: ۱۷) اور بے شک ہم نے اس سے پہلے قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس رسول کریم آئے ۝

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی کریم کی صفت کے ساتھ متصف فرمایا:

(۱۰) اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ (التکویر: ۱۹) بے شک یہ (قرآن) رسول کریم کا قول ہے ۝

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی صفت صادق ذکر فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۴۶) اور بے شک ہم ضرور صادق ہیں ۝

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے بھی صفت صادق کا ذکر فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

(۱۱) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ (مریم: ۵۴) اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجیے' بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول نبی تھے ۝

ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں' ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ولی' نصیر' رؤف رحیم' سمیع بصیر' حلیم' شکور' علیم' کریم اور صادق ذکر فرمائی ہے اور گیارہ آیتوں میں ان صفات کے ساتھ اپنے مقرب بندوں کو متصف کیا ہے اور سید مودودی کے ذکر کردہ قاعدہ کے اعتبار سے یہ شرک ہے تو گویا قرآن مجید کی گیارہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا ارتکاب کیا ہے' نعوذ باللہ منہ۔ سید مودودی کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے وہابی طریقہ سے مطلقاً لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا مخلوق کے لیے ثبوت شرک ہے' حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت قدیمہ یا صفت مستقلہ کا مخلوق کے لیے ثبوت شرک ہوتا ہے نہ کہ مطلقاً کسی صفت کا ثبوت' لیکن پھر مسلمانوں کے اس قول کو شرک کہنے کا جواز نہیں ہے کہ فلاں بزرگ نے میری بیماری دور کر دی یا فلاں

بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا' کیونکہ کسی مسلمان کے نزدیک کسی بزرگ کی کوئی صفت قدیمہ یا مستقلہ نہیں ہے۔

شرک کی صحیح تعریف

دراصل بنیادی غلطی یہ ہے کہ سید مودودی نے شرک کی خود ساختہ اور طبع زاد تعریف کی ہے اور متقدمین متکلمین نے جو شرک کی تعریف کی ہے اس کو اختیار نہیں کیا' علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرک کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام.

(شرح عقائد نسفی ص ۶۱' مطبوعہ کراچی)

شرک کرنا یہ ہے کہ الوہیت میں شریک کو ثابت کیا جائے' یعنی اللہ کے سوا کسی کو واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوسی دو واجب الوجود مانتے ہیں (ایک یزداں اور ایک اہرمن) یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرست بتوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اما الاشراك فوضع المعبودية في غير الله تعالى ولا يجوز ان يكون غيره معبودا اصلاً.

رہا شرک کرنا تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر میں معبودیت رکھی جائے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کا معبود ہونا بالکل جائز نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۲۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○ (الکہف: ۱۱۰)

اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے○

اور مشرکین مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کرتے تھے' قرآن مجید میں ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر: ۳)

ہم ان بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے مشرکین سے لے کر مشرکینِ مکہ تک تمام مشرکین کا شرک یہی تھا کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے منع کرنے کے باوجود بتوں کی عبادت کو ترک نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات کو واجب الوجود یا قدیم مانا جائے یا اس کی کسی صفت کو قدیم مانا جائے یا اس کو عبادت کا مستحق مانا جائے تو یہ شرک ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے مشرکین سے لے کر مشرکینِ مکہ تک تمام مشرکین کا شرک یہی تھا کہ وہ غیر اللہ کی یا بتوں کی عبادت کرتے تھے اور جن چیزوں کو سید مودودی نے شرک لکھا ہے ان میں سے ایک چیز بھی شرک نہیں ہے' جیسا کہ ہم قرآن مجید کی آیات کے حوالوں سے واضح کرچکے ہیں۔

شرک کرنے والوں کے متعدد گروہ

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ مشرکین کے فرقے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مشرکین کے مختلف گروہ اور فرقے ہیں:

(۱) بت پرست' یہ لوگ کہتے ہیں کہ بت عبودیت میں اللہ کے شریک ہیں' لیکن وہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ بتوں کو تخلیق اور ایجاد پر کوئی قدرت نہیں ہے۔

(۲) مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس جہان کی تدبیر کرنے والے کواکب (ستارے) ہیں اور ان کے دو فریق ہیں: اول وہ ہیں جو

کہتے ہیں کہ یہ کواکب واجب الوجود (قدیم) ہیں۔ ثانی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کواکب ممکن الوجود ہیں اور حادث ہیں اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جہان کی تدبیر ان کے سپرد کر دی ہے۔

(۳) بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں میں دو خدا ہیں: ایک فاعل خیر ہے اور دوسرا فاعل شر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ" (الانعام: ۱۰۰) کی تفسیر میں فرمایا: یہ آیت ان زندیقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی ہیں' پس اللہ تعالیٰ نے انسانوں' جانوروں' مویشیوں اور اچھی چیزوں کو پیدا کیا ہے اور ابلیس نے درندوں' سانپوں' بچھوؤں اور بری چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۸۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سید مودودی نے لکھا ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت نے میری بیماری دور کر دی یا کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا یا یہ کہنا کہ فلاں آستانے سے میری مراد بر آئی' یہ تمام باتیں شرک ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۶۲ ملخصاً)

حقیقت میں بیماری کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' اور جب کوئی مسلمان کہتا ہے کہ فلاں بزرگ نے میری بیماری دور کر دی تو وہ اس بزرگ کی طرف اسناد مجازی کرتا ہے' اس کو اسناد مجاز عقلی کہتے ہیں' ہم نے اپنی پہلی تصنیف "توضیح البیان" میں اسناد مجاز عقلی پر گفتگو کی ہے' پہلے ہم "توضیح البیان" کی پوری عبارت نقل کریں گے' اس کے بعد زیادہ تفصیل سے اسناد مجاز عقلی پر از سر نو بحث کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

اسناد مجازی

علماء دیوبند کو اس مقام پر یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جب دیتا حقیقت میں اللہ ہی ہے اور انبیاء و اولیاء کا کام دعا کرنا ہے اور وہ محض واسطہ ہوتے ہیں تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ غوث پاک نے بیٹا دیا اور حضرت علی مشکل کشا کیسے ہو گئے اور پھر حضور کو حاجت روا یا مددگار کیوں کہا جاتا ہے؟ ان تمام باتوں کا جواب انہیں بارہا دیا جا چکا ہے کہ یہ سب اسناد مجازی کے قبیل سے ہیں۔

"تلخیص المفتاح" میں لکھا ہے: اسناد الی السبب اسناد مجازی کی ایک قسم ہے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

"وبنی الامیر مدینة فی السبب" (مختصر معانی ص ۸۹) یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ شہر امیر نے بنایا' حالانکہ یہ کام تو امیر کے ملازم کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے کہ چونکہ امیر کے حکم سے شہر بنایا گیا' پس وہ شہر بنانے کا سبب ہے اور اس کی طرف اسناد کر کے مجازاً کہا جاتا ہے کہ "بنی الامیر المدینة" امیر نے شہر بنایا۔ اسی طرح سے چونکہ انبیاء و اولیاء کی دعا سے اللہ تعالیٰ رزق یا اولاد عطا فرماتا ہے اور وہ اس عطا میں سبب قرار پاتے ہیں' اس لیے کہا جاتا ہے کہ انبیاء یا اولیاء نے رزق یا اولاد دی اور اسناد مجازی خود قرآن کریم سے ثابت ہے' سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبہ: ۷۴) اور ان منافقین کو صرف یہ برا لگا کہ مؤمنین کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت کریمہ میں غنی کرنے کا اسناد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کیا گیا ہے' حالانکہ اغناء اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' پس ثابت ہوا کہ یہ اسناد مجازی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ما ینقم ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ تعالٰی ورسولہ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۶)

ابن جمیل کو صرف یہ برا لگا کہ وہ فقیر تھا' پس اللہ اور اس کے رسول نے اسے غنی کر دیا۔

اس کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں:

وغنا بحقیقت از خدا است وذکر رسول بجہت آنست کہ وے صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ است در افاضت خیرات و وصول نعمات از جناب حق۔

غناء حقیقت میں اللہ تعالٰی کی صفت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ آپ اللہ کی طرف سے تمام نعمتوں اور خیرات کے پہنچنے میں واسطہ ہیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۸)

اسی طرح سورۂ مریم میں ہے: "لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○" (مریم:۱۹) فرشتہ نے حضرت مریم سے کہا: تاکہ میں تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں' اور لڑکا دینا اللہ تعالٰی کی صفت اور اس کا خاصہ ہے' مگر اس آیت کریمہ میں اس کا اسناد فرشتہ کی طرف کیا گیا ہے۔ پس اسناد مجازی پر یہ قرآن کریم کی دوسری شہادت ہے۔ مزید تفصیل اور توضیح کے لیے "مختصر معانی' مطول' اور دیگر کتب بلاغت کی طرف رجوع فرمائیں۔

علماء دیوبند کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسناد مجازی ایک علمی اصطلاح ہے' عوام اس پر مطلع نہیں ہیں' اس لیے عوام کا یہ کہنا کہ غوث پاک نے بیٹا دیا' بہر صورت شرک ہے' یہ ایک پر فریب مغالطہ ہے۔ عوام اسناد مجازی کے مفہوم سے واقف ہیں۔ اگرچہ اس کی تعبیر اور اصطلاح پر مطلع نہیں ہیں۔ مثلاً سب جانتے ہیں کہ عوام اپنے عرف میں کہتے ہیں تاج محل شاہجہاں نے بنایا ہے' حالانکہ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ شاہجہان تو اس کے بنانے کا سبب تھا' حقیقت میں تاج محل مزدوروں نے بنایا تھا۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ حضرت غوث پاک نے بیٹا دیا' حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اولاد غوث پاک کی دعا سے یا ان کے توسل سے ملی اور دینے والا حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پس اس مفہوم کو وہ اسناد مجازی کی اصطلاح سے تعبیر کرنے پر اگرچہ قادر نہیں ہیں' مگر اس کی حقیقت سے وہ واقف ہیں۔

بحمد اللہ! ہم نے قرآن وحدیث' شہادت سلف اور عوام کے عرف سے ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے سب کچھ مل سکتا ہے اور مجازاً یہ کہنا صحیح ہے کہ حضور نوازتے ہیں' عطاء فرماتے ہیں۔

(توضیح البیان ص ۴۶۵۔۴۶۳' فرید بک سٹال' طبع ثانی' ۱۴۲۲ھ)

اور اب ہم از سر نو اسناد مجاز عقلی کی بحث شروع کرتے ہیں۔

اسناد مجاز عقلی کی تعریف اور اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات اور اس بناء پر سید مودودی اور ان کے ہم مشربوں کا رد

اگر فعل کی نسبت ظاہر میں اس کے حقیقی فاعل کی طرف کی جائے تو اس کو اسناد حقیقت عقلی کہتے ہیں اور اگر فعل کی نسبت ظاہر میں اس کے حقیقی فاعل کے غیر کی طرف کسی تاویل یا قرینہ سے کی جائے تو اس کو اسناد مجاز عقلی کہتے ہیں' مثلاً مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حقیقی شفاء دینے والا اللہ تعالٰی ہے' اس لیے جب مسلمان یہ کہے گا کہ مجھے ڈاکٹر نے شفاء دی تو یہ اسناد مجاز عقلی ہو گا اور اس کا مسلمان ہونا اس پر قرینہ ہے کہ وہ تاویل سے غیر فاعل کی طرف اسناد کر رہا ہے' اسی طرح جب مسلمان کہے گا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاء دی تو وہ اللہ تعالٰی کے شافی ہونے کا انکار نہیں کر رہا بلکہ کسی تاویل سے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرف شفاء کی نسبت کر رہا ہے اور اس کی قرآن کریم' احادیث صحیحہ اور عبارات علماء میں بہت مثالیں ہیں' قرآن مجید میں ہے: حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

(۱) اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ. (یوسف: ۹۳)

میری اس قمیص کو لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے۔

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص کی طرف بینائی عطا کرنے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماء نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے' انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا' جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے' حضرت اسماء نے کہا: یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنتے تھے' ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی (دھوون) بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان بیماروں کے لیے شفاء طلب کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۰۶۸' الرقم المسلسل: ۵۳۱۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۷' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۵۸۸)

اس حدیث میں حضرت اسماء نے شفاء دینے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کی طرف کی ہے اور یہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت سری سے ایک بزرگ کے قصہ میں روایت ہے' جو ان سے ایک پہاڑ پر ملے تھے کہ وہ اپاہج اور اندھوں اور دوسرے بیماروں کو تندرست کر دیا کرتے تھے اور جیسے کہ شیخ عبد القادر سے روایت ہے کہ ایک مجبور محض فالج زدہ اندھے کوڑھی بچے کو فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ کی اجازت سے کھڑا ہو جا' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کا کوئی مرض باقی نہ رہا۔

(جمال الاولیاء ص ۲۴۔ ۲۳' مکتبہ اسلامیہ' لاہور)

شیخ تھانوی نے بزرگوں کی طرف جو شفاء دینے کی نسبت کی ہے وہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے اور اسی کو سید مودودی نے شرک کہا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۶۲) نیز سید مودودی نے لکھا ہے:

کسی کا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا' حقیقت میں یہ کہنا ہے کہ رازق اللہ نہیں ہے' بلکہ وہ بزرگ رازق ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۲۶۲) اور قرآن مجید میں ہے:

(۲) وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ. (التوبہ: ۷۴)

اور ان منافقین کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غنی کرنے کا جو اسناد کیا ہے وہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۳) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○ (التوبہ: ۵۹)

اور اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمایا ہے اور کہتے: ہمیں اللہ کافی ہے اور عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول عطا فرمائے گا' بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عطا فرمانے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۴) اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ . (الاحزاب:۳۷) اللہ نے (حضرت) زید پر انعام فرمایا اور آپ نے انعام فرمایا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انعام فرمانے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۵) قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ ٭ۖ لِاَہَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ﴿۱۹﴾ (مریم:۱۹) (حضرت جبریل نے حضرت مریم سے) کہا: میں صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تا کہ آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں○

حضرت جبریل نے اپنی طرف بیٹا دینے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

جب حضرت ابراہیم حضرت ھاجَر کو چھوڑ کر چلے گئے اور انہوں نے حضرت جبریل کے آنے کی آہٹ سنی تو کہا:

اِغثْ ان کان عندك خیر. اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو میری مدد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۶۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۹۱۰۷ طبع قدیم)

حضرت ھاجَر نے حضرت جبریل کی طرف مدد طلب کرنے کی جو نسبت کی ہے' یہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۶) قُلۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ مَّلَکُ الۡمَوۡتِ . (السجدۃ:۱۱) آپ کہیے: ملک الموت تمہاری روح قبض کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی طرف روح قبض کرنے کی جو نسبت کی ہے' وہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

محترمہ ام السحر شمیم اختر' جامعہ اسلامیہ' شی فیلڈ' برطانیہ نے مجھے اسناد مجاز عقلی کے ثبوت میں حسب ذیل آیات لکھ کر ارسال کی ہیں:

(۱) تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّہَا ؕ . (ابراہیم:۲۵) شجرہ طیبہ ہر وقت اپنے رب کے اذن سے پھل لاتا ہے۔

(۲) وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا . (الانفال:۲) جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہیں۔

(۳) یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا ﴿ۖ۱۷﴾ (المزمل:۱۷) وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا○

(۴) وَ قَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِہَتَکُمۡ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۬ۙ وَّ لَا یَغُوۡثَ وَ یَعُوۡقَ وَ نَسۡرًا ﴿ۚ۲۳﴾ وَ قَدۡ اَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا ۬ۚ (نوح:۲۴۔۲۳) اور کافروں نے کہا: تم اپنے خداؤں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا○ بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کی طرف گم راہ کرنے کی نسبت کی ہے اور یہ اسناد مجاز عقلی ہے' حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بتوں کی طرف بھی گم راہ کرنے کا اسناد مجاز عقلی فرما رہا ہے اور سید مودودی اور دیگر وہابی علماء انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی طرف فعل کے اسناد مجاز عقلی کو شرک قرار دیتے ہیں۔ یاللعجب!

(۵) رَبِّ اِنَّہُنَّ اَضۡلَلۡنَ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ (ابراہیم:۳۶) اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے۔

(۶) اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ . (المؤمنون:۶) یا جن کے تمہارے سیدھے ہاتھ مالک ہیں۔

مخلوق کو مالک فرمانا بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۷) فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ ﴿ۚ۱۸﴾ (القیامۃ:۱۸) جب ہم اس کو پڑھ لیں تو آپ اس پڑھنے کی پیروی کریں○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا فرمایا ہے اور یہ بھی اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۸) وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ. (البقرہ: ۲۳۳) اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا رزق ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بچوں کے باپ کی طرف رزق دینے کی نسبت فرمائی ہے اور یہ مجاز عقلی ہے۔

(۹) یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا. (المؤمن: ۳۶) (فرعون نے کہا:) اے ھامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنادو۔

عمارت تو مزدور بناتے ہیں' ھامان کو جو حکم دیا ہے' یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ. (الانفال: ۱۷) اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹھی پھینکی تھی۔

آپ کی طرف خاک کی مٹھی پھینکنے کا اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۱۰) فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا. (الانبیاء: ۹۱) پس ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دی۔

یہ پھونک حضرت جبریل نے دی تھی' جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے پھونک دی' سو یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔

(۱۱) فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ. (صٓ: ۳۶) پس ہم نے ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا وہ ان کے حکم سے چلتی تھی۔

(۱۲) هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (صٓ: ۳۹) یہ ہماری عطاء ہے' اب آپ کسی پر احسان کر کے (اس میں سے) دیں یا اپنے پاس رکھیں' آپ سے محاسبہ نہیں ہوگا ○

اسناد مجاز عقلی کے ثبوت میں چھ آیات ہم نے پیش کی ہیں اور بارہ آیات محترمہ ام السحر نے لکھی ہیں' اس طرح مجاز عقلی کے ثبوت میں یہ اٹھارہ آیات ہیں' ان کے علاوہ قرآن مجید' احادیث اور عبارات علماء میں اور بہت تصریحات ہیں' ہمارا مقصد ان سب کا استیعاب اور احصاء کرنا نہیں ہے' صرف یہ بتانا ہے کہ اسناد مجاز عقلی پر بہت دلائل ہیں' پس جب مسلمان کسی کام کا اسناد انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام کی طرف کریں تو سید مودودی یا دیگر دیوبندی اور وہابی علماء کی طرح اس پر شرک کا حکم نہیں لگانا چاہیے بلکہ اس کو اسناد مجاز عقلی پر محمول کرنا چاہیے۔

''حطام' تفکھون' مغرمون'' اور ''محرومون'' کے معانی

الواقعہ: ۶۷۔ ۶۵ میں فرمایا: اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ ○ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا ○ بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ○

الواقعہ: ۶۵ میں ''حطاما'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گھاس سوکھ کر چورا چورا ہو جائے اور وہ کسی فائدہ کی نہ رہے' نیز اس آیت میں ''تفکھون'' کا لفظ ہے' ''تفکھون'' کا معنی ہے: تم تعجب کرتے رہ جاؤ یا اس کا معنی ہے: تم ندامت سے افسوس کرتے رہ جاؤ۔ (مختار الصحاح ص ۳۰۰)

الواقعہ: ۶۶ میں ''مغرمون'' کا لفظ ہے' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: ''غرام'' کا معنی عذاب ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی وہ شر ہے جو لازم ہو یعنی تاوان' مقاتل بن حیان اور النحاس نے کہا: اس کا معنی ہے: ہلاکت یعنی ہم تو عذاب میں مبتلا ہو گئے یا ہلاک ہو گئے۔

الواقعہ: ۶۷ میں ''محرومون'' کا لفظ ہے' یعنی ہم نے کاشت کاری سے جس نفع کی امید رکھی تھی وہ ہم کو حاصل نہ ہو

سکا' اور محروم کا لفظ مرزوق کی ضد ہے۔

میٹھا پانی فراہم کرنے کی نعمت

الواقعہ: ۶۹ ـ ۶۸ میں فرمایا: بھلا بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہوO کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیںO

تم جس پانی کو پی کر اپنی پیاس بجھاتے ہو اور زندگی حاصل کرتے ہو' اس کے حصول کے متعلق بتاؤ' اس پانی کو مہیا کرنے والا کون ہے! اس سے پہلی آیتوں میں غذا کی نعمت کا ذکر کیا تھا اور اب پانی کی نعمت کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ انسان کی عادت یہ ہے کہ پہلے کوئی چیز کھاتا ہے اس کے بعد کسی مشروب کو پیتا ہے۔

الواقعہ: ۷۰ میں فرمایا: اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو) سخت کڑوا بنادیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟O

یعنی اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو سخت کھاری اور کڑوا بنادیں کہ تم اس پانی کو پی سکو اور نہ اس سے اپنے کھیتوں کو سیراب کر سکو' پھر تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔

ایندھن فراہم کرنے کی نعمت

الواقعہ: ۷۲ ـ ۷۱ میں فرمایا: بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہوO کیا اس کے لیے درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیںO

یعنی مجھے بتاؤ کہ تم لکڑیوں سے جس آگ کو سلگاتے ہو' آیا تم اس کے خالق ہو یا ہم خالق ہیں' پھر جب تم میری قدرت کو پہچانتے ہو تو پھر میرا شکر کیوں ادا نہیں کرتے اور حیات بعد الموت پر میری قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟

''تورون'' کا مادہ ''وری'' ہے' اس کا معنی ہے: آگ کا جلنا' چقماق سے آگ کا روشن کرنا۔

اس زمانہ میں آگ کے حصول کا یہی ذریعہ تھا کہ درختوں سے لکڑیاں کاٹ کر ایندھن حاصل کیا جائے' پھر زمین کی کانوں سے پتھر کا کوئلہ نکل آیا اور لکڑیوں کو جلا کر اس کو کوئلہ بھی حاصل کیا جانے لگا' پھر زمین سے تیل نکل آیا اور قدرتی گیس نکل آئی' لیکن جس طرح جنگل میں درخت اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' اسی طرح پتھر کا کوئلہ اور گیس اور تیل بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور بندوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔

آخرت کی آگ کی شدت

الواقعہ: ۷۴ ـ ۷۳ میں فرمایا: ہم نے اس کو نصیحت بنایا اور مسافروں کے لیے فائدہ کی چیزO سو آپ اپنے رب عظیم کی تسبیح کرتے رہیےO

یعنی ہم نے دنیا کی آگ کو پیدا کیا تاکہ تم اس کی حدت' حرارت اور سوزش کو دیکھ کر آخرت کی آگ سے ڈرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری یہ آگ جس کو بنو آدم جلاتے ہیں' دوزخ کی آگ سے ستر درجہ کم ہے' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اگر دوزخ کی آگ دنیا کی آگ جتنی ہوتی تو وہ بھی کافی تھی' آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ ہے اور اس کا ہر درجہ دنیا کی آگ جتنا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۹۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۶۲)

''مقوین'' کا معنی

اور فرمایا: یہ مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز ہے' اس آیت میں ''مقوین'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''قوی'' ہے' اس کا معنی

ہے: وہ گھر جو رہنے والوں سے خالی ہو' چٹیل میدان' جن لوگوں کا زادِ راہ ختم ہو جائے اور ان کے کھانے اور پینے کے لیے کوئی چیز نہ ہو' مسافروں کو "مقوین" اس لیے کہتے ہیں کہ بعض اوقات وہ دورانِ سفر ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں چٹیل میدان اور ویرانہ ہو اور کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ ہو' وہاں جنگل میں قیام کے وقت مسافر آگ جلاتے ہیں تا کہ کوئی جنگلی درندہ آ کر ان کو ضرر نہ پہنچائے اور بعض اوقات وہ کسی حلال جانور یا پرندہ کو شکار کر کے اس کو آگ پر بھون لیتے ہیں اور یوں اپنی بھوک کو مٹاتے ہیں۔

سو آپ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیے اور یہ بتایئے کہ وہ اپنے لیے شرکاء سے پاک ہے اور لوگوں کو ان کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کے عجز اور عیب سے پاک ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾

پس مجھے ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی قسم!O اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت عظیم قسم ہےO

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہےO جو کتاب (لوح) محفوظ میں ہےO اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیںO

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ

یہ رب العٰلمین کی طرف سے نازل کی ہوئی ہےO کیا تم اس قرآن کو معمولی سمجھ رہے ہو!O اور

تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾

تم نے تکذیب کو اپنا رزق بنا لیا ہےO پس جب روح نرخرے تک پہنچ جائےO

وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا

اور تم اس وقت (روح کو نکلتا ہوا) دیکھ رہے ہوO اور ہم اس (مرنے والے) کی بہ نسبت تم سے بہت قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ

تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ

نہیں سکتےO پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہوO تو تم اس روح

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ

کو لوٹاتے کیوں نہیں' اگر تم سچے ہوO پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہےO تو اس کے لیے راحت اور

رَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾

نفیس پھول اور انعام والی جنت ہےO اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں میں سے ہےO

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ

(اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں سے ہےO اور اگر وہ (مرنے والا) تکذیب کرنے والا

الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا

گم راہوں میں سے ہےO تو اس کے لیے سخت کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہےO اور دوزخ میں جلانا ہےO بے شک

لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

یہی ضرور حق الیقین ہےO پس آپ اپنے ربِ عظیم کے اسم کی تسبیح کرتے رہیےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس مجھے ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی قسم!O اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت عظیم قسم ہےO بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہےO جو کتاب (لوح) محفوظ میں ہےO اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیںO یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کی ہوئی ہےO (الواقعہ: ۸۰۔۷۵)

''مواقع النجوم'' کی قسم کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کاملہ اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف عموماً اور اہل مکہ کی طرف خصوصاً رسول بنا کر بھیجا' آپ نے اہل مکہ کے سامنے اپنی نبوت اور رسالت پر معجزات پیش کیے اور سب سے بڑا معجزہ اور سب سے قوی دلیل قرآن مجید کو پیش کیا اور فرمایا: یہ اللہ کا کلام ہے اور اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ یہ کلام میرا بنایا ہوا ہے تو تم بھی میری طرح نوع انسان سے ہو' سو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ اور کوئی بھی اس کلام کی مثل بنا کر نہ لا سکا' اور جب دلائل اور براھین سے ان کا انکار زائل نہ ہو سکا اور وہ مسلسل اپنے انکار اور ہٹ دھری پر قائم رہے تو پھر صرف یہ صورت باقی رہی کہ قسم کھا کر ان کو مطمئن کرنے کی اور ان کے انکار کو زائل کرنے کی کوشش کی جائے' اسی وجہ سے قرآن مجید کی آخری مکی سورتوں میں بہ کثرت قسموں کا ذکر ہے اور اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا: پس مجھے ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی قسم!۔

''مواقع النجوم'' کے مصادیق

ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد مشارق اور مغارب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف مغارب ہیں' کیونکہ ستارے وہیں غروب ہوتے ہیں۔

(۲) اس سے مراد آسمان میں بروج اور سیاروں یا ستاروں کی منازل ہیں۔

(۳) جب آسمان پر شیاطین' فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں اور فرشتے ان کو آگ کے گولے مارتے ہیں تو اس سے ان آگ کے گولوں کے گرنے کی جگہیں مراد ہیں' آگ کے ان گولوں کو شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔

(۴) قیامت کے دن جب ستارے منتشر ہو جائیں گے اور جن جگہوں پر وہ ٹوٹ کر گریں گے' اس سے وہ جگہیں مراد ہیں۔

(۵) النجوم کے معنی اقساط اور حصص بھی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''مواقع النجوم'' سے مراد نجوم قرآن کے وقوع کی جگہیں ہوں اور قرآن کے حصص اور اقساط سے مراد قرآن مجید کے معانی اور احکام ہوں اور یہ معانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

قلبِ اطہر پر اور مؤمنین کاملین مثلاً صحابہ' فقہاء تابعین' مجتہدین اور اولیاء اور عارفین کے قلوب پر واقع ہوتے ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر اور آپ کے وسیلہ سے مؤمنین کاملین کے قلوب کی قسم کھائی ہے۔

کفارِ مکہ کے علم کی نفی کی توجیہ

الواقعہ: ۷۶ میں فرمایا: اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت عظیم قسم ہےO
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم جانو (یا سمجھو) تو یہ بہت عظیم قسم ہے' اور یہ ذکر نہیں فرمایا کہ تم کیا سمجھو یا کیا جانو' جب کسی چیز میں عموم کو ظاہر کرنا ہوتا ہے تو مفعول کو ذکر نہیں کیا جاتا' جیسا کہ حدیث میں ہے:

انما انا قاسم واللہ یعطی. میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۱)

میں کیا تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کیا دیتا ہے؟ اس کا ذکر نہیں فرمایا' یعنی سب کچھ اللہ دیتا ہے اور سب کچھ میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ اس لیے اس آیت کا بھی یہ معنی ہے کہ تمہیں کسی چیز کا علم نہیں' کیونکہ اگر تمہیں کسی چیز کا علم ہوتا تو تمہیں اس قسم کے عظیم ہونے کا بھی علم ہوتا اور یہ آیت ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡیٌ . (البقرہ: ۱۸) یہ بہرے' گونگے' اندھے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ . (الاعراف: ۱۷۹) یہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں۔

اس لیے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ان کو بہت سی چیزوں کا علم تھا' پھر کیسے فرمایا: ان کو کسی چیز کا علم نہیں' کیونکہ علم سے مقصود اللہ تعالیٰ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا علم ہے اور جب انہوں نے وہ علم حاصل نہیں کیا تو گویا ان کو کسی چیز کا علم نہیں۔

قرآن کریم کو کریم فرمانے کی دس وجوہ

الواقعہ: ۷۷ میں فرمایا: بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہےO
کفارِ مکہ قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ شعر ہے' یہ سحر ہے' یہ ان کا اللہ پر افتراء ہے' یہ ان کی مجنونانہ باتیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام پیش کر رہے ہیں' بے شک وہ بہت عزت والا قرآن ہے۔ وہ کہتے تھے: یہ ان کا من گھڑت کلام ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ قرآن لوحِ محفوظ میں ہے۔
''قرآن'' مصدر ہے اور ''مقرو'' کے معنی میں ہے یعنی جس کو پڑھا گیا ہو' جیسے ''قربان'' مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے' یعنی جس کی قربانی کی گئی ہو اور جیسے ''حلوان'' مصدر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ مٹھائی جو کاہنوں اور نجومیوں کو پیش کی گئی ہو۔

(۱) قرآن مجید کو کریم اس لیے فرمایا ہے کہ یہ بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اور جس چیز کو بار بار پڑھا جائے اس سے دل اکتا جاتا ہے اور طبیعت مکدر ہو جاتی ہے' لیکن قرآن کریم میں ایسی حلاوت ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے کے باوجود دل اکتاتا ہے نہ طبیعت مکدر ہوتی ہے' اس لیے اس کو کریم فرمایا ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے اور یہ اس کے کریم ہونے کی واضح دلیل ہے۔
محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کو اس کی وجہ سے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے' بلکہ الف حرف ہے اور لام حرف ہے اور میم حرف ہے (خلاصہ یہ ہے کہ ''الم'' پڑھنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۱۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۹۹۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۶۴۹۔۸۶۴۸' سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۳۰۸' المستدرک ج ۱ ص ۵۵۵' تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۸۵)

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے جو چیز طلب کی جائے وہ مل جاتی ہے' فقیہ اس سے احکام شرعیہ نکالتا ہے' حکیم اس سے حکمت کے موتی نکالتا ہے' ادیب اس سے ادب کو حاصل کرتا ہے' عارف اس سے معارف کو حاصل کرتا ہے' مؤرخ اس سے تاریخ کو حاصل کرتا ہے' متکلم اس سے عقائد پر دلائل کو منطبق کرتا ہے' صوفی اس سے تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے رموز حاصل کرتا ہے اور رشد و ہدایت کا طالب رشد و ہدایت کو حاصل کرتا ہے' اس سے دوزخ سے نجات کا طریقہ ملتا ہے اور جنت کے حصول کا راستہ ملتا ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سے جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفاء ملتی ہے' قرآن کریم میں ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (یونس: ۵۷)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء اور ہدایت اور مؤمنوں کے لیے رحمت ○

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ (بنی اسرائیل: ۸۲)

ہم قرآن سے اس چیز کو نازل کرتے ہیں جو مؤمنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۗ (حم السجدۃ: ۴۴)

آپ کہیے: یہ قرآن مؤمنین کے لیے ہدایت اور شفاء ہے۔

عبدالملک بن عمیر مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب میں ہر بیماری سے شفاء ہے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۳۷۰)

(۵) قرآن کریم کے کریم ہونے کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت فرمائے گا' حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن کریم کو پڑھا اور اس کو حفظ کیا' اس کے حلال کو حلال قرار دیا اور اس کے حرام کو حرام قرار دیا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کردے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس ایسے افراد کے لیے اس کو شفاعت کرنے والا بنائے جن کے لیے دوزخ واجب ہو چکی تھی۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۸)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن قرآن مجید کو لایا جائے گا اور ان لوگوں کو لایا جائے گا جو قرآن مجید پر عمل کرتے تھے اور ان کی پیشوائی سورۃ البقرہ اور آل عمران کریں گی گویا کہ وہ دو بادل ہیں یا دو سیاہ سائبان ہیں جن کے درمیان روشنی ہے یا گویا کہ وہ صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہیں وہ اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۵)

(۶) قرآن کریم کے کریم ہونے کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والوں سے عذاب قبر دور ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے قبر پر خیمہ لگایا اور اس کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ قبر ہے' اچانک اس میں ایک انسان سورۂ ''تبارك الذی بیدہ الملك'' پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس سورت کو ختم کر لیا' اس صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ سورت مانعہ ہے' یہ نجات دینے والی ہے' یہ عذاب سے نجات دیتی ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس کی تیس آیتیں ہیں' وہ کسی شخص کی شفاعت کرتی رہیں گی حتیٰ کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی' وہ سورت ''تبارك الذی بیدہ الملك'' ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۸۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹' المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نجات دینے والی سورت کو پڑھو' وہ ''الم تنزیل'' ہے' کیونکہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص اس سورت کو پڑھتا تھا اور اس کے علاوہ کوئی اور سورت نہیں پڑھتا تھا اور وہ بہت گناہ کرتا تھا' (قبر میں) اس سورت نے اس شخص پر اپنے پَر پھیلا لیے اور کہا: اے میرے رب! اس شخص کو بخش دے' کیونکہ یہ میری بہت تلاوت کرتا تھا' اللہ تعالیٰ اس سورت کی شفاعت قبول فرمائے گا اور فرمائے گا: اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی لکھ دو اور اس کا ایک درجہ بلند کر دو اور یہ سورت اپنے تلاوت کرنے والے کی طرف سے قبر میں لڑے گی اور کہے گی: اے اللہ! اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے اور یہ پرندے کی طرح آئے گی اور اس شخص پر اپنا پَر رکھ دے گی اور اس کی شفاعت کرے گی اور اس سے عذابِ قبر کو دور کرے گی اور انہوں نے کہا: ''تبارك الذی بیدہ الملك'' بھی اسی سورت کی مثل ہے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان دو سورتوں کو پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۸۶۱)

سوچئے! اس سے بڑھ کر قرآن مجید کا کرم اور کیا ہو گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے حتیٰ کہ ''الم تنزیل'' اور ''تبارك الذی بیدہ الملك'' کی سورتوں کی تلاوت نہ کر لیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۰)

(۷) قرآن کریم کے کریم ہونے کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو حفظ کرنے والے کی میدانِ محشر میں عزت افزائی ہو گی۔

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کے احکام پر عمل کیا' اس کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا' جس کی روشنی دنیا کے گھروں میں سورج کی روشنی سے زیادہ ہو گی' اگر سورج تم میں ہو تو تمہارا اس کے متعلق کیا گمان ہے جو قرآن پر عمل کرے گا؟

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۵۳' مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۰)

(۸) قرآن کریم کے کریم ہونے کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی وجہ سے شہادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح تین مرتبہ پڑھا: ''اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم'' پھر سورۂ حشر کی (آخری) تین آیتوں کی تلاوت کی' اللہ تعالیٰ

اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو شام تک اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ اس دن مر گیا تو شہادت کی موت مرے گا اور جس نے شام کو اس طرح تلاوت کی اس کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۲)

(۹) قرآن مجید کے کریم ہونے کی نویں وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے محبت کی وجہ سے جنت ملے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (حضرت کلثوم بن ھدم) نے کہا: یارسول اللہ! میں اس سورت ''قل ھو اللہ احد'' سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس سورت کی محبت نے تم کو جنت میں داخل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۱' سنن بیہقی ج ۲ ص ۶۱)

مصنف کو اس آیت سے بہت محبت ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۗ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۷) اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو ہر نقص اور عیب سے بری ہے' بے شک میں ظالموں سے ہوں ۝

میں اس آیت سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے حسب حال ہے' میں بہت نکما' ناشکرا اور گناہ گار ہوں اور اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے' وہ مجھے لگاتار نعمتیں عطا فرما رہا ہے۔

اسی طرح مجھے اس آیت سے بھی بہت محبت ہے:

قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ؕ (بنی اسرائیل: ۸۴) آپ کہیے: ہر شخص اپنے طریقہ اور اپنی روش کے موافق عمل کرتا رہتا ہے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید کا ذکر کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اوّل سے آخر تک قرآن کریم پڑھا' مجھے سب سے اچھی اور سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ملی ہے: ''قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ'' (بنی اسرائیل: ۸۴) بندہ کی روش صرف گناہ کرنا ہے اور رب کی روش صرف معاف فرمانا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۹۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

قارئین کرام! دعا فرمائیں کہ ان دو آیتوں کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے بھی جنت عطا فرمادیں۔

(۱۰) قرآن کریم کے کریم ہونے کی دسویں وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کی وجہ سے جنت کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا: جس طرح تو دنیا میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھتا تھا' اس طرح آہستہ آہستہ قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجات میں) چڑھتا جا اور جس جگہ تو آخری آیت پڑھے گا وہیں تیری منزل ہوگی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۸۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۲' المستدرک ج ۱ ص ۵۵۳۔ ۵۵۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۷۹۰)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ

قرآن مجید کو ''کتاب'' اور ''مکنون'' فرمانے کی توجیہ

الواقعہ: ۷۸ میں فرمایا: جو کتاب (لوح) محفوظ میں ہے○

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ ○'' (الواقعہ: ۷۸) اس آیت میں قرآن مجید کو کتاب فرمایا ہے' اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں' زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے' اس کی دلیل یہ آیات ہیں:

بَلۡ ہُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ○ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ○ بلکہ یہ قرآن مجید ہے○ لوحِ محفوظ میں○

(البروج: ۲۲-۲۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد مصحف ہے' یعنی قرآن مجید کا وہ نسخہ جو کتابی شکل میں ہمارے پاس ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد آسمانی کتاب ہے' جیسے ''تورات'' اور ''انجیل'' وغیرہ آسمانی کتابیں ہیں۔

اور اس میں قرآن مجید کو ''مکنون'' فرمایا ہے اور ''مکنون'' کے معنی ہیں: پوشیدہ' سو اگر اس سے مراد لوحِ محفوظ ہو تو اگرچہ وہ فرشتوں سے غیر مستور ہے لیکن عام مسلمانوں کی نگاہوں سے وہ پوشیدہ ہے اور اگر اس سے مراد مصحف ہے جو جلد اور اوراق پر مشتمل ہے تو وہ تحریف اور ترمیم کرنے والوں کی نگاہوں سے مستور ہے' یا پھر اس کا مجازی معنی مراد ہے کیونکہ جو چیز مستور ہو وہ محفوظ ہوتی ہے' قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ محافظ ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (الحجر: ۹) بے شک ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں○

اور کائنات میں قرآن مجید سے زیادہ اور کوئی چیز محفوظ نہیں ہے۔

بے وضو کو قرآن مجید کے چھونے کی ممانعت میں مفسرین کی تصریحات

الواقعہ: ۷۹ میں فرمایا: اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں○

اگر اس سے مراد وہ قرآن مجید ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے تو پھر اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا: اس کو آسمان میں صرف فرشتے ہی چھوتے ہیں جو ''مطھرون'' ہیں یعنی پاک ہیں۔

(۲) زید بن اسلم نے کہا: اس کو صرف رسل ملائکہ ہی انبیاء کی طرف نازل کرتے ہیں۔

اس قول پر یہ اشکال ہے کہ تمام رسل ملائکہ قرآن مجید کو تمام نبیوں کی طرف نازل نہیں کرتے بلکہ صرف حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کو صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور اگر اس سے مراد وہ قرآنِ مجید ہے جو مصحف اور کتاب کی شکل میں ہمارے ہاتھوں میں ہے تو اس کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) کلبی نے کہا: اس قرآن کو صرف مسلمان ہی چھو سکتے ہیں جو شرک اور کفر سے پاک ہیں۔

(۲) الربیع بن انس نے کہا: اس قرآن کو صرف نیک مسلمان ہی چھو سکتے ہیں جو گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہیں۔

(۳) قتادہ نے کہا: اس کو صرف وہ مسلمان ہی چھو سکتے ہیں جو نجاست اور ہر قسم کے حدث سے پاک ہوں' یعنی ان پر غسل واجب ہو نہ وضو۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۶۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام شافعی نے کہا: بے وضو کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے‘ ان کا استدلال حضرت عمرو بن حزم کی اس حدیث سے ہے کہ قرآن مجید کو طاہر کے سوا اور کوئی نہ چھوئے‘ اور بے وضو کے قرآن مجید کو چھونے میں قرآن مجید کی اہانت ہے اس لیے اس کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۳۱ ملخصاً‘ داراحیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کتاب سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے‘ حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قرآن کو صرف اس حال میں چھوؤ جب تم طاہر ہو اور جب تک حضرت عمر نے غسل نہیں کر لیا‘ ان کی بہن نے ان کے ہاتھ میں قرآن نہیں دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۰۴‘ دارالفکر بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ”مطھرون“ سے مراد وہ لوگ ہیں: جو حدث اصغر (بے وضو ہونا) اور حدث اکبر (جنابت) دونوں سے پاک ہوں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ طاہر نہ ہوں ان کو قرآن مجید نہیں چھونا چاہیے۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۳۵‘ دارالفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

بے وضو کو قرآن مجید کے چھونے کی ممانعت میں احادیث

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ‘ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے روایت کرتے ہیں کہ جس مکتوب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے لیے لکھا تھا اس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ:

ان لا یمس القرآن الا طاھر. طاہر (حدث سے پاک شخص) کے سوا کوئی قرآن مجید کو نہ چھوئے۔

(موطأ امام مالک ج ۱ ص ۱۹۱۔ رقم الحدیث: ۴۷۸‘ دارالمعرفۃ لبنان‘ ۱۴۲۰ھ)

امام عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی المتوفی ۲۵۵ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(سنن دارمی ص ۱۸۷۔ رقم الحدیث: ۲۲۷۰‘ دارالمعرفۃ بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

امام علی بن عمر الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے اس حدیث کو متعدد اسانید سے روایت کیا ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۰۴۔۳۰۰۔ رقم الحدیث: ۴۳۳۔۴۲۸‘ دارالمعرفۃ بیروت‘ ۱۴۲۲ھ۔ امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۳۴۲۔۳۴۱۔ رقم الحدیث: ۱۳۲۸‘ مکتب اسلامیہ بیروت‘ ۱۳۹۰ھ طبع قدیم)

امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی المتوفی ۳۲۲ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(کتاب الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۴۸۰‘ دارالکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۸ھ)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۴۸۵‘ دارالباز مکہ مکرمہ)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۷‘ ملتان‘ الخلافیات ج ۱ ص ۴۹۸‘ معرفۃ السنن والآثار ج ۱ ص ۱۸۶۔ رقم الحدیث: ۱۰۶)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۱۷۔ حافظ نورالدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کہا: اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۶)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۳۱)

بے وضو کو قرآن مجید کے چھونے کی ممانعت میں آثارِ صحابہ وتابعین

امام عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' وہ رفع حاجت کے لیے گئے' جب وہ قضاء حاجت کے بعد واپس آئے تو ہم نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ وضو کرلیں' ہم آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کریں گے' حضرت سلمان نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو' کیونکہ میں قرآن مجید کو چھوؤں گا نہیں' بے شک قرآن مجید کو طہارت کے بغیر کوئی شخص نہیں چھوسکتا' پھر ہم نے ان سے سوال کیا اور انہوں نے وضو کیے بغیر ہمارے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۹۸۔ رقم الحدیث: ۱۱۰۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء نے کہا: کوئی شخص بغیر وضو کے مصحف کو نہ چھوئے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۶۴۔ رقم الحدیث: ۱۳۳۵ طبع جدید' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جابر بیان کرتے ہیں کہ شعبی' طاؤس اور قاسم بن محمد بغیر وضو کے مصحف کے چھونے کو مکروہ کہتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۳۸)

معمر کہتے ہیں کہ زہری نے کہا: جن دراہم پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں ان کو بغیر وضو کے نہ چھوا جائے' معمر نے کہا کہ حسن بصری اور قتادہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے' وہ کہتے تھے کہ یہ لوگوں کی قدیم عادت ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۳۸)

جابر بیان کرتے ہیں کہ شعبی نے کہا: جنبی کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا مکروہ ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۴۵)

معمر بیان کرتے ہیں کہ قتادہ نے کہا: مستحب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو باوضو لکھا جائے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۴۶)

بے وضو کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے کی ممانعت میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

حافظ یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر مالکی قرطبی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

مدینہ' شام اور مصر کے تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بے وضو شخص قرآن مجید کو نہ چھوئے اور یہ حکم صرف اس آیت کی وجہ سے نہیں ہے:

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝ (الواقعہ: ۷۹) اس کتاب کو مطہرین کے سوا کوئی نہ چھوئے ۝

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے ہے کہ قرآن مجید کو طاہر کے سوا کوئی نہ چھوئے۔

(موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۴۷۸)

امام مالک نے کہا کہ قرآن مجید کو بغیر وضو کے لٹکانے والی ڈوری یا غلاف کے ساتھ بھی نہ چھوئے' البتہ اگر قرآن مجید کسی بکس یا ڈبہ میں ہو تو اس کو بغیر وضو کے چھوسکتا ہے۔ الحکم بن عتیبہ اور حماد بن سلیمان نے کہا کہ قرآن مجید کو بے وضو شخص

لٹکانے والی ڈوری کے ساتھ اٹھا سکتا ہے اور میرے نزدیک ان کا قول شاذ ہے۔ داؤد بن علی ظاہری نے بھی ان کے قول کو اختیار کیا ہے' اس نے کہا کہ قرآن مجید اور جن دراھم اور دینار پر اللہ کا نام ہو اس کو جنبی اور حائض چھو سکتے ہیں۔

(تمہید ج ۷ ص ۱۶۵۔ ۱۶۴ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

بے وضو کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے کی ممانعت میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

بے وضو شخص پر قرآن مجید کو چھونا حرام ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' (الواقعہ: ۷۹) اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر طہارت کے قرآن مجید کو مت چھوؤ اور بے وضو بچوں کے لیے قرآن مجید کو اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جیسے بڑوں کے لیے جائز نہیں ہے ان کے لیے بھی جائز نہیں ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ طہارت کو قائم نہیں رکھ سکتے اور ان کو قرآن پڑھانے کی ضرورت ہے۔ (المجموع من شرح المہذب ج ۲ ص ۱۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ ھ)

بے وضو کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی المتوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر' حسن بصری' عطاء' طاؤس' شعبی اور قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جو شخص بے وضو ہو اس کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور ہمارے علم میں داؤد ظاہری کے علاوہ اور کسی کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے' اس نے کہا کہ جنبی اور بے وضو کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کی طرف ایک آیت لکھ کر بھیجی (وہ آیت آل عمران: ۶۴ ہے' اس کا ذکر ''صحیح البخاری'' رقم الحدیث: ۷ میں ہے) ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: ''لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' (الواقعہ: ۷۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے مکتوب میں لکھا کہ غیر طاہر قرآن کو نہ چھوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو مکتوب لکھا تھا' اس سے مقصود پیغام بھیجنا تھا اور اگر کسی رسالہ یا فقہ کی کتاب میں کوئی آیت ہو تو اس رسالہ یا کتاب کو چھونا ممنوع نہیں ہے اور اس کتاب میں اس آیت کی وجہ سے وہ کتاب مصحف یا قرآن نہیں ہو گی اور اس کی حرمت ثابت نہیں ہو گی۔

امام ابوحنیفہ' حسن بصری' شعبی' عطاء' طاؤس' قاسم' ابووائل' حکم اور حماد کے نزدیک بے وضو کے لیے قرآن مجید کو لٹکانے والی ڈوری کے ساتھ پکڑ کر اٹھانا جائز ہے اور اوزاعی' امام مالک اور امام شافعی نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو چھو نہیں رہا اور یہ ایسا ہے جیسے اس نے رحل (یا بکس) میں قرآن مجید کو اٹھایا ہوا ہو' نیز ممنوع قرآن مجید کو چھونا ہے اور قرآن مجید کو اٹھانا اس کو چھونا نہیں ہے اور اٹھانے کو چھونے پر قیاس کرنا' قیاس فاسد ہے۔

تفسیر اور فقہ کی کتابوں اور رسالوں کو بے وضو اٹھانا جائز ہے' خواہ ان میں قرآن مجید کی آیات ہوں' اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کی طرف مکتوب لکھا اور اس میں قرآن مجید کی آیت تھی' نیز تفسیر اور فقہ کی کتابیں قرآن مجید یا مصحف نہیں ہیں اور ممنوع ان کو بے وضو مس کرنا ہے اور ان کتابوں کے لیے قرآن مجید کی طرح حرمت ثابت نہیں ہے۔

بے وضو بچوں کے لیے قرآن مجید اٹھانے میں دو قول ہیں' اس آیت کے عموم کی وجہ سے منع ہے اور ضرورت کی بناء پر جائز ہے' جن دراہم پر قرآن مجید کی آیات نقش ہوں' ان کو بے وضو چھونے میں دو قول ہیں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ وہ اوراق قرآن کے مشابہ ہیں اور دوسرا جواز کا قول ہے کیونکہ ان پر مصحف اور قرآن کا اطلاق نہیں ہوتا اور وہ فقہ کی

کتابوں کے مشابہ ہیں اور ان کو بے وضو نہ چھونے میں مشقت اور حرج ہے' جس طرح بچوں پر وضو لازم کرنے میں حرج ہے۔
اگر بے وضو کو قرآن مجید چھونے کی ضرورت ہو تو وہ تیمم کر کے چھو سکتا ہے۔
مصحف کو لے کر دارالحرب کی طرف سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کے ساتھ دشمن کے علاقہ میں سفر نہ کرو' کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دشمن قرآن مجید کی بے ادبی کریں گے۔(حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۶۳۔۲۳۳۶)

(المغنی والشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۷۰۔۱۶۸' دارالفکر' بیروت)

ہر چند کہ یہ حدیث مرسل ہے' لیکن حافظ ابونعیم اصبہانی نے لکھا ہے: یہ حدیث مشہور ثابت ہے۔(حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۵)
تاہم اگر علامہ ابن قدامہ درج ذیل صحیح مرفوع متصل حدیث سے استدلال کرتے تو زیادہ بہتر تھا:
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے علاقے میں قرآن مجید کے ساتھ سفر کرنے سے منع فرماتے تھے' مبادا! دشمن اس کی بے ادبی کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۰' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۸۷۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۶)

بے وضو کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے میں فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:
ہمارے نزدیک بغیر غلاف کے بے وضو مصحف کو چھونا جائز نہیں ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ بے وضو کے لیے مصحف کو بغیر غلاف کے چھونا جائز ہے' انہوں نے چھونے کو قراءت پر قیاس کیا ہے' یعنی جب بے وضو قرآن پڑھ سکتا ہے تو اس کو چھو بھی سکتا ہے (میں کہتا ہوں: علامہ کاسانی نے یہ صحیح نہیں کہا' امام شافعی کے نزدیک بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے جیسا کہ ہم علامہ نووی شافعی سے نقل کر چکے ہیں۔سعیدی غفرلہٗ)۔
علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: "لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝" (الواقعہ: ۷۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیر طاہر قرآن کو نہ چھوئے۔(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۵۳) اور جن دراہم پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں ان کو بھی بے وضو چھونا جائز نہیں ہے اور نہ تفسیر کی کتابوں کو بے وضو چھونا جائز ہے' کیونکہ اس صورت میں وہ قرآن مجید کو چھونے والا ہو جائے گا' رہا فقہ کی کتابوں کو بے وضو چھونا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور مستحب یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں علامہ ابن قدامہ حنبلی کی تحریر زیادہ قابلِ عمل ہے اور اس میں لوگوں کے لیے سہولت ہے اور اس میں حرج اور مشقت نہیں ہے۔ہاں! محققین احناف نے بھی اس مسئلہ کو علامہ ابن قدامہ حنبلی کی طرح لکھا ہے۔

کتب تفسیر اور کتب فقہ کو بے وضو چھونے میں فقہاء احناف کا مذہب اور مصنف کا مختار

علامہ طاہر بن عبد الرشید البخاری الحنفی دہلوی المتوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:
"الجامع الصغیر" میں مذکور ہے کہ جنبی شخص جب کسی تھیلی کو پکڑے' جس میں ایسے دراہم ہوں جن پر قرآن مجید کی سورت نقش ہو یا مصحف کو غلاف کے ساتھ پکڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور بغیر تھیلی کے ایسے دراہم کو اور بغیر غلاف کے مصحف کو نہ پکڑے اور جنبی شخص (اور حائض) قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے' پوری آیت کا پڑھنا منع ہے' اس سے کم پڑھ سکتے ہیں اور تلاوت کے قصد سے نہ پڑھیں' دعا اور افتتاح کے قصد سے پڑھ سکتے ہیں۔نیز علامہ بخاری دہلوی لکھتے ہیں:

بے وضو کا مصحف کو مَس کرنا اور چھونا مکروہ ہے' جیسا کہ جنبی کے لیے مکروہ ہے' اسی طرح امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک احادیث' تفاسیر اور فقہ کی کتابوں کو بھی بغیر وضو کے چھونا مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اور ''الجامع الصغیر'' میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا' لیکن اس میں مذکور ہے کہ فقہ کی کتابیں مصحف کی طرح ہیں' لیکن جب ان کو آستین سے پکڑے تو مکروہ نہیں ہے۔(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۴' مکتبہ رشیدیہ' کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تفاسیر' حدیث اور فقہ کی کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہے۔(علامہ ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ) نے امام ابوحنیفہ کے اس قول کی یہ توجیہ کی ہے کہ کتب تفسیر وغیرہ کے چھونے والے کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ قرآن مجید کو چھو رہا ہے کیونکہ ان کتابوں میں جو آیتیں مذکور ہیں وہ تبعاً ہیں اور ان کتابوں کو قرآن نہیں کہا جاتا۔(حلبی کبیر ص ۵۹) علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے کتب تفسیر وغیرہ کو بے وضو چھونے سے منع کیا ہے اور اس کو مکروہ کہا ہے۔(فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۲) لیکن علامہ حموی حنفی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ بے وضو تفسیر کی کتابوں کو چھونا جائز ہے کیونکہ وہ بھی باقی کتب شرعیہ کی طرح ہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ہمارے تمام اصحاب احناف کا یہی قول ہے۔

''شرح درر البحار'' میں بھی اس کے جواز کی تصریح کی ہے اور ''السراج'' میں ''الایضاح'' سے منقول ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں جہاں قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں ان کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے اور دوسری عبارات کو ہاتھ لگا سکتا ہے' اسی طرح فقہ کی کتابوں میں بھی قرآن مجید کی آیات کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے اور فقہی عبارات کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ کتب تفسیر اور دیگر کتب شرعیہ کو بے وضو چھونے کے مکروہ ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے (یعنی جو مکروہ کہتے ہیں وہ دونوں کو مکروہ کہتے ہیں اور جو غیر مکروہ کہتے ہیں وہ دونوں کو غیر مکروہ کہتے ہیں)۔ ''خلاصہ'' کی عبارت کا یہی تقاضا ہے۔علامہ طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے لکھا ہے کہ جو کچھ ''السراج'' میں مذکور ہے وہ قواعد شرع کے زیادہ موافق ہے' یعنی کتب تفسیر میں بے وضو قرآن مجید کی آیات کو ہاتھ نہ لگائے' باقی عبارات کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ شامی نے اس بحث میں ''النہر الفائق'' کا بھی حوالہ دیا ہے' اس کی اصل عبارت یہ ہے:

علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی متوفی ۱۰۰۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص بے وضو ہو اس کو صرف قرآن مجید کو چھونے سے منع کیا جائے گا' کیونکہ بغیر وضو کے کتب حدیث اور فقہ کو چھونے میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے' اسی طرح ''خلاصہ'' میں ہے اور یہ اختلاف مطلقاً ہے یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک کتب تفسیر اور دیگر کتب شرعیہ کو بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں کو بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہے۔(النہر الفائق ج ۱ ص ۱۳۴' قدیمی کتب خانہ' کراچی' ۱۴۲۲ھ)

مصنف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ بے وضو کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا مکروہ تحریمی ہے اور کتب تفسیر اور کتب فقہ کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے' لیکن ان کتابوں میں جو قرآن مجید کی آیات درج ہیں ان کو بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے جیسا کہ ''السراج'' میں مذکور ہے اور علامہ احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ کا بھی یہی مختار ہے۔(حاشیۃ الطحطاوی ص ۱۰۰' دار المعرفۃ' بیروت)

غیر مقلدین کے نزدیک جنبی اور حائض کے تلاوتِ قرآن کا جواز اور مصنف کا ردّ

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن کی تلاوت کرنا' سجدۂ تلاوت کرنا اور مصحف کو چھونا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا' یہ سب امور وضو کے ساتھ بھی جائز ہیں اور بغیر وضو کے بھی اور جنبی اور حائض کے لیے بھی۔

رہا بے وضو قرآن مجید کی تلاوت کرنا تو اس میں مخالفین بھی ہمارے موافق ہیں' رہا جنبی اور حائض کو قرآن کی تلاوت سے منع کرنا تو یہ حضرت عمر' حضرت علی رضی اللہ عنہما' حسن بصری' قتادہ اور نخعی وغیرھم کا مذہب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے:

عبد اللہ بن سلمہ' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنابت کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی تلاوت سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۹۴' مسند احمد ج ۱ ص ۸۴)

شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کہ آپ اس حالت میں قرآن کریم نہیں پڑھتے تھے لیکن آپ نے جنبی کو تلاوتِ قرآن سے منع نہیں فرمایا اور جن آثار میں ممانعت ہے وہ ضعیف ہیں۔

(المحلی بالآثار ج ۱ ص ۹۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ ملخصاً مخرجاً)

شیخ ابن حزم نے یہ صحیح نہیں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی اور حائض کو قرآن پڑھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے ان کو قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۹۵' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۹' معرفۃ السنن والآثار ج ۱ ص ۱۹۰' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۸۹' تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۴۵' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۷۔ رقم الحدیث: ۴۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۲' شرح معانی الآثار رقم الحدیث: ۵۴۶' قدیمی کتب خانہ' کراچی)

امام ترمذی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کا اور ان کے بعد کے تابعین کا یہی مسلک ہے' مثلاً سفیان ثوری' ابن المبارک' شافعی' احمد' اسحٰق وغیرہم' انہوں نے کہا کہ حائض اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھیں' سوا ایک آیت اور ایک حرف کے اور انہوں نے ان کو تسبیح اور تہلیل کرنے کی اجازت دی ہے

اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے' امام بخاری کے نزدیک اس کی اہل شام سے روایت منکر ہے' امام احمد نے کہا کہ یہ بقیہ سے اصلح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی کی سند میں اسماعیل بن عیاش کی موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے اور امام دار قطنی کی سند میں مغیرہ بن عبد الرحمٰن کی موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے' لہٰذا امام بخاری والا اعتراض بھی ساقط ہو گیا' امام دار قطنی کی سند یہ ہے:

محمد بن حمدویة المروزی نا عبد الله بن حماد الآملی ثنا عبد الملك بن مسلمة حدثنی المغيرة بن عبد الرحمان عن موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال ' قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ''لا یقرء الجنب شیئا من القرآن''۔

امام دار قطنی لکھتے ہیں:

مغیرہ بن عبد الرحمان ثقہ ہے وہ ابو معشر از موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتا ہے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۱۶' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت کے سوا قرآن پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۴۲۲' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحۃ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۴۲۶۔ ۴۲۵۔ ۴۲۴)

اس سلسلہ میں بعض آثار یہ ہیں:

عبیدہ السلمانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جنبی کے قرآن پڑھنے کو مکروہ فرماتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۰۹ طبع جدید' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۰' معرفۃ السنن والآثار رقم الحدیث: ۱۱۵' شرح معانی الآثار رقم الحدیث: ۵۶۰)

یسار نے کہا: حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنبی اور حائض قرآن نہ پڑھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵)

ابو الغریف بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنبی قرآن نہ پڑھے' ایک حرف بھی نہ پڑھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۸۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۰۸)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ ثناء اللہ امرتسری متوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

حائضہ عورت قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتی' زبان سے پڑھ سکتی ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۳۵' مکتبہ ثنائیہ' سرگودھا)

نیز شیخ ثناء اللہ امرت سری لکھتے ہیں:

''ترمذی'' میں حدیث ہے: حائضہ اور جنبی قرآن نہ پڑھیں۔ یہ حدیث اسماعیل بن عیاش کی وجہ سے ضعیف ہے اور حدیث ضعیف' حدیث صحیح کے مقابلہ میں معتبر نہیں ہوتی اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ اس حدیث سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ جنبی کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۱۹ ملخصاً' سرگودھا)

میں کہتا ہوں کہ ہم ''سنن دارقطنی'' کے حوالے سے تین احادیث بیان کر چکے ہیں جن کی سند میں اسماعیل بن عیاش نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۴۲۲) اور انہوں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں بھی قرآن مجید پڑھتے تھے' حالانکہ بحث اس میں ہے بلکہ حدیث صحیح میں یہ صراحت ہے کہ آپ کو جنابت کے سوا قرآن مجید پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔

ہم نے قرآن مجید کی عزت و ناموس کی وجہ سے اس مسئلہ میں طویل بحث کی ہے' کیونکہ علماء غیر مقلدین کی صریح عبارت سے قرآن مجید کی بہت توہین ہوتی ہے۔

غیر مقلدین کے نزدیک جنبی' حائض اور بے وضو کے سجدہ تلاوت کرنے کا جواز اور مصنف کا ردّ

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

رہا سجدۂ تلاوت کرنا تو وہ بالکل نماز نہیں ہے' سجدۂ تلاوت ایک رکعت ہے نہ دو رکعت ہے' پس وہ بالکل نماز نہیں ہے اور جب سجدۂ تلاوت نماز نہیں ہے تو وہ بے وضو بھی جائز ہے اور جنبی اور حائض کے لیے بھی جائز ہے اور قبلہ کی طرف منہ کیے بغیر بھی جائز ہے' جیسا کہ دیگر اذکار اور وظائف بھی جائز ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے' کیونکہ وضو کرنا صرف نماز کے لیے لازم ہے اور جب غیر نماز کے لیے قرآن' سنت' اجماع اور قیاس سے وضو کرنا لازم نہیں ہے تو سجدۂ تلاوت کے لیے بھی وضو کرنا لازم نہیں ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۱ ص ۹۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:
سجدۂ تلاوت کی احادیث میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ سجدۂ تلاوت کرنے والے کو باوضو ہونا چاہیے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدۂ تلاوت کرتے تو آپ کے پاس جو حاضر ہوتے وہ بھی سجدۂ تلاوت کرتے تھے اور آپ کسی کو وضو کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے اور یہ بعید ہے کہ اس وقت سب مسلمان باوضو ہوں' نیز جب آپ نے سورۃ النجم کا سجدہ کیا تھا تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدۂ تلاوت ادا کیا تھا اور وہ نجس لوگ تھے ان کا وضو صحیح نہیں تھا۔ (الیٰ قولہٖ) اسی طرح احادیث میں یہ بھی نہیں ہے کہ سجدۂ تلاوت کے وقت کپڑے پاک ہوں یا جگہ پاک ہو۔

(نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۸۰' دار الوفاء' ۱۴۲۱ھ)

شیخ ابن حزم اور شیخ شوکانی نے جنبی اور بے وضو کے سجدۂ تلاوت ادا کرنے پر جو دلائل پیش کیے ہیں وہ سب عقل ناتمام اور قیاس فاسد پر مبنی ہیں اور ان کا یہ موقف صریح حدیث' آثار صحابہ اور اجماع کے خلاف ہے۔ شیخ شوکانی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو سجدۂ تلاوت کے وقت وضو کرنے کا حکم نہیں دیا اور اس سے یہ استدلال کیا کہ سجدۂ تلاوت کے لیے وضو لازم نہیں ہے' یہ استدلال فاسد ہے' بلکہ آپ نے اس وقت وضو کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ سب صحابہ کو یہ معلوم تھا کہ سجدۂ تلاوت کے لیے وضو ضروری ہے' پھر شیخ شوکانی نے لکھا کہ یہ بعید ہے کہ اس موقع پر تمام مسلمان باوضو ہوں' بلکہ ہمارے نزدیک یہ بعید ہے کہ صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بے وضو بیٹھے ہوں' پھر شیخ شوکانی نے مشرکین کے سجدہ کرنے سے بھی استدلال کیا ہے کہ ان کا وضو نہیں ہوتا' یہ استدلال بھی فاسد ہے کیونکہ کوئی شرعی حکم مشرکین کے قول و فعل سے ثابت نہیں ہوتا اور مسلمانوں کے نزدیک مشرکین کا کوئی قول اور فعل حجت نہیں ہے۔

ہم نے لکھا ہے کہ جنبی' حائض اور بے وضو کا سجدۂ تلاوت کرنا حدیث کے خلاف ہے' وہ حدیث یہ ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر لا یسجد الرجل الا وھو طاھر. (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۲۵)

حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص بغیر وضو کے سجدہ نہ کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۸) اور شیخ شوکانی نے بھی اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۸۰)

امام ابن ابی شیبہ نے حماد اور سعید بن جبیر سے روایت کیا کہ جب جنبی شخص آیت سجدہ کو سنے تو غسل کرے اس کے بعد سجدہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۳' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

ہشیم نے از مغیرہ از ابراہیم کہا: جب حائض آیت سجدہ کو سنے تو سجدہ نہ کرے' وہ فرض نماز کے اس سے بڑے سجدہ کو بھی نہیں کرتی۔

حماد کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر اور ابراہیم سے سوال کیا کہ حائض آیت سجدہ کو سن کر کیا کرے؟ انہوں نے کہا: اس پر سجدۂ تلاوت نہیں ہے' نماز کا سجدہ اس سے زیادہ بڑا ہے۔

عطاء سے سوال کیا گیا کہ اگر حائض ان لوگوں کے پاس سے گزرے جو سجدۂ تلاوت کر رہے ہیں تو آیا ان کے ساتھ سجدہ کرے؟ انہوں نے کہا: نہیں! وہ اس سے افضل سجدہ کو نہیں کرتی۔

اشعث نے حسن بصری سے سوال کیا کہ جنبی اور حائض آیتِ سجدہ کو سنیں تو کیا کریں؟ انہوں نے کہا: وہ سجدہ نہ کریں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۴۔۱۳' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نے کہا: جب تم آیتِ سجدہ کو سنو اور تمہارا وضو نہ ہو تو تم تیمم کر کے سجدہ کرو۔

حماد نے ابراہیم سے روایت کیا کہ وہ وضو کر کے سجدہ کرے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۱۲۔۲۱۱' رقم الحدیث: ۵۹۵۵۔۵۹۵۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان احادیث اور آثار کے بعد سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت کے لزوم پر اجماع کی تصریح یہ ہے:

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

بے وضو سجدہ نہ کرے' سجدۂ تلاوت کی وہی شرائط ہیں جو نفل نماز کی شرائط ہیں' یعنی بے وضو نہ ہو' نجاست سے پاک ہو' شرم گاہ مستور ہو' قبلہ کی طرف منہ ہو اور سجدۂ تلاوت کی نیت کرے' ہمارے علم میں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' ماسوا اس کے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حائض آیتِ سجدہ کو سنے تو وہ سر سے اشارہ کرے' اور شعبی نے کہا: جب بے وضو شخص آیتِ سجدہ سنے تو جس طرف اس کا منہ ہو سجدہ کر لے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں فرماتا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱' مسند احمد ج ۲ ص ۹) اور اس حدیث کے عموم میں سجدۂ تلاوت بھی داخل ہے۔ (المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۶۸۶' دارالفکر' بیروت)

جنبی' حائض اور بے وضو کے قرآن مجید کو چھونے پر شیخ شوکانی کا استدلال اور مصنف کا ردّ

جنبی' حائض اور بے وضو کے لیے قرآن مجید کو چھونے کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے شیخ شوکانی نے کہا کہ ہر چند کہ حدیث میں ہے: طاہر شخص کے سوا کوئی قرآن مجید کو نہ چھوئے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۱۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۶۵)

لیکن طاہر کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے' طاہر اس کو بھی کہتے ہیں: جو جنبی ہو نہ بے وضو ہو اور طاہر اس کو بھی کہتے ہیں جس کے بدن پر نجاست نہ ہو' سو یہ مشترک لفظ ہے اور اس سے باوضو ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا اور اس مکتوب میں آل عمران: ۶۴ آیت تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۳) (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۵۔۲۹۴' دارالوفاء' ۱۴۲۱ھ)

یہ درست ہے کہ مشترک لفظ سے کسی ایک معنی پر استدلال جائز نہیں ہوتا لیکن جب قرینہ سے کوئی ایک معنی متعین ہو جائے تو پھر اس سے استدلال کرنا صحیح ہے اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ احادیث سے واضح ہے کہ یہاں طاہر سے مراد باوضو ہے:

امام علی بن عمر الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر تلوار لٹکائے ہوئے جا رہے تھے' ان کو بتایا گیا کہ آپ کے بہنوئی اور آپ کی بہن اپنے آبائی دین سے نکل چکے ہیں' حضرت عمر ان کے پاس گئے' اس وقت ان کے پاس مہاجرین میں سے بھی ایک شخص تھا' ان کا نام حضرت خباب تھا اور وہ اس وقت سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے' حضرت عمر نے کہا: مجھے بھی وہ کتاب دو جو تم پڑھ رہے تھے' میں بھی اس کو پڑھتا ہوں اور حضرت عمر کو کتاب پڑھنی آتی تھی' ان کی بہن نے کہا: تم ناپاک ہو اور قرآن مجید کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں' پس آپ کھڑے ہوں اور غسل کریں یا وضو کریں' پھر حضرت عمر نے وضو کیا اور کتاب کو لیا اور سورۂ طٰہٰ پڑھی۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۴۳۴' دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر میں تھے انہوں نے رفع حاجت کی' ہم

نے ان سے کہا: آپ وضو کرلیں حتیٰ کہ ہم آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کریں' انہوں نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو' میں قرآن مجید کو چھوؤں گا نہیں' پھر انہوں نے ہمارے منشاء کے مطابق قرآن پڑھا اور ہمارے اور ان کے درمیان پانی نہیں تھا۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۴۳۷ـ۴۳۶ـ۴۳۵' دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام دارقطنی نے اس حدیث کو تین سندوں سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مذکور الصدر حدیث میں طاہر کا معنی باوضو ہے اور اس حدیث پر شیخ شوکانی کا جو اعتراض تھا وہ دور ہو گیا۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کے ایک اور عالم نواب صدیق حسن خان قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ کا بھی یہی مؤقف ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ" (الواقعہ: ۷۹) میں جمہور ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے۔ حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم کا اور فقہاء تابعین میں سے عطاء' زہری' نخعی' حکم' حماد اور ائمہ اربعہ کا یہی موقف ہے اور اس مسئلہ میں جو حق ہے اس کو شوکانی نے منتقی کی شرح (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۴ـ۲۹۵) میں واضح کیا ہے۔ (فتح البیان ج ۶ ص ۵۴۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نوٹ: اس جگہ شیخ قنوجی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز ہے لیکن یہ بالکل غلط اور باطل ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے' البتہ تفسیر اور فقہ کی کتابوں کو بے وضو کا چھونا جائز ہے' جیسا کہ ہم اس مسئلہ میں مذہب احناف کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

ہم نے الواقعہ: ۷۹ کی تفسیر میں بہت طویل بحث کی ہے اور اس کی وجہ صرف قرآن مجید سے محبت' اس کی تعظیم اور تکریم اور جنبی اور حائض سے اس کی تلاوت اور مَس کو محفوظ رکھنا اور بے وضو کے مَس سے اس کو مامون رکھنا ہے اور منکرین اور مخالفین کے شبہات کو دور کرنا ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذالک

حائضہ اور جنبی کے مسجد میں داخل ہونے کے جواز پر علماء غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

علماء غیر مقلدین کے نزدیک حائضہ عورت کا مسجد میں جانا اور وہاں رہنا اور مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے۔ ہم اس سلسلہ میں پہلے شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کے دلائل پیش کریں گے اور ان کے دلائل کے ساتھ ساتھ ان کا رد بھی کریں گے:

شیخ ابن حزم اندلسی اس مسئلہ پر درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: مجھے مسجد سے جائے نماز اٹھا دو۔ وہ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: میں حائضہ ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳۲) (المحلّٰی بالآثار ج ۱ ص ۳۹۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علماء غیر مقلدین کا اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہوگا جب اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ حضرت عائشہ حجرہ سے نکل کر مسجد میں جائیں اور وہاں سے مصلّٰی لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں' جب کہ اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ اپنے حجرہ سے ہاتھ بڑھا کر مسجد سے مصلّٰی اٹھا کر حضور کو دیں اور اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں' ورنہ فرماتے کہ تمہارا حیض تمہارے پیروں میں تو نہیں ہے' اور حضرت عائشہ کا حجرہ مسجد سے

متصل تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تو اپنا سر مبارک حجرہ میں داخل کر دیتے اور حضرت عائشہ آپ کا سر دھوتی تھیں اور اس وقت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حائضہ تھیں۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۰۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۶۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۰۴)

اور اگر حائضہ کا مسجد میں آنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی حضرت عائشہ کو مسجد میں بلا لیتے اور حجرہ میں سر مبارک داخل نہ کرتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس حدیث سے شیخ ابن حزم نے استدلال کیا ہے' اس میں مسجد سے مراد مسجد نبوی نہ ہو' بلکہ مسجد بیت ہو۔ یعنی حجرہ کی وہ جگہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے مخصوص فرما لیا تھا۔

اس کے بعد شیخ ابن حزم لکھتے ہیں:

جو ائمہ حائضہ عورت کا مسجد میں جانا ناجائز کہتے ہیں' ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ان گھروں (کے دروازوں) کا رخ مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد (میں جانے) کو حلال نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۲' سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۴۲)

شیخ ابن حزم نے اس حدیث کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی سند میں افلت بن خلیفہ ہے' یہ راوی غیر مشہور ہے اور ثقاہت میں معروف نہیں ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۱ ص ۴۰۱)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ نے شیخ ابن حزم کے اس کلام پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کیونکہ افلت کو امام ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور امام ابو حاتم نے کہا کہ وہ شیخ ہے اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے اور ''الکاشف'' میں مذکور ہے کہ یہ بہت زیادہ سچا ہے اور ''البدر المنیر'' میں مذکور ہے کہ وہ مشہور ثقہ ہے۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۲۵' مطبوعہ دار الوفاء ۱۴۲۱ھ)

اس کے بعد شیخ ابن حزم نے مانعین کی دوسری حدیث نقل کی ہے کہ:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند نداء کی: سنو! یہ مسجد نہ جنبی کے لیے حلال ہے نہ حائضہ کے لیے' مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کے لیے اور علی کے لیے اور فاطمہ کے لیے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۴۵)

شیخ ابن حزم لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند میں محدوج الہذلی ہے جو جسرہ بنت دجاجہ سے روایت کرتے ہیں۔ محدوج ساقط ہے' وہ جسرہ سے معضلات روایت کرتا ہے۔ نیز اس روایت کی سند میں ابو الخطاب الہجری ہے' وہ مجہول ہے۔ وغیرہ

(المحلی بالآثار ج ۱ ص ۴۰۱)

شیخ شوکانی نے شیخ ابن حزم کی اس عبارت کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ جسرہ کے پاس عجائب ہیں۔ امام ابن القطان نے کہا کہ امام بخاری کا یہ قول جسرہ کی احادیث کو رد کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اور العجلی نے کہا کہ وہ ثقہ تابعیہ ہے۔ امام ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے اپنی ''صحیح'' میں جسرہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ ابن سید الناس نے کہا کہ اگر اس حدیث کو حسن کہا جائے تو یہ اس کا بہت کم مرتبہ ہے' کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس کی صحت پر خارجی شواہد ہیں۔ لہٰذا شیخ ابن حزم کے پاس اس حدیث کو رد کرنے کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔

آگے چل کر شیخ شوکانی نے لکھا ہے کہ افلت کو مردود کہنا مردود ہے' کیونکہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس کو مردود نہیں کہا۔ اس کے بعد شیخ شوکانی لکھتے ہیں: یہ دونوں احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنبی اور حائض کا مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے اور یہی اکثرین کا مذہب ہے اور جمہور نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے اور اُس حدیث سے بھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو حالت حیض میں بیت اللہ کا طواف کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اور داؤد (ظاہری) اور مزنی وغیرہم نے کہا کہ جنبی اور حائضہ کا مسجد میں ٹھہرنا مطلقاً جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۲۶۔۳۲۵)

اس کے بعد شیخ ابن حزم نے حائضہ عورت کے مسجد میں ٹھہرنے پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک سیاہ فام لڑکی عرب کے کسی قبیلہ کی تھی' انہوں نے اس کو آزاد کیا تھا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہوگئی' اس کے لیے مسجد میں خیمہ تھا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۳۹)

شیخ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں رہتی تھی اور عورتوں کے متعلق معلوم ہے کہ ان کو حیض آتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع نہیں فرمایا اور ہر وہ کام جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرمائیں وہ مباح ہے۔

(المحلی بالآثار ج ۱ ص ۴۰۱)

شیخ ابن حزم کی اس دلیل پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اس لڑکی کو مسجد میں رہنے کی اجازت دی تھی' نہ یہ مذکور ہے کہ ایک لمبے عرصے تک رہنے کی اس کو اجازت دی تھی ورنہ دیگر احادیث میں اس کا ذکر ہوتا۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وقتی اور عارضی طور پر اس کو مسجد میں ٹھہرایا تھا جب تک کہ اس کی رہائش کا کوئی اور معقول بندوبست نہیں ہوگیا۔

اس کے بعد شیخ ابن حزم اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۳۲)

شیخ ابن حزم اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ حائضہ اور جنبی کے لیے تمام روئے زمین پہ رہنا مباح ہے اور تمام روئے زمین مسجد ہے تو پھر کسی مسجد میں رہنے سے منع کرنا اور کسی مسجد میں جائز قرار دینا یہ قطعاً جائز نہیں ہے اور اگر حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو بتادیتے' جب انہیں حیض آیا' حالانکہ آپ نے انہیں صرف بیت اللہ کے طوائف سے منع فرمایا تھا۔ (المحلی ج ۱ ص ۴۰۲۔۴۰۱)

شیخ ابن حزم کا یہ استدلال انتہائی عجیب وغریب ہے۔ اس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ تمام روئے زمین میں لوگوں کا خرید وفروخت کرنا' بیویوں سے مجامعت کرنا' قضائے حاجت کرنا مباح ہے اور تمام روئے زمین مسجد ہے تو ثابت ہوا کہ مسجد میں بھی یہ سب کام جائز ہیں اور بعض مساجد کو ان کاموں سے خاص کر لینا یہ جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات کوئی فاتر العقل ہی کہہ سکتا ہے۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ زمین کے جس ٹکڑے کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے اُسے مسجد کے لیے وقف کر دیا اور وہاں مسجد کی عمارت بنادی' اس کا حکم یہ ہے کہ وہاں باجماعت نماز پڑھنے سے ۲۷ درجہ ثواب ہوگا اور جمعہ پڑھنے سے پانچ سو گنا ثواب ہوگا اور اس مسجد میں خرید وفروخت کرنا اور حائضہ اور جنبی کا اس میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زمین

کے جس ٹکڑے پر نماز پڑھی جائے' جہاں عُرفاً مسجد قائم نہ ہو' وہاں نماز پڑھنے سے نماز تو ہو جائے گی' لیکن اس جگہ نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہ ہو گا اور نہ اُس جگہ خرید و فروخت اور دیگر دنیاوی کاموں سے منع کیا جائے گا۔ باقی رہا شیخ ابن حزم کا یہ کہنا کہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو آپ حضرت عائشہ کو بتاتے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بتایا ہے' جیسا کہ ہم اس سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کی احادیث سے بیان کر چکے ہیں۔

طواف بالبیت سے ممانعت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ذکر فرمایا تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور اس میں بیت اللہ کا طواف کرنا ہوتا ہے اور طواف کے لیے حضرت عائشہ کو بیت اللہ میں داخل ہونا پڑتا اور وہ حائضہ تھیں' جس کی وجہ سے وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں' اس لیے آپ نے انہیں طواف بالبیت سے منع فرمایا۔ یعنی طواف بالبیت سے منع کرنے کی علت یہی ہے کہ اس میں مسجد میں داخل ہونا لازم آتا ہے جو کہ حائضہ کے لیے جائز نہیں۔

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ ھ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یہ ہے کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸) اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حائضہ کا مسجد میں جانا اور مسجد میں رہنا مطلقاً جائز ہے اور آپ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لیے حلال نہیں کرتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۲) ان دونوں احادیث میں تطبیق دینا ضروری ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسری کی ناسخ نہیں ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ ضرورت کی بناء پر جنبی اور حائضہ کا مسجد میں رہنا اور جانا جائز ہے اور بلا ضرورت جائز نہیں ہے' جیسا کہ خون اور خنزیر کا گوشت حرام ہے لیکن ضرورت کے وقت مباح ہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۶ ص ۱۰۹ 'ملخصاً' مطبوعہ دار الجیل' ریاض' ۱۴۱۸ ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک مطلقاً حائضہ اور جنبی کا مسجد میں جانا اور رہنا جائز نہیں ہے' ضرورت کی بناء پر جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' جب کہ عام غیر مقلدین حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد میں جانے کو مطلقاً جائز کہتے ہیں۔

قرآن مجید کو بہ تدریج نازل کرنے کی وجوہ

الواقعہ: ۸۰ میں فرمایا: یہ رب العٰلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ○

یہ قرآن مجید کی ایک اور صفت ہے' اس آیت میں ''تنزیل'' کا لفظ ہے' ''تنزیل'' کا معنی ہے: کسی چیز کو تدریجاً نازل کرنا' اصل میں قرآن مجید کی صفت منزل ہے' لیکن اس کو مبالغۃً تنزیل فرمایا' گویا کہ یہ نفس تنزیل ہے' باقی آسمانی کتابیں یک بارگی نازل کی گئی ہیں اور قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس سال میں نازل کیا گیا ہے۔ اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں ہم نے الفرقان: ۳۲ اور بنو اسرائیل: ۱۰۶ میں بیان کیں ہیں' ازاں جملہ یہ ہیں: قرآن کو نازل کرنے کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس بار بار آتے رہیں' وحی کا رابطہ آپ سے بار بار ہوتا رہے' مشرکین اور یہود و نصاریٰ آپ سے سوالات کرتے رہتے تھے اور ان کے جوابات میں آیات نازل ہوتی رہتی تھیں' صحابہ کرام بعض احکام کی وضاحت کے لیے سوال کرتے تھے' ان کے جواب میں آیات نازل ہوتی تھیں' ابتداء میں تمام احکام نازل نہیں کیے گئے تاکہ مسلمانوں کے لیے ان پر عمل کرنا دشوار نہ ہو' شراب اور جوئے کو بہ تدریج حرام کیا گیا' پہلے صرف رات کی ایک نماز فرض تھی' پھر فجر کی نماز بھی فرض کی گئی اور معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں' پہلے مشرکین کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم تھا' پھر ہجرت کے بعد جہاد فرض کیا گیا۔ اسی طرح اور بہت حکمتیں ہیں جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم اس قرآن کو معمولی سمجھ رہے ہو! ○ اور تم نے تکذیب کو اپنا رزق بنا لیا ہے ○ پس جب روح

نرخرے تک پہنچ جائےO اور تم اس وقت (روح کو نکلتا ہوا) دیکھ رہے ہوO اور ہم اس (مرنے والے) کی بہ نسبت تم سے بہت قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتےO پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہوO تو تم اس روح کو لوٹاتے کیوں نہیں' اگر تم سچے ہوO (الواقعہ: ۸۷۔۸۱)

مداھنت کا معنی

الواقعہ: ۸۱ میں ''مدھنون'' کا لفظ ہے' ''دھن'' کا اصل معنی تیل ہے اور اس سے مراد ہے: نرمی' یعنی انسان کے باطن میں سختی ہو اور وہ نرمی اور لچک کا اظہار کرے اور ''مدھن'' سے مراد کافر یا منافق ہے' جو اپنے کفر کو چھپانے کے لیے نرمی کا اظہار کرے اور ''مداھنت'' تکذیب' کفر اور نفاق کو کہتے ہیں' جو مسلمان ذاتی مفاد کے لیے احکام شرعیہ کو چھپائے اور فساق فجار کے سامنے نرم رویہ کا اظہار کرے اس کو بھی ''مداھنت'' کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

''وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَO'' (القلم: ۹) کفار یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ ان کے معاملہ میں نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔

یعنی آپ ان کے معبودوں کے متعلق نرمی کریں تو وہ بھی آپ کے خلاف سختی اور دشمنی نہ کریں۔

اور یہاں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اس قرآن سے اعراض کر رہے ہو اور اس کے کفر کرنے کو سرسری اور معمولی سمجھ رہے ہو۔

تکذیب کو رزق بنانے کی توجیہ اور آیت کا شانِ نزول

الواقعہ: ۸۲ میں فرمایا: اور تم نے تکذیب کو اپنا رزق بنا لیا ہےO

حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم نے تکذیب کو اپنا شکر بنا لیا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے تم اللہ کی تکذیب کرتے ہو' اس آیت میں شکر کو رزق فرمایا ہے' کیونکہ رزق کا شکر کرنے سے اس میں زیادتی ہوتی ہے' اس اعتبار سے شکر بھی رزق ہے۔ اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم اپنے رزق کی تکذیب کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بارش ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کو کچھ لوگ شکر کرنے والے تھے اور کچھ لوگ کفر کرنے والے تھے' جنہوں نے کہا: اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی وہ شکر کرنے والے تھے اور جنہوں نے کہا: فلاں' فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ کفر کرنے والے تھے۔

اور آپ نے اس موقع پر یہ آیت پڑھی: ''وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَO'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کی تکذیب کرتے ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۹۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۵)

امام علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے اور ایک جگہ قیام کیا' لوگوں کو پیاس لگی اور وہاں پانی نہیں تھا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں نے تمہارے لیے دعا کی اور تمہارے لیے بارش ہو گئی تو تم کہو گے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ ستاروں کا وقت تو نہیں ہے' آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو بادل امڈ آئے اور بارش ہو گئی اور وادیاں بہنے لگیں اور لوگوں نے اپنی مشکیں بھر لیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے' وہ پیالے میں پانی بھر کر کہہ رہا تھا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے اور یہ نہیں کہا کہ یہ اللہ سبحانہٗ کا دیا ہوا رزق ہے تو اللہ سبحانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ○ (الواقعہ:۸۲) اور تم اپنے رزق کی تکذیب کرتے ہو ○

(اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث:۷۳۔ص ۴۲۳ 'الدر المنثور ج ۸ ص ۲۸)

یعنی اللہ نے جو تم کو رزق دیا ہے تم اس رزق کی اللہ کی طرف نسبت کرنے کے بجائے ستاروں کی طرف نسبت کرتے ہو' میرے نزدیک آیت کا یہی معنی درست ہے' کیونکہ یہ معنی احادیث کے مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سلطنت کا اثبات اور مخلوق کی سلطنت کا ابطال

الواقعہ: ۸۴۔ ۸۳ میں فرمایا: پس جب روح نرخرے تک پہنچ جائے ○ اور تم (اس وقت) روح کو نکلتا ہوا دیکھ رہے ہو ○

''حلقوم'' کا معنی معروف ہے' حدیث میں ہے کہ ملک الموت کے مددگار ہیں' وہ بہ تدریج روح کو نکالتے ہیں حتیٰ کہ روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے پھر وہ اس روح کو قبض کر لیتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۱۸۵)

اور تم اس وقت میرے حکم اور میری سلطنت کا مشاہدہ کرتے ہو' ایک قول یہ ہے کہ تم اس وقت میت کو دیکھ رہے ہوتے ہو اور تم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: جب تم میں سے کسی شخص کی روح اس کے حلقوم تک پہنچ جائے اور تم اس شخص کے سامنے حاضر تھے تو تم نے اس کی روح کو اس کے جسم میں روک کیوں نہ لیا اور کیوں اس روح کو اس کے جسم سے نکلنے دیا حالانکہ تمہاری یہ شدید خواہش تھی کہ وہ تمہارے ساتھ کچھ اور دن زندہ رہتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں مرنے والے سے خطاب ہے کہ اگر تجھ پر اللہ کا تصرف نہیں ہے اور تو خود مالک و مختار ہے تو جب تیری روح تیرے حلقوم تک پہنچ گئی تو تو نے اس کو اپنے جسم سے نکلنے سے روک کیوں نہ لیا۔

الواقعہ: ۸۷۔ ۸۵ میں فرمایا: اور ہم اس (مرنے والے) کی بہ نسبت تم سے بہت قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے ○ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو ○ تو تم اس روح کو لوٹاتے کیوں نہیں' اگر تم سچے ہو ○

یہ تین آیتیں پہلی دو آیتوں سے مربوط ہیں' یعنی ہم اپنے علم اور اپنی قدرت کے لحاظ سے تم سے بہت زیادہ قریب ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جو فرشتے تمہاری روح قبض کرتے ہیں وہ اس مرنے والے سے تمہاری بہ نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم ان فرشتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔

الواقعہ: ۸۶ میں ''غیر مدینین'' کا لفظ ہے' دین کا معنی ہے: اطاعت کرنا' یعنی اگر تم اللہ کے اطاعت گزار نہیں ہو اور دین سے مراد یوم آخرت اور یوم حساب بھی ہے' یعنی اگر قیامت کے دن تمہارے اعمال کا حساب نہیں ہو گا اور تم کو تمہارے اعمال کی جزاء نہیں دی جائے گی اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمہارے زعم کے موافق تم اللہ کی اطاعت کے پابند نہیں یا تم سے تمہارے اعمال کا حساب نہیں ہو گا تو تم اس مردے کی روح کو لوٹاتے کیوں نہیں' اگر تم سچے ہو؟ پس اگر تم سچے ہو تو جب اس مردے کی روح اس کے نرخرے تک پہنچ چکی ہے تو اس کو واپس اس کے بدن میں لوٹا دو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے ○ تو اس کے لیے راحت ہے اور انعام والی جنت ہے ○ اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں سے ہے ○ تو (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے ○ اور اگر وہ (مرنے والا) تکذیب کرنے والا' گم راہوں میں سے ہے ○ تو اس کے لیے سخت کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے ○ اور دوزخ میں جلانا ہے ○ بے شک یہی ضرور حق الیقین ہے ○ پس آپ اپنے رب عظیم کی تسبیح کرتے رہیے ○ (الواقعہ: ۹۶۔ ۸۸)

''رَوح'' اور ''ریحان'' کے معانی

اس سے پہلی آیتوں میں موت کے وقت مخلوق کی حالت اور کیفیت بیان فرمائی تھی اور اس سے اپنی حاکمیت اور سلطنت پر استدلال فرمایا تھا اور ان آیتوں میں قیامت کے دن مخلوق کے درجات بیان فرمائے ہیں' نیک لوگوں کے لیے اچھی مہمانی اور بداعمال لوگوں کے لیے عذاب پر مشتمل مہمانی کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے اپنے وعدہ کے صدق اور ہر عیب سے بَری اور سبحان ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔

الواقعہ: ۸۹۔۸۸ میں بتایا کہ اگر وہ مرنے والا نیک اور مؤمن ہو تو اس کو رحمت' راحت اور دائمی نعمتوں کی جنت ملے گی۔ اس آیت میں ''رَوح'' کا لفظ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی دنیا کی راحت ہے۔ حسن بصری نے کہا: اس کا معنی راحت ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی استراحت ہے۔ قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے: اس کے پاس قبر میں پاکیزہ اور خوشبودار ہوائیں آئیں گی۔ ابوالعباس بن عطاء نے کہا: ''رَوح'' کا معنی ہے: اس کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے خوشی ہو گی اور ''ریحان'' کا معنی ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی وحی سے استفادہ کرے گا اور ''جنت نعیم'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محجوب نہیں ہو گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''رُوح'' (ر پر پیش) پڑھا اور فرمایا: اس سے مراد جنت میں بقاء اور حیات ہے اور رحمت سے یہی مراد ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۳۸' مسند احمد ج ۶ ص ۶۴' المستدرک ج ۶ ص ۲۳۶)

الربیع بن خثیم نے کہا: موت کے وقت مؤمن کو خوشبودار پھول سنگھایا جائے گا اور جنت اس کو قیامت کے بعد عطا کی جائے گی۔ ابو العالیہ نے کہا: مقربین میں سے کسی ایک کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ اسے خوش بودار پھولوں کی دو شاخیں دی جائیں گی' وہ ان کو سونگھے گا پھر اس کی روح قبض کر لی جائے گی۔

مؤمنوں پر فرشتوں کے سلام کے مواضع اور مقامات

الواقعہ: ۹۱۔۹۰ میں فرمایا: اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں میں سے ہے O تو (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے O

سلام کا معنی یہ ہے کہ تو اللہ کے عذاب اور سزا سے سلامت رہے گا اور تو غم اور اندوہ سے سلامت رہے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دائیں طرف والے آپ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے۔

دائیں طرف والوں پر چار مقامات میں سلام پیش کیا جائے گا:

(۱) ضحاک نے کہا: جب دنیا میں ملک الموت علیہ السلام اس کی روح قبض کریں گے تو اس کو سلام کریں گے' اس کی تصدیق اس آیت میں ہے:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ. (النحل: ۳۲)

فرشتے جن نیکوکاروں کی ان کی پاکیزہ حالت میں روح قبض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: تم پر سلام ہو۔

(۲) قیامت کے دن جب سب اٹھیں گے تو فرشتے مؤمنوں کو سلام کریں گے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ (الواقعہ: ۹۱)

تو (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں

طرف والوں میں سے ہے○

(۳) جنت میں دخول کے وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ○ (الزمر: ۷۳)

جو مؤمنین اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جنت کے پاس آ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو جنت کے محافظین ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو! تم خوش رہو' پس تم ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ○

(۴) جنت میں بھی ان پر سلام پیش کیا جائے گا' قرآن مجید میں ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ (مریم: ۶۲)

وہ جنت میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے مگر ہر طرف سلام کی آوازیں سنیں گے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ○ (الفرقان: ۷۵)

یہی وہ لوگ جن کو ان کے صبر کی جزاء میں جنت کے بلند بالا خانے دیئے جائیں گے اور ان کو دعا اور سلام کے کلمات پہنچائے جائیں گے○

کافروں کے لیے آخرت میں عذاب کی مہمانی

الواقعہ: ۹۵۔ ۹۳ میں فرمایا: اور اگر وہ (مرنے والا) تکذیب کرنے والا' گم راہوں میں سے ہے○ تو اس کے لیے سخت کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے○ اور دوزخ میں جلانا ہے○ بے شک یہی ضرور حق الیقین ہے○

یعنی اگر مرنے والا قیامت میں دوبارہ زندہ کیے جانے کی تکذیب کرنے والا ہے اور ہدایت اور راہِ حق کو اختیار کرنے والا نہیں ہے تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی اور اس کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

اور ہم نے کافر کی جو یہ جزاء بیان کی ہے یہ برحق ہے۔ حق اور یقین کا ایک معنی ہے: یعنی یہ محض اور خالص یقین ہے' مؤمن کو اس کا دنیا میں ہی یقین ہوتا ہے اور کافر کو اس کا یقین آخرت میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے اسم کی تسبیح کی توجیہات

الواقعہ: ۹۶ میں فرمایا: پس آپ اپنے ربِ عظیم کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے○

یعنی کفار اور مشرکین اللہ تعالیٰ کی طرف جن عیوب اور قبائح کی نسبت کرتے ہیں آپ اللہ تعالیٰ کے اسم سے ان کی برأت بیان کیجئے' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ○" (الواقعہ: ۹۶) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو تم اپنے رکوع میں رکھ لو اور جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى○" (الاعلیٰ: ۱) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے سجدہ میں رکھ لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹)

تسبیح کا معنی ہے: جو چیز اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی برأت بیان کرنا' اب یہاں پر یہ سوال ہے کہ مقصود تو یہ ہے کہ عیوب اور قبائح سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی برأت بیان کی جائے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسم کی عیوب سے برأت بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کی عیوب سے برأت بیان کرنا مقصود ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسم کی بھی عیوب اور قبائح سے برأت بیان کرنا مطلوب ہے' کیونکہ مشرکین اپنے باطل

خداؤں پر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اطلاق کرتے تھے' مثلاً وہ بتوں کو نافع اور ضار (ضرر پہنچانے والا) کہتے تھے اور بتوں کے نام کی دہائی دیتے تھے اور ان کو رازق اور مدبر مانتے تھے تو آپ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کی تنزیہ بیان کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور بتوں میں کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں ہے' وہ کسی کی فریاد سن سکتے ہیں نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں نہ کسی کو دیکھ سکتے ہیں' نہ عبادت کرانے کا استحقاق رکھتے ہیں' لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء وصفات میں بتوں کی شرکت کی نفی کیجئے اور بتوں کی شرکت سے اللہ تعالیٰ کے ان اسماء وصفات کی برأت بیان کیجئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کے نزدیک عظیم ہوتا ہے وہ اس کے نام کی بھی تعظیم کرتا ہے اور اس کے نام کو تعظیم سے لیتا ہے اور اس کے نام کو قبیح صفات سے بَری کرتا ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے نام کو عزت والی جگہ میں لیتا ہے اور مبتذل جگہ اور مبتذل حال میں اس کا نام نہیں لیتا' اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بیت الخلاء (واش روم) اور حمام (باتھ روم) میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے' اسی طرح قضاء حاجت اور جماع کے وقت اللہ کا نام نہ لے' اسی طرح کسی معصیت اور گناہ کا کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے اور صرف پاک جگہ اور نیک کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے۔

رکوع میں ''سبحان ربي العظيم'' اور سجدہ میں ''سبحان ربي الاعلٰی'' پڑھنے کی توجیہ

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''سبحان ربی العظیم'' کو رکوع میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ''سبحان ربی الاعلٰی'' کو سجدہ میں پڑھنے کا حکم دیا ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''سبحان ربی الاعلٰی'' میں ''سبحان ربی العظیم'' کی بہ نسبت زیادہ تنزیہ ہے کیونکہ ''فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○'' (الواقعہ:۹۶) کا معنی یہ ہے کہ آپ کے رب کا اسم فی نفسہ عظیم ہے اور ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○'' (الاعلیٰ:۱) کا معنی یہ ہے کہ آپ کے رب کا اسم تمام اسماء سے زیادہ اعظم اور اعلیٰ ہے' اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ کے اسم کی زیادہ تنزیہ اور تسبیح مطلوب ہے اور رکوع کی بہ نسبت سجدہ میں بندہ کا اللہ سے زیادہ قرب ہوتا ہے' اس لیے سجدہ میں ''سبحان ربی الاعلٰی'' کہنے کا حکم فرمایا اور رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' کہنے کا حکم فرمایا اور سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قرب کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو پس تم (سجدہ میں) بہت زیادہ دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۳۴)

اس حدیث کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ○ (العلق:۱۹) اور سجدہ کر اور (ہم سے) قریب ہو جا ○

نیز عبادت سے مقصود اللہ کے سامنے تذلّل اور عجز و انکسار کا اظہار ہے اور غایتِ تذلّل اور انتہائی عجز و انکسار سجدہ میں ہوتا ہے' قیام میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے' رکوع میں اس کے سامنے جھک جاتا ہے اور سجدہ میں اس کے سامنے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتا ہے اور جو جگہ پیروں تلے آتی ہے' وہاں اپنا سر رکھ دیتا ہے' سو اسی رکن میں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب ہے' سو اسی رکن میں اللہ تعالیٰ کے اسم کی سب سے زیادہ تنزیہ' تقدیس اور تسبیح لائق ہے تو اسی میں کہنا چاہیے: ''سبحان ربی الاعلٰی''۔

سورۃ الواقعہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج مورخہ ۲۰ شوال ۱۴۲۵ھ/ ۳ دسمبر ۲۰۰۴ء بہ روز جمعہ بعد نمازِ مغرب سورۃ الواقعہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ ۵ نومبر ۲۰۰۴ء کو سورۃ الواقعہ کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح اٹھائیس دنوں میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی' نومبر کے مہینہ میں معمول سے کم کام ہوا' کولیسٹرول بڑھا رہا جس کی وجہ سے کمر میں درد بہت زیادہ رہا اور چونکہ لکھنے کا کام بیٹھ کر کیا جاتا ہے اور جب کمر میں درد ہو تو بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے' اس لیے لکھنے کا کام متاثر ہوا۔

محترمہ ثمینہ بہن مجھے برسٹل برطانیہ سے دوائیں بھیجتی ہیں جن کی وجہ سے مجھے کافی افاقہ رہتا ہے' اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کے تمام امراض' مصائب اور آفات سے محفوظ رکھے اور ان کو صحت اور توانائی عطا فرمائے اور دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے' اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اس نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادے اور اس تفسیر کو تاروزِ قیامت مرغوب اور فیض آفریں رکھے' میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے احباب اور میرے تلامذہ کی' "تبیان القرآن" کے ناشرین' معاونین اور قارئین اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرمائے۔ آمین یا رب العلمین' والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة الحدید

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الحدید ہے اور الحدید کا ذکر اس سورت کی اس آیت میں ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. اور ہم نے لوہے کو نازل کیا اس میں بہت قوت ہے اور (الحدید:۲۵) لوگوں کے اور بھی فائدے ہیں۔

''الحدید'' کا لفظ حسب ذیل آیت میں بھی آیا ہے:

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۔ (الکہف:۹۶) (ذوالقرنین نے کہا:) مجھے لوہے کی چادریں لاکر دو۔

مگر اس سورت کا نام ''الحدید'' نہیں رکھا گیا' کیونکہ اوّل تو وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی' ثانیاً: وہاں لوہے کا ذکر بہ طور معدن نہیں ہے اور نہ اس کے خواص اور فوائد بیان فرمائے' بلکہ اس سورت میں اصحاب الکہف کا ذکر اہمیت کا حامل تھا' اس لیے اس سورت کا نام الکہف رکھا گیا' ثالثاً: ہم پہلے کئی بار لکھ چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی' کسی چیز کا جو نام رکھا جائے وہاں اس نام کی مناسبت ہونی چاہیے' یہ ضروری نہیں کہ جہاں وہ مناسبت پائی جائے وہاں اس چیز کا نام بھی ہو' اس لیے اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ سورۃ الکہف میں بھی الحدید کا ذکر ہے تو اس کا نام الحدید کیوں نہیں رکھا گیا؟

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۷ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۵ ہے۔

سورت الحدید کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف اور دونوں طرف کی احادیث

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' جمہور کا قول یہ ہے کہ سورۃ الحدید مدنی ہے۔

علامہ عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ ھ لکھتے ہیں:

نقاش نے کہا کہ سورۃ الحدید کے مدنی ہونے پر مفسرین کا اجماع ہے اور دوسروں نے کہا کہ یہ سورت مکی ہے۔

ابن عطیہ نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس میں مدنی آیات ہیں' لیکن اس کی شروع کی آیات مکی آیات کے مشابہ ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات میں ہے اور ان کو پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱۵ ص ۳۹۶' المکتبۃ التجاریۃ' مکہ مکرمہ)

سورۃ الحدید کے مکی ہونے کی ایک دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھ کر اسلام سے متاثر ہوئے اور ایمان لائے۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۲۔ رقم الحدیث: ۴۴۴' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۹' تاریخ دمشق جز ۴۷ ص ۵۷) اور بعض احادیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورۂ الحدید کی ابتدائی آیات پڑھ کر اسلام سے متاثر ہوئے اور ایمان لے آئے' اس حدیث کی مفصل روایت یہ ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ میں کیسے اسلام لایا؟ ہم نے کہا: جی ہاں! حضرت عمر نے کہا: میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھا' ایک دن میں سخت گرمی میں مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا' مجھے قریش کا ایک آدمی ملا' اس نے پوچھا: اے ابن الخطاب! کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: میں فلاں فلاں کام سے جا رہا ہوں' اس نے کہا: تعجب ہے اے ابن الخطاب! تمہارے گھر میں ایک سنگین حادثہ ہو چکا ہے' میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: تمہاری بہن مسلمان ہو چکی ہے! میں غضب ناک ہو کر لوٹا اور دروازہ کھٹکھٹایا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب ایک یا دو آدمی مسلمان ہوتے جن کے پاس کچھ مال نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ خوش حال آدمی کو ملا دیتے تا کہ وہ اس کا فالتو کھانا کھالیں' اور آپ نے میرے بہنوئی کے ساتھ دو آدمی ملا دیئے تھے' جب میں نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ میں نے کہا: عمر بن الخطاب' وہ جلدی جلدی مجھ سے چھپ گئے' ان کے سامنے ایک صحیفہ تھا جس کو وہ پڑھ رہے تھے' وہ جلدی میں اس کو اٹھانا بھول گئے' میری بہن نے دروازہ کھولا' میں نے کہا: اے اپنی جان کی دشمن! کیا تو دین بدل چکی ہے؟ اور میرے ہاتھ میں جو چیز تھی وہ میں نے اس کے سر پر ماری' اس کے سر سے خون بہنے لگا' وہ خون دیکھ کر رونے لگی' اس نے کہا: اے ابن الخطاب! تو نے جو کرنا ہے سو کر' میں دین بدل چکی ہوں۔ میں تخت پر بیٹھ گیا تو گھر کے درمیان میری نظر صحیفہ پر پڑی' میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ مجھے اٹھا کر دو' میری بہن نے کہا: تم اس کو اٹھانے کے اہل نہیں ہو' تم غسل جنابت نہیں کرتے اور پاک لوگوں کے سوا اس کو کوئی چھو نہیں سکتا' میں مسلسل اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ میری بہن نے مجھے وہ صحیفہ دے دیا اس میں لکھا ہوا تھا: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' میں جب اللہ عزوجل کے اسماء میں سے کسی اسم پر سے گزرتا تو میں ڈر جاتا' میں نے وہ صحیفہ رکھ دیا اور اپنے دل میں سوچنے لگا' میں اس کو اٹھا کر پڑھنے لگا' اس میں لکھا ہوا تھا:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . (الحدید:۱) آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے۔

پھر میں جب بھی اللہ عزوجل کے اسماء میں سے کسی اسم کو پڑھتا تو ڈر جاتا' میں اپنے دل میں سوچنے لگا' پھر میں اس کو پڑھنے لگا اور اس آیت پر پہنچا:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۖ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ (الحدید:۷)

اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ' اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنایا ہے' پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور خیرات کریں' ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے○

تب بے اختیار میں نے کہا: ''اشهد ان لا الٰه الا الله واشهد ان محمدًا عبدهٗ ورسوله'' تب وہ چھپے ہوئے لوگ بھی دوڑ کر آئے اور مجھ سے ملے اور کہا: اے ابن الخطاب! مبارک ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن یہ دعا کی تھی: اے اللہ! دو آدمیوں میں سے جو تجھ کو زیادہ محبوب ہو' اس کی وجہ سے دین کو غلبہ عطا فرما' ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب اور ہمیں امید ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہو' پس تم کو بشارت ہو' پھر میں نے کہا: مجھے بتاؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ صفا کے نیچے ایک گھر میں ہیں' میں نے اس گھر پر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا' مسلمانوں کو معلوم تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر مخالف ہوں' اس لیے کوئی دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا' حتیٰ کہ آپ نے

فرمایا: دروازہ کھول دو' اگر اللہ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے تو اس کو ہدایت دے گا' انہوں نے دروازہ کھول دیا اور دو آدمی مجھے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے' آپ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! اللہ تمہیں ہدایت دے' اسلام کو قبول کرلو! پس میں نے کہا: "اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ"۔ پھر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی آواز مکہ کے راستوں میں سنی گئی' اس سے پہلے وہ چھپے ہوئے تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۸۔۲۱۶ ملخصاً' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۷ ص ۵۶' الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۷)

حافظ ابوبکر احمد عمرو البزار المتوفی ۲۹۲ ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج ۱ ص ۴۰۳۔۴۰۰ رقم الحدیث: ۲۷۹' مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورہ ۱۴۲۴ھ)

(کشف الاستار رقم الحدیث: ۲۴۹۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں اسامہ بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶۵۔ ۶۳)

حضرت عمر سورۃ الحدید کی ۱۰۔۱ آیات پڑھ کر اسلام لائے اور حضرت عمر مکہ میں بعثت کے چھٹے سال اسلام لائے تھے اس لیے کہا گیا ہے کہ سورۃ الحدید مکی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابتداء میں اسلام لائے اور وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اسلام لانے کے (چار سال بعد) ہم پر اس آیت سے عتاب کیا گیا:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ. (الحدید: ۱۶) کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل' اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جائیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۲۷' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۹)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الحدید مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الحدید مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کی مذکور الصدر روایات' ان احادیث کے معارض ہیں جن سے سورۃ الحدید کا مکی ہونا ثابت کیا گیا ہے' لیکن "صحیح مسلم" میں جو حضرت ابن مسعود کی روایت ہے' وہ ان پر راجح ہے' تاہم ان میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ سورۃ الحدید کی شروع کی آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں جیسا کہ حضرت عمر کے اسلام لانے اور حضرت ابن مسعود کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اور اس کی باقی آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں اور چونکہ اس کی اکثر آیات مدینہ میں نازل ہوئیں ہیں اس لیے جمہور نے اس سورت کو مدنی کہا ہے۔

جس آیت سے اس سورت کا مدنی ہونا متعین ہوتا ہے' وہ یہ ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ. (الحدید: ۱۰) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح (مکہ یا حدیبیہ) سے پہلے (راہِ حق میں) خرچ کیا اور قتال کیا۔

ظاہر ہے کہ مکہ میں قتال اور جہاد فرض نہیں ہوا تھا' جہاد مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے' اس لیے یہ آیت لامحالہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ سیوطی نے بھی یہی لکھا ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیات مکی ہیں۔ (الاتقان ج ۱ ص ۲۶)

سورت الحدید کی فضیلت

اس سورت کی فضیلت میں یہ حدیث ہے:
حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے المسبحات (تسبیح کی آیات) کو پڑھتے تھے اور آپ نے فرمایا: ان میں ایک آیت ہزار آیات سے افضل ہے (المسبحات سے مراد: الحدید' الحشر' الصف' الجمعہ اور التغابن ہیں)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۵۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۵۴۹)

سورۃ الحدید کے مشمولات

☆ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے جلال' اس کی صفاتِ عظیمہ' اس کی وسعتِ قدرت' اس کے تصرف کا عموم' اس کے علم کا محیط ہونا اور اس کے وجوبِ وجود کو بیان کیا گیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور ان کے لائے ہوئے پیغام پر اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لایا جائے۔
☆ قرآن مجید میں جو ہدایت ہے اور نجات کا راستہ ہے' اس پر تنبیہ کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مخلوق پر اس کی شفقت کو یاد دلایا ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر ترغیب دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مال تو خرچ ہونے والی چیز ہے اور جو چیز باقی رہنے والی ہے وہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب ہے۔
☆ مسلمانوں کو اس سے ڈرایا ہے کہ وہ اس طرح سخت دل نہ ہو جائیں جس طرح ان سے پہلے لوگ سخت دل ہو گئے تھے اور انہوں نے ہدایت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کی بناء پر ان میں سے اکثر لوگ فسق میں مبتلا ہو گئے۔
☆ یہ بتایا ہے کہ اس دنیا سے زیادہ دل نہ لگاؤ یہ فانی ہے اور تم نے دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کی جواب دہی کے لیے قیامت میں پیش ہونا ہے۔
☆ مصائب اور نا گہانی آفات پر صبر کرنا چاہیے اور یہ بتایا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے میں کیا حکمت ہے۔
☆ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کی مثل ہے' جس طرح ان کی ذریت میں ہدایت یافتہ بھی تھے اور فاسق بھی تھے' اسی طرح آپ کی امت میں بھی ہیں۔

سورۃ الحدید کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے بارِ الٰہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم التفسیر والحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی۔ ۳۸
۲۱ شوال ۱۴۲۳ھ/ ۴ دسمبر ۲۰۰۴ء

سورۃ الحدید مدنیۃ ۵۷ — آیاتہا ۲۹ رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الحدید مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انتیس آیات چار رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے○

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ

قادر ہے○ وہی اوّل اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ

چیز کو خوب جاننے والا ہے○ اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں

سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ

پیدا فرمایا، پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا، وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ

جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور زمین سے خارج ہوتی ہیں اور جو آسمان سے اترتی ہیں اور جو آسمان میں چڑھتی

اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

ہیں، اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے○ آسمانوں اور زمینوں

وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ

میں اسی کی حکومت ہے، اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں○ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور

يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾ اٰمِنُوْا

دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے○ اللہ پر ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ

اور اس کے رسول پر، اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنا دیا ہے،

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝٧ وَمَا لَكُمْ لَا

پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور خیرات کریں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے O اور تمہیں کیا ہو گیا ہے

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ

کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (یہ) رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ

اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى

اور بے شک اللہ تم سے پکا عہد لے چکا ہے اگر تم مؤمن ہو O وہی ہے جو اپنے (مکرم) بندے

عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ

پر واضح آیات نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے، بے شک

اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٩ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا، بے حد مہربان ہے O اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ

حالانکہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی وراثت ہے، (اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا

مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ

جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت

اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

بڑا درجہ ہے جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١٠ ع

وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

ع ۱ ۱۰ ۱۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہی اوّل اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (الحدید: ۳۔۱)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی اقسام

زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ کی تمجید اور تعظیم کرتی ہے اور عیوب اور قبائح سے اس کے بَری ہونے کو بیان کرتی ہے' خواہ وہ چیز جان دار ہو یا بے جان ہو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی کئی اقسام ہیں' اس کی ذات کی عیوب سے برأت بیان کرنا' اس کی صفات کی عیوب سے برأت بیان کرنا' اس کے افعال کی عیوب سے برأت بیان کرنا' اس کے اسماء کی عیوب سے برأت بیان کرنا اور اس کے احکام کی عیوب سے برأت بیان کرنا۔

اس کی ذات کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کی ذات واجب الوجود اور قدیم ہے اور اس کی ذات امکان اور حدوث کے عیب سے بَری ہے اور اس کی ذات واحد ہے اور وہ شرکت اور کثرت کے عیب سے بَری ہے' کیونکہ اگر واجب الوجود متعدد ہوں تو ان میں نفس وجوب مشترک ہوگا اور کوئی امر ممیز ہوگا اور جو چیز دو چیزوں سے مرکب ہو وہ ممکن اور حادث ہوتی ہے' واجب اور قدیم نہیں ہوتی۔

اور اس کی صفات کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ جہل کے عیب سے بَری ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور عجز کے عیب سے بَری ہے۔

اور اس کے افعال کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ وہ جس فعل کا ارادہ کرے اس کو کر گزرتا ہے' اس کے افعال زمان پر موقوف ہیں نہ مکان پر' مادے پر نہ اس کی استعداد پر' وہ کسی چیز کے متعلق فرماتا ہے: ''ہو'' سو وہ ہو جاتی ہے۔

اس کے اسماء کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کے تمام اسماء حسنیٰ ہیں اور اس کے اوپر کسی ایسے اسم کا اطلاق جائز نہیں ہے جس میں کسی وجہ سے نقص اور عیب ہو بلکہ اس پر اسی اسم کا اطلاق جائز ہے جس کا ذکر قرآن اور احادیث میں آ گیا ہو اور محض اپنی عقل سے اس پر کسی اسم کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

اور اس کے احکام کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کا ہر حکم کسی حسن' خوبی اور مصلحت پر مبنی ہے' اس کا کوئی حکم عبث اور بے فائدہ نہیں ہے اور یہ محض اس کا فضل اور احسان ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۴۱ ملخصاً و موضحاً' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ہر چیز جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اس سے مراد تسبیح حالی ہے یا تسبیح قولی ہے' امام فخر الدین رازی کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد تسبیح حالی ہے اور ہماری تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد تسبیح قولی ہے' بنی اسرائیل: ۴۴ میں اس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے' اس کے لیے دیکھئے: ''تبیان القرآن'' ج ۶ ص ۷۲۶-۷۲۳۔

اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں

الحدید: ۲ میں فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O

اللہ تعالیٰ برحق حاکم ہے وہ اپنی ذات اور صفات میں ہر چیز سے مستغنی ہے اور اس کے ماسوا ہر چیز اپنی ذات اور صفات

میں اس کی طرف محتاج ہے۔

وہ اپنی ذات اور صفات میں ہر چیز سے مستغنی ہے کیونکہ وہ واجب الوجود اور قدیم ہے اگر وہ کسی کا محتاج ہوتا تو ممکن اور حادث ہوتا' واجب اور قدیم نہ ہوتا اور اس کے ماسوا ہر چیز اپنی ذات اور صفات میں اس کی محتاج ہے کیونکہ اس کے ماسوا ہر چیز ممکن اور حادث ہے' اور ممکن اور حادث کو وہی بلاواسطہ وجود میں لا سکتا ہے' جو خود ممکن اور حادث نہ ہو بلکہ واجب اور قدیم ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی واجب اور قدیم نہیں ہے' اس لیے ہر چیز اس کی طرف محتاج ہے۔

وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' یعنی دنیا میں لوگوں کو مارتا ہے اور قیامت کے بعد سب کو حشر اور حساب و کتاب کے لیے زندہ کرے گا اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ دنیا والوں کی موت اور حیات پر وہی قادر ہے' اس لیے وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اوّل' آخر' ظاہر اور باطن ہونے کے معانی اور محامل

الحدید: ۳ میں فرمایا: وہی اوّل ہے اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

حکماء نے تقدم کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) تقدم بالتاثیر' اس میں مقدم کی مؤخر میں تاثیر ہوتی ہیں لیکن مقدم مؤخر کے لیے علت تامہ نہیں ہوتا' جیسے قلم کی حرکت پر ہاتھ کی حرکت مقدم ہے۔

(۲) تقدم طبعی' اس میں مقدم کی مؤخر میں تاثیر نہیں ہوتی' جیسے ایک کا تقدم دو پر۔

(۳) تقدم بالشرف ہے' جیسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدم تمام انبیاء پر یا حضرت ابوبکر کا تقدم تمام صحابہ پر۔

(۴) تقدم بالترتیب' جیسے نماز میں امام کا تقدم پہلی صف پر اور پہلی صف کی تقدیم دوسری صف پر و علیٰ ھذا القیاس۔

(۵) تقدم بالزمان' یعنی متقدم پہلے زمانہ میں ہو اور متاخر اس کے بعد کے زمانہ میں ہو' جیسے طوفانِ نوح ہم پر مقدم ہے۔

(۶) زمانہ کے بعض اجزاء کا بعض پر تقدم جیسے پہلی صدی ہجری دوسری صدی ہجری پر مقدم ہے اور دوسری تیسری پر و علیٰ ھذا القیاس۔

اور اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے لیے محتاج الیہ ہے اور تمام کائنات اس کی محتاج ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ سب سے اوّل ہے اور سب مخلوق اس کے بعد ہے۔

اللہ تعالیٰ آخر ہے کیونکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ساری کائنات کو فنا کر دے گا' سب چیزیں فنا ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے بعد باقی رہے گا' اس لیے وہ آخر ہے' اس کے بعد وہ سب چیزوں کو دوبارہ موجود کر دے گا اور ان کو ہمیشہ باقی رکھے گا۔

اور اللہ ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ دلائل کے اعتبار سے سب پر ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ باطن ہے' یعنی انسان کے حواس سے باطن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اوّل' آخر' ظاہر اور باطن ہونے کی یہ تفسیر فرمائی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اوّل ہے' تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے اور تو آخر ہے' تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے اور تو باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں ہے' پس تو ہمارا قرض ادا کر دے اور ہم کو فقر سے بے پروا کر دے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۱۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۳۷)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے فرمایا: احسن قول یہ ہے کہ ''الاوّل'' سے مراد یہ ہے: جس کی ابتداء نہ ہو اور ''الاٰخر'' سے مراد یہ ہے کہ جس کی انتہاء نہ ہو اور ''الظاھر'' سے مراد ہے: جو بلا حجاب ہو اور ''الباطن'' سے مراد ہے: جو بلا اقتراب ہو (جو مستور ہو)' دوسرا قول یہ ہے: ''الاوّل'' سے مراد ہے: ابتداء اور آخر سے مراد ہے: انباء (خبر دینا)' ظاہر سے مراد ہے: وہ دلائل سے ظاہر ہے اور باطن سے مراد ہے: وہ ادراکات سے باطن ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ اوّل سے مراد ہے: وہ قدیم ہے' آخر سے مراد ہے: وہ باقی ہے' ظاہر سے مراد ہے: وہ غالب ہے اور باطن سے مراد ہے: وہ مخلوق کے لیے لطیف اور رفیق ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۱۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

''الظاھر'' اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے' اس کا معنی ہے: وہ غالب ہے اور اس کی قدرت کامل ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ دلائل قطعیہ کے اعتبار سے ظاہر ہے اور باطن کا معنی ہے: وہ اپنی مخلوق سے مستور ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ پوشیدہ چیزوں کا عالم ہے۔

علامہ ابوبکر بن الباقلانی نے کہا: ''الاٰخر'' کا معنی ہے: وہ اپنے علم اور اپنی قدرت اور اپنی دیگر صفاتِ ازلیہ کے ساتھ باقی ہے اور وہ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی اپنی صفات کے ساتھ باقی رہے گا اور مخلوق کے علوم اور ان کی قدرت اور ان کے حواس باقی نہیں رہیں گے۔

معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی صفت ''الاٰخر'' سے اپنے مذہب کو ثابت کیا ہے کہ تمام اجسام بالکل فنا ہو جائیں گے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی بالکلیہ فنا ہو جائیں گی اور انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گا اور یہ اہل حق کے مذہب کے خلاف ہے' اہل حق یہ کہتے ہیں کہ تمام اجسام کے فنا ہونے سے ان کا عدم مراد نہیں ہے۔

(شرح مسلم للنواوی مع مسلم ج ۱۱ ص ۶۸۱۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

اوّل' آخر' ظاہر' باطن کے معانی اور محامل میں ایک اور تقریر یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کے اوّل ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ قدیم بلا ابتداء ہے اور اس کے آخر ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور وہ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گا اور اس کے ظاہر ہونے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت ظاہر آیات دلالت کرتی ہیں اور اس کا معنی قاہر' غالب اور کامل القدرۃ بھی ہے اور باطن کا معنی یہ ہے کہ وہ مخلوق کے حواس اور ان کے ادراکات سے چھپا ہوا ہے۔

نیز فرمایا: اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' اس کو ان سب چیزوں کا علم ہے جو ہو چکی ہیں اور جو ہونے والی ہیں' اور اس کا علم غیر متناہی بالفعل ہے اور اس کے علم کی وسعت کا اندازہ کرنا انسان کی عقل سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا' وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور زمین سے خارج ہوتی ہیں اور جو آسمان سے اترتی ہیں اور جو آسمان میں چڑھتی ہیں اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے' اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O (الحدید: ۶۔۴)

اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت پر دلائل اور نظائر

الحدید: ۴ میں فرمایا: اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایاO

زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کی حکمت' چھ دنوں کی تفصیل میں احادیث کا اضطراب اور معتبر حدیث کی تعیین' عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا مؤقف' استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین' استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین' استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں ائمہ اربعہ اور متاخرین علماء کا مؤقف' ان تمام امور پر ہم الاعراف: ۵۴ کی تفسیر میں ''تبیان القرآن'' ج ۴ ص ۱۶۸۔۱۵۵ میں لکھ چکے ہیں۔

اس آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل ہیں۔

پھر فرمایا: وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہیں' یعنی بارش اور سیلاب کا پانی یا وہ بیج جس کو کسان زمین میں دباتے ہیں۔

نیز فرمایا: اور زمین سے خارج ہوتی ہیں' یعنی زمین سے جو زرعی پیداوار نکلتی ہے اور دانے اور پھل نکلتے ہیں۔

اور جو آسمان سے اترتی ہیں: جیسے بارش ہوتی ہے اور اولے برستے ہیں اور فرشتے نازل ہوتے ہیں اور مخلوق کے اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اور جو آسمان میں چڑھتی ہیں' اس سے مراد بندوں کے نیک اعمال ہیں جن کو فرشتے آسمان پر لے کر جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو' یعنی تم اس کے علم اور اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو۔

اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے' وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے' اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

بہ ظاہر اس آیت میں تعارض ہے' اس آیت کے شروع میں فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ گر ہے اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اس لیے اس آیت کے ان دو فقروں میں تاویل اور تطبیق ضروری ہے' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ عرش پر جلوہ فرما ہے اور وہ اپنی صفت علم اور قدرت کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے' تم جہاں کہیں بھی ہو اس کو تمہارا علم ہے اور وہ ہر طرح تم پر قادر ہے' اسی لیے محققین نے کہا: ہم نے ہر چیز سے پہلے اللہ کو دیکھا' اور متوسطین نے کہا: ہم نے ہر چیز کے ساتھ اللہ کو دیکھا اور علماء ظاہر نے کہا: ہم نے ہر چیز کے بعد اللہ کو دیکھا۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ اوّل' آخر' ظاہر اور باطن ہے' یعنی تمام ممکنات اس کے زیر قدرت اور زیرِ تصرف ہیں' پھر فرمایا: عرش اور زمین اور آسمان سب اس کے زیرِ سلطنت ہیں' پھر فرمایا: وہ اپنے علم اور قدرت سے تم سب کے ساتھ ہے اور وہ ہمارے ظاہر اور باطن کو خوب جاننے والا ہے۔

الحدید: ۵ میں فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے اور تمام اُمور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیںO

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حشر و نشر پر دلیل قائم کی ہے۔

الحدید: ۶ میں فرمایا: وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہےO

جو ذات ایسی وسیع قدرت اور ایسے علم محیط کی مالک ہے' وہی اس چیز کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے' اس کی آیت کی مکمل تفسیر آل عمران: ۲۷ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر' اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنا دیا ہے' پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور خیرات کریں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے O اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (یہ) رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بے شک اللہ تم سے پکا عہد لے چکا ہے اگر تم مؤمن ہو O وہی ہے جو اپنے (مکرم) بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے' تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے' بے شک اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا' بے حد مہربان ہے O (الحدید: ۹۔۷)

اللہ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جاتا ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے

الحدید: ۷ میں فرمایا: اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنا دیا ہے O

یعنی تم اس کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ تمام جہان کا خالق' مالک اور واحد مستحق عبادت ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں اور وہ جو اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے اور بتوں کی عبادت کرنا اور ان کو مدد کے لیے پکارنا اور ان کے نام کی دہائی دینا جائز نہیں ہے۔

اور اس آیت میں اللہ کی راہ میں جس مال کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کی راہ میں اور اس کی عبادات میں خرچ کرنا مراد ہے اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندے کے لیے اپنے مال کو صرف اس جگہ خرچ کرنا جائز ہے' جس جگہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس کو ثواب میں جنت عطا فرمائے گا' جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں مال کو خرچ کیا اور اس پر مال کو خرچ کرنا اس طرح آسان اور خوش گوار ہوا جس طرح وہ اپنی ضروریات پر اپنے مال کو خرچ کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنا دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تمہارے پاس جو اموال ہیں وہ حقیقت میں تمہارے نہیں ہیں اور ان اموال میں تمہاری حیثیت ایسی ہی ہے جیسے کسی نائب اور وکیل کی ہوتی ہے' سو تم اس مہلت اور فرصت کو غنیمت جانو اور اس سے پہلے کہ وہ مال تمہارے ہاتھ سے نکل جائے تم اس مال کو ان مصارف میں خرچ کرو جن مصارف میں مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

میثاق کے محامل

الحدید: ۸ میں فرمایا: اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے' حالانکہ (یہ) رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ O

یعنی ایمان نہ لانے کے تمام حیلے اور بہانے زائل کیے جا چکے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل اور شعور عطا کیا ہے' اور اس خارجی کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت' تخلیق اور توحید پر بے شمار دلائل قائم کیے ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی اس کی ذات اور صفات پر بہت نشانیاں ہیں' پھر ان دلائل اور نشانیوں پر ہمارے رسول تمہیں متوجہ اور متنبہ کر رہے ہیں' سو تم پر حجت تمام ہو چکی ہے اور ایمان نہ لانے کے لیے اب تمہارا کوئی عذر باقی نہیں ہے۔

پھر فرمایا: اور بے شک اللہ تم سے پکا عہد لے چکا ہے' اگر تم مومن ہو۔

اس میثاق اور پکے عہد کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) عطاء مجاہد اور کلبی نے کہا: اس میثاق سے مراد وہ میثاق ہے جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی روحوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا اور فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۛ. (الاعراف: ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں!

امام رازی نے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میثاق کے بعد لوگوں کے لیے یہ عذر ہو سکتا تھا کہ ہم اس میثاق کو بھول چکے تھے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر دوبارہ ان کو یاد دہانی کرائی۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی عقلوں میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر بکھری ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر صاحب نشان تک پہنچ سکیں۔

(۳) انبیاء علیہم السلام اور ہر دور میں علماء مبلغین نے لوگوں کو پیغام حق سنایا' اس میثاق سے یہی پیغام مراد ہے۔

الحدید: ۹ میں فرمایا: وہی ہے جو اپنے (مکرم) بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے' تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے' بے شک اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا' بے حد مہربان ہے O

اس آیت میں واضح آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ معجزات ہوں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت اور رسالت کے ثبوت میں پیش فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' حالانکہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی وراثت ہے (اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا' جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا' ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت بڑا درجہ ہے' جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا' اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O (الحدید: ۱۰)

جس عمل میں زیادہ مشقت ہو اس کا زیادہ اجر و ثواب ہوتا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر مذمت کی گئی ہے' یعنی تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کون سی چیز منع کرتی ہے اور کون سی چیز تم کو اللہ کا قرب حاصل کرنے سے روکتی ہے' جب کہ تم اس دنیا میں اس مال کو یوں ہی چھوڑ کر مر جاؤ گے اور یہ مال تمہارے کسی کام نہیں آئے گا اور اگر تم اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہیں اس مال سے نفع پہنچے گا۔

اس کے بعد فرمایا: (اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا۔

اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور شعبی اور زہری نے یہ کہا کہ اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے۔ قتادہ نے کہا: جن مسلمانوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا' وہ ان مسلمانوں سے بہت افضل ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور کفار سے قتال کیا' کیونکہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان بہت کمزور تھے اور بہت ضرورت مند تھے اور اس وقت ان کے لیے مال خرچ کرنے میں اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے میں بہت مشقت تھی اور جس عبادت میں جتنی زیادہ مشقت ہو اس کا اجر و ثواب اسی قدر زیادہ ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سا عمل سب سے زیادہ

فضیلت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس عمل میں سب سے زیادہ مشقت ہو۔ (النہایہ ج ۱ ص ۴۲۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن عمرہ کا اجر تمہارے خرچ کرنے اور تمہاری مشقت کے اعتبار سے ملے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۸۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۸۱ سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۶۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کون سا صدقہ افضل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو تنگ دست آدمی مشقت برداشت کر کے دے اور دینے کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۷ المستدرک ج ۱ ص ۴۱۴)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا افضل الامت ہونا

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے اور ان کی فضیلت پر واضح دلیل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے درجہ میں رکھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۲۶)

اور سب سے بڑا درجہ نماز کا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا:

مروا ابا بکر فلیصل بالناس. ابوبکر سے کہو: وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸ سنن نسائی رقم الحدیث: ۸۳۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت میں سب سے بڑے درجہ پر فائز ہیں کیونکہ حضرت ابوبکر کو نماز کی امامت کے درجہ میں رکھا اور کسی کو اس درجہ میں نہیں رکھا گیا اور نماز کی امامت کا درجہ سب سے بڑا درجہ ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور اللہ کے دشمنوں سے قتال کیا وہ بعد والوں سے بہت زیادہ افضل ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلام کے لیے نمایاں خرچ کرنے والے حضرت ابوبکر تھے اور اسلام کے لیے نمایاں قتال کرنے والے حضرت علی تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے والے کے ذکر کو قتال کرنے والے کے ذکر پر مقدم کیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں نیز خرچ کرنا بابِ رحمت ہے اور قتال کرنا بابِ غضب سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سبقت رحمتی غضبی. میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے۔

(مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۲۶)

لہٰذا خرچ کرنے والا قتال کرنے والے پر سابق ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خرچ کرنے والے تھے کیونکہ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا ○ (الدہر: ۸) اور جو اللہ کی محبت میں مسکین کو یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ○

تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنا اسی وقت ثابت ہوگا جب انہوں نے بڑے بڑے مواقع پر بہت زیادہ مال خرچ کیا ہو اور یہ چیز صرف حضرت ابوبکر کے لیے ثابت ہے نیز امام واحدی نے ''البسیط'' میں

ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے لیے سب سے پہلے قتال کیا' کیونکہ اسلام کے ظہور کی ابتداء میں حضرت علی چھوٹے بچے تھے اور اس وقت وہ قتال کرنے والے نہ تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت شیخ اور مقدم تھے اور اسی وقت وہ اسلام کی مدافعت کرتے تھے' حتیٰ کہ وہ کئی مرتبہ لڑتے لڑتے موت تک پہنچے۔

علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص پہلے اسلام لایا اور جس نے پہلے جہاد کیا اور جس نے فتح مکہ سے پہلے اسلام کی راہ میں خرچ کیا' وہ بعد والوں سے افضل ہے' کیونکہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کا عظیم موقع حاصل ہوا اور اس نے اس وقت مال خرچ کیا جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس وقت مسلمانوں کو مدد اور معاونت کی بہت ضرورت تھی' اس کے برخلاف فتح مکہ کے بعد اسلام قوی ہو چکا تھا اور کفر بہت ضعیف تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۵۳۔ ۴۵۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس مضمون پر یہ آیت دلالت کرتی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ: ۱۰۰)

جو مہاجرین اور انصار (اسلام میں) سابق اور اول ہیں اور جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی' اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی عظیم کامیابی ہے○

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن فضیل نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا مال خرچ کیا اور سب سے پہلے اسلام کے لیے قتال کیا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: انہوں نے سب سے پہلے اسلام کے لیے تلوار اٹھائی۔ عطاء نے کہا: جنت کے مختلف درجات ہیں اور جس نے سب سے پہلے اسلام کے لیے خرچ کیا اور تلوار اٹھائی' وہ لوگ سب سے افضل درجہ میں ہوں گے۔ الزجاج نے کہا: کیونکہ متقدمین نے بعد والوں کی بہ نسبت اسلام کے لیے بہت زیادہ مشقت اٹھائی ہے۔ (الوسیط ج ۴ ص ۲۴۶۔ ۲۴۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں احادیث

حسب ذیل احادیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کی دلیل ہے:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی رفاقت اور اپنے مال سے سب سے زیادہ (دنیا میں) مجھ پر احسان کیا وہ ابوبکر ہیں' اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا' لیکن (اس کے ساتھ) اسلام کی اخوت اور محبت ہے اور ابوبکر کے دروازہ کے سوا مسجد کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۵۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱۹۰' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۰)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: میرے لیے اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ' تاکہ میں ان کے لیے ایک مکتوب لکھ دوں' کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور یہ کہے گا کہ میں ہی خلافت کا مستحق ہوں اور کوئی نہیں ہے' اور اللہ اور مومنین غیر ابوبکر کا انکار کر دیں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۲)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی ہم پر کوئی احسان کیا ہم نے اس کا بدلہ اتار دیا' سوا ابوبکر کے' کیونکہ ان کی ہم پر ایسی نیکی ہے جس کی جزاء ان کو اللہ قیامت کے دن دے گا اور کسی کے مال نے مجھے وہ نفع نہیں پہنچایا جو ابوبکر کے مال نے مجھے نفع پہنچایا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۳)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ابوبکر کے ہوتے ہوئے کسی اور کو امام بنائیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۳)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے' پس انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا' پھر انہوں نے مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی' حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں تاکہ آپ کو دیکھتا رہوں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تم میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگے۔

فضائل صحابہ میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا: اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔

صحابہ میں سے خواہ مقدم ہوں یا مؤخر ہوں' اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے' البتہ ان کے درجات اور مراتب مختلف ہوں گے۔

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو' کیونکہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خیرات کردے تو وہ ان کے صدقہ کیے ہوئے ایک کلو یا نصف کلو کے برابر نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱)

(۲) حضرت ابوبردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا اور آپ بہ کثرت آسمان کی طرف سر اٹھاتے تھے' سو آپ نے فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امان ہیں' جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان پر اس کی وعید آجائے گی اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں' جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب کے پاس وہ چیز آجائے گی جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور میرے اصحاب میری امت کی امان ہیں' جب وہ چلے جائیں گے تو میری امت کے پاس وہ چیز آجائے گی جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۱)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس مسلمان کو آگ نہیں جلائے گی جس نے مجھے دیکھا ہو یا اس کو دیکھا ہو جس نے مجھے دیکھا ہو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۸)

(۴) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ میرا قرن ہیں' پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں' پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۹)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ

کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسن دے' تو اللہ اس قرض کو اس کے لیے بڑھاتا رہے اور اس کے لیے

اَجۡرٌ كَرِيۡمٌ ﴿۱۱﴾ يَوۡمَ تَرَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ يَسۡعٰى

عزت والا اجر ہےO جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے

نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰٮكُمُ الۡيَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ

کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۲﴾

جن کے نیچے سے دریا بہ رہے ہیں (تم ان میں) ہمیشہ رہنے والے ہو، یہی بہت بڑی کامیابی ہےO

يَوۡمَ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو

نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِكُمۡ ۚ قِيۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ؕ

ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں، ان سے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر کوئی نور حاصل کرو،

فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ

پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور اس کے

قِبَلِهِ الۡعَذَابُ ﴿۱۳﴾ ؕ يُنَادُوۡنَهُمۡ اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَ

باہر کی جانب عذاب ہوگاO (منافق) ایمان والوں کو پکاریں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں!

لٰكِنَّكُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ وَارۡتَبۡتُمۡ وَغَرَّتۡكُمُ

لیکن تم نے اپنے آپ کو (نفاق کے) فتنہ میں ڈال دیا اور تم (مسلمانوں پر مصائب کا) انتظار کرتے رہے اور (دین میں) شک کرتے

الۡاَمَانِىُّ حَتّٰى جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۱۴﴾ فَالۡيَوۡمَ

رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں فریب میں مبتلا رکھا، حتیٰ کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور (شیطان نے تمہیں) فریب میں مبتلا رکھاO

لَا يُؤۡخَذُ مِنۡكُمۡ فِدۡيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ مَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ ؕ

(سو اے منافقو!) آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا نہ کافروں سے، تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے،

هِيَ مَوْلٰكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ

وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ برا ٹھکانا ہےO کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا

تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا

کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے نرم ہو جائیں جو نازل ہو چکا ہے' اور ان لوگوں کی

كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ

طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی' پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل بہت

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۱۶ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ

سخت ہو گئے' اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیںO یاد رکھو! اللہ ہی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۷ اِنَّ

زندہ فرماتا ہے' بے شک ہم تمہارے لیے نشانیاں بیان کر چکے ہیں تاکہ تم سمجھوO بے شک

الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا'

يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ

ان کی نیکیوں کو بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے عزت والا اجر ہےO اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

ایمان لائے وہی اپنے رب کے پاس صدیق اور شہید ہیں' ان کے لیے ان کا اجر

وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

ہے اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی

الْجَحِيْمِ ۝۱۹ ع

وہی دوزخ والے ہیںO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے اس قرض کو بڑھاتا رہے اور اس کے لیے عزت والا اجر ہےO جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا' (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہیں (تم ان میں) ہمیشہ رہنے والے ہو' یہی بہت بڑی کامیابی ہےO جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو' ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں' ان سے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ' پھر کوئی نور حاصل کرو' پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا' اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگاO (الحدید: ۱۳۔۱۱)

قرض حسن کی شرائط

الحدید: ۱۱ میں قرض حسن کا ذکر کیا گیا ہے' مفسرین نے قرض حسن کی حسب ذیل آٹھ شرائط بیان کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی راہ میں رزق حلال سے صدقہ دیا جائے' قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ. (البقرہ: ۲۶۷) اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ طیب ہے اور طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۸۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۷۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں کرتا اور نہ مال حرام سے صدقہ قبول کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹)

(۲) انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اچھی چیز صدقہ دے' ردی چیز نہ دے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ. (البقرہ: ۲۶۷) ان میں سے بُری چیز کو خرچ کرنے کا قصد نہ کرو' جس کو تم خود لینے والے نہیں ہو' سوا اس کے کہ تم آنکھیں بند کر لو۔

(۳) تم اس چیز کو صدقہ کرو جو تم کو پسند ہو' اور تمہیں اس کی ضرورت ہو کہ تم اس کے بعد زندہ رہو گے' قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ. (البقرہ: ۱۷۷) اور اپنی محبت کے باوجود مال اللہ کی راہ میں دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! کون سے صدقہ کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور کفایت شعار ہو' تمہیں تنگ دستی کا خطرہ ہو اور خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری روح حلقوم تک پہنچ جائے' اس وقت تم کہو کہ فلاں کے لیے اتنا ہے' فلاں کے لیے اتنا ہے اور اب تو فلاں کے لیے ہو ہی جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۶۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۲)

(۴) حتی الامکان چھپا کر صدقہ کیا جائے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ. اور اگر تم چھپا کر صدقہ کرو اور فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے

زیادہ بہتر ہے۔ (البقرہ: ۲۷۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا' اس دن سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے' (ان میں سے ایک وہ شخص ہے) جس نے چھپا کر صدقہ کیا حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۹۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۹۲۱)

(۵) جس پر صدقہ کیا ہے اس پر صدقہ کا احسان جتائے نہ اس کو طعنہ دے کر اذیت پہنچائے' قرآن مجید میں ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو۔ (البقرہ: ۲۶۴)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ تم نیکی پر احسان نہ جتاؤ' کیونکہ یہ شکر کو باطل کرتا ہے اور اجر کو ضائع کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۲۸۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۶) صرف اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے صدقہ کرے' دکھاوے کی نیت سے صدقہ نہ کرے' قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ (اللیل: ۲۰) صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے صدقہ دیا O

(۷) جتنا زیادہ صدقہ کرے اس کو کم سمجھے اور اپنے صدقہ کو زیادہ خیال نہ کرے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۙ O (المدثر: ۶) اور زیادہ گمان کر کے احسان نہ کر O (یہ ایک محمل ہے)

(۸) جو چیز زیادہ پسندیدہ ہو اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرے' قرآن مجید میں ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ تم ہرگز نیکی نہیں پا سکو گے حتیٰ کہ اپنی پسندیدہ چیزوں سے صدقہ کرو۔ (آل عمران: ۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض فرمانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: تو اللہ اس کے اس قرض کو بڑھاتا رہے اور اس کے لیے عزت والا اجر ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو' اللہ کو قرض دینے سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ مجاز ہے' کیونکہ سب مال اللہ تعالیٰ ہی کا ہے' اس کو قرض اس مناسبت سے فرمایا ہے کہ جس طرح مقروض' قرض دار کو رقم واپس کرتا ہے' اسی طرح جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی خرچ کی ہوئی رقم کا اجر واپس کرے گا اور اس رقم کو بڑھا کر اس کا اجر دے گا' کسی کو اس رقم کا دس گنا اجر عطا فرمائے' کسی کو سات سو گنا' کسی کو چودہ سو گنا اور کسی کو غیر متناہی اجر عطا فرمائے گا۔

قیامت کے دن مؤمنوں کے نور کی مختلف مقدار

الحدید: ۱۲ میں فرمایا: جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بعض مؤمنوں کا نور اس قدر ہوگا کہ اس سے مدینہ سے عدن تک روشن ہو جائے گا اور بعض مؤمنوں کے نور سے صرف ان کے قدموں کی جگہ روشن ہوگی۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۲۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مؤمنوں کو ان کے نیک اعمال کے حساب سے نور دیا جائے گا' بعض کا نور کھجور کے درخت جتنا ہوگا' بعض کا نور مرد کی قامت کے برابر ہوگا' کم سے کم نور انسان کے انگوٹھے کے برابر ہوگا۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۲۵)

قیامت کے دن منافقین کا جنت کے راستہ سے محروم ہونا

الحدید: ۱۳ میں فرمایا: جس دن وہ منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں۔ الایۃ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ اندھیروں میں ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ ایک نور بھیجے گا' جب مؤمنین اُس نور کو دیکھیں گے تو اس نور کی جانب چل پڑیں گے اور وہ نور جنت کی طرف رہ نمائی کرے گا' پس جب منافقین دیکھیں گے کہ مؤمنین اس نور کی روشنی میں جنت کی طرف جا رہے ہیں تو وہ بھی مؤمنوں کو پیچھے چل پڑیں گے' تب اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا کر دے گا' اس وقت منافقین مؤمنوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں' کیونکہ ہم دنیا میں تمہارے ساتھ رہے تھے تو مؤمنین کہیں گے: تم اسی اندھیرے میں لوٹ جاؤ' جہاں سے آئے تھے اور وہیں نور تلاش کرو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۲۷)

اس کے بعد فرمایا: پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی' جس میں دروازہ ہوگا' اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا O

قتادہ نے کہا: یہ دیوار جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منافق ایمان والوں کو پکاریں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو (نفاق کے) فتنہ میں ڈال دیا اور تم (مسلمانوں پر مصائب کا) انتظار کرتے رہے اور (دین میں) شک کرتے رہے' اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں فریب میں مبتلا رکھا' حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور (شیطان نے تمہیں) اللہ کے متعلق فریب میں مبتلا رکھا O (سوائے منافقو!) آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا نہ کافروں سے' تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے' وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے O کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے نرم ہو جائیں جو نازل ہو چکا ہے' اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی' پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل بہت سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں O (الحدید: ۱۶۔ ۱۴)

قیامت کے دن مؤمنوں اور منافقوں کا مکالمہ

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ منافقین' مؤمنین کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے' ان کے ساتھ نکاح کرتے تھے' اور ان کے ساتھ معاشرتی زندگی گزارتے تھے' اور قیامت کے دن ان سب کو نور دیا جائے گا' پھر جب منافقین اس دیوار تک پہنچیں گے تو ان کا نور بجھ جائے گا' اس وقت وہ ظلمت اور عذاب میں ہوں گے اور مؤمنین جنت میں ہوں گے' اس وقت منافقین مؤمنوں سے کہیں گے: کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے' ہم نماز پڑھتے تھے اور روزے رکھتے تھے' ایک دوسرے کے ساتھ نکاح

کرتے تھے اور وارث ہوتے تھے' مؤمنین کہیں گے: ہاں! تم اسی طرح تھے' لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنہ میں ڈالا' تم نے منافقت کی' تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب کا انتظار کرتے رہے اور دین میں شک کرتے رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تم کو فریب میں مبتلا رکھا اور تم کو اللہ کے راستہ سے روک لیا اور تم کو گم راہ کر دیا' حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تم کو عذاب میں ڈال دیا۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۲۹۴ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الحدید: ۱۵ میں فرمایا: (سوائے منافقو!) آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا نہ کافروں سے' تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے' وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے O

فدیہ کا معنی ہے: عوض اور بدل' یعنی تمہارے عذاب کے بدلہ میں تم سے کوئی چیز لے کر تم کو عذاب سے نجات نہیں دی جائے گی۔

الحدید: ۱۶ میں فرمایا: کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے نرم ہو جائیں جو نازل ہو چکا ہے۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں سے سب سے پہلے جو چیز اٹھائی جائے گی وہ خشوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمنوں کو اس چیز سے منع فرمایا ہے کہ وہ ان اہل کتاب سے مشابہت اختیار کریں جو یہود اور نصاریٰ تھے' جب ان پر زیادہ مدت گزر گئی تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کتاب کو بدل ڈالا اور اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت خرید لی اور کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور مختلف نظریات اور مختلف اقوال کے درپے ہوئے اور اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید کی اور اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے بجائے رب مان لیا اور اس وقت ان کے دل سخت ہو گئے' وہ کسی کی نصیحت قبول نہیں کرتے تھے اور نہ جنت کی بشارت اور دوزخ کی وعید سن کر ان کے دل نرم ہوتے تھے' ان میں سے اکثر لوگوں کے عقائد فاسق تھے' ان کے دل فاسد ہو چکے تھے اور اللہ کی کتاب میں تحریف کرنا ان کی عادت بن چکی تھی' انہوں نے ان کاموں کو ترک کر دیا تھا جن کو کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ ایسے کام کرتے تھے جن کو کرنے سے انہیں منع کیا گیا تھا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُمور اصلیہ اور اُمور فرعیہ میں سے کسی ایک چیز میں بھی ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۴۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یاد رکھو! اللہ ہی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرماتا ہے' بے شک ہم تمہارے لیے نشانیاں بیان کر چکے ہیں تاکہ تم سمجھو O بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ان کی نیکیوں کو بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے عزت والا اجر ہے O اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' وہی اپنے رب کے پاس صدیق اور شہید ہیں' ان کے لیے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخ والے ہیں O (الحدید: ۱۹۔۱۷)

خضوع اور خشوع کی ترغیب

الحدید: ۱۷ میں مردہ دلوں کو مردہ زمین کے ساتھ تشبیہ دی ہے' جس طرح مردہ زمین بارش سے زندہ ہو جاتی ہے' اسی طرح جو دل کفر اور معصیت پر اصرار کرنے کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے' اس کا ذکر کرنے' اعمال صالحہ اور توبہ اور استغفار سے زندہ ہو جاتے ہیں' اس آیت میں اللہ سے ڈرنے اور خضوع اور خشوع کی ترغیب دی گئی ہے اور

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔
الحدید:۱۸ میں اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے اور اس پر دگنے چوگنے اجر کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل ہم الحدید:۱۱ میں بیان کر چکے ہیں' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ہر مؤمن کا صدیق اور شہید ہونا

الحدید:۱۹ میں فرمایا: اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے پاس صدیق اور شہید ہیں' ان کے لیے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخ والے ہیں O
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور منافقین کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں مؤمنوں اور کافروں کا ذکر فرمایا ہے۔
صدیق صادق کا مبالغہ ہے' یعنی جو بہت زیادہ صادق ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت قوی تصدیق کرنے والا ہو اور اس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ نہایت خوشی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرے اور سخت سردی اور شدید گرمی میں اس پر نماز پڑھنا اور روزے رکھنا گراں اور دشوار نہ ہو' زکوٰۃ ادا کرنا اس پر سہل ہو اور حج کرنے کا اس کو شوق ہو اور اس کی آرزو جہاد کرنا ہو اور میدانِ جہاد میں شہید ہونا اس کی تمنا ہو۔
بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت مخصوص صدیقین کے لیے ہے اور وہ یہ ہیں: پچھلی امتوں میں سے صاحب یاسین اور آل فرعون کا مومن اور ہماری امت میں سے یہ ہیں: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت زید' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۶۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۲۹)
مجاہد نے کہا: ہر مؤمن صدیق اور شہید ہے اور اس آیت کی تلاوت کی۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۳۳)

ہر مومن کے شہید ہونے کی وجوہ

بعض علماء نے کہا کہ ہر مومن کے شہید ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مؤمنین اللہ تعالیٰ کے سامنے گزشتہ انبیاء کے حق میں شہادت دیں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ . (البقرہ:۱۴۳)
اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے حق میں شہادت دینے والے ہو جاؤ۔

حسن بصری نے کہا: ہر مومن کو شہید اس لیے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے لطف و کرم پر شہید (حاضر یا گواہ) ہوگا۔
اصم نے کہا: ہر مومن اس لیے شہید ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کر کے اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا کفر کرنا اور اس کی نافرمانی کرنا حرام ہے۔
اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ " والشھداء عند ربھم " سے الگ جملہ ہے یعنی جو لوگ اپنے رب کے پاس شہید (حاضر) ہیں' ان کے لیے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے۔
اس قول کی بناء پر اس آیت میں شہداء سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء:۴۱)
(اے رسول مکرم!) اس وقت آپ کی کیا شان ہوگی! جب ہم ہر امت سے ایک شہید لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر شہید بنا کر پیش کریں گے O

اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں شہداء سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید ہوں گے اور اس صورت میں اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہر مومن اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہے۔

اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: تم لوگ کس چیز کو شہادت شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ عزوجل کی راہ میں قتل کرنے کو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو میری امت میں شہید بہت کم ہوں گے' اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا شہید ہے' طاعون میں مرنے والا شہید ہے' جو شخص اللہ کی راہ میں غرق ہوا وہ شہید ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں گر کر مرا وہ شہید ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں نمونیہ میں مرا وہ شہید ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱' مکتب اسلامی' بیروت' طبع قدیم)

ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۵ ص ۹۴۶۔۹۴۵ میں احادیث کے حوالوں کے ساتھ پینتالیس (۴۵) حکمی شہادت کی اقسام بیان کیں ہیں اور ''تبیان القرآن'' ج ۲ ص ۴۶۶۔۴۶۵ میں اکیاون (۵۱) اقسام بہ حوالہ بیان کی ہیں' ان میں سے اڑتالیس (۴۸) اقسام یہ ہیں:

حکمی شہداء کی تعداد

مذکور الصدر احادیث میں جو حکمی شہادت کی اقسام بیان کی گئی ہیں' ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) طاعون میں مرنے والا (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا (۳) ڈوبنے والا (۴) دب کر مرنے والا (۵) نمونیہ میں مرنے والا (۶) جل کر مرنے والا (۷) درد زہ میں مبتلا ہو کر مرنے والی حاملہ (۸) اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا (۹) اپنی جان کی حفاظت میں مارا جانے والا (۱۰) اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا (۱۱) دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا (۱۲) سواری سے گر کر مرنے والا (۱۳) اللہ کے راستہ میں مرنے والا مثلاً علم دین کی طلب میں جانے والا' نماز کو جانے والا' حج کو جانے والا' غرض ہر نیک کام کے لیے جانے والا اس دوران اگر مر جائے (۱۴) پہاڑ سے گر کر مرنے والا (۱۵) جس کو درندے کھا جائیں (۱۶) نفاس میں مرنے والی عورت (۱۷) اپنے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا (۱۸) اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا (۱۹) کسی مصیبت یا حادثہ میں مرنے والا (۲۰) صدق دل سے شہادت کی دعا کرنے والا (۲۱) پھیپھڑوں کی بیماری مثلاً دمہ' کھانسی یا تپ دق میں مرنے والا (۲۲) سفر میں مرنے والا (۲۳) جو شخص ایک دن میں پچیس بار یہ دعا کرے: ''اللهم بارك لی فی الموت وفیما بعد الموت'' (۲۴) نیزہ کی ضرب سے مرنے والا (۲۵) جو عاشق پاک دامن رہا (۲۶) بخار میں مرنے والا (۲۷) سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا (۲۸) گڑھے میں گر کر مرنے والا (۲۹) ظلماً قتل کیا جانے والا (۳۰) اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا (۳۱) اللہ کی راہ میں بستر پر فوت ہونے والا (۳۲) جس کو سانپ یا بچھو ڈس لے (۳۳) جو اچھو سے مر جائے (۳۴) پڑوسی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے (۳۵) جو چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر جائے (۳۶) جو پتھر گرنے سے مر جائے (۳۷) جو عورت اپنے خاوند پر غیرت کرتی ہوئی مر جائے (۳۸) نیکی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے روکتے ہوئے مر جائے (۳۹) اپنے بھائی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے (۴۰) جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر جانے سے مر جائے (۴۱) جو شخص کسی بھی بیماری میں فوت ہوا وہ شہید ہے (۴۲) صبح و شام سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھنے والا شہید ہے (۴۳) چاشت کی نماز پڑھنے والا' ہر ماہ تین روزہ رکھنے والا اور وتر قضاء نہ کرنے والا

شہید ہے (۴۴) دائماً باوضو رہنے والا شہید ہے (۴۵) بیت المقدس کا خادم شہید ہے (۴۶) زکام یا کھانسی میں مرنے والا شہید ہے (۴۷) غلبہ بدعت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا شہید ہے (۴۸) ہر مومن کامل شہید ہے۔

اس آیت کی جو یہ تفسیر کی گئی ہے کہ ہر مؤمن شہید ہے' اس سے مراد وہ مومن ہے جس کا ایمان کامل اور قابل شمار ہو' ورنہ یہ بات بہت بعید ہے کہ جو شخص نفسانی تقاضوں اور شہوات میں ڈوبا ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادات اور اطاعت سے غافل ہو وہ قیامت کے دن صدیقین اور شہداء کے درجہ میں ہو۔

صدقہ کے شوق اور شہادت کی تمنا کا اجر

امام مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابو الدحداح انصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور صدقہ کرنے کی ترغیب دی' تو حضرت ابوالدحداح انصاری نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اپنا باغ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے صدقہ کر دیا' پھر وہ باغ میں آئے تو حضرت ام الدحداح باغ میں تھیں' انہوں نے کہا: اے ام الدحداح! میں نے اپنا باغ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے صدقہ کر دیا ہے' تم اپنی بچیوں کا ہاتھ پکڑو اور ان کو باغ سے باہر نکالو' پھر جب ان کی بچیوں کو تیز دھوپ لگی تو وہ رونے لگیں' تو ان کی ماں نے کہا: رُوْمت' تمہارے باپ نے اپنا باغ اپنے رب کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ابوالدحداح کی کھجوروں کے کتنے ہی خوشوں کو جنت میں دیکھا ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی:

يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ۝ (الحدید:۱۸) ان کی نیکیوں کو بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے عزت والا اجر ہے۝

یعنی ان کو جنت میں اچھی جزاء ملے گی۔

تب فقراء صحابہ نے کہا: ہمارے پاس تو اتنا مال نہیں ہے جس سے ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں یا صدقہ کریں' تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ. (الحدید:۱۹) اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے پاس صدیق ہیں۔

یعنی جن لوگوں نے اللہ کی توحید کی تصدیق کی اور اس کے تمام رسولوں کی تصدیق کی وہی اللہ اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور انہوں نے ایک لحظہ کے لیے بھی شکایت نہ کی ہو۔

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۗ. (الحدید:۱۹) اور جو ان میں سے شہید ہو گئے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور نور ہے۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ دوزخ والے ہیں۔ (الحدید:۱۹)

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۲۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن کے پاس صدقہ کرنے اور جہاد کرنے کے وسائل نہ ہوں لیکن وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں صادق ہوں اور ان کی نیت میں اخلاص ہو اور ان کو صدقہ کرنے کا شوق اور شہادت کی تمنا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ

یاد رکھو! دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے' زیب و زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا ہے'

بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ

اور مال اور اولاد میں کثرت کو طلب کرنا ہے' اس بارش کی مثل ہے جس کی پیداوار کسانوں

الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ

کو اچھی لگتی ہے' پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو (اے مخاطب!) تو اس کو زرد رنگ کی دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے'

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ

اور آخرت میں (فساق کے لیے) سخت عذاب ہے اور (نیکوں کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت ہے

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰ سَابِقُوْٓا اِلٰى

اور خوش نودی ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہےO اپنے رب کی مغفرت کی

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَ

طرف اور اس جنت کی طرف سبقت کرو' جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی مثل ہے' جس کو ان لوگوں کے لیے

الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ

تیار کیا گیا ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' یہ اللہ کا فضل ہے

اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱ مَآ اَصَابَ مِنْ

وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہےO زمین میں اور تمہاری جانوں

مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

میں جو بھی مصیبت آتی ہے' اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے'

نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۲۲ۚ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ

بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہےO تاکہ تم اس چیز پر افسوس نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ

اور اس چیز پر نہ اتراؤ جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہے اور اللہ کسی اترانے والے متکبر کو پسند نہیں کرتاO جو لوگ

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں' اور جو روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

بے تعریف کیا ہواO بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو قوی دلائل کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب

وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ

کو اور میزان (عدل) کو نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ

اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد ہیں تا کہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ اللہ کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے' بے شک اللہ

عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ ع

بہت قوی بے حد غالب ہےO

ع ۳ / ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یاد رکھو! دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے' زیب و زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا ہے اور مال اور اولاد میں کثرت کو طلب کرنا ہے' اس بارش کی مثل ہے جس کی پیداوار کسانوں کو اچھی لگتی ہے' پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو (اے مخاطب!) تو اس کو زرد رنگ کی دیکھتا ہے' پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے' اور آخرت میں (فساق کے لیے) سخت عذاب ہے' اور (نیکوں کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت ہے اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہےO اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی مثل ہے جس کو ان لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہےO (الحدید: ۲۱۔۲۰)

اس سوال کا جواب کہ دنیا میں اچھی اور مقدس چیزیں بھی ہیں' پھر دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان کیوں ہے؟

الحدید: ۲۰ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے دنیا کی زندگی مذموم ہے اور آخرت کی زندگی محمود ہے' حالانکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں بھی اچھائی ہے' انبیاء علیہم السلام دنیا میں ہی مبعوث کیے گئے اور اولیاء اللہ بھی دنیا میں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (البقرہ:۱۳۰)

بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں بزرگی دی اور وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہیں○

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ:۲۰۱)

اور بعض لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما۔

اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (آل عمران:۴۵)

ان کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے' وہ دنیا میں بھی سرخ رو ہیں اور آخرت میں بھی۔

ربیون کا متعلق فرمایا:

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ. (آل عمران:۱۴۸)

سو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب عطا فرمایا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ. (النساء:۱۳۴)

جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو (تو یاد رکھو کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ. (الاعراف:۱۵۶)

اور ہمارے لیے دنیا کی اچھائی لکھ دے اور آخرت کی۔

اولیاء اللہ کے متعلق فرمایا:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ. (یونس:۶۴)

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی۔

اور ایسی اور بہت آیتیں ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ دنیا اور اس کی چیزیں مذموم نہیں ہیں کیونکہ دنیا میں کعبہ اور بیت المقدس بھی ہے' مسجد نبوی بھی ہے اور دیگر مساجد بھی ہیں' قرآن مجید اور دیگر دینی کتب بھی ہیں' انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مزارات ہیں' دینی مدارس اور دینی لائبریریاں ہیں' اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں' اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کے مراکز ہیں' دنیا صرف اس اعتبار سے مذموم ہے کہ اس میں اللہ کی اطاعت کے بجائے شیطان کی اطاعت کی جائے اور اس میں وہ چیزیں ہوں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کرتی ہیں اور شیطان کی اطاعت کی طرف راغب کرتی ہیں' جیسے شراب خانے' قحبہ خانے' قمار خانے' بت کدے اور رقص اور موسیقی کے کلب ہیں اور اس آیت میں ایسی ہی چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اب ہم اس آیت میں مذکور بعض الفاظ کے معانی ذکر کر رہے ہیں۔

لھو ولعب اور زینت کا معنی

اس آیت میں لھو ولعب کا ذکر ہے' ''لعب'' اس چیز کو کہتے ہیں جو دنیا کی طرف راغب کرے اور ''لھو'' اس چیز کو کہتے ہیں جو آخرت سے غافل کر دے۔ ایک قول یہ ہے کہ لعب بچوں کے اس کھیل کو کہتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اور لھو جوانوں کے اس کھیل کو کہتے ہیں جس کے ختم ہونے کے بعد سوائے تھکاوٹ اور حسرت کے کچھ حاصل نہ ہو۔

اور زینت کا ذکر ہے' زیب و زینت عام طور پر عورتوں کا طریقہ ہے' وہ سونے' چاندی کے زیورات' ہیرے' جواہرات' ریشمی اور زرق برق لباس اور آرائشی سازوسامان کی دل دادہ ہوتی ہیں اور مرد بھی عالی شان بنگلوں' خوب صورت کپڑوں اور گھڑیوں اور دیگر عیش وعشرت کی چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔

تفاخر کی مذمت میں حدیث

اور اس آیت میں ایک دوسرے پر فخر کرنے کا ذکر ہے' اس کی ممانعت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عیاض بن عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آؤ' حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی شخص دوسرے پر فخر کرے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۱۴)

مال اور اولاد میں کثرت کی طلب مطلقاً مذموم نہیں ہے

اور اس آیت میں مال اور اولاد میں کثرت کو طلب کرنے کا ذکر ہے' کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین زیادہ بیٹوں اور زیادہ مال پر فخر کیا کرتے تھے اور مسلمان ایمان اور عبادت اور اطاعت کی کثرت کو قابل فخر شمار کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: دنیا نہ ملنے پر غم نہ کرو' کیونکہ دنیا کی خاص چیزیں چھ ہیں: ماکولات' مشروبات' ملبوسات' خوشبویات' سواریاں اور بیویاں' سب سے خوش ذائقہ طعام شہد ہے اور وہ شہد کی مکھی کی قے ہے اور مشروبات میں سب سے زیادہ پانی پیتا ہے اور اس میں انسان اور حیوان برابر ہیں' اور ملبوسات میں سب سے افضل ریشم ہے اور وہ ریشم کے کیڑے کے تھوک سے بنتا ہے اور سب سے عمدہ خوشبو مشک ہے اور وہ ہرن کی ناف کا جما ہوا خون ہے اور بیویوں سے لذت جماع میں ہے اور وہ المبال فی المبال ہے یعنی ایک کی پیشاب گاہ کا دوسرے کی پیشاب گاہ میں داخل ہونا اور عورت خوب زینت اور میک اپ کرتی ہے تاکہ اس سے یہ قبیح کام کیا جائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ص ۲۳۰)

تاہم مطلقاً مال اور اولاد کی کثرت کو طلب کرنا مذموم نہیں ہے' اگر اللہ کی راہ میں اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لیے مال کی کثرت کو طلب کیا جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کے لیے اولاد کی کثرت کو طلب کیا جائے تو یہ محمود ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے پوچھا: مجھے ایک ایسی عورت ملی ہے جس کا خاندان بہت اچھا ہے اور وہ خوب صورت بھی ہے لیکن اس کے ہاں بچے نہیں ہوتے' کیا میں اس سے نکاح کروں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! پھر اس نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے منع فرمایا' پھر اس نے سہ بارہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہو اور بچے جننے والی ہو' کیونکہ میں دوسری امتوں کی بہ نسبت زیادہ امت والا ہوں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کیا کرو کیونکہ میں تمہاری وجہ سے دوسری امتوں کی بہ نسبت کثرت حاصل کرنے والا ہوں گا۔ الحدیث

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۴۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱)

اسی طرح مال کی فضیلت کے متعلق بھی یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو چیزوں پر رشک کرنا

مستحسن ہے' ایک شخص کو اللہ نے مال دیا ہو اور اسے اس مال کو راہِ حق میں صرف کرنے پر مسلط کر دیا ہو اور ایک شخص کو اللہ نے حکمت دی ہے وہ اس حکمت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۵۱' دارالفکر)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اولاد اور مال میں کثرت کو طلب کرنا مطلقاً مذموم نہیں ہے' یہ اس وقت مذموم ہے جب اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کے لیے ان کو طلب کیا جائے۔

الحدید: ۲۱ اور آل عمران: ۱۳۳ میں تعارض کا جواب

الحدید: ۲۱ میں فرمایا: اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی مثل ہے' جس کو ان لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ الایۃ

یعنی نیک اعمال میں سبقت کرو تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت حاصل ہو' ایک قول یہ ہے کہ اگر تم سے شامت نفس سے گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرنے میں جلدی کرو' تاکہ تمہیں مغفرت حاصل ہو۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: جس (جنت) کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی مثل ہے اور آل عمران: ۱۳۳ میں فرمایا: جس (جنت) کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کی وسعت کی مثل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں جنت کی وسعت سات آسمانوں اور سات زمینوں کی وسعت کی مثل ہے' جس طرح آل عمران: ۱۳۳ میں فرمایا ہے' لیکن عام انسان کے مشاہدہ میں صرف یہی ایک آسمان اور یہی ایک زمین ہے' اس لیے یہاں عام انسان کے مشاہدہ کے اعتبار سے صرف آسمان اور زمین فرمایا۔

مرجئہ کی دلیل اور اس کا رد

اس آیت میں جنت کے حصول کے لیے صرف ایمان کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی قید نہیں لگائی اور اس سے بہ ظاہر فرقہ مرجئہ کی تائید ہوتی ہے' جو کہتے ہیں کہ نجات کے لیے صرف ایمان لانا کافی ہے' اعمالِ صالحہ کی ضرورت نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید کی بہت آیات میں ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے وہ ذکر اس پر قرینہ ہے کہ یہاں ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی معتبر اور مراد ہیں اور یا ایمان سے ایمانِ کامل مراد ہے اور ایمانِ کامل وہی ہے جس کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی ہوں' البتہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کے بغیر جنت نہیں ملتی' ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اس کو جنت ضرور ملے گی' اگر اس کے نیک اعمال نہیں ہیں یا ان میں کوئی کمی ہے' تب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے ابتداءً جنت عطا فرما دے یا پھر اس کو اس کی تقصیر کی کچھ سزا دینے کے بعد جنت عطا فرما دے۔

حصولِ جنت کا حقیقی اور ظاہری سبب

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جنت کسی عمل سے نہیں اللہ کے فضل سے ملتی ہے' رہے نیک اعمال تو وہ بھی بندوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی نصیب ہوتے ہیں' میں جب ۱۹۹۴ء میں حج کے سلسلہ میں حاجی کیمپ جا رہا تھا تو مجھ سے ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا: آپ حج کے لیے جا رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اپنے اپنے نصیب کی بات ہے' میں ملازمت کے سلسلہ میں اٹھارہ سال مکہ میں رہا اور میں نے حج نہیں کیا اور آپ کراچی سے حج کے لیے مکہ جا رہے ہیں۔

رہا یہ کہ بعض آیات میں جنت کے حصول کا سبب نیک اعمال کو قرار دیا' جیسے یہ آیت ہے:

تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ تم اپنے (نیک) اعمال کے سبب ان جنتوں کے وارث بنائے گئے ہو ○ (الاعراف: ۴۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت ملنے کا حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے' جیسا کہ الحدید: ۲۱ میں فرمایا ہے اور اس کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں' جیسا کہ الاعراف: ۴۳ میں فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زمین میں اور تمہاری جانوں میں جو بھی مصیبت آتی ہے' اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے' بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے ○ تاکہ تم اس چیز پر افسوس نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اور اس چیز پر نہ اتراؤ جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہے اور اللہ کسی اترانے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا ○ جو لوگ خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے' تعریف کیا ہوا ○ (الحدید: ۲۴-۲۲)

لوحِ محفوظ میں لکھنے کی حکمتیں

الحدید: ۲۳-۲۲ میں زمین کی مصیبتوں کا ذکر ہے' اس سے مراد ہے: بارش کا نہ ہونا' غلہ اور پھلوں کا کم پیدا ہونا' قیمتوں کا چڑھ جانا اور لوگوں کا مسلسل بھوک میں مبتلا ہونا۔

اور اس میں انسان کی جانوں کی مصیبتوں کا ذکر ہے' اس سے مراد ہے: بیماریاں' فقر اور تنگ دستی اور اولاد کا نہ ہونا وغیرہ۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ زمین میں جو چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ پیدا ہونے سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اور لوحِ محفوظ میں ان کو لکھنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) لوحِ محفوظ میں ان چیزوں کو لکھا ہوا دیکھ کر فرشتے اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا جاننے والا ہے۔

(۲) ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں مخلوق اللہ کی نافرمانی کرے گی پھر بھی وہ اس کو پیدا کرتا ہے اور اس کو رزق دیتا ہے اور اس میں اس کی کیا حکمت ہے اس کو وہ خود ہی جانتا ہے۔

(۳) مخلوق کے گناہوں کو لکھا ہوا دیکھ کر فرشتے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ان کو ان گناہوں سے محفوظ رکھا اور ان کو اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے اور اس کے اولیاء بھی لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو مستقبل میں ہونے والے اُمور کا علم ہو جاتا ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جب روح قدسیہ کا نور زیادہ ہو جاتا ہے اور عالم محسوسات کی ظلمت سے اعراض کرنے کی وجہ سے اس کا اشراق بڑھ جاتا ہے اور اس کے دل کا آئینہ طبیعت کے زنگ سے صاف ہو جاتا ہے اور علم کے تقاضوں پر دوام کرنے کی وجہ سے اور انوار الٰہیہ کے فیضان کی وجہ سے اس کا نور قوی ہو جاتا ہے تو جو نقوش لوحِ محفوظ میں مرتسم ہیں وہ اس کے دل کی فضا میں مرتسم ہو جاتے ہیں اور وہ مغیبات کا مطالعہ کرتا ہے اور عالم سفلی کے اجسام میں تصرف کرتا ہے بلکہ اس وقت فیاض اقدس خود اس کے دل پر

اپنی معرفت کی تجلی فرماتا ہے جو سب سے عظیم عطیہ ہے تو پھر اور کون سی چیز اس سے مخفی ہوگی۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۲۸' مکتبہ حقانیہ پشاور)

مصیبت اور راحت کے وقت مسلمانوں کا طریقہ

ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ جب سعید بن جبیر مکہ سے کوفہ آئے تا کہ ان کو واسط میں حجاج کے پاس لے جایا جائے' تو ہم تین یا چار شخص ان کے پاس گئے' ان کو لکڑی کے ایک گھورے (کچرا کنڈی) میں رکھا ہوا تھا' ہم ان کے پاس بیٹھ گئے اور ہم میں سے ایک شخص رونے لگا' سعید نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا: میں آپ کو اس مصیبت میں دیکھ کر رو رہا ہوں' سعید نے کہا: مت رو و کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ ایسا ہونا ہے' پھر یہ آیت پڑھی: "مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝" ۔ (الحدید: ۲۲)

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۹۵۔ رقم الحدیث: ۳۰۶۱۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان کا ذائقہ محسوس نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کو یہ یقین نہ ہو کہ اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس سے ٹل گئی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی' پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی: "لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ" ۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر شخص غم گین بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے لیکن مومن اپنی مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اپنی نعمت پر شکر کرتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱)

بخل کا حکم دینے والوں کے مصادیق اور بخل اور سخاوت کا معنی

الحدید: ۲۴ میں فرمایا: جو لوگ خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ۝

سدی اور کلبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہود کے بڑے بڑے علماء ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بیان میں بخل کرنے کا حکم دیتے تھے اور "تورات" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات لکھی ہوئی تھیں' ان کو چھپاتے تھے اور اپنے دوسرے علماء کو بھی ان صفات کے بتانے سے منع کرتے تھے' تا کہ لوگ اس سے متاثر ہو کر اسلام کو نہ قبول کر لیں اور اگر ایسا ہو گیا تو عوام یہودیوں سے ان کو نذرانے ملنے بند ہو جائیں گے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم کو چھپاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تعلیم دینے سے منع کرتے ہیں۔

زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد ہے: جو لوگ اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔

عامر بن عبد اللہ اشعری نے کہا: اس سے مراد ہے: جو لوگ صدقہ اور خیرات کرنے سے اور حقوق العباد میں مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔

علماء نے بخل اور سخاوت میں دو وجہ سے فرق کیا ہے:

(۱) بخیل وہ ہے جس کو مال روکنے سے لذت ملتی ہے اور سخی وہ ہے جس کو مال خرچ کرنے سے لذت ملتی ہے۔

(۲) بخیل وہ ہے جو صرف سوال کرنے سے دے اور سخی وہ ہے جو بغیر سوال کے بھی عطا کرے۔

اور فرمایا: اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ۝

یعنی اگر کوئی شخص حقوق اللہ کی ادائیگی میں بخل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بخل سے کوئی ضرر نہیں ہوتا' وہ بے نیاز ہے اور

اللہ عزوجل فی نفسہ حمد کا مستحق ہے اگر بندہ اس کی اطاعت اور عبادت میں کمی کرے تو اس کا وبال صرف اس بندہ پر ہوگا' اللہ تعالیٰ تو ہر حال میں حمد کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو قوی دلائل کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان (عدل) کو نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد ہیں' تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے' بے شک اللہ بہت قوی' بے حد غالب ہے O (الحدید: ۲۵)

''البینات'' کا معنی اور نزولِ کتاب کی حکمت

اس آیت میں فرمایا ہے: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو البینات کے ساتھ بھیجا۔

''البینات'' کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) مقاتل بن سلیمان نے کہا: اس سے مراد ہے: معجزات ظاہرہ اور دلائل قاہرہ (۲) مقاتل بن حیان نے کہا: ہم نے ان کو ان اعمال کے ساتھ بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور غیر اللہ سے اعراض کی ترغیب دیتے ہیں۔ امام رازی نے کہا: ان میں سے پہلا قول صحیح ہے' کیونکہ رسولوں کی نبوت معجزات سے ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان (عدل) کو نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

کتاب کو اس لیے نازل فرمایا کہ کتاب میں ضروری عقائد کا ذکر ہے اور باطل عقائد کا رد ہے اور ان میں واقع ہونے والے شکوک اور شبہات کا ازالہ ہے' اور ان نیک اعمال کا حکم ہے جن سے متصف ہو کر انسان کی دنیا اور آخرت میں عزت اور سرخ روئی ہوتی ہے اور برے کاموں سے ممانعت ہے' جن کو کرنے سے انسان کی دنیا اور آخرت میں ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں شدید عذاب ہے اور میزان کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے مقابلہ میں اپنے کیے ہوئے کاموں پر غور کرے کہ آیا اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں اس کی اطاعت اور عبادات شکر کے میزان پر پوری اتر رہی ہیں یا نہیں' اسی طرح والدین کے احسانات اور ان کے ساتھ اپنے سلوک کو دیکھے کہ آیا وہ اس میزان کے مطابق ہیں یا نہیں' اسی طرح دیگر اقرباء' پڑوسیوں اور حکام کا اس کے ساتھ جو سلوک ہے اور اس کے مقابلہ میں وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ میزانِ عدل کے موافق ہے یا نہیں۔

لوہے کے فوائد

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں: لوہے میں سخت قوت ہے' کیونکہ آلاتِ حرب لوہے سے بنائے جاتے ہیں اور اس میں اور بھی بہت فائدے ہیں:

لوہے سے زرہ بنائی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ O (الانبیاء: ۸۰)

اور ہم نے ان کو (حضرت داؤد کو) تمہارے لیے لباس بنانے کی کاری گری سکھائی تاکہ وہ لباس تم کو جنگ کے ضرر سے محفوظ رکھے' پس کیا تم شکر ادا کرو گے O

قدیم زمانہ میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی اور لوہے کی زرہ تلوار کے حملہ اور اس کے وار سے محفوظ رکھتی تھی اور اب

لوہے سے بلٹ پروف لباس بنایا جاتا ہے جو بندوق کی گولی کے ضرر سے محفوظ رکھتا ہے۔

نیز لوہے سے مختلف قسم کی مشینیں بنائی جاتی ہیں' ہل چلانے کے لیے ٹریکٹر کے ساتھ ہل کا فریم لگا دیتے ہیں جو مٹی کو بھر بھرا کرتا ہے' پھر اسی مٹی کو باریک کرنے کے لیے اس کے ساتھ چیزل لگا دیتے ہیں' بیج بونے کے لیے ٹریکٹر کے ساتھ چیزل لگا دیتے ہیں' گندم سے بھوسہ کو الگ کرنے کے لیے ٹریکٹر کے ساتھ تھریشر کو لگا دیتے ہیں' فصل کاٹنے اور گندم کو بھوسہ سے الگ کرنے کے لیے ہارڈ ویسٹر کو استعمال کرتے ہیں' گندم پیسنے کے لیے چکی بھی لوہے سے بنائی جاتی ہے اور فلور ملز میں اس کی بڑی بڑی مشینیں لگی ہوتی ہیں' جو آٹا' میدہ اور سوجی بناتی ہیں' اسی طرح شوگر ملز میں بڑی بڑی مشینیں ہیں جو گنے سے رس نکالتی ہیں' پھر اس رس کو مختلف مراحل سے گزار کر سفید چینی بنا دیتی ہیں' تیل اور گھی نکالنے کی مشینیں ہیں' کپڑا بنانے اور رنگنے کے ملز ہیں' کپڑا سینے کی فیکٹریاں ہیں' دوائیں بنانے کی فیکٹریاں ہیں' یہ سب مشینیں خام لوہے سے بنائی جاتی ہیں اور اب تو مکانات بنانے میں لوہا اور سیمنٹ استعمال ہوتا ہے' غرض زندگی کے ہر شعبہ میں لوہے سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

بعض مترجمین کے ترجمہ سے معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کی بے علمی ظاہر ہونا

اس کے بعد فرمایا: تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے۔

اس آیت کے الفاظ یہ ہیں: "وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ" (الحدید: ۲۵) اور اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اور تاکہ اللہ جان لے۔

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور تاکہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے۔

اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

تاکہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین کی) کون مدد کرتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۳۲۲۔۳۲۱' مطبوعہ ترجمان القرآن' لاہور)

ان تمام تراجم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا' اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا' پھر اس کو معلوم ہوا کہ کون اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد فرماتا ہے اور ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سخت قدر ناشناسی اور اس کی جناب میں سخت بے ادبی ہے' جس سے اس کے علام الغیوب ہونے پر زد پڑتی ہے' اس کے برخلاف ہم نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے: تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم کو حادث مانتے ہیں' وہ "وليعلم الله" سے استدلال کرتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم سے مراد معلوم ہے (یعنی واقع میں کسی چیز کو ظاہر کرنا جس طرح ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۷۲)۔

اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون مدد کرتا ہے' یعنی لوہے کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے کام لے کر کون اس کی راہ میں کافروں سے جہاد کرتا ہے اور اللہ کے منکروں کو قتل کرتا ہے' قدیم زمانہ میں لوہے کے یہ ہتھیار تلواریں' نیزے' تیر اور برچھیاں وغیرہ تھے اور اس دور میں لوہے سے کلاشن کوف' توپ' ٹینک' بم' میزائل اور جوہری بم وغیرہ ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ بہت قوی' بے حد غالب ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اس کے رسولوں کی یا اس کے دین کی مدد کرے اور جو مسلمان اس کے رسولوں کی اور اس کے دین کی مدد کرتے ہیں' دراصل وہ اخروی اجر کے حصول کے لیے خود اپنی مدد کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو (اپنا پیغام دے کر) بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ

دیا' پس ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O پھر ہم نے ان کے طریقہ پر اپنے

بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا

اور رسول لگاتار بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی اور ہم نے

فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا

ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی' اور رہبانیت کو انہوں نے از خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

کیا تھا' مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا) پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کا

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا

حق تھا' پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O اے ایمان والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ

اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے اس رسول پر (ہمیشہ) ایمان رکھو' اللہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے

رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایسا نور بنا دے گا جس میں تم چلو گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى

بہت معاف فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت

ثَنْیءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

نہیں رکھتے' اور بے شک فضل' اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا

يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾

فرماتا ہے' اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو (اپنا پیغام دے کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا' پس ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O پھر ہم نے ان کے طریقہ پر اپنے اور رسول لگاتار بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی اور رہبانیت کو انہوں نے ازخود ایجاد کیا' ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا' مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا) پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کا حق تھا' پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O (الحدید: ۲۷۔۲۶)

نبی' کتاب اور فاسق کے معنی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ہم نے اپنے رسولوں کو قوی دلائل کے ساتھ بھیجا اور مخلوق کو ان کی مدد کرنے کا حکم دیا اور اس آیت میں اس اجمال کی تفصیل فرمائی ہے کہ ہم نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو رسالت (پیغام رسانی) کے ساتھ مشرف فرمایا اور ان کی اولاد میں بھی نبوت اور کتاب کو رکھا' اس کے بعد جو نبی بھی مبعوث ہوا وہ ان کی اولاد میں سے تھا۔

اس آیت میں پہلے نبوت کا ذکر فرمایا ہے پھر کتاب کا ذکر فرمایا ہے اور یہ ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی کا اسلوب ہے' کیونکہ نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ اپنی وحی نازل فرمائے اور اس کو مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لیے بھیجے خواہ اس کو کتاب بھی عطا فرمائے یا نہیں اور رسول اس نبی کو کہتے ہیں جس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو اور رسول کا نبی سے بڑا رتبہ ہے۔

کتاب کا لغوی معنی ہے: جمع کرنا اور کتاب کو کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں متعدد مضامین جمع ہوتے ہیں اور آسمانی کتاب کو بھی کتاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام اور غیب کی خبریں جمع ہوتی ہے۔

اور فرمایا: ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور اکثر فاسق ہیں' ان میں سے ہر ایک کے دو محمل ہیں: حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی اولاد سے یا جن کی طرف ان کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' ان میں سے۔

فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو' عام ازیں کہ اس نے کفر بھی کیا ہو یا نہیں۔

''رہبانیت'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی

الحدید: ۲۷ میں رہبانیت کا لفظ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ اس کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رہب'' کا معنی ہے: ڈرنا اور خوف' اور ''ترہیب'' کا معنی ہے: عبادت کرنا اور ''رہبانیت'' کا معنی ہے: عبادت کے افعال برداشت کرنے میں غلو اور زیادتی کرنا' ''رہبان'' کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۶۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں "رھبانیت" نہیں ہے۔(کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۷۷) "رھبانیت" کی اصل "رھبۃ" ہے' جس کا معنی خوف ہے' نصاریٰ کے راہب دنیا کے اشغال اور اس کی لذتوں کو ترک کردیتے تھے اور ان میں رغبت نہیں کرتے تھے اور اپنے گھر والوں سے الگ رہتے تھے اور مشقتوں کو برداشت کرتے تھے' حتیٰ کہ ان میں سے بعض خود کو خصی کر لیتے تھے اور اپنے گلوں میں زنجیریں ڈال لیتے تھے' اس کے علاوہ خود کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کرتے تھے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام سے رہبانیت کی نفی کی اور مسلمانوں کو رہبانیت کے اختیار کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاد کو لازم رکھو کیونکہ وہ اسلام کی رہبانیت ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۸۲ طبع قدیم' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۰۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۴۹' مسند احمد ج ۱۸ ص ۲۹۸' طبع جدید)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے رہبانیت ہوتی ہے اور اس امت کی رہبانیت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۶ طبع قدیم' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۰۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۲۲۷' مسند احمد ج ۲۱ ص ۳۱۷ طبع جدید)

آپ کی مراد یہ تھی کہ ہر چند کہ راہبوں نے دنیا کو ترک کردیا ہے اور اس سے بے رغبتی کی ہے' لیکن اللہ کی راہ میں اپنی جان خرچ کرنے سے بڑھ کر کوئی ترکِ دنیا اور دنیا سے بے رغبتی نہیں ہے اور جیسا کہ نصاریٰ کے نزدیک سب سے افضل عمل رہبانیت ہے' اسی طرح اسلام میں سب سے افضل عمل جہاد ہے' اسی لیے حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام اُمور کا سردار اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱)(النہایہ ج ۲ ص ۲۵۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

"ترھب" کے معنی ہیں: عبادت کرنا۔ ایک قول ہے: اپنے گرجا میں عبادت کرنا' قرآن مجید میں ہے: "وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا" (الحدید: ۲۷) ابواسحاق نے کہا: اس کے دو معنی ہیں: (۱) رہبانیت کو انہوں نے ایجاد کرلیا' ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا اور اس کا معنی ہے: ہم نے صرف اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اس کو ان پر فرض کیا تھا اور اللہ کی رضا کو طلب کرنا اس کے احکام پر عمل کرنا ہے (۲) تفسیر میں آیا ہے کہ ان کے بادشاہ ان کو ایسے کاموں کا حکم دیتے جن پر وہ صبر نہیں کرسکتے تھے' پھر انہوں نے سرنگیں اور گرجے بنا لیے اور انہوں نے نفلی طور پر ترکِ دنیا کو لازم کرلیا' پھر ان پر اس کو پورا کرنا لازم ہوگیا جیسے کوئی شخص اپنے اوپر نفلی روزہ کی نذر مان لے جو اس پر فرض نہ ہو تو اب پر لازم ہے کہ وہ اس روزے کو پورا کرے۔

(لسان العرب ج ۶ ص ۴۴۰' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۲۰۰۲ء)

مذاہب اربعہ کے مفسرین کا اختراع رہبانیت سے بدعت حسنہ کے جواز پر استدلال

امام رازی شافعی کی تفسیر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

رہبانیت سے مراد یہ ہے کہ وہ دین میں فتنوں سے بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے

لگے اور انہوں نے زیادہ مشقت والی عبادتیں اختیار کیں' جو ان پر واجب ہو گئیں' وہ تنہائی میں رہتے تھے' موٹا لباس پہنتے تھے' عورتوں سے دور رہتے تھے اور غاروں میں عبادت کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد علیہما السلام کے ایام فترت میں بادشاہوں نے ''تورات'' اور ''انجیل'' کو بدل ڈالا' تو ایک قوم نے زمین میں سفر کیا اور موٹے کپڑے پہنے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن مسعود! کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل میں ستر فرقے ہوئے اور تین فرقوں کے سوا سب دوزخی ہیں؟ ایک فرقہ وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت میں ان کے دشمنوں سے قتال کیا' حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا گیا' دوسرا فرقہ وہ ہے جس کو قتال کرنے کی طاقت نہ تھی' انہوں نے نیکی کا حکم دیا اور بُرائی سے روکا' اور تیسرا فرقہ وہ ہے جس کو ان دونوں کاموں کی طاقت نہ تھی' انہوں نے موٹا لباس پہنا اور جنگلوں اور صحراؤں میں نکل گئے' ان ہی کے متعلق اس آیت میں ذکر ہے: اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی اور رہبانیت کو انہوں نے از خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ بدعت اختیار کی اور اس طریقہ کو ایجاد کیا' اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کا ارادہ نہیں کیا' بلکہ مراد یہ ہے کہ اس رہبانیت کو انہوں نے اپنی طرف سے اختیار کیا اور اس کی نذر مانی' اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا (یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی بدعت کو نکالنے کی مذمت نہیں کی بلکہ اس بدعت کو پورا نہ کرنے کی مذمت کی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

اس کے بعد فرمایا: ماسوا اللہ کی رضا کی طلب کے' اس استثناء میں دو قول ہیں' ایک یہ کہ یہ استثناء منقطع ہے' یعنی لیکن انہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اس بدعت کو اختیار کیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ استثناء متصل ہے اور اس کا معنی ہے: ہم نے رہبانیت کے ساتھ اور کسی وجہ سے عبادت نہیں کی صرف اللہ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے رہبانیت کے ساتھ عبادت کی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۷۴۔۴۷۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی تفسیر

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور جو شخص کسی بدعت حسنہ کو نکالے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر ہمیشہ برقرار رہے اور اس بدعت کی ضد کی طرف عدول نہ کرے ورنہ وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہو جائے گا۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم نے تراویح کی بدعت نکالی ہے' تم پر تراویح فرض نہیں کی گئی تھی' تم پر صرف روزے فرض کیے گئے تھے' اب جب کہ تم نے یہ بدعت اختیار کر لی ہے تو اس پر دوام کرو اور اس کو ترک نہ کرو' کیونکہ بنی اسرائیل نے کئی بدعتیں نکالیں' جن کو اللہ نے ان پر فرض نہیں کیا تھا اور انہوں نے صرف اللہ کی رضا کی طلب کے لیے یہ بدعتیں نکالی تھیں' پھر انہوں نے ان بدعتوں کی اس طرح رعایت نہیں کی جس طرح ان کی رعایت کرنے کا حق تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان بدعات کے ترک کرنے پر ان کی مذمت کی اور فرمایا: اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا' ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا)' پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہیں کی جو رعایت کا حق تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۳۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی کی تفسیر

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ''ہم نے رہبانیت کو ان پر فرض نہیں کیا تھا'' اس کے دو معنی ہیں:

(۱) جب یہ لوگ نفلی طور پر رہبانیت میں داخل ہوئے تو ہم نے ان پر رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے۔ حسن بصری نے کہا: انہوں نے نفلی طور پر اس بدعت کو اختیار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اس بدعت رہبانیت کو فرض کر دیا۔ الزجاج نے کہا: جب انہوں نے اس کو نفلاً اپنے اوپر لازم کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا کرنا ان پر لازم کر دیا' جیسے کوئی شخص نفلاً روزہ رکھ لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس روزے کو پورا کرے۔ قاضی ابو یعلیٰ نے کہا: کسی بدعت کو اختیار کرنا قول سے بھی ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کسی نفلی عبادت کی نذر مان کر اس کو اپنے اوپر واجب کر لے اور کسی بدعت کو فعل سے بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ وہ اس نفلی عبادت کو کرے اور اس آیت کا عموم دونوں قسموں کو شامل ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی عبادت کی اپنے قول یا فعل سے بدعت نکالے اس پر اس کی رعایت کرنا اور اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

(۲) اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو صرف اس کام کا مکلف کیا ہے جس سے اللہ عزوجل راضی ہو۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۱۷۷۔۱۷۶' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ ھ)

علامہ سمرقندی کی تفسیر

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے اور مومنوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس پر کسی ایسے کام کو واجب کر لیا جو اس پر پہلے واجب نہیں تھا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کام کو کرے اور اس کو ترک نہ کرے ورنہ وہ فاسق کہلائے گا اور بعض صحابہ نے یہ کہا کہ تم پر تراویح کو پورا کرنا لازم ہے' کیونکہ یہ پہلے تم پر واجب نہیں تھی' تم نے خود اس کو اپنے اوپر واجب کیا ہے' اگر تم نے اس کو ترک کیا تو تم فاسق ہو جاؤ گے' پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی۔

(بحر العلوم ج ۳ ص ۳۳۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ ھ)

علامہ رومی حنفی کی تفسیر

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھی ہدایت (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور بدترین امور محدثات (نئے نکالے ہوئے کام) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۴۳۸' دار الفکر' بیروت)

صاحب ''جامع الاصول'' (علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ) نے کہا: محدثات الامور' وہ ہیں جو کتاب' سنت اور اجماع سے ثابت نہ ہوں' اللہ تعالیٰ کے ابتداع کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف لاتا ہے' جب کہ وہ چیز پہلے موجود نہیں ہوتی' اسی کو تکوین اور تخلیق بھی کہتے ہیں اور مخلوق جو ابتداع (بدعت کا ارتکاب) کرتی ہے' اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہو تو وہ مذموم اور منکر ہے اور اگر وہ ان احکام کے تحت داخل ہو جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحب قرار دیا ہے تو وہ بدعت مستحبہ ہے' خواہ اس کی مثال پہلے موجود نہ ہو اور یہ افعال محمودہ سے ہے کیونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نیک طریقہ ایجاد کیا' اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) اور اس کی ضد کے متعلق فرمایا: جس نے بُرا طریقہ ایجاد کیا اس کو اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا' اور یہ اس وقت ہے جب وہ طریقہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہو اور اس کی تائید حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے' جو انہوں نے تراویح کے متعلق فرمایا تھا:

نعمت البدعة هذه. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰) یہ بہت اچھی بدعت ہے۔

جب کہ تراویح نیک افعال سے ہے تو اس کو اچھی بدعت فرمایا۔ (جامع الاصول ج ۱ ص ۲۰۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محی الدین نووی متوفی ۶۷۶ھ نے ''شرح صحیح مسلم'' میں لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) واجبہ (۲) مستحبہ (۳) مکروہہ (۴) محرمہ (۵) اور مباحہ' بدعت واجبہ جیسے متکلمین کے دلائل اور ان کا ملحدین اور مبتدعین پر رد' اور مستحبہ جیسے علم کی کتابوں کی تصنیف اور دینی مدارس اور سرائے وغیرہ کو بنانا' بدعت مباحہ جیسے طرح طرح کے کھانے اور حرام اور مکروہ ظاہر ہیں۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۴۶۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ)

(جیسے ماتم کرنا' پیروں کو دھونے کے بجائے ان کا مسح کرنا اور نماز میں عمامہ کو لازم قرار دینا' سعیدی غفرلہٗ) پس جس حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گم راہی ہے' یہ عام مخصوص البعض ہے' اس کا معنی ہے: ہر بدعت سیئہ گم راہی ہے اور بدعت حسنہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (حاشیۃ ابن التجید علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۷۷۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ مطلقاً بدعت مذموم ہے' بلکہ مذمت اس بات کی فرمائی ہے کہ انہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے ایک بدعت کو اختیار کیا اور پھر اس کی رعایت نہیں کی۔ علامہ نووی نے ''شرح صحیح مسلم'' میں یہ کہا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (علامہ آلوسی نے ان ہی اقسام کا ذکر کیا ہے جن کو ہم علامہ مصلح الدین کی عبارت میں ابھی ذکر کر چکے ہیں)۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: صاحب ''جامع الاصول'' المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے کہا۔۔۔ (اس کے بعد علامہ آلوسی نے ''جامع الاصول'' ج ۱ ص ۲۰۲ کی عبارت نقل کی ہے جس کو ہم ابھی علامہ مصلح الدین حنفی کی عبارت میں ذکر کر چکے ہیں)۔ (روح المعانی جزء ۲۷ ص ۲۹۵۔ ۲۹۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی کی تفسیر

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

جس طرح تراویح ابتداء میں واجب نہیں تھی' پھر بعد میں مسلمانوں نے اس کو پڑھنا شروع کر دیا تو اب تراویح شروع کرنے کے بعد ان پر لازم ہوگئی' اسی طرح صلاۃ رغائب ہے' اور شب برأت کے نوافل ہیں' یہ نوافل بھی تراویح کے ساتھ ملحق ہیں کیونکہ تراویح کی طرح یہ بھی رات کو پڑھے جاتے ہیں۔ بعض کبار نے کہا ہے کہ تمام وہ نئے نیک کام جن کو بہ طور عبادت ایجاد کیا گیا ہے' وہ سب اس شریعت میں داخل ہیں جن کو رسل کرام لے کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی مذمت نہیں کی بلکہ مذمت اس بات کی کی ہے کہ بعد کے لوگوں نے اس کی رعایت نہیں کی اور ان کے ایجاد کیے ہوئے اس فعل پر بدعت کا اطلاق فرمایا' اس کے برخلاف ہماری امت نے جس نئے کام کو بہ طور عبادت ایجاد کیا' اس پر سنت کا اطلاق فرمایا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من سن فی الاسلام سنة حسنة''۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) جس نے اسلام میں نیک سنت

(طریقہ) کو ایجاد کیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسلام میں نیک طریقہ نکالنے کی اجازت دی ہے اور اس کا نام سنت رکھا ہے اور اس طریقہ کے نکالنے والے اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کو اجر کی بشارت ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ العلماء اور العارفون نے جو تمام ایسی نئی عبادات نکالی ہیں جن کا شریعت میں صراحۃً امر نہیں ہے' وہ بدعت نہیں ہیں' سوا اس کے کہ وہ صریح سنت کے خلاف ہوں' پس اگر وہ نکالی ہوئی نئی عبادات صریح سنت کے خلاف نہیں ہیں تو وہ محمود ہیں' جیسے سر منڈانا' پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا' کم کھانے اور کم سونے سے ریاضت کرنا اور مخصوص ہیئت کے ساتھ ذکر کرنا یا ذکر بالجہر کرنا اور اس طرح کے اور اوصاف' جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو حکم نہیں دیا' کیونکہ یہ مخصوص سالکین کا طریقہ ہے۔ (روح البیان ج ۹ ص ۴۵۴۔ ۴۵۳ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

"وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا" (الحدید: ۲۷) کی تفسیر میں سید مودودی کی جمہور مفسرین اور احادیث کثیرہ کی مخالفت

ہم اس سے پہلے مذاہب اربعہ کے مفسرین کے حوالہ سے یہ لکھ چکے ہیں کہ ایام فترت میں ایک قوم نے بادشاہ کے مظالم سے بھاگ کر محض اللہ کی رضا کی طلب کے لیے رہبانیت کی بدعت نکالی اور اللہ تعالیٰ نے اس بدعت نکالنے پر ان کی مذمت نہیں کی بلکہ ان کے بعد کے لوگوں نے اس بدعت کی جو کما حقہٗ رعایت نہیں کی اس پر ان کی مذمت کی۔ تمام مفسرین نے اسی طرح لکھا ہے' اس کے برخلاف سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ لکھا ہے کہ ان کا رہبانیت کی بدعت کو نکالنا بھی مذموم تھا اور اللہ تعالیٰ نے رہبانیت نکالنے پر بھی ان کی مذمت کی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: اصل الفاظ ہیں: "الا ابتغاء رضوان الله"۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہم نے ان پر اس رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا بلکہ جو چیز ان پر فرض کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے کی کوشش کریں' اور دوسرا مطلب یہ کہ یہ رہبانیت ہماری فرض کی ہوئی نہ تھی' بلکہ اللہ کی خوش نودی کی طلب میں انہوں نے اسے خود اپنے اوپر فرض کر لیا تھا۔ دونوں صورتوں میں یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے اور یہ کبھی دینِ حق میں شامل نہیں رہی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۳۲۴' ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۲ء)

اگلے صفحہ پر سید مودودی لکھتے ہیں:

یعنی وہ دوہری غلطی میں مبتلا ہو گئے' ایک یہ کہ اپنے اوپر وہ پابندیاں عائد کیں جن کا اللہ نے کوئی حکم نہ دیا تھا اور دوسری غلطی یہ کہ جن پابندیوں کو اپنے نزدیک وہ اللہ کی خوش نودی کا ذریعہ سمجھ کر خود اپنے اوپر عائد کیے بیٹھے تھے ان کا حق ادا نہ کیا اور وہ حرکتیں کیں جن سے اللہ کی خوش نودی کے بجائے الٹا اس کا غضب مول لے بیٹھے۔

(تفہیم القرآن ج ۵ ص ۳۲۵' ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۲ء)

اس عبارت میں سید مودودی نے کہا ہے کہ اس قوم نے رہبانیت کی بدعت جو نکالی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی بدعت نکالنے کی مذمت نہیں کی بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی مذمت کی ہے' باقی ہماری شریعت میں رہبانیت نہیں ہے' جیسا کہ ہم نے اس بحث کے شروع میں متعدد احادیث اور آثار سے واضح کیا ہے۔

سید مودودی کی تفسیر کے رد میں مفتی شفیع کی تفسیر سے تائید

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ حافظ ابن کثیر کے حوالے سے (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۴۷) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں سے اصل رہبانیت اختیار کرنے والے جنہوں نے رہبانیت کے لوازم کی رعایت کی اور مصائب پر صبر کیا وہ بھی نجات یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح کی رہبانیت ابتداءً اختیار کرنے والوں نے اختیار کی تھی' وہ اپنی ذات سے مذموم اور بُری چیز نہ تھی' البتہ وہ کوئی حکم شرعی بھی نہیں تھا' ان لوگوں نے اپنی مرضی وخوشی سے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا' بُرائی اور مذمت کا پہلو یہاں سے شروع ہوا کہ اس التزام کے بعد بعض لوگوں نے اس کو نبھایا نہیں اور چونکہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی زیادہ ہو گئی تھی' اس لیے ''لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ'' یعنی اکثریت کے عمل کو کُل کی طرف منسوب کر دینا عرف عام ہے' اس قاعدہ کے موافق قرآن نے عام بنی اسرائیل کی طرف یہ منسوب کیا کہ انہوں نے جس رہبانیت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اس کو نبھایا نہیں اور اس کی شرائط کی رعایت نہیں کی' اسی کو فرمایا: ''فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا'' (الحدید: ۲۷)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس رہبانیت کے متعلق جو قرآن نے فرمایا: ''اِبْتَدَعُوْهَا'' یعنی اس کو انہوں نے ایجاد کر لیا' اس میں لفظ ''ابتداع'' جو بدعت سے مشتق ہے وہ اس جگہ اپنے لغوی معنی یعنی اختراع وایجاد کے لیے بولا گیا ہے' شریعت کی اصطلاحی بدعت مراد نہیں ہے' جس کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے: ''کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔

قرآن کریم کے نسق ونظم میں غور کریں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سب سے پہلے تو اس جملے پر نظر ڈالیے: ''وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً'' (الحدید: ۲۷) جس میں حق تعالیٰ نے اپنی نعمت کے اظہار کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں میں رأفت' رحمت' رہبانیت پیدا کر دی' نسق کلام بتلاتا ہے کہ جس طرح رأفت ورحمت مذموم نہیں' اسی طرح ان کی اختیار کردہ رہبانیت بھی اپنی ذات سے کوئی مذموم چیز نہ تھی' ورنہ مقام امتنان میں رأفت ورحمت کے ساتھ رہبانیت کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' اسی لیے جن حضرات نے مطلقاً رہبانیت کو مذموم وممنوع قرار دیا ان کو اس جگہ رہبانیت کے عطف میں غیر ضروری تاویل کرنا پڑی کہ اس کو رأفت ورحمت پر عطف نہیں مانا بلکہ ایک مستقل جملہ یہاں محذوف قرار دیا' یعنی ''اِبْتَدَعُوْا'' (کما فعلہ القرطبی رحمہ اللہ) لیکن مذکورہ تفسیر پر اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی' آگے بھی قرآن کریم نے ان کے اس ابتداع پر کوئی نکیر اور رد نہیں فرمایا' بلکہ نکیر اس پر کی گئی ہے کہ انہوں اس اختیار کردہ رہبانیت کو نبھایا نہیں' اس کے حقوق وشرائط کی رعایت نہیں کی' یہ بھی جب ہی ہو سکتا ہے کہ ابتداع کو لغوی معنی میں لیا جائے' شرعی اور اصطلاحی معنی ہوتے تو قرآن خود اس پر بھی نکیر کرتا' کیونکہ بدعت اصطلاحی خود ایک گمراہی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے اور بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ ترہب اختیار کرنے والی جماعت کو نجات یافتہ جماعتوں میں شمار فرمایا' اگر یہ بدعتِ اصطلاحی کے مجرم ہوتے تو نجات یافتہ شمار نہ ہوتے بلکہ گم راہوں میں شمار کیے جاتے۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۳۲۹-۳۲۸' ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابن مسعود کی روایت کے کتب تفسیر اور کتب حدیث سے حوالہ جات

حافظ ابن کثیر کی ذکر کردہ جس روایت سے ان راہبوں کا نجات یافتہ ہونا معلوم ہوتا ہے' وہ روایت یہ ہے:

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم سے پہلے لوگ اکہتر فرقوں میں بٹ گئے' ان میں سے تین فرقوں نے نجات پائی' باقی ہلاک ہو گئے۔ ان تین میں سے ایک فرقہ بادشاہوں کے سامنے ڈٹ گیا اور ان سے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے دین کی حمایت میں قتال کیا' پس بادشاہوں نے ان کو شہید کر دیا' دوسرے فرقہ میں قتال کرنے کی طاقت نہ تھی' انہوں نے بادشاہوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

دین کی تبلیغ کی' بادشاہوں نے ان کو بھی شہید کر دیا اور ان کو آروں سے چیر ڈالا اور تیسرا فرقہ جس کو بادشاہوں سے قتال کرنے کی قوت تھی نہ ان کے سامنے تبلیغ کرنے کی طاقت تھی' وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گئے اور رہبانیت اختیار کی' جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ انہوں نے یہ رہبانیت صرف اللہ کی رضا کے لیے اختیار کی تھی' ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا' پھر انہوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' آپ نے فرمایا: ان راہبوں کے بعد کے لوگوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی تھی' پس ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر عطا کیا اور ان میں سے اکثر فاسق تھے۔

(جامع لبیان رقم الحدیث: ۲۶۰۸۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۸۳۴' معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۴۷' روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۹۴' الدر المنثور ج ۸ ص ۶۳ _ ۶۲' کتب تفسیر کے علاوہ یہ روایت ان کتب حدیث میں ہے: المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۴' المعجم لاوسط رقم احدیث: ۴۴۷۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۳۱ _ ۱۰۳۵۷' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۰ قدیم' رقم الحدیث: ۳۷۹۰ جدید' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۹۰۶۵' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۶۱ _ ۲۶۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۸ ص ۱۳۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۷۵۱۹' کنز العمال رقم احدیث: ۴۳۵۲۵' سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۲۸)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر ان تمام کتب تفسیر اور کتب حدیث کے خلاف ہے۔

بدعت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الابداع'' کا معنی ہے: کسی چیز کو ابتداءً کسی مثال کے بغیر بنانا اور جب اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس کا معنی ہے کسی چیز کو بغیر آلہ' بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے بنانا' اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' قرآن مجید میں ہے:

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ (البقرہ: ۱۱۷) آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر کسی نمونہ کے بنانے والا۔

اور مذہب میں بدعت کا معنی ہے: کسی شخص کا ایسا قول جس میں اس نے صاحبِ شریعت کی اتباع کی ہو نہ متقدمین کی نہ اصولِ شریعہ کی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا: ہر نیا کام (یا نیا قول) بدعت ہے اور ہر بدعت گم راہی ہے اور ہر گم راہی دوزخ میں ہے۔

(سنن نسائی رقم احدیث: ۱۵۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵)(المفردات ج ۱ ص ۴۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ' جو کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہو' وہ مذموم اور ممنوع ہے اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی پہلے مثل موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام' بہ شرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نیک کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے' آپ نے فرمایا: جس شخص نے کسی سنت حسنہ (نیک طریقہ) کو ایجاد کیا تو اس کو بھی اس کا اجر ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کو ملے گا اور اس کی ضد میں فرمایا: اور جس نے کسی بُرے طریقہ کو ایجاد کیا تو اس کو بھی اس کا گناہ ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اس کو گناہ ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) اور یہ اس صورت میں ہوگا جب وہ کام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو۔ (النہایہ ج ۱ ص ۱۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:
بدعت کا معنی ہے: حدث' نیا کام' دین کے مکمل ہونے کے بعد اس میں کوئی نئی چیز نکالی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے متعلق فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰) اس کے بعد علامہ ابن منظور نے علامہ ابن اثیر جزری کی مذکور الصدر پوری عبارت نقل کی ہے' اس کے بعد لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا: ''نعمت البدعۃ ھذہ'' یہ بھی اسی قبیل سے ہے' کیونکہ جب تراویح اچھے کاموں سے ہے تو وہ مدح کے تحت داخل ہے' اس لیے حضرت عمر نے اس کا نام بدعت رکھا اور اس کی مدح کی' اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے تراویح کا طریقہ مقرر نہیں فرمایا تھا' آپ نے صرف چند راتیں تراویح پڑھی' پھر اس کو ترک کر دیا تھا' اس کی حفاظت نہیں کی اور نہ اس کے لیے لوگوں کو جمع کیا تھا اور نہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی' صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے لوگوں کو جمع کیا اور اس کی ترغیب دی اور اس وجہ سے انہوں نے اس کا نام بدعت رکھا اور حقیقت میں یہ سنت ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری سنت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس ان لوگوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں' ابوبکر اور عمر کی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۷' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۲)
اسی طرح جس حدیث میں ہے: ہر نیا کام بدعت ہے' اس کا بھی محمل یہ ہے کہ جو نیا کام اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو وہ بدعت ہے' اور اکثر بدعت کا استعمال مذمت میں ہوتا ہے۔
(لسان العرب ج ۲ ص ۳۰۷' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)
علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ ھ نے بدعت کے معنی میں من وعن علامہ ابن منظور کی عبارت نقل کر دی ہے۔
(تاج العروس ج ۵ ص ۲۷۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت)
علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی متوفی ۹۸۶ ھ نے بدعت کے معنی میں پہلے علامہ ابن اثیر اور علامہ ابن منظور کی عبارات کا خلاصہ لکھا ہے' جس حدیث میں ہے: ہر بدعت گمراہی ہے' اس سے اس بدعت کو خاص کر لیا ہے جو واجب ہے' جیسے متکلمین کے دلائل اور جو بدعت مستحب ہے جیسے علم کی کتابوں کو تصنیف کرنا' مدارس بنانا اور تراویح پڑھنا اور وہ بدعت جو مباح ہے' جیسے کھانے پینے کی اشیاء میں وسعت۔ (مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۶۱۔۱۶۰' مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ ھ)

وہ فقہاء اسلام جن کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں' بدعت حسنہ و بدعت سیئہ

علامہ ابی الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:
جو کام سنت کے خلاف ہو وہ بدعت ضلالہ ہے اور جو کام سنت کے موافق ہو وہ بدعت ھدی ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۱۴۷' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ ھ)
علامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر اندلسی متوفی ۴۶۳ ھ لکھتے ہیں:
بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر وہ کام کسی مستحسن شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے' اور اگر وہ کام کسی مستقبح شرعی کے تحت درج ہو تو پھر وہ بدعت مستقبحہ ہے۔ (الاستذکار ج ۵ ص ۱۴۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۳ ھ)
علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:
بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ جس کام کی کسی اصل شرعی کے بغیر ابتداء کی گئی ہے۔

(المفہم ج ۲ ص ۵۰۸ 'دار ابن کثیر' بیروت '۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمد بن بہادر زرکشی متوفی ۷۹۴ھ لکھتے ہیں:

جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ کیا گیا ہو وہ بدعت ہے اور بدعت کی دو قسمیں ہیں: خیر اور شر' اور مذموم وہ بدعت ہے جو کسی امر شرعی کو رد کرے یا اس کی نفی کرے۔

(التنقیح علی الجامع الصحیح مع کشف المشکل ج ۳ ص ۵۳ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت '۲۰۰۴ء)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر وہ کسی مستحسن شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ کسی مستقبح شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت مستقبحہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۷۸ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت '۱۴۲۱ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمان سخاوی شافعی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت حسنہ ہے۔ (القول البدیع ص ۲۸۰ 'مکتبۃ المؤید' الطائف)

علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد الانصاری الشافعی المتوفی ۹۲۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کو اس لیے بدعت فرمایا کہ اس کے لیے جماعت کا اہتمام مسنون نہیں تھا اور یہ بات گزر چکی ہے کہ بدعت کبھی مستحب بھی ہوتی ہے اور جس حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گم راہی ہے' وہ عام مخصوص البعض ہے' کیونکہ تراویح کی جماعت بدعت ہے اور گم راہی نہیں ہے' اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ترغیب دی ہے۔ (تحفۃ الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۴۸-۵۴۹ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت '۱۴۲۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا: جو کام کتاب' سنت' اثر یا اجماع کے خلاف ہو وہ بدعت ضلالہ ہے اور جو نیا اور نیک کام ان میں سے کسی کے خلاف نہ ہو وہ مذموم نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کے متعلق فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۳۶۸ 'مکتبہ حقانیہ' پشاور)

وہ فقہاءِ اسلام جن کے نزدیک بدعت کی پانچ قسمیں ہیں

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

بدعت کا شرعی معنی یہ ہے کہ وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہ ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: حسنہ اور قبیحہ (سیئہ)۔ شیخ امام ابو محمد عبد العزیز بن عبد السلام رحمہ اللہ و رضی اللہ عنہ جو تمام علوم میں ماہر اور فائق ہیں اور جن کی جلالت اور امامت پر تمام کا اتفاق ہے' انہوں نے ''کتاب القواعد'' کے آخر میں فرمایا: بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں: واجب' حرام' مستحب' مکروہ اور مباح۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے' اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہو تو واجب ہے اور اگر قواعد تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعد استحباب کے تحت داخل ہو تو مستحب ہے اور اگر کراہیت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا' جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے' یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن اور حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے: قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کے لیے علم لغت کا حاصل کرنا'

تیسری مثال ہے: دین کے قواعد اور اصولِ فقہ کو مرتب کرنا' چوتھی مثال ہے: سند حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تا کہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعد شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ' جبریہ' مرجئہ اور مجسمہ کے نظریات (آج کل پرویزی' چکڑالوی' بہائی' مرزائی' رافضی' اسماعیلی وغیرہ کے نظریات' سعیدی غفرلہٗ) اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: سرائے اور مدارس بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہدِ رسالت میں نہیں تھا' (تمام رمضان میں) جماعتِ تراویح' تصوف کی دقیق ابحاث' بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کے لیے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعاتِ مکروہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب و زینت (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) مصحف قرآن کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) بدعاتِ مباح کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر (کی نماز) کے بعد مصافحہ کرنا' کھانے پینے' پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت کو اختیار کرنا' سبز چادریں اوڑھنا' کھلی آستینوں کی قمیص پہننا' ان اُمور میں اختلاف ہے' بعض علماء نے ان اُمور کو بدعاتِ مکروہ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں ''اعوذ باللہ'' اور ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنے میں سنت ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے۔

یہاں تک امام عبدالعزیز بن عبدالسلام کا کلام ہے' اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں: امام بیہقی نے ''مناقب شافعی'' میں اپنی سند کے ساتھ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدعات کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو کتاب' سنت' اثر یا اجماع کے خلاف ہو' یہ بدعت سیئہ ہے' دوسری قسم وہ نئے کام ہیں جن میں خیر ہو' ان میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے اور یہ بدعت غیر مذموم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں جماعت قائم کرا کر فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے' یعنی یہ وہ کام ہے جو پہلے نہیں تھا کیونکہ یہ شریعت کے خلاف نہیں ہے' یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کی مکمل عبارت ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۳۔ ۲۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے ''کتاب القواعد'' کے آخر میں لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) بدعت واجبہ جیسے قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لیے علم نحو میں مشغول ہونا (۲) بدعتِ محرمہ جیسے جبریہ' قدریہ اور مرجئہ کے مذاہب اور ان کا رد کرنا بدعتِ واجبہ ہے (۳) بدعتِ مستحبہ' جیسے سرائے اور دینی مدارس بنانا اور ہر وہ نیک کام جو عہدِ رسالت میں نہیں تھا' جیسے تراویح کی جماعت اور وعظ اور علمی مسائل کے لیے مجالس کو منعقد کرنا (۴) بدعتِ مکروہہ جیسے (دکھاوے کے لیے) مساجد کو مزین کرنا اور مصاحف کو مزین کرنا (۵) بدعت مباحہ جیسے صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا اور انواع و اقسام کے لذیذ کھانے اور مشروبات۔ (شرح الطیبی ج ۱ ص ۲۹۶' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

جس حدیث میں ہے: ہر بدعت گمراہی ہے' وہ عام مخصوص البعض ہے اور بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ' مستحبہ' مباحہ' مکروہہ اور محرمہ' پھر ان کی وہی تعریفیں کی ہیں جو علامہ طیبی نے کی ہیں۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۲۳۵۔ ۲۳۴' مکمل اکمال الاکمال ج ۳ ص ۲۳۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بدعت اصل میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور شریعت میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جو سنت کے مقابل ہو پس بدعت مذموم ہوتی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ نیا کام اگر اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں مستحسن ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ نیا کام اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں قبیح ہے تو وہ بدعت قبیحہ ہے ورنہ وہ مباح کی قسم سے ہے اور بدعت پانچ احکام کی طرف منقسم ہوتی ہے۔(فتح الباری ج ۴ ص ۴۸۲ ' دارالفکر بیروت '۱۴۲۰ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی التوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ ' مستحبہ ' محرمہ ' مکروہہ ' مباحہ اور جس حدیث میں ہے: ہر بدعت گمراہی ہے ' وہ عام مخصوص البعض ہے۔(ارشاد الساری ج ۴ ص ۶۵۶ ' دارالفکر بیروت '۱۴۲۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: ہر بدعت گم راہی ہے۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷) علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا: یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے اور اس سے مراد غالب بدعات ہیں۔ علماء نے کہا: بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ ' مستحبہ ' محرمہ ' مکروہہ اور مباحہ۔(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۴۶۸)(الدیباج ج ۱ ص ۴۳۳ ' ادارۃ القرآن ' کراچی '۱۴۱۲ھ)

علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

بدعت پانچ احکام کی طرف منقسم ہوتی ہے: وجوب ' استحباب ' اباحت ' کراہت اور تحریم ' پھر ہر ایک کی مثالیں دی ہیں۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۲۰۳ ' داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

بدعت کا لغوی معنی ہے وہ نیا کام جس کی پہلے مثال نہ ہو اور اس کا شرعی معنی ہے وہ کام جو سنت کے خلاف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہ ہو اور یہ پانچ احکام کی طرف منقسم ہوتی ہے۔

(شرح الزرقانی علی الموطأ امام مالک ج ۱ ص ۳۶۱ ' داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ ' مستحبہ ' مباحہ ' مکروہہ اور محرمہ ' پھر ہر ایک کی مثالیں دی ہیں اور بدعت محرمہ کی یہ تعریف کی ہے:

ہر وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ حق کے خلاف ہو ' خواہ وہ علم (اعتقاد) ہو یا عمل ہو یا حال ہو اور اس کی بنیاد کسی قسم کے شبہ یا استحسان پر ہو اور اس کو دین قویم اور صراط مستقیم بنا لیا جائے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۶ ' داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۹ھ)

بدعت کی تقسیم کے متعلق علماء دیوبند کی تصریحات

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی مذکور الصدر پانچ قسمیں لکھی ہیں۔

(فتح الملہم ج ۲ ص ۴۰۶ ' مکتبۃ الحجاز کراچی)

شیخ محمد زکریا بن محمد بن یحییٰ الکاندھلوی متوفی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے کہا ہے: بدعت اصل میں اس نئے کام کے کرنے کو کہتے ہیں ' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو ' اور اس کی دو قسمیں ہیں: اگر وہ کام کسی مستحسن شرعی کے تحت درج ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ کام کسی مستقبح شرعی کے

تحت درج ہوتو وہ بدعت مستقبحہ ہے۔(اوجز المسالک ج ۲ ص ۳۸۲ 'دارالکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۲۰ھ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ لکھتے ہیں' بدعت کی حسب ذیل قسمیں ہیں:

واجبہ' محرمہ' مستحبہ' مباحہ اور مکروہہ اور ہر ایک کی مفصل مثالیں لکھی ہیں۔(التعلیق الصبیح ج ۱ ص ۱۱۵' مکتبہ عثمانیہ لاہور)

بدعت کی تقسیم کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کی تصریحات

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی التوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

دین میں بدعت نکالنا اگرچہ اصل میں مذموم ہے' جیسا کہ کتاب اور سنت کی اس پر دلالت ہے' اور اس میں بدعاتِ قولیہ اور فعلیہ برابر ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طریق عموم فرمایا: ہر بدعت گمراہی ہے۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۰) اور اس حدیث کے عموم پر عمل کرنا واجب ہے' اور جس نے بدعت کی دو قسمیں کی ہیں' حسن اور قبیح اس نے خطا کی ہے' جیسا کہ فقہاء' متکلمین اور صوفیاء نے کیا ہے اور ہر وہ طریقہ جو نص نبوت کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے۔

اور جس کام کا نام بدعت حسنہ رکھا گیا ہے اور اس کا حسن دلائل شرعیہ سے ثابت ہے تو اس کے لیے دو چیزوں میں سے ایک لازم ہے۔

(۱) یا تو یہ کہا جائے گا کہ وہ کام دین میں بدعت نہیں ہے' اگرچہ اس کو لغت کے اعتبار سے بدعت کہا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نعمت البدعة هذه''۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰)

(۲) یا یہ کہا جائے کہ یہ حدیث: ہر بدعت گمراہی ہے' اس کا حکم عام ہے' مگر اس سے بعض بدعات خاص کر لی گئی ہیں کیونکہ اس عموم کا معارض راجح ہے اور جیسا کہ کتاب اور سنت کے اور عموماتِ تخصیص کے بعد اپنے عموم پر باقی رہتے ہیں' اسی طرح یہ حکم عام بھی ہے۔(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱۰ ص ۲۱۵۔۲۱۴' دارالجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ بدعات سیئہ کا ذکر کرتے ہیں:

اسی معنی کی وجہ سے شطرنج اور جوئے کی دیگر اقسام مکروہ ہیں کیونکہ یہ آپس میں عداوت اور بغض پیدا کرتی ہیں۔ اسی طرح غنا ہے کیونکہ یہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور زنا کی طرف ابھارتا ہے اور قلب کو علم نافع اور عمل صالح سے روکتا ہے اور برائیوں کی دعوت دیتا ہے اور نیکیوں سے منع کرتا ہے۔

اسی طرح بدعاتِ اعتقادیہ اور عملیہ ہوتی ہیں' جو کلمات طیبہ اور اعمالِ صالحہ سے روکتی ہیں اور وہ حق کے ترک کو متضمن ہوتی ہیں اور ان میں اعتقاد اور عمل کا فساد ہوتا ہے۔(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۰ ص ۱۰۷' دارالجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ بدعتِ حسنہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

جو علماء بدعت کی حسنہ اور سیئہ کی طرف تقسیم کے قائل ہیں' ان کے نزدیک بدعت حسنہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ جن اہل علم کی اقتداء کی جاتی ہے انہوں نے اس کو مستحب قرار دیا ہو اور اس کے استحباب پر دلیل شرعی قائم ہو۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۷ ص ۸۷' دارالجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی مزید مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ کام جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا (تراویح کی جماعت) یہ سنت ہے' لیکن انہوں نے کہا: ''نعمت البدعة هذه'' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰) یہ اچھی بدعت ہے کیونکہ یہ لغت کے اعتبار سے بدعت ہے اور صحابہ نے وہ کام کیا جس کو وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہیں کرتے تھے یعنی اس کی مثل کے لیے مجتمع ہونا اور یہ شریعت میں سنت ہے۔
اسی طرح یہود اور نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکالنا اور یہ حجاز یمن اور یمامہ ہے اور ہر وہ شہر جس پر فارس اور روم نہیں پہنچا وہ جزیرۂ عرب ہے اور شہروں میں سے ایک شہر ہے جیسے کوفہ اور بصرہ اور قرآن کو مصحف واحد میں جمع کرنا اور وظائف مقرر کرنا اور جمعہ کے دن پہلی اذان دینا' اور عید کے دن شہر سے باہر نماز پڑھانے کے لیے امام مقرر کرنا اور اس قسم کے اور بہت کام جن کو خلفاء راشدین نے سنت قرار دیا' کیونکہ ان کاموں کو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے سنت بنایا' لہٰذا یہ تمام کام سنت ہیں' اگرچہ لغت کے اعتبار سے ان کاموں کو بدعت کہا جاتا ہے۔
رہا بہ آواز بلند نیت کرنا اور اس کو بار بار دہرانا تو وہ بدعت سیئہ ہے اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ مستحب نہیں ہے کیونکہ یہ وہ کام ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے نہ خلفاء راشدین نے۔
(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۲ ص ۱۴۲' دارالجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

علامہ اسماعیل حقی اور شیخ ابن تیمیہ کے مؤقف کا تجزیہ

علامہ اسماعیل حقی حنفی اور شیخ ابن تیمیہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وہ بدعتِ حسنہ پر سنت کا اطلاق کرتے ہیں اور اس کو بدعت حسنہ نہیں کہتے' لیکن دونوں کی وجہ الگ الگ ہے۔ علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ''۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷) جو شخص اسلام میں نیک اور اچھی سنت نکالے' پس جو شخص اسلام میں کوئی نئی اور نیک عبادت نکالے' اس کو آپ نے سنت فرمایا ہے بدعت نہیں فرمایا' اس لیے بدعتِ حسنہ درحقیقت سنت ہے۔ اور شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں: دین میں جو نئے کام نکالے گئے جیسے تراویح کی جماعت' قرآن کو مصحف واحد میں جمع کرنا اور جمعہ کے دن پہلی اذان دینا اور اس جیسے اور بہت کام' یہ سب کام اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے ہی کیے گئے ہیں' اس لیے یہ سب کام بدعتِ حسنہ نہیں بلکہ سنت ہی ہیں۔

بدعت کی تقسیم کے متعلق علماء غیر مقلدین کی تصریحات

مشہور غیر مقلد عالم محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نعمت البدعۃ''۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۰) حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے ''فتح الباری'' (ج ۴ ص ۲۸۷' دارالفکر' بیروت) میں کہا: بدعت اصل میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی پہلی کوئی مثال نہ ہو اور شریعت میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جو سنت کے مقابل ہو' پس بدعت مذموم ہوتی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ نیا کام اگر اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں مستحسن ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ نیا کام اس اصول کے تحت درج ہو جو شریعت میں قبیح ہے تو وہ بدعت قبیحہ ہے ورنہ وہ مباح کی قسم سے ہے اور بدعت پانچ احکام کی طرف منقسم ہوتی ہے۔
(نیل الاوطار ج ۴ ص ۳۱۲' دارالوفاء' ۱۴۲۱ھ)

ایک اور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:
بدعت لغویہ کی یہ قسمیں ہیں: مباحۃ' مکروھۃ' حسنۃ اور سیئہ۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۶ طبع قدیم' میور پریس' دہلی' ۱۳۲۵ھ)
شیخ ابوالحسن عبید اللہ بن محمد عبد السلام مبارک پوری لکھتے ہیں:
بدعت ضلالہ سے مراد وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اور جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو جو اس پر دلالت کرے وہ بدعت لغوی ہے اور سلف صالحین کے کلام میں جس بدعت کو حسن کہا گیا ہے' اس سے مراد یہی بدعت ہے' جیسے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے متعلق کہا: یہ اچھی بدعت ہے۔(مرعاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۶۴ 'مکتبۃ الرحمان سلفیہ سرگودھا' طبع ثانی)

رہبانیت کی رعایت نہ کرنے والوں کے مصادیق

الحدید: ۲۷ کے آخر میں فرمایا: پھر انہوں نے اس (رہبانیت) کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کرنے کا حق تھا' پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا اور ان میں سے اکثر فاسق ہیںO

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صحت اور صواب کے سب سے زیادہ قریب قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' یہ ان لوگوں میں سے بعض ہیں جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا اور آیت کا یہ حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ رہبانیت کی بدعت نکالنے والوں میں سے بعض وہ بھی تھے' جنہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت کی تھی اور اگر ان میں سے ایسے لوگ نہ ہوتے تو وہ اس اجر کے مستحق نہ ہوتے جس کا اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے اور جن لوگوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان ہی لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے بعد کے لوگوں میں سے ہوں۔(جامع البیان جز ۲۷ ص ۳۱۲ 'دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی اور انہوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی اور اس کے ساتھ انہوں نے تثلیث اور اتحاد کو ملا دیا اور ان میں سے بعض لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم رہے حتیٰ کہ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پالیا' پھر وہ آپ پر ایمان لے آئے اور ان ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا۔

(۲) ہم نے ان پر رہبانیت کو صرف اس لیے فرض کیا تھا کہ وہ اس کے وسیلہ سے اللہ کی رضا کو حاصل کریں' پھر انہوں نے یہ افعال' دنیا کی طلب اور ریاکاری کے طور پر کیے۔

(۳) پھر جب ہم نے ان پر رہبانیت کو فرض کر دیا تو انہوں نے اس کو ترک کر دیا سو ان کی مذمت اس فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔

(۴) جن لوگوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' یہ وہ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور آپ پر ایمان نہیں لائے اور جن کے متعلق فرمایا: پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جن کے متعلق فرمایا ہے: اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو آپ پر ایمان نہیں لائے' اس پر دلیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور میری اتباع کی' اس نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت کی اور جو لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائے سو وہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۶۴۴ 'مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۳)

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے صالحین نے رہبانیت کی بدعت نکالی اور وہ اس بدعت پر قائم رہتے ہوئے گزر گئے' پھر ان کے بعد ایک اور قوم جس نے محض زبانی ان کی اقتداء کی اور عمل میں ان کی اتباع نہیں کی اور انہوں نے

رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی۔ عطاء نے کہا: انہوں نے الحواریون کی طرح رہبانیت کی رعایت نہیں کی' پھر فرمایا: اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں' اس کا معنی ہے: بعض لوگوں نے اس کی رعایت کی اور ان میں سے اکثر لوگوں نے فسق (نافرمانی) کو ظاہر کیا اور رہبانیت کے طریقہ کو ظاہراً اور باطناً ترک کر دیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۷۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ الحسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی ان صالحین نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی' پھر بعد میں آنے والے لوگوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی اور جن لوگوں نے اللہ کی رضا کے لیے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی' ان کے متعلق فرمایا: پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور انہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی' ان کے متعلق فرمایا: اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان صالحین میں سے بہت کم باقی بچے تھے' حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص اپنے گرجا سے نکلتا اور آپ پر ایمان لے آتا اور ایک سیاح اپنی سیاحت سے واپس آتا اور آپ پر ایمان لے آتا۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا: رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہ کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہیں جنہوں نے رہبانیت میں تقصیر کی اور جو کچھ انہوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا اس میں کوتاہی کی اور دوسری قسم وہ ہے اور وہی عمدہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک رہے اور آپ پر ایمان نہیں لائے' پس وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترک کرنے والے تھے' سو انہوں نے اس رہبانیت کی کماحقہ رعایت نہیں کی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا' اور یہ ایمان لانے والے وہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک رہبانیت پر رہے اور آپ پر ایمان لائے اور فرمایا: اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کا زمانہ پایا اور آپ پر ایمان نہیں لائے۔

اور اس آیت کی یہ تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے کہ کماحقہٗ رہبانیت کی رعایت کرنے والے وہ ہیں جو رہبانیت کے منسوخ ہونے سے پہلے اس پر عمل کرتے تھے اور رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہ کرنے والے وہ ہیں جنہوں نے اس میں تثلیث' اللہ اور حضرت عیسیٰ کے اتحاد کے قول اور ریاکاری کو ملا دیا تھا۔ نیز یہ تفسیر حضرت ابن مسعود کی اس روایت کے بھی خلاف ہے جس کو امام طبرانی' امام حاکم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۹۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صحیح بات یہ ہے کہ جن صالحین نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی' انہوں نے اس کی کماحقہٗ رعایت کی اور ان ہی کی اللہ تعالیٰ نے تحسین فرمائی ہے اور ان کو اجر عطا فرمانے کا ذکر کیا ہے' پھر بعد کے زمانہ میں رہبانیت میں بگاڑ شروع ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اس میں کافی بگاڑ ہو چکا تھا اور اسی رہبانیت کی آپ نے مذمت فرمائی ہے اور اس کا رد فرمایا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی جانوں پر سختی نہ کرو' ورنہ تم پر بھی سختی کی جائے گی' کیونکہ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی' یہ ان کے باقی ماندہ گرجے اور معابد ہیں' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: ''وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ'' (الحدید: ۲۷)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے اس رسول پر (ہمیشہ) ایمان رکھو' اللہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایسا نور بنا دے گا' جس میں تم چلو گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا

اور اللہ بہت معاف فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہےO تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت نہیں رکھتے' اور بے شک فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے' اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہےO

(الحدید: ۲۹۔۲۸)

اہل کتاب میں سے جو شخص ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا' اس کو دو اجر ملنے کی تحقیق

الحدید: ۲۸ کے حسب ذیل محامل ہیں:

اے وہ لوگو! جو (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) عیسیٰ پر ایمان لائے ہو! اللہ سے (ہمیشہ) ڈرتے رہو' اور اس کے رسول (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ' اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تم کو دو حصے عطا فرمائے گا' ایک اجر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور ایک اجر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا' اس آیت کی مثل یہ آیات ہیں:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَO وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَO اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَO (القصص: ۵۴۔۵۲)

وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عطا فرمائی تھی' سو وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیںO اور جب اس کتاب کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں (تو) وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان لا چکے ہیں' یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے' ہم تو پہلے ہی اس کو ماننے والے تھےO یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر پر دو مرتبہ اجر دیا جائے گا' یہ نیکی سے بدی کو دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیںO

ان لوگوں کو دو اجر اس لیے ملیں گے کہ یہ اپنے پہلے نبی (حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام) پر بھی ایمان لائے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے' حدیث میں ہے:

ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین (قسم کے) آدمیوں کے دو اجر ہیں: ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا' اور دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے اور تیسرا وہ شخص جس کی ایک باندی ہو وہ اس کی اچھی تربیت کرے اور اس کو اچھی طرح علم پڑھائے' پھر اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۷۳۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی المتوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو لوگ گزشتہ رسولوں پر ایمان لا چکے تھے خواہ ان کے ادیان منسوخ ہو چکے ہوں' جب وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو اسلام کو قبول کرنے کی برکت سے ان سب کو دو اجر دیئے جائیں گے' کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب علماء یہود میں سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اسلام لائے تھے اور یہ آیت تمام اہل کتاب کے حق میں عام ہے۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۸ ص ۴۸۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ . جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کو اس نیکی کی دس مثلیں ملیں گی۔ (الانعام: ۱۶۰)

اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ عام مؤمنین کو ان کی نیکیوں کا دس گنا اجر ملے گا اور مؤمنین اہل کتاب میں سے جو اسلام کو قبول کریں گے ان کو ان کی نیکیوں پر بیس گنا اجر ملے گا' اسی طرح اس غلام کو بھی بیس گنا اجر ملے گا جو اللہ کا حق بھی ادا کرے گا اور اپنے مالک کا بھی۔

آیا دو اجر صحیح مومن اہل کتاب کو ملیں گے یا ہر اہل کتاب کو جو اسلام قبول کرے گا؟

اس میں بھی اختلاف ہے کہ دو اجر صحیح مؤمنین اہل کتاب کے ساتھ خاص ہیں یا ان یہود و نصاریٰ کو بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے دین میں بگاڑ پیدا کر لیا تھا اور حضرت عیسیٰ اور عزیر کی پرستش شروع کر دی تھی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے' بعض علماء نے کہا: ان سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اپنے دین پر اسی طرح باقی تھے جس طرح ان کے نبی اس دین کو لے کر آئے تھے اور انہوں نے دین میں کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں کی تھی' سو جو اہل کتاب اسی طرح اس دین پر قائم رہے' حتیٰ کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے' پھر وہ آپ کے اوپر بھی ایمان لائے تو ان کو دو اجر ملیں گے اور جنہوں نے اس دین میں تبدیلی اور تحریف کر دی ان کے لیے اس دین پر قائم رہنے کا کوئی اجر نہیں ہے' پھر جب وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو ان کو صرف آپ کی نبوت اور آپ کے دین پر ایمان لانے کا اجر ملے گا۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت عام اہل کتاب کے متعلق ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان کو دو اجر عطا کرنے کا سبب ہو' ایک مرتبہ ان کے ان نیک اعمال پر جو انہوں نے اس دین میں کیے ہیں' خواہ انہوں نے دین میں تبدیلی اور تحریف کر دی ہو' کیونکہ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اسلام لانے کے بعد کفار کے نیک اعمال مقبول ہوتے ہیں' اسی طرح ان کو ایک اجر اپنے گزشتہ ایمان پر ملے گا اور ایک اجر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا ملے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۷۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

''شرح ابن التین'' میں مذکور ہے کہ یہ آیت (القصص: ۵۲) حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ وہ اہل کتاب جن کو دو اجر دیئے جائیں گے' یہ وہ ہیں جو اپنے عقیدہ اور افعال میں مسلسل حق پر قائم رہے حتیٰ کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو ان کو پہلے حق کی اتباع کرنے پر بھی اجر دیا جائے گا اور دوسرے حق کی اتباع کرنے پر بھی اجر دیا جائے گا۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا:

اسلم تسلم یوتك الله اجرك مرتين. تم اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے' تم کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷)

اور ھرقل وہ شخص تھا جو دین کے تبدیل ہونے اور تحریف کے بعد نصرانیت میں داخل ہوا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۸۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ بدر الدین عینی کی دلیل بہت قوی ہے کیونکہ وہ ''صحیح بخاری'' کی حدیث پر مبنی ہے' اس لیے صحیح یہی

ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص بھی اسلام پر ایمان لائے گا' خواہ اس کے دین سابق میں تحریف ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس کو دو اجر ملیں گے۔ ہاں اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسلمان کو جس عبادت پر ایک اجر ملتا ہے اس کو اس پر دو اجر ملیں گے اور جس عبادت پر دس اجر ملتے ہیں اس پر اس کو بیس اجر ملیں گے اور جن پر ستائیس اجر ملتے ہیں اس کو اس پر چوّن اجر ملیں گے اور شب قدر کی عبادت پر اس کو دو ہزار ماہ کی عبادت کا اجر ملے گا' وعلیٰ ہٰذا القیاس اور اس غلام کو بھی اسی طرح دگنا اجر ملے گا جو اپنے مالک کی بھی خدمت کرتا ہے اور اپنے رب کی عبادت بھی کرتا ہے اور اسی طرح اس شخص کو بھی دگنا اجر ملے گا جس نے اپنی باندی کی تعلیم و تربیت کی' پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا' لیکن یہ معنی اس صورت میں ہو گا جب دو اجروں سے مراد دگنا اجر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نیز فرمایا: اور تمہارے لیے ایسا نور بنا دے گا جس میں تم چلو گے۔

اس نور سے مراد حسی نور بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی' اگر حسی نور مراد ہو تو اس کا معنی ہے: آخرت میں پل صراط پر تمہارے لیے روشنی کر دے گا یا قیامت کے دن تمہارے لیے جنت کے راستے کو روشن کر دے گا اور اگر اس سے معنوی نور مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے بیان اور ہدایت مہیا کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد قرآن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دینِ اسلام میں مبلّغ اور قائد بنا دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اہل کتاب میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو دگنا اجر عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے

الحدید: ۲۹ میں فرمایا: تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت نہیں رکھتے' اور بے شک فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے O

امام ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا. ان (اہل کتاب) کو ان کے صبر کی وجہ سے دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ (القصص: ۵۴)

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے سامنے مؤمنین اہل کتاب نے فخر کیا کہ ہم کو دو اجر ملیں اور تم کو ایک اجر ملے گا' پھر اللہ سبحانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ کے اصحاب کے لیے بھی اسی طرح دو اجر کر دیئے جس طرح مؤمنین اہل کتاب کے لیے دو اجر کیے تھے۔ (روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۹۷۔۲۹۶) مطبوعہ ''تفسیر امام ابن ابی حاتم'' میں یہ عبارت نہیں ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں ان اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے جو ایمان لے آئے تھے یا ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے' اور اس آیت کا معنی ہے: اے وہ لوگو! جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ پر ایمان لا چکے ہو' اب حضرت (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ' یعنی ان پر ایمان کو برقرار رکھو اور اس پر ثابت قدم رہو اور اگر ابھی تک ایمان نہیں لائے ہو تو اب ایمان لے آؤ' اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک حصہ تمہیں تمہارے سابق ایمان لانے پر دے گا اور ایک حصہ تمہیں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا دے گا تا کہ ان اہل کتاب کو معلوم ہو جائے جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا جو ان میں سے ایمان لانے والوں کو مل چکا ہے اور وہ اس رحمت کو حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں گے کیونکہ اس رحمت کے حصول کی شرط سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے۔

اور اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' جس میں فرمایا ہے: تین (قسم کے) لوگوں کے لیے دو اجر ہیں' ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا اور دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنا مالک کا بھی حق ادا کرے اور تیسرا وہ شخص جس کی ایک باندی ہو وہ اس کی اچھی تربیت کرے اور اس کو اچھی طرح علم پڑھائے' پھر اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷)

اور نصاریٰ کے اعتبار سے اس آیت پر کوئی اشکال نہیں ہے' کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ان ہی سے خطاب ہے' کیونکہ ملتِ محمدیہ کے ظہور سے پہلے ان کی ملت غیر منسوخ تھی' لہٰذا ان کو اس ملت پر عمل کرنے کا ثواب ملتا رہے گا' حتیٰ کہ ان پر واجب ہو گیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور جب وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ان کو اس کا ثواب بھی دیا گیا اور ان کے لیے دو ثواب اور دو اجر ہو گئے' ہاں! یہودیوں کے اعتبار سے اشکال ہوگا کیونکہ ان کی ملت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت سے منسوخ ہو چکی تھی اور منسوخ شدہ ملت پر عمل کرنے کا ثواب نہیں ہوتا اور اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اسلام لانے کی برکت سے ان کو بھی ملتِ سابقہ پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا' خواہ وہ ملت منسوخ ہو چکی ہو۔

اور بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہودیوں کو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا ثواب ہوگا' خواہ ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہو' کیونکہ ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے' خواہ اس کی شریعت منسوخ ہو چکی ہو یا نہیں۔

اور اب اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہوگا کہ ہم نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو دو اجر عطا کیے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں تاکہ دوسرے اہل کتاب یہ اعتقاد نہ کریں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ کے فضل کے حصول پر قادر نہیں ہیں' اس لیے فرمایا: ''تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت نہیں رکھتے' اور بے شک فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے''۔

آیا مؤمنین اہل کتاب کو ہر نیک عمل کا دگنا اجر دیا جائے گا یا نہیں؟

اہل کتاب میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لیے القصص: ۵۴ میں فرمایا تھا: ''اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا'' ان کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا اور الحدید: ۲۸ میں ان کے لیے فرمایا ہے: ''يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ'' اللہ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے عطا فرمائے گا' ان آیتوں کا کیا مطلب ہے' آیا ان لوگوں کو ان کے ہر نیک عمل پر عام مسلمانوں کی بہ نسبت دگنا اجر دیا جائے گا یا ان کو ایک اجر ان کے پہلے ایمان کا دیا جائے گا اور دوسرا اجر ان کو ان کے دوسرے ایمان کا دیا جائے گا؟ اگر ثانی الذکر معنی ہو تو اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی اور نہ اس میں بہ ظاہر اللہ تعالیٰ کا کوئی خصوصی فضل ہے' جس کا یہاں بہت اہمیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ عام قاعدہ کے مطابق ان کو دو اجر ملے' ایک اجر سابق شریعت پر ایمان لانے کا ملا اور دوسرا اجر بعد میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان لانے کا ملا اور اگر ان دونوں آیتوں کا یہ معنی ہو کہ ان کو ان کے ہر نیک عمل پر عام مسلمانوں کی بہ نسبت دگنا اجر دیا جائے گا تو اس میں ان کی خصوصیت بھی نظر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی فضل بھی دکھائی دیتا ہے' مفسرین اور شارحینِ حدیث کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دو ایمان ہیں' اس لیے ان کو دو اجر ملیں گے' یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے ہر نیک عمل پر ان کو عام مسلمانوں کی بہ نسبت دگنا اجر ملے گا' لیکن میرا ذوق اور میرا رجحان اسی طرف ہے اور حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

پھر ان دو اجروں میں سے ہر ایک کو فی نفسہٖ دگنا کیا جائے گا اور ہر نیکی کا دس گنا اجر دیا جائے گا اور ان کے اجور دگنے

جو گنے کر دیئے جائیں گے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہو اور اپنے مالک کا حق بھی ادا کرتا ہو وہ آزاد شخص سے بہتر ہے اور یہی وہ رائے ہے جس کو ابو عمر بن عبد البر وغیرہ نے پسند کیا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز ''تفسیر امام ابن ابی حاتم'' میں ''کفلین '' (الحدید: ۲۸) کی تفسیر میں مذکور ہے: حضرت ابو موسیٰ نے ''کفلین'' کی تفسیر میں کہا: ضعفین (دو مثل دگنا) اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۴۱ رقم الحدیث: ۱۸۸۳۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''یُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ'' وہ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا' اس کی تفسیر یہ ہے کہ الکفل (ایک حصہ) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تین سو حصے اور پچاس حصے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۴۱ رقم الحدیث: ۱۸۸۳۸ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ ان آیات اور ''صحیح بخاری'' کی حدیث کا ظاہر معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دو اجر عطا فرمائے گا' لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید نہیں ہے کہ ان کو ان کے ہر نیک عمل کا دگنا اجر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

القصص: ۵۴ کی تفسیر میں میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے۔

سورۃ الحدید کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج تیرہ ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۶ دسمبر ۲۰۰۴ء بہ روز اتوار سورۃ الحدید کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۴ دسمبر کو اس کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح بائیس دنوں میں یہ تفسیر مکمل ہوئی۔

رب العلمین! اس تفسیر کو اور اس سے پہلے لکھی ہوئی تفسیر کو قبول فرما اور بشری تقاضے سے جو مجھ سے غلطیاں ہوئیں ان کو معاف فرما اور تا روز قیامت اس تفسیر کو فیض آفریں رکھ اور باقی ماندہ سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل فرما دے اور میری اور میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے تلامذہ اور احباب کی' اس کتاب کے ناشر اور معاونین کی اور قارئین کی اور جمیع مسلمانوں کی مغفرت فرما۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ المجادلۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المجادِلہ ہے''المجادلہ'' کا معنی ہے: بحث اور تکرار کرنے والی عورت اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی' اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا' بے شک اللہ خوب سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے○

یہ خاتون حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھیں' ان کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا (یعنی ان سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)' زمانۂ جاہلیت میں ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا' اب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں' اس وقت تک ظہار کے متعلق کوئی شرعی حکم نازل نہیں ہوا تھا' اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں' تاکہ اس مسئلہ کا حل معلوم کریں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کافی بحث اور تکرار کی' اس لیے ان خاتون کو مجادِلہ کہا گیا اور ان ہی کی مناسبت سے اس سورت کا نام المجادلہ رکھا گیا۔

سورۃ المجادلہ کے متعلق احادیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس کی سماعت تمہاری تمام آوازوں کو محیط ہے' پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۳_۱۸۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۵۷)

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت ہر چیز کو محیط ہے' میں حضرت خولہ بن ثعلبہ کی بات پوری طرح نہیں سن رہی تھی اور ان کی کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: یا رسول اللہ! میرا شوہر میری جوانی کھا گیا اور میرا پیٹ (اس کی اولاد کی کثرت سے) پھیل گیا' لیکن اب جب میں بوڑھی ہو گئی اور مجھ سے اولاد ہونا منقطع ہو گیا تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا' اے اللہ! میں تیری طرف شکایت کرتی ہوں وہ اس طرح کہتی رہیں' حتیٰ کہ حضرت جبریل یہ آیات لے کر

نازل ہوئے: "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ" (المجادلہ:۱)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۴۲ رقم الحدیث: ۱۸۸۴۰ المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۹۱ طبع جدید' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۲۰ رقم الحدیث: ۱۶۱۲)

سورت المجادلہ کا زمانۂ نزول

علامہ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱۵ ص ۴۳۴) اور بعض تفاسیر میں ہے کہ اس کی پہلی دس آیتیں مدنی ہیں اور باقی آیات مکی ہیں۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۸ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۵ ہے' سورۃ المجادلہ سورت المنافقین کے بعد اور سورۃ التحریم سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سورۃ المجادلہ سورۃ الاحزاب کے بعد نازل ہوئی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الاحزاب میں فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ (الاحزاب:۴)

اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو (یہ کہتے ہو کہ ان کی پشت ان کی ماں کی پشت کی مثل ہے) ان کو اللہ نے حقیقت میں تمہاری ماں نہیں بنایا۔

اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ظہار کرنے سے بیوی شوہر کے نکاح سے نہیں نکلتی اور نہ وہ اس کی ماں ہو جاتی ہے' یہ صرف زمانۂ جاہلیت کا مفروضہ تھا' کیونکہ سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ نے ظہار کی وجہ سے تمہاری بیویوں کو تمہاری حقیقی مائیں نہیں بنایا اور ان کو تم پر حرام نہیں کیا' یہ اجمالی حکم ہے اور اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ میں بیان فرمائی ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سورۃ الاحزاب کا ترتیبِ نزول کے اعتبار سے نمبر ۹۰ ہے اور سورۃ المجادلہ کا ترتیبِ نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۰۵ ہے' اور چونکہ غزوۃ الاحزاب شوال پانچ ہجری میں ہوا تھا تو اس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ سورۃ المجادلہ بھی اسی دور میں یا اس کے کچھ ہی عرصہ بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المجادلہ کے مشمولات

☆ اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے' یہ دستور باطل ہے۔

☆ اور اس سورت میں آدابِ مجلس بتائے ہیں کہ مجلس میں ایل پھیل کر نہیں بیٹھنا چاہیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی گنجائش نکالنی چاہیے۔

☆ اور مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عملاً کرنے کی ترغیب دی ہے۔

☆ علماءِ دین کے مرتبہ اور مقام کو واضح کیا ہے اور ان کی مدح فرمائی ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو تو مسلمانوں کو اس سے پہلے کچھ صدقہ دینا چاہیے' بعد میں اس حکم کو اٹھا لیا۔

☆ منافقین کو سرزنش کی ہے جو مسلمانوں کے منصوبے اور ان کے راز کی باتیں کفار کو جا کر بتا دیتے تھے اور پھر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے تھے' لیکن ان کا انجام ذلت اور رسوائی تھا۔

☆ اس سورت کو اس پر ختم کیا ہے کہ مسلمان کفار سے محبت نہ رکھیں اور ان سے مل جل کر نہ رہیں۔

سورۃ المجادلہ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور امداد پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العلمین! مجھے حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۱۴ ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۴ء

سورۃ المجادلہ — آیاتہا ۲۲ — رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ المجادلہ مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بائیس آیات، تین رکوع ہیں

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی

وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے O

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں

اِلَّا اڿ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ

مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں،

اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے O اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں، پھر عمل زوجیت کے

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ

لیے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں، تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز

بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت

مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ

سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا

سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ

کھلانا ہے، یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو، اور یہ اللہ کی

اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ

حدود ہیں' اور کافروں کے لیے درد ناک عذاب ہے O بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت

رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ

رکھتے ہیں وہ اسی طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا کیے گئے تھے' اور بے شک ہم نے واضح

بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

آیات نازل فرمائیں' اور کافروں کے لیے ذلت والا عذاب ہے O جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا'

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

پھر انہیں ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' جن کاموں کو اللہ نے محفوظ فرمالیا ہے اور وہ ان کو بھول چکے ہیں' اور اللہ ہر

شَهِيْدٌ ۝۶ ع

چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی' اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا' بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے O تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں' اور بے شک وہ ضرور بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں' اور بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے O (المجادلہ: ۲۔۱)

المجادلہ:۱' حضرت خولۃ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' ان کا جسم بہت حسین تھا اور ان کے شوہر بہت شہوت اور بہت غصے والے تھے' انہوں نے ان کو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے بلایا' حضرت خولہ نے انکار کیا' انہوں نے کہا: تمہاری پشت مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے' پھر وہ اپنے قول پر نادم ہوئے اور زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار طلاق شمار ہوتا تھا' حضرت اوس نے کہا: میرا گمان ہے کہ تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو' حضرت خولہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ طلاق نہیں ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں' اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سر کی ایک جانب دھو رہی تھیں' حضرت خولہ نے کہا: یارسول اللہ! بے شک میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت نے مجھ سے شادی کی تھی' اس وقت میں جوان' مال دار' خوش حال اور رشتہ داروں والی تھی' حتیٰ کہ جب حضرت اوس نے میرا مال کھالیا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرے رشتہ دار بکھر گئے اور میری عمر زیادہ ہوگئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کر لیا اور اب وہ نادم ہیں' کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ وہ اور میں پھر سے جمع ہو جائیں اور وہ مجھ سے اپنی خواہش پوری کر سکیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ حضرت خولہ نے کہا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ پر

کتاب نازل کی ہے اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا اور وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو' حضرت خولہ نے کہا: پھر میں اللہ سے اپنے فقر و فاقہ اور تنہائی کا ذکر کرتی ہوں' انہوں نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: میرا یہی گمان ہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو' اور تمہارے معاملہ میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا' وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا مدعا عرض کرتی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہی فرماتے رہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو' اس نے کہا: میں اللہ سے اپنے فاقہ اور اپنی پریشان حالی کی شکایت کرتی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' اگر میں یہ بچے حضرت اوس کو دے دوں تو یہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں ان بچوں کو اپنے پاس رکھوں تو یہ بھوکے رہیں گے' پھر حضرت خولہ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگیں: اے اللہ! میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں' اے اللہ! تو اپنے نبی کی زبان پر میری کشادگی کا حکم نازل فرما' اور یہ اسلام میں پہلا ظہار کا واقعہ تھا' پھر حضرت عائشہ کھڑی ہو کر اپنے سر کی دوسری جانب دھونے لگیں' حضرت خولہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے معاملہ میں غور فرمائیں' اللہ مجھے آپ پر فدا کرے' حضرت عائشہ نے کہا: اپنی بات مختصر کرو اور زیادہ بحث نہ کرو' کیا تم دیکھ نہیں رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا' جب آپ پر وحی نازل ہو چکی تو آپ نے اس سے فرمایا: اپنے خاوند کو بلاؤ' جب وہ اس کو بلا لائی تو آپ نے اس کے سامنے "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ" الایات پڑھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت تمام آوازوں کو محیط ہے' بے شک وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہی تھی اور میں گھر کی ایک جانب ان کی کچھ باتیں سن رہی تھی اور بعض باتیں مجھ سے مخفی رہیں۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۹-۳۸' مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۴' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۴۲۷۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۳-۱۸۸' تفسیر عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۱۸' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱)

ظہار کو زمانہ جاہلیت میں سب سے شدید طلاق قرار دیا جاتا تھا کیونکہ اس میں بیوی کی پشت کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دی جاتی تھی اور عربوں میں نکاح اور طلاق کے جو احکام تھے وہ اسلام میں اس وقت تک معتبر رہتے تھے جب تک اسلام میں ان احکام کو منسوخ نہیں کر دیا جاتا تھا اور اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے عرف کے موافق ابتداءً اس کو برقرار رکھا' پھر جب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ سے دوچار ہوئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں بہت بحث اور تکرار کی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی اس رسم کو منسوخ فرما دیا اور ظہار کی مذمت میں المجادلہ: ۲ نازل ہوئی اور اس کے بعد کی آیات میں یہ بتایا کہ جب کوئی شخص ظہار کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو پھر اس کا کیا طریقہ ہے۔

ظہار کی تعریف اور اس کا حکم

المجادلہ: ۲ میں فرمایا: جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں' اور بے شک وہ ضرور بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے O

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۷۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے۔ تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے اور اب اس سے

عمل زوجیت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کو چھونا اور اس کو بوسہ دینا جائز ہے حتیٰ کہ وہ اس ظہار کا کفارہ ادا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے المجادلہ: ۳ میں فرمایا ہے۔

اور ظہار زمانۂ جاہلیت کی طلاق تھی‘ شریعت نے اس کی اصل کو برقرار رکھا اور اس کے حکم کو وقت مقرر کی تحریم کی طرف کفارہ کے ساتھ منتقل کر دیا اور ظہار نکاح کو زائل کرنے والا نہیں ہے‘ اس لیے کہ یہ جھوٹ بولنے اور بُری بات کہنے کا جرم ہے‘ اسی لیے اس کے مناسب یہ سزا ہے کہ ظہار کرنے والے پر اس کی بیوی کے ساتھ جماع کو حرام قرار دیا جائے اور کفارہ ادا کرنے سے یہ حرمت ساقط ہو جائے‘ پھر جب اس سے عمل زوجیت کو حرام کیا گیا تو اس کے دواعی اور محرکات کو بھی حرام کر دیا گیا۔ اس کے برخلاف حائض اور روزہ دار کے ساتھ جماع کے محرکات کو حرام نہیں کیا گیا کیونکہ حیض اور روزہ کا اکثر وقوع ہوتا ہے‘ کیونکہ اگر ان میں عملِ زوجیت کے محرکات کو حرام قرار دیا جاتا تو اس سے حرج لازم آتا‘ اس کے برخلاف ظہار کا اتنا وقوع نہیں ہوتا‘ اس میں عمل زوجیت کے دواعی اور محرکات کو حرام قرار دینے سے حرج لازم نہیں آئے گا۔

(الہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۴۔ ۳۵۳‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۱۶ھ)

ظہار کے الفاظ اور اس کی دیگر تفاصیل

اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسی میری ماں کی پشت ہے۔

اس کو فقہ کی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں‘ ظہار کی تعریف یہ ہے کہ بیوی یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں یا کسی اور محرم کی پشت یا کسی اور عضو سے تشبیہ دینا‘ اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر بیوی سے جماع اور بوس و کنار وغیرہ حرام ہو جاتا ہے جب تک وہ کفارۂ ظہار نہ ادا کرے اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کا پیٹ یا اس کی ران ہے تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے ماں کے علاوہ اپنی بہن یا اپنی پھوپھی یا رضاعی ماں یا کسی اور محرم کی پشت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں سے تشبیہ دی‘ مثلاً اپنی بیوی سے کہا: تمہارا سر میری ماں کی پشت کی طرح ہے‘ یا تمہاری شرم گاہ یا تمہارا چہرہ یا تمہاری گردن‘ یا تمہارا نصف یا تمہارا ثلث میری ماں کی طرح ہے تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے کہا: تم میری ماں کی مثل ہو تو اس کا حکم اس کی نیت پر موقوف ہے‘ اگر اس کی نیت یہ تھی کہ تم میری ماں کی طرح معزز ہو تو طلاق یا ظہار کچھ نہیں ہے اور اگر اس نے کہا: میری نیت ظہار کی تھی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے کہا: میری نیت طلاق کی تھی تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (ہدایہ اولین ص ۴۱۰۔ ۴۰۹‘ ملخصاً و موضحاً‘ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ‘ ملتان)

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں‘ بہن کہنا آیا یہ ظہار یا طلاق ہے یا نہیں؟

میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۵ء تک جامعہ نعیمیہ لاہور میں پڑھاتا رہا ہوں اور استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ کی نگرانی میں افتاء کا کام کرتا رہا ہوں‘ اس وقت میری یہی تحقیق تھی کہ اگر کوئی شخص طلاق کی نیت سے اپنی بیوی کو ماں‘ بہن کہہ دے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور میں اسی کے موافق فتویٰ دیتا رہا‘ لیکن جب میں نے ۱۹۸۶ء میں ’’شرح صحیح مسلم‘‘ لکھنی شروع کی تو بعض متاخرین فقہاء کی عبارات سے میں نے یہ سمجھا کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے‘ چنانچہ ’’شرح مسلم‘‘ ج ۳ ص ۱۰۰۴ اور ’’تبیان القرآن‘‘ ج ۱ ص ۵۰۲ اور ص ۸۵۱ میں یہ مسئلہ اسی طرح لکھا‘ اس کے بعد ’’تبیان القرآن‘‘ کی نویں جلد ص ۳۷۷ میں سورۃ الاحزاب میں جب ظہار کی بحث آئی تو میں نے اس مسئلہ پر ازسرنو غور کیا اور مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ اس صورت میں طلاق نہیں ہوتی جیسا کہ میرا پہلا نظریہ تھا‘ سو میں نے نویں جلد میں اسی کے موافق لکھا اور ’’شرح صحیح مسلم‘‘ ج ۳ ص ۱۰۰۴ اور ’’تبیان القرآن‘‘ ج ۱ ص ۵۰۲ اور ص ۸۵۱ میں اسی کے موافق اصلاح کر دی‘ سو بعد

کے ایڈیشن اسی کے موافق چھپ چکے ہیں' یہ سطور اس لیے لکھ دی ہیں کہ میرے مسلسل مطالعہ کرنے' میرے رجوع کرنے اور اخلاص اور للّٰہیت کی سند رہیں' اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ حق پر قائم رکھے اور نفسانیت اور انانیت کے شر سے محفوظ رکھے۔

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہنے سے طلاق واقع نہ ہونے کے دلائل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: یہ میری بہن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸-۲۲۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰' عالم الکتب)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے بغیر کسی نیت کے اپنی بیوی کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے تو اس کا یہ کہنا طلاق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا ''اے میری بہن!'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور اس کو یہ کہنے سے منع فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۱-۲۲۱۰' بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ قول ظہار نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کراہت اور ممانعت کے اس کا اور کوئی حکم نہیں بیان فرمایا' اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اے بیٹی! کہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۱۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی' بیوی کو میری ماں کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند اس لیے فرمایا کہ یہ واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہے تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

علامہ حسن بن منصور اوزجندی المعروف قاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

ولو قال لا مراته ان فعلت كذا فانت امی ونوی به التحريم فهو باطل لا يلزمه شیء.

(فتاویٰ قاضی خاں علی هامش الهندیہ ج ۱ ص ۵۱۹' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو' تو میری ماں ہے' اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی تو اس کا یہ قول باطل ہے' اور اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا' یعنی اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قاضی خاں کی اس عبارت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے' یا کہا: تو میری ماں کی مثل ہے' اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی' یا ظہار کی نیت کی' یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی وہی حکم لاگو ہوگا اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳ 'دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۹ھ)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

انت امی بلا تشبیه فانه باطل وان نوی. (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۹ھ)

کسی شخص نے اپنی بیوی سے بغیر تشبیہ دیئے کہا: تو میری ماں ہے تو اس کا یہ قول باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

اسی طرح علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ نے لکھا ہے:

اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو اگر اس نے اپنی بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے اس قول سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ ظہار ہوگا یا طلاق کی نیت کی ہے تو یہ طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو پھر اس قول سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

(ملتقی الابحر مع مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۸ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ عبد الرحمٰن بن محمد الکلیوبی الحنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے تشبیہ کو ذکر نہیں کیا (اور بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے) تب بھی یہ کلام لغو ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۸ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت '۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الکلیوبی نے لکھا ہے:

ظہار کی تعریف میں تشبیہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر تشبیہ دیئے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے 'یا بیٹی ہے تو یہ ظہار نہیں ہے 'اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو میری ماں ہے 'اور اس کی بیوی نے وہ کام کر لیا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا 'خواہ اس نے اس قول سے بیوی کے حرام ہونے کی نیت کی ہو۔ (مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بہ حالت غصہ اپنی زوجہ کو ماں بہن کہہ دیا 'مگر نان نفقہ دیتا رہا عورت اس کے نکاح میں رہی یا بہ حکم شرع شریف جاتی رہی؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے: تو میری ماں بہن ہے سخت گناہ و ناجائز ہے 'مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو 'درمختار میں ہے:

او لاینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة ویکره قوله انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوه. (درمختار علی ھامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳ 'دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۹ھ)

اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی 'یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا تو ادنیٰ درجہ کا حکم متعین ہوگا یعنی عزت اور کرامت کا 'اور اس کا اپنی بیوی کو یہ کہنا مکروہ ہے کہ تو میری ماں ہے 'یا یہ کہنا: اے میری بیٹی اور اے میری بہن اور اس کی مثل۔

علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے:

حذف الکاف بان قال انت امی ومن بعض افطن جعله من باب زید اسد منتقی عن القھستانی قلت ویدل علیه ما نذکره عن الفتح من انه لا بد من التصریح من الاداة. اسی میں ہے: انت امی بلا

اگر اس نے تشبیہ کا ذکر نہیں کیا اور بایں طور اپنی بیوی سے کہا تو میری ماں ہے 'بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ یہ قول ایسا ہے جیسے کوئی کہے زید شیر ہے 'میں کہتا ہوں اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم "فتح القدیر" سے نقل کریں گے کہ تشبیہ کے حرف کا ذکر کرنا ضروری

تشبیہ باطل وان نوی.
(ردالمحتارج ۵ ص ۹۸ 'دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہے' نیز علامہ شامی نے کہا: بغیر تشبیہ کے بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے' باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا ماں' بہن کی جگہ ہے' تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہو گیا' اب جب تک کفارہ نہ دے لے' عورت سے جماع کرنا' یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بہ نظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا' یا بہ نگاہ شہوت اس کی شرم گاہ دیکھنا سب حرام ہو گیا اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے' اس کی طاقت نہ ہو تو لگا تار دو مہینہ کے روزے رکھے' اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' اور اگر ان میں کوئی نیت نہ تھی' تو یہ لفظ بھی لغو ومہمل ہوگا' جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا' درمختار میں ہے:

ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی (خانیہ) برا او ظہارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ وان لم ینو شینا او حذف الکاف لغا. (الدرالمختار مع ردالمحتارج ۵ ص ۱۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس نے بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا کہا: تو میری ماں کی مثل ہے اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی' یا ظہار کی نیت کی یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی ہے وہی حکم لاگو ہوگا' اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

''ھندیہ'' میں ''خانیہ'' سے ہے: اگر اس نے اپنے قول سے تحریم کی نیت کی تو اس میں اختلاف ہے' اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب کے نزدیک ظہار ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۳۱۔۶۳۰' مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے ''درمختار'' کی آخری عبارت جو نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ اگر اس نے بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہا تو یہ کلام لغو ہے اور اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ اسی طرح علامہ شامی کی عبارت بھی گذر چکی ہے کہ اگر اس نے بیوی کو خواہ طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے تو یہ قول باطل ہے (ردالمحتارج ۵ ص ۹۸) یعنی اس سے طلاق نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ' فتاویٰ قاضی خاں' الدرالمختار' ردالمحتار' ملتقی الابحر' مجمع الانھر اور فتاویٰ رضویہ کی عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو میری ماں بہن ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی' خواہ اس نے یہ قول طلاق دینے کی نیت سے کہا ہو یا بیوی کو اپنے نفس پر حرام قرار دینے کی نیت سے کہا ہو' اس شخص کا یہ قول واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اس جھوٹ سے توبہ کرے۔ ہم نے اس قدر تفصیل اس لیے کی ہے کہ یہ مسئلہ عامۃ الوقوع ہے' لوگ غصہ میں بیوی کو ماں بہن کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اپنی بیوی سے ظہار کرلیں' پھر عملِ زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں' جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں تو ان پر عملِ زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے' یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عملِ زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگا تار روزے رکھنا ہیں' پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے O (المجادلہ: ۴۔۳)

کفارۂ ظہار کے متعلق احادیث

حضرت خویلہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے ظہار کر لیا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات کی شکایت کرنے کے لیے گئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے تکرار کرتے رہے' اور فرماتے رہے: تم اللہ سے ڈرو' وہ تمہارا عم زاد ہے' میں اسی طرح بحث کرتی رہی' حتیٰ کہ قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا" (المجادلہ: ۴۔۱) تب آپ نے فرمایا: اس سے کہو: وہ ایک غلام کو آزاد کر دے' حضرت خولہ نے کہا: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا' آپ نے فرمایا: پھر وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے' حضرت خولہ نے کہا: وہ بہت بوڑھا ہے روزوں کی طاقت نہیں رکھتا' آپ نے فرمایا: پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے' حضرت خولہ نے کہا: اس کے پاس تو صدقہ کرنے کے لیے بالکل مال نہیں ہے' حضرت خولہ نے کہا: پھر آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا' میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی ایک اور ٹوکرے سے مدد کروں گی' آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا' جاؤ! اس ٹوکرے سے اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ' اور پھر اپنے عم زاد کی طرف لوٹ جاؤ' امام ابوداؤد نے کہا: اس ٹوکرے میں ساٹھ صاع (دو سو چالیس کلوگرام) کھجوریں تھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۴)

امام ابوداؤد نے ایک اور حدیث روایت کی ہے' اس میں حضرت سلمہ بنت صخر رضی اللہ عنہا کا اسی قسم کا واقعہ ہے' انہوں نے بھی کفارۂ ظہار ادا کرنا تھا اور ان کے پاس بھی مال تھا نہ وہ روزوں کی طاقت رکھتی تھیں' آپ نے ان سے فرمایا: بنو زریق سے صدقہ کا مال لے کر ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اوس بن الصامت نے اپنی بیوی حضرت خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے ظہار کیا' انہوں نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی' سو انہوں نے کہا: جب میں بوڑھی ہوگئی اور میری ہڈی کمزور ہوگئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کر لیا' تب اللہ تعالیٰ نے آیت ظہار نازل فرمائی' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس سے کہا: تم ایک غلام آزاد کرو' انہوں نے کہا: میرے پاس اس کی طاقت نہیں' آپ نے فرمایا: پھر تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو' انہوں نے کہا: جس دن میں دو مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری بصارت کمزور ہو جاتی ہے' آپ نے فرمایا: پھر تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ' انہوں نے کہا: میرے پاس اتنا طعام نہیں ہے' البتہ آپ مدد فرمائیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ صاع کے ساتھ ان کی مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ رحیم ہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے (مزید) پندرہ صاع جمع کر دیئے اور یوں ساٹھ مسکینوں کا طعام ہو گیا۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳۱۵ طبع قدیم' رقم الحدیث: ۳۷۹۳ طبع جدید' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

ظہار میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الحنفی المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اور کفارۂ ظہار' ایک غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے' پس اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے کیونکہ کفارہ میں اسی ترتیب سے نص وارد ہے اور یہ کفارے عمل زوجیت سے پہلے ادا کیے جائیں اور یہ غلام آزاد کرنے میں اور روزے رکھنے میں تو ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسی طرح ہے' اور کھانا کھلانے میں بھی اسی طرح ہے' کیونکہ کھانا کھلانے میں جماع سے منع کیا گیا ہے' اس حرمت کی وجہ سے جو ظہار سے ثابت ہے' اس لیے کفارہ کو عمل زوجیت پر مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ عمل زوجیت حلال طریقہ سے ہو۔ (الہدایہ مع البنایہ ج ۵ ص ۷۳۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ظہار کرنے والے کے متعلق اختلاف ہے' کیا وہ کھانا کھلانے سے پہلے جماع کر سکتا ہے؟ پس ہمارے اصحاب (احناف) اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے: اس وقت تک جماع نہ کرے حتیٰ کہ کھانا کھلا دے' جب کہ اس پر کھانا کھلانا فرض ہو اور جو ظہار کرنے والا روزہ رکھنے سے عاجز ہو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک وہ کفارہ نہ دے جماع نہ کرے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۷۔۴۲۶' سہیل اکیڈمی لاہور)

تاہم علامہ المرغینانی الحنفی نے لکھا ہے کہ کھانا کھلانے سے پہلے تو مظاہر جماع نہیں کر سکتا لیکن کھانا کھلانے کے درمیان جماع کر سکتا ہے' وہ لکھتے ہیں:

اگر مظاہر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ رہا ہو اور دو ماہ کے درمیان اس نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو وہ از سر نو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا اور جب دو ماہ کے مسلسل روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلو) گندم یا ایک صاع (چار کلو) کھجور یا ایک صاع جو یا ان کی قیمت ادا کرے گا' اور اگر اس نے ایک مسکین کو ساٹھ دن کھلایا تو اس کے لیے کافی ہوگا اور اگر اس نے ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مسکینوں کا طعام دے دیا تو یہ صرف ایک مسکین کا کفارہ ہوگا اور اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کو یہ کفارہ دہرانا نہیں پڑے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور ساٹھ مسلسل روزوں میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ کفارہ جماع کرنے سے پہلے ادا کریں اور کھانا کھلانے میں یہ قید نہیں لگائی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں اس لیے یہ کفارہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور کھانا کھلانے کے درمیان وہ جماع کر سکتا ہے۔

(ہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۹۔۳۵۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ' المحیط البرہانی ج ۵ ص ۱۹۳۔۱۹۲' ادارۃ القرآن' ۱۴۲۴ھ)

ظہار میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

کھانا کھلانے میں تسلسل ضروری نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تسلسل کی قید نہیں لگائی' پس اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس پر از سر نو کھانا کھلانا واجب نہیں ہوگا۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۸ ص ۶۰۷' دار الفکر' بیروت)

ظہار میں فقہاء مالکیہ کا موقف

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں:

جس شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا' پس ایک ماہ کے روزے رکھے' پھر رات کو اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو وہ از سر نو روزے رکھے گا اور پچھلے روزوں پر بنا نہیں کرے' اسی طرح کھانا کھلانے والے کا حکم ہے' اگر ساٹھ مسکینوں میں سے ایک مسکین بھی رہتا ہو اور وہ اپنی بیوی سے جماع کرلے تو اس کو از سر نو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۳ ص ۸۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے تو آپ نے ان کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ صاف تصریح ہے' خواہ غلام آزاد کرنے کا کفارہ ہو یا روزہ رکھنے کا یا کھانا کھلانے کا اور امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر اس کا کفارہ کھانا کھلانا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ

جماع کرے پھر کھانا کھلائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۵۴ ' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مؤقف صحیح نقل نہیں کیا' امام اعظم کے نزدیک کھانا کھلانے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرنا حلال نہیں ہے' جیسا کہ "ہدایہ" اور "محیط برہانی" کے حوالوں سے گزر چکا ہے' البتہ ان کے نزدیک کھانا کھلانے کے درمیان اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور روزوں کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ جماع کرنے سے پہلے یہ کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے ساتھ کفارہ کو مطلق رکھا ہے' اس کے ساتھ یہ قید نہیں لگائی۔

ظہار میں فقہاء شافعیہ کا مؤقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے پہلے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح غلام آزاد کرنے اور ساٹھ روزے رکھنے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے' کیونکہ یہ تینوں کفارۂ ظہار ہیں اور جب مطلق' مقید کی جنس سے ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جاتا ہے' جیسے شہادت میں ہے' انتہی کلامہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۲) تم اپنوں میں دو نیک آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

اس آیت میں گواہ بنانے کو نیک آدمیوں کے ساتھ مقید کیا ہے اور دوسری آیت میں گواہ بنانے کو مطلق رکھا ہے۔ فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرہ: ۲۸۲) تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔

امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اور محمد بن علی بن محمد شوکانی ظاہری نے کہا: البقرہ: ۲۸۲ میں مطلق گواہوں سے مراد عادل گواہ ہیں' جیسا کہ الطلاق: ۲ میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۵۴' روح المعانی جز ۳ ص ۹۴' فتح القدیر ج ۱ ص ۵۰۸)

علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اور اس لیے کہ جب ایک مقید پر مطلق کو محمول کرنا واجب ہے تو دو مقیدوں پر مطلق کو محمول کرنا بہ طریق اولیٰ واجب ہوگا اور زیادہ مؤکد ہوگا اور کفارۂ ظہار میں یہ قید ہے کہ جماع کرنے سے پہلے غلام آزاد کیا جائے اور دو ماہ کے روزوں کا زمانہ طویل ہے' پھر بھی یہ قید ہے کہ جماع کرنے سے پہلے دو ماہ کے روزے رکھے جائیں' تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے میں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور جب کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا زمانہ ساٹھ روزوں سے بہت کم ہے تو اس میں قید کے اعتبار کرنے کا زیادہ حق ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۱۳ ص ۴۴۷-۴۴۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' تکملہ مجموع شرح المہذب ج ۲۱ ص ۲۸۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

فقہاء شافعیہ کی دلیل کا جواب

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ مطلق مقید کی جنس سے ہو اور دونوں کا تعلق ایک واقعہ سے ہو' جیسے یہاں پر غلام آزاد کرنا اور ساٹھ روزے رکھنا' دونوں اس قید سے مقید ہیں کہ ان سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور اس کے بعد

ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ذکر ہے اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ اس سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور یہ مطلق ہے اور یہ بھی مقید کی جنس سے ہے یعنی کفارۂ ظہار ہے لیکن مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کا حکم بھی ایک ہو جیسا کہ اس صورت میں ہے۔

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا ضابطہ

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ . (المائدہ:۸۹) (پس جو شخص کفارۂ قسم میں غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھے) تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں "ثلاثة ایام" کے بعد "متتابعات" کی بھی قید ہے یعنی تین دن کے مسلسل روزے رکھے اور المائدہ:۸۹ میں مطلقاً تین دن روزے رکھنے کا حکم ہے اور حضرت ابن مسعود کی قراءت میں چونکہ تسلسل کی قید ہے اس لیے اس مطلق کو مقید کیا جائے گا اور یہی امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور یہی مزنی کا مختار ہے انہوں نے کفارۂ قسم کے روزوں کو کفارۂ ظہار کے روزوں پر قیاس کیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قراءت سے استدلال کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۲۱۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب قراءت کرتے تھے: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات" پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھے اور مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں تھا: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات"۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۹۷۵۱۔۹۷۵۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

عطاء اعمش اور طاؤس کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن مسعود کی قراءت اس طرح پہنچی ہے: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات"۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۴۴۳۔ رقم الحدیث: ۱۶۳۸۴۔ ۱۶۳۸۳۔ ۱۶۳۸۲ دار الکتب العلمیہ بیروت جدید ۱۴۲۱ھ)

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُبی قراءت کرتے تھے: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۴۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴۔ ص ۳۳ ادارۃ القرآن کراچی)

حضرت اُبی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما قراءت کرتے تھے: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات"۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۶۰ ملتان معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۷ ص ۳۲۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں: اس صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی چیز کو مطلقاً بھی وجود میں داخل کرنا مطلوب ہو اور اسی چیز کو مقیداً بھی وجود میں داخل کرنا مطلوب ہو کیونکہ کفارہ قسم کے تین روزوں کو بغیر کسی قید کے مطلقاً بھی رکھنے کا حکم ہے اور تسلسل کی قید کے ساتھ بھی رکھنے کا حکم ہے اور یہاں پر ایک ہی واقعہ ہے اور ایک ہی حکم ہے اس لیے یہاں پر مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے قرآن مجید کی قراءت متواترہ میں مطلقاً تین روزے رکھنے کا حکم ہے اور قراءت مشہورہ میں تتابع اور تسلسل کی قید ہے اور قراءت مشہورہ سے قرآن مجید پر زیادتی جائز ہے۔

(فتح القدیر ج ۴ ص ۲۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

ظہار میں غیر مقلدین کا موقف

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور مفسرین نے "ثم یعودون لما قالوا" کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ مظاہر جماع کے لیے لوٹنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ تین کفاروں میں سے کوئی ایک کفارہ دے اور فرقہ ظاہریہ (غیر مقلدین) علماء نے یہ کہا ہے کہ "ثم

یعودون لما قالوا'' کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک بار اپنی بیوی سے یہ کہنے کے بعد کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے دوبارہ یہی بات کہے کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے تو اس پر کفارۂ ظہار واجب ہوگا۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے' اس پر کچھ واجب نہیں ہے' نہ اس کی بیوی سے جماع کرنا اس پر حرام ہے حتیٰ کہ وہ اسی بات کو دوبارہ کہے اور جب وہ دوبارہ اسی بات کو کہے گا تو اس پر کفارۂ ظہار واجب ہو جائے گا۔

(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۱۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ (مشہور غیر مقلد عالم) لکھتے ہیں:

فرقہ ظاہریہ کا یہی مسلک ہے۔ (فتح البیان ج ۷ ص ۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں وہ اس طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا کیے گئے تھے اور بے شک ہم نے واضح آیات نازل فرمائیں اور کافروں کے لیے ذلت والا عذاب ہے O جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا' پھر انہیں ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' جن کاموں کو اللہ نے محفوظ فرمالیا ہے اور وہ ان کو بھول چکے ہیں' اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے O (المجادلہ: ۶-۵)

''یحادون'' کا معنی اور کفار کی دنیا اور آخرت میں رسوائی

المجادلہ: ۵ میں ''یحادون'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''المحادۃ'' ہے اور اس کا معنی ممانعت ہے' اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کو بلا اجازت داخل ہونے سے منع کرتا ہے۔ ابو مسلم اصفہانی نے کہا: ''المحادۃ'' میں حدید کو باب مفاعلہ سے لایا گیا ہے' اس کا معنی ہے: لوہے کے ہتھیاروں سے ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا' خواہ یہ حقیقۃً ہو یا مجازاً ہو یعنی ایک دوسرے سے شدید مناقشت اور مخاصمت رکھنا اور مفسرین نے کہا ہے کہ ''یحادون'' کا معنی ہے: وہ عداوت رکھتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں اور یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے جنگ کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کر کے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روک کر ان کی مخالفت کرتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ سے مخالفت کرنا قرار دیا ہے۔

اور یہ عداوت کرنے والے منافقین ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے اور آپ کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تمام کفار ہوں' سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ خبر دی کہ ان کو اس طرح رسوا کیا جائے گا جس طرح ان سے پہلے رسولوں کے دشمنوں کو رسوا کیا گیا تھا' اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے صدق پر واضح دلائل بیان کر چکا ہے اور قوی معجزات نازل فرما چکا ہے اور ان عداوت رکھنے والے منافقوں اور کافروں کے لیے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی ان کو رسوا کرنے والا سخت عذاب ہوگا۔

المجادلہ: ۶ میں فرمایا: جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا' پھر انہیں ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' جن کاموں کو اللہ نے محفوظ فرمالیا ہے اور وہ ان کو بھول چکے ہیں' اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرنے کے لیے' سب کے سامنے قیامت کے دن ان کے کفر اور فسق کو بیان کرے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام کاموں کو محفوظ کر لیا ہے' ان کے کاموں کی مقدار اور ان کے کفر اور نفاق کی کیفیت کو اور جس جگہ پر اور جس زمانہ میں انہوں نے وہ بُرے اعمال کیے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ہر بات اور ہر ہر کام کو جاننے والا ہے اور کفار اور منافقین اپنے کرتوتوں کو بھول چکے ہیں' کیونکہ وہ ان کاموں کو بہت معمولی اور ناقابل شمار اور نالائق التفات سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

(اے مخاطب!) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے'

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ

تین میں جو بھی سرگوشی ہو' چوتھا اللہ ان کے ساتھ ہے اور

لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ

پانچ میں جو بھی سرگوشی ہو' چھٹا اللہ ان کے ساتھ ہے' خواہ وہ اس سے

لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا

کم ہوں یا زیادہ اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں' پھر قیامت کے دن اللہ ان کو ان کے کیے ہوئے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

کاموں کی خبر دے گا' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ (اے رسولِ مکرم!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا

نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ

جن کو (بری) سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا' پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹے جس سے

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ؗ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ

انہیں منع کیا گیا تھا' اور وہ گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانی کرنے کی سرگوشی کرتے ہیں اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو

يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا

ان الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے اس

نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸ يٰۤاَيُّهَا

قول پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا' ان کے لیے دوزخ کافی ہے وہ اسی میں داخل ہوں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے ○ اے ایمان والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو تم گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور نیکی اور خوفِ خدا کی سرگوشی کرنا' اور اللہ سے ڈرتے رہنا اسی کی طرف تم

الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ

جمع کیے جاؤ گے O سرگوشی تو صرف شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى

کو غمگین کرے' اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان والوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے والا نہیں ہے اور مؤمنوں کو

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ

اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے O اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو

لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا

کشادہ ہو جایا کرو' اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا' اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے

فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

ہو تو کھڑے ہو جایا کرو' اللہ تم میں سے کامل مؤمنوں کے اور علم والوں کے

دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

درجات بلند فرمائے گا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی بے حد خبر رکھنے والا ہے O اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی

نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ

کرنے کا ارادہ کرو' تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو' یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے

خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲ ءَاَشْفَقْتُمْ

پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو غم نہ کرو) بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O کیا تم اپنی

اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ

سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے' پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی' پس تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو'

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' تین میں سے جو کچھ بھی سرگوشی ہو' چوتھا اللہ ان کے ساتھ ہے اور پانچ میں جو کچھ بھی سرگوشی ہو چھٹا اللہ ان کے ساتھ ہے' خواہ وہ اس سے کم ہوں یا زیادہ' اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں' پھر قیامت کے دن اللہ ان کو ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہےO (اے رسول مکرم!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو بُری سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا' پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا' اور وہ گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانی کرنے کی سرگوشی کرتے ہیں' اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو ان الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا' ان کے لیے دوزخ کافی ہے وہ اسی میں داخل ہوں گے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہےO (المجادلہ ۸۔۷)

اللہ تعالیٰ کا سرگوشیوں پر مطلع ہونا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے' یعنی اس کو ہر چیز کا علم ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کو بیان فرمایا ہے کہ اس کو تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کا علم ہے اور وہ تمام لوگوں کی باتیں سنتا ہے اور ان کی پوشیدہ باتوں اور آپس کی سرگوشیوں کو سنتا ہے اور اس کے فرشتے بھی لوگوں کی سرگوشیوں کو لکھتے رہتے ہیں' سو کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۚ﴿۷۸﴾ (التوبہ: ۷۸)

کیا ان کو یہ علم نہیں کہ بے شک اللہ ان کی راز کی باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے اور بے شک اللہ تمام غیبوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہےO

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ (الزخرف: ۸۰)

یا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے' کیوں نہیں! اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیںO

اور فرمایا: تین میں جو کچھ بھی سرگوشی ہو چوتھا اللہ ان کے ساتھ ہے' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کا شخص اور اس کی ذات ان کے ساتھ ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا علم ان کے ساتھ ہے اور وہ ان کو دیکھتا ہے اور ان کی سرگوشیوں کو سنتا ہے' اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے تمام احوال پر مطلع ہے اور اس کا علم ہر چیز اور ہر حال کو محیط ہے' اسی لیے فرمایا: اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں' پھر قیامت کے دن' اللہ ان کو ان کے کیے ہوئے تمام کاموں کی خبر دے گا' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

تین اور پانچ سرگوشیاں کرنے والوں کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں تین سرگوشی کرنے والوں اور پانچ سرگوشی کرنے والوں کا ذکر کیا ہے' دو اور چار سرگوشی کرنے والوں کا ذکر نہیں فرمایا' حالانکہ کم از کم سرگوشی کرنے والے دو ہوتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو طاق عدد محبوب ہے' حدیث میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ وتر یحب الوتر. بے شک اللہ فرد ہے اور فرد کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۰' صحیح مسلم: ۲۶۷۷)

اور کم از کم طاق عدد واحد ہے اور ایک شخص اپنے نفس سے تو سرگوشی کر نہیں سکتا' پس سرگوشی کرنے والوں کا کم از کم طاق عدد تین ہوگا اور اس کے بعد طاق عدد پانچ ہوگا اس وجہ سے تین سرگوشی کرنے والوں اور پانچ سرگوشی کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ جو منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے سرگوشیاں کرتے تھے ان کا عدد تین ہوتا تھا یا پانچ ہوتا تھا' اس وجہ سے تین سرگوشیاں کرنے والوں اور پانچ سرگوشیاں کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔

یہودیوں اور منافقوں کو مسلمانوں کے خلاف سرگوشیوں سے منع فرمانا

المجادلہ: ۸ میں فرمایا: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو بُری سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا پھر وہ اسی کام کی طرف لوٹے۔ الآیۃ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت یہود اور منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ آپس میں سرگوشی کرتے تھے اور مسلمانوں کی طرف دیکھ کر ایک دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارے کرتے تھے' پھر مسلمان کہتے کہ شاید ان کو یہ خبر پہنچ گئی ہے کہ مہاجرین اور انصار میں سے ہمارے بعض بھائی قتل ہو گئے ہیں یا ان پر کوئی مصیبت آئی ہے یا وہ شکست سے دوچار ہو گئے ہیں اور اس سے مسلمانوں کو رنج پہنچتا' جب یہودیوں اور منافقوں نے کئی بار ایسا کیا تو مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ نے یہودیوں اور منافقین کو سرگوشیوں سے منع فرمایا اور جب وہ باز نہیں آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول ص ۴۳۰۔ رقم الحدیث: ۷۹۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک رات ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا: یہ تم کیسی سرگوشیاں کر رہے ہو؟ کیا تم کو سرگوشی کرنے سے منع نہیں کیا گیا' ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں' ہم تو مسیح الدجال کا ذکر کر رہے تھے' اس کے خوف کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جس کا خوف مسیح الدجال سے بھی زیادہ ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ!' آپ نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی وجہ سے (نیک) کام کرے۔
(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰' حافظ ابن کثیر نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۵۵' دار الفکر' بیروت)

یہودیوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کی صورت میں بددعا دینا اور آپ کا جواب

اس کے بعد فرمایا: اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو ان الفاظ کے ساتھ آپ کو سلام کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ آپ کو اللہ نے سلام نہیں بھیجا اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے اس قول کی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ الآیۃ
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے پاس آئے اور

کہنے لگے: السام علیکم (تم پر موت آئے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا اور فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے انہوں نے کیا کہا تھا؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں' یا نبی اللہ! انہوں نے سلام کیا تھا' آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے ایسے ایسے کہا تھا' مجھے بتاؤ! میں نے کیا کہا تھا؟ صحابہ نے بتایا: آپ نے کہا تھا: السام علیکم' آپ نے فرمایا: ہاں! پھر اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل کتاب میں سے کوئی شخص تم کو سلام کرے تو تم کہو: علیک' یعنی تم پر وہی نازل ہو جو تم نے کہا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۱' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے اور کہا: السام علیک یا ابا القاسم!' آپ نے فرمایا: وعلیکم' میں نے کہا: السام علیکم اور اللہ تمہارے ساتھ ایسا ایسا کرے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! اللہ تعالیٰ بدزبانی کو ناپسند فرماتا ہے' میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے دیکھا نہیں' وہ کیا کہہ رہے تھے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتیں کہ میں ان پر وہی جواب لوٹا دیتا ہوں' جو وہ کہتے ہیں' میں کہتا ہوں: وعلیکم' اور تم پر بھی وہی نازل ہو' تب یہ آیت نازل ہوئی: " بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ " (المجادلہ: ۸) یعنی اللہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور یہ کہتے ہیں: السام علیک اور السام کا معنی موت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم کہو: وعلیکم (یعنی تم پر بھی وہی چیز نازل ہو جس کے نزول کی تم نے ہمارے لیے دعا کی۔ خواہ تم نے ہماری موت کی دعا کی ہو یا ہمارے دین پر مصیبت کے نزول کی دعا کی ہو)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۶۔ ۶۲۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۰۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۹۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: السام علیک یا اباالقاسم' پس آپ نے فرمایا: وعلیکم' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غضب ناک ہو کر کہا: کیا آپ نے نہیں سنا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! پس میں نے ان کو وہی جواب دیا ہے جو جواب ہم ان کو دیتے ہیں اور وہ یہ جواب ہم کو نہیں دیتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۶)

اہل ذمہ کو سلام کا جواب دینے میں فقہاء کے مذاہب

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اہل ذمہ کو جواب دینے میں علماء کا اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' شعبی اور قتادہ کا موقف یہ ہے کہ ان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے' کیونکہ آپ نے انہیں جواب دینے کا حکم دیا ہے اور اشہب نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ ان کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے' اگر تم جواب دینا چاہو تو کہو: "وعلیک"۔ اور ابن طاؤس کا مختار یہ ہے کہ تم جواب میں کہو: "علاک السلام" یعنی سلامتی تم پر سے اٹھ گئی ہے۔ اور ہمارے بعض اصحاب کا مختار یہ ہے کہ السِلام (سین کی زیر) کہو' یعنی تم پر پتھر برسیں اور جو امام مالک کا قول ہے وہ اتباع سنت کی وجہ سے زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ یہودیوں نے آ کر کہا: السام علیک یا ابا القاسم! آپ نے فرمایا: وعلیکم۔ حضرت عائشہ نے کہا: تم پر موت ہو اور مذمت ہو' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! بدزبانی کرنے والی نہ بنو' حضرت عائشہ نے کہا: آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں نے ان کے قول کو ان پر لوٹا نہیں دیا؟ میں نے کہا: وعلیکم۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵)

یہودیوں کی گستاخیوں کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ

اس کے بعد فرمایا: اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا' ان کے لیے دوزخ کافی ہے' وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے O

یہودیوں نے کہا: اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو اللہ ہمارے اس قول (السّام علیکم) کی وجہ سے ہمیں ضرور عذاب دیتا' اور اس میں ان کی جہالت ہے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور وہ جانتے تھے کہ کبھی انبیاء علیہم السلام کو غضب میں لایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو غضب میں لانے والوں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل فرمانا اس کی مشیئت اور مصلحت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور جب دنیا میں عذاب نازل نہ کرنا اس کی مشیت اور مصلحت میں نہ ہو تو وہ قیامت اور آخرت میں عذاب نازل فرماتا ہے' جیسا کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ان کے لیے دوزخ کافی ہے اور وہ اسی میں داخل کیے جائیں گے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے۔

اور میرے نزدیک ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو تم گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرنا اور نیکی اور خوفِ خدا کی سرگوشی کرنا' اور اللہ سے ڈرتے رہنا اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے O سرگوشی تو صرف شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو غم گین کرے اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں اور مؤمنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے O اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو' اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا' اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو' اللہ تم میں سے کامل مؤمنوں کے اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا اور اللہ تمہارے کاموں کی بے حد خبر رکھنے والا ہے O (المجادلہ: ۱۱۔۹)

مسلمانوں کو سرگوشی سے منع کرنے کے محمل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس سے پہلی آیت میں یہودیوں کو بُری سرگوشیوں سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں ایمان والوں کو بُری سرگوشیوں سے منع فرمایا ہے' اور اس آیت میں ایمان والوں سے مراد منافقین ہیں یعنی جو صرف زبان سے ایمان لائے ہیں' دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں ایمان والوں سے مراد آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین کو بُری سرگوشیوں سے منع فرمایا تو بالتبع مسلمانوں کو بھی اس سے منع فرمایا کہ کہیں وہ کفار اور منافقین کی روش پر نہ چل پڑیں اور ان کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی مخالفت میں سرگوشیوں سے منع فرمایا اور نیکی' خیر اور خدا ترسی کے کاموں میں سرگوشی کرنے کا حکم دیا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا O (النساء: ۱۱۴) منافقین کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہے' ہاں! جو صدقہ دینے کا حکم دے' یا کسی اور نیکی کا جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے' اور جو مسلمان اللہ کی رضا کے طلب کے لیے یہ کام کریں گے پس عنقریب ہم ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے O

اور جب مسلمان اس طریقہ سے سرگوشی کریں گے تو ان کی سرگوشیوں سے کسی دوسرے مسلمانوں کو ایذا نہیں پہنچے گی' پھر ان کو آخرت سے ڈرایا کہ تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ (تفسیر کبیرج ۱۰ص ۴۹۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر باقیوں کا سرگوشیاں کرنا منع ہے

المجادلہ: ۱۰ میں فرمایا: سرگوشی تو صرف شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تا کہ وہ ایمان والوں کو غم گین کرے اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں اور مؤمنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان منافقین کو اس پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اس طرح سرگوشیاں کیا کریں جس سے مسلمان فکر' تشویش اور غم میں مبتلا ہوں' اس لیے کہ جب مسلمان منافقوں کو ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ یہ گمان کریں گے کہ شاید ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ہمارے بھائی اور رشتہ دار جو جہاد میں گئے ہوئے تھے وہ قتل ہو گئے ہیں یا شکست کھا گئے ہیں اور اس وجہ سے وہ تشویش اور غم میں مبتلا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: ان کی سرگوشیوں سے مسلمانوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا' کیونکہ اللہ کے اذن کے بغیر شیطان کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا' مخلوق کو جو بھی ضرر یا نفع پہنچتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' وہی اپنے علم کے تقاضے اور اپنی مشیّت سے مخلوق کو بیماریوں اور مصائب میں مبتلا کرتا ہے' یا ان کو صحت' شفاء اور راحت عطا کرتا ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کسی قسم کا تردد اور فکر نہ کریں اور اللہ پر بھروسا رکھیں اور جو اللہ پر بھروسا رکھتا ہے وہ مایوس اور نامراد نہیں ہوتا۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ جب تین مسلمان ہوں تو ایسا نہ کریں کہ ایک کو چھوڑ کر دو مسلمان آپس میں سرگوشی کرنا شروع کر دیں' اس سے تیسرا مسلمان اس تشویش میں مبتلا ہو گا کہ شاید یہ میرے خلاف کوئی بات کر رہے ہیں' اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تین آدمیوں میں سے ایک آدمی پشتو یا گجراتی نہیں جانتا اور دو آدمی آپس میں پشتو یا گجراتی میں بات کرنا شروع کر دیں تو اس سے وہ تیسرا شخص خواہ مخواہ اس بدگمانی میں مبتلا ہو گا کہ شاید یہ میرے خلاف یا میرے متعلق کوئی بات کر رہے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کے سامنے دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ص ۵۸۱' مسند احمد ج ۲ص ۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین افراد ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی باہم سرگوشی نہ کریں' حتیٰ کہ تم اس کو تشویش اور غم میں مبتلا کرو' تم لوگوں سے میل جول رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۵' مسند احمد ج ۱ص ۳۷۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۳)

ان احادیث میں عدد کی خصوصیت مراد نہیں ہے' لہٰذا چار آدمیوں میں سے ایک کو چھوڑ کر تین آدمی سرگوشیاں نہ کریں' اسی طرح دس آدمی ایک کو چھوڑ کر آپس میں پشتو یا سندھی میں بات نہ شروع کر دیں' اس لیے جب مجلس میں بہت آدمی ہوں تو اس زبان میں بات کریں جو سب کو آتی ہو اور مجلس میں سے کسی ایک آدمی کے بھی غم اور تشویش میں مبتلا ہونے کا سبب نہ بنیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا' جب منافقین مسلمانوں سے ہٹ کر آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے اور

جب اسلام کا غلبہ ہو گیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا اور بعض علماء نے کہا: یہ حکم سفر کے ساتھ خاص ہے' کیونکہ سفر کے دوران مسلمان اجنبی مقام میں ہوتے ہیں اور وہاں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ جب لوگ اس کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کر رہے ہوں تو وہ مسلمان یہ گمان کر سکتا ہے کہ کہیں وہ اس کو لوٹ کر قتل کرنے کی سازش نہ کر رہے ہوں' لیکن آبادی میں اور اپنے وطن میں یہ خطرہ نہیں ہوتا' لیکن صحیح یہ ہے کہ اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے اور اس کے خلاف کوئی آیت یا حدیثِ مشہور نہیں ہے اور اس کو محض قیاس سے منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

حاضرین بدر کو ان کی فضیلت کی وجہ سے صفِ اوّل میں بٹھانا

المجادلہ:۱۱ میں فرمایا: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو' اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔ الایۃ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کاموں سے منع فرمایا تھا' جو ایک دوسرے سے بغض اور نفرت کا سبب ہیں اور اس آیت میں ان کاموں کا حکم دیا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ الفت اور محبت کا سبب ہیں۔

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر نہ بیٹھو بلکہ کھلے کھلے بیٹھو' تاکہ اگر بعد میں کوئی شخص آئے تو اس کو بھی بیٹھنے کی جگہ مل سکے اور یہ سب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن سکیں اور آپ کی طرف دیکھ سکیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم الصفۃ میں تشریف فرما تھے اور جگہ تنگ تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار میں سے شہداء بدر کی تکریم کرتے تھے' پھر حاضرینِ بدر میں سے کچھ صحابہ آئے اور مجلس میں لوگ پہلے سے آگے بیٹھے ہوئے تھے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں کے پیروں کی جانب کھڑے ہو گئے' وہ اس انتظار میں تھے کہ ان کے لیے کشادگی کر کے بیٹھنے کی جگہ بنائی جائے' لوگوں نے ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں دی تو یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوئی تو آپ کے گرد جو غیر بدری صحابہ تھے' آپ نے ان سے فرمایا: اے فلاں! تم اٹھو' اے فلاں! تم اٹھو' اور آپ نے اتنے غیر بدری صحابہ کو اپنے قریب سے اٹھا دیا جتنے بدری صحابہ آئے تھے' پس جن لوگوں کو اپنی جگہ سے اٹھایا گیا تھا ان کو یہ اٹھانا ناگوار گزرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں سے ناگواری کو بھانپ لیا تو منافقین نے مسلمانوں سے کہا: کیا تمہارا یہ زعم نہیں تھا کہ تمہارے پیغمبر لوگوں کے درمیان عدل اور انصاف کرتے ہیں' پس اللہ کی قسم! انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ عدل اور انصاف نہیں کیا' مسلمان اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے اور وہ اپنے نبی کے قریب بیٹھنا چاہتے تھے' انہوں نے ان مسلمانوں کو ان کی جگہوں سے اٹھا دیا اور جو لوگ دیر سے آئے تھے' ان کو ان کی جگہوں پر بٹھا دیا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو جائے تو کشادہ ہو جایا کرو۔ الایۃ

(اسباب النزول للواحدی ص ۴۳۲۔ رقم الحدیث: ۷۹۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۸۴۶۔ ج ۱۰ ص ۳۳۴۴۔ ۳۳۴۳' معالم التنزیل ج ۵ ص ۴۴' الدرالمنثور ج ۸ ص ۸۷)

امیر اور منتظم مجلس کو چاہیے کہ عام لوگوں کو صف اول سے اٹھا کر اصحابِ فضل کو بٹھائے

ہر چند کہ آدابِ مجلس کا یہی طریقہ ہے کہ جو شخص مجلس میں آ کر پہلے بیٹھ چکا ہو اس کو اس کی جگہ سے نہ اٹھایا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھانے سے منع فرمایا ہے' لیکن مذکور الصدر حدیث سے یہ

معلوم ہوا کہ اصحابِ فضل کے لیے امیر مجلس دوسروں کو ان کی جگہوں سے اٹھا کر اپنے قریب بٹھا سکتا ہے' البتہ اصحاب فضل کو ازخود دوسروں کو ان کی جگہوں سے اٹھا کو خود بیٹھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں میں سے جو بالغ اور عقل مند ہیں ان کو میرے قریب کھڑے ہونا چاہیے' پھر جو ان کے قریب ہوں' پھر جو ان کے قریب ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۷۶' مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۷)

امیر مجلس اور منتظم اعلیٰ کو چاہیے کہ وہ عام لوگوں کو صف اوّل سے اٹھا کر پیچھے بٹھائے اور اصحابِ فضل' علماء اور معزز لوگوں کو اگلی صف میں بٹھائے' اس پر ان احادیث میں دلیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو ان کے مراتب اور مناصب کے مطابق بٹھاؤ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اور اس حاملِ قرآن کی تعظیم کرنا جو قرآن میں غلو نہ کرے اور اس کے احکام پر عمل کرے اور سلطان عادل کی تعظیم کرنا' اللہ کی تعظیم کرنے سے ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل میں حسن ہے

المجادلہ: ۱۱ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل بہ ظاہر عقل یا عدل کے خلاف ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فعل صحیح ہوتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو' کیونکہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اٹھا کر بعد میں آنے والوں کو ان کی جگہ بٹھانا بہ ظاہر معیوب ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا' معلوم ہوا کہ کسی چیز میں فی نفسہٖ حسن ہے نہ قبح ہے' جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر لیں وہ حسین ہے اور جس سے آپ منع فرمادیں وہ قبیح ہے۔ اور اس آیت کے شانِ نزول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں پر نکتہ چینی کرنا یہ منافقوں کا کام ہے۔

اصحابِ فضل کا کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی ممانعت

ہم نے یہ لکھا ہے کہ اصحابِ فضل کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ ازخود کسی کو اگلی صف سے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت میں متعدد ارشاد فرمائے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص مجلس میں سے کسی شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۷)

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ایک شخص کسی کو مجلس سے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے' لیکن دوسروں کے لیے کشادگی اور وسعت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۷' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۸۰۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۸۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۲۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ ہرگز نہ بیٹھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۸' سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آ جائے تو پھر اس جگہ کا وہی زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۸)

اللہ کے کشادگی کرنے کا معنی

نیز اس آیت میں فرمایا: اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمادے گا، یعنی تمہارے لیے قبر میں کشادگی کر دے گا یا تمہارے دلوں میں کشادگی فرمادے گا یا تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں وسعت فرمادے گا۔

نیز فرمایا ہے: اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ جب تم سے جہاد کے لیے کھڑے ہونے کا کہا جائے یا نماز کے لیے یا کسی بھی نیک کام کے لیے کھڑے ہونے کا کہا جائے تو کھڑے ہو جایا کرو۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ تم میں سے کامل مؤمنوں کے اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا۔ الایۃ

یعنی اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عزت و کرامت اور آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا، پس مؤمنوں کا غیر مؤمنوں پر اور علماء کا غیر علماء پر درجہ بلند فرمائے گا۔

علماء کی فضیلت میں آیات اور احادیث

امام بخاری تعلیقاً بیان کرتے ہیں:

علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء نے علم کا وارث بنایا ہے، سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بڑے عظیم حصہ کو حاصل کیا اور جو شخص علم کے راستہ پر گیا، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۶) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ (الفاطر: ۲۸)	اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔
وَمَا یَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ۝ (العنکبوت: ۴۳)	قرآن مجید کی امثال کو صرف علماء سمجھتے ہیں ۝
قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ (الزمر: ۹)	آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم ربانیین بن جاؤ، حلماء (بردبار) اور فقہاء۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب: ۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان کے اوپر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص کسی راستہ پر علم کو طلب کرنے کے لیے چلتا ہے، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پَر رکھتے ہیں اور بے شک عالم کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں مغفرت طلب کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے، جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے اور علماء ہی انبیاء کے وارث

ہیں اور انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے' وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں' سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا' ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے سارے فرشتے اور تمام آسمان اور زمین والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور حتیٰ کہ مچھلی بھی لوگوں کو تعلیم دینے والے پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۵)

اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ہے: رحمت نازل فرمانا اور مخلوق کی صلوٰۃ کا معنی ہے: حصولِ رحمت کی دعا کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن تین (گروہ) شفاعت کریں گے' انبیاء' پھر علماء' پھر شہداء۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو' یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے' پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو تم غم نہ کرو) بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے' پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی' پس تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو' اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O (المجادلہ: ۱۳۔ ۱۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کے حکم کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے یعنی خفیہ طریقہ سے آپ سے سوال کرنے پر جو کچھ صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم کا اظہار ہے' کیونکہ مال خرچ کرنے میں مشقت ہوتی ہے اور جو چیز مشقت سے حاصل ہو' اس کی بہت قدر و منزلت ہوتی ہے' اس کے برخلاف جو چیز آسانی سے حاصل ہو جائے اس کی کوئی خاص قدر نہیں ہوتی اور جب مسلمان مال خرچ کرنے کے بعد آپ سے سرگوشی کرسکیں گے تو اس سرگوشی کی بہت قدر و منزلت ہوگی۔

(۲) اس میں فقراء کی مدد ہے کیونکہ وہ صدقہ فقراء کو دیا جائے گا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

(۳) ابن زید نے کہا کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر ضروری' لایعنی اور عبث سوال کرتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو سوال کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا' تاکہ وہ اس قسم کے سوالات نہ کریں۔

(۴) حسن بصری نے کہا: بعض مسلمان تنہائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرتے تھے' اس سے دوسرے مسلمانوں نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ تنہائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرتے ہیں۔ اس سے ان کو رنج ہو' تب اللہ تعالیٰ نے تنہائی میں سرگوشی کرنے سے پہلے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ تنہائی میں سرگوشی نہ کریں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت سوالات کرنے لگے تھے اور نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کو اس سے مشقت ہوتی تھی کیونکہ آپ نے احکام کی تبلیغ کرنی ہوتی تھی' مصالحِ امت کے کام کرنے ہوتے تھے اور دیگر عبادات کرنی ہوتی تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تخفیف کا ارادہ کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے سوال کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو بہت مسلمان سوالات کرنے سے رک گئے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۶) صدقہ دینے کے حکم سے یہ واضح ہو گیا کہ کون مال دنیا سے محبت کرتا ہے اور کس کو آخرت عزیز ہے۔

(۷) مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ اور مقاتل بن حیان نے بیان کیا کہ دولت مند لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت سوالات کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں فقراء کو آپ سے سوال کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مال داروں کی طویل صحبت اور ان کی بہت سرگوشیوں کو ناپسند کرتے تھے' پس جب اللہ تعالیٰ نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو مال دار مسلمان سوال کرنے سے رک گئے اور فقراء کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے اور آپ کی ہم نشینی کا موقع مل گیا اور خوش حال مسلمانوں میں سے سوائے حضرت علی بن ابی طالب کے اور کسی نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہیں دیا' انہوں نے ایک دینار صدقہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سوالات کیے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۳۴' الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۱)

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن مجید میں ایک آیت ہے' جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا اور وہ یہ آیت ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ" (المجادلہ: ۱۲)۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۲۔۲۶۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنا آیا واجب تھا یا مستحب؟

المجادلہ: ۱۳ میں فرمایا: کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے' پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ الآیۃ

بعض علماء نے کہا: اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا امر اور حکم دیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے' اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ صدقہ کرنا واجب ہے اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہ صدقہ واجب نہیں ہے مستحب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے اور اس قسم کے الفاظ نفلی کام کے لیے آتے ہیں' واجب کے لیے نہیں آتے اور تحقیق یہ ہے کہ صدقہ کرنا شروع میں واجب تھا' بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ کلبی نے کہا: یہ صرف دن کی ایک ساعت میں واجب رہا' پھر اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور مقاتل بن حیان نے کہا: دس دن تک یہ حکم واجب رہا' پھر اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۹۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے امت کو تخفیف حاصل ہونا

علی بن علقمۃ الانماری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ" (المجادلہ: ۱۲) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے لوگ ایک دینار صدقہ کریں گے؟ میں نے کہا: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے' آپ نے فرمایا: نصف دینار؟ میں نے کہا: وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے' آپ نے پوچھا: پھر لوگ کس کی طاقت رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: (کچھ) جَو' آپ نے فرمایا: تم تو بہت زاہد

ہو پھر یہ آیت نازل ہوگئی:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ (المجادلہ: ۱۳) کیا تم اپنی سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے۔

حضرت علی نے فرمایا: پس میرے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے تخفیف کر دی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۰)

اکابر صحابہ کا آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہ کرنا' آیا ان کے حق میں کسی طعن یا۔۔۔ نقص کا موجب ہے؟

اکثر روایات میں مذکور ہے کہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے ایک دینار صدقہ دیا تھا' اس کے بعد اس حکم پر عمل کرنے کی رخصت نازل ہوگئی اور اس حکم پر عمل کرنا منسوخ ہوگیا اور یہ بھی مروی ہے کہ اکابر صحابہ نے اس حکم پر عمل کرنے کا وقت پایا لیکن اس حکم پر عمل نہیں کیا اور اس سے اکابر صحابہ پر طعن ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم پر افاضل صحابہ نے اس لیے عمل نہیں کیا کہ فقراء مسلمین آپ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے' اس لیے اس حکم پر عمل کرنا ان کے لیے مشکل تھا اور جو مسلمان غنی تھے ان کے دلوں میں اس کی وجہ سے وحشت پیدا ہوتی تھی' اگر وہ صدقہ نہ کرتے اور دوسرے صدقہ دیتے تو ان پر طعن ہوتا' لہٰذا فقراء کے لیے اس حکم پر عمل کرنا مشکل تھا اور اغنیاء کے لیے اس حکم پر عمل سے توحش ہوتا تھا اور ہر مسلمان کے لیے آپ سے سرگوشی کرنا واجب نہ تھا اور سرگوشی نہ کرنے سے ان کا کوئی نقصان نہ تھا اور نہ ہی سرگوشی کرنا کوئی مستحب کام تھا' بلکہ جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم اسی لیے دیا تھا کہ مسلمان سرگوشی کرنا ترک کر دیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بہت مصروفیات تھیں' آپ کا صرف یہی کام نہیں تھا کہ آپ سرگوشیوں کا جواب دیتے رہیں' آپ نے احکامِ شرعیہ کی تبلیغ کرنی تھی' قرآن مجید کو لکھوانا اور یاد کرانا تھا' کفار سے جہاد کے لیے لشکروں کو بھیجنا تھا' مختلف عبادات کرنی تھیں اور مصالحِ امت پر غور و فکر کرنا تھا' اس لیے سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کے حکم کا منشاء ہی یہ تھا کہ مسلمان آپ سے سرگوشیاں کرنا ترک کر دیں اور اکابر صحابہ اس منشاء سے آگاہ تھے' اس لیے انہوں نے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نہیں دیا اور انہوں نے جو اس حکم پر عمل نہیں کیا تو اس سے ان پر کوئی طعن وارد نہیں ہوتا' نہ اس سے ان کی فضیلت میں کوئی کمی ہوتی ہے' بلکہ ان کے اس پر عمل نہ کرنے میں ان کی یہ فضیلت ہے کہ وہ قرآن کے اسرار اور رموز سے سب سے زیادہ آگاہ تھے اور وہ منشاء قرآن کو جاننے والے تھے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی رکھی جن پر اللہ نے غضب فرمایا' وہ نہ تم

مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

میں سے ہیں نہ ان میں سے ہیں اور وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں O

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ بہت بُرے کام کیا کرتے تھے O

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ

انہوں نے اپنی (جھوٹی) قسموں کو ڈھال بنا لیا' پھر لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا سو ان کے لیے سخت ذلت والا

مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

عذاب ہےO ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے'

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ

یہ دوزخی ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گےO جس دن اللہ ان سب کو

جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ

اٹھائے گا تو یہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں اور ان کا یہ

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ

گمان ہوگا کہ وہ کسی دلیل پر ہیں' سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیںO شیطان ان پر غالب آ گیا تو اس نے اللہ کا ذکر

ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ

ان سے بھلا دیا' وہ شیطان کا گروہ ہیں' سنو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي

ہےO بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں' وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں

الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

ہیںO اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں غالب ہوں گا اور میرے رسول (غالب ہوں گے)' بے شک اللہ بہت قوت والا بے حد غالب ہےO

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ

بے شک جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے محبت

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ

رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان

أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ

کے رشتہ دار ہوں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور

جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ

انہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے

رَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ع

راضی ہو گئے' یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں' سنو! بے شک اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی رکھی جن پر اللہ نے غضب فرمایا' وہ نہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے ہیں اور وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں○ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ بہت بُرے کام کیا کرتے تھے○ انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا لیا' پھر لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا' سو ان کے لیے سخت ذلت والا عذاب ہے○ (المجادلہ: ۱۶۔۱۴)

المجادلہ: ۱۴ کا شانِ نزول

قتادہ نے کہا: ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں جو یہود سے محبت رکھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ منافقین نہ مسلمانوں میں سے ہیں نہ یہود میں سے ہیں' یعنی وہ دونوں کے درمیان مذبذب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا:

مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ ۚ (النساء: ۱۴۳) وہ درمیان میں ڈگمگا رہے ہیں نہ پورے ان کی طرف نہ مکمل ان کی طرف۔

سدی اور مقاتل نے کہا: یہ آیت خصوصاً عبداللہ بن نبتل منافق کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا تھا' پھر آپ کی باتیں یہود تک پہنچا دیتا تھا' ایک دفعہ آپ اپنے کسی حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس ایک ایسا شخص آئے گا جس کا دل ظالم ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے' پس عبداللہ بن نبتل آیا' اس کی آنکھیں نیلی تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم اور تمہارے اصحاب کس وجہ سے مجھے بُرا کہتے ہو؟ اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا: اس نے ایسا نہیں کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ایسا کیا ہے' پھر وہ وہاں سے گیا اور اپنے اصحاب کو لے کر آیا اور ان سب نے اللہ کی قسم کھا کر کہا: انہوں نے آپ کو بُرا نہیں کہا' تب اللہ سبحانہ نے ان کے رد میں اس آیت کو نازل فرمایا۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۱۹۶' الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۳' الجامع لاحکام القرآن' جز ۱۷ ص ۲۷۲' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۶۰)

امام احمد اور امام حاکم نے اس واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۲)

اس آیت میں فرمایا ہے: جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی رکھی' جن پر اللہ نے غضب فرمایا۔

اس سے مراد یہود ہیں جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے' قرآن مجید میں یہود کے متعلق ہے:

مَنۡ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیۡہِ وَجَعَلَ مِنۡہُمُ الۡقِرَدَۃَ وَالۡخَنَازِیۡرَ (المائدہ:٦٠) جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب ناک ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا

منافقین کے کرتوت اور ان کی سزا

المجادلہ:۱۵ میں فرمایا: اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ بہت بُرے کام کیا کرتے تھے۔

ان کے لیے دنیا میں ذلت اور رسوائی کا عذاب ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیا اور آخرت میں منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور ان کے بُرے کام یہ تھے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق سازشیں کرتے تھے اور وہ نفاق کے عادی ہو چکے تھے اور باز نہیں آتے تھے۔

المجادلہ:۱٦ میں فرمایا: انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا لیا' پھر لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا' ان کے لیے سخت ذلت والا عذاب ہے۔

منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور اپنی سازشوں کو چھپانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے اور جب وہ نفاق کو چھپانے کی وجہ سے قتل کیے جانے سے بچ گئے تو انہوں نے لوگوں کو اسلام لانے سے روکنا شروع کر دیا' وہ اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرتے تاکہ وہ اسلام نہ لا سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے' یہ دوزخی ہیں' یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو یہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں اور ان کا یہ گمان ہوگا کہ وہ کسی (ٹھوس) دلیل پر ہیں' سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیں ○ شیطان ان پر غالب آ گیا تو اس نے اللہ کا ذکر ان سے بھلا دیا' وہ شیطان کا گروہ ہیں' سنو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے ○ (المجادلہ:۱۹۔۱۷)

منافقین کی مذمت

مقاتل نے کہا کہ منافقین یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کی مدد کی جائے گی' اگر ایسا ہوا پھر تو ہم بہت ہی بد بخت نکلے' پس اللہ کی قسم! ہمارے اموال اور ہماری اولاد سے قیامت کے دن ہماری بھی مدد کی جائے گی' اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے' یہ دوزخی ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دنیا اور آخرت میں منافقین کی جھوٹی قسمیں

المجادلہ:۱۸ میں فرمایا: جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو یہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں اور ان کا گمان یہ ہوگا کہ وہ کسی (ٹھوس) دلیل پر ہیں' سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیں ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: منافقین قیامت کے دن اسی طرح جھوٹی قسمیں کھائیں گے جس طرح وہ دنیا میں اپنے ساتھیوں کی حمایت میں جھوٹی قسمیں کھایا کرتے تھے' قیامت کے دن ان کی جھوٹی قسم کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ ○ (الانعام:۲۳) اللہ کی قسم! ہمارے پروردگار کی' ہم مشرک نہ تھے ○

اور مسلمانوں کے سامنے ان کی جھوٹی قسم کھانے کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ اِنَّہُمۡ لَمِنۡکُمۡ (التوبہ:٥٦) اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ تم میں سے ہیں۔

دراصل منافقین اپنے نفاق میں اس قدر راسخ ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح وہ دنیا میں جھوٹی قسمیں کھانے سے بچ جاتے تھے اور ان کو قتل نہیں کیا جاتا تھا' اسی طرح آخرت میں بھی جھوٹی قسمیں کھانے سے وہ بچ جائیں گے اور ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: سنو! بے شک وہی جھوٹے ہیں۔

''استحوذ'' کا معنی

المجادلہ: ۱۹ میں فرمایا: شیطان ان پر غالب آ گیا تو اس نے اللہ کا ذکر ان سے بھلا دیا' وہ شیطان کا گروہ ہیں' سنو! بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے O

اس آیت میں ''استحوذ'' کا لفظ ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے: غالب آ گیا' مبرد نے کہا: اس کا معنی ہے: اس کا احاطہ کر لیا' حضرت عائشہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: وہ احوذی تھے۔

یعنی بہت سیاست دان اور بہت اچھے منتظم تھے اور اس آیت کا معنی ہے: شیطان ان پر قابض ہو گیا اور اس نے ان سے اللہ کا ذکر بھلا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں O اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں غالب ہوں گا اور میرے رسول غالب ہوں گے' بے شک اللہ بہت قوت والا' بے حد غالب ہے O بے شک جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتہ دار ہوں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے' یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں' سنو! بے شک اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے O (المجادلہ: ۲۲۔۲۰)

کفار پر مسلمانوں کے غلبہ سے مراد دلائل کا غلبہ ہے یا مادی غلبہ؟

المجادلہ: ۲۲۔۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھنے والے کی ذلت' اور اللہ اور اس کے رسول کا غلبہ بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت کے مراتب غیر متناہی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے عداوت رکھنے والے کی ذلت کے مراتب بھی غیر متناہی ہوں گے۔ اس آیت میں رسولوں کے غلبہ سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دلائل کے اعتبار سے غالب ہوں گے اور اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مادی اعتبار سے غالب ہوں گے۔

مقاتل نے کہا: مسلمانوں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فارس اور روم (شام) پر غلبہ عطا فرمائے گا' اس پر عبد اللہ بن ابی نے کہا: کیا تم نے فارس اور روم کو ان دیہاتوں کی طرح سمجھ رکھا ہے جن پر تم غلبہ پا چکے ہو' یہ محض تمہاری خوش فہمی ہے' وہ بہت طاقت ور حکومتیں ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

کافروں سے ان کے دین کی وجہ سے محبت کرنا کفر ہے اور دیگر اغراض کی وجہ سے محبت رکھنا۔۔ گناہ ہے

المجادلہ: ۲۲ میں فرمایا: بے شک جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور رسول سے عداوت رکھیں۔ الآیۃ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہو

وہ اس کے دشمن سے محبت نہیں رکھ سکتا' کیونکہ یہ دونوں محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں' پس جب کسی شخص کے دل میں اللہ کے دشمنوں کی محبت ہوگی تو اس کے دل میں ایمان نہیں ہوگا اور وہ شخص منافق ہوگا' لیکن اس پر کفر یا نفاق کا حکم اس وقت لگایا جائے گا جب وہ اللہ کے دشمنوں کے دین یا ان کے کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے ان سے محبت رکھے اور اگر وہ دنیا داری یا رشتہ کے تعلق کی وجہ سے ان سے محبت رکھے تو یہ کفر نہیں ہے گناہ کبیرہ ہے۔

اپنے کافر باپ' بیٹے اور دیگر رشتہ داروں پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ترجیح دینے والے صحابہ

اس کے بعد فرمایا: خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے رشتہ دار ہوں۔

آیت کے اس فقرہ کا معنی یہ ہے کہ باپ' بیٹے' بھائی اور رشتہ داروں کے ساتھ طبعی محبت ہوتی ہے' لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان پر لازم ہے کہ اس طبعی محبت کے تقاضوں کو مرجوح اور مغلوب قرار دے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے احکام اور اس کے تقاضوں کو غالب قرار دے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ دادا اور اولاد سے زیادہ محبوب ہوں اور جنگِ بدر میں جب عتبہ بن ربیعہ نے مبارزت کی اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا تو حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے آگے بڑھے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔

(کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۷۰ 'مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

ابن شوذب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے باپ ان کو اپنے بت دکھا رہے تھے اور حضرت ابوعبیدہ ان سے اعراض کر رہے تھے' لیکن جب ان کے باپ باز نہ آئے' بت دکھاتے رہے اور ان کی تعریف کرتے رہے تو حضرت ابوعبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور پھر ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۔ (المجادلہ: ۲۲)

(اے رسول مکرم!) جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے خواہ (وہ دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۶۰' المستدرک ج ۳ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴' حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی کی سند جید ہے۔ الاصابہ ج ۳ ص ۴۷۶۔ رقم الحدیث: ۴۴۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو حافظ بیہقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے رشتہ داروں سے زیادہ محبوب ہوں اور حدیث میں ہے کہ جنگ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے مسلمانوں کو لڑنے کے لیے للکار رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان کے مقابلہ پر جانا چاہا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۳۶۸۔ رقم الحدیث: ۱۴۰۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر میں اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کر دیا تھا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ مذکور الصدر آیت (المجادلہ: ۲۲) کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

ابن جریج نے کہا: مجھے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ ابوقحافہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو حضرت ابوبکر نے ابوقحافہ (حضرت ابوبکر کا باپ) کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ گر پڑا' پھر انہوں نے اس واقعہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا: کیا تم نے ایسا کیا؟ عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا' تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے جنگِ اُحد میں اپنے باپ عبد اللہ بن الجراح کو قتل کر دیا (دوسری روایت میں جنگِ بدر کا ذکر ہے) اور حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی' جب جنگ بدر میں ان کے بیٹے عبد الرحمٰن نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے للکارا تو حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ' کیا تم نہیں جانتے کہ تم میرے لیے میری آنکھوں اور میرے کانوں کے مرتبہ میں ہو اور حضرت مصعب بن عمیر کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو جنگ احد میں قتل کر دیا اور حضرت عمر کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو جنگ بدر میں قتل کر دیا اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی' جب انہوں نے عتبہ' شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا اور یہ صحابہ اس آیت کے اس حصہ کے مصداق ہیں خواہ وہ (دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار۔

(اسباب النزول للواحدی ص ۴۴۳۔ رقم الحدیث: ۷۱۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' اسباب النزول للسیوطی ص ۸۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اللہ اور رسول کے مخالفوں سے محبت نہ کرنے والوں پر انعامات

اس کے بعد فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔

اس آیت میں ''کتب'' کا لفظ ہے' اور ''کتب'' کا معنی ہے: جمع کیا' کتاب کو بھی کتاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بہت سارے مضامین جمع ہوتے ہیں' اس لحاظ سے اس آیت کا معنی ہے: اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جمع کر دیا' یعنی وہ ہر اس چیز پر ایمان لے آئے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو بعض آیات پر ایمان لائے اور بعض پر ایمان نہیں لائے۔

اور جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ''کتب'' کا معنی ہے: ''اثبت وخلق'' یعنی ایمان ان کے دلوں میں پیدا کر دیا اور ثابت کر دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کو لکھنا ممکن نہیں ہے' اس لیے اس کو ایجاد اور خلق کے معنی پر محمول کرنا ضروری ہے۔

جو لوگ اللہ کی محبت کو اپنے باپ اور بھائی وغیرہ کی محبت پر ترجیح دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے ایک انعام یہ کیا کہ ان کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا اور دوسرا انعام یہ کیا کہ اپنی طرف سے روح کے ساتھ ان کی تائید فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: یعنی ان کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرمائی اور اس مدد کو روح فرمایا' کیونکہ اس مدد سے ان کے مشن میں مدد فرمائی۔

سدی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

اور ان پر تیسرا انعام یہ فرمایا کہ ان کو جنتوں میں داخل فرمایا اور چوتھا انعام یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑا انعام ہے اور آخر میں فرمایا: یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں اور سنو! اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے اور یہ آیت المجادلہ: ۱۹ کے مقابلہ میں ہے' جس میں فرمایا تھا: یہ (منافق) شیطان کا گروہ ہیں اور سنو! شیطان کا گروہ ہی نقصان

اٹھانے والا ہے۔

المجادلہ: ۲۲ کا مشہور شانِ نزول

اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت: جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے۔ (المجادلہ: ۲۲) حضرت حاتم بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی' جب انہوں نے اہل مکہ کو یہ خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہونے والے ہیں' اس واقعہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا اور فرمایا: خاخ کے باغ میں جاؤ' وہاں ایک مسافرہ ملے گی جس کے پاس ایک خط ہوگا' تم اس سے وہ خط لے لینا' ہم لوگ روانہ ہو گئے' ہم نے اپنے گھوڑوں کو دوڑایا' پھر ہم کو ایک عورت ملی' ہم نے اس سے کہا: خط نکالو' اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے' ہم نے اس سے کہا: خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتار دیں گے' اس نے اپنے بالوں کے گچھے سے خط نکال کر دیا' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ خط لے کر آئے' اس خط میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے بعض مشرکین کو خبر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض منصوبوں سے مطلع کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حاطب! کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے متعلق جلدی نہ کریں' میں قریش کے ساتھ چسپاں تھا' سفیان نے کہا: وہ ان کے حلیف تھے اور قریش سے نہ تھے' آپ کے ساتھ جو مہاجر ہیں ان کی وہاں رشتہ داریاں ہیں' ان رشتہ داریوں کی بناء پر قریش ان کے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے۔ میں نے یہ چاہا کہ ہر چند کہ میرا ان کے ساتھ کوئی نسبی تعلق نہیں ہے' تاہم میں ان پر ایک احسان کرتا ہوں' جس کی وجہ سے وہ (مکہ میں) میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں گے' میں نے یہ اقدام (یعنی کفار کو خط کا لکھنا) کسی کفر کی وجہ سے نہیں کیا' نہ اپنے دین سے مرتد ہونے کی بناء پر کیا ہے' اور نہ اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچ کہا' حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' آپ نے فرمایا: یہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوا ہے' اور تم کیا جانو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اہل بدر کے تمام حالات سے واقف ہے اور اس نے فرمایا: تم جو چاہو کرو' میں نے تم کو بخش دیا ہے' پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' ابو بکر اور زہیر کی روایت میں اس آیت کا ذکر نہیں ہے' اور اسحاق نے اپنی روایت میں سفیان کی تلاوت کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۷۴۔۳۰۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۵۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۲۱)

سورۃ المجادلہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۶ جنوری ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات سورۃ المجادلہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' یہ تفسیر ۲۷ دسمبر کو شروع کی تھی۔ اس طرح دس ایام میں یہ تفسیر مکمل ہو گئی' آج کل کراچی میں سردی بہت پڑ رہی ہے' کوئٹہ میں برف باری ہوئی ہے' جس کے اثرات کراچی میں بھی ہیں' عمر کے تقاضے اور مختلف بیماریوں کی وجہ سے جو کمزوری اور اعصاب کا ضعف ہے' اس وجہ سے مجھے سردی بہت لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے یہاں تک پہنچا دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دے' اور اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے' اور میری' میرے والدین کی' اس تفسیر کے ناشر' اس کے کمپوزر'

مصحح، جملہ معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمائے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی-۳۸

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الحشر

سورت کا نام

اس سورت کا نام الحشر ہے اور یہ نام اس سورت کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ (الحشر:۲) وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلا وطن کرنے کے لیے ان کو ان کے گھروں سے نکالا۔

اس سورت کا نام سورۃ بنی النضیر بھی ہے' کیونکہ اس سورت میں یہود بنی النضیر کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کا قصہ بیان کیا گیا ہے' حدیث میں ہے:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے متعلق دریافت کیا' انہوں نے فرمایا: اس کو سورۃ بنونضیر کہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۳)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے متعلق پوچھا' انہوں نے کہا: یہ بنونضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۳۱)

اس سورت کا نام سورۃ الحشر اس لیے ہے کہ حشر کا معنی ہے: لوگوں کو اکٹھا کرنا' اور بنونضیر کو اکٹھا کر کے مدینہ سے نکالا گیا' پھر ان کو خیبر اور شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

اور اس سورت کا نام سورۃ بنونضیر اس لیے ہے کہ اس سورت میں بنونضیر کو ان کے گھروں سے نکال کر جلاوطن کرنے کا ذکر ہے' اس واقعہ کی پوری تفصیل ہم ان شاء اللہ الحشر: ۲ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

۴ھ میں بنونضیر کو ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا' یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۹۸ ہے' یہ سورت البینہ کے بعد اور سورت النصر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الحشر کے مشمولات

☆ بنونضیر مدینہ کے ایک بڑے محلہ میں آباد تھے' یہ وہاں بہت قوت والے تھے' اسی گھمنڈ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کی' اس کے نتیجہ میں ان کو مدینہ بدر کر دیا گیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دشمنوں پر غلبہ کی بڑی نشانی ہے۔

☆ اس میں بتایا ہے کہ مسلمانوں نے بنونضیر کے باغ کاٹ دیئے اور جو اموال وہ چھوڑ گئے ان پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا' اس کو اموال فے کہتے ہیں۔

☆ اس سورت میں مہاجرین اور انصار کی اور بعد میں آنے والے مؤمنین کی عظمت بیان کی ہے۔

☆ منافقین کے خبث باطن کو منکشف فرمایا ہے اور انہوں نے بنونضیر سے ان کی مدد کے جو خفیہ وعدے کیے تھے اور پھر کس طرح ان وعدوں کی تکذیب کی اس کو ظاہر فرمایا ہے۔
☆ مؤمنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کافروں سے خبردار رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔
☆ قرآن مجید کی عظمت اور جلالت کو بیان فرمایا ہے۔
☆ سرمایہ داروں کو اللہ کی راہ میں مال دینے کی تلقین فرمائی تاکہ سرمایہ گردش میں رہے اور ایک جگہ منجمد نہ ہو۔
☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ماننے اور جن چیزوں سے آپ نے منع کیا ہے ان سے رکنے کی تاکید فرمائی ہے۔
☆ اس سورت کا اختتام ان آیات پر فرمایا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت ظاہر ہوتی ہے۔

سورۃ الحشر کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العلمین! اے میرے رب! مجھ سے وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی-۳۸
۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ/۶ جنوری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

۵۹ سورۃ الحشر مدنیۃ — آیاتھا ۲۴ — رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الحشر مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چوبیس آیات تین رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ هُوَ

آسمانوں کی ہر چیز اور زمینوں کی ہر چیز نے اللہ ہی کے لیے تسبیح کی، اور وہ بہت غالب، نہایت حکمت والا ہے ○ وہی

الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ

ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلا وطن کرنے کے لیے ان کو ان کے گھروں سے نکالا،

الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ

تمہیں ان کے نکلنے کا گمان (تک) نہ تھا اور وہ اس گھمنڈ میں تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ

مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ

(کے عذاب) سے بچا لیں گے، پس ان پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا،

قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ

اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کر رہے تھے اور مسلمانوں کے

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ

ہاتھوں سے (بھی)، سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ○ اور اگر اللہ نے ان کے لیے جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ

تو وہ ان کو ضرور دنیا میں عذاب دیتا اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے ○ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے

بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو اللہ کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي

سخت عذاب دینے والا ہے ○ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِينَ ﴿۵﴾ وَمَآ أَفَآءَ اللّٰهُ

سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا اور تاکہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے O اور اللہ نے جو اموال ان

عَلٰى رَسُولِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّ

سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ'

لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلّط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر

قَدِيرٌ ﴿۶﴾ مَآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ

قادر ہے O اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے' سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ

کے اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ وہ (اموال) تم میں سے

دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ

(صرف) مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں' اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں

عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ لِلْفُقَرَآءِ

اس سے رک جاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O (یہ اموال) ان فقراء مہاجرین

الْمُهٰجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا

کے لیے ہیں جن کو ان کے گھروں سے اور ان کے اموال سے نکال دیا گیا وہ اللہ کے فضل

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ ﴿۸﴾

اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں اور اللہ (کے دین) کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' وہ لوگ وہی سچے ہیں O

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ

اور (یہ اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دار ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں اور وہ ان سے محبت

وقف لازم

اِلَیۡہِمۡ وَ لَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ حَاجَۃً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی

کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کو دی

اَنۡفُسِہِمۡ وَ لَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ ؕ۟ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ

گئی ہے اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے

ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۚ﴿۹﴾ وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ

بچایا گیا سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O (اور یہ اموال) ان کے لیے ہیں جنہوں نے ان کے بعد ہجرت کی' وہ دعا کرتے ہیں:

لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا

اے ہمارے رب! ہمیں معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں

غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۰﴾ ع

رکوع ۲

کے لیے کینہ نہ رکھ' اے ہمارے رب! بے شک تو بے حد شفقت کرنے والا بہت مہربان ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں کی ہر چیز اور زمینوں کی ہر چیز نے اللہ ہی کے لیے تسبیح کی اور وہ بہت غالب' نہایت حکمت والا ہے O وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلاوطن کرنے کے لیے ان کو ان کے گھروں سے نکالا' تمہیں ان کے نکلنے کا گمان (تک) نہ تھا' اور وہ اس گھمنڈ میں تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے' پس ان پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا' اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی' سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو O (الحشر: ۲-۱)

غزوۂ بنونضیر

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بیر معونہ کے بعد چار ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کی طرف روانہ ہوئے' اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرو بن امیہ نے غلطی سے بنو عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے' جن کی دیت (خون بہا) اب تک واجب الادا تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر سے جو معاہدہ کیا ہوا تھا' اس کے مطابق اس دیت کا ایک حصہ بنونضیر پر واجب تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطالبہ کے لیے بنونضیر کے پاس گئے تھے' بنونضیر نے کہا: ہاں! ہم اپنا حصہ ادا کریں گے اور خفیہ طور پر یہ سازش کی' ایک شخص چپکے سے چھت پر چڑھ گیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بھاری پتھر گرا کر معاذ اللہ آپ کو ہلاک کر دے۔ آپ اس وقت اس چھت کی دیوار کے سائے میں کھڑے تھے۔ عمرو بن حجاش یہودی اس ارادہ سے چھت پر چڑھا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی' ان میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر آپ کو بنونضیر کی اس سازش سے مطلع کر دیا اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ چلے گئے' ادھر جب آپ کو دیر ہوگئی تو آپ کے اصحاب آپ کو ڈھونڈنے نکلے' پھر آپ کے اصحاب آپ سے ملے اور آپ نے ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔

علامہ واقدی نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کو بنونضیر کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ آپ کے قرب اور شہر مدینہ سے نکل جائیں اور منافقین نے ان کو وہیں ٹھہرنے پر ابھارا اور کہا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے' یہ چیز ان کے دل میں گھر کر گئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ وہ وہاں سے نہیں نکلیں گے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ علامہ واقدی نے کہا ہے کہ آپ نے پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کیا' ابن ہشام نے کہا: یہ ماہ ربیع الاول کا واقعہ ہے' امام ابن اسحاق نے کہا: آپ ان کی طرف روانہ ہوئے اور چھ روز تک ان کا محاصرہ کیے رکھا' ان ہی ایام میں حرمت خمر نازل ہوئی' بنونضیر قلعہ بند ہو گئے' آپ نے حکم دیا کہ ان کی کھجوروں کے باغ کاٹ کر جلا دیئے جائیں' پھر انہوں نے پکار کر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ فساد کرنے سے منع کرتے تھے اور فساد کرنے والوں کی مذمت کرتے تھے اور اب آپ خود فساد کر رہے ہیں' پس ان درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا کیا جواز ہے؟ منافقین کی ایک جماعت نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ تم اپنے مؤقف پر ڈٹے رہو اور یہاں سے نہ نکلو' اگر جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ کریں گے اور اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے' بنونضیر ان کی مدد کے انتظار میں کچھ دن اور ٹھہرے' لیکن ان کی مدد نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ان کو قتل نہ کریں اور ان کو جلاوطن کریں' بہ شرطیکہ وہ ہتھیاروں کے علاوہ اپنے باقی اموال اور اسباب کو اپنے ساتھ اونٹوں پر لاد کر لے جائیں۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ تین دن کے اندر اس بستی کو خالی کر دیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ انہوں نے اپنا تمام مال اور اسباب ان اونٹوں پر لاد لیا' حتیٰ کہ اپنے گھروں کے دروازے بھی اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے' ان میں سے بعض خیبر کی طرف گئے اور بعض شام کی طرف گئے' حتیٰ کہ وہ اپنے ساتھ گانے بجانے کے آلات بھی لے گئے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے باغات اور کھیت چھوڑ دیئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باغات اور کھیتوں کو مہاجرین اولین میں تقسیم کر دیا اور انصار نے ان اموال میں سے کچھ نہیں لیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے متعلق سورۃ الحشر کی آیات نازل فرمائیں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۱۹۔۲۱۸ ملخصاً وموضحاً' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

غزوۂ بنونضیر کی مزید تفصیل

علامہ ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تمام آیات بنوالنضیر کے متعلق نازل ہوئی ہیں' کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو آپ سے بنونضیر نے اس شرط پر صلح کی کہ آپ ان سے جنگ نہ کریں اور وہ بھی آپ سے جنگ نہیں کریں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ شرط قبول کر لی' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں مشرکوں کے خلاف جنگ کی اور ان پر غلبہ حاصل کیا تو بنونضیر نے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہم نے ''تورات'' میں پڑھا ہے' پھر جب غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو یہ شک اور نفاق میں پڑ گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں سے عداوت ظاہر کرنی شروع کر دی اور ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو معاہدہ تھا' اس کو توڑ دیا' پھر کعب بن اشرف چالیس

یہودیوں کے ساتھ مکہ گیا اور قریش کے پاس جا کر انہوں نے حلف اٹھایا اور یہ معاہدہ کیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت میں ہم متحد ہیں' پھر ابوسفیان چالیس مشرکوں کے ساتھ آ کر ان سے حرم کعبہ میں ملا اور انہوں نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا معاہدہ کیا۔ پھر کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب مدینہ چلے گئے' پھر حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور آپ کو کعب بن اشرف اور ابوسفیان کے درمیان ہونے والے معاہدہ کی خبر دی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دیا تو اس کو محمد بن مسلمہ انصاری نے قتل کر دیا جو اس کا رضاعی بھائی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کی خیانت اور عہد شکنی پر مطلع ہو چکے تھے' آپ' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے پاس گئے اور ان سے ان دو مسلمانوں کی دیت میں سے ان کا حصہ طلب کیا' جن کو حضرت عمرو بن امیہ الضمری نے بیر معونہ سے واپسی کے وقت غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا' جب وہ دونوں بنو عامر کی طرف جا رہے تھے' بنو نضیر نے دیت ادا کرنے کو قبول کیا اور آپ کو بٹھایا اور قلعہ کی چھت کے اوپر سے آپ پر بھاری پتھر پھینکنے کی سازش کی' اللہ سبحانہ' نے آپ کو اس سازش سے مطلع کر کے آپ کو بچا لیا' جس بستی میں بنو نضیر رہتے تھے اس کا نام زھرۃ تھا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف روانہ ہوئے اس وقت وہ کعب بن اشرف پر ماتم کر رہے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن ابی نے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے قلعوں سے نہ نکلیں' اگر انہوں نے تم سے قتال کیا تو ہم تمہارے ساتھ مل کر ان سے قتال کریں گے اور اگر تم کو نکال دیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ تاہم منافقین ان کی مدد کو نہ پہنچے۔

دوسرے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر روانہ ہوئے اور ان کا اکیس روز تک محاصرہ کیا' پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ منافقین کی مدد سے مایوس ہو گئے' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا سوال کیا' آپ نے انکار فرمایا اور کہا: اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ تم مدینہ سے نکل جاؤ' پھر انہوں نے اس شرط پر جلاوطنی کو قبول کر لیا کہ وہ اسلحہ کے علاوہ باقی ساز و سامان اپنے اونٹوں پر لاد کر لے جائیں گے' ان کو وہ سامان لے جانے کی اجازت دی جائے' پھر دو گھرانوں کے سوا سب شام چلے گئے' یہ دو گھرانے آل ابی الحقیق اور آل حی بن اخطب تھے' یہ لوگ خیبر چلے گئے اور ان کی ایک جماعت حیرہ چلی گئی۔

اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے: "هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ" (الحشر: ۲) جس ذات نے اہل کتاب میں سے کافروں کو یعنی بنو نضیر کو ان کے ان گھروں سے نکال دیا جو مدینہ میں تھے۔

امام ابن اسحاق نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس ہو چکے تھے' اس وقت بنو نضیر کو جلاوطن کیا تھا اور بنو قریظہ کو غزوۂ احزاب سے واپسی میں فتح کیا تھا اور ان دونوں کے درمیان دو سال کا وقفہ تھا۔

نیز اس آیت میں فرمایا: "لاول الحشر"۔

زہری نے کہا: بنو نضیر دنیا میں وہ پہلے لوگ تھے جن کا شام میں حشر کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کو اس میں شک ہو کہ میدانِ حشر شام میں قائم ہو گا وہ اس آیت کو پڑھے' کیونکہ اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: نکل جاؤ' انہوں نے پوچھا: کہاں جائیں؟ آپ نے فرمایا: ارضِ محشر میں' پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۷۰۔ ۲۶۶ ملخصاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ محمد بن عمر واقدی متوفی ۲۰۷ھ' علامہ عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ' علامہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے

بھی غزوۂ بنو نضیر کا واقعہ کم و بیش اسی طرح لکھا ہے۔ (کتاب المغازی ج ۱ ص ۳۰۸' دارالکتب العلمیہ' ۱۴۲۴ھ' سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف ج ۳ ص ۲۸۷' دارالکتب العلمیہ' ۱۴۱۸ھ' تاریخ الاسلام المغازی ص ۲۴۳' دارالکتاب العربی' ۱۴۱۹ھ)

''اول حشر'' کا معنیٰ

الحشر: ۲ میں ''اول الحشر'' فرمایا ہے: ''الحشر'' سے مراد ہے: ایک جماعت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نکالنا' اور اس کو ''اول حشر'' حسب ذیل وجوہ سے فرمایا ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ان اہل کتاب کو پہلی مرتبہ جزیرۂ عرب سے نکالا گیا اور دوسری بار حضرت عمر نے یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر کے شام کی طرف نکالا۔

(۲) میدانِ محشر شام کی سرزمین میں قائم ہوگا جب تمام مُردوں کو زندہ کر کے شام کے علاقہ میں جمع کیا جائے گا اور دنیا میں اس سرزمین میں پہلی بار بنو نضیر کو نکالا گیا تھا۔

(۳) یہودیوں کو قتال کے لیے پہلی بار ان کی بستی سے نکال کر جمع کیا گیا اور پھر ان کو جلاوطن کیا گیا۔

(۴) قتادہ نے کہا: یہ پہلا حشر ہے اور دوسرا حشر اس وقت ہوگا جب قرب قیامت میں ایک آگ تمام لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۹۔۴۹۸' معالم التنزیل ج ۵ ص ۵۳۔۵۲)

نیز اس آیت میں فرمایا: وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی۔

اس انہدام کی تفسیر میں حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) جب بنو نضیر کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے گا تو اب ان کو اس سے جلن ہوئی کہ ان کے گھروں میں مسلمان رہیں گے تو وہ اپنے گھروں کو اندر سے توڑ رہے تھے اور مسلمان ان کے گھروں کو باہر سے توڑ رہے تھے۔

(۲) قتادہ نے کہا: جب منافقوں نے ان کو یقین دلایا کہ وہ ان کی مدد کریں گے تو انہوں نے اپنے گھروں کو منہدم کر کے قلعوں کی طرح بنایا اور مسلمانوں نے ان کے گھروں کو ہر طرف سے توڑ دیا۔

(۳) جب مسلمان ان پر غالب آ گئے تو انہوں نے ان کے گھروں کو منہدم کر دیا اور بنو نضیر نے اپنے گھر کی پچھلی دیواروں کو منہدم کیا تھا تاکہ وہ گھروں سے نکلنے کا راستہ بنالیں۔

(۴) مسلمان ان کی بستی کو باہر سے منہدم کر رہے تھے اور بنو نضیر گھروں کو اندر سے منہدم کر رہے تھے تاکہ اپنے گھروں کے دروازوں' کھڑکیوں اور دیگر اشیاء کو نکال کر لے جائیں۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۲۰۴' النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۹' الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۶۹' معالم التنزیل ج ۵ ص ۵۳)

بنو نضیر کے عذاب سے عبرت حاصل کرنے کی تفصیل

نیز اس آیت میں فرمایا: سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

اس آیت کی تفسیر حسب ذیل وجوہ سے کی گئی ہے:

بنو نضیر نے اپنے قلعوں پر اور اپنی شوکت اور قوت پر گھمنڈ کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعوں کو منہدم کر دیا اور ان کی شوکت اور قوت کو توڑ ڈالا' انہوں نے یہودیوں کی امداد پر بھروسا کیا تھا' وہ ان کی امداد کو نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو' اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اعتماد نہ کرو' لہٰذا عابد اور زاہد کو چاہیے کہ وہ اپنے زہد اور عبادت پر بھروسا نہ کرے اور عالم فاضل کو چاہیے کہ وہ اپنے علم و فضل پر اعتماد نہ کرے' بلکہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر

توکل کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا: مجھ کو بھی نہیں' سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' تم ٹھیک ٹھیک اور صحت کے قریب عمل کرو' اور صبح اور شام کے کچھ وقت میں نیک کام کرو اور درمیانہ روش رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۴۹)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بنو نضیر پر ان کے کفر اور ان کی عہد شکنی کی وجہ سے دنیا میں عذاب آیا کہ ان کو جلاوطن کر دیا گیا اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر منہدم کیے اور وہ آخرت میں عذاب کے مستحق ہوئے' حالانکہ اور بہت لوگوں نے بھی کفر کیا اور عہد شکنی کی' مگر ان پر دنیا میں عذاب نہیں آیا۔ امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں عذاب سے مراد عام ہے' خواہ وہ دنیا کا عذاب ہو یا آخرت کا' لیکن میرے نزدیک یہ اعتراض سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک مخصوص واقعہ بیان فرمایا ہے کہ بنو نضیر پر ان کے کفر اور ان کی عہد شکنی کی وجہ سے دنیا میں عذاب آیا اور اس آیت میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بیان فرمایا کہ جو لوگ بھی کفر اور عہد شکنی کریں گے ان پر لازماً دنیا میں عذاب آئے گا۔

علماء اصول نے اس آیت سے قیاس کے ثبوت پر استدلال کیا ہے' ہم نے قیاس کے حجت ہونے پر الشوریٰ: ۱۰ ''تبیان القرآن'' ج ۱۰ ص ۵۵۱ میں بہت تفصیل سے کلام کیا ہے۔

اعتبار کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں ''فاعتبروا'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''اعتبار'' ہے' علامہ محمد بن عبد القادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ ھ اس کے مادہ عبر کے متعلق لکھتے ہیں:

عبرت کا معنی ہے: نصیحت حاصل کرنا' دوسرے کے حال پر اپنے آپ کو قیاس کرنا ''عَبر'' کا معنی ہے: آنسو بہنا ''عَبر'' کا معنی ہے: راستہ سے گزرنا ''عَبّر'' کا معنی ہے: کسی شخص کے مافی الضمیر کو بیان کرنا' زبان سے دل کی ترجمانی کرنا۔

(مختار الصحاح ص ۲۴۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

''عبر'' کا اصل معنی ہے: ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنا' اس وجہ سے کہتے ہیں: دریا عبور کرتا ہے اور آنکھ سے آنسو گرتا ہے اور فلاں راستے سے گزرتا ہے اور اعتبار اور عبرت اس کو کہتے ہیں کہ انسان حاضر چیز کا مشاہدہ کر کے اس چیز کی معرفت حاصل کرے جو حاضر نہیں ہے اور تعبیر' خواب کی تاویل کے ساتھ خاص ہے' جس میں ظاہر سے باطن کی طرف انتقال ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ ھ نے کہا: ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا عبرت ہے۔

(کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۲۵' مطبع باقری' قم' ۱۴۱۴ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اعتبار کا لفظ عبور سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: ایک چیز کا دوسری چیز کی طرف تجاوز کرنا' اس لیے آنسو کو عبرت کہتے ہیں کیونکہ وہ آنکھ سے تجاوز کرتا ہے' اور خواب کی تاویل کو تعبیر کہتے ہیں کیونکہ تعبیر بیان کرنے والا متخیل سے معقول کی طرف منتقل ہوتا ہے اور الفاظ کو عبارات کہتے ہیں' کیونکہ بولنے والے کی زبان سننے والے کی طرف معانی منتقل کرتی ہے' کہا جاتا ہے کہ

سعید وہ شخص ہے جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے' کیونکہ اس کی عقل دوسرے کے حال سے اپنے حال کی طرف منتقل ہوتی ہے' اسی لیے مفسرین نے اعتبار کی تفسیر میں کہا ہے کہ حقائق اشیاء اور ان کی دلالت کی وجوہ میں غور وفکر کرنا' تا کہ اس سے اس کی جنس کی دوسری چیز حاصل ہو' اس کو اعتبار کہتے ہیں اور ''یا اولی الابصار'' کا معنی ہے: اے عقل والو اور بصیرت والو! یا اے وہ لوگو جنہوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ قیاس حجت ہے' کیونکہ اس آیت میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

علامہ اسماعیل بن محمد الحنفی التوفی ۱۱۹۵ ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیاس شرعی جو اپنی شروط کا جامع ہو حجتِ شرعیہ ہے' اس کی وجہ سے مقیس (فرع) میں حکم ظاہر ہوتا ہے اور وہ دلائل شرعیہ میں سے ہے' وجۂ استدلال یہ ہے کہ ہم کو اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹا دینا' بایں طور کہ اس نظیر پر بھی اس چیز کا حکم لگایا جائے' کیونکہ اس چیز اور اس کی نظیر میں علت مشترک ہوتی ہے۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ ص ۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ نے ان کے لیے جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو وہ ان کو ضرور دنیا میں عذاب دیتا اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے ○ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی' اور جو اللہ کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا' سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا اور تا کہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے ○ (الحشر: ۵۔۳)

''الجلاء'' کا معنی

اس آیت میں ''الجلاء'' کا لفظ ہے' ''الجلاء'' کا معنی ہے: وطن سے نکل کر دوسری جگہ منتقل ہونا' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں جلاوطن نہ کرتا تو دنیا میں ان کو قتل کرنے کی سزا دی جاتی جیسا کہ ان کے بھائی بنو قریظہ کو قتل کی سزا دی گئی تھی اور آخرت میں ان کو اس سزا کے علاوہ عذاب ہوگا۔

الحشر: ۴ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ پھر جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اس کو جلاوطن کرنا چاہیے حالانکہ ہر شخص کو یہ سزا نہیں دی جاتی' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف بنو نضیر کی یہ سزا بیان کی گئی ہے' ہر شخص کی سزا کا قاعدہ کلیہ نہیں بیان کیا گیا۔

صحابہ کے اجتہاد کی تصدیق

الحشر: ۵ میں فرمایا: تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا۔

اس آیت میں ''لینۃ'' کا لفظ ہے' ''لینۃ'' کا معنی ہے: کھجور کا تر و تازہ اور شاداب درخت خواہ وہ کسی قسم کی کھجور ہو۔

ابو عبیدہ نے کہا: ''لینۃ'' اس درخت کو کہتے ہیں: جس کی کھجوریں نہ عجوہ ہوں' نہ برنی ہوں۔

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کی بستی میں پہنچے تو بنونضیر اپنے قلعوں میں بند ہو گئے' آپ نے حکم دیا کہ ان کی کھجور کے درختوں کو کاٹ دیا جائے اور جلا دیا جائے' اس وقت اللہ کے ان دشمنوں نے فریاد کی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ نیک کام کرتے ہیں' کیا یہی نیکی ہے کہ درختوں کو کاٹ دیا جائے' کیا آپ کی کتاب میں یہ حکم نازل کیا گیا ہے کہ زمین میں فساد کیا جائے؟ مسلمان ان کی یہ بات سن کر ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کام فساد ہو' پھر مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا' بعض نے کہا: ان درختوں کو نہ کاٹو' ان درختوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری ملک میں لوٹا دیا ہے اور بعض نے کہا: نہیں! ہم ان درختوں کو کاٹ کر بنونضیر کو غیظ اور غم و غصہ میں مبتلا کریں گے' تب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فریقوں کی تصدیق میں یہ آیت نازل کی کہ جن مسلمانوں نے ان درختوں کو کاٹا ہے' وہ بھی اللہ کے حکم سے ہے اور جن مسلمانوں نے ان درختوں کو بغیر کاٹے چھوڑ دیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۷۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دراصل اللہ کا حکم ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کرتے تھے اور ان دونوں فریقوں کے اجتہاد کی تصدیق میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

بنونضیر کے درختوں کو کاٹنا اور چھوڑ دینا' آیا صحابہ کے اجتہاد سے تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے؟

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کے قلعوں کے پاس مقام البویرہ میں پہنچے تو آپ نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا' کیونکہ غزوۂ اُحد میں انہوں نے مشرکین کی مدد کر کے' آپ سے کیے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی' تو مسلمانوں نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالا اور چھ درختوں کو جلا دیا' اور امام محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ انہوں نے ایک درخت کو کاٹ دیا تھا اور ایک درخت کو جلا دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کارروائی پر برقرار رکھا تھا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۱)

اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے:

یزید بن رومان نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کی بستی میں پہنچے تو وہ قلعہ بند ہو گئے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹ دیا جائے اور جلا دیا جائے' اس پر انہوں نے اعتراض کیا کہ آپ تو فساد کرنے سے منع کرتے تھے اور اس کی مذمت کرتے تھے اور اب خود درختوں کو کاٹ رہے ہیں اور جلا رہے ہیں' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: '' مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ '' (الحشر: ۵)۔

قتادہ نے کہا: بعض مسلمانوں نے درخت کاٹ دیئے اور بعض نے اس خیال سے نہیں کاٹے کہ کہیں یہ فساد نہ ہو۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۴۴۔ رقم الحدیث: ۲۶۲۲۰۔ ۲۶۲۱۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن الماوردی لکھتے ہیں کہ درختوں کو کاٹنے اور جلانے کے بعد مسلمانوں کے دل میں خدشہ ہوا' بعض نے کہا: یہ زمین میں فساد کرنا ہے' اور بعض نے کہا' ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے' کہ یہ اللہ کا اپنے دشمنوں کو ذلیل کرنا ہے اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہے' پھر مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم نے جو کارروائی کی ہے اس پر ہم کو اجر ملے گا یا گناہ ہو گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا' سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا اور تاکہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے۔ (الحشر: ۵) اس سے معلوم ہوا کہ جن

مسلمانوں نے اپنے اجتہاد سے درختوں کو کاٹ دیا تھا وہ بھی صحیح تھا اور جنہوں نے اپنے اجتہاد سے درختوں کو نہیں کاٹا ان کا اجتہاد بھی صحیح تھا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے' لیکن یہ قول باطل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمانوں کا اجتہاد کرنا جائز نہ تھا' البتہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر دلیل ہے کیونکہ اس خاص معاملہ میں آپ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اور چونکہ عمومی طور پر کفار کو ذلیل کرنے کا حکم ہے' اس لیے آپ نے کافروں کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا یا مسلمانوں کو کاٹنے سے منع نہیں فرمایا اور جب اس پر بنو نضیر نے اعتراض کیا تو آپ کی تائید اور تصویب میں الحشر: ۵ نازل ہوگئی۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۲۱۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے جو اموال ان سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ' لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے' سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ وہ (اموال) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں' اور رسول تم کو جو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O (الحشر: ۷-۶)

فیئے کا لغوی اور شرعی معنی

اس آیت میں "افاء" کا لفظ ہے' اس کا مصدر "فیی" ہے' علامہ راغب اصفہانی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیئے کا معنی ہے: حالتِ محمودہ کی طرف رجوع کرنا' اور اس مال غنیمت کو فیئے کہتے ہیں جس میں مسلمانوں کو کوئی مشقت نہ ہو۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۰۳-۵۰۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

مشرکین کے جو اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائیں' وہ اموال فیئے ہیں' لہٰذا غنیمت' جزیہ اور خراج یہ سب فیئے ہیں' کیونکہ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کفار کی ملکیت سے نکال کر مسلمانوں کی ملکیت میں داخل کر دیں' ہر چند کہ غنیمت بھی فیئے ہے لیکن وہ بعض خصوصیات کی وجہ سے فیئے سے الگ ہوگئی کہ جو اموال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہوں ان کو غنیمت کہتے ہیں' اور ان اموال میں خمس (۱/۵) نکالنے کے بعد ان کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور جو مال فیئے ہوں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر انتظام رہتے ہیں' ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات' اپنے اقرباء' فقراء' مساکین' مسافروں اور عام مسلمانوں کی فلاح اور بہبود پر خرچ کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کا مصرف فقراء' مساکین' مسافر اور عام مسلمانوں کی ضروریات ہیں' کیونکہ حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو نضیر کے اموال فیئے تھے ان اموال کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹا دیا' ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے' یہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے' آپ ان اموال میں سے اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا خرچ نکالتے تھے اور باقی اموال کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سواریوں اور ہتھیاروں میں خرچ کرتے تھے۔ علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: یہ وہ اموال فیئے ہیں

جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے تھے' ان اموال میں کسی کا حق نہیں ہے' الا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے کسی کو کچھ عطا فرما دیں' ان اموال میں سے نبی صلی اللہ عیہ وسلم اپنے اہل پر خرچ کرتے تھے اور باقی اموال کو سواریوں اور ہتھیاروں پر خرچ کرتے تھے' کیونکہ ان اموال کو مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ صلح کے ذریعہ حاصل کیا تھا' ارضِ فدک اور عرینہ کے اموال کا بھی یہی حکم ہے۔ قرآنِ مجید میں فئے کے متعلق سورۂ حشر کی جو آیات ہیں ان میں یہ دلیل ہے کہ کفار کے جو اموال بغیر جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوئے ہوں ان کو مسلمانوں کے بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان کو ان مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن مصارف میں خراج اور جزیہ کے اموال کو خرچ کیا جاتا ہے' کیونکہ وہ اموال بنونضیر کے اموال کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے کوئی جنگ کی ہے نہ کوئی مشقت اٹھائی ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۳۰-۴۲۹' سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

مالِ غنیمت اور مالِ فئے کو کفار کی ملکیت سے نکال کر مسلمانوں کو دینے کی وجہ

کفار سے جس نوع کے بھی اموال حاصل ہوتے ہیں' ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ کفار کے باغی ہو جانے کی وجہ سے بحق سرکار ضبط ہونے کے بعد وہ اموال ان کی ملکیت سے نکل جاتے ہیں اور مالکِ حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹ جاتے ہیں' اس لیے اموال کے اللہ کی طرف پلٹ آنے کو افاء اور فیئ سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جن اموال کے حصول میں مسلمانوں کی جنگ اور جہاد کا دخل ہوتا ہے' اس مال کو اللہ تعالیٰ نے لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا' ارشاد ہوا: "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ الایۃ" (الانفال: ۴۱) جان لو کہ جو مال تم نے بطورِ غنیمت حاصل کیا ہے۔ اور کفار کے جس مال کے حصول میں جنگ اور جہاد کی ضرورت نہیں پڑتی' اللہ تعالیٰ نے اس کو فئے سے تعبیر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا: "مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی" (الحشر: ۷) یعنی بنونضیر اور بنوقریظہ کے جو مال اللہ تعالیٰ نے بغیر جنگ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹا دیئے۔

سورۂ حشر کی ابتدائی آیات میں بنونضیر کی ان جائیدادوں اور املاک کا ذکر ہو رہا ہے جو پہلے بنونضیر کی ملک تھیں اور ان کی جلاوطنی کے بعد وہ اسلامی حکومت کے قبضہ میں آ گئیں' ان آیات میں ان متروکہ جائیدادوں کے انتظام اور ان کے اموال میں تصرف کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے' کیونکہ یہ ایک علاقہ کے فتح ہونے کے بعد اس کے اسلامی مقبوضات میں شامل ہونے کا پہلا موقع تھا اور اس کے بعد بھی اس قسم کے بہت سے علاقے فتح ہونے والے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی میں اراضی مفتوحہ کا قانون بیان فرما دیا۔ اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دیا۔ ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زمین اور یہاں کی ساری چیزیں اللہ کے باغیوں کا حق نہیں ہیں' اگر وہ ان چیزوں پر متصرف ہیں تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے ڈاکو اور باغی حکومت کے اموال پر قبضہ کر کے اس میں تصرف کرنے لگیں' درحقیقت تمام اموال میں اصل یہ ہے کہ ان اموال کو ان کے حقیقی مالک اللہ رب العالمین کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں خرچ کیا جائے اور ان اموال میں اس طرح کا خرچ صرف صالحین مؤمنین ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے جو اموال بھی ایک جائز اور صحیح جنگ کے نتیجہ میں کفار کے قبضہ سے نکل کر اہل ایمان کے قبضہ میں آ جائیں ان کی حقیقی حیثیت یہ ہے کہ ان کا مالک انہیں اپنے خائن ملازموں کے قبضہ سے نکال کر اپنے فرمانبردار ملازموں کی طرف پلٹاتا ہے' اس لیے ان املاک کو اسلامی قانون کی اصطلاح میں فئے (پلٹا کر لائے ہوئے اموال) کہا جاتا ہے۔

مالِ غنیمت اور مالِ فئے کا فرق

مالِ غنیمت وہ مال ہے جس کو مسلمان فوج دشمن سے جنگ کر کے اور مقابلہ میں فتح یاب ہو کر دشمن سے حاصل کرتی ہے'

لیکن فوج میں اس مال کو تقسیم کرنے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ چونکہ اس فوج نے لڑکر یہ مال جیتا ہے' اس وجہ سے یہ مال اس کا حق ہے' بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو اس جنگ میں فتح عطا کی ہے اور درحقیقت یہ اس اسلامی نظام کی فتح ہے' جس کو قائم کرنے کے لیے مسلمانوں نے جنگ کی تھی' اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ خمس نکالنے کے بعد مالِ غنیمت کے عنوان سے ان کو جو مال دیا جائے اس مال کو وہ اللہ کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں صرف کریں تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ جب کفار کے ہاتھ میں پیسہ ہو تو وہ اس کو کس طرح خرچ کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے ہاتھ میں پیسہ آئے تو وہ اس کو کس طرح صرف کرتے ہیں۔

مالِ غنیمت کے برخلاف مالِ فئے کی یہ نوعیت نہیں ہے کہ اس مال کو اسلامی فوج نے میدانِ جنگ میں لڑکر جیتا ہے اور اس بناء پر اس مال کو اسلامی فوج میں تقسیم کردیا جائے' بلکہ مالِ فئے کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے رسول اور مسلمانوں کو کفار پر غالب کردیا اور اسلام کے رعب اور ہیبت سے کفار اپنے اموال کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور بغیر کسی جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں کفار کے اموال آ گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے: '' فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ '' (الحشر: ۶) یہ ایسے اموال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے ہوں۔ اس وجہ سے اموالِ فئی میں فوج کا حق نہیں ہے کہ مالِ غنیمت کی طرح مالِ فئی کو بھی ان میں تقسیم کردیا جائے۔

اسلام میں غنیمت اور فئے کا حکم الگ الگ مقرر کیا ہے' غنیمت کا حکم سورۂ انفال کی آیت: ۴۱ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں' چار حصے لڑنے والی فوج میں تقسیم کردیئے جائیں اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کرکے اس کو یتامیٰ' مساکین' مسافروں اور مسلمانوں کے عام رفاہی اُمور میں خرچ کیا جائے اور فئے کا حکم سورۂ حشر کی آیت: ۷ تا ۱۰ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اموالِ فئے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے قرابت داروں' یتامیٰ' مساکین اور مسافروں پر خرچ کیا جائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا' امام شافعی کے نزدیک یہ حصہ اب امام اور خلیفہ پر خرچ کیا جائے گا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ فقراء اور مساکین میں آ گیا اور یہ تقسیم کی وہی صورت ہے جو خمس میں بیان کی گئی ہے۔ غنیمت اور فئے کا یہ ایک اجمالی فرق ہے' اس کی تفصیل آئندہ سطور میں ہم فقہاء اسلام کے مذاہب کے ذکر میں بیان کریں گے' اس سے پہلے کہ فئے اور غنیمت کی مزید وضاحت کریں' پہلے سورۂ حشر کی ان آیات کو بیان کرتے ہیں جو فئے کے احکام کا اصل ماخذ ہیں۔

قرآن مجید سے اموالِ فئے کے وقف ہونے پر دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ (الحشر: ۷۔۶)

اور اللہ نے جو اموال ان سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے' حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ' لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرمادیتا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹادیئے' سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے' اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ وہ (اموال) تم میں سے صرف

مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ . (الحشر:۱۰) اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو پہلوں کے بعد آئے ہیں۔

ان آیت سے واضح ہوگیا کہ مالِ خمس اور مالِ فئے کے مصارف ایک جیسے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال کسی شخص کی شخصی ملکیت میں نہیں دیئے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان اموال کا شخصی مالک نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال آپ کی تولیت اور انتظام میں کر دیئے اور ان کے مصارف متعین کر دیئے' تاکہ آپ ان اموال کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں' اپنے قرابت داروں میں صرف کریں اور یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کریں' چنانچہ اس باب کی احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال کو اسی طرح خرچ کرتے تھے' نیز اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ ان اموال کے یہ مصارف اس لیے مقرر کیے ہیں تاکہ یہ مال تمہارے مال داروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے' اس سے واضح ہوگیا کہ مال فئی کا کوئی شخص شخصی مالک نہیں ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے' نیز ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ''(الحشر:۱۰) اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو پہلوں کے بعد آئے ہیں۔اس آیت سے بھی یہ واضح ہوگیا کہ اموالِ فئے کسی شخص کی نجی اور شخصی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ یہ مسلمانوں کے مفادِ عامہ اور یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے قیامت تک وقف ہوتے ہیں اور اموالِ فئے کے وقف ہونے پر سورۂ حشر کی یہ نصوصِ قطعیہ ناطق اور شاہد ہیں۔

احادیث سے مالِ فئے کے وقف ہونے پر دلائل اور باغِ فدک کا وقف ہونا

حضرت اوس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا' میں دن چڑھنے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ وہ گھر میں خالی تخت پر چمڑے کے ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں' فرمانے لگے: اے مالک! تمہاری قوم کے کچھ لوگ جلدی جلدی آئے تھے' میں نے انہیں تھوڑی سی چیزیں دینے کا حکم دے دیا ہے' تم وہ چیزیں لے کر ان کے درمیان تقسیم کر دو' میں نے کہا: آپ میرے علاوہ کسی اور کے ذمہ یہ کام لگا دیتے تو اچھا تھا' حضرت عمر نے فرمایا: اے مالک! تم یہ چیزیں لے لو' اتنے میں (ان کا غلام) یرفاء اندر آیا اور کہنے لگا: حضرت عثمان' حضرت عبد الرحمٰن بن عوف' حضرت زبیر اور حضرت سعد کے متعلق کیا حکم ہے؟ (یعنی وہ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں) حضرت عمر نے کہا: اچھا' اور انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی' اور وہ اندر آ گئے' پھر یرفاء آئے اور کہا: حضرت علی اور حضرت عباس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت عمر نے کہا: اچھا' اور ان کو بھی اجازت دے دی' حضرت عباس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میرے اور اس جھوٹے' خطا کار' عہد شکن اور خائن کے درمیان فیصلہ کر دیجئے' باقی صحابہ نے بھی کہا: ہاں! اے امیر المؤمنین! ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور ان کو راحت دلایئے۔ حضرت مالک بن اوس نے کہا: میرا خیال تھا کہ ان دونوں نے ان صحابہ کو اسی لیے پہلے بھیجا تھا' حضرت عمر نے کہا: ٹھہرو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں' کیا تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا' ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! پھر حضرت عمر' حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تم دونوں کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں' کیا تم دونوں یہ جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا

تھا کہ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے' ان دونوں نے کہا: ہاں! حضرت عمر نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چیز کے ساتھ خاص کیا تھا جس کے ساتھ کسی اور کو خاص نہیں کیا تھا' یہ بستیوں کے وہ اموال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوٹا دیئے تھے' یہ اموال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں (یعنی اموالِ فئے)' راوی کہتے ہیں: مجھے علم نہیں کہ انہوں نے اس سے پہلے والی آیت پڑھی تھی یا نہیں۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے درمیان بنو نضیر کے اموال تقسیم کر دیئے' بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو اپنے ساتھ خاص نہیں کیا اور نہ تمہیں چھوڑ کر ان اموال کو خود رکھا' حتیٰ کہ یہ مال باقی رہ گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے ایک سال کا خرچ لے لیتے تھے' باقی جو بچتا وہ بیت المال میں رکھ لیتے' حضرت عمر نے پھر فرمایا: میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں' کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! پھر حضرت عمر نے حضرت عباس اور حضرت علی کو بھی وہی قسم دی جو باقی صحابہ کو دی تھی' اور کہا: کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت عمر نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں' پھر تم دونوں آئے' تم اپنے بھتیجے کی میراث سے طلب کرتے تھے اور یہ اپنی زوجہ کے لیے ان کے والد کی میراث سے طلب کرتے تھے تو حضرت ابوبکر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے' ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے' سو تم دونوں نے حضرت ابوبکر کو جھوٹا' گناہ گار' عہد شکن اور خائن گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر سچے' نیک' ہدایت یافتہ اور حق کی پیروی کرنے والے ہیں' پھر حضرت ابوبکر فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا خلیفہ بنایا گیا' پس تم دونوں نے مجھے بھی جھوٹا' گناہ گار' عہد شکن اور خائن گمان کیا (یعنی میرے ساتھ وہ سلوک کیا جو جھوٹے اور خائن کے ساتھ کرتے ہیں) اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں سچا' نیک' ہدایت یافتہ اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں' پھر میں ان اموال کا ولی بنایا گیا پھر تم اور یہ میرے پاس آئے درآں حالیکہ تم دونوں کی رائے متفق تھی' تم دونوں نے کہا: ان اموال کی نگہداشت ہمارے سپرد کر دیجئے' میں نے کہا: اگر تم چاہو تو میں یہ اموال اس شرط کے ساتھ تمہارے سپرد کر دیتا ہوں کہ تم ان اموال میں اسی طرح تصرف کرو گے جس طرح ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے تھے' تم دونوں نے اس کا اقرار کیا' حضرت عمر نے کہا: کیا اسی طرح معاہدہ ہوا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت عمر نے کہا: اب پھر تم دونوں میرے پاس آئے ہو کہ میں تم دونوں کے درمیان فیصلہ کروں' نہیں! خدا کی قسم! قیامت تک میں تمہارے درمیان اس کے سوا کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا' اگر تم ان اموال کا انتظام کرنے سے عاجز ہو گئے ہو تو پھر یہ مجھے واپس کر دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۰)

کیا حضرت علی نے نبی کا وارث نہ بنانے کی روایت میں حضرت ابوبکر اور عمر کو جھوٹا' عہد شکن' خائن اور گناہ گار گمان کیا تھا؟

ملا باقر مجلسی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر یہ دلیل ہے کہ ''صحیح مسلم'' میں مالک بن اوس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی اور حضرت عباس سے کہا: حضرت ابوبکر نے تم دونوں سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے' ہم نے جو کچھ ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے' پس تم دونوں نے ابوبکر کو جھوٹا' عہد شکن' خائن اور گناہ گار گمان کیا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر سچے' نیک اور حق کی پیروی کرنے والے تھے' پھر ابوبکر فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوا' پھر تم دونوں نے مجھ کو جھوٹا' عہد شکن' خائن اور گناہ گار گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ

میں سچا' نیک اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔ ملا باقر مجلسی کہتے ہیں کہ "صحیح مسلم" کی اس روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت علی' حضرت ابوبکر کو اس روایت میں جھوٹا گردانتے تھے اور حضرت علی کا اس روایت کو جھوٹا قرار دینا اس روایت کے باطل اور موضوع ہونے پر واضح دلیل ہے' کیونکہ حضرت علی حق کے سوا کچھ نہیں کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی اس حدیث کی صداقت کے معترف تھے جیسا کہ مالک بن اوس کی اسی روایت میں ہے: حضرت عمر نے حضرت علی اور حضرت عباس سے فرمایا:

میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کی اجازت سے زمین اور آسمان قائم ہیں' کیا تم دونوں کو یہ علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا' ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے؟ حضرت عباس اور حضرت علی دونوں نے کہا: ہاں (ہمیں علم ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۹)

نبی کا وارث نہ بنانے کی حدیث پر اشکالات کے جوابات

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی کو اس حدیث کا علم تھا اور جب انہیں علم تھا تو حضرت فاطمہ کو بھی یقیناً علم ہو گا تو پھر ان حضرات نے حضرت ابوبکر سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا اور پھر دوبارہ حضرت عمر سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا؟

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حضرت عباس اس حدیث کے تو معترف تھے لیکن اس حدیث کو عام نہیں سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے کسی چیز کا بھی کوئی وارث نہیں ہو گا' ان کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے بعض چیزوں کا کوئی وارث نہیں ہو گا اور باقی متروکات میں وراثت جاری ہو گی اور خیبر کی بعض اراضی اور فدک کے متعلق ان کا گمان تھا کہ اس میں وراثت جاری ہو گی' اس وجہ سے وہ ان میں وراثت کو طلب کرتے تھے' اس کے برعکس حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور دیگر صحابہ اس حدیث کو عموم پر محمول کرتے تھے اور اس حدیث کی تعمیم اور تخصیص میں ان کی آراء اور اجتہاد میں اختلاف ہو گیا' حضرت علی اور حضرت عباس کو اپنے مؤقف پر اصرار تھا' اس وجہ سے پہلے انہوں نے حضرت ابوبکر سے اور پھر حضرت عمر سے میراث کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو حضرت عباس اور حضرت علی سے فرمایا کہ تم دونوں نے پہلے ابوبکر کو اور پھر مجھے جھوٹا' عہد شکن اور خائن گمان کیا اس کا کیا محمل ہے؟ علامہ اُبی مالکی لکھتے ہیں کہ علامہ مازری مالکی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ باب تنزیل سے ہے یعنی تم دونوں نے حضرت ابوبکر کے استدلال اور حجت کو تسلیم نہیں کیا اور برابر میراث کی تقسیم کا مطالبہ کرتے رہے' خلاصہ یہ ہے کہ تم نے سچے شخص کے ساتھ جھوٹے شخص کا معاملہ کیا نہ یہ کہ تم نے ان کو فی الواقع جھوٹا سمجھا۔

علامہ اُبی مالکی لکھتے ہیں کہ یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی "افرایتماہ کاذبا غادرًا خائنًا آثمًا" کیا تم نے ابوبکر کو جھوٹا' عہد شکن' خائن اور گناہ گار سمجھا تھا؟ اور یہ استفہام انکاری ہے' یعنی جب تم حضرت ابوبکر کو جھوٹا اور عہد شکن نہیں سمجھتے تھے تو پھر کیوں بار بار میراث کی تقسیم کا مطالبہ کرتے تھے؟ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۷۸۔۷۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ ان توجیہات کے صحیح اور صواب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان اراضی کو حضرت فاطمہ کی اولاد کی ملکیت میں نہیں دیا اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بعد میں حضرت علی کو یہ شرح صدر ہو گیا کہ اس حدیث کے بارے میں حضرت ابوبکر کا اجتہاد صحیح اور صائب تھا اور یہ کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے متروکات میں سے کسی چیز میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔
ہم نے جو اس حدیث کی تحقیق کی ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی اور حضرت عمر کا اس حدیث سے استدلال میں اختلاف تھا اور اس حدیث کی صحت میں اہل بیت کا اختلاف نہیں تھا' نہ حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حضرت عباس میں سے کسی نے اس حدیث کا انکار کیا تھا' جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے سمجھا ہے بلکہ انہوں نے قسم کھا کر اس حدیث کا اعتراف کیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ائمہ شیعہ نے بھی اس حدیث کو کئی اسانید سے روایت کیا ہے جیسا کہ ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۴۶۱۔۴۶۰ میں اس کو مفصل بیان کیا۔

نبی کا وارث نہ بنانے کی تائید میں دیگر احادیث

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فئی عطا کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جو کچھ چھوڑا ہے اس میں ان کی میراث کو تقسیم کریں' حضرت ابوبکر نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا' ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۴۰)
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:
حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت عثمان' حضرت عبد الرحمٰن' حضرت زبیر اور حضرت سعد سے) کہا: ٹھہرو! میں تم کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں' جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا' ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے؟ انہوں نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۸)
باغ فدک کو وقف قرار دینے پر مفصل بحث اور علماء شیعہ کے اہم اعتراضات کے جوابات پڑھنے کے لیے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۵ ص ۴۶۰۔۴۶۱ کا مطالعہ فرمائیں۔

''دولة'' کا معنی

نیز الحشر: ۷ میں فرمایا: تاکہ وہ (اموال) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان گردش کرتے نہ رہیں۔
اس آیت میں ''دولة'' کا لفظ ہے' علامہ حسین محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''الدَّولة'' اور ''الدُّولة'' واحد ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ''الدَّولة'' کا اطلاق مال میں ہوتا ہے' ''الدُّولة'' کا اطلاق حرب میں ہوتا ہے' اور دولت اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو بعینہٖ گردش کرتی رہتی ہے' کبھی ایک کے پاس' کبھی دوسرے کے پاس' قرآن مجید میں ہے:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ (آل عمران: ۱۴۰)
ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۳۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا: اور رسول تم کو جو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو مال غنیمت سے جو کچھ عطا کریں' اس کو قبول کرلو اور تم کو مال غنیمت میں خیانت

کرنے سے روکیں تو اس سے رک جاؤ۔ اس آیت کا شانِ نزول اگرچہ مال غنیمت کے ساتھ خاص ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر اور نواہی اور آپ کے تمام احکام اس میں داخل ہیں۔

حسن بصری نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: میں تم کو مالِ فئے سے جو کچھ دوں اس کو قبول کر لو اور جس چیز سے تم کو منع کر دوں اس کو طلب نہ کرو۔

علامہ الماوردی التوفی ۴۵۰ھ نے کہا: یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر اور نواہی پر محمول ہے کیونکہ آپ کا ہر حکم صرف نیک کام کے لیے ہوتا ہے اور نہی اور ممانعت برائی کے لیے ہوتی ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اموال ان فقراء مہاجرین کے لیے ہیں جن کو ان کے گھروں سے اور ان کے اموال سے نکال دیا گیا وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں اور اللہ (کے دین) کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں وہ لوگ وہی سچے ہیں O اور (یہ اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دارِ ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں اور وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کو دی گئی ہے اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں شدید ضرورت ہو اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے بچایا گیا سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O (الحشر: ۹۔۸)

فقراء مہاجرین کا صادق ہونا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صادق ہونے کو مستلزم ہے

اس آیت (الحشر: ۸) میں مہاجرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی نصرت کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی قتادہ نے کہا: یہ وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے اپنے گھروں اپنے مالوں اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور اپنی اولاد کو اور اپنے وطن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر چھوڑ دیا حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا تاکہ اس کی کمر سیدھی رہے اور ان میں سے کسی شخص کے لیے سردی سے بچاؤ کے لیے گرم کپڑے نہیں ہوتے تھے۔

اور فرمایا: ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا کفار نے ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا اور ان کو ان کا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور یہ ایک سو نفر تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۰)

نیز فرمایا: وہی لوگ سچے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقراء مہاجرین کو صادق فرمایا ہے اور یہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے خلافت کا مستحق قرار دیا تھا اور ان کا صادق ہونا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صادق ہونے کو مستلزم ہے۔

اس کی توجیہ کہ انصار نے مہاجرین سے پہلے ایمان کی جگہ بنالی

الحشر: ۹ میں فرمایا: اور (یہ اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دارِ ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جن لوگوں نے مہاجرین کے مدینہ میں آنے سے مدینہ کو اپنا وطن بنایا اور مدینہ میں اپنا گھر بنایا وہ انصار ہیں اور یہ جو فرمایا ہے: وہ مہاجرین سے پہلے ایمان میں جگہ بنا چکے ہیں اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ مہاجرین سے پہلے ایمان لا چکے ہیں کیونکہ انصار مہاجرین کے بعد ایمان لائے تھے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مہاجرین کے آنے سے پہلے مدینہ میں ایمان کے گھر بنا چکے تھے یعنی ایمان والوں کے لیے گھر بنا چکے تھے یا اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے مدینہ کے

گھروں کو لازم کر لیا تھا اور ایمان کو لازم کر لیا تھا۔

اس آیت میں ''تبوّو'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''تبوّء'' ہے' اس کا معنی ہے: انہوں نے ٹھکانا بنالیا' انہوں نے جگہ بنا لی۔

اموالِ بنونضیر صرف مہاجرین کو عطا فرمانا نہ انصار کو

اس کے بعد فرمایا: اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کو دی گئی ہے۔

علامہ ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے دن انصار سے فرمایا: اگر تم چاہو تو تم اپنے اموال اور اپنے گھروں کو مہاجرین کے لیے تقسیم کر دو اور تم بنونضیر کے مالِ غنیمت میں شریک ہو جاؤ اور اگر تم چاہو تو تمہارے اموال اور تمہارے گھر تمہارے ہی لیے رہیں اور اس مالِ غنیمت کو تم میں تقسیم نہیں کیا جائے گا' انصار نے کہا: بلکہ ہم اپنے مالوں کو اور اپنے گھروں کو مہاجرین کے لیے تقسیم کریں گے اور ہم اس مالِ غنیمت میں ان کے شریک نہیں ہوں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۸۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

مجاہد اور مقاتل بن حیان نے کہا کہ بنونضیر سے جو مال فئے حاصل ہوا تھا وہ انصار نے مہاجرین کے لیے چھوڑ دیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں لیا۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر سے حاصل شدہ مال فئے اور بنوقریظہ سے حاصل شدہ مال غنیمت مہاجرین کو دے دیا اور فرمایا: اس کے عوض مہاجرین انصار سے لیے ہوئے اموال انہیں واپس کر دیں' پس انصار نے کہا: نہیں ہم اپنے اموال واپس نہیں لیں گے اور ہم خوشی سے ان کو یہ اموال فئے اور اموال غنیمت دیتے ہیں۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ بنونضیر کے اموال کے پانچ حصے کیے جائیں (چار حصے مسلمانوں میں تقسیم کیے جائیں اور ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے' جیسا کہ مالِ غنیمت میں ہوتا ہے) تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بیان فرمایا کہ بنونضیر کے اموال فئے ہیں وہ مسلمانوں کی جنگ کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہوئے اور ان اموال پر خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہے' سو آپ ان اموال میں جو چاہیں کریں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ بنونضیر کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انصار میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا' سوائے تین شخصوں کے جن کو مال کی بہت ضرورت تھی: حضرت ابودجانہ' حضرت سہل بن حنیف اور حضرت حارث بن الصمۃ رضی اللہ عنہم۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۲۱۰' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ایثار کا لغوی اور اصطلاحی معنی

نیز اس آیت میں فرمایا: اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں' خواہ انہیں شدید ضرورت ہو۔

اس آیت میں ہے: ''ویؤثرون'' اس کا مصدر ایثار ہے' علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اثر کے لفظ کا فضل اور ایثار کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے' صحیح حدیث میں ہے: ''سیکون بعدی اثرۃ'' (صحیح البخاری رقم

الحدیث: ۲۶۰۳) یعنی تم میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیں گے۔ اور ''استئثار'' کا معنی ہے: کسی شخص کا کسی چیز کے ساتھ متفرد ہونا۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۱۔ ۱۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ایثار کا معنی ہے: کسی دوسرے شخص کو دنیاوی چیزوں میں اپنے اوپر ترجیح دینا' یہ وصف یقین کی قوت' محبت کی شدت اور مشقت پر صبر کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

ایثار کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری کے پاس رات کو ایک مہمان آیا' اس کے پاس صرف اتنا طعام تھا کہ وہ اور اس کی بیوی بچے کھالیں' اس نے اپنی بیوی سے کہا: بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھا دو اور گھر میں جو کچھ کھانا ہے وہ مہمان کے آگے لا کر رکھ دو' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ''وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ'' (الحشر: ۹)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۹۔ ۳۷۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۸۶' سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں بھوکا ہوں' آپ نے اپنی کسی زوجہ کے پاس پیغام بھیجا' انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں' پھر آپ نے دوسری زوجہ کے پاس پیغام بھیجا' انہوں نے بھی اسی طرح کہا حتیٰ کہ سب نے اسی طرح کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں' پھر آپ نے فرمایا: آج رات کون اس شخص کو مہمان بنائے گا؟ انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی ضیافت کروں گا' پھر وہ اس کو اپنے گھر لے گیا' پھر اس نے اپنی بیوی سے پوچھا: تمہارے پاس کھلانے کے لیے کچھ ہے؟ اس نے کہا: صرف میرے بچوں کا کھانا ہے' اس نے کہا: ان کو بہلا کر سلا دو اور جب مہمان آئے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم بھی کھا رہے ہیں' پھر سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھالیا' جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے جس طرح رات کو اپنے مہمان کی ضیافت کی ہے اس سے اللہ بہت خوش ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۵۴) امام بیہقی نے لکھا ہے: یہ حضرت ابو طلحہ اور اس کی بیوی کا واقعہ ہے۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۰)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص کے پاس بکری کی سری ہدیہ میں آئی' اس نے سوچا کہ میرا فلاں (دینی) بھائی عیال دار ہے اور وہ مجھ سے زیادہ اس سری کا محتاج ہے' اس نے وہ سری اس کے پاس بھیج دی' اس نے وہ سری کسی اور ضرورت مند صحابی کے پاس بھیج دی اور اس نے کسی اور ضرورت مند کے پاس' یوں وہ سات گھر والوں میں سے گھومتی ہوئی پھر پہلے صحابی کے پاس پہنچ گئی۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۲۱۴' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ ھ)

امام حاکم نیشا پوری متوفی ۴۰۵ ھ' امام بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ اور امام ابو الحسن واحدی متوفی ۴۶۸ ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۸۴' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۲۰۴' اسباب النزول رقم الحدیث: ۸۱۰)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے' ان کو یہ خواہش ہوئی کہ جب انار کا پہلی بار پھل آئے تو وہ انار کھائیں' ان کی بیوی صفیہ نے ایک درہم کا انار منگایا' جب انار آ گیا تو ایک سائل نے اس کا سوال کیا' حضرت

ابن عمر نے فرمایا: یہ انار اس کو دے دو' پھر ان کی بیوی نے ایک اور درہم کا انار منگوایا' پھر وہی سائل آ گیا اور اس نے اسی کا سوال کیا' حضرت ابن عمر نے فرمایا: یہ انار بھی اس کو دے دو' پھر ان کی بیوی نے تیسرا انار منگوایا۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۲۰۶' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۷۸۲' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۹۷' کتاب الزہد لاحمد بن حنبل رقم الحدیث: ۱۹۰' سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۸۵' اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ روزہ سے تھیں کہ ایک مسکین نے سوال کیا اور اس وقت گھر میں صرف ایک روٹی تھی' آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا: اس کو وہ روٹی دے دو' خادمہ نے کہا: پھر آپ کے افطار کے لیے کوئی چیز نہیں رہے گی' آپ نے فرمایا: تم یہ روٹی اس کو دے دو' ایک گھر سے ہمارے ہاں ہدیہ آتا تھا' شام کو اس کے ہاں سے ایک بکری اور اس کی دستی آ گئی' حضرت عائشہ نے اس خادمہ سے فرمایا: لو اس سے کھاؤ یہ تمہاری روٹی سے بہتر ہے۔ (موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۱۹۲۹۔ ج ۲ ص ۷۳ ۴' دار المعرفۃ' بیروت' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۲۰۷)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں' ان کے پاس ایک سائل آیا اور ان کے پاس اس وقت صرف ایک روٹی تھی' حضرت ام سلمہ نے فرمایا: اے بریرہ! وہ روٹی اس سائل کو دے دو' حضرت بریرہ نے توقف کیا' اس سائل نے پھر سوال کیا' حضرت ام سلمہ نے فرمایا: اے بریرہ! وہ روٹی اس سائل کو دے دو' شام کو ہم نے پانی سے روزہ افطار کیا' تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے پر دستک دی' آپ نے فرمایا: اے بریرہ! دیکھو کون ہے؟ تو ایک شخص ایک خوان میں بھنی ہوئی بکری اور روٹیاں لے کر آیا تھا' حضرت ام سلمہ نے فرمایا: الحمد للہ! اللہ عزوجل نے ان شاء اللہ ہمارے لیے اجر رکھا ہے' یہ اس کے علاوہ ہے۔ ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں ایک ماہ سے دوسرے ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۶۔ ۱۴۵۔ رقم الحدیث: ۳۲۱۵۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں' اس نے سوال کیا' میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی' میں نے وہی کھجور اس کو دے دی' اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور اپنی بیٹیوں کو کھلا دیئے اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا' پھر وہ چلی گئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ نے فرمایا: جو ان بیٹیوں کی پرورش میں مبتلا ہوا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۵)

امام مسدد اپنی ''مسند'' میں' امام ابن ابی الدنیا ''کتاب قری الضیف'' اور امام ابن المنذر ابوالمتوکل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مسلمان تین دن سے روزہ دار تھا اور اس کے پاس افطار کے لیے کوئی چیز نہیں تھی حتیٰ کہ حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ہوئی' انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: آج شام کو میں ایک مہمان لے کر آؤں گا' جب تم کھانا رکھو تو تم چراغ کے پاس اس طرح کھڑی ہو جانا گویا تم اس کو ٹھیک کر رہی ہو' پھر اس کو بجھا دینا پھر تم کھانے کے پاس اس طرح ہاتھ بڑھانا گویا کہ تم کھانا کھا رہی ہو' پھر حضرت ثابت اس روزہ دار مہمان کو لے کر آئے' شام کو ان کے سامنے کھانا رکھا اور چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دیا اور گھر والے کھانے کے سامنے اس طرح ہاتھ بڑھاتے رہے گویا کہ کھانا کھا رہے ہیں اور مہمان نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا' جب صبح کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: اے ثابت! گزشتہ رات تم نے اپنے مہمان کی جس طرح ضیافت کی اس سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط'' (الحشر: ۹)۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۱۰۲ 'دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

ہوسکتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات اس آیت کے نزول کا سبب ہوں 'کیونکہ ایک آیت کے نزول کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاشیہ والی بنی ہوئی ایک چادر لے کر آئی 'اس عورت نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں 'نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی 'آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے 'ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور کہنے لگا: یارسول اللہ! یہ بہت خوبصورت چادر ہے 'آپ یہ مجھے دے دیجئے 'حاضرین نے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا 'اس چادر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا در آں حالیکہ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی 'پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے 'اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا اس لیے سوال کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے 'سہل نے کہا: پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہوگئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷)

حافظ جلال الدین سیوطی 'امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے لکھتے ہیں:

حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکا آیا اور اس نے کہا: میری ماں نے آپ سے فلاں فلاں چیز کا سوال کیا ہے 'آپ نے فرمایا: آج ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے 'اس نے کہا: میری ماں کہتی ہے کہ آپ یہ قمیص دے دیجئے 'آپ نے وہ قمیص اتار کر اس کو دے دی اور آپ بغیر قمیص کے افسوس سے بیٹھے رہے 'تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدرالمنثور ج ۵ ص ۲۷۴ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

لیکن ''تفسیر ابن جریر'' اور ''تفسیر امام ابن ابی حاتم'' میں یہ حدیث نہیں ہے 'علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور قرطبی کے مخرج نے ''سنن کبریٰ 'مجمع الزوائد'' اور ''مصنف عبد الرزاق'' کا حوالہ دیا ہے لیکن ان تینوں کتابوں میں یہ حدیث نہیں ہے 'البتہ اس مضمون کی ایک اور حدیث مستند کتابوں میں موجود ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ایثار نفس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ انصار کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے مہاجرین کو اپنے مکانوں میں جگہ دی 'اور اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہوئے ان کو اپنے اموال دیئے خواہ ان کو خود ان مکانوں اور اموال کی ضرورت کیوں نہ ہو۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۵۵ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں اس کی تفسیر میں دو روایتیں ہیں:

(۱) مجاہد اور ابن حیان نے بیان کیا کہ انصار نے مال فے (کفار کا چھوڑا ہوا مال) اور مال غنیمت (میدان جنگ میں کفار سے حاصل کیا ہوا مال) میں اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دی حتیٰ کہ وہ مال مہاجرین کو دیا گیا اور ان کو نہیں دیا گیا۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو النضیر کا مال فے مہاجرین میں تقسیم کیا 'اور بنو قریظہ سے حاصل شدہ مال مہاجرین کو دے کر فرمایا انصار نے اپنے اموال جو تم کو دیئے تھے تم ان کے اموال واپس کردو 'انصار نے کہا نہیں ہم ان کو ان اموال پر برقرار رکھیں گے اور اموال فے میں ان کو اپنے اوپر ترجیح دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کردی۔

(۲) ابن زید بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: تمہارے بھائی (مکہ میں) اپنے اموال اور اولاد کو

چھوڑ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہم اپنے اموال میں ان کو شریک کر لیں گے آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ کچھ اور! انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان لوگوں کو کھیتی باڑی نہیں آتی، تم ان کی جگہ کام کرو اور پیدا شدہ کھجوریں آپس میں تقسیم کر لینا' یعنی بنو نضیر سے حاصل شدہ کھجوروں کو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ٹھیک ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۵۰۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

صرف اصحاب صبر کے لیے تنگی میں اپنے اوپر ایثار کی اجازت ہے' ہر شخص کے لیے نہیں

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

ایثار یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں میں آخرت کی طرف رغبت کرتے ہوئے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دی جائے اور یہ وصف نفس کی قوت' شدتِ محبت اور مشقت پر صبر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور ایثار کرنے والوں کے احوال کے اختلاف سے ایثار مختلف ہوتا ہے' جیسا کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کا سارا مال قبول فرمالیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا نصف مال قبول کیا اور حضرت ابولبابہ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہما سے تہائی مال قبول کیا کیونکہ ان کا درجہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے کم تھا اور اس میں کوئی خیر نہیں ہے کہ ایک شخص پہلے صدقہ کرے پھر نادم ہو اور ندامت کی وجہ سے اس کا اجر ضائع ہو جائے۔ (احکام القرآن جز ۴ ص ۲۲۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ احادیثِ صحیحہ میں اس سے منع کیا گیا ہے کہ انسان اپنا تمام مال صدقہ کر دے' اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اس شخص کے لیے منع ہے جو فقر پر صبر نہ کر سکتا ہو اور اس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اپنا تمام مال صدقہ کرنے کے بعد بھیک مانگنا شروع کر دے گا' لیکن جن انصار کے ایثار کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تعریف اور تحسین کی ہے ان کی یہ صفت نہ تھی' ان کے لیے مال رکھنے کے بجائے دوسروں کو دینا افضل تھا اور مال رکھنا ان کے لیے افضل ہے جو صبر نہیں کر سکتے اور وہ بھیک مانگنے کے درپے ہو جائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تنگ دست ضرورت مند کا صدقہ سب سے افضل ہے (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۷) اور یہ مقام سب سے بلند ہے' کیونکہ ان صحابہ نے اس چیز کو خرچ کیا جس کی ان کو خود سخت ضرورت تھی اور یہی مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے جنہوں نے اپنے تمام مال کا صدقہ کر دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے ان کے لیے اللہ اور رسول کو باقی رکھا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵) (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۷۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تمام مال قبول فرمالیا' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصف مال قبول فرما لیا' اور جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا: تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے' آپ نے ہر ایک سے اتنا مال لیا جتنے مال کی سخاوت کو اس کا دل برداشت کر سکتا تھا اور آپ کو علم تھا کہ حضرت ابولبابہ اپنے تمام مال کے خرچ ہونے پر صبر نہیں کر سکیں گے جس طرح حضرت ابوبکر اپنے تمام مال کے راہ خدا میں صرف ہونے پر صبر کر لیں گے اور جس طرح حضرت عمر اپنے نصف مال کے خرچ ہونے پر صبر کر لیں گے' اس لیے آپ نے

حضرت ابولبابہ کو صرف تہائی مال کے صدقہ کرنے کی اجازت دی۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۱۳ ص ۱۱۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اس حال میں صدقہ کیا کہ وہ خود ضرورت مند تھا' یا اس کے اہل وعیال ضرورت مند تھے' یا اس پر قرض تھا تو صدقہ کرنے' غلام کو آزاد کرنے یا ہبہ کرنے کی بہ نسبت قرض کی ادائیگی کا استحقاق ہے' اور اس نے جو صدقہ کیا ہے یا غلام آزاد کیا ہے یا ہدیہ دیا ہے وہ واپس لیا جائے گا' اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے اموال کو ضائع کر دے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ضائع کرنے کے لیے لوگوں کے اموال لیے اللہ اس کو ضائع کر دے گا' ماسوا اس شخص کے جس کا صبر کرنا معروف اور مشہور ہو' جو اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو' خواہ وہ کتنا ہی ضرورت مند ہو' جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کر دیا تھا اور جس طرح انصار نے اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دی تھی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ صدقہ کرنے کے بہانے سے لوگوں کے اموال کو ضائع کر دے' اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میری توبہ میں سے یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال کو اللہ اور رسول کی طرف صدقہ کر دوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے مال میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے' تو میں نے کہا کہ خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب: ۱۸' لا صدقۃ الا عن ظھر غنی' اسی وقت صدقہ کرے جب صدقہ کرنے کے بعد اس کے پاس خوش حالی رہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے اور اپنے عیال سے ابتداء کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۲۷)

تنگی میں دوسروں کے لیے ایثار کرنے کا ضابطہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری وغیرہ نے کہا ہے کہ جس شخص کا بدن تندرست ہو' اس کی عقل صحیح ہو' اس پر کسی کا قرض نہ ہو اور وہ شخص فقر و فاقہ پر صبر کر سکتا ہو اور اس کے عیال نہ ہوں' یا عیال ہوں اور وہ بھی مال نہ ہونے پر صبر کر سکتے ہوں' تو جمہور کے نزدیک اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے' اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا اس کا وہ صدقہ واپس لیا جائے گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق (رجعی) دے کر اپنا تمام مال اپنے بیٹوں میں صدقہ کر دیا تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ تم یہ طلاق واپس لو' اور تقسیم کیا ہوا مال بھی واپس لو ورنہ میں حکم دوں گا کہ تمہاری قبر پر بھی رجم کیا جائے جیسا کہ ابو رغال کی قبر کو رجم کیا گیا تھا (مسند احمد ج ۲ ص ۱۴' ملخصاً) اور ایک محتاج شخص نے اپنے غلام کو مدبر کر دیا (یعنی اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگا) تو آپ نے اس غلام کو فروخت کر کے اس کی قیمت اس محتاج شخص کو واپس کر دی۔ امام طبری نے کہا: ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مذکور الصدر شرائط کے ساتھ اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے لیکن مختار اور مستحب یہ ہے کہ صرف تہائی مال کو صدقہ کرے' تاکہ حضرت ابو بکر کے فعل اور حضرت کعب بن مالک کے فعل میں تطبیق رہے (علامہ عینی حنفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ ھ) اور جس حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اتنا زیادہ صدقہ نہ کرے کہ صدقہ کے بعد وہ خود اور اس کے اہل وعیال محتاج ہو جائیں اور اس کے پاس اتنا مال رہے کہ جس سے وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے حقوق ادا کر سکے' یعنی وہ بھوک دور کرنے کے لیے کھانا کھا سکیں' کیونکہ بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا'

اور اپنی ستر پوشی کر سکیں' اور ان کو کوئی اذیت پہنچے تو اس کو دور کر سکیں' اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کے پاس ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مال نہ بچے تو پھر اپنی ضروریات پر کسی کے لیے ایثار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے' کیونکہ اس صورت میں اگر وہ دوسروں کو ترجیح دے گا تو لازم آئے گا کہ وہ بھوک سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے یا اپنے آپ کو ضرر میں مبتلا کرے یا اپنے آپ کو برہنہ کرے' اور اپنے حقوق کی رعایت کرنا ہر حال میں راجح ہے اور جب یہ واجبات ساقط ہو جائیں تو پھر ایثار کرنا جائز ہے اور اس وقت اس کا صدقہ کرنا افضل ہو گا کیونکہ وہ فقر اور مشقت کی شدت کو برداشت کرے گا' اور اس طرح دلائل میں جو تعارض ہے وہ دور ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۴۸۔۴۷ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کا اپنا حق دوسروں پر مقدم ہے' اولاد اور بیوی کا خرچ بالاتفاق فرض ہے اور خادم کا خرچ بھی واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اپنے اوپر' اپنے عیال پر اور دوسروں پر خرچ کرنے کی ترتیب

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی ''اپنے عیال سے ابتداء کرو'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام النسائی نے طارق محاربی کی سند سے روایت کیا ہے: ہم جب مدینہ منورہ میں آئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے' آپ فرما رہے تھے: دینے والے کا ہاتھ اوپر ہے' اپنے عیال سے (دینے کی) ابتداء کرو' تمہاری ماں' تمہارا باپ' تمہاری بہن اور تمہارا بھائی پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہو' جو تمہارے زیادہ قریب ہو۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۱)

اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' صدقہ کرو' ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: تم اس کے مصرف کو خود بہتر جانتے ہو۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۳۵' اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابو داؤد اور حاکم نے اولاد کو بیوی پر مقدم کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۱۵ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۵۱۴ جدید' تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۱۶۶۶)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب تم اس ترتیب پر غور کرو گے تو جان لو گے' کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاولیٰ فالاولیٰ اور الاقرب فالاقرب کو مقدم کیا ہے' اور آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر خرچ کرے پھر اپنی اولاد پر کیونکہ اولاد اسی کے جز کی طرح ہے اور جب وہ اس پر خرچ نہ کرے اور کوئی اور بھی ان پر خرچ کرنے میں اس کے قائم مقام نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں گے' پھر تیسرے درجہ میں بیوی کا ذکر فرمایا اور اس کو اولاد سے کم درجہ میں رکھا' کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خرچ نہیں دے گا تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور اس کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اس کے محرم کی طرف سے اس کا خرچ دیا جائے گا' چوتھے درجہ میں اس کے خادم کا ذکر کیا' کیونکہ اگر وہ اس کو خرچ نہیں دے گا تو اس کو فروخت کر دیا جائے گا' (یہ غلام ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ آزاد ہو تو کہیں اور نوکری کر لے گا) علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا: ہمارے اصحاب کا یہی مختار ہے کہ نابالغ اولاد کا خرچ بیوی کے خرچ پر مقدم ہے' علامہ نووی شافعی نے بیوی کے خرچ کو اولاد کے خرچ پر مقدم کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاد اس کا جز اور اس کا حصہ ہے اور بیوی اجنبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۵۔ ۴۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بچوں اور بیوی کے بعد ماں باپ اور اجداد کا خرچ بھی واجب ہے بہ شرطیکہ وہ محتاج ہوں '' وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا '' (لقمان: ۱۵) دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے رہنا۔ (ہدایہ اولین ص ۴۴۵)

ترتیب مذکور کے متعلق مزید احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی ہو' اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے عیال سے دینے کی ابتداء کرو' عورت کہے گی: مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دے دو' اور غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو اور (نابالغ) بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ' تم مجھے کس پر چھوڑ رہے ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۲۷' عالم الکتب)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تم میں سے کسی کو خیر عطا فرمائے تو وہ اپنے نفس سے اور اپنے گھر والوں سے ابتداء کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے' اس وقت ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا' اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے یہ معدن (کان) سے ملا ہے' آپ اس کو لے لیں' یہ صدقہ ہے' میرے پاس اس کے سوا اور مال نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا' وہ پھر دائیں جانب سے آیا' آپ نے اس سے اعراض کیا' وہ پھر بائیں جانب سے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا' وہ پھر پیچھے سے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر پھینک دیا' اگر وہ اس کو لگ جاتا تو وہ زخمی ہو جاتا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص کوئی چیز لے کر آتا ہے جس کا وہ مالک ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے' پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے' بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد محتاجی نہ ہو۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہو گا' اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو فروخت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: تم اس کی قیمت کے زیادہ حق دار ہو اور اللہ اس سے غنی ہے۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۳۴' اس کی سند امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے)

صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جان کا ایثار کرنا جائز ہے

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

مال کے ساتھ ایثار کرنے سے زیادہ مرتبہ جان کے ساتھ ایثار کرنے کا ہے اور سب سے افضل سخاوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں جان کی سخاوت کرنا ہے' پس حدیث صحیح میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بن گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے احوال پر مطلع ہونے کے لیے جھانک رہے تھے' تب حضرت ابو طلحہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مت جھانکیں' کہیں آپ کو دشمن کا کوئی تیر نہ لگ جائے' میرا سینہ آپ کے سینہ کے لیے ڈھال ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۸۱۱ 'صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۱۱)
وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کے سامنے اپنا ہاتھ کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا وہ ہاتھ شل ہوگیا۔
(احکام القرآن ج ۴ ص ۲۱۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ ھ)
علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے بھی علامہ ابن العربی کی اتباع میں اسی طرح لکھا ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۸ ص ۲۷)
تاہم اپنی جان کے ساتھ ایثار کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے' کسی اور کا یہ مقام نہیں ہے کہ اس کے لیے مسلمان اپنا جسم یا جسم کا کوئی عضو قربان کردے۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ اپنی سند کے ساتھ یزید بن السکن سے روایت کرتے ہیں:
جنگ احد کے دن جب قتال میں شدت آ گئی اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں اور دشمن آپ کے قریب آ پہنچا تھا' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے دشمن کو آپ سے دور کیا اور وہ شہید ہو گئے اور حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہ نے دشمن کو آپ سے دور کیا اور وہ شدید زخمی ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خون آلود ہو چکا تھا اور آپ کے سامنے کے دانت کا تہائی حصہ شہید ہو چکا تھا اور آپ کا ہونٹ زخمی ہو گیا تھا اور آپ کا رخسار زخمی ہو چکا تھا' اس وقت آپ نے فرمایا: وہ کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان دے گا؟ اس وقت انصار کے پانچ نوجوان کود کر نکلے' ان میں حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ بھی تھے' انہوں نے زبردست قتال کیا حتیٰ کہ دشمن کو آپ سے دور کر دیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیاد بن السکن سے فرمایا: میرے قریب ہو' وہ زخموں سے چور تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر گھسیٹ کر اپنے قدم مبارک پر رکھ لیا اور حضرت زیاد نے اسی حالت میں جان دے دی۔

به چه ناز رفته باشد زجهان نیاز مندے که به وقت جاں سپردن به سرش رسیده باشی
محبِ صادق کس شان سے دنیا سے گیا ہے کہ وہ جان دیتے وقت اپنے محبوب آقا کے قدموں میں پہنچ چکا تھا

(تاریخ کبیر ج ۸ ص ۱۹۸۔۱۹۷' رقم الحدیث: ۱۲۴۸۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ ھ)
علامہ ابوعمر ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ ھ' علامہ ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ اور علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔
(الاستیعاب ج ۲ ص ۱۰۶' رقم الحدیث: ۸۳۳' اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۵' رقم الحدیث: ۱۷۹۹' الاصابہ ج ۲ ص ۴۸۲' رقم الحدیث: ۲۸۶۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت)
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کی ایک گھاٹی میں سات انصاری اور دو قریشی صحابہ کے ساتھ تنہا تھے' جب مشرکین نے آپ کو گھیر لیا تو آپ نے فرمایا: جوان کو ہم سے دور کردے گا' اس کے لیے جنت ہے' یا فرمایا: وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا' پھر ایک انصاری نے آگے بڑھ کر قتال کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہوگیا' مشرکین نے پھر آپ کو گھیر لیا' آپ نے فرمایا: جوان کو ہم سے دور کرے گا اس کے لیے جنت ہے یا فرمایا: وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا' پھر انصار میں سے ایک اور آگے بڑھا اور اس نے قتال کیا' حتیٰ کہ وہ شہید ہوگیا' یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا حتیٰ کہ وہ ساتوں انصاری شہید ہو گئے' پھر آپ نے دو قریشیوں سے فرمایا: ہم نے اپنے (انصاری) بھائیوں سے انصاف نہیں کیا (یہ آپ نے ترحماً فرمایا)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۶۵۱' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۶' مصنف ابن ابی شیبہ

ج ۱۴ ص ۳۹۹ 'مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۱۹ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۱۸ 'سنن بیہقی ج ۹ ص ۴۴)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمود بن عمرو بن یزید بن السکن بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن جب دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہے جو ہمارے لیے اپنی جان فروخت کردے؟ تو حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ پانچ انصاریوں کے ساتھ اٹھے اور ایک ایک کر کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان فدا کرتے رہے اور سب سے آخر میں حضرت زیاد بن السکن شہید ہوئے پھر مسلمان بڑی تعداد میں آئے اور انہوں نے دشمنوں کو آپ سے دور کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیاد کو میرے قریب کرو' مسلمانوں نے ان کو قریب کیا اور ان کا رخسار آپ کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور انہوں نے اسی حال میں اپنی جان دے دی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۳۴ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا ہاتھ (مسلسل تیر لگنے سے) شل ہو گیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۶۳۔ ۳۷۲۴)

تاہم اپنی جان کے ساتھ ایثار کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے کسی اور کا یہ مقام نہیں ہے کہ اس کے لیے مسلمان اپنا جسم یا جسم کا کوئی عضو قربان کر دے۔ اس کی مکمل تحقیق ہم نے ''تبیان القرآن'' ج ۹ ص ۱۹۰۔ ۱۵۴ میں کر دی ہے۔

''الشح'' کا معنی اور اس کے متعلق احادیث اور آثار

اس کے بعد اس آیت کے آخری فقرے میں فرمایا: اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے بچایا گیا سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیںO

اس آیت میں ''الشح'' کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے بخل کیا ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے کہا ہے کہ حرص کے ساتھ جو بخل ہو اس کو ''الشح'' کہتے ہیں اور یہ اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جس کی عادت بخل کرنا ہو۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۳۷ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شح اور بخل میں فرق کیا ہے' انہوں نے کہا: خرچ کی جگہ خرچ نہ کرنا بخل ہے اور اپنے بھائی کا مال ظلماً کھانا ''الشح'' ہے۔

طاؤس نے کہا: جو چیز اپنے پاس ہو اس کو خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جو چیز لوگوں کے پاس ہو اس کے خرچ کو ناپسند کرنا شح ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے زکوٰۃ ادا کی اور مہمان کی ضیافت کی وہ شح سے بری ہو گیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۸۴۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کرنے سے ڈرو' کیونکہ ظلم قیامت کا اندھیرا ہے اور شح کرنے سے بچو' کیونکہ شح نے تم سے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا' کیونکہ شح نے ان کو ناحق قتل کرنے اور حرام کام کرنے پر ابھارا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۸ 'شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۵۶ 'سنن بیہقی ج ۶ ص ۹۳ 'مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳ 'المستدرک ج ۱ ص ۱۲ 'مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۱ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اموال ان کے لیے ہیں جنہوں نے ان کے بعد ہجرت کی' وہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رکھ'

اے ہمارے رب! بے شک تو بے حد شفقت کرنے والا مہربان ہے O

صحابہ اور اخیار تابعین سے محبت کا وجوب

یہ آیت تمام تابعین کو شامل ہے اور قیامت تک ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کو' اس سے پہلی آیت میں فقراء مہاجرین کا اور انصار کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں تابعین اور بعد کے مسلمانوں کا ذکر فرمایا ہے۔

یہ آیتِ کریمہ اس پر دلیل ہے کہ تمام صحابہ سے محبت رکھنا واجب ہے' کیونکہ اللہ نے مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے مسلمانوں کے مالِ فئے کا حصول اس پر موقوف کیا ہے کہ وہ مہاجرین اور انصار سے دوستی اور محبت رکھیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور اپنے دلوں میں ان کے خلاف کینہ نہ رکھیں اور جس نے اپنے دل میں ان کے خلاف کینہ رکھا' وہ مالِ فئے کا مستحق نہیں ہے۔

علامہ الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ شخص جس کے دل میں کسی ایک صحابی کے لیے بھی کینہ ہو اور وہ تمام صحابہ سے محبت نہ رکھے' وہ اس آیت کے مصداق میں داخل نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں: (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) تابعین یعنی بعد میں آنے والے وہ مسلمان جو ان سے محبت کرتے ہوں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہوں اور ان کے دلوں میں ان کے خلاف کینہ نہ ہو۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: مسلمانوں کی یہ تین قسمیں ہیں' تم کوشش کرو کہ تم ان اقسام سے خارج نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اصحابِ محمد کے لیے استغفار کرو اور تم ان کو بُرا کہتے ہو اور میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں پر لعنت نہ کریں۔

مالک بن مغول بیان کرتے ہیں کہ شعبی نے کہا: اے مالک! یہود و نصاریٰ رافضیوں پر ایک درجہ فضیلت رکھتے ہیں' یہود سے سوال کیا گیا: تمہاری ملت کے سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور نصاریٰ سے سوال کیا گیا: تمہاری ملت کے سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور رافضیوں سے سوال کیا گیا: تمہاری ملت کے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب۔

امام مالک بن انس نے کہا: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کی یا اس کے دل میں کسی صحابی کے خلاف کینہ ہو تو اس کا مسلمانوں کے مالِ فئے میں کوئی حق نہیں ہے جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۶۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

صحابہ کو سبّ و شتم کی ممانعت اور مذمت میں احادیث

امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی التوفی ۳۲۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لیے میرے اصحاب اور میری سسرال والوں کو پسند فرمایا اور عنقریب ایک قوم آئے گی جو ان کو بُرا کہے گی اور ان کی تنقیص کرے گی' پس تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا اور نہ ان کے ساتھ پینا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔

(کتاب الضعفاء الکبیر ج ۱ ص ۱۲۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

یہ حدیث حسبِ ذیل کتب میں بھی ہے:
السنۃ لابن ابی عاصم ج ۲ ص ۴۸۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۱' المستدرک ج ۳ ص ۶۳۲' جمع الجوامع ج ۲ ص ۲۲۸' کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۲۹۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے میرے اصحاب کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے' سوائے نبیوں اور رسولوں کے اور ان میں سے میرے لیے چار کو فضیلت دی ہے' یعنی حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم' سو ان کو میرے اصحاب بنایا' اور فرمایا: میرے تمام اصحاب میں خیر ہے اور میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور میری امت میں سے چار قرون کو فضیلت دی: قرنِ اوّل' قرنِ ثانی' قرنِ ثالث اور قرنِ رابع۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۶۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۳۸۳)

حضرت عیاض انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب اور میرے سسرالی رشتہ داروں کی حفاظت کرو' سو جس نے ان کی حفاظت کی اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت کرے گا اور جس نے ان کی حفاظت نہیں کی اللہ اس سے بَری ہو جائے گا اور جس سے اللہ بَری ہو گا اس کو پکڑے گا۔
(المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۳۶۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۳۸۴)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے وقت کہا: یارسول اللہ! آپ ہمیں وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: میں تمہیں مہاجرین میں سے سابقین اوّلین کے متعلق وصیت کرتا ہوں اور ان کی اولاد کے متعلق اور ان کے بعد کے لوگوں کے متعلق' اگر تم نے ان کی خیر خواہی نہ کی تو تمہارا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۷۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۷۳' اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

حضرت عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے فضیلت دی اور میرے اصحاب کو فضیلت دی اور ان میں سے میرے وزراء' انصار اور سسرالی رشتہ دار بنا دیئے' سو جس نے ان کو بُرا کہا' اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی' اس کا کوئی فرض قبول ہو گا نہ نفل۔
(المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۱۴۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۵۹' اس کی سند میں یزید بن ربیعہ متروک ہے)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرے اصحاب کو بُرا کہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۶۷' اس کی سند کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۴۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایک قوم ہو گی جس کو رافضی کہا جائے گا' وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے۔ الحدیث

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۸۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۷۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۹۷)

اس آیت سے ہمارے علماء اہل سنت ایصالِ ثواب کے جواز پر بھی استدلال کرتے ہیں' لیکن ہم النجم: ۳۹ میں اس پر اتنی تفصیل سے کلام کر چکے ہیں جو شاید ہماری اس کتاب کے سوا اور کہیں نہیں ملے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کیا آپ نے ان منافقین کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہ

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ

اگر تم کو (تمہاری بستی) سے نکال دیا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے' اور ہم تمہارے

اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

معاملہ میں کبھی بھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے' اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم تمہاری مدد کریں گے' اور اللہ شہادت

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا

دیتا ہے کہ بے شک یہ ضرور جھوٹے ہیں O اگر ان کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ

يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

ان کی مدد نہیں کریں گے' اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر (کہیں سے) ان کی مدد نہیں کی جائے گی O

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

اے مسلمانو! ان کے دلوں میں ضرور اللہ سے زیادہ تمہارا خوف ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ

يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ

نہیں سمجھتے O وہ سب مل کر بھی تم سے قلعہ بند بستیوں کے سوا نہیں لڑ سکیں گے یا دیواروں کی آڑ سے

جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ

ان کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے' (اے مخاطب!) تم ان کو متفق سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل مختلف ہیں'

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا

کیونکہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے O ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ماضی قریب میں اپنے

ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ

کرتوتوں کا مزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے O ان کی مثال شیطان کی طرح ہے

قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ

جس نے انسان سے کہا: کفر کر' پھر جب اس نے کفر کر لیا تو شیطان نے کہا: میں تجھ سے بے زار ہوں' میں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ

اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں○ سو ان دونوں کا انجام ہمیشہ دوزخ میں

فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

رہنا ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے○ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص

ع ۲ ۵

اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ

غور کرتا رہے کہ اس نے کل (قیامت کے لیے) کیا بھیجا ہے' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک

اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ

اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے○ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ

اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ

نے بھی انہیں اپنی جانوں سے بھلا دیا' یہی لوگ فاسق ہیں○ دوزخی اور جنتی برابر

وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا

نہیں ہو سکتے جنتی ہی کامیاب ہیں○ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو

هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

(اے مخاطب!) تو ضرور اس کو (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتا

اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں○

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ہر غیب اور شہادت (باطن و ظاہر) کا جاننے والا ہے' وہ

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ

نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے○ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ بادشاہ

الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط

ہے' بہت پاک' ہر نقص سے سالم' امان دینے والا' نگہبان' بہت غالب' نہایت عظمت والا' سب سے بڑا'

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں اس سے پاک ہے O وہی اللہ ہے خالق' موجد' صورت بنانے والا'

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج

تمام اچھے نام اسی کے ہیں' آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں'

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان منافقین کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہ اگر تم کو (تمہاری بستی) سے نکال دیا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی بھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بے شک یہ ضرور جھوٹے ہیں O اگر ان کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے' پھر (کہیں سے) ان کی مدد نہیں کی جائے گی O (اے مسلمانو!) ان کے دلوں میں ضرور اللہ سے زیادہ تمہارا خوف ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نہیں سمجھتے O (الحشر: ۱۳۔۱۱)

بنو نضیر کو منافقین کا ورغلانا اور دونوں کی ناکامی اور عذاب

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ ھ نے کہا ہے کہ یہ آیتیں اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں کہ منافقین بنی نضیر سے یہ کہتے تھے کہ تمہاری مدد کے لیے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر تم کو نکلنا پڑا تو ہم پھر بھی تمہارے ساتھ ہیں' یہ منافقین عبد اللہ بن ابی' عبد اللہ بن نبتل اور رفاعۃ بن زید تھے اور بہ ظاہر ان کا تعلق انصار سے تھا' اس آیت میں فرمایا ہے: انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کیونکہ منافقین اور یہودی دینی رشتہ سے آپس میں بھائی تھے' کیونکہ دونوں فریق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے' اور اس میں فرمایا ہے: منافقین نے اہل کتاب کے کافروں سے کہا' اس سے مراد حی ابن اخطب' جدی' ابو یاسر اور مالک بن الضیف اور بنو قریظہ ہیں' انہوں نے ان سے کہا: اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم کو مدینہ سے نکال دیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے نکل جائیں گے اور اس معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے' اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں' اگر بنو نضیر کو مدینہ سے نکال دیا تو منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے' اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' اس کا علم تھا کہ منافقین نے بنو نضیر کو جھوٹی تسلیاں دی ہیں' وہ ان کے موافق عمل نہیں کریں گے اور ایسا ہی ہوا اور یہ قرآن مجید کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قوی دلیل ہے کہ آپ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر مسلمانوں نے ان سے جنگ کی تو منافقین ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور اگر بالفرض انہوں نے بنو نضیر کے ساتھ جنگ کی تو یہ پیٹھ پھیر کر

بھاگیں گے اور پھر ان کی کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان منافقوں کے دلوں میں اللہ سے زیادہ مسلمانوں کا خوف ہے' یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا علم نہیں ہے اور اس کے علم اور قدرت پر ان کا ایمان نہیں ہے' اس لیے وہ بنو نضیر کو ایسی جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۴۲۔۳۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ سب مل کر بھی تم سے قلعہ بند بستیوں کے سوا نہیں لڑسکیں گے' یا دیواروں کی آڑ سے' ان کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے (اے مخاطب!) تم ان کو متفق سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل مختلف ہیں' کیونکہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے O ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ماضی قریب میں اپنے کرتوتوں کا مزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جس نے انسان سے کہا: کفر کر' پھر جب اس نے کفر کرلیا تو شیطان نے کہا: میں تجھ سے بے زار ہوں میں اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں O سو ان دونوں کا انجام ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے O (الحشر: ۱۷۔۱۴)

منافقین کا بنو نضیر کو شیطان کی طرح ورغلانا اور اس کا انجام

اس سے مراد یہ ہے کہ یہود اور منافقین سب مل کر بھی تم مسلمانوں سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے' ماسوا اس کے کہ وہ قلعہ میں بند ہو کر لڑیں یا دیواروں کے پیچھے مورچہ بنا کر لڑیں۔ یہ جب آپس میں جنگ کرتے ہیں تو ایک دوسرے سے ان کا مقابلہ بہت سخت ہوتا ہے' لیکن اللہ اور رسول کے خلاف جب یہ مسلمانوں سے جنگ کریں تو ان کا بڑے سے بڑا بہادر بھی بزدل ہو جاتا ہے' اس وجہ سے یہ مسلمانوں سے جنگ کرنے سے احتراز کرتے ہیں' تم بہ ظاہر دیکھتے ہو کہ یہ ایک دوسرے سے بہت الفت اور محبت رکھتے ہیں' لیکن ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت اور عداوت ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ یہ اپنی عقلوں سے کام نہیں لیتے۔

الحشر: ۱۵ میں فرمایا: ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ماضی قریب میں اپنے کرتوتوں کا مزا چکھ چکے ہیں۔

یعنی کفار نے دو ہجری میں مسلمانوں پر حملہ کیا اور بدر کے میدان میں اپنے منہ کی کھا کر چل گئے' سو ان کافروں کے لیے اور منافقوں کے لیے اور یہودیوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

الحشر: ۱۶ میں فرمایا: ان کی مثال شیطان کی طرح ہے۔ الایۃ

یعنی جب منافقین نے بنو نضیر سے جھوٹے وعدے کیے' ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جس نے انسان سے کہا: کفر کر' پھر آخرت میں اس سے بے زار ہو گیا' اس سے مراد یا تو شیطان کی عام دعوتِ کفر ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے جنگ بدر میں کفار قریش سے کہا تھا:

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (الانفال: ۴۸)

جب شیطان کافروں کو ان کے اعمال خوش نما بنا کر دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا' میں تمہارا حامی ہوں' پس جب دو جماعتیں صف آراء ہوئیں تو وہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے لوٹ گیا اور کہنے لگا: میں تم سے بے زار ہوں' میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ رہے' میں اللہ سے ڈرتا ہوں' اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

الحشر: ۱۷ میں فرمایا: سو ان دونوں کا انجام ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے اور یہی ظالموں کی سزا ہے O
مقاتل نے کہا: یہی منافقوں اور یہودیوں کی سزا ہے جیسے شیطان کو سزا دی گئی اور اس انسان کو جس نے شیطان کے بہکاوے میں آکر کفر کیا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرتا رہے کہ اس نے کل (قیامت کے لیے) کیا بھیجا ہے' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے بھلا دیا یہی لوگ فاسق ہیں O دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے جنتی ہی کامیاب ہیں O (الحشر: ۲۰۔۱۸)

منافقین کی مذمت کے بعد مؤمنوں کو ہدایت اور تقویٰ کی ترغیب

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور یہودیوں کو زجر و توبیخ کی تھی اور ان کی مذمت کی تھی اور اس آیت سے مؤمنوں کو خطاب فرمایا اور قیامت کے ہولناک دن اور اس دن کے محاسبہ کی تیاری کرنے کی طرف متوجہ فرمایا۔ اس آیت کے شروع میں بھی فرمایا تھا: اللہ سے ڈرتے رہو اور اس آیت کے آخر میں پھر فرمایا: اور اللہ سے ڈرتے رہو یا تو یہ اوّل کی تاکید ہے یا پہلے سے مراد ہے: اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور دوسرے سے مراد ہے: اللہ کی نافرمانی کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

الحشر: ۱۹ میں فرمایا: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ الایۃ
اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے معاملات میں بھی بھولنے والا بنا دیا' حتیٰ کہ انہوں نے ان کاموں کی کوشش نہیں کی' جن سے ان کو فائدہ ہوتا۔
(۲) ان کو یہ بھلا دیا کہ قیامت کے دن ان کو کیسی ہولناکیوں کا سامنا ہوگا' پھر فرمایا: یہی لوگ فاسق ہیں۔

الحشر: ۲۰ میں فرمایا: دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے' جنتی ہی کامیاب ہیں O
اس آیت میں دوزخی سے مراد کفار ہیں اور جن گناہ گار مسلمانوں کو عارضی طور پر تطہیر کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا' وہ دوزخی نہیں ہیں کیونکہ وہ بالآخر سزا سے پاک ہو کر جنت میں چلے جائیں گے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب!) تو ضرور اس کو (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتا' ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں O وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ہر غیب اور ہر شہادت (باطن و ظاہر) کا جاننے والا ہے' وہ نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ بادشاہ ہے' بہت پاک' ہر نقص سے سالم' امان دینے والا' نگہبان' بہت غالب' نہایت عظمت والا' سب سے بڑا' مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ اس سے پاک ہے O وہی اللہ ہے' خالق' موجد' صورت بنانے والا' تمام اچھے نام اسی کے ہیں' آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O (الحشر: ۲۴۔۲۱)

قرآن مجید کی عظمت

مؤمنوں سے خطاب کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی عظمت بیان فرما رہا ہے کہ اگر پہاڑ میں تمہاری طرح

عقل رکھ دی جاتی' پھر اس پر قرآن کریم نازل کیا جاتا تو وہ خشوع سے اللہ کے لیے جھک جاتا اور خوف الٰہی سے پھٹ جاتا' اور اس مثال کے بیان سے یہ غرض ہے کہ کفار کے دلوں کی سختی پر متنبہ کیا جائے اور ان کی طبیعت کے جمود کی طرف متوجہ کیا جائے' قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ (البقرہ: ۷۴) پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور لفظ عالم الغیب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا

الحشر: ۲۲ میں فرمایا: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ہر غیب اور ہر شہادت (باطن وظاہر) کا جاننے والا ہے O

غیب سے مراد وہ چیز ہے جو لوگوں سے غائب ہو اور شہادت سے مراد وہ چیز ہے جو لوگوں کے سامنے حاضر ہو' یہ غیب کا لغوی معنی ہے اور غیب کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ وہ پوشیدہ چیز جس کو حواس خمسہ اور بداہت عقل سے نہ جانا جا سکے' مثلاً جنت غیب ہے' ہم اس دنیا میں آنکھ سے دیکھ کر اس کو نہیں جان سکتے' نہ اس کی کسی آواز کو سن کر اسے جان سکتے ہیں' اسی طرح اس کو چکھ کر' سونگھ کر اور چھو کر نہیں جان سکتے' اور نہ بغیر غور وفکر کے بداہت عقل سے اس کو جان سکتے ہیں' جس طرح ہم موسم کی گرمی اور سردی کو جان لیتے ہیں یا جس طرح ہم بغیر غور اور فکر کے جان لیتے ہیں کہ دو اور دو کا مجموعہ چار ہوتا ہے' سو ہم جنت اور دوزخ کو' فرشتوں کو' عرش اور کرسی کو از خود نہیں جان سکتے' یہ سب چیزیں غیب ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی ہم از خود نہیں جان سکتے وہ بھی غیب ہے' البتہ غور وفکر کر کے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے سے ہم ان سب چیزوں کو جان لیتے ہیں۔

عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے اور کسی مخلوق پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا ہے اس کے باوجود آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہٗ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے' کشاف میں لکھا ہے:

غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس میں ابتداءً صرف اللطیف الخبیر کا علم نافذ ہوتا ہے اور ہمیں اس غیب سے اسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے' جس کی ہمیں خبر دے دی جاتی ہے یا جس پر ہمارے لیے کوئی عقلی دلیل قائم کر دی جاتی ہے' اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص غیب جانتا ہے اور جس غیب کا ہمیں علم دے دیا گیا یا جس پر ہمارے لیے دلیل قائم کر دی گئی' اس کی مثال ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت اور اس کے متعلق چیزیں اور قیامت اور حشر ونشر اور حساب اور وعد اور وعید وغیرھا۔

(الکشاف ج ۱ ص ۸۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ما کان و ما یکون کے عالم ہیں' مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا' جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً عزت وجلالت والے ہیں' تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز وجلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے' مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے۔ (الیٰ قولہ)

علامہ سید شریف قدس سرہٗ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے غیر پر علم غیب کا اطلاق اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ علم سے متبادر یہ ہوتا ہے جس کو ابتداءً علم ہو' پس یہ منافی

ہوگا' لیکن جب اس میں قید لگائی جائے اور یہ کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم دیا یا اس کو غیب پر مطلع فرمادیا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (حاشیۃ الکشاف علی الکشاف ج ۱ص ۱۲۸ 'مصر) (فتاویٰ رضویہ ج ۹ص ۸۱ 'مکتبہ رضویہ کراچی)

''الملک' القدوس' السلام' المومن' العزیز' الجبار'' اور'' المتکبر'' کا معنی

الحشر: ۲۳ میں فرمایا: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ بادشاہ ہے' بہت پاک۔ الایۃ

''القدوس'' کا معنی ہے: جو اپنی ذات' صفات' افعال' احکام اور اسماء میں ہر عیب اور نقص سے منزہ ہو۔

''السلام'' اس کا معنی ہے: ہر عیب اور نقص سے سلامتی والا یا سلامتی عطا کرنے والا۔

''المؤمن'' اس کا ایک معنی ہے: امان دینے والا' دوسرا معنی ہے: تصدیق کرنے والا یعنی اپنے رسولوں اور اپنی کتابوں کی تصدیق کرنے والا۔

''المهيمن'' اس کا معنی ہے: شاہد جس سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔

''العزیز'' اس کا معنی ہے: غالب جس کی کوئی نظیر نہ ہو۔

''الجبار'' اس کا معنی ہے: قہر اور جبر کرنے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جبار'' کا معنی ہے: عظیم بادشاہ۔

''المتکبر'' حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ اپنی ربوبیت میں سب سے بڑا ہے' اس کی مثل کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہے۔ ابن الانباری نے کہا: وہ کبریائی والا ہے۔

اللہ کے لیے ''المتکبر'' کا لفظ باعث مدح ہے اور مخلوق کے لیے باعث مذمت ہے

مخلوق کے لیے متکبر کی صفت مذموم ہے' کیونکہ متکبر وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور بلند جانے اور یہ اس کی صفت نہیں ہے' بلکہ وہ واقع میں حقیر' ذلیل اور مسکین ہے' پس جب وہ اپنے لیے بڑائی اور بلندی ظاہر کرے گا تو وہ جھوٹا ہوگا۔ اور اللہ سبحانہٗ کے لیے ہی تمام بڑائیاں اور بلندیاں ہیں' پس جب وہ اپنی بڑائی اور بلندی کو ظاہر کرے گا تو وہ مخلوق کو اپنی صفات عظمت وجلال و کبریائی کی طرف ہدایت دے گا' اس لیے اللہ تعالیٰ کے حق میں ''متکبر'' کا لفظ غایت مدح کا مظہر ہے۔

پھر فرمایا: مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں' وہ اس سے پاک ہے' جو لوگ تکبر کرتے ہیں' وہ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ اس شرکت سے پاک ہے' پس ان کا تکبر کرنا اپنے آپ کو جھوٹا بنانا ہے اور اللہ سبحانہٗ کے لیے سب سے زیادہ بلندی اور بڑائی ہے' سو یہ اس کی صفت کمال ہے اور مخلوق کی صفت نقص ہے۔

''الخالق' الباری'' اور'' المصور'' کا معنی

الحشر: ۲۴ میں فرمایا: وہی اللہ ہے' خالق' موجد' صورت بنانے والا' تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔ الایۃ

''الخالق'' کا معنی ہے: کسی کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ نیز خلق کا معنی تقدیر ہے' وہ کسی چیز کو کسی مخصوص صورت میں مقدر فرماتا ہے اور وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو وجود میں لے آتا ہے۔

''الباری'': یعنی وہ صانع اور موجد ہے اور کسی سابق نمونہ اور مثال کے بغیر چیزوں کو وجود میں لاتا ہے' کسی چیز کو بغیر مادہ کے پیدا کرنے والا خالق ہے اور بغیر مثال کے پیدا کرنے والا باری ہے۔

''المصور'': وہ جس طرح چاہتا ہے مخلوق کی صورت بناتا ہے' خالق کو باری پر مقدم کیا' کیونکہ خالق کا تعلق ارادہ سے ہے اور باری کا تعلق تاثیر قدرت سے ہے اور ارادہ تاثیر قدرت ہے اور باری کو مصور پر مقدم کیا کیونکہ ذات صفت پر مقدم ہوتی ہے اور باری کا تعلق ذات سے ہے اور مصور کا تعلق صفت سے ہے۔

اور فرمایا: تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔ اس کی تفسیر الاعراف: ۱۸۰ میں گزر چکی ہے۔

اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں' اس کی تفسیر الحدید کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات یا دن میں سورۃ الحشر کی آخری (تین) آیتیں پڑھیں اور اس رات یا دن میں اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۰۱' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۳۱۸)

سورۃ الحشر کا اختتام

آج تین ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ چودہ جنوری ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعہ بعد نماز عشاء سورۃ الحشر کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل فرما دیں اور میری' میرے والدین کی اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرما دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد سید المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ الممتحنۃ

سورت کا نام

اس سورت کے نام میں دو قول ہیں' زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اس سورت کا نام الممتحِنۃ (ح پر زیر) ہے' یعنی یہ سورت عورتوں کا امتحان لینے والی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سورت کا نام الممتحَنۃ (ح پر زبر) ہے' یعنی اس سورت میں ان خواتین کا ذکر ہے جن کا امتحان لیا گیا ہے۔ اوّل الذکر نام کتب تفسیر اور کتب سنۃ میں زیادہ مشہور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایک آیت ہے جس میں ان مؤمن خواتین کا امتحان لینے کا ذکر ہے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتی تھیں' وہ آیت یہ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ (الممتحنۃ: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو۔

دراصل ان عورتوں کا امتحان لینے والے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین تھے اور اس سورت کی طرف امتحان لینے کا اسناد کر کے اس کا نام الممتحنۃ رکھا گیا ہے' یہ اسناد مجاز عقلی ہے۔ جیسے حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث اور مجادلہ کیا تھا اور مجازاً اس سورت کا نام مجادلہ رکھا گیا' اسی طرح امتحان لینے والے تو مؤمنین تھے لیکن مجازاً اس سورت کا نام الممتحنۃ رکھ دیا گیا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ اس سورت کا نام الممتحَنۃ (ح پر زبر) ہے' کیونکہ یہ سورت ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط کے سبب سے نازل ہوئی ہے' کیونکہ ان کا امتحان لیا گیا تھا۔ علامہ ابن حجر نے کہا: مشہور یہی ہے اور الممتحِنۃ (ح پر زیر) بھی پڑھا گیا ہے اور اس تقدیر پر یہ سورت کی صفت ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۲۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

سورۃ الممتحنۃ کا زمانۂ نزول

یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور اس کی بالاتفاق تیرہ آیتیں ہیں' یہ سورت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب فتح مکہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی سے پہلے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے رشتہ داروں کے تحفظ کی خاطر اہل مکہ کے نام خط لکھا تھا جس میں اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوبہ سے باخبر کیا تھا' وہ خط پکڑا گیا اور کافر رشتہ داروں سے دوستی کی ممانعت میں اس سورت کی آیات نازل ہوئیں' اس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہ سورت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی ہے' یعنی چھ اور آٹھ ہجری کے درمیان میں کیونکہ حضرت حاطب کا واقعہ آٹھ ہجری میں ہوا ہے اور اسی سال مکہ مکرمہ فتح ہوا ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۲ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۰ ہے۔

سورۃ الممتحنہ کے مشمولات

☆ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ مؤمنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کفار سے دوستی اور محبت رکھیں۔

☆ اس سورت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ کفار سے محبت رکھنا گم راہی ہے' کفار کو جب بھی موقع ملے گا وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔

☆ جو کافر مسلمانوں سے برسر جنگ نہیں ہیں ان سے بغیر محبت کے دنیاوی معاملات رکھنا جائز ہیں۔

☆ جو خواتین کفار کے علاقوں سے ہجرت کر کے مسلمانوں کی طرف آئیں ان کے ایمان کے صدق کا امتحان لیا جائے اور اس بات کا التزام کیا جائے کہ وہ مشرکوں کے علاقہ کی طرف لوٹنے نہ پائیں اور مشرکوں نے اپنی بیویوں کو مہر میں جو رقومات دی تھیں وہ واپس کر دی جائیں' کیونکہ ان خواتین کے ایمان لانے اور مسلمانوں کی طرف ہجرت کرنے سے ان کا مشرکین سے نکاح منقطع ہو گیا۔

☆ جو مسلمان خواتین ہجرت کر کے آئی ہیں ان سے احکامِ شرعیہ پر بیعت لی جائے تاکہ وہ ان احکام پر پابندی سے عمل کریں۔

☆ یہود کے ساتھ دوستی رکھنے سے بھی ممانعت کر دی گئی ہے' کیونکہ وہ بھی مشرکین کے مشابہ ہیں۔

سورۃ الممتحنہ کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' الٰہ العٰلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۴ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۱۵ جنوری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الممتحنۃ مدنی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں تیرہ آیات دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ

تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کا کفر کرتے ہیں جو تمہارے پاس آ چکا ہے

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ

وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو اگر تم میرے

خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ

راستہ میں جہاد کرنے اور میری رضا طلب کرنے کے لیے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ رکھو) تم ان کی طرف

بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ

دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جس کو تم نے چھپایا اور جس کو تم نے ظاہر کیا' اور تم میں سے

مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ

جو ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بھٹک گیاO اگر وہ تم پر قابو پا لیں تو وہ تمہارے کھلے

اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا

دشمن ہوں گے اور وہ برائی کے ساتھ تمہارے خلاف دست درازی اور زبان درازی کریں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش!

لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۭ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ

تم کافر ہو جاؤO تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تمہیں نفع نہیں

الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ

دیں گی (اللہ) تمہارے درمیان جدائی کر دے گا' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہےO تمہارے لیے

لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ

ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ ہے' جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ

ہم تم سے بے زار ہیں اور ان سے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' ہم نے تم سب کا انکار کیا اور

بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ

ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے

وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ

آؤ مگر ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ سے یہ کہنا: میں تمہارے لیے ضرور مغفرت طلب کروں گا اور میں اللہ کے

لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا

مقابلہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی توکل کیا اور تیری ہی طرف

وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ

رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا اور اے ہمارے رب!

لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ

ہماری مغفرت فرما' بے شک تو ہی بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ○ بے شک تمہارے لیے ان میں اچھا

حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ

نمونہ ہے (خصوصاً) ان کے لیے جو اللہ سے (ملاقات کی) امید رکھتے ہوں اور روزِ آخرت سے' اور جس نے ان (کافروں)

اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝۶ ع

ع ۷

کو دوست بنایا تو بے شک اللہ ہی بے نیاز اور لائق حمد ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو' حالانکہ وہ اس حق کا کفر کرتے ہیں جو تمہارے پاس آ چکا ہے' وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو' اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور میری رضا طلب کرنے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ رکھو) تم ان کی

طرف دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جس کو تم نے چھپایا اور جس کو تم نے ظاہر کیا' اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بھٹک گیاO اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہوں گے اور وہ برائی کے ساتھ تمہارے خلاف دست درازی اور زبان درازی کریں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! تم کافر ہو جاؤO تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تمہیں نفع نہیں دیں گی (اللہ) تمہارے درمیان جدائی کر دے گا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہےO (المتحنۃ: ۳۔۱)

المتحنۃ: ۳۔۱ کا شانِ نزول

یہ آیات حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ پر عتاب کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور دیگر محدثین اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا اور فرمایا: خاخ کے باغ میں جاؤ' وہاں ایک مسافرہ ملے گی جس کے پاس ایک خط ہوگا' تم اس سے وہ خط لے لینا' ہم لوگ روانہ ہو گئے' ہم نے اپنے گھوڑوں کو دوڑایا' پھر ہم کو ایک عورت ملی' ہم نے اس سے کہا: خط نکالو! اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے' ہم نے اس سے کہا: خط نکالو! ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتار دیں گے' اس نے اپنے بالوں کے گچھے سے خط نکال کر دیا' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ خط لے کر آئے' اس خط میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے بعض مشرکین کو خبر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض منصوبوں سے مطلع کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حاطب! کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے متعلق جلدی نہ کریں' میں قریش کے ساتھ چسپاں تھا' سفیان نے کہا: وہ ان کے حلیف تھے اور قریش سے نہ تھے' آپ کے ساتھ جو مہاجر ہیں ان کی وہاں رشتہ داریاں ہیں' ان رشتہ داریوں کی بناء پر قریش ان کے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے۔ میں نے یہ چاہا کہ ہر چند کہ میرا ان کے ساتھ کوئی نسبی تعلق نہیں ہے' تاہم میں ان پر ایک احسان کرتا ہوں' جس کی وجہ سے وہ (مکہ میں) میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں گے' میں نے یہ اقدام (یعنی کفار کو خط کا لکھنا) کسی کفر کی وجہ سے نہیں کیا' نہ اپنے دین سے مرتد ہونے کی بناء پر کیا ہے' اور نہ اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچ کہا' حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' آپ نے فرمایا: یہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوا ہے' اور تم کیا جانو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اہل بدر کے تمام حالات سے واقف ہے اور اس نے فرمایا: تم جو چاہو کرو' میں نے تم کو بخش دیا ہے' پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' ابوبکر اور زبیر کی روایت میں اس آیت کا ذکر نہیں ہے اور اسحاق نے اپنی روایت میں سفیان کی تلاوت کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۷۴۔۳۰۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۵۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۲۱)

وہ عورت کون تھی جس کے ہاتھ حضرت حاطب نے خط روانہ کیا تھا؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتحنۃ: ۱' حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوعمرو بن صیفی کی باندی سارہ مکہ سے مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی' اس وقت آپ فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے' آپ نے اس سے پوچھا کہ تم

کیوں آئی ہو؟ اس نے کہا: مجھے ایک کام ہے' وہ ایک گانے والی عورت تھی' آپ نے پوچھا کہ مکہ کے جوانوں نے تم کو کیسے چھوڑ دیا؟ اس نے کہا: واقعہ بدر کے بعد مجھ سے کوئی چیز طلب نہیں کی گئی' آپ نے اس کو کپڑے وغیرہ دیئے' اس عورت کے پاس حضرت حاطب آئے اور اہل مکہ کے نام اس کو ایک خط دیا اور اس کو دس دینار دیئے' اس خط میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنے والے ہیں' تم اپنی حفاظت کا انتظام کرلو' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس کے تعاقب میں حضرت علی' حضرت عمار' حضرت عمر' حضرت زبیر' حضرت طلحہ اور حضرت مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا: تم روضہ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) پر جاؤ' وہاں پر ایک مسافرہ کے پاس مشرکین مکہ کے نام ایک خط ہوگا' اس سے وہ خط لے کر اس کو چھوڑ دو' اگر وہ خط نہ دے تو اس کی گردن اڑا دینا۔

حضرت حاطب سے مواخذہ کیوں نہیں کیا گیا اور اہل بدر کی عام مغفرت کی توجیہ

حضرت حاطب نے کفار کے لیے جاسوسی کی اور مسلمانوں کے جنگی راز کفار کو بتائے' اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی سزا نہیں دی' بلکہ حضرت عمر نے جو فرمایا تھا: مجھے اجازت دیں' میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' ان کو منع فرمایا اور ان کا عذر قبول فرمالیا' اس کی توجیہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدود کے سوا معزز لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۵' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۱' سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۶۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۵۶۹)

اور آپ نے فرمایا: حاطب بدری ہے اور اصحاب بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ اکرام اور عزت افزائی کا خطاب ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ گناہوں کو بخش دیا ہے اور اگر ان سے پھر گناہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو پھر بھی بخش دے گا' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فی الفوران کے آئندہ ہونے والے گناہ بخش دیئے' بلکہ ان میں یہ صلاحیت ہے کہ آئندہ ان سے ہونے والے گناہ بھی بخش دیئے جائیں اور یہ بشارت والے اس سے بے خوف نہیں ہیں کہ ان سے مواخذہ کیا جائے گا' پھر اللہ نے اپنے رسول کی دی ہوئی خبر کے صدق کو ظاہر فرمایا اور اصحاب بدر اپنی وفات تک اہل جنت کے اعمال پر قائم رہے اور اگر ان میں سے کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس نے توبہ کرلی۔

جاسوس کا شرعی حکم اور حدیث مذکور کے دیگر مسائل

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جاسوس کا پردہ چاک کرنا چاہیے' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' جب کہ اس میں مصلحت ہو' اور اس کا حال چھپانے میں خرابی ہو۔ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کو سزا دی جائے اور اگر وہ معزز شخص ہو اور اس کا عذر صحیح ہو تو اس کو حضرت حاطب کی طرح معاف کر دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو سزا دی جائے اور لمبی قید میں رکھا جائے اور امام مالک سے یہ منقول ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اصبغ نے کہا کہ حربی جاسوس کو بھی قتل کر دیا جائے اور مسلم اور ذمی جاسوس کو سزا دی جائے' ماسوا اس کے کہ انہوں نے اسلام کے خلاف مدد کی ہو' پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا' اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر ضرورت ہو تو عورت کے کپڑے اتار دینا جائز ہے' اور علامہ ابن جوزی نے کہا: جو شخص کسی تاویل سے ممنوع کام کا ارتکاب کرے اس کا حکم اس سے مختلف ہے جو بغیر تاویل کے حلال جان کر ممنوع کام کا ارتکاب کرے اور یہ کہ جو شخص کسی ممنوع کام میں تاویل کا دعویٰ کرے تو اس کی تاویل قبول کی جائے گی خواہ اس کی تاویل

خلاف ظاہر ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۳۵۶ ۔ ۳۵۳ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

کفار سے موالات (دوستی) کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

ان آیات کے علاوہ کفار سے دوستی رکھنے کی ممانعت میں حسب ذیل آیات ہیں:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (آل عمران: ۲۸)
مؤمنین مؤمنین کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ. (آل عمران: ۱۱۸)
اے ایمان والو! تم ایمان والوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ. (المائدہ: ۵۱)
اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. (ھود: ۱۱۳)
اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ جلائے گی۔

کفار سے موالات صوری اور مجرد معاملہ کرنے کا شرعی حکم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

موالات ہر کافر سے حرام ہے

موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریبی ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ. (المجادلہ: ۲۲)
تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ دوستی کریں اللہ و رسول کے مخالفوں سے اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

موالاتِ صوریہ کے احکام

حتیٰ کہ صوریہ کو بھی شرع مطہر نے حقیقیہ کے حکم میں رکھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ. (الممتحنۃ: ۱)
اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو ان کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتے ہو اور وہ اُس حق سے کفر کر رہے ہیں جو تمہارے پاس آیا۔

یہ موالات قطعاً حقیقیہ نہ تھی کہ نزولِ کریمہ درباره سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ احد اصحاب البدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم ہے کما فی الصحیح البخاری ومسلم (جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے)۔ تفسیر علامہ ابو السعود میں ہے:

فیہ زجر شدید للمؤمنین عن اظہار صورۃ الموالاۃ لہم وان لم تکن موالاۃ فی الحقیقۃ.
اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو سخت جھڑکی ہے اس بات سے کہ کافروں سے وہ بات کریں جو بہ ظاہر محبت ہو اگرچہ حقیقت میں دوستی نہ ہو۔

(تفسیر ابو سعود ج ۲ ص ۴۸ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مگر صوریہ ضروریہ خصوصاً باکراہ قال تعالیٰ:

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ (آل عمران: ۲۸)
مگر یہ کہ تمہیں اُن سے واقعی پورا ڈر ہو۔

وقال تعالٰی:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ ۔ (النحل: ۱۰۶)
مگر وہ جو پورا مجبور کیا جائے اور اُس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔

مجرد معاملت کا حکم

اور معاملت مجردہ سوائے مرتدین ہر کافر سے جائز ہے جبکہ اُس میں نہ کوئی اعانت کفر یا معصیت ہو نہ اضرار اسلام و شریعت ورنہ ایسی معاملت مسلم سے بھی حرام ہے چہ جائیکہ کافر۔ قال تعالٰی:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ (المائدۃ: ۲)
گناہ وظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

غیر قوموں کے ساتھ جواز معاملت کی مجمل تفصیل اُس فتویٰ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہر معاملت کے ساتھ وہ قید لگا دی ہے جس کے بعد نقصانِ دین کا احتمال نہیں ان احکام شرعیہ کو بھی حالات دائرہ نے کچھ نہ بدلا نہ یہ شریعت بدلنے والی ہے:

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝ (حٰم السجدۃ: ۴۲)
باطل نہیں آ سکتا نہ اُس کے آگے نہ اُس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سراہے گئے کا ۝

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۴۳۴۔۴۳۲ رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۴۱۹ھ)

اعلیٰ حضرت نے جن قیود کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہیں:

موالات و مجرد معاملت میں زمین آسمان کا فرق ہے دنیوی معاملت جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ وامثالہم کے کسی سے ممنوع نہیں ذمی تو معاملت میں مثل مسلم ہے:

لهم ما لنا وعليهم ما علينا.
اُن کے لیے ہے جو ہمارے لیے اور جو اُن پر ہے ہم پر۔

(یعنی دنیاوی منافع میں ہماری طرح اُن کو بھی حصہ دیا جائے گا اور دُنیوی مواخذہ اُن پر بھی وہی ہوگا جو ایک مسلمان پر کیا جائے گا۔)

اور غیر ذمی سے بھی خرید و فروخت اجارہ واستیجار ہبہ واستیہاب بشروطہا جائز اور خریدنا مطلقاً ہر مال کا کہ مسلمان کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانتِ حرب اور اہانتِ اسلام نہ ہو اُسے نوکر رکھنا جس میں کوئی کام خلاف شرع نہ ہو اس کی جائز نوکری کرنا جس میں مسلم پر اُس کا استعلا نہ ہو ایسے ہی امور میں اُجرت پر اُس سے کام لینا یا اُس کا کام کرنا بمصلحت شرعی اُسے ہدیہ دینا جس میں کسی رسم کفر کا اعزاز نہ ہو اُس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو حتیٰ کہ کتابیہ سے نکاح کرنا بھی فی نفسہ حلال ہے وہ صلح کی طرف جھکیں تو مصالحت کرنا مگر وہ صلح کہ حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال یونہی ایک حد تک معاہدہ ومواعدت کرنا بھی اور جو جائز عہد کر لیا اس کی وفا فرض ہے اور غدر حرام الٰی غیر ذلک من الاحکام درمختار میں ہے:

والمرتدة تحبس ابدا وتجالس ولا تؤاكل حتى تسلم ولا تقتل قلت وهو العلة فانها تبقى ولا تفنى وقد شملت المرتد فى اعصارنا وامصارنا لامتناع القتل.

مرتد عورت دائم الحبس کی جائے گی اور نہ اُس کے پاس کوئی بیٹھے نہ اُس کے ساتھ کوئی کھائے یہاں تک کہ وہ اسلام لائے اور قتل نہ کی جائے گی۔ میں کہتا ہوں یہی اُن احکام کا سبب ہے کہ وہ باقی چھوڑ دی جاتی ہے اور فنا نہیں کی جاتی اور اب اس ملک میں

(درمختار ج۱ ص۳۶۰-۳۶۰ مطبع مجتبائی دہلی) یہ سب مرتد کو بھی شامل ہو گیا کہ قتل نہیں کیا جا سکتا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۴۲۱-۴۲۰ رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے بے زار ہیں اور ان سے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو ہم نے تم سب کا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ' مگر ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ سے یہ کہنا: میں تمہارے لیے ضرور مغفرت طلب کروں گا اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی توکل کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے○ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا اور اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما' بے شک تو ہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے○ بے شک تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ ہے (خصوصاً) ان کے لیے جو اللہ سے (ملاقات کی) امید رکھتے ہوں اور روزِ آخرت سے' بے شک اللہ ہی بے نیاز اور لائق حمد ہے○ (الممتحنۃ: ۶-۴)

کفار کی مخالفت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کی دوستی سے منع فرمایا تھا اور ضمناً ان کی مخالفت کا حکم دیا تھا' اب کفار کی مخالفت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ بیان فرمایا۔

الممتحنۃ: ۴ میں ''اسوہ'' کا لفظ ہے' اسوہ ہر اس شخص کا نام ہے جس کے افعال کی اقتداء کی جائے' اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے اپنی قوم سے بے زاری اور عداوت کا اظہار کیا' اور حضرت ابراہیم نے اپنے عرفی باپ آزر سے جو یہ کہا تھا کہ میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا کروں گا' اس قول میں ان کی اتباع کرنے سے منع فرمایا کیونکہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے اور بعد میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ منکشف ہو گیا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے تو خود بھی اس سے بے زار ہو گئے تھے اور انہوں نے اس کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کی' البتہ ان کے حقیقی والدین جو مؤمن تھے ان کے لیے مغفرت کی دعا کی:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ○ (ابراہیم: ۴۱)

اے ہمارے رب! روزِ حساب میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام مؤمنوں کی○

اور اس آیت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

یعنی حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا: اگر تم اپنے شرک پر اصرار کرتے رہے تو میں تم سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے اسلام لانے کی توقع پر اس کی مغفرت کی دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ (التوبہ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا صرف اس سبب سے تھا کہ انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا اور جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔

کافروں کے لیے آزمائش کا معنی

الممتحنۃ: ۵ میں فرمایا: اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا اور اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا تتمہ ہے' اس کا معنی ہے: ہمارے دشمنوں کو ہم پر مسلط نہ کر' کہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ وہ حق پر ہیں یا ان سے مقابلہ میں ہمیں شکست سے دوچار نہ کر یا ایسا نہ کر کہ ان پر رزق فراخ کر دے اور ہم پر تنگ کر دے' سو یہ ہمارے لیے بڑی آزمائش ہوگی۔

الممتحنۃ: ۶ میں فرمایا: بے شک تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ ہے (خصوصاً) ان کے لیے جو اللہ سے (ملاقات کی) امید رکھتے ہوں اور روزِ آخرت سے' اور جس نے ان (کافروں) کو دوست بنایا تو بے شک اللہ ہی بے نیاز اور لائقِ حمد ہے○

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کی مخالفت سے بے نیاز ہے اور اللہ کے اولیاء اس کی حمد کرتے ہیں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ

عنقریب اللہ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا فرما دے گا'

مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ

اور اللہ بہت قادر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○ اور اللہ تم کو ان کے ساتھ

الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ

نیکی کرنے اور تھوڑا تھوڑا دینے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تم

تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸

کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' بے شک اللہ تھوڑا تھوڑا دینے والوں کو (بھی) پسند فرماتا ہے○

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ

اللہ تمہیں ان ہی لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ

مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ

کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی' اور جو

يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

ان سے دوستی کریں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں○ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی

جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو‘ اللہ ان کے ایمان کو خوب

بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

جانتا ہے‘ پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ نہ وہ مؤمنات کفار کے لیے

اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ

حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لیے حلال ہیں‘ اور تم کافروں کو وہ مال دے دو جو انہوں نے

مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

ان مؤمنات پر خرچ کیا ہے‘ اور ان مؤمنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو‘ اور

اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ

(اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب

وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں‘ یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے‘ اور اللہ بہت

حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

علم والا‘ حکمت والا ہے○ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے‘

فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

پھر (تم کفار سے) مالِ غنیمت حاصل کر لو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان

الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ

بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کافروں کی طرف چلی گئی ہیں‘ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لا چکے ہو○ اے نبی (مکرم)! جب

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا

آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی‘

يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ

اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی' اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں

بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ

گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کریں' اور آپ ان کے لیے

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اللہ سے مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O اے ایمان والو! ان لوگوں سے

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ

دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے' بے شک وہ آخرت سے مایوس

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

ہو چکے ہیں جیسا کہ کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں O

الممتحنۃ ۲ ع ۷ ۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عنقریب اللہ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا فرمادے گا' اور اللہ بہت قادر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے اور تھوڑا تھوڑا دینے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی' اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' بے شک اللہ تھوڑا تھوڑا دینے والوں کو (بھی) پسند فرماتا ہے O اللہ تمہیں ان ہی لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تمہارے ساتھ دین میں جنگ کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' اور تمہارے نکالنے میں مدد کی اور جو ان سے دوستی کریں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں O (الممتحنۃ: ۱۰۔۷)

غیر متحارب کافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تحقیق

الممتحنۃ: ۷ میں فرمایا: عنقریب اللہ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا فرمادے گا۔ الایۃ

اس کی صورت یہ ہے کہ کافر مسلمان ہو جائے اور فتح مکہ کے بعد بہت کافر اسلام لے آئے اور مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے' مثلاً ابوسفیان بن حرب اور الحارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو اور حکیم بن حزام وغیرہ۔

الممتحنۃ: ۸ میں فرمایا: اور اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے اور تھوڑا تھوڑا دینے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی' اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' بے شک اللہ تھوڑا تھوڑا دینے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

ابن زید نے کہا: یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جب کفار سے قتال کرنے کی اجازت نہیں تھی' پھر جب آیت جہاد نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی اور جب ۸ ہجری میں یہ معاہدہ منسوخ ہو گیا اور مکہ فتح ہو گیا تو پھر یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

مجاہد نے کہا: یہ حکم ان مسلمانوں کے لیے تھا جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم عورتوں اور بچوں کے ساتھ مخصوص تھا جو قتال نہیں کر سکتے تھے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے اور منسوخ نہیں ہوئی' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا وہ اپنی ماں کے ساتھ نیکی کریں؟ جب وہ حالتِ شرک میں ان کے پاس آئیں' آپ نے فرمایا: ہاں!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸۳۔ ۲۶۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۷)

اس آیت میں تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے سے منع نہیں فرمایا' جنہوں نے تم سے قتال نہیں کیا' اس سے مراد بنو خزاعہ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر صلح کی تھی کہ وہ آپ سے قتال کریں گے نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''وتقسطوا الیھم'' یعنی ان کو قسطوں میں مال عطا کرو' اس سے مراد عدل اور انصاف نہیں ہے' کیونکہ عدل اور انصاف ہر ایک کے ساتھ واجب ہے' خواہ وہ مسلمانوں کے ساتھ قتال کرے یا نہ کرے۔

(احکام القرآن لابن العربی ج ۴ ص ۲۲۸) (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۵۴۔ ۵۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عام طور پر مفسرین نے اس لفظ کا ترجمہ عدل و انصاف کیا ہے' لیکن علامہ ابن العربی و قرطبی وغیرہما نے اس پر قوی اعتراض کیا ہے' اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ تھوڑا تھوڑا دینا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے ایک تاویل سے اس کا معنی انصاف کرنا بھی جائز قرار دیا ہے' اس کی تفصیل عنقریب اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی عبارت میں آ رہی ہے۔

غیر متحارب کافروں کے ساتھ حسن سلوک میں اعلیٰ حضرت کی تحقیق

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

سلوک مالی کی اقسام

'فاقول سلوک مالی تین طرح ہے: (۱) مرحمت (۲) مکرمت (۳) مکیدت۔

اوّل یہ کہ محض اُسے نفع دینا خیر پہنچانا مقصود ہو' یہ مستامن معاہد کے لیے بھی حرام ہے' امان و معاہدہ کفِ ضرر کے لیے ہے نہ کہ اعداء اللہ کو بالقصد ایصالِ خیر کے واسطے۔

دوم یہ کہ اپنی ذاتی مصلحت مثل مکافات احسان و لحاظ رحم کے لیے کچھ مالی سلوک' یہ معاہد سے جائز نا معاہد سے ممنوع۔

سوم یہ کہ مصلحت اسلام و مسلمین کے لیے محاربانہ چال ہو' یہ حربی محارب کے واسطے بھی جائز کہ حقیقت برّ وصلہ سے اسے علاقہ نہیں۔

موالات کی تقسیم اور اُس کے احکام

تحقیق مقام یہ ہے کہ موالات دو قسم ہے:

اوّل حقیقیہ جس کا ادنیٰ رکون یعنی میلانِ قلب ہے' پھر وداد اور پھر اتحاد' پھر اپنی خواہش سے بے خوف' طمع انقیاد پھر تبتل یہ بجمیع وجوہ ہر کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

میل طبعی کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔ ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے۔

(صود: ۱۱۳)

مگر میل طبعی جیسے ماں باپ' اولاد یا زنِ حسینہ کی طرف کہ جس طرح بے اختیار ہو زیرِ حکم نہیں' پھر بھی اس تصور سے کہ یہ اللہ و رسول کے دشمن ہیں ان سے دوستی حرام ہے' بقدرِ قدرت اُس کا دبانا یہاں تک کہ بن پڑے تو فنا کر دینا لازم ہے کہ شئے مستمر میں بقاء کے لیے حکم ابتدا ہے کہ اعراض ہر آن متجدد ہیں' آنا بے اختیار تھا اور جانا یعنی ازالہ قدرت میں ہے تو رکھنا اختیار موالات ہوا اور یہ حرام قطعی ہے' ولہٰذا جس غیر اختیاری کے مبادی اُس نے باختیار پیدا کیے' اس میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اُس سے زوالِ عقل' اس کا اختیاری نہیں مگر جب کہ اختیار سے پی تو زوالِ عقل اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (التوبہ: ۲۳)

اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو اُن سے دوستی رکھے گا وہی پکا ظالم ہوگا ۝

موالاتِ صوریہ کے احکام

دوم صوریہ کہ دل اس کی طرف اصلاً مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت و میلان کا پتا دیتا ہو' یہ بحالت ضرورت و مجبوری صرف بقدرِ ضرورت و مجبوری مطلقاً جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ (آل عمران: ۲۸)

مگر یہ کہ تمہیں ان سے پورا واقعی خوف ہو۔

بقدرِ ضرورت یہ کہ مثلاً صرف عدم اظہارِ عداوت میں کام نکلتا ہو تو اسی قدر پر اکتفاء کرے اور اظہارِ محبت کی ضرورت ہو تو حتی الامکان پہلو دار بات کہے' صریح کی اجازت نہیں اور بے اس کے نجات نہ ملے اور قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس کی بھی رخصت اور اب بھی ترکِ عزیمت۔

صوریہ کی اعلیٰ قسم مداہنت ہے' اس کی رخصت صرف بحالت مجبوری و اکراہ ہی ہے اور ادنیٰ قسم مدارات یہ مصلحتاً بھی جائز۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ (التوبہ: ۶)

اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو اُسے پناہ دو تا کہ کلامِ الٰہی سنے پھر اُسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔

ظاہر ہے کہ اس وقت غلظت وخشونت منافی مقصود ہوگی۔

مدارات کا بیان

مدارات صرف اس ترکِ غلظت کا نام ہے' اظہارِ الفت و رغبت پھر کسی قسم اعلیٰ میں جائے گا اور اسی کا حکم پائے گا۔
مدارات و مداہنت کے بیچ میں موالاتِ صوریہ کی دو قسمیں اور ہیں: بر و اقساط اور معاشرت۔ یہ نو صورتیں موالات کی ہوئیں اور دس کی مکمل مجرد معاملت ہے نہ کہ میلان پر مبنی' نہ اُس سے مُلجی' یہ سوائے مرتد ہر کافر سے جائز ہے جب تک کسی محظور شرعی کی طرف منجر نہ ہو' معاشرت کے نیچے افعالِ کثیرہ ہیں' سلام' کلام' مصافحہ' مجالست' مساکنت' مؤاکلت' تقریبوں میں شرکت' عیادت' تعزیت' اعانت' استعانت' مشورت وغیرہا ان سب کے صور و شقوق کی تفصیل اور ہر صورت پر بیانِ حکم و دلیل ایک مستقل رسالہ چاہے گا' یہاں بَر وصلہ سے بحث ہے جس کی ہم نے تین قسمیں بیان کیں' قسم اول کہ بے اپنی کسی غرض صحیح کے بالقصد ایصالِ نفع وخیر منظور ہو' یہ بے رغبت و میلان قلب متصور نہیں' تو موالاتِ حقیقیہ ہے اور مطلقاً قطعاً حرام قطعی' باقی دو قسمیں

کہ اپنی غرض ذاتی یا مصلحت دینی مقصود ہو تو موالاتِ صوریہ کی ایک ہلکی قسمیں ہیں' اگرچہ مجرد ترک غلظت پر ان میں شئے زائد ہے' ان دو میں فرق یہ ہے کہ قسم دوم بھی اگرچہ حقیقتِ موالات سے برکراں ہے اور صورۃً بھی کوئی قوی دلیل نہیں مگر معنیً کچھ اُس کی نفی وضد بھی نہیں اور سوم حقیقۃً معادات وقصد اُضرار ہے' لہٰذا حربی محارب سے بھی جائز ہوئی کہ اب وہ ظاہری صورت خدعہ اور چال رہ گئی'' والحرب خدعة'' (لڑائی فریب ہے۔) کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنا کیسا اشد حرام وکبیرہ ہے' لیکن اگر مثلاً اس لیے ہو کہ وہ تعاقب کرتے چلے آئیں گے اور آگے اسلامی کمین ہے جب اُس سے گزریں' اُن کے پیچھے سے کمین کا لشکر نکلے اور آگے سے یہ لوٹ پڑیں اور کافر گھر جائیں تو ایسا فرار بہت پسندیدہ ہے کہ یہ صورۃً فرار معنیً کرّار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○ (الانفال: ۱۶)

جہاد کے دن جو کوئی کافروں کو پیٹھ دکھائے گا سوا اس کے جو لڑائی کے لیے کنارہ کرنے یا اپنے جتھے میں جگہ لینے کو جائے وہ بے شک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُری پھرنے کی جگہ ہے ○

حربی غیر معاہد سے موالات کی حالی صورت بھی حرام ہے

اور دوم ان سے جائز نہیں کہ حقیقت معادات سے خالی اور صورت موالات حالی یہ صرف معاہدین کے لیے ہے'' تنزیلا للناس منازلهم'' ہر شخص کو اس کے مرتبے پر رکھنے کے لیے اور غیر معاہد کے لیے یہ بھی موالات ممنوعہ ہی ہے' اوپر گزرا کہ مولیٰ عزوجل نے اُن سے صوریہ کو بھی مثل حقیقیہ منع فرمایا اور اُس کا نام مودّۃ ہی رکھا کہ'' تلقون اليهم بالمودة تسرون اليهم بالمودة'' (تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے' تم انہیں محبت کا خفیہ پیغام پہنچاتے ہو)۔ یہ ہے تحقیق انیق متکفل توفیق وتطبیق والحمد للہ علیٰ حسن التوفیق۔

آیاتِ ممتحنہ میں بر ومعاملات سے کیا مراد

اس تحقیق سے روشن ہوا کہ کریمہ'' لا ينهكم'' میں بر سے صرف اوسط مراد ہے کہ اعلیٰ معاہد سے بھی حرام اور ادنیٰ غیر معاہد سے بھی جائز' اور آیت فرق کے لیے اتری ہے' نیز ظاہر ہوا کہ کریمہ'' انما ينهكم'' میں'' تولوهم'' سے یہی بر وصلہ مراد ہے تاکہ مقابلہ وفرق فریقین ظاہر ہو۔ لاجرم

معنیٰ اقساط کی تحقیق

معنیٰ اقساط میں مفسرین تین وجہ پر مختلف ہوئے:

اوّل کشاف و مدارک و بیضاوی وابو السعود و جلالین میں اسے بمعنی عدل ہی لیا' اوّلین میں اور واضح کر دیا کہ'' ولا تظلموهم'' امام ابوبکر ابن العربی نے اس پر ایراد کیا کہ عدل ومنع ظلم کا حکم معاہد سے خاص نہیں' حربی محارب کو بھی قطعاً عام ہے اور وہ صرف رخصت نہیں بلکہ قطعاً واجب۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۔ (المائدہ: ۸)

کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل نہ کرنے پر باعث نہ ہو' عدل کرو وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے۔

یہ تقریر ایراد ہے اور اسے قرطبی وخطیب شربینی پھر جمل نے مقرر رکھا۔

دوم عدل سے صرف وفائے عہد مراد ہے اسے کبیر میں مقاتل سے نقل کیا اور یہی تنویر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

سے مروی:

(ان تقسطوا علیھم) تعدلوا بینھم بوفاء العھد (ان اللہ یحب المقسطین) العادلین بوفاء العھد. (تنویر المقباس ص ۳۵۱)

اُن کے ساتھ اقساط کی اجازت فرماتا ہے یعنی جو معاہدہ اُن کے ساتھ ہوا اُسے پورا کرو یہ عدل ہے بے شک اللہ تعالیٰ اقساط والوں کو دوست رکھتا ہے جو وفائے عہد سے عدل کرتے ہیں۔

اگر کہئے معاہد سے وفائے عہد بھی واجب ہے نہ صرف رخصت۔ اقول وفا واجب ہے اتمام مدت واجب نہیں' مصلحت ہو تو نبذ جائز۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: " فَانۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ " (الانفال: ۵۸) ان کی طرف یکساں حالت پر نبذ کر دو۔ اب ایراد بھی نہ رہا اور برّ و قسط دو جدا چیزیں ہو گئیں اور " اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ " (الممتحنۃ: ۸) یہاں بھی بلا تکلف ہے اور اسے ماثور ہونے کا بھی شرف حاصل' اگرچہ سند ضعیف ہے تو یہی اسلم واقوی ہے۔

سوم عدل سے مراد صرف عدل بالبرّ ہے' ابن جریر و معالم و خازن میں ہے: "تعدلوا فیھم بالاحسان والبر" (ان سے انصاف کا برتاؤ کرو بھلائی اور نیکی کے ساتھ)۔ ابن العربی و قرطبی و شربینی و نیشاپوری و جمل نے اس کی یوں توجیہ کی " اقساط قسط " بمعنی حصہ سے یعنی اپنے مال سے کچھ دینا۔

اقول یعنی اب تخصیص عدل کی حاجت نہ ہوئی کہ معنی عدل ہی سے عدول ہو گیا مگر بہر حال اقساط' برّ سے جدا چیز نہ ہوا اور ظاہر عطف مغایرت چاہتا ہے۔

وانا اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔) ممکن کہ عدل سے عدل فی البر مراد ہو نہ کہ بالبر' اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ماں عہد معاہدہ میں آتی ہے' یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس سے صلہ کا مسئلہ پوچھتی ہیں' اس پر یہ آیہ کریمہ اترتی ہے' وہ اگر کچھ ہدیہ نہ لاتی یہ اپنی طرف سے صلہ کرتیں یا جتنا وہ لاتی اس سے زائد یہ دیتیں تو کل یا قدر زائد' ان کی طرف سے احسان ہوتا' یہ برّ ہے' اُتنا ہی دیتیں تو دینے میں عدل یعنی مساوات ہوتی' یہ اقساط ہے۔ آیہ کریمہ نے معاہد سے دونوں صورتوں کی اجازت فرمائی' اب یہ آیت زیادت و مساوات دونوں کی اجازت اور اُن میں تقدیم ذکر زیادت میں آیت تحیت کی نظیر ہو گی: " وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا " (النساء: ۸۶) جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے زیادہ الفاظ جواب میں کہو یا اُتنے ہی' واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ' یہ ہے بتوفیق اللہ تعالیٰ تفسیر کریمہ ممتحنہ میں تمام کلام کہ ان اوراق کے غیر میں نہ ملے گا۔" والحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ وصلی اللہ تعالیٰ علٰی سیّدنا ومولٰنا محمد وّاٰلہ واصحابہ اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین "۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۴۷۲-۴۶۵ ملخصاً' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو' اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے' پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ' نہ وہ مؤمنات کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لیے حلال ہیں اور تم کافروں کو وہ مال دے دو' جو انہوں نے ان مؤمنات پر خرچ کیا ہے اور ان مؤمنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو' اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو نہ روکے رکھو' اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں' یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا' بے حد حکمت والا ہے O اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر (تم کفار سے) مال

غنیمت حاصل کرلو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کفار کی طرف چلی گئی ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لاچکے ہو O (الممتحنۃ: ۱۱۔۱۰)

صلح حدیبیہ کے تقاضے سے صرف مہاجر مسلمانوں کا کفار کی طرف واپس کرنا واجب تھا۔۔۔۔ نہ کہ مہاجر خواتین کا بھی

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مروان اور مسور بن مخرمہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح نامہ میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ جو شخص بھی مشرکین میں سے آپ کے پاس آئے گا' خواہ وہ آپ کے دین پر ہوا سے آپ کو ہماری طرف واپس کرنا ہوگا' اسی شرط کے مطابق اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ سہیل بن عمرو کی طرف واپس کر دیا تھا اور اس مدت میں مردوں میں سے جو بھی مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا آپ نے اس کو واپس کر دیا اور مؤمنات بھی ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی ان خواتین میں سے تھیں جو ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں' تب ان کے گھر والے آپ کے پاس گئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس کر دیں' آپ نے حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس نہیں کیا' کیونکہ یہ آیت نازل ہو چکی تھی کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزمالیا کرو' اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے' پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ الایۃ (الممتحنۃ: ۱۰)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۱۲)

اس جگہ پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ معاہدہ میں یہ مذکور نہیں تھا کہ آپ کے پاس مکہ سے جو بھی آئے گا خواہ مرد ہو یا عورت آپ کو اسے واپس کرنا بلکہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی' عورتوں کی واپسی کی شرط نہیں تھی' معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

فقال سهيل وعلى انه لا ياتيك منا رجل وان كان على دينك الا رددته الينا.

سہیل نے کہا: اور شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس ہمارا جو مرد بھی آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو' آپ کو اسے ہمیں واپس کرنا ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے جا رہے تھے' جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکینِ مکہ نے آپ سے اس پر صلح کر لی کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے پاس آیا' آپ اس کو واپس کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو ان کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے' اس پر صلح نامہ لکھا جا چکا تھا' لکھنے کے بعد حضرت سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ' مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں' پھر ان کے خاوند مسافر بن مخزوم (یا صیفی بن الراھب) آئے اور ان کو طلب کیا اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری بیوی واپس کر دو' کیونکہ تم یہ شرط مان چکے ہو کہ ہمارے پاس سے جو بھی تمہارے پاس آئے گا تم اس کو واپس کر دو گے' اور ابھی تو اس صلح نامی کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت (الممتحنۃ: ۱۰) نازل فرمائی۔ یعنی یہ شرط مردوں کے متعلق تھی خواتین اس میں داخل نہیں ہیں لہذا پوری مدتِ معاہدہ میں مسلمان ہو کر آنے والے مردوں کو تو مشرکین کی طرف واپس کیا گیا مگر جو خواتین مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں ان کو آپ نے واپس نہیں فرمایا۔

مہاجر خواتین سے امتحان لینے کی کیفیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آزمانے کی کیفیت یہ تھی کہ جو خاتون مسلمان ہو کر آپ کے پاس آتی' آپ اس سے اس پر حلف لیتے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں آئی ہے یا مدینہ کے کسی مسلمان کے ساتھ عشق اور محبت کی وجہ سے نہیں آئی ہے اور نہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہونے اور آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے آئی ہے اور نہ کسی آفت اور مصیبت کی وجہ سے آئی ہے اور نہ دنیا کی طلب میں آئی ہے' بلکہ وہ صرف اسلام کی طرف رغبت کی وجہ سے آئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی وجہ سے آپ کے پاس آئی ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سبیعہ بنت الحارث سے اس پر حلف لیا اور جب انہوں نے اس پر حلف اٹھالیا تو پھر آپ نے ان کو واپس نہیں کیا' اور ان کے مشرک خاوند کو اس کا دیا ہوا مہر جو اس کا ان پر خرچ کیا ہوا تھا وہ دے دیا' پھر ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور مکہ سے جو مرد آپ کے پاس آتے تھے آپ ان کو واپس کر دیتے تھے اور جو خواتین آتی تھیں ان کا امتحان لینے کے بعد ان کو روک لیتے تھے اور ان کے کافر شوہر کو ان کو دیا ہوا مہر واپس کر دیتے تھے۔

مسلم خواتین ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں یا مدینہ سے مسلم عورتیں مرتد ہو کر کفار کی طرف جائیں' اختلاف دارین سے نکاح سابق منقطع ہو جائے گا

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ان مؤمنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ہجرت کرنے والی مسلمان خواتین سے تمہارا نکاح مباح کر دیا ہے' خواہ ان کے سابقہ شوہر دار الکفر میں ہوں کیونکہ اسلام نے ان کے اور ان کے کافر شوہروں کے درمیان تفریق کر دی۔

اس کے بعد فرمایا: ''ولا تمسکوا بعصم الکوافر'' ''ولا تمسکوا'' کا معنی ہے: مت روکو اور ''العصم العصمت'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: جو عقدِ نکاح یا نسب کے رشتہ کی وجہ سے محفوظ ہو اور ''الکوافر' کافرۃ'' کی جمع ہے اور اس جملہ کا معنی ہے: اور تم نکاح شدہ کافر عورتوں کو مت روکے رکھو اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا کہ وہ کافرہ کے ساتھ نکاح پر قائم رہیں' یعنی جس مسلمان کا مکہ میں کسی کافرہ کے ساتھ نکاح تھا اور وہ مسلمان اب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ چکا ہے' تو اس مسلمان کا نکاح بھی اس کافرہ سے اختلاف دارین کی وجہ سے اسی طرح منقطع ہو گیا جس طرح مسلمہ مہاجرہ کا نکاح مکہ میں رہنے والے کافر سے منقطع ہو گیا۔

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والی مسلم خواتین

زہری نے کہا: اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مکہ میں دو بیویاں تھیں اور وہ دونوں مشرکہ تھیں' سو حضرت عمر کی ہجرت کے بعد ان کا ان مشرکہ بیویوں سے نکاح منقطع ہو گیا' پھر بعد میں معاویہ بن ابی سفیان نے مکہ میں ان مشرکہ عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کر لیا اور دوسری ام کلثوم بنت عمرو تھی' اس سے ابو جہم بن حذافہ نے نکاح کر لیا۔ (امام بخاری نے اس کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۳)

شعبی نے کہا: حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ابو العاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں' وہ مسلمان تھیں اور ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئیں اور ابو العاص مکہ میں مشرک رہے' پھر وہ مدینہ میں آ کر اسلام لے آئے تو آپ نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو انہیں واپس کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو' اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم

سے طلب کر لیں۔

یعنی اے مسلمانو! اگر کوئی عورت اسلام سے مرتد ہو کر کافروں سے جا ملی ہے تو تم نے اس کے مہر وغیرہ پر جو خرچ کیا ہے وہ کافروں سے وصول کر لو اور کافروں کی جو عورت مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئی ہے تو کافر شوہر نے اس کے مہر وغیرہ پر جو خرچ کیا ہے وہ تم سے وصول کر لے (یہ رقم اس سے نکاح کرنے والا مسلمان ادا کرے گا ورنہ بیت المال سے ادا کی جائے گی)۔

الممتحنۃ: ۱۱ میں فرمایا: اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر (تم کفار سے) مالِ غنیمت حاصل کر لو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا' جو کفار کی طرف چلی گئیں۔ الآیۃ

مدینہ سے اسلام کو ترک کر کے کفار کی طرف جانے والی عورتیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ چھ مسلم اور مہاجر خواتین کفار کے پاس چلی گئی تھیں: (۱) ام الحکم بنت ابی سفیان' یہ حضرت عیاض بن شداد فہری کے نکاح میں تھی (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ' یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھی (۳) بروع بنت عقبہ' یہ حضرت شماس بن عثمان کے نکاح میں تھی (۴) عزہ بنت عبد العزیز' یہ حضرت عمرو بن عبدود کے نکاح میں تھی (۵) ہند بنت ابی جہل' یہ حضرت ہشام بن العاص بن وائل کے نکاح میں تھی (۶) ام کلثوم بنت جرول' یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھی' یہ سب عورتیں اسلام سے مرتد ہو گئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسلمان شوہروں کو مالِ غنیمت سے ان عورتوں کے مہر پر خرچ ہونے والی رقوم ادا کر دیں۔

فریقین کے سابق شوہروں کو ان کے دیئے ہوئے مہر کی رقم دینا آیا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کے سابق شوہروں کو ان کے مہر کی رقم واپس کرنا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا: اب یہ حکم واجب نہیں ہے اور یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اور بعض علماء نے کہا: یہ حکم غیر منسوخ ہے اور اب بھی واجب العمل ہے۔ امام ابوبکر رازی حنفی نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے اور اس حکم کی ناسخ یہ آیت ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ. اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق ذریعہ سے نہ کھاؤ۔

(البقرہ: ۱۸۸)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس کے لیے ناسخ ہے: کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۴۴۱) (معالم التنزیل ج ۵ ص ۷۵۔ ۷۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی الشافعی التوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اور امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی ان آیات کی تفسیر اسی طرح کی' جس طرح علامہ بغوی نے مذکور الصدر تفسیر کی ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۵۲۳۔ ۵۲۰' احکام القرآن ج ۳ ص ۴۴۱۔ ۴۳۸' تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۲۳۔ ۵۲۱)

ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی مسلمان خاتون کے نکاحِ سابق کے انقطاع میں مذاہب ائمہ

جو عورت مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آ جائے اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا اپنے کافر شوہر سے نکاح فی الفور منقطع ہو جائے گا جیسا کہ الممتحنۃ: ۱۰ میں اس کی واضح تصریح ہے' اس کے برخلاف صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے نکاح کا انقطاع اس کی عدت ختم ہونے پر موقوف ہے' اگر عدت ختم ہونے تک اس کا کافر شوہر اسلام نہ لایا تو اس کا نکاح اس کافر سے منقطع ہو جائے گا اور اگر عدت ختم ہونے سے پہلے اس کا' کافر شوہر مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح

برقرار رہے گا۔ سطور ذیل میں ہم ان فقہاء کے مذاہب ان کی کتابوں سے پیش کر رہے ہیں۔

جو عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آئے اس کے نکاح سابق کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک

علامہ برھان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب زوجین میں سے کوئی ایک دارالحرب چھوڑ کر مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے اور دوسرا فریق دارالحرب میں بہ دستور کافر ہو تو ہمارے نزدیک ان دونوں میں فی الفور تفریق ہو جائے گی' اگر دارالاسلام میں آنے والا فریق شوہر ہو تو اس کی بیوی پر بالاتفاق عدت نہیں ہے اور اگر دارالاسلام میں آنے والی فریق عورت ہو تو صرف امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ (المحیط البرہانی ج ۴ ص ۱۹۴' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۲۴ھ)

ہجرت کر کے دارالاسلام میں آنے والی خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اگر بیوی بت پرست ہو یا بیوی مسلمان ہو جائے اور شوہر اہل کتاب میں سے ہو یا بت پرست ہو تو ہر صورت میں ان میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کے بعد نکاح میں جمع رہنا حرام ہے اور ان میں سے کسی ایک کے اسلام کو دیکھا جائے تو اگر مباشرت سے پہلے ان میں سے کوئی ایک اسلام لایا ہو تو نکاح باطل ہو جائے گا اور مباشرت کے بعد کوئی ایک اسلام لایا ہو تو پھر نکاح عدت پوری ہونے پر موقوف رہے گا' اگر عدت ختم ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک شرک کو ترک کر کے اسلام لے آیا ہو تو وہ دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے' اور اگر عدت پوری ہونے تک ان میں سے کوئی بھی اسلام نہیں لایا تو نکاح باطل ہو جائے گا' خواہ شوہر پہلے اسلام لایا ہو یا بیوی پہلے اسلام لائی ہو اور خواہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دارالحرب میں اسلام لایا ہو یا دارالاسلام میں اسلام لایا ہو۔ (الحاوی الکبیر ج ۱۱ ص ۳۵۴' دارالفکر' بیروت)

ہجرت کر کے دارالاسلام میں آنے والی مسلمان خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر شوہر اور بیوی معاً اسلام لائے ہوں تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے' خواہ وہ مباشرت سے پہلے اسلام لائے ہوں یا مباشرت کے بعد اسلام لائے ہوں' کیونکہ اس پر اجماع ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک پہلے اسلام لایا ہو اور وہ اہل کتاب بیوی کا شوہر ہو' تب بھی ان کا نکاح برقرار رہے گا' کیونکہ ابتداءً ان کا نکاح بھی جائز ہے اور اگر عورت پہلے اسلام لائی ہو یا شوہر اور بیوی دونوں بت پرست ہوں اور مباشرت سے پہلے بیوی اسلام لائی ہو تو ان کا نکاح منقطع ہو جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۚ (الممتحنۃ: ۱۰) نہ وہ مؤمنات کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لیے حلال ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنۃ: ۱۰) اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو روکے نہ رکھو۔

اور ان دونوں میں سے جو بھی پہلے اسلام لے آئے گا تو نکاح منقطع ہو جائے گا' کیونکہ اس سے دونوں کے دین میں

اختلاف ہو جائے گا اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک مباشرت کے بعد اسلام لایا ہے تو اس میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی فی الفور نکاح منقطع ہو جائے گا (جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نکاح عدت گزرنے پر موقوف ہے' اگر عدت پوری ہونے سے پہلے دوسرا فریق مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا اور اگر عدت پوری ہونے کے بعد تک دوسرا فریق مسلمان نہیں ہوا تو پھر ان کا نکاح منقطع ہو جائے گا اور اس عورت کو مہر مثل دینا ہوگا' کیونکہ ابن شبرمہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرد' عورت سے پہلے مسلمان ہو جاتا تھا اور عورت مرد سے پہلے مسلمان ہو جاتی تھی اور جو بھی عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہو جاتا تو اس کا نکاح برقرار رہتا تھا اور اگر عورت کی عدت گزرنے کے بعد اسلام لاتا تھا تو اس کا نکاح منقطع ہو جاتا تھا۔

اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ جب شوہر اور بیوی ایک ساتھ اسلام لائے ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کی ہو' جب کہ مردوں کی ایک جماعت اپنی بیویوں سے پہلے اسلام لائی' جیسے ابوسفیان بن حرب اور مردوں کی دوسری جماعت سے پہلے ان کی بیویاں اسلام لے آئی تھیں' جیسے صفوان بن امیہ' عکرمہ اور ابوالعاص بن الربیع' اور جو تفریق ان کے درمیان واقع ہوئی وہ نکاح کا فسخ ہونا تھا۔ (الکافی ج ۳ ص ۵۱۔ ۵۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی خاتون کے نکاحِ سابق کے انقطاع میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ سحنون بن سعید التنوخی امام مالک سے روایت کرتے ہیں:

راوی نے کہا: اگر شوہر اور بیوی دونوں مجوسی ہوں یا دونوں نصرانی ہوں یا دونوں یہودی ہوں؟ علامہ سحنون نے کہا: امام مالک کے نزدیک ان سب کا حکم ایک ہے' امام مالک نے کہا: اگر خاوند اس عورت کی عدت میں اسلام لے آئے تو وہ اس عورت کا مالک ہے' اور اگر اس کی عدت پوری ہو چکی ہو تو پھر خاوند کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے' خواہ وہ اس کے بعد اسلام لے آئے' میں نے پوچھا: جب ان میں تفریق ہو گئی تو آیا یہ تفریق نکاح کا فسخ ہو گی یا طلاق؟ امام مالک نے کہا: یہ فسخ نکاح ہے' طلاق نہیں ہے۔

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عورتیں اپنی سرزمین میں اسلام لے آتی تھیں اور ہجرت نہیں کرتی تھیں اور ان کے شوہر اس وقت کافر ہوتے تھے' جیسے ولید بن مغیرہ کی بیٹی' صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھیں' وہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئیں اور صفوان اسلام سے بھاگ کر سمندر میں سوار ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عم زاد وہب بن عمیر کو ان کے پیچھے امان کے پیغام کے ساتھ بھیجا اور نشانی کے طور پر اپنی چادر دی اور فرمایا: تم اسلام لے آؤ اور تم کو غور و فکر کے لیے دو ماہ کی مہلت ہے' پھر جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار ماہ کی مہلت دے دی اور وہ حالتِ کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ ہوازن میں رہے اور غزوۂ طائف میں رہے اور اس دوران ان کی بیوی مسلمان رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی' حتیٰ کہ صفوان اسلام لے آئے اور ان کی بیوی اسی نکاح سے ان کے ساتھ رہیں۔ ابن شہاب نے کہا: صفوان اور ان کی بیوی کے اسلام لانے کے درمیان ایک ماہ کا عرصہ تھا۔ (موطأ امام مالک ج ۲ ص ۹۳۔ رقم الحدیث: ۱۱۷۸' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں اور ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے' پھر حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور عکرمہ مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ پھر وہ حضرت عکرمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں' پھر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے' ان کو گلے لگایا اور ان کو بیعت کر لیا۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۹۴۔رقم الحدیث: ۱۱۸۰' دارالمعرفۃ' بیروت)

امام مالک نے کہا: ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق کی ہو اور وہ اسی نکاح کے ساتھ حضرت عکرمہ کے ساتھ رہیں۔

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں' وہ اسلام لے آئیں اور ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئیں اور ان کے خاوند نے اسلام کو ناپسند کیا اور تجارت کے لیے شام چلے گئے' وہاں چند انصاریوں نے ان کو قید کر لیا' پس سیدہ زینب نے کہا: مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے؟ آپ نے پوچھا: کس کو؟ سیدہ زینب نے کہا: ابوالعاص کو' آپ نے فرمایا: جس کو زینب نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی' پھر ابوالعاص مسلمان ہو گئے اور ابھی سیدہ زینب عدت میں تھیں اور وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں۔

امام مالک نے کہا: ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی عورت کا خاوند عدت کے اندر ہجرت کر کے آ گیا ہو پھر بھی اس کا نکاح فسخ کر دیا گیا ہو۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۰۰۔۲۹۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ' ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کا جواب یہ ہے کہ وہ مکہ کی حدود سے باہر نہیں نکلے تھے' اس لیے آپ نے ان کا نکاح ان کی بیویوں سے برقرار رکھا' ابوسفیان اور ھند کا بھی یہی جواب ہے۔ اور سیدہ زینب کے شوہر ملک شام چلے گئے تھے اس لیے ان کا نکاح برقرار نہیں رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح سیدہ زینب سے دوبارہ پڑھایا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے: (فتح القدیر ج ۳ ص ۴۰۰' بیروت)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوالعاص بن الربیع کی طرف نکاحِ جدید اور مہر جدید کے ساتھ لوٹا دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۱۰' شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۵۶' المستدرک ج ۳ ص ۶۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۸۔۲۰۷' طبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۱)

خلاصہ یہ ہے کہ جو عورت دارالکفر سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ کر مسلمان ہو جائے' اس کے متعلق ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں اس کا سابق نکاح اس کی عدت ختم ہونے تک موقوف رہے گا' اگر اس کا مشرک شوہر عدت پوری ہونے تک مسلمان نہیں ہوا تو اس کا نکاح منقطع ہو جائے گا اور اگر وہ عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو اس مہاجرہ مسلمہ کا نکاح اس کے ساتھ برقرار رہے گا اور امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی وہ عورت ہجرت کر کے اسلام لائی اس کا اپنے کافر شوہر سے سابق نکاح فی الفور منقطع ہو جائے گا اور قرآن مجید کے موافق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کا قول ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنۃ: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو' پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ' نہ وہ مومنات کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لیے حلال ہیں۔

امام اعظم کا مذہب اس آیت کے صراحۃً مطابق ہے کیونکہ اس آیت میں ان کے نکاح کو عدت پر موقوف کرنے کی کوئی قید نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی (مکرم)! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی' اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی' اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی' تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں' اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہےO اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے' بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں' جیسا کہ کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیںO (الممتحنہ: ۱۳۔۱۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام لانے والی خواتین سے احکام شرعیہ کی اطاعت پر بیعت لینا

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ' الممتحنہ: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
یہ فتح مکہ کے دن کا واقعہ ہے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو بیعت کرنے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا' اس وقت آپ صفا پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس پہاڑ کے نیچے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم سے اس پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی' اس وقت ابوسفیان کی بیوی ھند بنت عتبہ نقاب ڈالے ہوئے خواتین کے ساتھ کھڑی تھی' اس نے سر اٹھا کر کہا: اللہ کی قسم! آپ ہم سے اسی چیز پر بیعت لے رہے ہیں جس پر آپ نے مردوں سے بیعت لی ہے' ہم نے آپ سے اس پر بیعت کر لی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور تم چوری بھی نہیں کرو گی' ھند نے کہا: اللہ کی قسم! میں ابوسفیان کے مال سے خرچ کرتی ہوں' مجھے نہیں معلوم کہ وہ مال میرے لیے حلال ہے یا نہیں' ابوسفیان نے کہا: ہاں! اس سے پہلے تم نے ماضی میں میرا جو مال لیا ہے وہ حلال ہے اور اس کے علاوہ بھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم ھند بنت عتبہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ میرے گزشتہ قصور معاف فرما دیں' اللہ آپ کو معاف فرمائے گا' آپ نے فرمایا: اور تم زنا بھی نہیں کرو گی' ھند نے کہا: کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: اور تم اپنی اولاد کو قتل بھی نہیں کرو گی' اس نے کہا: ہم نے اپنی اولاد کو بچپن میں پالا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو تم نے ان کو قتل کر دیا' یہ سن کر حضرت عمر بہت ہنسے اور ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے' آپ نے فرمایا: اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کسی پر بہتان لگاؤ گی' بہتان یہ ہے کہ عورت کسی اور کے بچے کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرے اور کہے کہ یہ تمہارا بچہ ہے حالانکہ وہ اس کا بچہ نہ ہو۔ ھند نے کہا: اللہ کی قسم! بہتان بہت بُری چیز ہے اور آپ اچھے اخلاق اور اچھی خصلتوں کا حکم دیتے ہیں' پھر آپ نے فرمایا: اور تم دستور کے موافق کسی کام میں نافرمانی نہیں کرو گی' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے اور کپڑے پھاڑنے اور بال نوچنے سے منع کیا اور فرمایا: تم شہر میں کسی مسافر کے ساتھ خلوت میں نہیں رہو گی اور بغیر محرم کے تین دن سے زیادہ سفر نہیں کرو گی۔ ھند نے کہا: ہم ان چیزوں میں سے کسی کی مخالفت نہیں کریں گی' تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کو بیعت کر لیجئے اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت طلب کیجئے' بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۵۴۔ ۳۵۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت لینے کی کیفیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا امتحان لیتے تھے'

جیسا کہ الممتحنۃ: ۱۲ میں اس کا حکم ہے اور جو مؤمن عورتیں اس آیت کی شرائط کا اقرار کر لیتیں تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: میں نے تم کو بیعت کر لیا اور اللہ کی قسم! بیعت کرتے وقت آپ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مَس نہیں کیا' آپ ان کو صرف اپنے کلام سے بیعت کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۹۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۰۶' مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۰۔ ۱۱۴' سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۴۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۵۵۸۱)

الممتحنۃ: ۱۳ میں فرمایا: اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے' بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں جیسا کہ کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں O

یہود کے ساتھ دوستی رکھنے کی ممانعت

مقاتل بن حیان اور مقاتل بن سلیمان نے کہا ہے کہ فقراء مسلمین یہود کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے اور ان سے ملاپ رکھتے تھے' اسی وجہ سے یہود ان کو پھل وغیرہ دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہود آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں' کیونکہ یہود نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی حالانکہ ان کو آپ کے صدق کا علم تھا اور ان کو یقین تھا کہ آپ برحق رسول ہیں' اس کے باوجود انہوں نے عناداً آپ کی رسالت کا انکار کیا' اس وجہ سے وہ آخرت میں اپنی نجات سے مایوس ہیں۔ جس طرح جو کافر مر کر قبروں میں پہنچ چکے ہیں وہ آخرت میں اپنی نجات سے مایوس ہیں' ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے لیے اجر و ثواب میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے وہ کافر مراد ہیں جو آخرت کے عذاب کا معائنہ کر چکے ہیں۔ (الوسیط ج ۴ ص ۲۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ ھ لکھتے ہیں:

کافروں کے مایوس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کافر کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس شدید ڈانٹ ڈپٹ کرنے والا فرشتہ آتا ہے' وہ اس کو بٹھا کر اس سے سوال کرتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا رسول کون ہے؟ کافر کہتا ہے: میں نہیں جانتا' فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ کے دشمن! دیکھ! اللہ نے تیرے لیے قبر میں کیسا عذاب تیار کر رکھا ہے' فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ کے دشمن! یہ عذاب تیرے لیے ہے' اگر تو ایمان لے آتا تو تجھے جنت میں داخل کر دیا جاتا' پھر اس کو جنت دکھائے گا' کافر پوچھے گا: یہ جنت کس کے لیے ہے؟ فرشتہ کہے گا: یہ جنت اس کے لیے ہے جو اللہ پر ایمان لایا' پھر کافر پر حسرت طاری ہو گی اور اس کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی اور اس کو یقین ہو جائے گا کہ اس کی آخرت میں نجات نہیں ہو گی اور اس کے لیے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہیں ہے' سو اس وجہ سے فرمایا کہ کافر اپنی آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ کافر نے قبر میں اپنی آخرت کا معائنہ کر لیا ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۵۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ ھ)

سورۃ الممتحنہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۹ ذوالحج ۱۴۲۴ھ/ ۲۰ جنوری ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات سورۃ الممتحنہ کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۱۵ جنوری کو اس سورت کی تفسیر کی ابتداء کی گئی تھی' اس طرح پانچ دنوں میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔

الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور محض اپنے فضل سے میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ' میرے احباب' میرے تلامذہ' اس کتاب کے ناشر' مصحح' کمپوزر' قارئین اور جملہ مسلمین کی مغفرت فرما دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین

افضل المرسلین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وعلٰی اولیاء امتہ
وعلماء ملتہ وسائر المسلمین اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة الصّف

سورت کا نام

اس سورت کا نام الصف ہے اور یہ نام اس سورت کی حسبِ ذیل آیت سے ماخوذ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ (الصف: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں○

یہ سورت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۸ اور ترتیب مصحف کے اعتبار اس سورت کا نمبر ۶۱ ہے۔

سورت الصّف کے مشمولات

☆ اس سورت کا مرکزی موضوع اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے قتال اور جہاد کرنا ہے اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے اور دیگر احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کا ثوابِ عظیم بیان کرنا ہے۔

☆ اس سورت کی ابتداء اللہ سبحانہٗ کی تسبیح' تنزیہ اور تقدیس سے کی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے قتال کرنا ضروری ہے اور دین اور احکامِ شرعیہ کی تبلیغ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اللہ اور رسول کی نافرمانی اور دین میں تفرقہ کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے۔

☆ سب سے بڑی سعادت اور کامیابی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرنا ہے اور اس کا ثمرہ دنیا میں کامیابی اور خوش حالی ہے اور آخرت میں جنت کا حصول ہے۔

سورۃ الصف کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العلمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور گم راہی اور ناصواب سے محفوظ اور مامون رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۹ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۰ جنوری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹ / ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الصف ٦١ مدنیۃ (١٠٩)　　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　　ایاتہا ١٤ رکوعاتہا ٢

سورۃ الصف مدنی ہے　اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے　اس میں چودہ آیات، دو رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

آسمانوں کی تمام چیزوں اور زمینوں کی تمام چیزوں نے اللہ کے لیے تسبیح کی اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہےO

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ

اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتےO اللہ اس پر سخت غضب ناک

اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ

ہوتا ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتےO بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

صف بستہ قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیںO اور (آپ یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا:

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ

اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو؟ حالانکہ تم کو یقین ہے کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں،

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

پھر جب انہوں نے کج روی کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتاO

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں،

اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا

اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس (عظیم) رسول کی بشارت دینے والا ہوں

بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے، پھر جب وہ رسول واضح دلائل کے ساتھ

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٦ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

آ گئے تو (کافروں نے) کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہےO اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو جھوٹ

الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

بول کر اللہ پر بہتان باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الظّٰلِمِيْنَ ۝٧ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ

نہیں دیتاO وہ اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ

مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہوO وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ

اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے

الْمُشْرِكُوْنَ ۝٩ ع

خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہوO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں کی تمام چیزوں اور زمینوں کی تمام چیزوں نے اللہ کے لیے تسبیح کی اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہےO اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتےO اللہ اس پر سخت غضب ناک ہوتا ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتےO بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیںO (الصف: ۴۔۱)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کبھی منقطع نہیں ہوتی

الصف: ۱ میں ماضی کے صیغہ کے ساتھ فرمایا: ''سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ'' آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں نے اللہ کی تسبیح کی اور الجمعۃ: ۱ میں مضارع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. آسمانوں کی تمام چیزیں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ (الجمعۃ: ۱)

اور الاعلیٰ: ۱ میں امر کے صیغہ کے ساتھ فرمایا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ (الاعلیٰ: ۱) اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح کیجئےO

ان مختلف صیغوں کے ساتھ تسبیح کی تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح ماضی، حال اور مستقبل ہر زمانہ میں ہوتی

ہے اور کبھی منقطع نہیں ہوتی۔

نذر اور وعدہ پورا نہ کرنے والوں اور بے عمل واعظوں پر وعید

الصف: ۲ میں فرمایا: اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے O

اس کے شانِ نزول میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے مذاکرہ کر رہے تھے' ہم نے کہا: کاش! ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل بہت پسندیدہ ہے تو ہم اس پر عمل کرتے تو سورۃ الصف کی یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۹' مسند احمد ج ۵ ص ۴۵۲' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۷)

امام رازی نے کہا: یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو پہلے قتال اور جہاد کی تمنا کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے قتال کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا:

وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ . منافقوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا؟ (النساء: ۷۷)

الصف: ۳ میں فرمایا: اللہ اس پر سخت غضب ناک ہوتا ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔

ابن زید نے کہا: یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے: اگر تم اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کے لیے نکلے اور تم نے ان سے قتال کیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ان کے ساتھ قتال کریں گے اور جب مسلمان کفار سے مقابلہ کے لیے نکلے تو وہ پیچھے لوٹ گئے اور انہوں نے قتال نہیں کیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کسی کام کی نذر مانتے ہیں اور پھر اس کو پورا نہیں کرتے یعنی وہ ایک بات کہتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔

اسی طرح انسان جب کسی شخص سے کسی چیز کو دینے کا وعدہ کرے یا اس کے لیے کسی کام کو کرنے کا وعدہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے ورنہ وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا۔

اسی طرح اس آیت کے مصداق وہ علماء اور واعظین ہیں جو لوگوں کو بُرائی سے روکتے ہیں اور خود بُرائی سے نہیں رکتے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اس کی انتڑیاں دوزخ میں بکھر جائیں گی اور وہ اس طرح گردش کر رہا ہوگا جس طرح چکی کے گرد گدھا گردش کرتا ہے' دوزخی اس کے گرد جمع ہو کر اس سے کہیں گے: اے فلاں! کیا بات ہے؟ تم تو ہم کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور بُرائی سے روکتے تھے' وہ کہے گا: میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیک کام نہیں کرتا تھا اور میں تم کو بُرائی سے روکتا تھا اور خود بُرے کام کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی شب میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا' جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے' جب بھی ان کو کاٹا جاتا وہ جڑ جاتے اور پھر ان کو کاٹا جاتا' میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے وہ واعظین ہیں جو لوگوں سے

کہتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے' کتاب اللہ کو پڑھتے تھے اور عمل نہیں کرتے تھے' بے عمل واعظین کے متعلق ہم نے زیادہ تحقیق البقرہ: ۴۴ ''تبیان القرآن'' ج ۱ ص ۴۰۷۔۳۹۹ میں کی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۸۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۹۲' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۶' مسند ابویعلیٰ کی حدیث کی سند صحیح ہے۔)

بلاضرورت جنگ کی صفوں کو توڑنا جائز نہیں

الصف: ۴ میں فرمایا: بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اس طرح قدم جمائے کھڑے رہتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ مؤمنوں کو دشمن سے قتال کرتے ہوئے کس طرح کھڑے ہونا چاہیے؟

اس آیت میں یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ قتال کے وقت صف سے باہر نہیں نکلنا چاہیے اور صف کو توڑنا نہیں چاہیے' سوا اس کے کہ کوئی ضروری اور اہم کام ہو یا امیر لشکر کو کوئی پیغام دینا ہو یا دشمن کا کوئی فوجی للکار رہا ہو تو اس سے مقابلہ کے لیے نکلنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (آپ یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو؟ حالانکہ تم کو یقین ہے کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' پھر جب انہوں نے کج روی کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس (عظیم) رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے' پھر جب وہ رسول واضح دلائل کے ساتھ آ گئے تو (کافروں نے) کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے O اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (الصف: ۷۔۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی ہوئی اذیتوں کی تفصیل

الصف: ۵ میں فرمایا: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو O

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات کو بھی اذیت پہنچائی اور دینی اعتبار سے بھی اذیت پہنچائی' ان کی ذات کو اذیت پہنچانے کی مثال یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا:

ان میں جسمانی عیب ہے' ان کے خصیے سوجے ہوئے ہیں اور ان کے کہنے سے ایک عورت نے حضرت موسیٰ پر بدکاری کی تہمت لگائی اور انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کرنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا۔

اور دینی اعتبار سے اس طرح اذیت پہنچائی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ (البقرہ: ۵۵)　　ہم آپ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ لیں۔

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ۔ (البقرہ: ۶۱)　　ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ۔ (المائدہ: ۲۴) آپ خود جائیں اور آپ کا رب اور آپ دونوں دشمنوں سے قتال کریں۔

اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۔ (الاعراف: ۱۳۸) ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسے ان کے خدا ہیں۔

نیز فرمایا: حالانکہ تم کو یقین ہے کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یعنی رسول معظم اور محترم ہوتا ہے اور رسول کی توہین کفر ہوتی ہے۔

پھر فرمایا: پھر جب انہوں نے کج روی کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔

یعنی اس کے باوجود جب انہوں نے حق سے انحراف کیا تو اللہ نے ان کے دلوں میں گم راہی پیدا کر دی' اور یہ ان کے اس جرم کی سزا ہے جو انہوں نے اپنے رسول کی شان میں گستاخی کی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دینا

الصف: ۶ میں فرمایا: اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس

عظیم) رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا' اس کا نام احمد ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بشارت دو باتوں کو متضمن ہے:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی تبلیغ کی تاکہ جب آپ تشریف لے آئیں تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قرار پائے۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خبر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہنچائی ہو اور ان کی امت کو اس کی تبلیغ کا حکم نہ دیا ہو۔

حدیث میں ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے (پانچ) نام ہیں: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں' اللہ میرے سبب سے کفر مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں' لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں (سب کے بعد آنے والا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۳۵۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور قیامت کے دن آپ اپنے رب کی ان کلمات سے حمد کریں گے جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کی کسی نے حمد نہیں کی ہو گی۔

الصف: ۶ میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے' موجودہ ''انجیل'' میں بھی اس بشارت کا ذکر ہے:

موجودہ انجیل کے متن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں

یسوع نے ان سے کہا: کیا تم نے کتابِ مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا' وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا' یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟ O اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی O

(متی کی انجیل' باب: ۲۱' آیت: ۴۳۔۴۲' ص ۲۵' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

یہ آیت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ○ (الانعام: ۸۹)

یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمِ شریعت اور نبوت عطا کی ہے پس اگر ان چیزوں کے ساتھ یہ لوگ کفر کریں تو بے شک ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان سے انکار کرنے والے نہیں ہیں ○

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں ○ اور جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے میں وہی کروں گا تا کہ باپ بیٹے میں جلال پائے ○ اگر میرے نام سے کچھ چاہو گے تو میں وہی کروں گا ○ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے ○ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے ○

(یوحنا کی انجیل' باب: ۱۴' آیت: ۱۶۔ ۱۲' ص ۹۹' پاکستان بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

لیکن جب وہ مددگار آئے گا جن کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا کی انجیل' باب: ۱۴' آیت: ۲۶' ص ۱۰۰' پاکستان بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا ○ اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا ○ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے ○ راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے ○ عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے ○ مجھے تم سے اور بھی بہت سے باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے ○ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا' اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا ○ (یوحنا کی انجیل' باب: ۱۶' آیت: ۱۴۔ ۷' ص ۱۰۱' پاکستان بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

القف: ۶ میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا احمد علیہ السلام کے آنے کی بشارت دی ہے' اس بشارت کا بھی ''انجیل'' میں ذکر ہے:

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ سے اس کا کچھ نہیں۔

(یوحنا کی انجیل' باب: ۱۴' آیت: ۳۰' ص: ۹۹' پاکستان بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

نیز ان آیات میں ہے: وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا: باب: ۱۴' آیت: ۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں کی بہ نسبت ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں' تمام انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں' میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵)

ان آیات میں ہے: وہ تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ (یوحنا باب: ۱۶' آیت: ۱۳)

نیز اس آیت میں ہے: وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ (یوحنا باب: ۱۶' آیت: ۱۳)

اور قرآن مجید میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم: ۴۔۳) اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے ۝ ان کا فرمانا وہی ہوتا ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے ۝

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (یوحنا باب: ۱۶ آیت: ۱۳)

یہ پیش گوئی بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے تمام اُمور بیان کر دیئے' جس نے ان کو یاد رکھا' اس نے یاد رکھا جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱۳۰۔۲۸۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

اس کے بعد فرمایا: پھر جب وہ رسول واضح دلائل کے ساتھ آ گئے تو (کافروں نے) کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے ۝

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ جب وہ کھلے ہوئے معجزات کے ساتھ آ گئے تو بنی اسرائیل نے ان کے متعلق کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مطابق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے اپنی نبوت پر دلائل اور معجزات پیش کیے تو منکرین نے کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

الصف: ۷ میں فرمایا: اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یعنی سب سے بُری چیز یہ ہے کہ کسی شخص کی بہتان تراشی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وہ جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ پر بہتان لگائے' یعنی ان پر دلائل سے واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے' پھر بھی وہ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں کہ اس نے آپ کو رسول نہیں بنایا اور ان کے اس جرم کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایمان لانے کی توفیق نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار کر) اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو ۝ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو ۝ (الصف: ۹۔۸)

اللہ کے نور کو بجھانے کے معانی اور مصادیق

''الاطفاء'' کا معنی ہے: آگ کو بجھا دینا اور اس کا استعمال روشنی کو مٹانے میں بھی کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس دن وحی نازل نہ ہوئی تو کعب بن اشرف نے کہا: اے یہودیو! تمہیں مبارک ہو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو وحی کا نور نازل ہوتا تھا وہ بجھ چکا ہے اور اب ان کا نور پورا نہیں ہوگا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونے لگی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۳۰)

اور اللہ کے نور کی تفصیل میں علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) ابن زید نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے' یہودی اپنے اعتراضات سے قرآن مجید کو باطل کرنا چاہتے تھے۔

(۲) اسدی نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے' کفار اسلام کو مٹانا چاہتے تھے۔

(۳) اس سے مراد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' مخالفین آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

الصف: ۹ میں فرمایا: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا۔

یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے دلائل اور معجزات کے ساتھ بھیجا تا کہ دینِ اسلام تمام ادیان پر غالب ہو جائے حتیٰ کہ آخر زمانہ میں اسلام کے سوا اور کوئی دین نہیں ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ضرور نازل ہوں گے' وہ عدل کے ساتھ حکومت کریں گے' وہ ضرور صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور ضرور خنزیر کو قتل کریں گے اور وہ ضرور جزیہ ختم کر دیں گے اور ضرور اونٹنیاں کھلی چھوڑ دی جائیں گی اور ان کو کوئی نہیں پکڑے گا اور ضرور بغض' بخل اور حسد ختم ہو جائے گا اور مال لینے کے لیے لوگوں کو بلایا جائے گا اور کوئی مال کو قبول نہیں کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو درد ناک عذاب

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ

سے نجات دے ○ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ

رکھتے ہو ○ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور عمدہ پاکیزہ مکانوں میں دائمی جنتوں

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ

میں یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ اور دوسری (نعمت بھی) جس کو تم پسند کرتے ہو' عنقریب اللہ

اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کی طرف سے مدد اور فتح حاصل ہو گی اور مؤمنین کو بشارت دیجئے ○ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ، جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا:

لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ (کے دین) کے

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

مددگار ہیں، پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور دوسری جماعت

وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ

نے کفر کیا پس ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی

فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

تو مومن (کافروں پر) غالب آ گئے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے ○ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور عمدہ پاکیزہ مکانوں میں دائمی جنتوں میں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ اور دوسری (نعمت بھی) جس کو تم پسند کرتے ہو، عنقریب اللہ کی طرف سے مدد اور فتح حاصل ہوگی اور مومنین کو بشارت دیجئے ○ (الصف: ۱۳-۱۰)

دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرنا بھی اللہ کا مطلوب ہے

ان آیتوں کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ: ۱۱۱)

بے شک اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا۔

ایک چیز کے عوض میں دوسری چیز کے حصول کو تجارت کہتے ہیں، جس طرح تاجر کو تجارت تنگ دستی کی تکلیف سے نجات دیتی ہے اور جس طرح تجارت میں نفع اور نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرتا ہے اس کو بہت عظیم اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات ملتی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا، اس کو دوزخ کا دائمی عذاب ہوتا ہے، اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ دوزخ کے عذاب کے ڈر سے ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا بھی اللہ کا مطلوب ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ سے پناہ طلب کی ہے:

عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یتعوذ اللهم انی اعوذ بك من فتنة النار ومن عذاب النار. الحدیث. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پناہ طلب کرتے تھے: اے اللہ! میں دوزخ کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں دوزخ کے عذاب سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اور جاہل صوفیاء دوزخ کے ڈر سے عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں۔

جنت کے حصول کے لیے عبادت کرنا بھی اللہ کا مطلوب ہے

الصف: ۱۱ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور جہاد تین قسم پر ہیں: (۱) اپنے نفس سے جہاد' اور اس کا معنی ہے: نفس کو مشقت میں ڈال کر مشکل عبادات انجام دینا (۲) نفس سے اس کی لذتوں اور شہوتوں کو چھڑا کر جہاد کرنا یعنی زبان' پیٹ اور شرم گاہ کو حرام چیزوں سے روک کر رکھنا (۳) مخلوق کے نفع کے لیے نفس سے جہاد کرنا' یعنی لوگوں سے طمع نہ کرنا اور اپنی چیزیں دوسروں کو دے کر ایثار کرنا یا کم از کم اپنی زائد چیزیں دوسروں کو دینا۔

اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا دنیاوی منافع کی بہ نسبت آخرت کے اجر و ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے۔

الصف: ۱۲ میں ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے پر مغفرت اور دائمی جنتوں کی بشارت دی ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جنت کی طلب میں عبادت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے اور جاہل صوفیاء جنت کی طلب میں عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: اور دوسری (نعمت بھی) جس کو تم پسند کرتے ہو' یعنی جہاد کے نتیجہ میں تم کو صرف آخرت کا اجر نہیں' دنیا میں بھی مال غنیمت حاصل ہوگا اور کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا اور عنقریب فتح حاصل ہوگی' سو مسلمانوں کو فتح مکہ حاصل ہوئی اور فرمایا: آپ مؤمنوں کو بشارت دیجئے' اس سے مراد فتح مکہ کی بشارت ہے یا فارس اور روم کی فتح کی بشارت۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنوں کو جہاد کے نتیجہ میں دنیا اور آخرت کی کامیابی کی بشارت دی' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا' (اللہ نے فرمایا:) وہ صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے لیے نکلا ہے' میں اس کا ضامن ہوں کہ میں اس کو اجر یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں گا یا میں اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ' جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں' پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور دوسری جماعت نے کفر کیا' پس ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تو مؤمن (کافروں پر) غالب آ گئے O (الصف: ۱۴)

ایمان والوں کو دین کی مدد کرنے کا حکم دینے کی توجیہ اور مدد کرنے والوں کے مصادیق

ایمان والے پہلے بھی اللہ کے دین کے مددگار تھے اس کے باوجود ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کے دین کے مددگار ہو جائیں' اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ کے دین کی مدد کرنے پر ثابت قدم رہو اور جس طرح اب مدد کر رہے ہو' اسی طرح ہمیشہ مدد کرتے رہنا۔

جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا: اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ مقاتل نے کہا: یعنی اللہ کی طرف سے میری حفاظت کون کرے گا؟ عطاء نے کہا: یعنی اللہ کے دین کی کون مدد کرے گا؟ بعض مفسرین نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو یہ حکم دیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح مدد کریں جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی تھی۔

''الحواریون'' کا معنی ہے: جن کا باطن صاف ہو اور یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ حور کا معنی ہے: خالص سفید' ایک قول یہ ہے کہ حواری کپڑے دھو کر صاف کرتے تھے۔

قتادہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار سب قریش تھے: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت حمزہ' حضرت جعفر' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت عبدالرحمان بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عثمان بن عوف' حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم۔

میں کہتا ہوں: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور مددگار تھے ورنہ تمام مہاجرین اور انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار تھے۔ قتادہ نے ان کی خصوصیت کی وجہ سے ان کا ذکر کیا ہے۔

نصاریٰ کے تین فرقے

اس کے بعد فرمایا: پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور دوسری جماعت نے کفر کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایمان لائے اور جن لوگوں نے ان کے زمانہ میں کفر کیا' کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تو ان کے تین فرقے ہو گئے' ایک فرقہ نے کہا: وہ خود اللہ تھے' پس اوپر چلے گئے' دوسرے فرقہ نے کہا: وہ اللہ کے بیٹے تھے اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور تیسرے فرقہ نے کہا: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے' اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا اور وہی مسلمان تھے اور ہر فرقہ کی لوگوں نے اتباع کی اور کافر فرقوں نے متفق ہو کر مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کو اپنے علاقے سے نکال دیا اور نصاریٰ اسی حال پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا' پھر مسلمان کافروں پر غالب آ گئے' جیسا کہ اس کے بعد فرمایا:

پس ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تو مومن (کافروں پر) غالب آ گئے O

مجاہد نے کہا: مؤمنین سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں' ابراہیم نے کہا: جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے' جب انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو ان کی حجت دوسروں پر غالب آ گئی کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ و روح اللہ ہیں۔

سورۃ الصف کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج دس ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/۲۱ جنوری ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ بعد از مغرب سورۃ الصف کی تفسیر مکمل ہو گئی اور یہ واحد سورت ہے جس کی تفسیر دو دن میں مکمل ہوگئی۔

الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور میرے تلامذہ کی اور اس تفسیر کے قارئین اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرما دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ سید العلمین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الجمعۃ

سورت کا نام

اس سورت کا نام الجمعہ ہے کیونکہ اس کی ایک آیت میں الجمعہ کا ذکر ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (الجمعہ:۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○

جمعہ کے متعلق احادیث

ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن کا نام الجمعہ ہے' جمعہ کے دن جو نماز مشروع ہے اس پر بھی جمعہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ احادیث میں نمازِ جمعہ پر بھی جمعہ کا اطلاق ہے اور جمعہ کے دن پر بھی جمعہ کا اطلاق ہے' نمازِ جمعہ پر جمعہ کے اطلاق کی یہ احادیث ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص (نماز) جمعہ کے لیے آئے تو غسل کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۴۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۴۹۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۴۰۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۶۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان محنت مشقت کے کام کرتے تھے اور ان ہی کپڑوں اور اسی حالت میں (نماز) جمعہ کے لیے چلے جاتے تھے تو ان سے کہا گیا: اگر تم غسل کر لیا کرو (تو بہتر ہے)۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۴۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نماز) جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۵۰۳)

اور جمعہ کے دن پر جمعہ کے اطلاق کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بہترین دن پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے' اسی دن حضرت آدم پیدا کیے گئے' اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن ان کو جنت سے باہر لایا گیا۔ ''مسلم'' کی دوسری حدیث میں ہے: قیامت (بھی) جمعہ کے دن قائم ہو گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۵۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۷۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کی ساعت (قبولیت) امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ادا کیے جانے تک ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۴۹)

اور جمعہ کے دن اور نمازِ جمعہ دونوں پر جمعہ کا اطلاق اس حدیث میں ہے:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری ایک خاتون نے نہر کے کنارے ایک کیاری بنائی تھی' جس میں چقندر اگائے ہوئے تھے' جمعہ کے دن وہ چقندروں کو ایک دیگچی میں ڈالتی اور اس میں جو پیس کر ڈالتی' جب ہم نمازِ جمعہ پڑھ کر آتے تو ہم اس کو سلام کرتے اور وہ ہم کو وہ طعام پیش کرتی' ہم اس کو چاٹ چاٹ کر کھاتے اور ہم اس کھانے کے لیے یومِ جمعہ کا انتظار کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۲۵)

سورۃ الجمعہ کا زمانۂ نزول

سورۃ الجمعہ کی یہ آیت ۷ ہجری میں فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی ہے' کیونکہ اس کے متعلق حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت ہے اور وہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے:

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ. (الجمعہ: ۳) — اور ان ہی میں سے دوسرے ہیں جو ابھی تک پہلوں سے نہیں ملے۔

اس آیت کے بعد یہود کی مذمت میں آیات ہیں اور اس کی آخری آیت یہ ہے:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ. (الجمعہ: ۱۱) — اور جب یہ کسی تجارتی قافلے کو یا کسی تماشے کو دیکھتے ہیں تو یہ آپ کو کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک تجارتی قافلہ آیا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو بارہ مسلمانوں کے سوا سب اس قافلہ کی طرف دوڑ پڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۱)

اور یہ مدینہ کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الجمعہ کے دوسرے رکوع کا تعلق مدینہ منورہ میں ہجرت کے ابتدائی دور سے ہے اور پہلے رکوع کا تعلق سات ہجری کے دور سے ہے' کیونکہ الجمعہ: ۳ کے شانِ نزول میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے اور وہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۶ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۲ ہے۔

سورۃ الجمعہ کے مشمولات

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی فضیلت بتائی گئی ہے اور یہود کی مذمت کی گئی ہے' ان کے حسد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کو فضیلت دی گئی ہے' جب کہ وہ ہفتہ کے دن کو افضل ایام قرار دیتے تھے اور جمعہ کے دن نمازِ جمعہ پڑھنے کو فرض قرار دیا ہے اور اس دن کاروبار کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور ان مسلمانوں پر عتاب فرمایا ہے جو نمازِ جمعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دورانِ خطبہ چھوڑ کر شام سے آئے ہوئے قافلہ سے غلہ خریدنے چلے گئے تھے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور توفیق پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الجمعہ کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب! اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور گم راہی اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ / ۲۲ جنوری ۲۰۰۵ء

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (۶۲) — آیاتها ۱۱ — رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات دو رکوع ہیں

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمینوں میں ہے' وہ (ساری کائنات کا) بادشاہ' بے حد پاک'

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا

بہت غالب' بے انتہاء حکمت والا ہےO وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے (عظیم) رسول بھیجا'

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا

جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک

مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ لا وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ

وہ اس سے پہلے کھلی گم راہی میں تھےO اور ان میں سے دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے'

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَ

اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہےO یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے' اور

اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ

اللہ بہت بڑے فضل والا ہےO جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا'

يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۗ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ

ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے' ان لوگوں کی کیسی بری

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

مثال ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتاO

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ

آپ کہیے: اے یہودیو! اگر تمہارا یہ گھمنڈ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر اللہ صرف تمہارا دوست

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ

ہے پس تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہوo اور وہ اپنے پہلے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے

اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ

کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہےo آپ کہیے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں

فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

ضرور پیش آنے والی ہے پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو ہر غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے پس وہ تم کو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ

ع ۸ ۱۱

خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھےo اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان

فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾ فَاِذَا

دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہوo پھر جب

قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا

زیادہ ذکر کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کروo اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ دیکھا یا طبل

انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ

کی آواز سنی تو اس کی طرف بھاگ گئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا' آپ کہیے: اللہ کے پاس جو (اجر) ہے

اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ ع

ع ۲ ۱۲ ۲

وہ تماشے اور تجارتی قافلہ سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہےo

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمینوں میں ہے' وہ (ساری کائنات کا) بادشاہ' بے حد پاک' بہت غالب' بے انتہاء حکمت والا ہےo وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے (عظیم) رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' اور

بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ○ اور ان میں سے دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ○ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ (الجمعۃ: ۴۔۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات

الجمعۃ: ۱ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی عظیم صفات کا بیان فرمایا اور ان کی تفسیر کئی بار متعدد سورتوں میں کی جا چکی ہے۔

الجمعۃ: ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان فرمائی ہیں۔

ایک صفت یہ ہے کہ آپ امیین کے رسول ہیں' اہل مکہ کو امیین کہا جاتا تھا' اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ یہود اور نصاریٰ کی طرح اہل کتاب نہیں تھے' دوسری وجہ یہ تھی کہ ان میں سے اکثر پڑھنے لکھنے والے نہ تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کے پاس کتاب تھی نہ ان میں کوئی نبی بھیجا گیا تھا' تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے وہ اسی حالت پر تھے' چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ ام القریٰ (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے تھے' ان وجوہ کی وجہ سے ان کو امیین کہا جاتا تھا۔

دوسری صفت یہ ہے کہ آپ ان ہی میں سے تھے یعنی ان کے نسب سے تھے اور ان کی جنس سے تھے' قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ. (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس ایک عظیم رسول تم میں سے آئے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. (آل عمران: ۱۶۴)

بے شک اللہ نے مؤمنین پر احسان فرمایا کیونکہ اس نے ان ہی میں سے ان میں ایک (عظیم) رسول بھیجا۔

اور یہ اللہ کا احسان اس لیے ہے کہ اس نے نوع انسان اور بشر میں سے رسول بھیجا' فرشتے یا جن کو ان میں سے رسول بنا کر نہیں بھیجا' ورنہ انسان اس سے استفادہ نہ کر سکتے اور اس کے افعال ان کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتے۔

تیسری صفت یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور وہ دلائل بیان کرتے ہیں اور وہ معجزات پیش کرتے ہیں جن سے آپ کی نبوت اور رسالت ثابت ہوتی ہے اور ان آیات سے احکامِ شرعیہ بیان کرتے ہیں۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ آپ ان کے باطن کو صاف کرتے ہیں' جن کے دلوں میں برسوں سے بت پرستی کی اور شرک کی محبت چڑھی ہوئی تھی' آپ کی نگاہِ کیمیاء اثر سے ان کی کایا پلٹ گئی تھی اور وہ توحید کے متوالے بن گئے تھے' جو لوٹ مار' بدکاری اور قتل و غارت گری کے عادی تھے' ان کی سیرت رشکِ ملائکہ بن گئی اور وہ تقویٰ اور پرہیز گاری کے پیکر بن گئے تھے۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ آپ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' کتاب سے مراد ہے: قرآن مجید کی آیات اور حکمت سے مراد ہے: قرآن مجید کے معانی اور ان سے احکامِ شرعیہ کا استنباط اور اجتہاد یا حکمت سے مراد ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال اور آپ کی سنتِ مبارکہ اور قرآن مجید کے احکام کا عملی نمونہ۔

اس کے بعد فرمایا: اور بے شک اس سے پہلے وہ کھلی گم راہی میں تھے' یعنی وہ کھلم کھلا شرک اور بت پرستی کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' چوریاں کرتے اور ڈاکے ڈالتے تھے اور پرائی عورتوں کی عزتیں لوٹتے تھے۔

آپ کی رسالت کا عموم

یہود یہ کہتے تھے کہ اس آیت میں آپ کے متعلق فرمایا ہے کہ آپ امیین کے رسول ہیں یعنی صرف مکہ والوں کے رسول ہیں' آپ کی نبوت اور رسالت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے نہیں تھی لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے' کیونکہ قرآن اور حدیث

میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا' نیز کسی ایک آیت کو دیکھ کر کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے جب تک اس مسئلہ سے متعلق تمام آیات کو نہ دیکھ لیا جائے' قرآن مجید میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے عموم کے متعلق یہ آیات ہیں:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (سبا: ۲۸) اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ (الفرقان: ۱) وہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندہ پر قرآن نازل کیا تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہوں O

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O (الانبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے محض رحمت بنا کر بھیجا ہے O

فرزندانِ فارس کا علمِ دین کی بلندیوں پر پہنچنا

الجمعہ: ۳ میں فرمایا: اور ان میں سے دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے' اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر' سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد عجمی لوگ ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' جب آپ پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی' جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ. (الجمعہ: ۳) اور ان میں سے دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے۔

ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا' حتیٰ کہ اس نے دو یا تین بار پوچھا: اس وقت ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اگر دین ثریا (ستارے) کے پاس بھی ہو تو فرزندانِ فارس وہاں جائیں گے اور دین کو حاصل کر لیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۳۳۔۳۳۱۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۲۳' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۷)

امام ابوحنیفہ' امام ابوبکر رازی' امام فخر الدین رازی' امام مسلم نیشاپوری' امام حاکم نیشاپوری اور امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم نیشاپوری یہ تمام ائمہ فرزندانِ فارس تھے اور انہوں نے حدیث' تفسیر اور فقہ میں بہت کمال حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے مطابق علم دین کی بلندیوں پر پہنچے۔

عکرمہ اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد تابعین ہیں' ابن زید نے کہا: اس سے مراد صحابہ کے بعد قیامت تک کے علماء دین ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۸۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

قیامت تک کے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور ان ... کے باطن کو صاف کرنا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم امیین پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں' ان کا باطن صاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: اور بعد والوں کو بھی جو ان پہلوں سے نہیں ملے' اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے علاوہ قیامت تک کے ذی استعداد علماء اور اولیاء کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں' ان کا باطن صاف کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' اس کی تائید ان عبارات سے ہوتی ہے:

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام اہل کشف کے نزدیک ائمہ مجتہدین کے اقوال شرعیہ سے نکلنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے اقوال کشفِ صحیح سے کتاب وسنت اور اقوالِ صحابہ پر مبنی ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے ساتھ جمع ہوتی ہے اور جن دلائل میں وہ توقف کرتے ہیں' ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے ہیں اور وہ آپ سے بیداری میں سوال کرتے ہیں: یا رسول اللہ! آیا' آپ نے یہ فرمایا ہے یا نہیں؟ اور جن مسائل کا وہ قرآن اور سنت سے استنباط کرتے ہیں ان کو اپنی کتابوں میں درج کرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یا رسول اللہ! ہم نے اس آیت کا یا فلاں حدیث کا یہ مطلب سمجھا ہے' آیا آپ اس پر راضی ہیں یا نہیں؟ اور آپ کے ارشاد کے تقاضے پر عمل کرتے ہیں اور یہ چیز اولیاء اللہ کی یقینی کرامات سے ہے اور اگر ائمہ مجتہدین اللہ کے اولیاء نہیں ہیں تو پھر روئے زمین پر کوئی بھی ولی نہیں ہے اور بہ کثرت اولیاء اللہ سے منقول ہے' حالانکہ وہ ائمہ مجتہدین سے کم مرتبہ کے ہیں کہ انہوں نے بہتر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور ان کے زمانہ کے اولیاء نے ان کی تصدیق کی ہے۔

اور میں نے حافظ جلال الدین سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ دیکھا ہے' ان سے ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ وہ سلطان کے پاس اس کی سفارش کریں' حافظ سیوطی نے اس کو جواب میں لکھا: اے میرے بھائی! میں نے پچھتر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ حاکم کے پاس تمہاری سفارش کرنے سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے ملاقات اور استفادہ کرنے سے محروم ہو جاؤں گا تو میں ضرور حاکم کے پاس تمہاری سفارش کرتا اور جن احادیث کو محدثین نے اپنے طریقہ سے ضعیف قرار دیا ہے' میں ان کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کو معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور آپ سے استفادہ کرنے کا محتاج ہوں اور استفادہ میں مسلمانوں کا اجتماعی فائدہ ہے اور تمہارے ایک کے فائدہ کی بہ نسبت تمام مسلمانوں کا اجتماعی فائدہ زیادہ اہم ہے۔

اور حافظ جلال الدین کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مشہور ہے کہ سیدی محمد بن زین' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں ملاقات کرتے تھے' حتیٰ کہ ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ وہ حاکم شہر کے پاس اس کی سفارش کریں اور جب وہ حاکم شہر کے پاس پہنچ گئے اور اس نے ان کو اپنے پاس بٹھایا تو یہ نعمت ان سے جاتی رہی' اور شیخ ابوالحسن شاذلی اور ان کے شاگرد شیخ ابوالعباس المرسی یہ کہتے تھے کہ اگر پلک جھپکنے کی مقدار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حجاب میں ہوں تو ہم اس ساعت میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرتے اور جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو ائمہ مجتہدین کا مرتبہ تو ان سے بہت اونچا ہے۔ (المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۵۔ ۵۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیداری میں دیدار کرنا ہر اس شخص کے لیے ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے' جس طرح حافظ سیوطی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیس مرتبہ (صحیح پچھتر بار ہے) زیارت کی اور آپ سے بعض احادیث کی صحت کے متعلق سوال کیا' اور جب آپ نے فرمایا کہ وہ صحیح ہیں تو حافظ سیوطی نے ان کو صحیح قرار دیا اور شاذلی نے سوال کیا کہ وہ حاکمِ وقت کے پاس اس کی شفاعت کریں تو حافظ سیوطی نے انکار کر دیا اور کہا: اگر میں حاکم کے دربار میں گیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم ہو جاؤں گا اور اس سے امت کا بہت نقصان ہو گا اور علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے بھی بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے ''صحیح بخاری'' پڑھی' ان آٹھ میں سے ایک حنفی تھا' لہٰذا بیداری میں آپ کی زیارت ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا جہل ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴' مطبوعہ مجلس علمی' ہند' ۱۳۵۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے فضل کی مختلف تعبیریں

الجمعۃ: ۴ میں فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

مقاتل بن حیان نے کہا: یعنی نبوت اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے نبوت عطا فرماتا ہے' پس اس نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے ساتھ خاص فرمالیا اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: اسلام اللہ کا فضل ہے' وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اور میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ مجتہدین' علماء متقین اور اولیاء مسلمین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے صفا باطن اور کتاب وحکمت کی تعلیم کی جو نعمت عطا کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے' وہ جس کو چاہے یہ نعمت عطا فرماتا ہے' اسی طرح زہد وتقویٰ' عبادت وریاضت اور مال ودولت بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' وہ جسے چاہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: مال دار لوگ تو بڑے بڑے درجات اور دائمی جنتیں لے گئے' آپ نے پوچھا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی نماز پڑھتے ہیں اور جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم اپنے سے سبقت کرنے والوں کا درجہ پالو گے اور بعد والوں کا درجہ پالو گے اور تم سے کوئی افضل نہیں ہو گا سوا اس کے جو تمہاری طرح عبادت کرے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) مرتبہ ''سبحان اللہ' اللہ اکبر'' اور ''الحمد للہ'' پڑھو' فقراء مہاجرین پھر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' پھر کہا: ہمارے مال دار بھائیوں نے ہماری اس عبادت کا سنا تو وہ بھی اس طرح پڑھنے لگے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۱۴' سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا' ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے' ان لوگوں کی کیسی بُری مثال ہے' جنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور اللہ ظالموں کو ہدایت

نہیں دیتاO آپ کہیے: اے یہودیو! اگر تمہارا یہ گھمنڈ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر اللہ صرف تمہارا دوست ہے پس تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہوO اور وہ اپنے پہلے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہےO آپ کہیے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور پیش آنے والی ہے پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر شہادت کا جاننے والا ہے پس وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھےO (الجمعہ: ۸۔۵)

احکام تورات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہود کی مذمت

اس سے پہلے ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے عموم میں یہ شبہ پیش کرتے تھے کہ آپ صرف امیین اور مکہ والوں کے رسول ہیں اور ہم نے اس کا جواب ذکر کیا کہ آپ تمام مخلوق کے رسول ہیں' آپ نے خود فرمایا:

ارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون. مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کو ختم کر دیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳)

اور اس آیت سے مقصود یہودیوں کی اس بات پر مذمت کرنا ہے کہ ان کو ''تورات'' دی گئی اور انہوں نے ''تورات'' کی آیات پر عمل نہیں کیا' ''تورات'' میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق لکھا ہوا تھا اور آپ کی نشانیاں بیان کردی گئی تھیں اور انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب آپ کا ظہور ہو تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں لیکن انہوں نے اس حکم پر عمل نہیں کیا' موجودہ ''تورات'' میں بھی لکھا ہوا ہے:

موجودہ ''تورات'' کے متن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں

موجودہ ''تورات'' میں بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود ہیں:

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا' تم اس کی سنناO یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن خواب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تا کہ میں مر نہ جاؤںO اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں' سو ٹھیک کہتے ہیںO میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا' اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گاO جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گاO

(تورات استثناء' باب: ۱۸' آیت: ۱۹۔۱۵' پرانا عہد نامہ ص ۱۸۴' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہےO اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا' اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی' وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے' اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں' ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔ (تورات استثناء' باب: ۳۳' آیت: ۳۔۲' پرانا عہد نامہ ص ۲۰۱' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

تورات کے پرانے (۱۹۲۷ء کے) اردو ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح تھی: دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے' اس طرح یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح منطبق ہوتی تھی' جب عیسائیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیئے اور یوں لکھ دیا: اور لاکھوں قدسیوں میں سے

آیا۔تورات کے پرانے (۱۹۲۷ء کے) ایڈیشن میں یہ آیات اس طرح تھیں:

اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا' فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا' دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔

(کتاب مقدس' استثناء' باب: ۳۳' آیت: ۲' ص ۱۹۲' مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی' انارکلی' لاہور' ۱۹۲۷ء)

اس کی تائید عربی ایڈیشن سے بھی ہوتی ہے' اس میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے:

واتی من ربوات اقدس. دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔

(مطبوعہ دار الکتاب المقدس فی العالم العربی ص ۳۳۴' ۱۹۸۰ء)

لوئیس معلوف نے ''ربوۃ'' کے معنی لکھے ہیں: ''الجماعة العظيمة نحو عشرة الاف'' (المنجد ص ۲۴۷) یعنی تقریباً دس ہزار افراد کی جماعت۔

دیکھو! میرا خادم (پچھلے ایڈیشنوں میں ''بندہ'' تھا۔ سعیدی غفرلہٗ) جس کو میں سنبھالتا ہوں' میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش رہے' میں نے اپنی روح اس پر ڈالی' وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا O وہ نہ چلائے گا نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی O وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا' وہ راستی سے عدالت کرے گا O وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے' جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے O جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا' جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے یعنی خداوند یوں فرماتا ہے: میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا O اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا O تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں' قید خانہ سے چھڑائے O یہوواہ میں ہوں' یہی میرا نام ہے' میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لیے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتیوں کے لیے روانہ رکھوں گا O دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں اور نئی باتیں بتاتا ہوں' اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں O

(تورات' یسعیاہ' باب: ۴۲' آیت: ۹۔۱' ص ۶۹۴' مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۸۰ء)

اس اقتباس کی آیت نمبر ۲ میں ہے: وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئی ہے: حضرت عمرو بن العاص کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ ''تورات'' میں آپ کی یہ صفت لکھی ہوئی ہے: اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۲۵)

اس باب کی آیت نمبر ۶ میں ہے: میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔

اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا۔

عیسائی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کیونکہ ''انجیل'' میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو پھانسی دے دی اور حضرت عیسیٰ نے چلا کر کہا: اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ ملاحظہ ہو:

اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لیے۔ (الیٰ قولہ) اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: ''ایلی' ایلی لما شقبتنی؟'' یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

(متی کی انجیل باب: ۲۷ آیت: ۴۶-۴۵ ص ۳۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۲ء)

نیز اس باب کی آیت ۷ میں ہے کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔

اس آیت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئی ہے اور اس کی تصدیق ان آیتوں میں ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (المائدہ: ۱۶-۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا اور کتاب مبین ۝ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر لاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف لاتا ہے ۝

اور حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ "تورات" میں آپ کی یہ صفت ہے: اور اللہ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا کر دے گا' بایں طور کہ وہ کہیں گے: "**لا الٰہ الا اللہ**" اور آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں' بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۲۵)

یہود کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجوہ

اور جب یہودیوں نے تورات کے احکام پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے' اسی طرح اس مسلمان عالم دین کی مثال ہے جو قرآن اور سنت کے احکام پر عمل نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مثال گدھے کے ساتھ دی ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) گھوڑے اور خچر کی بہ نسبت گدھے پر زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے۔

(۲) گدھے میں جہل اور حماقت کا معنی دوسرے جانوروں کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہے۔

(۳) عرف میں دوسرے جانوروں کی بہ نسبت گدھے کو زیادہ حقیر سمجھا جاتا ہے۔

(۴) کتابوں کے لیے "اسفار" کا لفظ فرمایا ہے اور کتابوں کو جس جانور پر لادا جائے اس کے لیے لفظ حمار' اس میں "اسفار" کے ساتھ لفظی مجانست اور مشاکلت ہے۔

قرآن مجید کی پیش گوئی کی صداقت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت پر استدلال

یہود یہ سمجھتے تھے کہ باقی امتوں کی بہ نسبت وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ صرف ان ہی کو جنت عطا فرمائے گا' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا تم سمجھتے ہو تو تم موت کی تمنا کرو' تاکہ تم جلد سے جلد جنت میں چلے جاؤ' لیکن وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے کیونکہ ان کو اپنی بداعمالیوں کا علم ہے۔

الجمعہ: ۷-۶ میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیش گوئی فرمائی ہے کہ یہودی کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے' یہودی قرآن مجید کے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور دشمن تھے' انہیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن مجید کو اور ہمارے نبی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کہتے کہ لو ہم موت کی تمنا کر رہے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوا' انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی' یہودیوں کا بطلان ظاہر ہو گیا اور قرآن مجید کی پیش گوئی سچی ہو گئی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی حقانیت آشکارا ہو گئی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے الجمعہ: ۸ میں فرمایا: آپ کہیے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور پیش آنے والی

ہے' پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر شہادت کا جاننے والا ہے' پس وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھےO

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ تم نے کھلم کھلا بھی جرائم کیے اور چھپ کر بھی گناہ کیے تم نے ''تورات'' میں تحریف کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کو چھپایا' تم نے جو کچھ ظاہراً برائیاں کیں اور جو چھپ کر برائیاں کیں' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم کو ان سب کی خبر دے دے گا' کیونکہ اس پر ظاہر اور باطن میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (نماز) جمعہ کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہوO پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کروO اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ دیکھا یا طبل کی آواز سنی تو اس کی طرف بھاگ گئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا' آپ کہیے: اللہ کے پاس جو (اجر) ہے وہ تماشے اور تجارتی قافلہ سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہےO (الجمعہ: ۱۱۔۹)

سابقہ آیات سے ارتباط

اس سے پہلی آیتوں میں یہود کی اس وجہ سے مذمت کی تھی کہ وہ متاع دنیا اور اس کی لذتوں کی وجہ سے موت سے بھاگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے' اور ان آیتوں میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اللہ کے حکم سے نمازِ جمعہ پڑھو اور نمازِ جمعہ کے لیے دنیاوی کاروبار کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاؤ اور اس طرح یہودیوں اور مسلمانوں میں نمایاں فرق ہوگا کہ یہودی دنیاوی متاع کی وجہ سے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیتے ہیں اور مسلمان اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر تین وجوہ سے رد فرمایا' انہوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ کے دوست اور محبوب ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا: اگر ایسا ہے تو تم موت کی تمنا کرو' انہوں نے اس پر فخر کیا تھا کہ وہ اہل کتاب ہیں اور عرب امی ہیں ان کے پاس کتاب نہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا: تم اپنی کتاب کے احکام پر عمل نہیں کرتے' لہٰذا تم اس گدھے کی مثل ہو جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں' اور یہود اس پر فخر کرتے تھے کہ ان کے لیے ہفتہ میں ایک مقدس دن ہے اور وہ یوم السبت ہے یعنی ہفتہ کا دن ہے' اور مسلمانوں کے لیے ہفتہ میں کوئی مقدس دن نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مخصوص عبادت کے لیے ہفتہ میں ایک دن مقرر فرما دیا اور وہ جمعہ کا دن ہے جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' پھر دوسری بار آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں' پھر آپ نے تیسری یا چوتھی بار میں فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں تمہارے باپ آدم (کی تخلیق) کو جمع کیا گیا' اس دن جو مسلمان بھی وضو کر کے مسجد میں جائے' پھر اس وقت تک خاموش بیٹھا رہے حتیٰ کہ امام اپنی نماز پڑھ لے تو یہ عمل جمعہ اور اس کے بعد کے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے بہ شرطیکہ اس نے خون ریزی سے اجتناب کیا ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۹ ص ۱۳۳۔ رقم الحدیث: ۲۳۷۲۹' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' السنن الکبریٰ للنسائی رقم

الحدیث: ۱۶۶۵ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۸۹)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ابوسلمہ نے کہا: پہلے جمعہ کے دن کو العروبۃ کہا جاتا تھا اور سب سے پہلے جس نے اس دن کا نام الجمعہ رکھا وہ کعب بن لوی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے انصار نے اس دن کا نام الجمعہ رکھا۔

امام ابن سیرین نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے اور جمعہ کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے اور ان ہی لوگوں نے اس دن کا نام الجمعہ رکھا' انہوں نے کہا: یہود کا بھی ایک دن ہے جس میں وہ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں اور ہر سات دنوں میں ان کا ایک مقدس دن ہے اور وہ السبت (سنیچر) ہے اور نصاریٰ کے لیے بھی اس کی مثل ایک دن ہے اور وہ اتوار کا دن ہے' پس آؤ! ہم بھی ہفتہ میں ایک دن معین کریں جس میں ہم سب جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس دن خصوصی نماز پڑھیں' پھر انہوں نے کہا: یہود نے سنیچر (ہفتہ) کا دن معین کیا ہے اور نصاریٰ نے اتوار کا دن معین کیا ہے' پھر ہم یوم العروبۃ کا دن معین کرتے ہیں' پھر وہ سب حضرت اسعد بن زرارۃ (ابوامامۃ) رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ان کو وعظ کیا' پھر جس دن وہ جمع ہوئے تھے اس دن کا نام انہوں نے یوم الجمعہ رکھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۸۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

نمازِ جمعہ کے متعلق احادیث

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہر بالغ پر نمازِ جمعہ کے لیے جانا واجب ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۷۲' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

حضرت ابوالجعد الضمری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سستی کی وجہ سے تین بار جمعہ کو ترک کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۲۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۷۸۶' المستدرک ج ۱ ص ۲۸۰' سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۴)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنا واجب ہے' ماسوا چار کے: غلام' عورت' بچہ یا بیمار (ہدایہ میں ہے کہ مسافر اور نابینا پر بھی جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۶۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے (یعنی ثابت ہے) اور یہ کہ وہ مسواک کرے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۴۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۹)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا تو فبہا (یہ اچھا کام ہے) اور عمدہ ہے اور جس نے غسل کیا تو غسل کرنا افضل ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسلِ جنابت کی طرح غسل کیا' پھر نماز کے لیے گیا تو گویا اس نے ایک اونٹ صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے ایک گائے صدقہ کی اور جو تیسری ساعت میں گیا' اس نے گویا سینگھوں والا مینڈھا صدقہ کیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے

گویا مرغی صدقہ کی اور جو پانچویں ساعت میں گیا گویا اس نے انڈا صدقہ کیا' پس جب امام نکل آئے تو فرشتے خطبہ سننے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۵۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۴۹۹' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۸۹)

حضرت السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں یہی معمول تھا' جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو مقام الزوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کر دیا (اقامت کے اعتبار سے تیسری اذان فرمایا ہے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۱۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۵۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۸۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۹۴)

حضرت السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر بیٹھ جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی تھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں بھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۸۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے' آپ منبر پر بیٹھ جاتے اور جب مؤذن اذان سے فارغ ہوتا تو آپ کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیتے' پھر بیٹھ جاتے اور کوئی بات نہیں کرتے تھے پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۹۲)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ایام میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے' اسی دن حضرت آدم پیدا ہوئے' اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا' اسی دن سب بے ہوش ہوں گے' سو تم اس دن مجھ پر زیادہ درود وسلام پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۳۶۔۱۰۸۵)

نمازِ جمعہ کے ضروری مسائل

علامہ علاء الدین محمد بن علی محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نمازِ جمعہ فرضِ عین ہے اور اس کا انکار کفر ہے کیونکہ اس کا ثبوت بھی قطعی ہے اور اس کی لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے' نماز جمعہ پڑھنے کے جواز کی سات شرائط ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ جمعہ صرف شہر میں فرض ہے' گاؤں اور دیہات میں جمعہ فرض نہیں ہے اور شہر کا ثبوت اس حدیث سے ہے:

حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ جمعہ جامع شہر کے بغیر ہوگا نہ تشریق۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۰۷۔ رقم الحدیث:۵۱۸۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابو عبدالرحمان سلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا: نہ جمعہ جامع شہر کے بغیر ہوگا نہ تشریق اور وہ بصرہ' کوفہ' مدینہ' بحرین' مصر' شام' جزیرہ' یمن اور یمامہ کو شہر میں شمار کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۰۷۔ رقم الحدیث:۵۱۹۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

شہر کی معتمد تعریف جو امام ابوحنیفہ سے منقول ہے وہ یہ ہے: وہ بڑا شہر ہو جس میں گلیاں اور بازار ہو اور اس کے مضافات

ہوں اور اس میں ایسا حاکم ہو جو مظلوم کا حق ظالم سے لینے پر قادر ہو اور اس میں ایسا عالمِ دین ہو جو پیش آمدہ مسائل میں شرعی رہ نمائی کر سکتا ہو۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ جمعہ کی نماز سلطان پڑھائے یا وہ شخص جو سلطان کی طرف سے مقرر ہو' تاہم مسلمان جس کے نماز جمعہ پڑھانے پر راضی ہوں وہ نمازِ جمعہ پڑھا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

اقامت سلطان بمعنی مذکور ضرور شرطِ جمعہ ہے اور یہاں بوجہ تعذر تعیین مسلمین قائم مقام تعیین سلطان ہے۔

(فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۰۴' مطبوعہ لائل پور' ۱۳۹۳ھ)

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے لیے ظہر کا وقت ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ نمازِ جمعہ سے پہلے خطبہ دیا جائے' دو خطبے دینا اور ان کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ جماعت کے سامنے خطبہ دیا جائے' خلاصہ میں تصریح ہے کہ ایک آدمی کا ہونا بھی کافی ہے۔

(۶) چھٹی شرط یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے لیے امام کے سوا جماعت ہو اور اس میں کم از کم تین آدمی ضروری ہیں۔

(۷) ساتویں شرط یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے لیے اذن عام ہو' مسجد کے دروازے آنے والوں کے لیے کھلے ہوں' ہاں! اگر دشمن کے خطرہ کی وجہ سے یا عادتِ قدیمہ کی وجہ سے قلعہ کے دروازہ بند کر دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (موجودہ دور میں صدر' وزیر اعظم' گورنر اور وزیر اعلیٰ کی رہائش بھی اسی حکم میں ہے)۔

(الدر المختار مع ردالمحتار ج ۳ ص ۲۴۔ ۵' ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

آیا اذان اول پر جمعہ کی سعی واجب ہے یا اذانِ ثانی پر؟

اس آیت میں فرمایا ہے: جب جمعہ کے دن (نماز) جمعہ کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''فاسعوا الی ذکر اللہ'' یعنی تم اللہ کے ذکر (خطبہ) کی طرف سعی کرو۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

سعی کی تفسیر میں چار قول ہیں: (۱) دل سے نیت کرنا (۲) نمازِ جمعہ کی تیاری کرنا یعنی غسل کرنا (۳) اذان کی آواز پر لبیک کہنا (۴) بغیر بھاگے ہوئے نماز کی طرف پیدل چل کر جانا۔

اور ''ذکر اللہ'' کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) خطبہ میں امام کی نصیحت (۲) نماز کا وقت (۳) نماز۔

اور فرمایا: خرید و فروخت کو چھوڑ دو' یعنی نماز کے وقت خرید و فروخت سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا' ایک قول یہ ہے کہ یہ ممانعت زوال کے وقت سے لے کر نماز سے فراغت تک ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خطبہ کی اذان سے لے کر نماز سے فراغت تک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پہلی اذان بدعت ہے' اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا تھا تا کہ لوگ خطبہ سننے کے لیے پہلے سے تیار ہو جائیں' کیونکہ مدینہ بہت وسیع ہو چکا تھا' اس پہلی اذان کے بعد خطبہ سے پہلے خرید و فروخت حرام نہیں ہے۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۱۰۔ ۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح یہ ہے کہ پہلی اذان کے ساتھ جمعہ کی طرف سعی کرنا واجب ہے' اگرچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہوئی ہے۔

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

''شرح المنیۃ'' میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس اذان پر سعی واجب ہے جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں یہی اذان اوّل تھی' حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اذانِ ثانی شروع کی' جب لوگ زیادہ ہو گئے تو مقامِ زوراء پر یہ اذان دی جاتی تھی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وقت کے اعتبار سے یہی اذان اوّل ہے جو کہ زوال کے بعد منارہ پر دی جاتی تھی۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ۳ ص ۳۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جائیں تو آیا دونوں کو پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟

اگر ایک دن میں عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائیں تو دونوں نماز کو پڑھا جائے گا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں اور جمعہ میں ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' اور ''ھل اتٰک حدیث الغاشیۃ'' پڑھا کرتے تھے اور بعض اوقات ایک دن میں عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جاتے تو آپ دونوں میں یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۳۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۸۱)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ عید اور جمعہ دونوں لازم ہیں'' الہدایہ'' میں'' الجامع الصغیر'' سے منقول ہے کہ دو عیدیں ایک دن میں جمع ہو گئیں' پس عید سنت ہے اور دوسری عید (جمعہ) فرض ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ترک نہیں کیا جائے گا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۴۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کے خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا آپ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے جب ایک روز میں دو عیدیں جمع تھیں؟ حضرت زید بن ارقم نے کہا: ہاں! حضرت معاویہ نے پوچھا: پھر آپ نے کس طرح کیا؟ حضرت زید نے کہا: آپ نے عید کی نماز پڑھائی' پھر جمعہ کی رخصت دے دی' جو چاہے جمعہ کی نماز پڑھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۰)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''المغنی'' میں مذکور ہے کہ شعبی' نخعی اور اوزاعی کے نزدیک عید کے دن جمعہ کی نماز ساقط ہو جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت سعد' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے۔

اور عامۃ الفقہاء نے کہا ہے کہ آیت کے عموم اور دیگر احادیث کی بناء پر جمعہ کی نماز واجب ہے اور یہ دونوں نمازیں واجب ہیں اور ایک کے پڑھنے سے دوسری نماز ساقط نہیں ہوگی جیسے عید کے دن ظہر کی نماز ساقط نہیں ہوتی۔

(مغنی ابن قدامہ ج ۲ ص ۲۱۲' دار الفکر' بیروت) (شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۳۹۸ ـ ۳۹۷' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں پس جو شخص چاہے اسے عید کی نماز جمعہ سے کافی ہوگی اور ہم جمعہ پڑھیں گے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۷۳ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۲)

علامہ محمود بن احمد عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جو چاہے اس کے لیے عید کی نماز جمعہ سے کافی ہوگی' یہ رخصت ابتداء میں ان لوگوں کے لیے تھی جو بالائی بستیوں سے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے' پھر یہ امر مقرر ہو گیا کہ عید کی نماز جمعہ کی نماز سے کافی نہیں ہوتی' حتیٰ کہ جس شخص نے عید کی نماز پڑھ لی اور امام کے ساتھ جمعہ پڑھنے حاضر نہیں ہوا وہ ظہر کی چار رکعات پڑھے گا۔

(شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۴۰۲ 'مکتبۃ الرشید' ریاض)

الجمعہ: ۱۰ میں فرمایا: پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو' اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرنا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔

نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد کاروبار کرنا واجب نہیں مباح ہے

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد خرید و فروخت کرنا واجب ہے' کیونکہ اس سے پہلی آیت میں نمازِ جمعہ کے بعد خرید و فروخت سے منع فرمایا تھا اور کسی کام کی ممانعت کے بعد جب اس کا امر کیا جائے تو وہ امر وجوب کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اباحت کے لیے ہوتا ہے' جیسے حالتِ احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا' پھر شکار کرنے کا امر فرمایا تو یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے' اباحت کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ (المائدہ: ۱)

تمہارے لیے مویشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں ماسوا ان کے جن کی تلاوت کی جائے گی مگر حالتِ احرام میں شکار کرنے والے نہ بننا۔

اس آیت میں حالت احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا اور دوسری آیت میں احرام کھولنے کے بعد شکار کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ (المائدہ: ۲)

اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو۔

اس آیت میں بھی چونکہ شکار کرنے کا حکم ممانعت کے بعد ہے' اس لیے یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ اجازت اور اباحت کے لیے ہے۔

اللہ کا فضل طلب کرنے کے محامل

عراک بن مالک جب جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں نے تیرے حکم پر عمل کیا اور تیرے فرض کو پڑھا اور تیرے حکم کے مطابق زمین میں پھیل گیا' اب تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔

جعفر بن محمد نے "وابتغوا من فضل اللہ" کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد ہفتہ کے دن کام کرنا ہے۔

حسن بصری اور سعید بن مسیب نے کہا: اس سے مراد علم کو طلب کرنا اور نفل نماز پڑھنا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت میں دنیا کو طلب کرنے کا حکم نہیں دیا' اس سے مراد بیماروں کی عیادت کرنا ہے' جنازوں پر حاضر ہونا ہے اور مسلمان بھائیوں کی زیارت کرنا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۹۷-۹۶ 'دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نماز کے بعد رزق کے طلب کرنے کو مباح کر دیا ہے' جو چاہے رزق کو طلب کرے اور جو

چاہے نہ طلب کرے۔
ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے وہ چاہے تو نماز کے بعد مسجد سے چلا جائے اور چاہے تو بیٹھا رہے' اور اللہ کے فضل کی طلب میں افضل یہ ہے کہ وہ رزق کو طلب کرے یا نیک اولاد کو یا علمِ نافع کو یا دوسرے عمدہ کاموں کو۔
اور اس آیت میں بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مجاہد نے کہا: بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا تب ہو گا جب چلتے ہوئے' کھڑے ہوئے' بیٹھے ہوئے' لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرے۔
(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۴۳۔ ۵۴۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)
مصنف کے نزدیک فضل اللہ کے طلب کرنے کے تین محمل ہیں: (۱) فضل کے معنی ہیں: زیادتی لہٰذا نمازِ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد مزید نماز پڑھنے کی توفیق کو طلب کرے (۲) رزقِ حلال میں زیادتی کو طلب کرے (۳) اللہ تعالیٰ سے کسی عبادت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے فضل کی وجہ سے جنت اور اللہ کی رضا کو طلب کرے۔

اتوار کی چھٹی کے حامیوں کے دلائل اور ان کے جوابات

اس آیت میں چونکہ نماز کے بعد اللہ کے فضل کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے تو جو لوگ پاکستان میں اتوار کے دن چھٹی کرنے کے حامی ہیں' وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے فضل کا معنی ہے: کاروبار کرنا اور تجارت کرنا' لہٰذا اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن چھٹی نہ کی جائے بلکہ اتوار کے دن چھٹی کی جائے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے' اس لیے جمعہ کے دن چھٹی کرنا ممنوع ہے اور کاروبار کرنا واجب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس آیت سے پہلے نماز کے وقت کاروبار کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں نماز کے بعد کاروبار کرنے کا حکم دیا ہے اور ممانعت کے بعد جو امر ہو وہ اباحت کے لیے آتا ہے' پس اس دن کاروبار کرنا جائز ہے واجب نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ کے فضل کو طلب کرنے کا لازمی معنی کاروبار کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ سے رزق اور علم کے حصول کی دعا کی جائے۔
اتوار کی چھٹی کے حامیوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یورپی ممالک میں اتوار کی چھٹی ہوتی ہے اور ان ممالک سے تجارت کے لیے ضروری ہے کہ ہم بھی اسی دن چھٹی کریں' اگر ہم جمعہ کے دن چھٹی کریں تو دو دن ہمارا کاروبار متاثر ہو گا' اتوار کو ان کی چھٹی کی وجہ سے اور جمعہ کو ہماری چھٹی کی وجہ سے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان ممالک کے ساتھ جغرافیائی فرق کی وجہ سے ویسے بھی ہمارے اور ان کے اوقات کی یکسانیت نہیں ہے۔ مثلاً امریکا کا وقت ہم سے تقریباً بارہ گھنٹے پیچھے ہے' آسٹریلیا کا وقت ہم سے تقریباً دس بارہ گھنٹے پہلے ہے اور برطانیہ کا وقت پانچ گھنٹے پیچھے ہے۔ اسی طرح مشرق بعید کے ممالک کا وقت بھی ہم سے کافی مختلف ہے' اس لیے اتوار کی چھٹی کرنے پر ان ممالک کی یکسانیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

جمعہ کی چھٹی کرنے کے دلائل

اسلام میں چھٹی کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے' لیکن جب ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنی ہی ہے تو اس دن چھٹی کرنی چاہیے جو اسلام میں مقدس دن ہے۔ عیسائی اور یہودی اپنے اپنے مقدس دنوں میں اتوار اور ہفتہ کی چھٹی کرتے ہیں' سو ہمیں اپنے مقدس دن میں چھٹی کرنی چاہیے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باقی تمام مسلمان ملکوں میں جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے تو ہمیں بھی باقی مسلمان ملکوں سے موافقت کرتے ہوئے جمعہ کے دن چھٹی کرنی چاہیے۔
تیسری دلیل یہ ہے کہ اتوار کو چھٹی کرنے سے عیسائیوں کی موافقت ہو گی جب کہ ہمیں عیسائیوں کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے سو تم ان کی مخالفت کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۲۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۷۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے اور انصار کے بوڑھوں کے پاس آئے، ان کی ڈاڑھیاں سفید تھیں۔ آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! اپنی ڈاڑھیوں کو سرخ اور زرد رنگ میں رنگو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ انہوں نے کہا: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شلوار پہنو اور تہبند باندھو اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب موزے پہنتے ہیں اور اس پر چمڑے کی جوتی نہیں پہنتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم موزے پہنو اور اس پر چمڑے کی جوتی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب ڈاڑھیاں کاٹتے ہیں اور مونچھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم مونچھیں تراشو اور ڈاڑھیاں چھوڑ دو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۳۹ طبع جدید، عالم الکتب، بیروت، حافظ زین نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۸۴، دارالحدیث، قاہرہ، حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۰۔ ۱۳۱، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۸۲، رقم الحدیث: ۷۹۲۴)

خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کی چھٹی کرنے میں مسلمان ملکوں کی موافقت ہے اور اتوار کی چھٹی کرنے میں عیسائیوں کی موافقت ہے۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم کس کی موافقت کریں اور ہمارا مقدس دن (Holy Day) جمعہ ہے یا اتوار؟

الجمعہ: ۱۱ میں فرمایا: اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ یا تماشا دیکھا تو اس کی طرف بھاگ گئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا، آپ کہیے کہ اللہ کے پاس جو (اجر) ہے وہ تماشے اور تجارتی قافلہ سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

خطبہ جمعہ کے دوران صحابہ کے اٹھ کر چلے جانے کی توجیہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اچانک غلہ کا ایک قافلہ آ گیا، پس لوگ اس قافلہ کی طرف اٹھ کر چلے گئے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ”وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا“ (الجمعہ: ۱۱)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۱)

”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ کی روایت میں ہے کہ بارہ صحابہ کے سوا سب چلے گئے تھے اور ”سنن دار قطنی“ میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ چالیس صحابہ بیٹھے رہے تھے، جن میں، میں بھی تھا۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۴، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

صحابہ کرام کا خطبہ چھوڑ کر جانا خطبہ جمعہ سننے کے حکم سے پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت خطبہ نماز کے بعد دیا جاتا تھا، صحابہ کرام نمازِ جمعہ پڑھ کر گئے تھے اور ان کے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں تھا، حتیٰ کہ قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے نزول کے بعد خطبہ سننا واجب ہو گیا، خیال رہے کہ صحابہ کرام کے تسامحات بعض اوقات قرآن مجید کی آیات کے نزول کا سبب ہوتے ہیں، بعض اوقات احکام شرعیہ کی تنفیذ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ فراہم کرنے کا سبب ہوتے ہیں، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض صحابہ پر حدود و تعزیرات جاری فرمانا اور بعض اوقات ان کے تسامحات کی وجہ سے امت پر احکام شرعیہ سہل ہو جاتے ہیں، جیسے رمضان کی راتوں کا امت پر حلال ہو جانا، ہم نے جو لکھا ہے کہ صحابہ کا خطبہ چھوڑ کر جانا ابتدائی واقعہ ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مقاتل بن حیان روایت کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے پہلے نمازِ جمعہ پڑھتے تھے' جس طرح عیدین کی نماز میں ہوتا ہے' ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جمعہ کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر بتایا کہ دحیہ بن خلیفہ مالِ تجارت لے آیا ہے' اس کے آنے پر دف بجایا جاتا تھا' سو لوگ اٹھ کر چلے گئے' ان کے گمان میں خطبہ ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا (اور نماز وہ پڑھ چکے تھے)۔ تب اللہ تعالیٰ نے (سورۂ جمعہ کی مذکورہ) آیت نازل کی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ کو مقدم کر دیا اور نمازِ جمعہ کو خطبہ سے مؤخر کر دیا' پھر کوئی شخص خواہ نکسیر پھوٹ جائے یا وضو ٹوٹ جائے آپ سے اجازت لیے بغیر دورانِ خطبہ نہیں جاتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ انگلی سے اشارہ کر کے اجازت لیتے تھے۔

(مراسیل ابوداؤد ص ۷' مطبوعہ اصح المطابع' کراچی)

سورۃ الجمعہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۳ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۴ جنوری ۲۰۰۵ء بہ روز پیر بعد نمازِ مغرب سورۃ الجمعہ کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۲ جنوری کو سورۃ الجمعہ کی تفسیر شروع کی تھی اور الحمد للہ! تین دن میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری' میرے والدین کی اور جملہ معاونین' قارئین اور مسلمین کی مغفرت فرما دیں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ المنافقون

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المنافقون ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''المنافقون'' کا لفظ ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ (المنافقون:۱)

(اے رسولِ مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیںO

یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۲ اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۳ ہے۔

سورۃ المنافقون کا زمانۂ نزول

محدثین کے نزدیک یہ سورت غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ہے جو ۹ ھ میں واقع ہوا تھا اور اہل مغازی کے نزدیک یہ سورت غزوہ بنوالمصطلق میں نازل ہوئی ہے جو ۶ ھ میں واقع ہوا تھا۔ درج ذیل حدیث اور اس کی شرح سے اس چیز پر روشنی پڑتی ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں تھا' میں نے عبد اللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ (المنافقون:۷)

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ اِدھر اُدھر چلے جائیں۔

اور میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا:

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ (المنافقون:۸)

اب اگر ہم مدینہ واپس جائیں گے تو وہاں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔

میں نے اس بات کا اپنے چچا سے یا حضرت عمر سے ذکر کیا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی' آپ نے مجھے بلایا' میں نے آپ کو اس کی خبر دی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا' انہوں نے قسم کھالی کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور اس کو سچا قرار دیا' اس بات کا مجھے اتنا رنج ہوا کہ اس سے پہلے کبھی کسی بات کا اتنا رنج نہیں ہوا تھا' پھر میں گھر میں بیٹھ گیا' پس میرے چچا نے مجھ سے کہا: میرا یہ

ارادہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جھوٹا قرار دیں اور تم پر ناراض ہوں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ۔ (المنافقون:۱) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں۔

تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا: اے زید! اللہ تعالیٰ نے تمہیں سچا قرار دے دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۰۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۹۸)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا' حالانکہ واقع میں وہ سچے تھے' اگر آپ کو علم غیب ہوتا تو آپ سچے کو جھوٹا نہ قرار دیتے' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر شریعت پر عمل کیا' کیونکہ شرعی ضابطہ یہ ہے کہ مدعی اپنے صدق پر دو گواہ قائم کرے ورنہ منکر قسم کھا لے تو اس کو سچا قرار دیا جائے گا' حضرت زید بن ارقم کے پاس اپنے صدق پر گواہ نہ تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر شریعت کے اعتبار سے جھوٹا قرار دیا لیکن آپ ان کو جھوٹا نہیں سمجھتے تھے' آپ نے صرف ان کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا تھا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے از محمد بن کعب از زید بن ارقم روایت کیا ہے کہ یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے اور اہل مغازی اس پر متفق ہیں کہ یہ غزوہ بنو المصطلق تھا۔

اس حدیث میں ہے کہ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا یا حضرت عمر سے کیا' اس حدیث میں ان کے چچا سے مراد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں' جو خزرج کے سردار تھے اور وہ ان کے حقیقی چچا نہیں تھے اور حضرت زید بن ارقم کے حقیقی چچا ثابت بن قیس ہیں وہ صحابی نہیں تھے اور ان کے چچا ان کی ماں کے خاوند حضرت عبد اللہ بن رواحہ خزرجی رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور ابو الاسود کے مغازی میں عروہ سے روایت ہے کہ یہ واقعہ اوس بن ارقم کو پیش آیا تھا اور انہوں نے اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہ متعدد واقعے ہوں' عبد اللہ بن ابی سے یہ بات حضرت زید بن ارقم نے بھی سنی ہو اور حضرت اوس بن ارقم نے بھی سنی ہو' رضی اللہ عنہما۔ اور حضرت زید بن ارقم نے اس کا ذکر حضرت سعد بن عبادہ سے کیا ہو اور حضرت اوس بن ارقم نے اس کا ذکر حضرت عمر سے کیا ہو' البتہ مشہور یہ ہے کہ اس واقعہ کا ذکر حضرت زید بن ارقم نے حضرت سعد بن عبادہ سے کیا اور ان کو مجازاً اپنا چچا فرمایا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر قوم کا بڑا کوئی غلط اور بے ہودہ بات کہے تو اس کا مواخذہ نہیں کرنا چاہیے' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بڑے کے پیروکار متنفر ہو جائیں اور ان کے عذر کو قبول کرنا چاہیے اور ان کی قسموں کی تصدیق کرنی چاہیے خواہ قرائن اس کے خلاف ہوں کیونکہ اس سے اس کے پیروکاروں کی تالیف قلب ہو گی اور وہ مانوس رہیں گے' حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک عبد اللہ بن ابی کی کہی ہوئی جو بات پہنچائی تھی یہ وہ چغلی نہیں تھی جو اسلام میں ممنوع ہے کیونکہ چغلی کی تعریف یہ ہے کہ ایک فریق کی بات لڑانے اور فساد ڈالنے کے لیے دوسرے تک پہنچانا اور اگر اس بات کے پہنچانے میں کوئی مصلحت ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہاں مصلحت یہ تھی کہ عبد اللہ بن ابی کا نفاق مسلمانوں پر آشکارا ہو جائے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۴۰۔۶۴۹' ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

سورۃ المنافقون کے مشمولات

☆ اس سورت کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ منافقین کے نفاق کا پردہ چاک کیا جائے اور ان کو رسوا کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اس میں ایک صحابی کے صدق کا اظہار ہے اور ان کی

دل جوئی ہے۔

☆ اس سورت کی ابتداء منافقین کی صفات کے بیان سے کی ہے اور ان کی نمایاں صفت جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا ہے اور دل میں کفر رکھنے کے باوجود ایمان کا دعویٰ کرنا ہے اور ان کی بزدلی کا بیان ہے اور یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کو دھوکا دیتے ہیں اور لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے ہیں۔

☆ اور یہ بتانا ہے کہ ان کا زعم باطل یہ تھا کہ وہ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

☆ اور اس سورت کے آخر میں مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں سرگرم رہیں اور دشمن سے مقابلہ کے لیے اسلام کی راہ میں مال خرچ کرتے رہیں اور اس میں سستی اور تاخیر نہ کریں کیونکہ کوئی پتا نہیں کہ موت کب آ جائے اور نیکیاں کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔

سورۃ المنافقون کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کی عنایت سے اب اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور کج روی اور ناصواب سے محفوظ اور مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی-۳۸

۱۵ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/۲۶ جنوری ۲۰۰۵ء

سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ ۶۳ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۴ | بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ | آيَاتُهَا ۱۱ رُكُوعَاتُهَا ۲

سورۃ المنافقون مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات دو رکوع ہیں

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ

(اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول

يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۗ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴿١﴾ اتَّخَذُوا

ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O

أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢﴾

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا پس اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکا بے شک یہ بہت برا کام کر رہے ہیں O

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٣﴾

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو وہ سمجھتے نہیں ہیں O

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ

اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے گویا

خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ

وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں یہی (حقیقی) دشمن ہیں سو تم ان سے خبردار رہو

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ

اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت

رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٥﴾

طلب کریں تو یہ اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیں O

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ

ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا

وقف لازم

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝٦ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا

اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتاO یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو

عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام

وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝٧ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ

خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں' لیکن منافقین نہیں سمجھتےO وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو

لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا' حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے

وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝٨ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ

اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتےO اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد

وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝٩

تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیںO

وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ

اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے کچھ (ہماری راہ میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہے کہ

رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝١٠

اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ اور دنوں کی مہلت کیوں نہ دی تا کہ میں صدقہ کرتا اور نیکوں میں سے ہو جاتاO اور جب کسی شخص کی مقرر

وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝١١

مدت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ اس کی روح (قبض کرنے) کو ہرگز مؤخر نہیں کرتا' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیںO انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا پس اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکا' بے شک یہ

بہت بُرا کام کر رہے ہیں O اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا' سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو وہ سمجھتے نہیں ہیں O (المنافقون: ۳۔۱)

نفاق کا لغوی اور اصطلاحی معنی

المنافقون: ۱ میں ''المنافقون'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''نفق'' ہے۔ اس کا معنی ہے: زمین میں سرنگ بنانا' ایک سوراخ سے جنگلی چوہا سرنگ میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے سوراخ سے نکل جاتا ہے۔ (المنجد ص ۱۰۳۸)

نفاق کا اصطلاحی معنی ہے: ایک طریقہ سے اسلام میں داخل ہونا اور دوسرے طریقہ سے نکل جانا' منافق زبان سے اسلام میں داخل ہوتا ہے اور دل سے اسلام سے نکل جاتا ہے۔ نفاق سازش اور دھوکے کی جنس سے ہے' وہ خیر کو ظاہر کرتا ہے اور اس کے دل میں شر ہوتا ہے۔ (موسوعۃ نضرۃ النعیم ج ۱۱ ص ۵۶۰۴' دار الوسیلۃ' المملکۃ العربیۃ السعودیۃ' ۱۴۱۹ھ)

اب ہم ان احادیث کا بیان کر رہے ہیں جن میں اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منافقوں کی سازشوں اور برائیوں کا ذکر ہے۔

عبد اللہ بن ابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدزبانی کرنا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دراز گوش پر سوار ہوئے' اس کے پالان پر فدک کی بنی ہوئی چادر تھی اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بیٹھے ہوئے تھے' آپ غزوۂ بدر سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے کے لیے جا رہے تھے' آپ اس دوران عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی مجلس سے گزرے' یہ عبد اللہ بن ابی کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے' اس مجلس میں مسلمان' بت پرست' مشرک اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ بھی تھے' جب آپ کی سواری کے گرد وغبار نے مجلس کو ڈھانپ لیا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک پر اپنی چادر ڈال لی اور کہا: ہم پر گرد نہ اڑائیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور ٹھہر گئے اور سواری سے اتر گئے' آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات تلاوت کیں' تب عبد اللہ بن ابی نے آپ سے کہا: اگر آپ جو کہتے ہیں وہ حق ہے تو اس سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے' اب آپ ہمیں ہماری مجلس میں اذیت نہ دیں اور اپنے گھر چلے جائیں' سو جو شخص آپ کے پاس آئے آپ اس کو وعظ کریں' حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ ہماری مجالس میں بیٹھیں' ہم اس کو پسند کرتے ہیں۔ پھر مسلمان' مشرک اور یہود ایک دوسرے کو بُرا کہنے لگے' حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے قریب تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ٹھنڈا کرتے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہو کر چلے گئے اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس پہنچے' آپ نے ان سے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو خباب نے کیا کہا ہے؟ آپ کی اس سے مراد عبد اللہ بن ابی تھا' حضرت سعد نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو معاف کر دیں اور اس سے درگزر کریں' آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو منصب عطا کیا ہے وہ عطا کیا ہے' اس بستی کے لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ اس کو بادشاہ بنا دیں اور اس کو تاج پہنا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس منصوبہ کو اس حق کے ذریعہ ختم کر دیا جو اس نے آپ کو عطا فرمایا ہے تو وہ اس پر بگڑ گیا اور آپ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۵۰۲)

غزوۂ احد میں عبد اللہ بن ابی کا اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لشکرِ اسلام سے نکل جانا

عبد اللہ ابن ابی اور اس کے حامی منافقوں نے اسلام اور مسلمانوں کو جو بڑا نقصان پہنچایا' وہ یہ تھا کہ وہ غزوۂ احد میں عین

لڑائی کے وقت اپنے تین سو منافقوں کو ساتھ لے کر لشکر اسلام سے نکل گیا' اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مشرکین سے مقابلہ کے لیے نکلے' مسلمان ایک ہزار تھے اور مشرکین تین ہزار تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور اُحد پہاڑ کے پاس اترے' اس وقت عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات سو اصحاب کے ساتھ رہ گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۲۲۔۱۲۱)

(اے رسول مکرم!) اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ خوب سننے والا' بے حد جاننے والا ہے ۝ جب تمہاری دو جماعتیں بزدلی کا ارادہ کر چکیں تھیں' اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے اور اللہ پر ہی مؤمنوں کو بھروسا رکھنا چاہیے ۝

یہ ۳ھ کا واقعہ ہے' جب مشرکین غزوۂ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار کی تعداد میں اُحد پہاڑ کے قریب جمع ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکل کر مقابلہ کریں؟ بعض نوجوان اور پرجوش اصحاب کی رائے تھی کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کریں اور عبد اللہ بن ابی اس کے ساتھیوں اور بعض معمر اصحاب کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر لڑیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرجوش صحابہ کی دل جوئی کے لیے ان کی رائے کو ترجیح دی' تب عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے نکل گیا کہ میری بات مانی نہیں گئی' اس کے اس فیصلہ سے وقتی طور پر بعض مسلمان بھی متاثر ہو گئے تھے' اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

غزوۂ بنو قینقاع میں منافقوں کا مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا

۴ھ میں بنو نضیر اور بنو قینقاع سے غزوہ ہوا' اس میں منافقوں کی اسلام کے خلاف سازشوں کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ (الحشر: ۱۲۔۱۱)

کیا آپ نے ان منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں (یعنی بنو نضیر سے) کہ اگر تم کو (تمہاری بستی) سے نکال دیا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی بھی کسی کی اطاعت نہیں کریں' اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بے شک یہ ضرور جھوٹے ہیں ۝ اگر ان کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے' پھر کہیں سے ان کی مدد نہیں کی جائے گی ۝

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ یہ آیتیں اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں کہ منافقین بنی نضیر سے یہ کہتے تھے کہ تمہاری مدد کے لیے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر تم کو نکلنا پڑا تو ہم پھر بھی تمہارے ساتھ ہیں' یہ منافقین عبد اللہ بن ابی' عبد اللہ بن نتیل اور رفاعہ بن زید تھے اور بہ ظاہر ان کا تعلق انصار سے تھا' اس آیت میں فرمایا ہے: انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا: کیونکہ منافقین اور یہودی دینی رشتہ سے آپس میں بھائی تھے' کیونکہ دونوں فریق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے اور اس میں فرمایا ہے: منافقین نے اہل کتاب کے کافروں سے کہا' اس سے مراد حی بن اخطب' جدی' ابو یاسر اور مالک ابن الضیف اور بنو قریظہ ہیں' انہوں نے ان سے کہا: اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم کو مدینہ سے نکال دیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے نکل جائیں گے اور اس معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے' اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں' اگر بنو نضیر کو مدینہ سے نکال دیا تو منافقین ان کے ساتھ نکلیں گے' اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' اس کو علم تھا کہ منافقین نے بنو نضیر کو جھوٹی تسلیاں دی ہیں وہ ان کے موافق عمل نہیں کریں گے اور ایسا ہی ہوا اور یہ قرآن مجید کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قوی دلیل ہے کہ آپ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر مسلمانوں نے ان سے جنگ کی تو منافقین ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور اگر بالفرض انہوں نے بنو نضیر کے ساتھ جنگ کی تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور پھر ان کی کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان منافقوں کے دلوں میں اللہ سے زیادہ مسلمانوں کا خوف ہے یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا علم نہیں ہے اور اس کے علم اور قدرت پر ان کا ایمان نہیں ہے' اس لیے وہ بنو نضیر کو ایسی جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۴۲۔ ۳۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

غزوۂ بنو المصطلق میں منافقین کا مسلمانوں سے جھگڑا کرنا

۶ھ میں غزوۂ بنو المصطلق میں عبد اللہ بن ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے اور مسلمانوں سے جھگڑا کیا' اس کا کچھ بیان ہم اس سورت کے تعارف میں ذکر کر چکے ہیں اور زیادہ تفصیل ہم ان شاء اللہ المنافقون: ۸۔ ۷ میں ذکر کریں گے۔

عبد اللہ بن ابی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم پر بُری تہمت لگانا

۶ھ میں ہی غزوۂ بنو المصطلق سے واپسی میں عظیم سانحہ پیش آیا جب عبد اللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک جھوٹی اور بُری تہمت لگائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' سیدہ عائشہ ام المؤمنین اور دیگر مسلمانوں کو اس سے سخت اذیت پہنچی۔ ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۷ ص ۵۹۲۔ ۵۴۸ میں اس کے متعلق احادیث اور ان کی مفصل شرح نہایت تحقیق سے بیان کی ہے' اس کے بعد سورۂ نور: ۲۰۔ ۳ کی آیات بھی اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور ہم نے تفسیر ''تبیان القرآن'' ج ۸ ص ۱۱۱۔ ۶۹ میں ان آیات کی بہت شرح و بسط سے تفسیر کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب اور حضرت ام المؤمنین کی عفت اور طہارت اور امت مسلمہ پر حضرت ام المؤمنین کے احسانات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور یہاں پر بھی ہم اس مختصر حدیث کا ذکر کر رہے ہیں جس میں اس واقعہ کا بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میرے متعلق ایک ناگفتہ بہ بات کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا' کلمۂ شہادت پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی' پھر فرمایا: مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دو' جنہوں نے میری اہلیہ پر تہمت لگائی ہے' بہ خدا! میں نے اپنی اہلیہ پر کبھی کوئی بُرائی نہیں دیکھی اور جس شخص کے ساتھ انہوں نے تہمت لگائی ہے بہ خدا! مجھے اس میں بھی کسی برائی کا علم نہیں ہے' وہ جب بھی میرے گھر گیا' میرے ساتھ گیا اور میں جب کبھی گھر سے باہر گیا

تو وہ میرے ساتھ باہر گیا' اس کے بعد حسب سابق واقعہ بیان کیا اور اس روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لے گئے' اور میری باندی (حضرت بریرہ) سے پوچھا' اس نے کہا: بہ خدا! مجھے ان کے متعلق اس کے سوا اور کسی عیب کا علم نہیں ہے کہ وہ سو جاتی ہیں اور بکری آ کر ان کا آٹا کھا جاتی ہے۔ ہشام کو شک ہے کہ عجین کہا یا خمیر۔ آپ کے بعض اصحاب (حضرت علی) نے اس کو ڈانٹا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولو حتیٰ کہ انہوں نے اس کو اس قول کی وجہ سے گرا دیا' اس نے کہا: سبحان اللہ! بہ خدا! میں تو ان کو اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار خالص سونے کی سرخ ڈلی کو جانتا ہے (یعنی وہ بے عیب ہیں)' اور جب اس شخص تک یہ خبر پہنچی جس کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی تو اس نے کہا: بہ خدا! میں نے کبھی کسی عورت کا کپڑا نہیں کھولا' وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اور اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: جن لوگوں نے تہمت لگائی ان میں حضرت مسطح' حضرت حمنہ اور حضرت حسان بھی تھے اور رہا عبد اللہ بن ابی منافق تو وہ اس تہمت کو ہوا دیتا تھا اور وہ اور حمنہ ہی اس تہمت کو سب سے زیادہ پھیلانے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰)

منافقین کا شعار جھوٹ بولنا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: وہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہوگا اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی حتیٰ کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے' (وہ چار خصلتیں یہ ہیں:) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب لڑے تو بد کلامی کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۸۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۴' سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۳۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۹)

حسن بصری کے سامنے جب یہ احادیث بیان کی گئیں تو انہوں نے کہا: حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے بات کی تو جھوٹ بولا اور وعدہ کیا اور اس کے خلاف کیا اور انہوں نے امانت میں خیانت کی' وہ منافق نہیں تھے' مرتکبِ کبائر تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے لیے مغفرت طلب کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی یہ علامتیں مسلمانوں کو کبیرہ گناہوں سے ڈرانے کے لیے بیان فرمائیں ہیں تاکہ وہ منافقین کے ان اوصاف کو اپنی عادت نہ بنالیں اور ان میں منافقین کی عادات سرایت نہ کر جائیں اور اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس شخص سے اتفاقاً اور کبھی کبھی یہ کام سرزد ہو جائیں تو وہ منافق ہو جائے گا۔

منافقوں کا اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنانا

المنافقون: ۲ میں فرمایا: انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

عبد اللہ بن ابی نے کہا تھا: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور اس نے کہا تھا: اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم نے یہ کہا تھا؟ تو انہوں نے جھوٹی قسمیں کھالیں کہ ہم نے یہ نہیں کہا تھا' اس

لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا اور فرمایا: اور اللہ کے راستہ سے روکا' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اور اس کے رسول کی اطاعت سے اپنے نفسوں کو روکا اور اعراض کیا اور فرمایا: بے شک یہ بہت بُرا کام کر رہے ہیںO یعنی انہوں نے ایمان لانے پر کفر کو ترجیح دی' اور ان کے دلوں میں جو مسلمانوں کے خلاف بغض تھا اس کو چھپایا۔

منافقوں کے ایمان اور ان کے دلوں پر مہر لگانے کی توجیہ

المنافقون: ۳ میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے' پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ منافقین تو شروع سے ایمان لائے ہی نہیں تھے' پھر اس ارشاد کی کیا توجیہ ہے کہ وہ ایمان لائے' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے اپنے کفر کو چھپایا اور زبان سے ایمان لائے' پھر انہوں نے اپنے دل کے کفر کو ظاہر کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے ایمان کو ظاہر کرتے تھے اور تنہائی میں اپنے ساتھیوں کے سامنے کفر کو ظاہر کرتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی' چونکہ منافقین دانستہ اسلام لانے سے اعراض کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے' اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے' گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں' وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں' یہی (حقیقی) دشمن ہیں' سو تم ان سے خبر دار رہو' اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیںO اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ! رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اپنے سر منکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیںO ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں' اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا' اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتاO (المنافقون: ۶۔۴)

منافقین کو دیوار کے ساتھ لگے ہوئے شہتیر کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجوہ

المنافقون: ۴ میں فرمایا: جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے۔

ان سے مراد عبد اللہ بن ابی' مغیث بن قیس اور جد بن قیس وغیرہ منافقین ہیں' یہ بہت دراز قد اور حسین و جمیل تھے اور جب وہ کہیں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ ان کی بات سنیں گے۔

پھر فرمایا: گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں۔

اور لکڑی کے شہتیر میں عقل ہوتی ہے نہ سمجھ ہوتی ہے' اسی طرح منافقین میں بھی کوئی عقل اور سمجھ نہیں ہے اور نہ کوئی بصیرت ہے اور یہ فرمایا: گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے ہیں' یعنی ان میں اتنی جرأت اور ہمت نہیں ہے کہ وہ از خود لوگوں کے درمیان رہ سکیں اور وہ کسی نہ کسی کے سہارے رہتے ہیں' ان کو جو لکڑی کے اس شہتیر سے تشبیہ دی ہے جو دیوار کے سہارے کھڑا ہو اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) لکڑی کے شہتیر میں کوئی منفعت ہو تو وہ یا تو ستون ہوتا ہے یا چھت میں ہوتا ہے اور دیوار کے سہارے اسی ستون کو کھڑا کیا جائے گا جو ستون بنانے کے قابل ہو نہ چھت میں لگانے کے اور بالکل بے مصرف اور بے فائدہ ہو' سو اسی طرح منافقین بھی بے مصرف اور بے فائدہ ہیں۔

(۲) جولکڑی دیوار کے سہارے کھڑی ہو وہ اصل میں تروتازہ شاخ ہوتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہوتی ہے' بعد میں وہ سوکھ کر لکڑی ہو جاتی ہے اور بے فائدہ ہو جاتی ہے' اسی طرح منافقین بھی اصل میں اس قابل تھے کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے' بعد میں اپنے غلط کرتوتوں کی وجہ سے بے فائدہ اور بے فیض ہو گئے۔

(۳) لکڑی ایندھن بنتی ہے اور کفار اور منافقین بھی جہنم کا ایندھن ہیں۔ قرآن مجید میں کفار کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ (الانبیاء: ۹۸)

(۴) جولکڑی یا شہتیر دیوار کے سہارے ہو' اس کی دو طرفیں ہوتی ہیں: ایک طرف زمین سے ملی ہوتی ہے اور دوسری اوپر کی جانب ہوتی ہے' اسی طرح منافقین کی بھی دو طرفیں ہیں' ایک طرف سے یہ مؤمنوں کے سامنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی دوسری طرف منافقوں سے ملی ہوتی ہے اور اس طرف سے یہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوتے ہیں۔

(۵) جس شہتیر کی دیوار کے ساتھ ٹیک ہو وہ پہلے نباتات سے ہوتا ہے' پھر سوکھ کر جمادات سے ہو جاتا ہے' اسی طرح جو منافقین اصل میں بت پرست تھے وہ بھی درختوں اور پتھروں کی پرستش کرنے والے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں' آیت کے اس حصہ میں بتایا ہے کہ وہ بہت بزدل ہیں۔

پھر فرمایا: اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا' فاسق کا معنی ہے: جو اللہ کی اطاعت سے خارج ہو اور اس کے عموم میں کافر' مشرک اور منافق سب داخل ہیں۔

نیز فرمایا: اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں۔

یہ بددعا کا کلمہ ہے' اللہ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کو بددعا دے' اس فقرے کا محمل یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے متعلق یہ کہنا چاہیے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۴۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

منافقین کا طلب مغفرت سے انکار کرنا

المنافقون: ۵ میں فرمایا: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ! رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیں۔

جب قرآن مجید نے منافقین کے کرتوت بیان کیے تو مسلمانوں کے قبائل ان کے پاس گئے اور کہا: تم پر افسوس ہے تم نے نفاق کر کے اپنے آپ کو رسوا اور ہلاک کر دیا پس تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور نفاق پر توبہ کرو اور آپ سے سوال کرو کہ آپ ہمارے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں تو انہوں نے سر ہلایا اور انکار کیا اور توبہ کرنے سے بے رغبتی کا اظہار کیا۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۲۷۶' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

المنافقون: ۶ میں فرمایا: ان کے حق میں برابر ہے' خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں' اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا۔

قتادہ نے کہا: یہ آیت ''استغفرلھم او لاتستغفرلھم'' کے بعد نازل ہوئی' اس کی مکمل تفسیر ہم التوبہ: ۸۰ میں کر چکے ہیں'' تبیان القرآن'' ج ۵ ص ۲۱۲۔۲۱۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں' حتیٰ

کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں' لیکن منافقین نہیں سمجھتے O وہ کہتے ہیں کہ اگر اب ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا' حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے O (المنافقون: ۸۔۷)

غزوۂ بنو المصطلق چھ ہجری میں عبداللہ بن ابی کا آپ کی اور آپ کے اصحاب کی شان میں گستاخی کرنا

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے' ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی لوگ بھی تھے' ہم پانی لینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور دیہاتی ہم پر سبقت کر رہے تھے' ایک اعرابی اپنے اصحاب سے پہلے وہاں پہنچ گیا' اس نے حوض کو بھر دیا اور اس کے گرد پتھر رکھ دیئے اور ان پر ایک چمڑا بچھا دیا' حتیٰ کہ اس کے اصحاب آ گئے' انصار میں سے ایک شخص اس دیہاتی کے پاس آیا' اس نے اپنی اونٹنی کو پانی پلانے کے لیے اس کی لگام ڈھیلی کی' لیکن دیہاتی نے اپنا قبضہ چھوڑنے سے انکار کیا' انصاری نے پانی کے پاس سے رکاوٹیں ہٹا دیں' اس دیہاتی نے لکڑی اٹھا کر اس انصاری کے سر پر ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا' وہ انصاری عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں میں سے تھا' اس نے اس کے پاس جا کر ماجرا سنایا' عبداللہ بن ابی غضب ناک ہوا اور اس نے کہا: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر اس وقت تک خرچ نہ کرو جب تک وہ ان کے پاس سے منتشر نہ ہو جائیں' یعنی وہ دیہاتی جو کھانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: جب یہ لوگ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے اٹھ جائیں' اس وقت ان کے پاس کھانا لانا' تاکہ وہ اور ان کے اصحاب کھانا کھائیں' پھر عبداللہ بن ابی اپنے اصحاب سے کہنے لگا: اب اگر ہم مدینہ واپس گئے تو تم میں سے عزت والے ذلت والے کو وہاں سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' میں نے عبداللہ بن ابی کی بات سن لی اور پھر اپنے چچا کو بتا دی' انہوں نے جا کر یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلوایا' اس نے قسم کھا کر یہ بات کہنے کا انکار کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور میری تکذیب کر دی' پھر میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا: میرا ارادہ یہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر ناراض ہوں اور آپ اور مسلمان تمہاری تکذیب کریں' اس سے مجھے اتنا رنج ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا رنج نہیں ہوا تھا' پس جس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں جا رہا تھا تو افسوس کی وجہ سے میں اپنا سر ہلا رہا تھا' اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میرے کان کو ملا' اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور مجھے اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ اس کے بدلہ میں دائمی دنیا سے بھی نہ ہوتی' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا فرمایا تھا؟ میں نے کہا: آپ نے کچھ نہیں فرمایا تھا' البتہ آپ نے میرے کان کو ملا اور میرے سامنے مسکرائے' حضرت ابوبکر نے کہا: تم کو مبارک ہو' پھر مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے اور انہوں نے بھی حضرت ابوبکر کی طرح پوچھا' پھر جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المنافقون تلاوت فرمائی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۰۴۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۸۹۔۴۸۸' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۵۵۔۵۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے (وہ غزوۂ بنو المصطلق تھا)' ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مار دیا' مہاجر نے دیگر مہاجروں کو مدد کے لیے پکارا: اے مہاجرو! مدد کرو' اور انصاری نے انصار کو مدد کے لیے

پکارا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیخ و پکار سنی تو فرمایا: یہ زمانہ جاہلیت کی طرح کیسی چیخ و پکار ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مار دیا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو! یہ بہت بُرا وتیرہ ہے۔ عبداللہ بن ابی نے یہ واقعہ سنا تو اس نے کہا: کیا واقعی مہاجر نے ایسا کیا ہے؟ اب اگر ہم مدینہ پہنچے تو وہاں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا' تب حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں' عمرو بن دینار کے علاوہ دوسرے راوی نے کہا: پھر عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ جو مخلص صحابی تھے' انہوں نے عبداللہ بن ابی سے کہا: اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ میں نہیں داخل ہو سکتے' جب تک کہ تم یہ اقرار نہ کرلو کہ تم ذلت والے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۰۷۔۴۹۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۵' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۰۴۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۲۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۹۰' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۵۳)

آسمانوں اور زمینوں کے خزانوں کا بیان

المنافقون: ۷ میں فرمایا ہے: اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔

یعنی آسمانوں سے بارش برسانا اور زمینوں سے فصلوں کو اگانا اور زمینوں میں معدنیات کو رکھنا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں اور اسی کی ملکیت میں ہے۔

مؤمنوں کی عزت کا معنی

المنافقون: ۸ میں فرمایا: حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے O

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عزت تکبر کے مغائر ہے اور مؤمن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلت میں رکھے' پس مؤمن کی عزت یہ ہے کہ اس کو اپنی حقیقت کی معرفت حاصل ہو اور وہ اپنے آپ کو دنیا کی عارضی منفعت سے بچا کر رکھے اور تواضع کرے اور جو انسان تکبر کرتا ہے وہ اپنی حقیقت سے جاہل ہوتا ہے' پس عزت صورت کے اعتبار سے تکبر کے مشابہ ہے اور حقیقت کے اعتبار سے تکبر کے خلاف ہے' جیسا کہ تواضع بہ ظاہر ذلیل ہونا ہے اور حقیقت کے اعتبار سے ذلت کے خلاف ہے اور تواضع محمود ہے اور ذلت مذموم ہے اور تکبر مذموم ہے اور عزت محمود ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا:

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ O	پس آج تم کو ذلت والا عذاب چکھایا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور فسق کرتے تھے O

(الاحقاف: ۲۰)

اور اس میں یہ خفیف اشارہ ہے کہ وہ عزت جس میں کبریائی اور بڑائی ہو وہ صرف اللہ کا حق ہے اور مؤمنوں کے لیے جو عزت ہے وہ کبریائی اور بڑائی کی آمیزش سے خالی ہے اور تواضع اور انکسار کو متضمن ہے اور کفار اور منافقین کے لیے کسی قسم کی کوئی عزت نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے کچھ (ہماری راہ میں) خرچ کرو' اس

سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے' پھر وہ کہے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ اور دنوں کی مہلت کیوں نہ دی تا کہ میں صدقہ کرتا اور نیکوں میں سے ہو جاتا O اور جب کسی شخص کی مقرر مدت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ اس کی روح (قبض کرنے) کو ہرگز مؤخر نہیں کرتا' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O (المنافقون: ۱۱۔۹)

اللہ کے ذکر کی مختلف تفسیریں

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ذکر اللہ سے مراد حج اور زکوٰۃ ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کو پڑھنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دائمی طور پر ذکر کرنا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام فرائض ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ حج بیت اللہ کر سکے یا جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ حج نہ کرے اور زکوٰۃ نہ دے تو وہ موت کے وقت مہلت کا سوال کرتا ہے' ایک شخص نے کہا: اے ابن عباس! اللہ سے ڈریئے' دوبارہ دنیا میں لوٹنے کا سوال تو صرف کافر کرتے ہیں' اس پر حضرت ابن عباس نے اس کے سامنے المنافقون: ۱۱۔۹ آیات کی تلاوت کی۔

اس شخص نے پوچھا: زکوٰۃ کتنے مال پر واجب ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: دو سو درہم پر (۲۰۰۵ء میں تقریباً آٹھ ہزار روپوں پر) اس نے پوچھا: حج کس شخص پر واجب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس شخص کے پاس زادِ راہ اور سواری ہو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۰۴۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸)

المنافقون: ۱۰ میں فرمایا ہے کہ موت آنے سے پہلے ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو' اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہیے' اسی طرح تمام فرائض ہیں۔

حج میں تاخیر کے جواز سے حضرت ابن عباس کی تفسیر پر اعتراض اور اس کا جواب

نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں قصداً تاخیر کی تو یہ بالاتفاق گناہ ہے' لیکن حج کی ادائیگی میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جیسے ہی مسلمان زادِ راہ' سواری اور دیگر ضروری اخراجات پر قادر ہوا' اس پر اسی سال حج فرض ہو جاتا ہے اور اگر اس سال اس نے حج نہیں کیا اور مر گیا تو گناہ گار ہو گا۔ اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے اور ضروری نہیں کہ جس سال وہ حج کے اخراجات پر قادر ہوا اسی سال اس کو موت آجائے' اس لیے اگر اس نے حج میں تاخیر کی اور اس سال حج نہیں کیا تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۴۲۰۔۴۱۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

امام محمد اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج کو مطلقاً فرض کیا ہے اور یہ قید نہیں لگائی کہ فرضیت کے پہلے سال ہی حج کیا جائے' مکہ ۸ھ میں فتح ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حج کیا ہے' اگر حج فوراً واجب ہوتا تو آپ اسی سال حج کر لیتے نیز اگر اسی سال حج فرض ہو تو جو شخص ایک سال بعد حج کرے تو یہ کہنا چاہیے کہ اس نے حج کو قضا کیا ہے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اس نے حج کو ادا کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ہر چند کہ حج مطلقاً فرض ہے اور فوراً حج کرنے کی قید نہیں ہے لیکن احتیاط کا یہی تقاضا ہے کہ فوراً حج کر لیا جائے کیونکہ موت کا کوئی پتا نہیں۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۴۳۔۴۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: جس نے حج نہیں کیا اور اس کو موت آ گئی تو وہ المنافقون: ۹۔۱۱ کا مصداق ہو گا حالانکہ بعض ائمہ کے نزدیک حج میں تاخیر کرنا جائز ہے۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور اجتہادی مسائل وعید میں داخل نہیں ہیں۔

(احکام القرآن ج ۴ ص ۲۵۹ ' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

سورۃ المنافقون کا اختتام

الحمد للہ علیٰ احسانہ! آج ۱۷ ذوالحج ۱۴۲۵ھ/ ۲۸ جنوری ۲۰۰۵ء بعد نمازِ جمعہ سورۃ المنافقون کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۶ جنوری کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح تین دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔

الٰہ العلمین! باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری' میرے والدین' میرے اساتذہ اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد
سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ التغابن

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام التغابن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی حسب ذیل آیت میں ''التغابن'' کا لفظ ہے:

یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ۔ (التغابن:۹) جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع فرمائے گا وہی دن (کفار کے) نقصان کا دن ہے۔

اس سورت کا نام التغابن اس لیے ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن کی یاد دلائی جائے۔غبن کا معنی ہے: خرید وفروخت میں نقصان پہنچانا' کفار نے اپنے نفسوں کو شیطان اور نفس امارہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس بیع میں ان کو جو نقصان ہوا اس کا ظہور قیامت کے دن ہوگا' اس لیے قیامت کے دن کو ''یوم التغابن'' فرمایا اور ایک طرح سے یہ مؤمنوں کے لیے بھی نقصان کا دن ہوگا کیونکہ اگر وہ ایمان لانے کے بعد گناہ کبیرہ نہ کرتے تو ان کو عتاب یا عذاب کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور مؤمنین کاملین اگر زیادہ نیکیاں کرتے تو ان کو زیادہ اجر وثواب ملتا اور زیادہ اونچے درجات ملتے اور مکمل خسارے اور نقصان کا دن یہ صرف کفار کے لیے ہوگا۔

سورۃ المنافقون اور سورۃ التغابن میں مناسبت

اس سے پہلی سورت میں منافقین کے اوصاف ذکر فرمائے تھے اور ان کے اوصاف سے اجتناب کی ہدایت دی تھی اور اس سورت میں کفار کے اوصاف ذکر فرمائے ہیں اور ان کے اوصاف سے اجتناب کی ہدایت دی ہے اور بتایا ہے کہ کفار کے لیے دوزخ ہے اور مسلمانوں کے لیے جنت ہے۔

سورۃ المنافقون میں مسلمانوں سے فرمایا تھا:

لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ۔ (المنافقون:۹) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔

اور اس سورت میں فرمایا ہے:

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ ۔ (التغابن:۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں۔

سورۃ المنافقون میں فرمایا تھا:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ ۔ (المنافقون:۱۰) اور ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

اور اس سورت میں فرمایا ہے:

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ ۔ اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو گے تو وہ اس (کے اجر) کو تمہارے

(التغابن: ۱۷) لیے دگنا چوگنا کر دے گا اور تمہاری مغفرت کر دے گا۔

مسبحات اور آخری چھ سورتوں میں ارتباط

سورۃ الحشر (۵۹)' سورۃ الصف (۶۱)' سورۃ الجمعہ (۶۲) اور سورۃ التغابن (۶۴)' ان چار سورتوں کو المسبحات کہا جاتا ہے کیونکہ ان سورتوں کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے سے شروع کیا گیا ہے۔ سورۃ الحشر: ۱ میں ہے: "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" سورۃ الصف: ۱ میں ہے: "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" سورۃ الجمعہ: ۱ میں ہے: "یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" سورۃ التغابن: ۱ میں ہے: "یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ"۔ پہلی دو سورتوں میں ماضی کے صیغہ کے ساتھ تسبیح کا ذکر ہے کہ آسمانوں کی تمام چیزوں نے اللہ کی تسبیح کی اور بعد کی دو سورتوں میں مضارع کے صیغے کے ساتھ تسبیح کرنے کا ذکر ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور ماضی کا زمانہ حال کے زمانہ پر مقدم ہوتا ہے' اس لیے پہلی دو سورتوں میں ماضی کی تسبیح کا ذکر ہے اور بعد کی دو سورتوں میں حال کی تسبیح کا ذکر ہے۔

پھر ان آخری چھ سورتوں میں بھی خاص ربط ہے' ان میں مختلف امتوں کا ذکر ہے' سورۃ الحشر میں ان اہل کتاب یہودیوں (بنو نضیر) کا ذکر ہے جن سے معاہدہ کیا گیا تھا' انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی' اس کی سزا میں ان کو مدینہ بدر کر دیا گیا' سورۃ الممتحنہ میں ان کفار کا ذکر ہے جن سے حدیبیہ میں معاہدہ کیا گیا تھا اور چونکہ معاہدہ میں خواتین کے مدینہ آنے کی ممانعت نہیں تھی' اس لیے مدینہ ہجرت کر کے آنے والی خواتین کا امتحان لینے کا حکم دیا گیا' سورۃ الصف میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ اور مؤمنین کا ذکر ہے' سورۃ الجمعہ میں یہودیوں اور مسلمانوں کا ذکر ہے' سورۃ المنافقون میں منافقین کا ذکر ہے اور سورۃ التغابن میں مشرکوں اور دیگر کافروں کا ذکر ہے۔

جمہور کے قول کے مطابق سورۃ التغابن مدنی سورت ہے۔ ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۷ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۶۴ ہے۔ یہ سورۃ الجمعہ کے بعد اور سورۃ الصف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ التغابن کے مشمولات

☆ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ عبادت کا حقیقی مستحق صرف اللہ عزوجل ہے' اسی نے سب کو پیدا کیا ہے اور وہی سب کو نعمتیں عطا فرمانے والا ہے' لہٰذا وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔

☆ پچھلی امتوں میں سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور قیامت کا انکار کیا ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

☆ کفار کے مظالم پر مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے اور اللہ پر توکل کرنے کی تاکید کی ہے۔

☆ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ ان کے جو رشتہ دار مشرک ہیں ان سے خبردار رہیں' کہیں وہ ان کو شرک میں مبتلا نہ کر دیں۔

☆ مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں' اللہ تعالیٰ ان کو بہت اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے سورۃ التغابن کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھ کو اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم اور غلط اور باطل سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۸ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۹ جنوری ۲۰۰۵ء

سورۃ التغابن ۶۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتہا ۱۸ رکوعاتہا ۲

سورۃ التغابن مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھارہ آیات دو رکوع ہیں

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ

آسمانوں کی تمام چیزیں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں' اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور

هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ

وہ ہر چیز پر قادر ہے○ وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا ہے پس بعض تم میں سے مومن ہیں اور بعض تم

مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

میں سے کافر ہیں' اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے○ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو

بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي

حق کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت حسین صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے○ وہ جانتا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو' اور اللہ سینوں میں چھپی ہوئی

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا

باتوں کو (بھی) خوب جاننے والا ہے○ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا تھا' انہوں نے اپنے

وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

کرتوتوں کی سزا (دنیا میں) چکھ لی اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى

واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہا: کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے! پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیرا اور اللہ نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی

اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ

اور اللہ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا○ کافروں کا یہ باطل گمان ہے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا نہیں جائے گا' آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے

رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا پھر تم کو تمہارے کرتوتوں کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر

خَبِیْرٌ ۸ یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ

رکھنے والا ہے O جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع فرمائے گا وہی دن (کفار کے) نقصان کا دن ہے' اور جو لوگ

بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' اللہ ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دے گا اور ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۹ وَالَّذِیْنَ

جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے O اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَبِئْسَ

کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ

الْمَصِیْرُ ۱۰ ع

کیسا برا ٹھکانا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں کی تمام چیزیں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں' اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا ہے' پس بعض تم میں سے مؤمن ہیں اور بعض تم میں سے کافر ہیں' اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو حسین صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے O وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو (بھی) خوب جاننے والا ہے O

(التغابن: ۴-۱)

آسمانوں اور زمینوں کا زبانِ قال سے تسبیح کرنا

ہمارے نزدیک آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ ہر چیز زبان حال سے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور ہمارے نزدیک ہر چیز زبانِ حال سے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور زبانِ قال سے بھی اللہ

تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کامل اور مقبول بندے اس تسبیح کو سنتے بھی ہیں' اس کی تفصیل اور تحقیق ہم نے بنی اسرائیل: ۴۴ کی تفسیر میں ذکر کی ہے' دیکھئے''تبیان القرآن'' ج۶ ص ۷۲۶۔۷۲۳۔

تقدیر پر ایک مشہور اشکال کا جواب

التغابن: ۲ میں فرمایا: پس بعض تم میں سے مؤمن ہیں اور بعض کافر ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن شام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور ہر اس چیز کا ذکر کیا جو ہونے والی ہے اور بتایا کہ لوگ مختلف طبقات میں پیدا ہوں گے' ایک شخص مؤمن پیدا ہوگا اور بہ طور مؤمن زندگی گزارے گا اور بہ طور مؤمن مرے گا اور ایک شخص کافر پیدا ہوگا اور بہ طور کافر زندگی گزارے گا اور بہ طور کافر مرے گا اور ایک شخص مؤمن پیدا ہوگا اور بہ طور مؤمن زندگی گزارے گا اور بہ طور کافر مرے گا اور ایک شخص کافر پیدا ہوگا اور بہ طور کافر زندگی گزارے گا اور بہ طور مؤمن مرے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۴۳۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرعون کو اس کی ماں کے پیٹ میں کافر پیدا کیا اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو ان کی ماں کے پیٹ میں مؤمن پیدا کیا۔

(الکامل لابن عدی ج۶ ص۲۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۴۳۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور آپ سب سے بڑے سچے ہیں کہ اللہ سبحانہ' تم میں سے کسی ایک کی تخلیق کو چالیس دن اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کرتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے' پھر اس کی طرف اللہ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے' اس کو چار باتیں لکھنے کی اجازت دی جاتی ہے' پس وہ اس کا رزق لکھتا ہے' اس کی مدت حیات لکھتا ہے' اس کا عمل لکھتا ہے اور یہ کہ وہ شقی ہوگا یا سعید (دوزخی ہوگا یا جنتی)' پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے' پس بے شک تم میں سے کوئی ایک اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر لکھا ہوا سبقت کرتا ہے اور وہ اہل دوزخ کا عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور بے شک تم میں سے کوئی ایک اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۱۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶)

ہم نے مسئلہ تقدیر پر مفصل بحث ''شرح صحیح مسلم'' ج۷ ص ۲۶۸۔۲۴۳ میں کی ہے اور الصّٰفّٰت: ۹۶'' تبیان القرآن'' ج۹ ص ۹۰۶۔۹۰۷ میں بھی اس پر گفتگو کی ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اخیر عمر تک یا عمر کے آخر میں نیک کام کرنے یا بُرے کام کرنے کا اختیار دیا ہے اور جو کچھ اس نے اپنے اختیار سے کرنا تھا' اسی کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا اور اسی کے موافق لوحِ محفوظ میں اور ماں کے پیٹ میں فرشتہ نے لکھا ہے لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ جب پہلے سے ہی لکھ دیا ہے تو بندہ کے گناہ کرنے میں اس کا کیا قصور ہے۔

انسان کی صورت سب سے حسین ہے

التغابن: ۳ میں فرمایا: اور تمہاری صورتیں بنائیں تو حسین صورتیں بنائیں۔

مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور اس کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:

۲۸۴۱)اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا۔(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳)خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی حسین صورت ہے اور ان کی اولاد بھی ان کی صورت پر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ (التین:۴) بے شک ہم نے انسان کو سب سے حسین صورت پر پیدا کیا ۝

سب حیوان سر جھکا کر چلتے ہیں اور انسان سر اٹھا کر چلتا ہے' سب حیوان اپنا منہ کھانے تک لے جاتے ہیں اور انسان کھانا اپنے منہ تک لے جاتا ہے۔ یہ عزت اور سرفرازی صرف انسان کو حاصل ہے' سب حیوانوں کی کمر جھکی ہوئی ہے اور انسان کی کمر سیدھی ہے۔

کافروں کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

التغابن: ۴ میں فرمایا: وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کافر کفر کریں گے پھر ان کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ضرور حکمت ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کو اس حکمت کا علم بھی ہو۔

(تفسیر کبیر ج۱۰ ص ۵۵۳۔ ۵۵۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی صفت قہر اور غضب کا ظہور ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے: میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

(اللآلی المنثورۃ للزرکشی رقم الحدیث: ۱۱۳' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔

(الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۱۹۶)

سو مؤمنوں کے پیدا کرنے سے اس کی صفت رحمت کا ظہور ہوا اور کافروں کو پیدا کرنے سے اس کی صفت غضب کا ظہور ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا تھا' انہوں نے اپنے کرتوتوں کی سزا (دنیا میں) چکھ لی اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہا: کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے! پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیرا' اور اللہ نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اللہ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ۝ کافروں کا یہ باطل گمان ہے کہ ان کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا' آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا' پھر تم کو تمہارے کرتوتوں کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے ۝ (التغابن: ۷۔ ۵)

اس آیت میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور اس میں سابقہ امتوں کے اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ان کے مسلسل کفر اور عناد کی وجہ سے دنیا میں دیا گیا تھا اور اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ان کے لیے آخرت میں تیار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے کی تحقیق

التغابن: ۶ میں فرمایا: تو انہوں نے کہا: کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے! پس انہوں نے کفر کیا۔
ان کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بشریت کو رسالت کے منافی سمجھا اور پتھر کے بتوں کو الوہیت کے منافی نہیں سمجھا' انہوں نے رسولوں کی رسالت کا انکار کیا اور اللہ کی اطاعت اور عبادت سے منہ پھیرا اور لاپرواہی برتی۔
انہوں نے رسولوں کی تحقیر کرتے ہوئے کہا: کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے!اور یہ نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے رسالت کے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔
رسولوں کی بشریت کا انکار کرنا کفر ہے' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں:
اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے' قال تعالیٰ:
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۹۳) آپ کہیے: میرا رب ہر عیب سے پاک ہے' میں صرف بشر رسول ہوں ۝
(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۶۷' مکتبہ رضویہ' کراچی' ۱۴۱۲ھ)
لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشر کہنا صحیح نہیں ہے آپ کو افضل البشر یا سید البشر کہنا چاہیے۔
شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ نے لکھا ہے:
یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو وہی کرو سوان میں بھی اختصار کرو۔
(تقویۃ الایمان ص ۴۴' مطبع علیمی' لاہور)
جب کسی شخص کی صفات ذکر کی جائیں تو ان صفات کا ذکر کرنا چاہیے جن صفات میں وہ دوسروں سے ممتاز ہو' اسی وجہ سے جب صحابہ نے کہا: کیا ہم آپ کے (دینی) بھائی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے (یعنی بعد کے لوگ)۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹)
آپ نے صحابہ کو بھائی کہنا پسند نہیں فرمایا کیونکہ اس صفت میں بعد کے لوگ بھی مشترک ہیں اور ان کو اصحاب فرمایا' کیونکہ یہی ان کا امتیازی وصف ہے تو آپ کو صرف بشر کہنا کس طرح درست ہوگا جس وصف میں نہ صرف عام مسلمان بلکہ کفار بھی مشترک ہیں۔
اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھو تو سب سے حسین صلوٰۃ پڑھو' کیونکہ تم کو معلوم نہیں یہ صلوٰۃ آپ پر پیش کی جاتی ہے' لوگوں نے کہا: آپ ہمیں سکھائیں' ہم کیسے صلوٰۃ پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: " اللهم اجعل صلاتك ورحمتك وبركاتك على سيد المرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدك ورسولك امام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة اللهم ابعثه مقاما محمودًا يغبطه به الاولون والاخرون. الحديث "۔(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۶)
التغابن: ۷ میں فرمایا: کافروں کا یہ باطل گمان ہے کہ ان کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا' آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا پھر تم کو ضرور بہ ضرور تمہارے کرتوتوں کی خبر دی جائے گی۔
اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کافر تو قیامت اور حشر ونشر کو مانتے ہی نہیں تھے' ان پر یہ آیت کیسے حجت ہوگی کہ ان کو اٹھایا جائے گا اور ان کو ان کے اعمال کی ضرور خبر دی جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو یہ علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو

مانتے ہیں اور جب آپ اللہ کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ ان کو ضرور اٹھایا جائے گا اور ان کو ضرور ان کے اعمال کی خبر دے دی جائے گی تو ضرور یہ سچی خبر ہے ورنہ آپ قسم کھا کر یہ بات نہ کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوتم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع فرمائے گا وہی دن (کفار کے) نقصان کا دن ہے' اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' اللہ ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دے گا اور ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے O اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے O

(التغابن: ۱۰۔۸)

قرآن مجید کو نور فرمانے کی وجہ

التغابن: ۶۔۵ میں بتایا تھا کہ جو قومیں اپنے رسولوں پر ایمان نہیں لائیں ان کو دنیا میں عذاب دیا گیا' پس اب اہل مکہ سے فرمایا: تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ تا کہ تم پر وہ عذاب نازل نہ ہو جو پچھلی امتوں پر نازل ہو چکا ہے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے' اس نور سے مراد قرآن مجید ہے' کیونکہ جس طرح حسی نور اندھیرے میں ہدایت دیتا ہے' اسی طرح قرآن مجید شکوک اور شبہات کے اندھیروں اور کفر اور گم راہی کی ظلمتوں میں ہدایت دیتا ہے اور فرمایا: اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے تم خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

قیامت کے دن کو یوم التغابن فرمانے کی وجہ

التغابن: ۹ میں فرمایا: جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن جمع فرمائے گا۔

قیامت کے دن کو ''یوم الجمع'' فرمایا کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو' انسانوں اور جنات کو' آسمان والوں کو اور زمین والوں کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس دن بندے کو اس کے اعمال کے ساتھ جمع فرمائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس دن مؤمنوں کو اور کافروں کو جمع فرمائے گا۔

قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے ''یوم التغابن'' فرمایا' غبن کا معنی ہے: کسی کو نقصان پہنچانا' جب کوئی شخص کسی کو کوئی چیز معروف نرخ سے زیادہ مہنگے داموں پر فروخت کر دے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اس کے ساتھ غبن کیا ہے' یعنی اس کو نقصان پہنچایا ہے' قیامت کے دن کافروں کو پتا چلے گا کہ دنیا میں انہوں نے اپنی جانوں کو کفر اور سرکشی کی جس قیمت پر فروخت کیا تھا یہ گھاٹے کا سودا تھا اور اس تجارت میں انہوں نے اپنے نفسوں کے ساتھ غبن کیا تھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○ (البقرہ: ۱۶)	یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے عوض گم راہی خرید لی پس ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ پہنچایا O

اس طرح جن مسلمانوں نے اپنی جانوں کو نفسانی خواہشوں اور گناہوں کے عوض فروخت کر دیا ان کو بھی قیامت کے دن پتا چلے گا کہ انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ غبن کیا ہے۔

اسی طرح جن مسلمانوں نے کم عبادت کی یا کم شکر ادا کیا اور اپنی جانوں کو آرام طلبی اور سستی کے عوض فروخت کر دیا ان کو بھی قیامت کے دن پتا چلے گا کہ انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ غبن کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' اللہ ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دے گا۔

یعنی جو لوگ رسولوں کے پیغام کے مطابق قیامت اور حشر ونشر پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور ان کو ان جنتوں میں داخل فرمادے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔

التغابن: ۱۰ میں فرمایا: اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی' وہی دوزخی ہیں' اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مؤمنوں کے انعام کے بعد کفار کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔

علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز غبن فاحش کے ساتھ فروخت کردے یعنی معمول اور مروّج قیمت سے بہت زیادہ قیمت لے اور خریدار قاضی کے پاس گواہوں سے غبن فاحش ثابت کردے اور قاضی بیع فسخ کر دے تو اس کی قضا نافذ ہو جائے گی۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۶۹' سہیل اکیڈمی' لاہور)

غبن فاحش کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

کوئی چیز غبن فاحش کے ساتھ خریدی ہے' اس کی دو صورتیں ہیں: دھوکہ دے کر نقصان پہنچایا ہے کہ نہیں؟ اگر غبن فاحش کے ساتھ دھوکا بھی ہے تو واپس کر سکتا ہے ورنہ نہیں' غبن فاحش کا یہ مطلب ہے کہ اتنا ٹوٹا (نقصان) ہے جو مقومین (قیمت لگانے والوں) کے اندازہ سے باہر ہو مثلاً ایک چیز دس روپے میں خریدی' کوئی اس کی قیمت پانچ بتاتا ہے' کوئی چھ' کوئی سات تو یہ غبن فاحش ہے اور اگر اس کی قیمت کوئی آٹھ بتاتا ہے' کوئی نو' کوئی دس تو غبن یسیر ہوتا۔ دھوکے کی تین صورتیں ہیں: کبھی بائع مشتری کو دھوکا دیتا ہے' پانچ کی چیز دس میں بیچ دیتا ہے اور کبھی مشتری بائع کو دھوکا دیتا ہے کہ دس کی چیز پانچ میں خرید لیتا ہے' کبھی دلّال دھوکا دیتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں جس کو غبن فاحش کے ساتھ نقصان پہنچا ہے واپس کر سکتا ہے اور اگر کبھی اجنبی شخص نے دھوکا دیا ہو تو واپس نہیں کر سکتا۔ (بہار شریعت حصہ ۱۱ ص ۵۹۔۵۸' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ

جس شخص کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ کے اذن سے پہنچتی ہے' اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھے اللہ اس کے

قَلْبَهٗ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ

دل کو ہدایت دے گا' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو'

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ

پس اگر تم نے منہ پھیرا تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف (احکام کو) وضاحت سے پہنچا دینا ہے O اللہ (ہی) ہے' اس

اِلَّا هُوَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اللہ پر ہی مؤمنوں کو توکل کرنا چاہیے O اے ایمان والو! بے شک

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ

تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو' اور اگر

تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ

تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O تمہارے اموال اور

وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے O پس تم جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (احکام)

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ

سنو اور اطاعت کرو اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو لوگ اپنے نفسوں کے بخل سے بچا لیے گئے تو وہی لوگ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ

اخروی کامیابی پانے والے ہیں O اور اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہارے لیے اس (کے اجر) کو دگنا کر دے گا اور تم کو بخش دے گا'

يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

اور اللہ نہایت قدر دان بہت حلم والا ہے O وہ ہر غیب اور شہادت (باطن اور ظاہر) کو جاننے والا بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس شخص کو بھی مصیبت پہنچی ہے وہ اللہ کے اذن سے پہنچتی ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھے' اللہ اس کے دل کو ہدایت دے گا' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم نے منہ پھیرا تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف (احکام کو) وضاحت سے پہنچا دینا ہے O اللہ (ہی) ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اللہ پر ہی مؤمنوں کو توکل کرنا چاہیے O اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التغابن: ۱۴۔۱۱)

مصائب پر صبر کرنے کی تلقین اور ترغیب

اس آیت میں اللہ کے اذن سے مراد ہے: اس کے ارادہ اور اس کے فیصلہ سے یا اللہ کے امر سے یا اس کے علم سے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار نے کہا: اگر مسلمانوں کا دین برحق ہوتا تو اللہ ان کو دنیاوی مصائب سے محفوظ رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: مسلمانوں کو ان کی جان' ان کی اولاد اور ان کے اموال میں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اللہ کے فیصلہ سے پہنچتی ہے اور جو مسلمان اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں کو صبر کرنے کی ہدایت دیتا ہے اور وہ مصیبت کے وقت کہتے ہیں: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ'' (البقرہ: ۱۵۶) اور اللہ ان کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ یہ یقین رکھیں کہ جو مصیبت ان پر آئی ہے وہ ان سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جس مصیبت سے وہ بچ گئے وہ ان پر آ نہیں سکتی تھی۔

التغابن: ۱۲ میں فرمایا: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

یعنی مصائب کا مردانہ وار سامنا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مشغول رہو اور قرآن و سنت کے

موافق عمل کرتے رہو اور اگر تم نے اطاعت سے انحراف کیا تو جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تم سے جبراً اطاعت کرانا نہیں ہے' ان کے ذمہ تو صرف وضاحت کے ساتھ احکام کو پہنچا دینا ہے۔

التغابن: ۱۳ میں فرمایا: اور اللہ پر ہی مؤمنوں کو توکل کرنا چاہیے۔

کیونکہ مؤمنوں کو یہ یقین ہوتا ہے کہ حقیقت میں قادر صرف اللہ ہے' اس لیے ہر معاملہ میں صرف اللہ پر ہی اعتماد کرنا چاہیے اور اسی سے طاقت حاصل کرنی چاہیے۔

اہل وعیال اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکیں یا اس کی نافرمانی کے لیے کہیں تو ان کی بات پر عمل نہ کیا جائے

التغابن: ۱۴ میں فرمایا: اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو۔ اس آیت کے شانِ نزول میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان کی بیوی اور اولاد تھی اور جب وہ جہاد کے لیے جانے لگتے تو وہ رونے لگتے اور کہتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جارہے ہو؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں کچھ مسلمان ہوئے پھر انہوں نے مدینہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور ان کی اولاد نے ان کو ہجرت کرنے سے منع کیا اور روکا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۴' المستدرک ج ۴ ص ۲۹۰)

قتادہ نے کہا: تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں بعض وہ ہیں جو تمہیں نیکی کا حکم نہیں دیتے اور بُرائی سے نہیں روکتے۔

مجاہد نے کہا: ان میں سے وہ ہیں جو تمہیں رشتے منقطع کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا حکم دیتے ہیں (کہ گھر کی ضروریات اور ہماری فرمائشوں کو پورا کرنے کے لیے رشوت لو اور دیگر ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرو)۔

ابن زید نے کہا: تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دین میں مخالف ہیں یعنی اہل کتاب سے ہیں۔
(النکت والعیون ج ۶ ص ۲۴' تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۶۹)

اس کے بعد فرمایا: اگر تم معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

جب کسی مسلمان کو اس کے اہل وعیال ہجرت کرنے سے یا جہاد پر جانے سے روکتے اور وہ ان کی بات نہ مان کر ہجرت کر لیتا اور جہاد پر چلا جاتا تو واپس آ کر وہ اپنے اہل وعیال کو سزا دیتا اور ان پر خرچ نہ کرتا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے ○ پس تم جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (احکام) سنو اور اطاعت کرو' اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو لوگ اپنے نفسوں کے بخل سے بچا لیے گئے' تو وہی لوگ اخروی کامیابی پانے والے ہیں ○ اور اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو تو وہ تمہارے لیے اس (کے اجر) کو دگنا کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ نہایت قدردان بہت حلم والا ہے ○ وہ ہر غیب اور شہادت (باطن وظاہر) کو جاننے والا' بہت غالب بے حد حکمت والا ہے ○ (التغابن: ۱۸۔۱۵)

اہل وعیال کا آزمائش ہونا اور اجر عظیم کی تفسیر

التغابن: ۱۵ میں فرمایا: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے' اس وقت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آئے' وہ دو سرخ قمیصیں پہنے ہوئے تھے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا

رہے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا' پھر کہا: اللہ عزوجل نے سچ فرمایا ہے: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہے' میں نے ان بچوں کی طرف دیکھا کہ یہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات منقطع کی اور ان کو اٹھایا' اس کے بعد آپ نے خطبہ شروع کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۳۹' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۴)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے' اجر عظیم کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا: اے جنت والو! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کے لیے حاضر ہیں' اللہ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے' تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے بھی افضل نعمت عطا نہ کروں؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل اور کون سی نعمت ہوگی؟ اللہ سبحانہٗ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کر دیتا ہوں' اس کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۸۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے لیکن یہ نعمت جنت ملنے کے بعد حاصل ہوگی اس لیے مسلمان جنت کی طلب کریں اور جنت میں اللہ کی رضا کو طلب کریں۔

بہ قدر طاقت اللہ سے ڈرنے کا حکم

التغابن: ۱۶ میں فرمایا: پس تم جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

یعنی مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق تقویٰ کے حصول کی کوشش کرے۔ قتادہ نے کہا: اس آیت نے درج ذیل آیت کو منسوخ کر دیا:

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ. (آل عمران: ۱۰۲) اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس آیت کا بھی یہی محمل ہے کہ تم جس قدر تقویٰ کر سکتے ہو اس قدر تقویٰ کرو اور وہی تمہارے اعتبار سے تقویٰ کرنے کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور تم اللہ کے احکام پر عمل کرتے رہو اور اس کی راہ میں اپنے اموال کو خرچ کرتے رہو۔

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا: اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے' تو وہی لوگ اخروی کامیابی پانے والے ہیں۔

اس آیت میں ''الشح'' کا لفظ ہے' اس کا معنی بخل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ظلم ہے' اس کی مکمل تفسیر الحشر: ۹ میں گزر چکی ہے۔

اللہ کو قرضِ حسن دینے کا معنی

التغابن: ۱۷ میں فرمایا: اور اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو تو وہ تمہارے لیے اس (کے اجر) کو دگنا کر دے گا۔

یعنی اگر تم اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی اطاعت میں اپنے اموال کو خرچ کرو تو وہ تم کو دگنا چوگنا اجر عطا فرمائے گا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ تم کو سات سو گنا اجر عطا فرمائے گا۔ (البقرہ: ۲۶۱) اور قرضِ حسن کی تفسیر یہ ہے کہ حلال مال سے صدقہ کیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ خوش دلی سے صدقہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس کو قرض دو یہ اس کا انتہائی لطف وکرم ہے کیونکہ بندہ جو کچھ اس کی راہ میں خرچ کرے گا وہ اسی کا دیا ہوا مال تو ہے' بندہ کا ذاتی مال تو نہیں ہے۔

نیز اس آیت میں اسنادِ مجازِ عقلی ہے' حقیقت میں تو مال ضرورت مندوں کو دیا جائے گا اور اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ کو قرض دو' جس طرح کہا جاتا ہے: غوثِ اعظم نے بیٹا دیا حالانکہ حقیقت میں اللہ نے بیٹا دیا ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: اللہ نہایت قدر دان بہت حلم والا ہے۔

اس آیت میں ''شکور'' کا لفظ ہے' اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا اس مال کا شکر ادا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ شکور ہے یعنی شکر کی بہت زیادہ جزاء دینے والا ہے اور وہ بہت حلیم ہے' یعنی تمہاری کوتاہیوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا اور تم کو مہلت دیتا رہتا ہے۔

التغابن: ۱۸ میں فرمایا: وہ ہر غیب اور شہادت (باطن وظاہر) کو جاننے والا' بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت کی مفصل تفسیر الحشر: ۲۴ تا ۲۲ میں گزر چکی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

سورۃ التغابن کا اختتام

الحمد للہ علیٰ احسانہ! آج ۲۰ ذوالحج ۱۴۲۵ھ/ ۳۱ جنوری ۲۰۰۵ء بہ روز پیر بعد نماز ظہر سورۃ التغابن کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲۹ جنوری کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح تین دنوں میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔

سورۃ التغابن کی تفسیر کی تکمیل کے ساتھ ہی تفسیر ''تبیان القرآن'' کی گیارھویں جلد بھی مکمل ہو گئی۔ ۲۴ مارچ ۲۰۰۴ء کو اس جلد کی ابتداء کی تھی اور ۳۱ جنوری ۲۰۰۵ء کو یہ جلد مکمل ہوگئی اس طرح اس جلد کی تکمیل میں دس ماہ اور سات دن لگے' اس جلد میں ۱۹ سورتوں اور پونے تین پاروں کی تفسیر آ گئی ہے اور اب سوا دو پاروں کی تفسیر باقی رہ گئی ہے' جو ان شاء اللہ بارھویں جلد میں مکمل ہو جائے گی' بارھویں جلد کے اخیر میں' میں ان شاء اللہ اپنے لکھنے کے طریقہ کار کے متعلق مفصل مقدمہ بھی لکھوں گا۔

میں اس سال کولیسٹرول بڑھتے رہنے کی وجہ سے کافی پریشان تھا اور اس وجہ سے کام کافی متاثر ہو رہا تھا' بعض مہینوں میں صرف ۵۲ صفحات' بعض میں ۶۱ صفحات لکھ سکا اور زیادہ سے زیادہ ۸۴ صفحات لکھ سکا اللہ تعالیٰ ذاکٹر عارف صاحب کو سعادت دارین عطا فرمائے' انہوں نے مجھے کولیسٹرول کنٹرول کرنے کے لیے (ZOCOR) دوا لکھ کر دی اور اعصابی کمزوری کے لیے (COBOLMIN) لکھ کر دی' جس کی وجہ سے مجھے بہت فائدہ ہوا اور جنوری کے مہینہ میں' میں نے ۱۳۴ صفحات لکھے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے محض اپنے فضل وکرم سے اور اپنی دی ہوئی توفیق سے ''تفسیر تبیان القرآن'' کی گیارہ جلدیں مکمل کرا دیں' بارھویں جلد کی بھی تکمیل کرا دیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے وجۂ استقامت اور مخالفین کے لیے سبب ہدایت بنا دیں اور تا قیام قیامت ''شرح صحیح مسلم'' اور ''تبیان القرآن'' کو باقی اور فیض آفریں رکھیں اور مجھے اور میرے قارئین' محبین اور معاونین اور ناشرین کو صحت' سلامتی اور توانائی کے ساتھ ایمان پر قائم رکھیں اور اسلام کے احکام پر عامل رکھیں اور ہم کو دنیا اور آخرت کے مصائب اور عذاب سے محفوظ رکھیں اور فلاح اور فوزِ دارین عطا فرمائیں' میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے تلامذہ' میرے احباب اور میرے قارئین کی محض اپنے فضل سے مغفرت فرمائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں۔ آمین! یا رب العلمین۔

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد قائد المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلیٰ آلہ الطاھرین واصحابہ الراشدین وازواجہ امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' ۱۵ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

ماخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ' کتاب الزہد' مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۴ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام سلیمان بن داؤد الجارود المتوفی ۲۰۴ھ' مسند ابوداؤد الطیالسی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ
۱۴- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۵- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' المصنف' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۷- امام سعید بن منصور خراسانی' مکی' متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۹- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵' مسند ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۱- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۲- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ، دار ارقم بیروت

۲۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، خلق افعال العباد، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ

۲۵- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۲۶- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ، ۱۴۱۷ھ

۲۷- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۹- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، دار الجیل بیروت، ۱۹۹۸ء

۳۱- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ

۳۲- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۲۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۳- امام ابن ابی عاصم، متوفی ۲۸۷ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ دار الرایہ، ریاض، ۱۴۱۱ھ

۳۴- امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار، متوفی ۲۹۲ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن، بیروت

۳۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۳۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ

۳۷- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۸- امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۹- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دار المامون التراث بیروت، ۱۴۰۴ھ

۴۰- امام عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۴۱- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ

۴۲- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۲ھ، مسند عمر بن عبد العزیز

۴۳- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ

۴۴- امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ، ۱۴۰۸ھ

۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۴۶- امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض ۱۴۲۰ھ

۴۷- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

۴۸- امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۹- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر، ۱۴۱۱ھ

۵۰- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان 'مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ
۵۱- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری' متوفی ۳۶۰ھ الشریعہ 'مطبوعہ مکتبہ دار السلام' ریاض' ۱۴۱۳ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ 'معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' مسند الشامیین 'مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۵۶- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' کتاب الدعاء 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۵۷- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی' متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مؤسستہ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ
۵۸- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی' المتوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۹- امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ' الناسخ والمنسوخ من الحدیث' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۶۰- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ' کتاب العظمۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۶۱- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ المستدرک 'مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۶۳- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار النفائس' بیروت
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوۃ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الآداب 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب فضائل الاوقات 'مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ
۷۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ' الجامع لشعب الایمان 'مطبوعہ مکتبہ الرشد ریاض' ۱۴۲۳ھ
۷۲- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' البعث والنشور 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۳- امام عبدالوصاب بن محمد ابن مندہ' متوفی ۴۷۵ھ' الفوائد 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ

۷۴- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۵- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' التوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ

۷۶- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۷۷- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۷۸- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۷۹- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۸۰- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتب النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ

۸۱- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' التوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۸۲- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ' مطبوعہ دار البخاری' مدینہ منورہ

۸۳- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ' المتجر الرابح' مطبوعہ دار خضر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۸۴- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دار ارقم بیروت

۸۵- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۸۶- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر' متوفی ۷۷۴ھ' جامع المسانید والسنن' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ

۸۷- امام محمد بن عبداللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ

۸۸- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' التوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ

۸۹- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' التوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ

۹۰- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' التوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۹۱- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' التوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۹۲- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین' مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ

۹۳- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۹۴- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ

۹۵- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی' مطبوعہ نشر السنہ ملتان

۹۶- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۹۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۹۸- امام عبدالرؤف بن علی المناوی' المتوفی ۱۰۳۱ھ' کنوز الحقائق' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مسند فاطمۃ الزہراء
۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جامع الاحادیث الکبیر' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' البدور السافرۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' دار ابن حزم بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۰۳- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۰۴- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۱۰۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الدرر المنتثرۃ' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۰۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی' متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ' مصر' ۱۳۰۳ھ' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۱۰۷- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۸- علامہ احمد عبدالرحمٰن البناء' متوفی ۱۳۷۸ھ' الفتح الربانی مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۹- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ۶۸ھ' تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۱۰- ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی' متوفی ۱۰۴ھ' تفسیر مجاہد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ
۱۱۱- امام حسن بن عبداللہ البصری' المتوفی ۱۱۰ھ' تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۱۲- امام مقاتل بن سلیمان' متوفی ۱۵۰ھ' تفسیر مقاتل بن سلیمان' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ
۱۱۳- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' احکام القرآن' مطبوعہ داراحیاء العلوم بیروت' ۱۴۱۰ھ
۱۱۴- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء' متوفی ۲۰۷ھ' معانی القرآن' مطبوعہ بیروت
۱۱۵- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت
۱۱۶- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ۳۰۷ھ' تفسیر قمی' مطبوعہ دارالکتاب ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۷- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دارالفکر بیروت
۱۱۸- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ۳۱۱ھ' اعراب القرآن' مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۹- امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۱۲۰- امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی' متوفی ۳۳۳ھ' تاویلات اہل السنۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ
۱۲۱- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ۳۷۰ھ' احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ

۱۲۲- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی' متوفی ۳۷۵ھ' تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ
۱۲۳- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی' متوفی ۳۸۵ھ' التبیان فی تفسیر القرآن' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۲۴- امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی' متوفی ۴۲۷ھ' تفسیر الثعلبی داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۲۵- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ' مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۴۱۲ھ
۱۲۶- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' النکت والعیون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۲۷- علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ' تفسیر القشیری مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۲۸- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۲۹- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی' التوفی ۴۶۸ھ' اسباب نزول القرآن' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۳۰- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی التوفی ۴۸۹ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ دارالوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ
۱۳۱- علامہ عماد الدین طبری الکیاالہراسی' متوفی ۵۰۴ھ' احکام القرآن' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۳۲- امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' التوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۳۳- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' الکشاف' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۳۴- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی' مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۳۵- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی' متوفی ۵۴۶ھ' المحرر الوجیز' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
۱۳۶- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی' متوفی ۵۴۸ھ' مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۳۷- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی' متوفی ۵۹۷ھ' زادالمسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
۱۳۸- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس' کشف الاسرار وعدۃ الابرار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
۱۳۹- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی' متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۴۰- شیخ ابومحمد روزبہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ' عرائس البیان فی حقائق القرآن' مطبع منشی نولکشور لکھنو
۱۴۱- علامہ محی الدین ابن عربی' متوفی ۶۳۸ھ' تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۹۷۸ء
۱۴۲- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۴۳- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' انوار التنزیل' مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع مصر
۱۴۴- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مدارک التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور
۱۴۵- علامہ علی بن محمد خازن شافعی' متوفی ۷۴۱ھ' لباب التاویل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور
۱۴۶- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی' متوفی ۷۲۸ھ' تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۴۷- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' التفسیر الکبیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۱۴۸- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' متوفی ۷۵۱ھ' بدائع التفسیر' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
۱۴۹- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی' متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

۱۵۰- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی متوفی ۷۵۶ھ الدر المصون مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۵۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ تفسیر القرآن مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ
۱۵۲- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی متوفی ۸۶۰ھ حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ
۱۵۳- علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ تفسیر الثعالبی مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۵۴- علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ھ حاشیۃ ابن التجید علی البیضاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
۱۵۵- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ نظم الدرر مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ ۱۴۱۳ھ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
۱۵۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدر المنثور مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۵۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جلالین مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لباب النقول فی اسباب النزول مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵۹- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۱۶۰- شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ منہج الصادقین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
۱۶۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ تفسیر ابوالسعود مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۶۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ عنایۃ القاضی مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۲۸۳ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
۱۶۳- علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ التفسیرات الاحمدیہ مطبع کریمی بمبئی
۱۶۴- علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ روح البیان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۶۵- علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ حاشیۃ القونوی علی البیضاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
۱۶۶- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ الفتوحات الالٰہیہ مطبوعہ المطبع البہیۃ مصر ۱۳۰۳ھ
۱۶۷- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ تفسیر صاوی مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ
۱۶۸- قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ تفسیر مظہری مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۶۹- شاہ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ تفسیر عزیزی مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۷۰- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ فتح القدیر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت دار الوفا بیروت ۱۴۱۸ھ
۱۷۱- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ

۱۷۲- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۷۳- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۷۴- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۷۵- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبہ الاسلامیہ ریاض
۱۷۶- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
۱۷۷- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۸- شیخ محمود الحسن دیوبندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۹- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس
۱۸۰- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ
۱۸۱- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات
۱۸۲- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ
۱۸۳- سید ابوالاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۸۴- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان
۱۸۵- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی' اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۸۶- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی' تفسیر المراغی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۸۷- آیت اللہ مکارم شیرازی' تفسیر نمونہ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ
۱۸۸- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۸۹- شیخ امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۹۰- علامہ محمود صافی' اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۹۱- استاذ محی الدین درویش' اعراب القرآن وبیانہ' مطبوعہ دارابن کثیر بیروت
۱۹۲- ڈاکٹر وھبہ زحیلی' تفسیر منیر' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ
۱۹۳- سعیدی حوی' الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دارالسلام

کتب علوم قرآن

۱۹۴- علامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ' البرہان فی علوم القرآن' مطبوعہ دارالفکر بیروت
۱۹۵- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۹۶- علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی' مناہل العرفان' مطبوعہ داراحیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۹۷- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ شرح صحیح البخاری مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ

۱۹۸- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ الاستذکار مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ

۱۹۹- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ تمہید مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۴۰۴ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ

۲۰۰- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۷۴ھ المنتقی مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۳۲ھ

۲۰۱- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

۲۰۲- قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ القبس فی شرح موطا ابن انس دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ

۲۰۳- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اکمال المعلم بفوائد مسلم مطبوعہ دارالوفا بیروت ۱۴۱۹ھ

۲۰۴- علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ کشف المشکل علی صحیح البخاری مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ

۲۰۵- امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابوداؤد مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۲۰۶- علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ الحسن التورپشتی متوفی ۶۶۱ھ کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ مکتبہ نزار مصطفیٰ ۱۴۲۲ھ

۲۰۷- علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی التوفی ۶۵۶ھ المفہم مطبوعہ دارابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ

۲۰۸- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

۲۰۹- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ شرح الطیبی مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۴۱۳ھ

۲۱۰- علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ فتح الباری دارابن الجوزی ریاض ۱۴۱۷ھ

۲۱۱- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ

۲۱۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ

۲۱۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار دارابن کثیر بیروت

۲۱۴- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ

۲۱۵- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ شرح سنن ابوداؤد مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ

۲۱۶- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ مکمل اکمال المعلم مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ

۲۱۷- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ ارشاد الساری مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ

۲۱۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ التوشیح علی الجامع الصحیح مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ

۲۱۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۲ھ
۲۲۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تنویر الحوالک مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۲۱- علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ تحفۃ الباری بشرح صحیح البخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ
۲۲۲- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ فیض القدیر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۲۲۳- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح الشمائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۲۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ جمع الوسائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۲۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۲۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ الحرز الثمین مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ
۲۲۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ الاسرار المرفوعۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۹- شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اشعۃ اللمعات مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۲۳۰- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ تحفۃ الذاکرین مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
۲۳۱- شیخ عبد الرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشر السنہ ملتان دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۳۲- شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۵۷ھ
۲۳۳- شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح الملہم مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۳۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ التعلیق الصبیح مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۳۵- شیخ محمد بن زکریا بن محمد بن یحییٰ کاندھلوی اوجز المسالک الی مؤطا مالک مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۲۳۶- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۳۷- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ التاریخ الکبیر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
۲۳۸- امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
۲۳۹- علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ العلل المتناھیہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۴۰۱ھ
۲۴۰- حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ تہذیب الکمال مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۴۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ
۲۴۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تقریب التہذیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۴- علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی متوفی ۹۰۲ھ المقاصد الحسنہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۴۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ ھ' اللآلی المصنوعة' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۴۶- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۴۷- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ ھ' الشذرة فی الاحادیث المشتہرة' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۲۴۸- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ ھ' تذکرة الموضوعات' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۴۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۵۰- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۴ ھ' کشف الخفاء ومزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۵۱- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ ھ' الفوائد المجموعہ' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۵۲- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۵۳- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ
۲۵۴- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ ھ' الصحاح' مطبوعہ دارالعلم بیروت' ۱۴۰۴ھ
۲۵۵- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۵۶- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ ھ' الفائق' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۵۷- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ ھ' نہایہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۵۸- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی متوفی ۶۶۰ ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۶۰- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوذة' قم' ایران
۲۶۱- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت
۲۶۲- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۶۳- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۶۴- لوئیس معلوف الیسوعی' متوفی ۱۸۶۷ء' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۶۵- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۶۶- ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۶۷- قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۶۸- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۶۹- امام عبدالملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ ھ' السیرة النبویہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۷۰- امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ الطبقات الکبریٰ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۷۱- امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ شرف المصطفیٰ مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ مکہ مکرمہ ۱۴۲۴ھ
۲۷۲- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ اعلام النبوت دار احیاء العلوم بیروت ۱۴۰۸ھ
۲۷۳- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ تاریخ الامم والملوک مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۷۴- حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ الاستیعاب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۷۵- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ الشفاء مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ
۲۷۶- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ الروض الانف مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۷۷- علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ الوفاء مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۷۸- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ اسد الغابہ مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۷۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ الکامل فی التاریخ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۸۰- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ وفیات الاعیان مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۸۱- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی متوفی ۷۵۶ھ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام مطبوعہ کراچی
۲۸۲- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تاریخ الاسلام مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۹ھ
۲۸۳- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ
۲۸۴- شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ زاد المعاد مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۸۵- علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی متوفی ۷۷۱ھ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۲۸۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ البدایہ والنہایہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۸۷- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ تاریخ ابن خلدون دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۸۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ الاصابہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۸۹- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی متوفی ۹۱۱ھ وفاء الوفاء مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۱ھ
۲۹۰- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ المواہب اللدنیہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ
۲۹۱- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ سبل الہدیٰ والرشاد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۹۲- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ الصواعق المحرقہ مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
۲۹۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح الشفاء مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۲۹۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ مدارج النبوت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۹۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نسیم الریاض مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۲۹۶- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ شرح المواہب اللدنیہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ

۲۹۷- علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی' متوفی ۱۳۰۴ھ' السیرۃ النبویۃ' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۸- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۹۹- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی' متوفی ۳۷۰ھ' مختصر اختلاف العلماء' دار البشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۰۰- علامہ ظہیر الدین بن ابی حنیفہ الولوالجی' متوفی ۵۴۰ھ' الفتاویٰ الولوالجیہ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ
۳۰۱- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۳۰۲- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ
۳۰۳- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری' متوفی ۵۴۲ھ' خلاصۃ الفتاویٰ' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۷ھ
۳۰۴- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی' متوفی ۵۸۷ھ' بدائع الصنائع' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۰۵- علامہ حسین بن منصور اوزجندی' متوفی ۵۹۲ھ' فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۰۶- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی' متوفی ۵۹۳ھ' ہدایہ اولین وآخرین' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۳۰۷- علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ' المحیط البرہانی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۲۴ھ
۳۰۸- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ' تبیین الحقائق' مطبوعہ ایچ-ایم سعید کمپنی کراچی' ۱۴۲۱ھ
۳۰۹- علامہ محمد بن محمود بابرتی' متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۳۱۰- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی' متوفی ۷۸۶ھ' فتاویٰ تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ
۳۱۱- علامہ ابوبکر بن علی حداد' متوفی ۸۰۰ھ' الجوہرۃ المنیرہ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۳۱۲- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی' متوفی ۸۲۷ھ' فتاویٰ بزازیہ' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۱۳- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ' بنایہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۱۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی' مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۳۱۵- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۳۱۶- علامہ جلال الدین خوارزمی' کفایہ' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۳۱۷- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین' متوفی ۹۵۴ھ' شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۳۱۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی' متوفی ۹۵۶ھ' غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ
۳۱۹- علامہ محمد خراسانی' متوفی ۹۶۲ھ' جامع الرموز' مطبوعہ مطبع منشی نولکشور' ۱۲۹۱ھ
۳۲۰- علامہ زین الدین بن نجیم' متوفی ۹۷۰ھ' البحر الرائق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۲۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ۹۸۲ھ' حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ۱۲۸۷ھ
۳۲۲- علامہ حامد بن علی قونوی رومی' متوفی ۹۸۵ھ' فتاویٰ حامدیہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۰ھ

۳۲۳- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ النہر الفائق مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۲۴- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح مطبوعہ دار احیاء التراث العربی موسسۃ التاریخ العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
۳۲۵- علامہ عبدالرحمن بن محمد متوفی ۱۰۷۸ھ مجمع الانہر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۳۲۶- علامہ خیر الدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
۳۲۷- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المختار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۲۸- علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ غمز عیون البصائر مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ
۳۲۹- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
۳۳۰- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۳۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۳۳۲- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۳۳- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
۳۳۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ ۱۴۱۹ھ
۳۳۵- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ جد الممتار مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۳۶- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۳۷- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۳۸- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۳۹- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ اعلاء السنن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۴۰- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۴۱- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ الام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
۳۴۲- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ الحاوی الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۳- علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۳ھ
۳۴۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
۳۴۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۴۶- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الحاوی للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۳۴۷- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۸- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۴۹- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ' المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۵۰- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۵۱- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی' متوفی ۷۶۷ھ' مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۵۲- علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی' التوفی ۹۵۴ھ' مواہب الجلیل' مطبوعہ مکتبہ النجاح' لیبیا
۳۵۳- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی التوفی ۱۱۰۱ھ' الخرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۵۴- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۵۵- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۶- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' المغنی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۵۷- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' الکافی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۵۸- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' مجموعۃ الفتاویٰ' مطبوعہ ریاض' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۵۹- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ' کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۶۰- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ' الانصاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۶۱- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ' کشاف القناع' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۶۲- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۶۳- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الاصول من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۴- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الفروع من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۵- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس' الاحتجاج' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۶۶- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی' التوفی ۶۷۹ھ' شرح نہج البلاغہ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۶۷- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ' کنز العرفان' مطبوعہ مکتب نوید اسلام- قم ۱۴۲۲ھ
۳۶۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران' ۱۳۴۷ھ
۳۶۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۷۰- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد وکلام

۳۷۱- امام ابوالقاسم رحمۃ اللہ طبری شافعی لالکائی متوفی ۴۱۸ھ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ

۳۷۲- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' المنقذ من الضلال' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۵ھ

۳۷۳- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمن بن محمد الانباری' التوفی ۵۷۷ھ' الداعی الی الاسلام' مطبوعہ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ

۳۷۴- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' العقیدۃ الواسطیہ' مطبوعہ دارالسلام ریاض' ۱۴۱۴ھ

۳۷۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح عقائد نسفی' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۷۶- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح المقاصد' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۷۷- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' شرح المواقف' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۷۸- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' مسایرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۷۹- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی' التوفی ۹۰۶ھ' مسامرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۸۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' التوفی ۱۰۱۴ھ' شرح فقہ اکبر' مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۵ھ

۳۸۱- علامہ محمد بن احمد السفارینی' التوفی ۱۱۸۸ھ' لوامع الانوار البہیہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ

۳۸۲- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' کتاب العقائد' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۸۳- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی' متوفی ۶۰۶ھ' المحصول' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ

۳۸۴- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری' التوفی ۷۳۰ھ' کشف الاسرار' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ

۳۸۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' توضیح وتلویح' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۸۶- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' التحریک مع التیسیر' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض

۳۸۷- علامہ محب اللہ بہاری' متوفی ۱۱۱۹ھ' مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۸۸- علامہ احمد جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' نور الانوار' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۸۹- علامہ عبدالحق خیر آبادی' متوفی ۱۳۱۸ھ' شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۹۰- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی' التوفی ۳۸۶ھ' قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۹۱- شیخ ابومحمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ' المحلی بالآثار' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ

۳۹۲- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دارالخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ

۳۹۳- امام ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی' متوفی ۵۹۷ھ ذم الهوٰی 'مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۳ھ

۳۹۴- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرہ' مطبوعہ دارالبخاریہ مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ

۳۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی' متوفی ۷۲۸ھ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ

۳۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' الکبائر' مطبوعہ دارالغد العربی قاہرہ' مصر

۳۹۷- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' جلاء الافہام' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۹۸- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' اغاثۃ اللهفان' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۳۹۹- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ' زادالمعاد' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۴۰۰- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی' متوفی ۷۶۸ھ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ

۴۰۱- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ

۴۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' شرح الصدور' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ

۴۰۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المیزان الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۰۴- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الیواقیت والجواہر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۰۵- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الکبریت الاحمر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۰۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' لواقح الانوار القدسیہ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۰۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ

۴۰۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۰۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المنن الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۴۱۰- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ' الفتاویٰ الحدیثیہ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ

۴۱۱- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

۴۱۲- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ

۴۱۳- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الزواجر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۴۱۴- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی' متوفی ۱۰۳۴ھ' مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ

۴۱۵- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ

۴۱۶- شیخ رشید احمد گنگوہی' متوفی ۱۳۲۳ھ' فتاویٰ رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۴۱۷- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران' ۱۳۷۸ھ

۴۱۸- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور

۴۱۹- شیخ وحید الزمان' متوفی ۱۳۴۸ھ' ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ

۴۲۰- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی' متوفی ۱۳۵۰ھ' جواہر البحار' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۴۲۱- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۴۲۲- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۴۲۳- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' نداء یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ